

فتاویٰ جامعہ اشرفیہ

مبارک پور

جلد اول

فتاویٰ

جلالۃ العلم حضور حافظِ ملت حضرت علامہ شاہ

عبد العزیز محدث مراد آبادی

ودیگر مفتیانِ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

ناشر

مجلسِ فقھی

جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یو.پی.)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (سورۃ الانبیا، آیت: ۷)

تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔ (کنزالایمان)

فتاویٰ جامعہ اشرفیہ

مبارک پور

جلد اول

فتاویٰ

جلالۃ العلم حضور حافظِ ملت حضرت علامہ شاہ

عبدالعزیز محدث مرادآبادی

ودیگر مفتیانِ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

ترتیب: مولانا مبارک حسین مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ناشر:

مجلسِ فقہی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یو.پی.)

کتاب	:	فتاویٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور (جلد اول)
ترتیب	:	مولانا مبارک حسین مصباحی، ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور
تصحیح	:	سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی، صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
تخریج	:	مولانا جنید احمد مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور -و- دیگر اساتذۂ اشرفیہ
نظرِ ثانی	:	مفتی بدرِ عالم مصباحی، مفتی محمد نسیم مصباحی، مفتی زاہد علی سلامی، مولانا نفیس احمد مصباحی مولانا ساجد علی مصباحی، مولانا عرفان عالم مصباحی، مولانا دستگیر عالم مصباحی، مولانا محمد ہارون مصباحی، مولانا محمود علی مشاہدی، (اساتذۂ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
کمپوزنگ	:	ماسٹر مہتاب پیامی، مبارک پور
سنِ اشاعت	:	۱۴۴۰ھ / اکتوبر ۲۰۱۸ء
صفحات	:	۷۲۰
تعداد	:	۱۱۰۰
قیمت	:	
ناشر	:	مجلسِ فقہی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ملنے کے پتے

(۱)- مجلسِ فقہی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲)- مجلسِ برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳)- مجلسِ برکات، کٹرہ گوکل شاہ، دہلی
(۴)- المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور
(۵)- دائرۃ البرکات، کریم الدین پور، برکات نگر، گھوسی
(۶)- زم زم اکیڈمی، انڈیا گیسٹ ہاؤس، مبارک پور

اجمالی فہرست

نوٹ: کتاب کی تفصیلی فہرست آخر میں صفحہ ۷۰۱ سے ملاحظہ کریں۔

کلماتِ طیبات

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی مصباحی
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی حبیبہ الکریم

میری دیرینہ خواہش تھی کہ والد مکرم استاذ العلما جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان نے مبارکپور تشریف لانے کے بعد گوناگوں مصروفیات کے باوجود جو فتاوے تحریر فرمائے وہ کتابی شکل میں آجائیں۔ فضل ربی ہوا کہ وہ خواہش احباب کی کاوشوں سے فتاویٰ جامعہ اشرفیہ کی جلد اول کی شکل میں پوری ہوئی۔

قابل ستائش و لائق مبارکباد ہیں وہ حضرات جنھوں نے کسی طرح کا بھی تعاون اس سلسلہ میں پیش کیا۔ اور آئندہ بھی تعاون کی امید رکھتا ہوں۔ دعا کرتا ہوں رب تعالیٰ دارین کی سعادتوں برکتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم۔

عبد الحفیظ عفی عنہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
۲۵ر محرم الحرام ۱۴۴۰ھ

حرفِ آغاز

از: مولانا جنید احمد مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

بانی اشرفیہ جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کا شمار ہندوستان کے ان جید علما اور اصحاب فضل و کمال میں ہوتا ہے جن کو پوری دنیا جانتی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو گوناگوں اوصاف کا حامل بنایا تھا، آپ ایک ماہر مدرس، عمدہ خطیب اور بے مثال محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مشاق مفتی اور فقیہ بھی تھے اور دیگر خدمات کے ساتھ فقہ و افتا کے میدان میں بھی بہترین خدمت انجام دی ہے جس کا اندازہ اس مجموعہ "فتاویٰ حافظ ملت" کے قاری کو اس کے مطالعہ سے ہو جائے گا۔

در اصل فتاویٰ حافظِ ملت سب سے پہلے حضرت مولانا بارک حسین مصباحی نے ماہ نامہ اشرفیہ میں قسط وار شائع فرمانا شروع کیا اور پھر انھوں نے اسے مجموعہ کی شکل میں شائع کرنے کا منصوبہ پیش کیا جس کو ذمہ دارانِ اشرفیہ نے قبول کیا، پھر ایک روز جامعہ اشرفیہ کے دارالافتا میں سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی صاحب قبلہ اور حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب قبلہ نے مجھے فتاویٰ حافظ ملت کا ایک کمپوز شدہ مسودہ عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس کی تخریج و تصحیح کا کام ہونا ہے میں نے بسر و چشم یہ ذمہ داری قبول کر لی۔

چوں کہ فتاویٰ حافظ ملت کی تصحیح کا مسئلہ نہایت اہم تھا اس لیے حضور سراج الفقہا نے اپنی بہت سی مصروفیات کے باوجود تصحیح کے لیے یہ صورت نکالی کہ میں (راقم الحروف) ہر روز مدرسہ کی چھٹی کے بعد حضرت کے دولت کدے پر حاضر ہو جاؤں اور عصر کی نماز راجہ مبارک شاہ مسجد میں ادا کروں اور پھر از بعدِ عصر تا وقتِ عشا فتاویٰ حافظ ملت سے ایک ایک فتویٰ حضرت کو سناتا رہوں اور تصحیح ہوتی رہے میں نے حضرت کے حکم کی بجا آوری کی اور اس کام میں لگ گیا چوں کہ قصبہ روز آنا جانا تھا اس لیے حضور سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے اپنی جیب خاص سے اس کام کے لیے ایک نئی سائیکل عطا فرمائی جو بہت بڑی ضرورت ثابت ہوئی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ حضور سراج الفقہا نے اپنی بیماری کی وجہ سے جامعہ سے رخصت علالت لی ہوتی مگر فتاویٰ حافظ ملت کی تصحیح کا کام اس حالت میں بھی کرواتے اس طرح تقریباً چھ سات مہینے میں تصحیح کا کام مکمل ہو گیا فالحمد للہ علی ذلک۔

اس درمیان وقت نکال کر میں تخریج بھی کرتا رہا۔

مجھ سے پہلے بھی کچھ حضرات نے فتاویٰ حافظ ملت کی جزوی تخریج کی تھی اس لیے تخریج کرتے وقت دیکھا کہ بہت سے جزئیات کی تخریج ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ ان حضرات کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

تخریج کے کام میں میں نے امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، مکتبہ شاملہ، اور دار المصنفین اعظم گڑھ سے استفادہ کیا۔ تصحیح و تخریج کے بعد مسودہ ماسٹر مہتاب پیامی صاحب کے حوالے کر دیا گیا۔

واپس ملنے کے بعد راقم الحروف اور جامعہ کے مؤقر استاد حضرت مفتی زاہد علی سلامی صاحب قبلہ نے مل کر تصحیح شدہ کاپی کا اصل سے مقابلہ کیا۔

جس وقت یہ کام جاری تھا اسی وقت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب قبلہ کے توسل سے جامعہ اشرفیہ کے دار الافتا کا ایک رجسٹر ملا جو بہت بوسیدہ ہو چکا تھا اس میں حضور حافظ ملت کے بھی کچھ ایسے فتاویٰ تھے جو ابھی اس مجموعہ میں شامل نہیں ہوئے تھے اس لیے پیامی صاحب سے ان کی نئے سرے سے کمپوزنگ کروائی اور پھر ان کی تخریج کر کے ان کو بھی مجموع میں شامل کر لیا اس کے بعد حضور سراج الفقہا نے نظر ثانی کے لیے جامعہ اشرفیہ کے مندرجہ ذیل مؤقر اور تجربہ کار اساتذہ کے درمیان پورا مجموعہ ابواب کے اعتبار سے تقسیم کر دیا۔

حضرت مفتی بدر عالم مصباحی، حضرت مفتی نسیم مصباحی، حضرت مفتی زاہد علی سلامی، حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، حضرت مولانا ساجد علی مصباحی، حضرت مولانا دستگیر عالم مصباحی، حضرت مولانا عرفان عالم مصباحی، حضرت مولانا محمود علی مشاہدی، حضرت مولانا محمد ہارون مصباحی، حضرت مولانا حبیب اللہ مصباحی ازہری، حضرت مولانا عبد اللہ مصباحی ازہری۔

راقم الحروف بھی ان حضرات میں شامل ہے ان سبھی حضرات نے انتہائی ذمہ داری کے ساتھ نظر ثانی فرمائی اور جہاں کہیں کوئی کمی باقی تھی اس کی نشان دہی فرمادی اور عمدہ مشوروں سے بھی نوازا۔

واضح رہے کہ اس کتاب میں حضور حافظِ ملت کے علاوہ بعض دیگر مفتیانِ اشرفیہ کے بھی فتاوے شامل ہیں، بعض میں جواب دینے والوں کے نام درج ہیں، بعض میں فقط جواب ہے مگر مجیب کی صراحت نہیں، اب یہ بغیر نام والے جوابات حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے بھی ہو سکتے ہیں اور دوسروں کے نہیں، مگر چوں کہ یہ سب حضور حافظِ ملت کے دور میں اشرفیہ کے دار الافتا سے جاری ہونے والے ہیں، اس کے لحاظ سے جلد اول میں شامل کیے جا رہے ہیں۔

اب کمپوزنگ کی تصحیح کے بعد اس کو پریس کے حوالے ہونا تھا مگر کسی وجہ سے اس کی اشاعت موقوف ہو گئی، لیکن الحمد اللہ اب اس کی اشاعت کی ساری راہیں ہموار ہو گئی ہیں اور ہم اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو قبولِ عام عطا فرمائے آمین۔

اخیر میں ہم ان تمام حضرات کے نہایت مشکور و ممنون ہیں جنہوں نے کسی بھی طرح اس کار خیر میں ہمارا تعاون کیا بالخصوص جامعہ اشرفیہ کے شاہین صفت طلبہ کی عظیم تنظیم "پیغام اسلام" کے اراکین و معاونین کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے "فتاویٰ حافظ ملت" کی اشاعت میں بھرپور تعاون کیا اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس مجموعہ کو ہم سب کے لیے مفید اور نافع بنائے آمین۔

جنید احمد مصباحی

استاد جامعہ اشرفیہ مبارک پور

۳ر محرم الحرام بروز جمعہ ۱۴۴۰ھ ۱۴ر ستمبر ۲۰۱۸ء

حیات حافظ ملت ایک نظر میں

واقعات	تفصیلات	ہجری	عیسوی
ولادت	..........تخمیناً..........	۱۳۱۲ھ	۱۸۹۴ء
تکمیل حفظ و مدرس مدرسہ حفظ القرآن، مراد آباد	....	۱۳۳۴ھ	۱۹۱۵ء
عربی تعلیم کا آغاز بخدمت مولانا حکیم محمد شریف مراد آبادی	....	۱۳۳۹ھ	۱۹۲۱ء
حصول تعلیم کے لیے جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں	....	۱۳۳۹ھ	۱۹۲۱ء
دار العلوم معینیہ اجمیر شریف میں حضرت صدر الشریعہ سے اکتساب علوم کے لیے	....	۱۳۴۲ھ	۱۹۲۴ء
شیخ المشائخ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے بیعت وارادت	..........(تقریبا)	۱۳۵۰ھ	۱۹۳۱ء
فراغت و دستار بندی	....	۱۳۵۱ھ	۱۹۳۲ء
تدریس کے لیے مبارک پور میں تشریف آوری	....	۱۳۵۲ھ	۱۹۳۴ء
دار العلوم اشرفیہ (باغ فردوس) کا سنگ بنیاد	....	۱۳۵۳ھ	۱۹۳۵ء
درس بخاری کی ابتدا	....	۱۳۵۷ھ	۱۹۳۸ء
مبارکپور کے ناساز گار حالات کے باعث جامعہ عربیہ ناگ پور تدریس کے لیے روانگی	....	۱۳۶۱ھ	۱۹۴۲ء
دوبارہ مبارک پور میں تشریف آوری	....	۱۳۶۲ھ	۱۹۴۳ء
عمارت دار العلوم اشرفیہ کی تکمیل	....	۱۳۶۳ھ	۱۹۴۴ء
بعض شر پسند عناصر کی وجہ سے نظر بندی	....	۱۳۶۸ھ	۱۹۴۹ء
سنی دار الاشاعت مبارک پور کا قیام	....	۱۳۷۹ھ	۱۹۵۹ء

اشرفیہ نسواں اسکول کی ابتدا................................	۱۳۸۵ھ	۱۹۶۵ء
سفر حج بیت اللہ (بلا فوٹو)................................	۱۳۸۷ھ	۱۹۶۷ء
اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ منتخب................................	۱۳۹۱ھ	۱۹۷۱ء
کل ہند علمی کانفرنس مبارک پور کا انعقاد................................	۱۳۹۲ھ	۱۹۷۲ء
درسگاہ عربی یونیورسٹی کا سنگ بنیاد................................	۱۳۹۲ھ	۱۹۷۲ء
درسگاہ عربی یونیورسٹی کا افتتاح................................	۱۳۹۳ھ	۱۹۷۳ء
سنگ بنیاد دارالاقامہ (ہوسٹل یونیورسٹی)................................	۱۳۹۳ھ	۱۹۷۳ء
آخری درس بخاری شریف................................	۱۳۹۶ھ	۱۹۷۶ء
وصال پر ملال................................	۱۳۹۶ھ	۱۹۷۶ء

حضور حافظِ ملت اور خدمتِ فقہ وافتا

از: نبیرۂ حضور حافظِ ملت حضرت مولانا نعیم الدین عزیزی مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

فقہ وفتاویٰ، شریعت کی روح اور اس کے عظیم مقاصد کی جان ہے۔ فقہ کے بغیر انسان خام ہے جس آدمی میں فقہ نہیں وہ معتبر عالم نہیں ہو سکتا ہے۔ فقہ وفتاویٰ کے تعلق سے کئی آیات واحادیث موجود ہیں۔ صرف فتویٰ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے ان آیات کا ذکر ہی کافی ہے جس میں اللہ سبحانہ، نے "افتا" کی نسبت خود اپنی طرف فرما رکھی ہے:

"یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ" (النساء:۱۷۶)

"یَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَاءِ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْھِنَّ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتَابِ فِیْ یَتَامَی النِّسَاءِ" (النساء:۱۲۷)

دوسری بات یہ کہ فقہ کا خلاصہ آیات واحادیث کے معنیٰ مراد جاننے ہی کا نام ہے اور یہی شریعت کا مقصودِ اعظم ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے بھی یہ فن سب سے اعلیٰ نظر آتا ہے۔ فقہ وفتاویٰ کی اہمیت کے لیے یہ بات بھی کافی ہے کہ اس کا دائرۂ عمل دیگر علوم وفنون اسلامیہ کے مقابل کہیں زیادہ وسیع ہے۔ فقہ وفتاویٰ کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہر ایک کی زندگی سے مربوط اور سارے انسانوں کے شب وروز سے منسلک ہے۔ فقہ وفتاویٰ سب کی ضرورت کی چیز ہے، خواہ حاکم ہو یا محکوم، مالدار ہو یا غریب، عالم ہو یا جاہل، سن رسیدہ ہو یا کمسن، مرد ہو یا عورت، ان کے علاوہ زندگی کے تمام دیگر شعبوں میں بھی قدم قدم پر فقہ وفتاویٰ کی ضرورت در پیش ہے۔ کوئی ایسا موقع ومقام نہیں جہاں فقہ وفتاویٰ کی روشنی کی ضرورت نہ ہو۔

اتنی اہمیت کا حامل ہونے کی وجہ سے یہ فن ہر کسی کو ودیعت نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے لیے مناسب اور لائق فرد کا انتخاب ضروری ہوا کرتا ہے۔ یہ فن اسی کے سپرد کیا جاتا ہے جو اس کا اہل ہو، جس کے ساتھ توفیق خداوندی اور تائید ایزدی شامل حال ہو۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"من یرد اللہ بہ خیر ایفقھہ فی الدین" (جامع الترمذی، ج:۲، ص:۹۳)

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔

چنانچہ ابتدائے اسلام سے آج تک بے شمار مفتیان کرام کا ورود ہوا ہے۔ انہیں اصحاب خیر اور ارباب فقہ وافتا

میں سے ایک اہم شخصیت حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ کی بھی ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر وترقی وتعلیمی فروغ وارتقا کے بے پایاں شوق نے حضور حافظ ملت کو شب وروز بے چین کر رکھا تھا۔ تعمیر وتعلیم سے متعلق کثرت اشغال، پھر اس پر کار تدریس کی اہم ذمہ داری کی وجہ سے حضور حافظ ملت کو باضابطہ فتویٰ نویسی کا موقع نہیں مل سکا، لیکن افتا وقضا کے اسرار ورموز اور علمی نکات کا وافر حصہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا تھا۔

حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اپنی نجی محفلوں میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بارہا اپنے بعض اہم فتاویٰ حضور حافظ ملت کی بارگاہ میں پیش کیے، حضور بطور حوصلہ افزائی یہ فرماتے کہ آپ کے فتاویٰ پر مجھے نظر ثانی کی حاجت نہیں مگر پھر بھی کبھی کبھی بڑی اہم اصلاحات بھی فرمادیا کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ کسی مشاق اور ماہر مفتی کے فتاویٰ میں اصلاح وہی کر سکتا ہے جو بحر افتا وقضا کا غواص رہا ہو۔

حضور حافظ ملت کے شاگرد رشید حضرت علامہ بدر القادری، ہالینڈ لکھتے ہیں:

"حافظ ملت کو فقہی جزئیات کا اس قدر استحضار تھا کہ جہاں جب کوئی سوال کیا جاتا اس کا حل پیش فرمادیتے۔ دار العلوم اشرفیہ کے دار الافتا سے جب بھی کوئی فتویٰ صادر ہوتا، آپ اگر موجود ہوتے تو اس کی تصدیق فرماتے اور برمحل افادات بھی۔ ہمارے دور طالب علمی میں بارہا ایسا دیکھا گیا کہ حضرت نائب شیخ الحدیث علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ اور مفتی عبد المنان صاحب اعظمی وغیرہما کسی فقہی علمی دشواری کے لیے بلا تکلف حافظ ملت کے پاس کتاب لیے پہنچ جاتے اور چند لمحوں میں چہرے پر اطمینان کی بشاشت لیے لوٹتے۔" (حیات حافظ ملت، ص:۳۸۰)

حضور حافظ ملت ہی کے ایک اور شاگرد حضرت مولانا اسلم عزیزی مصباحی رقم طراز ہیں:

"کسی ضرورت یا ہم درس ساتھیوں کے ساتھ سبق پڑھنے کے لیے راقم حافظ ملت کے پاس حاضر تھا، اسی وقت بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب قبلہ چند سوالوں (استفتا) کے جوابات لکھ کر، جوابات کی توثیق کے لیے حضور حافظ ملت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو فرمایا: پڑھ کر سنائیے۔ سوال وجواب سننے کے بعد حضرت نے کہیں کہیں رہنمائی بھی فرمائی، ایک جگہ ارشاد فرمایا: اس میں "اذلم یکن فیه غدر" کی شرط بھی ہے۔ اور چند کتابوں کے حوالے بھی بیان فرمائے۔" (معارف حافظ ملت، ص:۲۱)

حضور حافظ ملت کی سند فقہ:

حضور رسول اکرم سیدنا محمد عربی ﷺ

|

حضرت عبداللہ بن مسعود

|

حضرت علقمہ............ حضرت الاسود

|

حضرت ابراہیم
حضرت شیخ حماد
حضرت امام اعظم ابوحنیفہ
حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی
حضرت احمد بن حفص (ابوحفص کبیر)
حضرت عبداللہ بن ابی حفص البخاری
حضرت امام ابوعبیداللہ السبزمونی
حضرت شیخ ابوبکر محمد بن الفضل البخاری
حضرت شیخ القاضی ابوعلی النسفی
حضرت امام شمس الائمہ الحلوانی
حضرت امام فخر الاسلام البنردوی
حضرت امام برہان الدین (صاحب الہدایۃ)
حضرت امام عبدالستار بن محمد الکردری
حضرت شیخ جلال الدین الکبیر
حضرت شیخ عبدالعزیز البخاری
حضرت شیخ سید جلال الدین الخبازی
حضرت شیخ علاء الدین السیرافی
حضرت شیخ السراج قاری الہدایہ

حضرت شیخ الکمال بن الہام (صاحب فتح القدیر)
حضرت شیخ سری الدین عبد البر ابن الشحنہ
حضرت شیخ احمد بن یونس الشلبی

حضرت شیخ محمد بن عبد الرحمٰن المیسری، حضرت شیخ عبد اللہ الخریری، حضرت شیخ محمد بن احمد الحموی، حضرت شیخ احمد المحبی

حضرت شیخ حسن الشرنبلانی (صاحب نور الایضاع)

حضرت شیخ علی المقدسی، حضرت شیخ الشمس الحانوتی، حضرت شیخ عمر بن نجیم

حضرت شیخ احمد شوبری

حضرت شیخ اسماعیل بن عبد الغنی النابلسی (صاحب شرح الدرر والغرر)
حضرت شیخ عبد الغنی بن اسماعیل بن عبد الغنی النابلسی (صاحب الحدیقۃ الندیۃ)
حضرت شیخ اسماعیل بن عبد اللہ البخاری (علی زادہ)
حضرت شیخ عبد القادر بن خلیل
حضرت شیخ یوسف بن محمد بن علاء الدین المزجاجی
حضرت شیخ محمد عابد الانصاری المدنی
حضرت شیخ جمال بن عبد اللہ بن عمر مفتی مکہ
حضرت شیخ عبد الرحمٰن السراج بن شیخ عبد اللہ السراج مفتی مکہ
حضرت شیخ امام احمد رضا بریلوی (اعلیٰ حضرت)
حضرت شیخ محمد امجد علی اعظمی (صدر الشریعہ)
حضرت شیخ عبد العزیز مراد آبادی (حافظ ملت) رضی اللہ عنہم اس سند کے تمام مشائخ حنفی فقہا ہیں
(العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، ج:۱، ص:۵)

حضور حافظ ملت کی فقہی نکتہ رسی

خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا بیان ہے:

"ایک بار درسگاہ میں حضرت نے فرمایا: بنارس سے کچھ لوگ آئے، انہوں نے کہا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل شہر سے فرمایا: جب "بین یدی الخطیب" اذان ہو اس وقت نہ چلو بلکہ جب پہلی اذان ہو اسی وقت چلو۔ اس میں بین یدی الخطیب کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے یہاں اذان ثانی خطیب کے قریب ہوا کرتی تھی۔ میں نے کہا: اس سے اذان ثانی کا بیرون مسجد ہونا ثابت ہوتا ہے، کوفہ جیسے شہر کے لوگ اذان ثانی سن کر اپنے گھروں سے مسجد چلتے۔ یہ لوگ اذان ثانی اسی وقت سن سکتے ہیں جب بیرون مسجد ہوتی رہی ہو، اندرون مسجد کی اذان بھلا اس وسیع شہر میں لوگوں کے گھروں کے اندر کب پہنچی کہ وہ سن کر آتے۔" (ماہنامہ اشرفیہ، حافظ ملت نمبر، ص:۱۸۱)

فقہ کیا ہے؟

ایک سوال کے جواب میں غیر مقلدین کی جہالت پر کڑی تنقید فرماتے ہوئے حضور حافظ ملت لکھتے ہیں:

"یہ کہنا کہ قرآن و حدیث سے جواب دو، میں فقہ کسی کا نہیں مانتا، اس غیر مقلد کی سخت جہالت ہے۔ وہ فقہ کو جانتا ہی نہیں، وہ اپنی جہالت سے فقہ کو قرآن و حدیث کے خلاف سمجھتا ہے حالاں کہ فقہ ہی قرآن و حدیث کا صحیح مطلب ہے۔ خصوصا فقہ حنفی حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اصول ہے کہ حدیث کے خلاف قیاس ہرگز قابل اعتبار نہیں، مثلا قہقہہ فی الصلاۃ ناقض وضو ہے، یہ حدیث سے ثابت ہے اور قیاس چاہتا ہے کہ قہقہہ سے وضو نہ ٹوٹے اس لیے کہ قہقہہ کوئی نجاست نہیں ہے جو طہارت کے منافی ہو پھر اس سے وضو کیوں کر ٹوٹے گا؟ اسی لیے خارج نماز قہقہہ ناقض وضو نہیں، مگر چوں کہ حدیث میں آیا ہے کہ نماز میں قہقہہ ناقض وضو ہے لہٰذا حضرت امام اعظم رضی اللہ نے حدیث کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور قیاس کو ترک کر دیا۔ فقہ حنفی کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں جو حدیث کے خلاف ہو اور کسی حدیث سے بھی فقہ حنفی پر اعتراض کیا جا سکے، وجہ اعتراض صرف معترض کی جہالت یا تعصب ہے۔" (فتاویٰ حافظ ملت، کتاب الصلاۃ)

فتاویٰ حافظ ملت ایک عظیم فقہی شاہکار

حضور حافظ ملت نے اپنے مشفق استاذ گرامی حضور صدر الشریعہ کے ایما و اصرار پر بطور خادم دین حنیف ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۴ء میں قصبہ مبارک پور پر قدم رنجہ فرمایا تو قصبہ و اطراف مختلف مسائل کے شکار تھے، ایک طرف مدرسہ اشرفیہ کو عالمی پیمانے پر اہل سنت و جماعت کا اہم ادارہ بنانے کا حسین خواب اور اس کے لیے مسلسل جد و جہد، تو دوسری طرف اطراف و

جوانب میں اسلام وسنیت کے استحکام وفروغ کے لیے دعوت وتبلیغ، دن میں طلبہ کی تعلیم وتربیت، تورات میں عامۃ المسلمین کی رشد وہدایت کی مجلسیں، ان سب کے بعد زبانی وتحریری مسلمانوں کے دینی سوالات کے جوابات کا بھی سلسلہ جاری تھا۔ انہیں جوابات میں سے جو کچھ دستیاب ہوسکے ان کا مجموعہ اپنی بساط کے مطابق کتابی صورت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب کے مطابق بلا تبصرہ خود ہی اس عظیم فقہی شاہکار کے صفحات کھول کر حضور حافظ ملت کی فقہی بصیرتوں کا نظارہ کیجیے۔

نعیم الدین عزیزی
استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۲۴؍ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ

کتاب العقائد

أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ. (مسلم)

”اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کے صحیفوں، اس کے رسولوں، قیامت اور ہر خیر و شر کے اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے وابستہ ہونے پر ایمان لاؤ۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ ورسول کے حاضر وناظر ہونے کی وضاحت

از: محمد احمد، شفیع آباد، کانپور، ۲۶ر ستمبر ۴۹ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیانِ شرع متین مسائلِ ذیل میں:

(۱) خداے جل شانہ ہر جگہ موجود ہے، یا کوئی جگہ اس سے خالی ہے، اگر خالی ہے تو وہ کون سی جگہ ہے؟

(۱) زید کہتا ہے کہ (الف) حضور ﷺ حاضر وناظر ہیں خدا جل شانہ حاضر وناظر نہیں (ب) دوم یہ کہ خدا جل شانہ کو حاضر وناظر کہنا کفر ہے، بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے، پس زید کے اس قول سے تمام حکام اور چپراسی جو کہ مدعی ومدعا علیہ اور گواہان سے حلف لیتے ہیں ان الفاظ کے ساتھ کہ خدا کو حاضر وناظر جان کر سچ کہیں گے، اس کے کہنے اور کہلانے سے بقول زید سب کافر اور بیویاں نکاح سے باہر ٹھہریں یا نہیں۔ زید کا قول کہاں تک صحیح ہے؟

از روے شرع شریف جواب مدلل تحریر فرمائیں۔ بینوا و توجروا.

الجواب

(۱) اللہ عزوجل مکان وزمان سے پاک ہے، کوئی جگہ، کوئی مکان، کوئی وقت، کوئی زمان اس کا احاطہ کر سکے، محال ہے۔ عقائد نسفی میں ہے:

لا يتمكن فی مكان ولا يجری عليه زمان(۱)	اللہ عزوجل نہ کسی مکان میں مکین ہے نہ زمان کا اس پر مرور۔

یعنی خداوند قدوس کا کسی جگہ مخلوق کی طرح موجود ہونا محال ہے۔

(۲) حضور اقدس ﷺ اللہ عزوجل کے محبوب بندے اور پیاری مخلوق ہیں۔ ان کے لیے مکان وزمان ثابت ہے، بے شک وہ حاضر وناظر ہیں اور بلا شبہہ خداوند کریم مکان وزمان سے پاک ہے۔ اس کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

---

(۱) نجم الدين أبي حفص عمر بن محمد النسفي، شرح عقائد نسفي، ص:۵۹، ۶۰، مجلسِ بركات، مبارك پور

وہی لا مکاں کے مکیں ہوئے سرِ عرش تخت نشیں ہوئے

وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں، وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

اللہ عزوجل سمیع وبصیر، علیم وخبیر ہے۔ ہر جگہ ہر مکان میں ہر شے کو ہر وقت برابر دیکھتا، سنتا، جانتا ہے، ہر شے کو اس کا علم محیط ہے، حلف لیتے وقت جو یہ کہتے ہیں کہ خدا کو حاضر وناظر جان کر کہیں گے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارے فعل کو خداوند کریم دیکھتا ہے، ہمارے قول کو سنتا ہے۔ یہ معنی صحیح ہیں مگر بجائے حاضر وناظر کے شہید وبصیر کہنا چاہیے۔[1] وھو تعالیٰ اعلم. کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

رام، رحیم اور مندر، مسجد

مستفتی: محمد نظام الدین، چاند محمد جی، نائیٹوکی دھالی کے متصل، پالی، مارواڑ، راجستھان

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام حسبِ ذیل مسائل میں:

(۱) زید کہتا ہے کہ رام اور رحیم ایک ہی نام ہیں۔ یعنی خدا رام بھی ہے اور رحیم بھی، آیا زید کا یہ کہنا درست ہے؟

(۲) زید کہتا ہے مندر اور مسجد بھی ایک ہیں۔ آیا زید کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟

ان سوالوں کا جواب تفصیل سے تحریر فرما کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

الجواب

(۱) زید جاہل ملحد ہے، وہ رام اور رحیم کا معنی نہیں جانتا۔ رحیم کا معنی رحم وکرم فرمانے والا، رام کا معنی رمنے والا اور کسی چیز میں سمانے والا۔ خداوند قدوس رحیم ہے رام ہرگز نہیں۔ خدا کا رام ہونا محال ہے۔ یہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔ وہ خدا کو ہر شے میں اسی طرح سمایا ہوا مانتے ہیں، جیسے کپڑے میں رنگ اور پھول میں خوشبو، اسی لیے اس کو رام کہتے ہیں۔ یہ حلول ہے اور یہ خدا کے لیے محال ہے۔ یہ عقیدہ کفر والحاد ہے۔

(۲) مسجد خانۂ خدا ہے، اللہ وحدہ لاشریک لہ کی خالص عبادت کا مکان ہے۔

مندر بت خانہ ہے، بتوں کی پوجا کی جگہ ہے، شرک کا گھر ہے۔ مسجد مندر کو ایک کہنا سخت جہالت ہے، کفر والحاد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم. کتبہ عبدالعزیز عفی عنہ

---

(۱) فتاویٰ رضویہ میں اس مسئلے کی وضاحت ان الفاظ میں ہے:

اللہ عزوجل شہید وبصیر ہے اسے حاضر وناظر نہ کہنا چاہیے یہاں تک کہ بعض علمانے اس پر تکفیر کا خیال فرمایا اور اکابر کو اس کی نفی کی حاجت ہوئی۔ مجموعہ علامہ ابن وہبان میں ہے: و یاحاضر و یاناظر لیس بکفر - یاحاضر یاناظر کہنا کفر نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۶، ص:۱۵۷، سنی دار الاشاعت، مبارک پور)

کیا حضور ﷺ کو شبِ معراج دیدارِ الٰہی ہوا؟

مسئلہ زید کہتا ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کو معراج شریف میں اللہ رب العزت کا دیدار نہیں ہوا ہے اور دنیا میں کسی کو نہیں ہوا ہے حالاں کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ننانوے بار اللہ تعالیٰ کا دیدار محض قرآن پاک کی تلاوت سے ہوا ہے۔ آیا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے؟ برائے مہربانی جلد از جلد مع حوالہ جات جواب مرحمت فرمائیں اور جو دیدار کا منکر ہے اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب

زید کا یہ قول صحیح نہیں مرجوح ہے صحیح و راجح و مختار یہ ہے کہ حبیب خدا اشرف انبیا محمد رسول اللہ ﷺ کو دیدار الٰہی ہوا، دنیا میں ہی حضور بہت مرتبہ دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوئے چناں چہ احادیث میں وارد ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ رَأَيْتُ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ فِي أَحْسَنِ صُوْرَةٍ.(۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں نے اپنے رب عزوجل کو بہترین صفت میں دیکھا۔

اسی حدیث کے حاشیہ پر ہے:

إِنْ كَانَ رُؤْيَا مَنَامٍ كَمَا فِي رِوَايَةٍ فَلَا إِشْكَالَ وَإِنْ كَانَ رُؤْيَةَ لِيَقْظَةٍ كَمَا فِي أُخْرٰى فَلَابُدَّ مِنَ التَّاوِيْلِ أَوْ هُوَ مَخْصُوْصٌ بِهِ ﷺ كَمَا فِي لَيْلَةِ الْمِعْرَاجِ عَلَى الْقَوْلِ الْمُخْتَارِ. (۲)

اگر حدیث میں خواب میں دیدار الٰہی مراد ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے تب تو کوئی اشکال نہیں اور اگر بیداری میں دیدار الٰہی مراد ہے جیسا کہ دوسری روایت میں ہے تو تاویل ضروری ہے۔ یہ کہ دنیا میں بحالت بیداری دیدار الٰہی حضور کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ شب معراج قول مختار پر حضور کو دیدار الٰہی ہوا۔

اس عبارت سے دو امر ثابت ہوئے اول یہ کہ دنیا میں ظاہری نظر سے دیدار الٰہی حضور کا خاصہ ہے۔ دوسرے شب معراج میں ظاہری نظر سے حضور کو دیدار الٰہی ہوا یہی قول مختار ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طویل حدیث میں ہے:

فَإِذَا أَنَا بِرَبِّيْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِي أَحْسَنِ

یعنی حضور نے فرمایا: ناگاہ میں اپنے رب

---

(۱) علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوٰۃ، باب المساجد، ص:۶۹، مجلس برکات، مبارک پور

(۲) الشیخ محمد بن بارک اللہ البنجابی، حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح، ص:۶۹، مجلس برکات، مبارکپور

صُوْرَةٍ .(۱)
تبارک وتعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں۔

اسی حدیث میں ہے:

قَالَ: فَرَأَيْتُهُ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفِي حَتّٰى وَجَدْتُ بُرْدَ أَنَامِلَهُ بَيْنَ ثَدْيِي فَتَجَلّٰى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ.(۲)

یعنی حضور نے فرمایا دیکھا میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو کہ اپنا دست قدرت میرے شانوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی، پس ہر چیز میرے لیے روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لیا۔

ان حدیثوں سے دنیا ہی میں حضور کے لیے دیدار الٰہی ثابت ہے رہا یہ کہ کس کیفیت سے آپ کو دیدار الٰہی ہوا اس کو اللہ تعالیٰ جانے اور اس کے حبیب ﷺ۔ حضور کے صدقے بزرگان دین و اولیاے کاملین کو بھی یہ نعمت دنیا میں نصیب ہوئی مگر دل کی آنکھ سے یا خواب میں۔ اسی طرح حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچشم باطن دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے اور جنت میں عامۂ مومنین کو یہ نعمت ظاہری آنکھوں سے نصیب ہوگی جیسا کہ احادیث کثیرۂ شہیرہ میں فرمایا:

سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ .(۳)

تم جنت میں اپنے رب کو اتنا ظاہر دیکھو گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو۔

حضور اقدس ﷺ جب شب معراج جنت میں تشریف لے گئے تو پھر دیدار الٰہی ہونے میں کیا شبہہ، اگرچہ شبِ معراج کی کیفیت دیدار میں اختلاف ہے لیکن قول صحیح و مختار یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے شبِ معراج میں ظاہری نظر سے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا، حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ «اشعة اللمعات شرح مشکوۃ شریف» میں فرماتے ہیں:

شیخ محی الدین نووی گفتہ کہ راجح و مختار نزد اکثر علما کبار آنست کہ آنحضرت دید پروردگار

شیخ محی الدین نووی نے فرمایا کہ اکثر اکابر علما کے نزدیک راجح اور مختار یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ

---

(۱) علامه ولی الدین محمد بن عبد الله خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوٰۃ، باب المساجد، ص:۷۲، مجلس برکات، مبارک پور

(۲) علامه ولی الدین محمد بن عبد الله خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، باب المساجد، ص:۷۲ ، مجلس برکات، مبارک پور

(۳) محمد بن عیسیٰ ترمذی، سنن ترمذی کتاب صفة الجنة، باب منه (رؤیة الرب تبارک و تعالیٰ، ص:۹۷، مجلس برکات، مبارک پور

خودرا بچشم سر۔(۱) | نے اپنے پروردگار کا سرکی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

(ت۔ مصباحی)

احادیث کریمہ واقوال ائمہ سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو دیدار الٰہی ہوا اور شب معراج میں ظاہری آنکھوں سے آپ کو دیدار ہوا یہی مذہب راجح و مختار ہے۔ لہٰذا زید کا قول مرجوح و نامقبول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

یا محمد کہنے کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم پر درود شریف بصیغہ خطاب ان الفاظ سے پڑھنا چاہیے، صلی اللہ علیک یا محمد، یا صلی اللہ علیک یارسول اللہ پڑھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اشرف انبیا سردار رسل جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے مراتب علیا کا شریعت مطہرہ نے بتمامہ وکمالہ لحاظ رکھا ہے۔ اس لیے کہ آپ کی تعظیم وتوقیر ایمان کی جان اور اسلام کی روح ہے۔ اس واسطے ہر موقع پر ادب کے پہلو کو ترجیح دی اور ہر امر میں تمام مخلوق پر حضور کی فوقیت اور امتیاز کو باقی رکھا، چناں چہ خطاب کے موقع پر بھی آپ کے امتیاز کو باقی رکھا کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کا نام لے کر پکار سکتے ہیں حضور ﷺ کو اس طرح پکارنا جائز نہیں بلکہ آپ کے وصف خاص کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا.(۲) | رسول کو یوں نہ پکارو جیسے آپس میں بعض بعض کو پکارتے ہو۔

تفسیر جلالین شریف میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے:

بِأَنْ تَقُوْلُوْا: يَا مُحَمَّدُ، بَلْ قُوْلُوْا: يَا نَبِيَّ اللهِ، يَا رَسُوْلَ اللهِ فِي لِيْنٍ وَ تَوَاضُعٍ وَ خَفَضِ صَوْتٍ.(۳) | حضور کو یوں نہ پکارو یا محمد بلکہ کہو یا نبی اللہ یا رسول اللہ عجز وانکساری کے ساتھ نرم لہجے اور پست آواز سے

---

(۱) شیخ محقق علامہ عبد الحق محدث دہلوی، اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ شریف، ج:٤، ص:۲۳۲

(۲) قرآن حکیم، سورۃ النور: ٢٤، آیت:٦٣

(۳) علامہ جلال الدین سیوطی و امام جلال الدین محلی، جلالین شریف، سورہ نور، ص:۳۰۲، مجلس برکات، مبارک پور

یعنی حضور کو نام لے کر نہ پکارو بلکہ کمال ادب سے آپ کے اوصاف کے ساتھ یاد کرو یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہو، تاکہ پورا امتیاز باقی رہے، صلی اللہ علیک یا محمد میں اگرچہ درود شریف کی وجہ سے امتیاز ہے لیکن حضور کے نام کے ساتھ ندا ہے جس کی ممانعت آیت و تفسیر سے ظاہر ہو چکی۔ لہذا درود شریف بصیغۂ خطاب میں صلی اللہ علیک یا رسول اللہ پڑھنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ- عبدالعزیز عفی عنہ

کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم بدلنا ممکن ہے؟

از: محمد حبیب اللہ خیر آباد۔ ۳؍ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

زید کہتا ہے کہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم ممکن التغیر ہے ترجمہ اس کا بیان کرتا ہے اور اس پر اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے ان کا علم بدل دے کیوں کہ ممکن التغیر ہے اس پر بکر کہتا ہے کہ یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ سرکار کا علم بدل دے جب اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کا علم بخش دیا تو بدل دے۔ علمائے کرام سے گزارش ہے کہ ایسے شخص کو کیا کہا جائے؟ ممکن التغیر کے معنی بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم ممکن ہے، اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ لیکن قبل تبلیغ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں حتی کہ نسیان اور بھول بھی ممکن نہیں ورنہ سارا نظام اسلام درہم برہم ہو جائے اور قرآن مجید کی ایک بھی آیت قابل اعتماد نہ رہے۔ البتہ بعد تبلیغ نسیان ممکن ہے اس معنی کر ممکن التغیر ہے مگر اس سے یہ مطلب نکالنا کہ اللہ جب چاہے حضور کا علم بدل دے یعنی علم سے حضور کا سینہ صاف کر دے اور معاذ اللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جاہل ہو جائیں یہ بالکل باطل ہے اور کھلی ہوئی گمراہی ہے اس معنی کر زید کا قول باطل ہے بکر اسی کا انکار کرتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ حضور کا علم سلب کر دے اور معاذ اللہ جاہل ہو جائیں۔ لہذا بکر کا قول صحیح ہے اور زید کا قول باطل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

قرآن کی توہین کرنے والے کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

ایک شخص مسلمان ہے اور حنفی مذہب ہے اس کا مذہب ہے اور پڑھا لکھا بھی ہے اور اپنی برادری کا چودھری بھی ہے

اور پنچایت میں فیصلہ بھی کرتا ہے۔ ایک جگہ پنچایت میں مع اپنی برادری کے لوگوں کے وہ شخص شریک تھا اور مدعی کے بیان کے بعد مدعی علیہ کے بیان کی باری آئی مدعی علیہ نے برادری کے جملہ پنچوں سے استدعا کی کہ میں حلف یعنی قرآن پاک لے کر صحیح صحیح بیان دوں گی اس کے بعد پنچ کی مرضی ہے۔ چودھری صاحب نے برجستہ یہ کہا کہ تم دو چار گدھا قرآن لے کر کہو گی تو تمہارا اعتبار نہیں اور بقیہ لوگ خاموش رہے اور اس کو برادری سے الگ کر دیا یعنی مدعا علیہ کو، تو ایسے شخص ، چودھری جس نے قرآن پاک کی توہین کی اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہوتا ہے۔ اور شریک پنچایت جو لوگ تھے ان پر کیا حکم ہوتا ہے۔ والسلام

الجواب

چودھری صاحب کا مقصد یہ ہے کہ یہ عورت نہایت جھوٹی ہے اور اس کی باتیں قسم کے بعد بھی ناقابل اعتبار ہیں مگر اس مقصد کو ایسے جملہ سے اظہار کیا جو توہینِ قرآن کی طرف منجر ہے اس لیے ندامت کے ساتھ توبہ کریں اور آئندہ سے احتیاط رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کافر کو کافر نہ کہنے کا حکم

مستفتی: (مولوی) عبداللطیف، کستور بازار، ڈاک خانہ کوئندہ، ضلع مان جھوم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں :

کہ زید نے ایک بار کہا تھا (کہ کافر کو، کافر نہیں کہنا چاہیے) اس کے اس قول پر بکر نے عالم شریعت سے فتویٰ پوچھا، جواب میں مفتی نے زید کے قول کی تردید کی اور اس کو اس بنا پر کافر بتایا۔ بکر نے زید کو جواب سے مطلع کیا اور اس کو توبہ پر مجبور کرنا چاہا لیکن زید نے اپنے اس قول سے انحراف کیا اور انکار کر دیا کہ ایسا قول میں نے ہرگز نہیں کیا ہے۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے اس انکار پر (باوجودے کہ اس کے قول پر دو متقی پرہیز گار کی نشان دہی موجود ہے) نیز زید امام ہے، اس کے مقتدیوں پر زید کے اس قول کی اطلاع ہو چکی ہے اور وہ بھی یہی جانتے ہیں کہ شریعت نے زید کو گم راہ بتایا ہے۔ اس سے ہر طور سے الگ رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس کے پیچھے جب تک توبہ نہ کرے نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ اس کے باوجود اس کے مقتدیوں نے کسی قسم کی بیزاری کا اظہار نہیں کیا۔ اس کے پیچھے نماز پڑھی، شک نہیں کیا بلکہ اس کے معین و مددگار بنے رہے۔ لہٰذا اب عوام کا کیا حکم ہے۔ بینوا و توجروا علی طریقۃ الحقیقۃ.

الجواب

زید کا یہ قول کہ کافر کو، کافر نہیں کہنا چاہیے، فرمانِ الٰہی کے خلاف ہے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے:

قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ . لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ.(۱) تم فرماؤ اے کافرو، میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کو تم پوجتے ہو۔

اس آیت پاک میں اللہ عزوجل نے حکم دیا کہ کافروں کو کافر کہیں اور زید اس کا انکار کرتا ہے۔ یہ زید کی جہالت ہے اور بددینی ہے۔ بددینوں، وہابیوں نے اپنے کفریات پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ مسئلہ گڑھا ہے کہ کافر کو کافر نہیں کہنا چاہیے۔ وہابیوں سے سن کر بعض جاہلوں نے بھی کہنا شروع کر دیا ہے۔ زید اگر صاحبِ علم ہے تو یہ قول اس کی بددینی اور وہابیت پر دلیل ہے۔ اور جب کہ دو متقی شاہد یہ شہادت دیتے ہیں کہ زید نے ان کے سامنے کہا کہ کافر کو کافر نہیں کہنا چاہیے تو زید کا یہ قول ثابت ہو گیا اور یہ کہنا کہ ایسا قول میں نے ہرگز نہیں کیا ہے، یہ شہادت موجود ہوتے ہوئے ہرگز نہیں سنا جائے گا۔ اگر شہادت نہیں ہوتی تو زید کا انکار اس کے قسم کے ساتھ مان لیا جاتا لیکن جب کہ دو معتبر لوگ گواہی دے رہے ہیں تو زید اگر قسم کھا کر بھی انکار کرے تب بھی ہرگز معتبر نہیں۔

حدیث میں ہے:

اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِيْنُ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ.(۲) مدعی پر شہادت ہے، اگر شہادت نہ ہوئی تو مدعیٰ علیہ پر قسم ہے۔

لہٰذا شہادت موجود ہوتے ہوئے زید کا انکار ہرگز معتبر نہیں تاوقتے کہ کہ زید اپنے قول اور وہابیت سے اصلاً خالص توبہ نہ کرے، اس کی اقتدا درست نہیں۔ جو مسلمان باوجود مطلع ہونے کے اس حالت میں زید کے معین و مددگار ہیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، ان کو اپنے اس فعل سے توبہ کرنا چاہیے اور زید جب تک توبہ نہ کرے اس سے قطعِ تعلق کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم. کتبہ: عبد العزیز صدر مدرس مصباح العلوم، مبارک پور

کافر کو کافر کہنا کیسا ہے؟

مسئلہ آمدہ از دھنباد کشولہ بازار، مستفتی مولوی عبد اللطیف بلیاوی

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے کہا کہ کافر کو، کافر کہنا کوئی واجب و فرض نہیں ہے، لہٰذا کافر کو کافر نہیں کہنا چاہیے۔

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ الکافرون ۱۰۹، آیت: ۱،۲

(۲) محمد بن عیسیٰ ترمذی، سنن ترمذی، کتاب الأحکام، باب أن البینة علی المدعی والیمین علی المدعیٰ علیه، ج:۳، ص:٦٢٦، حدیث:١٣٤١، مجلس برکات، مبارك پور

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا قائل کس جرم کا مستحق ہو سکتا ہے اور عام مومنین کو زید کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے۔ بینوا توجروا. علی الشریعة النبویة علیه الصلوٰة والتسلیم.

الجواب

ایمان و کفریہ شرعی احکام ہیں، جو لوگ اللہ عزوجل اور اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام اور آپ کے لائے ہوئے تمام احکام کو صحیح طور سے صحیح مانتے ہیں، شریعتِ مطہرہ کا حکم ہے کہ وہ مومن ہیں، جو ان میں سے ایک ضروری کا بھی انکار کرے یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شانِ پاک میں گستاخی کرے، شریعتِ مطہرہ کا حکم ہے کہ وہ کافر ہے۔ قرآن پاک میں جس طرح ایمان لانے والے کو مومن کہا ہے۔ اسی طرح کفر کرنے والے کو سیکڑوں جگہ کافر کہا ہے، اور ان کے اقوالِ کفریہ پر حکم کفر دیا ہے۔ ارشاد ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ.(۱)

بے شک وہ کافر ہو گئے جنھوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کہا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا.(۲)

یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آئے تو انھوں نے کہا کیا بشر ہمیں ہدایت کرے گا، پس کافر ہو گئے۔

کچھ لوگوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شانِ پاک میں گستاخی کے کلمے کہے۔ جب ان سے دریافت کیا تو انکار کرنے لگے اور بہانہ بنانے لگے، اس پر یہ آیت نازل ہوئیں:

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ.(۳) بہانہ نہ بناؤ تم کافر ہو گئے ایمان کے بعد۔

نبی کریم ﷺ کی شانِ پاک میں گستاخی کرنے والوں پر قرآن مجید میں حکم کفر دیا۔ ایسے لوگوں کو قرآن مجید میں کافر کہا اور ان کا عذر و بہانہ بھی نہ سنا۔ لہٰذا آیتِ کریمہ سے چند امور معلوم ہوئے۔

(۱) کفر کرنے والے کو کافر کہنا حکم شرعی ہے۔

(۲) نبی کریم ﷺ کی شانِ پاک میں بے ادبی اور گستاخی کرنے والے کافر ہیں۔ ان کے کفر پر قرآن مجید کا

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ المائدۃ ۵، آیت: ۱۷

(۲) قرآن حکیم، سورۃ التغابن ٦٤، آیت: ٦

(۳) قرآن حکیم، سورۃ التوبۃ ۹، آیت: ٦٦

فتویٰ ہے۔

(۳) نبی کریم ﷺ کی شان میں بے ادبی و گستاخی کرنے والے اگر تاویلیں کریں یا بہانہ بنائیں تو ان کی اس مکاری سے نبی کی توہین کا جرم دفع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جب تک اس جرم سے توبہ نہ کریں اس وقت تک وہ کافر ہی رہیں گے، ان کو کافر ہی کہا جائے گا۔ آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ کفر کرنے والے کو کافر کہنا قرآن مجید کا عام محاورہ ہے۔ بلکہ کافر کو کافر کہنے کا قرآن مجید نے صاف حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ. لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ.(۱)

پکار کر کہہ دے اے کافرو، میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کو تم پوجتے ہو۔

لہٰذا زید کا یہ کہنا کہ کافر کو کافر نہیں کہنا چاہیے، حکم قرآنی کے خلاف ہے، زید کی جہالت پر مبنی ہے اسی طرح زید کا یہ قول کہ کافر کو کافر کہنا کوئی واجب فرض نہیں۔ یہ بھی سراسر غلط اور حکم قرآن کے خلاف ہے۔ بہت سے مواقع ایسے ہیں کہ کافر کو کافر کہنا فرض ہے۔

مثلاً ایک شخص نے حضور علیہ الصلاۃ والتسلیم کے علم غیب کو پاگلوں، جانوروں کے علم سے تشبیہ دی، جیسے مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان، ص:۷ پر لکھا کہ:

"اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔"(۲)

اس میں سائل نے مفتیِ شرع سے اس کا جواب دریافت کیا کہ حضور علیہ السلام کے علم غیب کو ایسا کہنے والا مسلمان ہے یا کافر؟ اس وقت اس مفتی پر واجب و فرض ہے کہ وہ حکم شرعی بیان کرے اور صاف بتائے کہ یہ نبیِ کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی شان میں سخت گستاخی و بے ادبی ہے، لہٰذا ایسا کہنے والا یقیناً کافر ہے۔ مفتی پر یہ حکم دینا اس لیے ضروری ہے کہ خداوند قدوس نے علما سے حکم شرعی بیان کرنے کا عہد لیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ.(۳)

اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنھیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا۔

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ الکافرون ۱۰۹، آیت: ۲،۱

(۲) مولوی اشرف علی تھانوی، حفظ الایمان، ص: ۷، مطبوعہ دیو بند.

(۳) قرآن حکیم، سورۃ آل عمران، آیت: ۱۸۷

لہٰذا اس وقت مفتی پر ضروری ہے کہ وہ بتائے کہ ایسا شخص بحکمِ شرع کافر ہے۔ اسی طرح وہ گستاخ اور بے ادب باوجود اس کفرِ صریح پر اڑے رہنے کے اسلام کا دعوے دار ہے، بلکہ اپنے جبہ و دستار سے اسی طرح مسلمانوں کو فریب دیتا ہے اور ناواقف مسلمان اس کے دامنِ تزویر میں پھنس کر بد عقیدہ ہوتے جاتے ہیں۔ تو مسلمانوں کو گم راہی سے بچانے کے لیے ہر اس شخص پر جو اس گستاخ سے واقف ہو، اس کے کفر کا اظہار کرنا اور یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ کافر ہے، اس سے بچو، کیوں کہ حتی الامکان نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ قرآن مجید میں ایمان والوں کی یہی صفت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہے:

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ .(۱) تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

دوسری آیت میں فرمایا:

وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.(۲) مومنین نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

حدیث کا ارشاد ہے:

من رأي منكم منكرا فليغيره بيده ، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، و ذٰلك أضعف الإيمان.(۳)

جو شخص بری بات دیکھے اس کو چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے مٹا دے۔ اگر اتنی طاقت نہیں رکھتا تو اپنی زبان سے اسے مٹائے اور روکنے کی کوشش کرے اور اگر اتنی بھی قدرت نہیں تو اپنے دل سے برا سمجھے اور یہ کم زور درجہ کا ایمان ہے۔

گم راہ کرنے اور گم راہ ہونے سے بری چیز اور کیا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو گم راہی سے بچانے کے لیے ہر واقف شخص پر اس گم راہ کن کے کفر کا اظہار ضروری ہوا، اور اسی طرح جب اس بے ادب اور گستاخ کے چیلے چانٹے اس کی تعریف و توصیف کر کے اس کے کفر پر پردہ ڈالیں اور مسلمانوں کو اس کافر و مرتد کا معتقد بنائیں تو ہر اس شخص پر جو اس کے حال سے آگاہ ہے۔ اس کا کفر ظاہر کرنا ضروری ہے۔ اس پر لازم ہے کہ مسلمانوں کو بتائے اور آگاہ کرے کہ یہ جس کی تعریف و توصیف کر کے تمھیں اس کے جال کے اندر پھانسنا چاہتا ہے۔ وہ تمہارے نبی ﷺ کی شان پاک میں گستاخی کر کے

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ آل عمران، آیت: ۱۱۰

(۲) قرآن حکیم، سورۃ التوبۃ، آیت: ۷۱

(۳) امام ابو الحسن مسلم بن حجاج مسلم قشیری، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النهي عن المنکر من الإیمان،، حدیث: ۱۸۶۔ ج:۱

کافر و مرتد ہو گیا۔ لہٰذا تم اس سے اور اس کے تمام چاہنے والوں سے بچو!

علمائے اہل سنت جو مولوی اشرف علی تھانوی اور رشید احمد گنگوہی وغیرہ کو ان کے اقوالِ کفریہ کی بنا پر کافر و مرتد کہتے ہیں اس میں ان کی کوئی ذاتی غرض ہرگز نہیں، بلکہ وہ اپنا فرض ادا کرتے ہیں اور مسلمانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے وہ شرعی حکم سناتے ہیں جس کی ایسے وقت ضرورت ہے تاکہ مسلمان گم راہ نہ ہوں۔ تھانوی وغیرہ کے حمایتیوں، وہابیوں اور دیوبندیوں نے ان مرتدین کے کفر پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ بے اصل مسئلہ تراشا ہے کہ کافر کو کافر نہیں کہنا چاہیے، جس کا بطلان بفضلہٖ تعالیٰ دلائلِ قاہرہ سے ثابت ہو گیا۔

زید اگر بے علم ہے تو دیوبندیوں، وہابیوں، تھانوی وغیرہ کے حمایتیوں کی سن کر غلطیوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔ لہذا زید کو اس غلطی سے باز آنا چاہیے اور اگر زید ذی علم ہے تو تھانوی وغیرہ کا حمایتی معلوم ہوتا ہے زید کو اس سے توبہ کرنا چاہیے اور جب تک زید توبہ نہ کرے، مسلمانوں کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم علمہ اتم و احکم.

کتبہ: عبد العزیز صدر مدرس دار العلوم اہلِ سنت اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور، عظم گڑھ (یو۔ پی۔)

المصباح الجدید

معروف بہ عقائد علمائے دیوبند

المصباح الجدید معروف بہ عقائد علمائے دیوبند

مسئلہ مکرم ومعظم جناب مولوی صاحب زاد کرمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ہم لوگ اب تک علمائے دیوبند کے متعلق یہی سنا کرتے تھے کہ وہ بہت بڑے پابند شریعت متبع سنت متقی و پرہیزگار ہیں۔ شرک و بدعت سے خود بھی بہت سخت اجتناب کرتے ہیں، اور دوسروں کو بھی شرک و بدعت سے بچانے کے لیے تبلیغ وہدایت کرتے ہیں۔ نیز ان کے ظاہری طرزِ عمل سے بھی اُن کا تقدس معلوم ہوتا ہے۔ اپنے وعظوں اور تقریروں میں نبیِ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ علمائے دیوبند بڑے خوش عقیدہ، نہایت متبع سنت، عاملِ شریعت اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے شیدائی اور فدائی اور حضور سے محبت رکھنے والے ہیں۔

مگر زید کہتا ہے کہ علمائے دیوبند کی یہ سب باتیں نمائشی ہیں۔ ان کا ظاہری طرزِ عمل جیسا بھی ہو لیکن ان کے عقائد ضرور خلافِ حق اور خلافِ شرع اور محمد ابن الوہاب نجدی سے ملتے ہوئے ہیں۔ وہ لوگ حضور ﷺ کی تعریف محض اس لیے کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ رکھیں۔ مسلمانوں میں اپنا اعزاز واقتدار قائم کریں، ورنہ حقیقت میں ان کو نبیِ کریم ﷺ کی محبت ہرگز نہیں، علمائے دیوبند نے تو نبیِ کریم ﷺ کی شان اقدس میں سخت گستاخیاں کی ہیں۔ اپنی کتابوں میں حضور کے لیے بہت نامناسب الفاظ استعمال کیے ہیں۔ چناں چہ حضور ﷺ کے علم کو پاگلوں جانوروں کے علم سے تشبیہ دی ہے۔ حضور کے علم کو شیطان مردود کے علم سے کم بتایا ہے۔ امتی کے نبی سے عمل میں بڑھ جانے کے قائل ہیں۔ اس قسم کے بہت سے اقوال ان کی کتابوں میں موجود ہیں جن کا کفر ہونا آفتاب کی طرح روشن ہے۔ اگر ان کو واقعی نبیِ کریم ﷺ سے محبت ہوتی تو ایسی گندی عبارتیں اپنی کتابوں میں ہرگز نہیں لکھتے اور غلطی سے اگر ایسا ہو بھی تھا تو اس سے توبہ کر لیتے۔ مگر نہ توبہ کی نہ وہ گندی عبارتیں اپنی کتابوں سے دور کیں۔ بلکہ مدتوں سے چھاپ چھاپ کر اشاعت کر رہے ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا یہ ظاہری طرزِ عمل اور اپنے وعظوں میں حضور اکرم کی تعریف کرنا نمائشی اور

کسی غرض پر مبنی ہے۔ اگر حقیقی محبت ہوتی تو ایسی کتابوں کو بجاے چھپوانے اور اشاعت کرنے کے جلا دیتے اور توبہ کر لیتے۔ زید کے اس بیان سے ہمیں سخت حیرت اور نہایت تعجب ہے۔ ہم علماے دیوبند کے ظاہری تقدس کو دیکھتے ہیں اور ان کی باتیں سنتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسی باتیں اپنی کتابوں میں ہرگز نہیں لکھ سکتے۔ مگر زید باوجود معتبر اور دیانت دار ہونے کے کہتا ہے کہ جو باتیں میں نے بیان کی ہیں اگر وہ علماے دیوبند کی کتابوں میں نہ ہوں تو میں سخت مجرم اور انتہائی سزا کا مستحق بلکہ ان باتوں کو غلط ثابت کر دینے پر پانچ سو روپیہ انعام دینے کا حتمی دعویٰ کرتا ہوں۔ لہذا اس کو بھی جھوٹا نہیں کہا جا سکتا۔ زید نے جو باتیں علماے دیوبند کے متعلق بیان کی ہیں، اگر وہ واقعی ان کی کتابوں میں ہیں تو ہم لوگ ضرور ان سے قطع تعلق رکھیں گے، اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اسی بات پر آمادہ کریں گے، اور اگر زید کا یہ بیان غلط ہے اور یہ باتیں علماے دیوبند کی کتابوں میں نہیں ہیں تو زید کو برادری اور پنچایت کی رو سے سخت سزا دیں گے اور اس کے وعدے کے مطابق پانچ سو روپیہ بھی اس سے وصول کریں گے۔ لہذا اس کی تحقیق کے لیے زید کے بیان سے تیس سوال قائم کر کے حاضر خدمت کرتے ہیں۔ امید کہ ہر سوال کا جواب نمبر وار علماے دیوبند ہی کی کتابوں کے حوالہ سے عام فہم تحریر فرمایا جائے تاکہ مسلمان بہ آسانی سمجھ کر صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔

سائلین: ملا عبد المجید پیش امام جامع مسجد، حکیم عبد المجید،، حافظ عبد المجید، محمد صدیق نمبر دار، نذیر احمد چودھری، ساکنان قصبہ بھوج پور، ضلع مراد آباد۔

الجواب

حامدًا للہ رب العٰلمین و مصلیا علیٰ حبیبہ سید المرسلین.

مکرمان بندہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

آپ حضرات کا مرسلہ خط جو زید کے بیان اور تیس سوالوں پر مشتمل ہے، وصول ہوا۔ حسب فرمائش ہر سوال کا جواب علماے دیوبند ہی کے معتبر اقوال سے دیتا ہوں، اور ہر ایک حوالہ نمبر وار انھیں کی کتابوں سے درج کرتا ہوں، لیکن پہلے اجمالاً اتنا بتا دوں کہ زید کا بیان بالکل صحیح ہے۔ واقعی علماے دیوبند کی کتابوں میں ایسے بہت سے اقوال ہیں، جن سے نبی کریم ﷺ کی توہین ثابت ہے۔ ان میں سے بعض عبارتیں جوابات کے حوالوں میں بھی آئیں گی جو اس ثبوت کے لیے کافی ہیں۔ مولا تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ اپنے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت و عظمت کو پہچانیں، اور سچے دل سے ان کی تعظیم و توقیر کریں۔ و ما توفیقی الا باللہ و ھو حسبی و نعم الوکیل.

سوالات و جوابات مع حوالہ نمبر وار

سوال (۱): کیا علماے دیوبند کے نزدیک خدا کے سوا کوئی اور بھی مربی خلائق ہے۔ اگر ان کے عقیدہ میں

سوائے خدا کے کوئی دوسرا بھی مربیِ خلائق ہے تو وہ کون ہے؟

جواب (۱): ہاں علمائے دیوبند کے نزدیک مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مربیِ خلائق ہیں جیسا کہ مولوی محمود حسن صاحب صدر مدرس مدرسہ دیوبند فرماتے ہیں:

حوالہ نمبر (۱): مرثیہ رشید احمد صاحب مصنفہ مولوی محمود حسن صفحہ ۱۲ پر ہے۔

خدا اُن کا مربی وہ مربی تھے خلائق کے
مرے مولا مرے ہادی تھے بے شک شیخِ ربانی

تنبیہ: اس شعر میں مولوی محمود حسن صاحب نے مولوی رشید احمد صاحب کو مربیِ خلائق لکھا ہے جو رب العالمین کے ہم معنیٰ ہے۔ شاید ضرورتِ شعری کی وجہ سے رب العالمین نہیں لائے۔ یہ ہے پیشوائے دیوبند کی عقیدت مندی۔ کتنے کھلے لفظوں میں اپنے پیر کو ساری مخلوق کا پالنے والا کہہ رہے ہیں۔ واقعی پیر پرستی اسی کا نام ہے۔

سوال (۲): وہ مسیحا کون ہے جس نے مردے بھی جلا دیے اور زندوں کو بھی مرنے سے بچالیا۔ کیا علمائے دیوبند میں کوئی ایسا مسیحا ہوا ہے؟

جواب (۲): ہاں وہ مسیحا اہلِ دیوبند کے نزدیک مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ہیں۔ چناں چہ مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی ان کی شان میں فرماتے ہیں اور پکار کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے پیر کی مسیحائی دِکھاتے ہیں۔ حوالہ ملاحظہ ہو:

حوالہ نمبر (۲): مرثیہ رشید احمد مصنفہ مولوی محمود حسن، ص: ۳۳۔

مُردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اِس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابنِ مریم

تنبیہ: واقعی دیوبندیوں کے نزدیک مولوی رشید احمد صاحب کی مسیحائی حضرت عیسیٰ ؑ سے بہت بڑھ گئی۔ کیوں کہ جو کام عیسیٰ ؑ بھی نہ کر سکے وہ مولوی رشید احمد صاحب نے کر کے دِکھایا۔ مردے جلانے میں تو برابر ہی تھے، مگر زندوں کو موت سے بچالیا، اس میں ضرور عیسیٰ علیہ السلام سے بڑھ گئے۔ جب ہی تو عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی مسیحائی دِکھائی جاتی ہے۔ اگر مولوی رشید احمد صاحب کی مسیحائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بڑھی ہوئی نہ جانتے تو یہ نہ کہتے: اِس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابنِ مریم۔ مسلمانو! انصاف کرو، کیا اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین نہیں ہے۔ ہے اور ضرور ہے۔

سوال (۳): یا کسی انسان کے کالے کالے بندے بھی یوسفِ ثانی ہیں، علمائے دیوبند کے معتبر اقوال سے جواب دیجیے؟

جواب (۳): مولوی رشید احمد صاحب کے کالے کالے بندے یوسفِ ثانی ہیں۔ چناں چہ ان کے خلیفہ مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی فرماتے ہیں:

حوالہ نمبر (۳): مرثیہ رشید احمد صاحب، ص:۱۱۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
عَبیدِ سُود کا اُن کے لقب ہے یوسفِ ثانی

تنبیہ: یا خوب کہا۔ خدائے تعالیٰ کے اعلیٰ درجہ کے حسین و جمیل بندے یوسف ے ہیں مگر مولوی رشید احمد صاحب کے کالے کالے بندے ہی یوسفِ ثانی بنا دیے گئے۔ گورے گورے بندوں کا ٹھکانا کیا؟۔ واقعی مقبولیت اسی کا نام ہے۔ مسلمانو! غور کروگے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس ایک ہی شعر میں خدا اور اس کے رسول دونوں پر ہاتھ صاف کر دیا۔

سوال (۴): علمائے دیوبند کے نزدیک بانیِ اسلام کا ثانی کون ہے؟

جواب (۴): علمائے دیوبند مولوی رشید احمد صاحب کو بانی اسلام (خدا) کا ثانی جانتے ہیں، جیسا کہ مولوی محمود حسن صاحب نے لکھا ہے:

حوالہ (۴): مرثیہ رشید احمد، ص:۶

زباں پر اہل اہوا کی ہے کیوں اُعلُ ہُبَل شاید
اُٹھا عالم سے کوئی بانیِ اسلام کا ثانی

سوال (۵): کیا عارف لوگ کعبہ شریف میں پہنچ کر کسی دوسری جگہ کو تلاش کیا کرتے ہیں۔ وہ کون سی جگہ ہے، کیا علمائے دیوبند نے کوئی ایسی جگہ بتائی ہے؟

جواب (۵): ہاں عارف لوگ کعبۂ معظمہ جاکر گنگوہ تلاش کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی فرماتے ہیں:

حوالہ (۵): مرثیہ رشید احمد، ص:۱۳

پھرے تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کا رَستہ
جو رکھتے اپنے سینوں میں تھے ذوق و شوقِ عرفانی

تنبیہ: کعبۂ معظمہ جو بیت اللہ خانۂ خدا ہے۔ اس میں پہنچ کر بھی گنگوہ ہی کی دُھن لگی ہوئی ہے۔ اسے دیوبندی عرفان کا نشہ اور گنگوہی معرفت کا خمار نہ کہا جائے تو اور کیا ہے۔

سوال (۶): دونوں جہان کی حاجتیں کس سے مانگیں، روحانی اور جسمانی حاجتوں کا قبلہ کون ہے۔ دیوبندی مذہب پر جواب دیا جائے؟

جواب (۶): روحانی اور جسمانی سب حاجتوں کا قبلہ دیوبندی مولوی کے نزدیک رشید احمد صاحب گنگوہی ہیں۔ ساری حاجتیں انھیں سے طلب کرنا چاہیے، اُن کے سوا کوئی حاجت روا نہیں جیسا کہ مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی فرماتے ہیں۔ دیکھو حوالہ۔

حوالہ (۶): مرثیہ رشید احمد، ص:۱۰

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب
گیا وہ قبلۂ حاجاتِ روحانی وجسمانی

فائدہ: مولوی رشید احمد صاحب نے غیر اللہ سے مدد مانگنے کو شرک بتایا ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم، ص:۶ پر ہے: سو غیر اللہ سے مدد مانگنا اگرچہ ولی ہو یا نبی شرک ہے۔ اور مولوی محمود حسن صاحب دونوں جہان کی حاجتیں انھیں سے مانگ رہے ہیں، قبلۂ حاجات انھیں کو کہہ رہے ہیں۔ لہٰذا فتاویٰ رشیدیہ کے حکم سے مولوی محمود حسن صاحب مشرک ہوئے اور اگر مولوی محمود حسن صاحب کو موحد کہا جائے تو مولوی رشید احمد صاحب کو ضرور خدا کہنا پڑے گا۔ بولو کیا کہتے ہو؟

سوال (۷): بلا استثنا سارے جہاں کا مخدوم کون ہے؟ اور سارا عالم کس کی اطاعت کرتا ہے؟ علمائے دیوبند کے مذہب پر جواب دیا جائے۔

جواب (۷): سارے عالم کے مخدوم دیوبندیوں کے نزدیک مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ہیں، اور سارا عالم انھیں کی اطاعت کرتا ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

حوالہ (۷): مرثیہ رشید احمد مصنفہ مولوی محمد حسن صاحب کے پہلے ہی صفحہ پر ہے:

"مخدوم الکل مطاعِ العالم جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی۔"

سوال (۸): وہ کون حاکم ہے جس کا کوئی حکم بھی علمائے دیوبند کے نزدیک ٹل نہیں سکتا اور اس کا ہر حکم قضائے مبرم ہے؟

جواب (۸): ایسے حاکم تو صرف مولوی رشید احمد صاحب ہی ہیں۔ ان کا کوئی حکم کبھی نہیں ٹلا۔ اس لیے کہ ان کا ہر حکم قضائے مبرم کی تلوار ہے۔

حوالہ (۸): مرثیہ رشید احمد، ص:۳۱

نہ رُکا پر نہ رُکا پر نہ رُکا پر نہ رُکا
اُس کا جو حکم تھا، تھا سیفِ قضائے مبرم

فائدہ: واقعی کوئی حکم نہیں ٹلا اور ٹلتا کیسے، مربیِ خلائق تھے کوئی مذاق تھے اور عقیدت مند لوگوں نے کسی حکم کو ٹلنے بھی نہ دیا۔ اس سے زیادہ عقیدت مندی اور کیا ہوگی کہ جب مولوی رشید احمد صاحب نے کوے کھانے کا حکم دیا تو علمائے دیوبند نے یہ سمجھ کر کہ مربیِ خلائق کا حکم ہے، آنکھ بند کر کے تسلیم کر لیا اور کوے کھانے لگے۔

سوال (۹): وہ کون ہے جس کی غلامی کا داغ دیوبندی مذہب میں مسلمانی کا تمغہ ہے۔

جواب (۹): وہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ہیں۔ انھیں کی غلامی مسلمانی کا تمغہ ہے۔ چناں چہ مولوی محمود حسن صاحب فرماتے ہیں:

حوالہ (۹): مرثیہ رشید احمد، ص:۶

زمانے نے دیا اسلام کو داغ اُس کی فرقت کا
کہ تھا داغِ غلامی جس کا تمغائے مسلمانی

تنبیہ: مولوی رشید احمد صاحب کی غلامی کا داغ جب مسلمانی کا تمغہ ہوا تو جو ان کا غلام بنا اسی کو یہ تمغہ ملا، اور جس نے ان کی غلامی نہ کی اس تمغہ سے محروم رہا۔ لہٰذا دیوبندی یا تو تمام صحابہ و تابعین اور ائمۂ مجتہدین و اولیائے کاملین کو مولوی رشید احمد کا غلام مانتے ہوں گے۔ یا ان تمام مقبولانِ خدا کو مسلمانی کے تمغے سے خالی جانتے ہیں۔

سوال (۱۰): یا کوئی ایسا شخص بھی ہوا ہے جو اکیلا ہی صدیق اور فاروق دونوں ہو؟

جواب (۱۰): ہاں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی صدیق اور فاروق دونوں تھے۔ چناں چہ مولوی محمود حسن صاحب ان کی شان میں تحریر فرماتے ہیں:

حوالہ (۱۰): مرثیہ رشید احمد، ص:۱۶

وہ تھے صدیق اور فاروق پھر کہیے عجب کیا ہے
شہادت نے تہجد میں قدم بوسی کی گر ٹھانی

فائدہ: ان دس سوالوں کے جوابات مولوی محمود حسن صاحب صدر مدرس مدرسہ دیوبند کی کتاب "مرثیۂ رشید احمد" کے حوالے سے لکھے ہیں۔ ایک حوالہ بھی غلط ثابت کر دینے پر مبلغ پانچ سو روپے انعام۔ مسلمانو! ذرا تعجب اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر غور سے پڑھو اور نظرِ انصاف سے دیکھو تو حق و باطل آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے گا۔ معلوم ہو جائے گا کہ مشرک اور بدعتی کون ہیں۔ دیکھو علمائے دیوبند اپنے پیروں سے کیسی عقیدت رکھتے ہیں۔ اپنے پیروں کو مربیِ خلائق مانتے ہیں، بانیِ اسلام کا ثانی جانتے ہیں، یعنی دوسرا خدا۔ مسیحائی میں حضرت عیسیٰ سے بڑھاتے ہیں، کعبہ میں پہنچ کر بھی پیر ہی کا در گنگوہ تلاش کرتے ہیں۔ بلا تخصیص سارے جہان کو ان کا خادم اور مطیع جانتے ہیں۔ ان کی حکومت مثلِ خدا مانتے ہیں۔ اپنے پیر کی غلامی کو مسلمانی کا تمغہ بتاتے ہیں۔ مسلمانو! اللہ انصاف کرو اور سچ سچ بتاؤ اور ملا

رعایت کہو، جو لوگ اپنے پیروں سے ایسا عقیدہ رکھتے ہیں وہ حق پرست ہیں یا پیر پرست؟ موحد ہیں یا مشرک؟

سوال (۱۱): کیا رحمۃ للعالمین نبی کریم ﷺ ہی ہیں یا علمائے دیوبند کے نزدیک امتی کو بھی رحمۃ للعالمین کہہ سکتے ہیں؟

جواب (۱۱): رحمۃ للعالمین حضور ﷺ کی صفت مخصوصہ نہیں بلکہ علمائے ربانیین (علمائے دیوبند) کو بھی رحمۃ للعالمین کہنا جائز ہے۔ چناں چہ علمائے دیوبند کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:

حوالہ (۱۱): فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم، ص:۱۲۔

"لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ ﷺ کی نہیں ہے بلکہ دیگر اولیا و انبیا اور علمائے ربانیین (علمائے دیوبند) بھی موجبِ رحمتِ عالم ہوتے ہیں۔ اگرچہ جناب رسول اللہ ﷺ سب میں اعلیٰ ہیں لہٰذا اگر دوسرے پر اس لفظ کو بتاویل بول دیوے تو جائز ہے۔ فقط بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔"

فائدہ: علمائے دیوبند کے نزدیک چوں کہ مولوی رشید احمد صاحب عالم ربانی ہیں، اور ان کا حکم ہے کہ عالم ربانی کو رحمۃ للعالمین کہنا درست ہے۔ لہٰذا علمائے دیوبند کے نزدیک مولوی رشید احمد رحمۃ للعالمین ہوئے اسی لیے مولوی رشید احمد صاحب نے اپنی رحمت کے بہت سے جلوے دکھائے۔ جن میں سے ایک خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے۔ وہ یہ کہ آپ نے کوا کھانے پر ثواب مقرر کر دیا ہے۔ یہ بے پیسہ اور بغیر دام مفت کا سیاہ مرغ مولوی رشید احمد صاحب نے حلال فرما کر اس کے کھانے والے کے لیے ثواب بھی مقرر کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ دیوبندیوں کے لیے اور کیا رحمت ہوگی کہ پیسہ لگے نہ کوڑی مفت ہی میں سالن کا سالن اور ثواب کا ثواب، دیکھو نمبر (۲۰)۔

سوال (۱۲): علمائے دیوبند کے نزدیک امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرثیہ لکھنا کیسا ہے؟

جواب (۱۲): لکھنا تو در کنار اگر لکھا ہوا بھی مل جائے تو جلا دینا یا زمین میں دفن کر دینا ضروری ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو:

حوالہ (۱۲): فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم، ص:۱۰۳۔

سوال: مرثیہ جو تعزیہ وغیرہ میں شہیدانِ کربلا کا پڑھتے ہیں اگر کسی شخص کے پاس ہوں وہ دور کرنا چاہے تو ان کو جلا دینا مناسب ہے یا فروخت کرنا۔ فقط۔

الجواب: ان کا جلا دینا یا زمین میں دفن کرنا ضروری ہے۔ فقط"

تنبیہ: مسلمانو! ذرا غور کرو، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرثیہ کو تو جلانا اور زمین میں دفن کرنا ضروری ہے مگر خود مولوی رشید احمد صاحب کا مرثیہ لکھنا درست ہے۔

سوال (۱۳): علمائے دیوبند کا مرثیہ لکھنا کیسا ہے اور اگر لکھا ہوا مل جائے تو شہیدانِ کربلا کے مرثیہ کی طرح اس کو بھی جلا دینا اور زمین میں دفن کرنا ضروری ہے یا نہیں۔

جواب (۱۳): علمائے دیوبند کا مرثیہ لکھنا بلا کراہت جائز و درست ہے۔ شہیدانِ کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مرثیہ کی طرح اس کو جلانا یا زمین میں دفن کرنا نہیں چاہیے۔

حوالہ (۱۳): کیوں کہ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی محمود حسن صاحب نے اپنے پیر مولوی رشید احمد صاحب کا مرثیہ لکھا اور چھاپ کر شائع کیا۔ مدتِ دراز سے ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر فروخت ہو رہا ہے اور آج تک کسی دیوبندی مولوی نے رشید احمد کے مرثیہ کو جلانے یا زمین میں دفن کرنے کا فتویٰ شائع نہیں کیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ دیوبندیوں کے نزدیک علمائے دیوبند کا مرثیہ لکھنا بلا کراہت درست اور جائز ہے۔ شہیدانِ کربلا کے مرثیہ کی طرح اس کو جلانے یا دفن کرنے کا حکم نہیں۔ عقیدت مندی اسی کا نام ہے۔

سوال (۱۴): ماہِ محرم میں ذکرِ شہادتِ امام حسین اصحیح روایت کے ساتھ بیان کرنا، سبیل لگانا، چندہ سبیل میں دینا، شربت یا دودھ بچوں کو پلانا درست ہے یا نہیں۔ دیوبندی مذہب میں ان سب باتوں کا کیا حکم ہے؟

جواب (۱۴): صحیح روایت کے ساتھ بھی محرم میں شہادتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کرنا دیوبندی مذہب میں حرام ہے۔ سبیل لگانا، چندہ سبیل میں دینا، شربت میں دینا یا بچوں کو دودھ پلانا سب حرام ہے۔ جیسا کہ مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں:

حوالہ (۱۴): فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم، ص: ۱۱۴۔

"محرم میں ذکرِ شہادتِ حسنین کرنا اگرچہ بروایتِ صحیحہ ہو، یا سبیل لگانا، شربت پلانا۔ چندہ سبیل اور شربت میں دینا، دودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہے۔ فقط۔"

تنبیہ: مسلمانو! ذرا غور سے سنو۔ یہ تو سب حرام، مگر ہولی دیوالی کہ کفار کے آتش پرستی کے دن ہیں وہ اس کی خوشی میں جو چیزیں مسلمانوں کے یہاں بھیجیں وہ سب درست ہے،۔ ملاحظہ ہو۔

سوال (۱۵): ہندو اپنے تیوہار ہولی، دیوالی وغیرہ میں پوری یا اور کچھ کھانا بطور تحفہ مسلمانوں کو دیں تو اس کا لینا اور کھانا درست ہے، یا محرم کے شربت اور دودھ وغیرہ کی طرح علمائے دیوبند کے نزدیک یہ بھی حرام ہے؟

جواب (۱۵): ہولی اور دیوالی کا یہ تحفہ ہندوؤں سے لینا اور اس کا کھانا درست ہے۔ محرم کے شربت اور دودھ کی طرح علمائے دیوبند کے نزدیک یہ حرام نہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ میں اس کو درست لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

حوالہ (۱۵): فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم، ص:۱۰۷۔

"مسئلہ - ہندو تیوہار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھیلیں یا پوری یا اور کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں۔ ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاد و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟

الجواب: درست ہے۔ فقط"

تنبیہ: مسلمانو غور کرو! علمائے دیوبند کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب باوجودیکہ محرم کے شربت، دودھ وغیرہ سب کو حرام بتا رہے ہیں۔ مگر ہولی اور دیوالی سے ایسا خاص تعلق ہے کہ اس کے ہر کھانے کو جائز اور درست فرما رہے ہیں۔ اسی کا نام ہے عقیدت۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف جو چیز منسوب ہو جائے وہ تو نادرست اور حرام ہو جائے مگر ہولی یا دیوالی کی طرف نسبت کرنے سے کوئی خرابی نہ آئے جائز اور درست ہی رہے۔ جب نسبت دونوں جگہ موجود ہے تو ہولی کے ہر کھانے کو جائز اور درست کہنا، اور محرم کے شربت اور دودھ کو حرام بتانا یا تو ہولی دیوالی کی عقیدت کا نشہ ہے یا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصومت کا غلبہ ہے۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ با کے باختہ عشق در شبِ دیجور

سوال (۱۵): جو شخص صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو کافر کہے وہ علمائے دیوبند کے نزدیک سنت جماعت سے خارج ہوگا یا نہیں؟

جواب (۱۶): صحابہ کو کافر کہنے والا علمائے دیوبند کے نزدیک سنت و جماعت سے خارج نہیں جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

حوالہ (۱۶): فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم، ص:۱۱۔

"جو شخص صحابۂ کرام میں سے کسی کی تکفیر کرے وہ ملعون ہے۔ ایسے شخص کو امام مسجد بنانا حرام ہے۔ اور وہ اپنے اس کبیرہ کے سبب سنتِ جماعت سے خارج نہ ہوگا۔"

تنبیہ: کتبِ معتبرہ میں ائمہ تو یہ تصریح فرمائیں کہ ایسا شخص اہل سنت سے خارج، بلکہ حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق کی شان میں تبرا کرنے والے کو فقہائے کرام نے کافر لکھا مگر گنگوہی صاحب کے نزدیک ایسے سخت تبرا کرنے کے بعد بھی سنی ہی رہتا ہے۔ بعض عقیدت مند طرف داری میں یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ کاتب کی غلطی ہے، ہو گا کہ جگہ نہ ہو گا لکھ

دیا ہے۔ مگر یہ محض غلط ہے۔ اس لیے کہ فتاویٰ رشیدیہ کئی بار چھپا ہے۔ مختلف مطبعوں میں طبع ہوا ہے۔ اگر کاتب کی غلطی ہوتی تو ایک چھاپہ میں ہوتی، دو میں ہوتی۔ ہر کتاب میں، ہر چھاپہ میں یہی عبارت ہے۔ علاوہ اس کے دو ہی سطر پہلے صفحہ ۱۰ ار پر خود مولوی رشید احمد صاحب لکھ چکے ہیں کہ جو شخص حضرات صحابہ کی بے ادبی کرے وہ فاسق ہے فقط اور ظاہر بات ہے کہ صرف فاسق ہونے سے سنت جماعت سے خارج نہیں ہوتا، پھر کاتب کی غلطی کیسے ہو سکتی ہے؟ مولوی رشید احمد صاحب کی یہ پچھلی عبارت پکار کر کہہ رہی ہے کہ کاتب کی غلطی ہرگز نہیں بلکہ گنگوہی صاحب کا عقیدہ ہی ایسا ہے۔

سوال (۱۷): علما کی توہین و تحقیر کرنے والا بھی علماے دیوبند کے نزدیک سنت جماعت سے خارج ہو گا یا نہیں؟

جواب (۱۷): علما کی توہین کرنے والے کا سنت جماعت سے ہونا تو درکنار ایسا شخص تو علماے دیوبند کے نزدیک مسلمان ہی نہیں کافر ہے۔ چناں چہ فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

حوالہ (۱۷): فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم، ص:۱۶۔

"علما کی توہین و تحقیر کو چوں کہ علما نے کفر لکھا ہے جو بوجہ امر علم اور دین کے ہو۔"

فائدہ: یہ بات قابلِ غور ہے کہ صحابہ کی تکفیر کرنے والے کو کافر کہنا تو بڑی بات، سنت جماعت سے بھی خارج نہیں کرتے جیساکہ حوالہ نمبر ۱۶ ار میں گزرا اور علما کی توہین کرنے والے کو دائرۂ اسلام سے خارج کر کے کافر کہتے ہیں۔ آخر اس میں کیا حکمت ہے۔ سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس میں اپنا بچاؤ مقصود ہے۔ چوں کہ خود عالم ہیں لہٰذا اپنی توہین کا دروازہ بند کیا ہے۔ صحابہ سے کیا مطلب، کیا غرض، اُن کی چاہے کوئی کتنی ہی بے ادبی کرے، کافر کہے، اپنا کیا بگڑتا ہے۔

سوال (۱۸): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ محفلِ میلاد شریف میں قیام تعظیمی ہوتا ہے اور غلط روایتیں پڑھی جاتی ہیں اس وجہ سے علماے دیوبند محفلِ میلاد شریف کو ناجائز کہتے ہیں ورنہ اور کوئی وجہ نہیں، لہٰذا سوال یہ ہے کہ ایسی مجلسِ میلاد منعقد کرنا جس میں صحیح روایتیں پڑھی جائیں اور قیام بھی نہ کیا جائے اور کوئی کام بھی خلافِ شرع نہ ہو۔ ایسی محفلِ میلاد شریف بھی علماے دیوبند کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟

جواب (۱۸): مجلسِ میلاد میں اگرچہ کوئی بات خلافِ شرع نہ ہو، قیام بھی نہ ہو، روایتیں بھی صحیح پڑھی جائیں تب بھی علماے دیوبند کے نزدیک جائز نہیں۔ اس کے ثبوت میں فتاویٰ رشیدیہ کا سوال و جواب ملاحظہ ہو:

حوالہ (۱۸): فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم، ص:۸۳۔

"سوال انعقادِ مجلسِ میلاد بدوں قیام بروایت صحیح درست ہے یا نہیں؟

الجواب: انعقاد مجلس مولود ہر حال میں ناجائز ہے۔ تداعی امر مندوب کے واسطے منع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔"

فائدہ: مجلسِ میلاد کو ہر حال ناجائز بتایا یعنی مطلقاً حرام ہے۔ اس کے جائز ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں، جبھی تو

کہاہر حال ناجائز ہے۔ جو دیوبندی مولوی بغیر قیام کے میلاد شریف کو جائز کہتے ہیں ان کو فتاویٰ رشیدیہ دِکھاؤ اور پوچھو کہ تم نے اپنے پیشوا مولوی رشید احمد کے فتوے کے خلاف جائز کیوں کہا؟ ناجائز کہنے والا کون ہے؟ تمہارے نزدیک اگر مولوی رشید احمد صاحب کا فتویٰ صحیح ہے تو اپنا حکم بتاؤ کہ تم نے ناجائز کو جائز کہا اور تمہارا قول صحیح ہے تو مولوی رشید احمد صاحب پر حکم لگاؤ کہ انھوں نے جائز کو ناجائز لکھا ہے۔ بولو کیا کہتے ہو۔ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو پھانسنا مقصود ہے۔ جہاں جیسا موقع دیکھا ویسا کہہ دیا، کچھ بھی ہو مسلمان دام میں پھنسے۔

سوال (۱۹): نبی کریم ﷺ کو علمِ غیب ماننا اور ایسا عقیدہ رکھنے والے کا علمائے دیوبند کے نزدیک کیا حکم ہے؟

جواب (۱۹): نبی کریم ﷺ کے لیے علمِ غیب ماننا شرکِ جلی ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا علمائے دیوبند کے نزدیک بلاشبہہ مشرک ہے، جیسا کہ مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں:

حوالہ (۱۹): فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم، ص:۱۰۔

”یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ (نبی کریم ﷺ) کو علم غیب تھا، صریح شرک ہے۔ فقط۔“

فائدہ: مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں حضورِ اقدس ﷺ کے لیے علمِ غیب ثابت کیا ہے بلکہ تھانوی صاحب تو بچوں پاگلوں اور تمام جانوروں کے لیے علمِ غیب ثابت کرتے ہیں۔ اب اے دیوبندیو، بولو! گنگوہی صاحب کے فتویٰ سے تھانوی صاحب کھلے مشرک ہیں یا نہیں؟

سوال (۲۰): یہ مشہور کوا، جو بستیوں میں پھرتا ہے، نجاست بھی کھاتا ہے عموماً مسلمان اس کو حرام جانتے ہیں۔ مگر ہم نے سنا ہے کہ علمائے دیوبند کے نزدیک یہ کوا حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ کیا یہ بات ٹھیک ہے؟

جواب (۲۰): دیوبندیوں کے نزدیک یہ کوا بلا شبہہ جائز ہے، بلکہ بعض صورتوں میں علمائے دیوبند کے نزدیک اس کوے کا کھانا ثواب ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ کا سوال و جواب ملاحظہ ہو:

حوالہ (۲۰): فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم، ص:۱۴۵۔

”سوال: جس جگہ زاغ معروفہ کو اکثر حرام جانتے ہوں اور کھانے والے کو برا کہتے ہوں تو ایسی جگہ اس کوا کھانے والے کو کچھ ثواب ہوگا، یا نہ ثواب ہوگا نہ عذاب؟

الجواب: ثواب ہوگا۔ فقط۔“

فائدہ: مولوی رشید احمد پیشوائے دیوبند نے تصریح فرمادی کہ کوا کھانا ثواب ہے مگر نہ معلوم بعض دیوبندی لوگ اس ثواب سے کیوں محروم ہیں اور یہ مفت کا ثواب کیوں چھوڑے ہوئے ہیں۔ کارِ ثواب میں شرم نہیں چاہیے۔ بلکہ بالاعلان کوّا کھانا چاہیے۔ مفت میں ہم خرما و ہم ثواب مرغ تو مباح ہی ہے مگر کوّا کھانے پر جب ثواب ملتا

ہے تو علماے دیو بند کی دعوت میں کوا ہی پیش کرنا چاہیے تاکہ ہم خرما و ہم ثواب دونوں باتیں حاصل ہوں۔

سوال (۲۱): کیا کوئی ایسی کتاب ہے جس کا رکھنا اور پڑھنا اور اس پر عمل کرنا علماے دیو بند کے نزدیک عین اسلام اور باعثِ ثواب ہے؟

جواب (۲۱): ہاں، وہ کتاب مولوی اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان ہے۔ اس کا رکھنا دیو بندی مذہب میں عین اسلام ہے جیسا کہ مولوی رشید احمد صاحب نے لکھا ہے:

حوالہ (۲۱): فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم، ص:۵۰۔

''اس کا (یعنی تقویۃ الایمان کا) رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام اور موجب اجر کا ہے۔''

فائدہ: جب تقویۃ الایمان کا رکھنا اور پڑھنا عین اسلام ہے تو ضروری ہے کہ جس شخص نے تقویۃ الایمان نہ پڑھی اور جس نے اپنے پاس نہ رکھی وہ شخص اسلام سے خارج ہے، جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ تقویۃ الایمان کے لکھنے اور چھپنے سے پہلے کوئی شخص بھی مسلمان نہ تھا اور چھپنے کے بعد بلکہ اس وقت بھی اگر اس معیار سے مسلمانوں کو جانچا جائے تو کم از کم پنچانوے فیصدی مسلمان یقیناً اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔

مسلمانو! مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی اس کفری مشین کو دیکھو کہ اہل سنت کو مشرک بناتے بناتے انھوں نے خود اپنے ہم مذہبوں کو بھی جن کے پاس تقویۃ الایمان نہیں ہے، یا اس کتاب کو جنھوں نے پڑھا نہیں کافر کہنے لگے۔ گنگوہی صاحب کے مذہب میں تقویۃ الایمان کا مرتبہ قرآن مجید سے زائد ٹھہرتا ہے۔ مسلمان کے لیے یہ بے شک ضروری چیز ہے کہ قرآن مجید پر ایمان لائے مگر اس کا رکھنا یا پڑھنا عین اسلام نہیں، کیوں کہ جس مسلمان کے گھر قرآن مجید نہیں یا جس نے قرآن مجید نہیں پڑھا ہے وہ بھی مسلمان ہے مگر گنگوہی صاحب کے نزدیک جو تقویۃ الایمان نہیں رکھتا ہے اور نہیں پڑھتا ہے وہ مسلمان نہیں ولا حول ولا قوة إلا بالله.

سوال (۲۲): علماے دیو بند کے نزدیک وہابی کس کو کہتے ہیں؟

جواب (۲۲): اعلیٰ درجہ کے دین دار اور متبع سنت کو وہابی کہتے ہیں جیسا کہ علماے دیو بند کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں:

حوالہ (۲۲): فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم، ص:۱۱۔

''اس وقت اور ان اطراف میں وہابی متبع سنت اور دین دار کو کہتے ہیں۔''

فائدہ: پھر وہابی کہنے سے دیو بندی کیوں چڑھتے ہیں، کیا دین دار اور متبع سنت ہونا برا معلوم ہوتا ہے؟

سوال (۲۳): ابن عبد الوہاب نجدی کے متعلق علماے دیو بند کا کیا عقیدہ ہے اس کو کیسا جانتے ہیں؟

جواب (۲۳): بہت اچھا عمدہ آدمی متبع سنت عامل بالحدیث تھا، نہایت پابند شرع اعلیٰ درجہ کا مبلغ، شرک و بدعت کا مٹانے والا علمائے دیوبند کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب نے اس نجدی کی بڑی تعریف کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

حوالہ (۲۳): فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم، ص:۷۹۔

"سوال: عبدالوہاب نجدی کیسے شخص تھے؟ الجواب: محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا، سنا ہے کہ مذہب حنبلی رکھتا تھا اور عامل بالحدیث تھا، بدعت و شرک سے روکتا تھا، مگر تشدید اُس کے مزاج میں تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

فائدہ: علمائے دیوبند کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب نے نجدی وہابی کی تعریف کر کے ثابت کر دیا اور ظاہر کر دیا کہ علمائے دیوبند وہابی ہیں اور نجدی کے ہم عقیدہ ہیں۔ نجدیوں کے جو عقائد ہیں وہی دیوبندیوں کے بھی عقیدے ہیں۔ البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ نجدی حنبلی مذہب رکھتا تھا، اور دیوبندی حنفی، اور یہ فقط اعمال کا فرق ہوا عقائد میں دونوں ایک ہی رہے۔

سوال (۲۴): علمائے دیوبند کے نزدیک مولوی اسماعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان و صراطِ مستقیم کیسے شخص ہیں؟

جواب (۲۴): مولوی اسماعیل دہلوی اعلیٰ درجہ کے متقی، پرہیز گار، شہید ولی اللہ تھے۔ علمائے دیوبند کے نزدیک مولوی اسماعیل کی ولایت قرآن مجید سے ثابت ہے۔ چناں چہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے:

حوالہ (۲۴): فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم، ص:۴۹۔

"إن أولياءه، إلا المتقون۔ کوئی نہیں اولیا حق تعالیٰ کا، سوائے متقیوں کے، بموجب اس آیت کے مولوی اسماعیل ولی ہوئے۔"

اس کے بعد حدیث سے مولوی اسماعیل کی شہادت بھی ثابت کی ہے۔"

فائدہ: عقیدت اسی کو کہتے ہیں۔ قرآن و حدیث سے مولوی اسماعیل کو ولی و شہید بنا ڈالا مگر حضرت غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اولیائے کرام کے لیے کبھی ایسی تکلیف گوارا نہ ہوئی۔ ان کی گیارہویں اور فاتحہ کو بھی شرک و بدعت کہتے کہتے عمر گزار دی۔

سوال (۲۵): جب علمائے دیوبند کے نزدیک مولوی اسماعیل دہلوی کی ولایت و شہادت قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو ان کے قول کو علمائے دیوبند بھی ضرور مانتے ہوں گے۔ ہم نے سنا ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے کہ نماز میں نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا خیال آنا گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدر جہا بدتر ہے۔ اور اس سے نمازی شرک کی طرف چلا جاتا ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ اور مولوی اسماعیل نے کس کتاب میں ایسا لکھا ہے؟

جواب (۲۵): مولوی اسمٰعیل کے قول کو ماننا کیا بلکہ ان کی کتابوں کو رکھنا، اور ان پر عمل کرنا علمائے دیوبند کے نزدیک عین اسلام ہے جیسا کہ حوالہ نمبر (۲۱) میں گزرا اور یہ بات صحیح ہے۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنی کتاب صراط مستقیم میں لکھا ہے کہ نماز میں حضورِ اکرم کا خیال لانا اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدر جہا بد تر ہے۔ اور حضور کا خیال چوں کہ تعظیم کے ساتھ آتا ہے لہٰذا شرک کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

حوالہ (۲۵): صراطِ مستقیم، ص:۸۶۔

"صرف ہمت بسوے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ خر خود است۔ کہ خیال آں با تعظیم و اجلال بسویداے دل انسان می چسپد بخلاف خیال گاؤ خر کہ نہ آں قدر چسپیدگی می بود و نہ تعظیم بلکہ مہان و محقر می بود و ایں تعظیم و اجلال غیر کہ در نماز ملحوظ و مقصود می شود بشرک می کشد۔"

سوال (۲۶): جب علمائے دیوبند کے نزدیک اسمٰعیل دہلوی کا قول معتبر ہوا تو اب ان کے نزدیک نماز پڑھنے کی کیا صورت ہوگی؟ اس لیے کہ نماز میں حضور کا ذکر ہے اور تعظیم ہی کے ساتھ ہے۔ نماز میں قرآن مجید پڑھنا فرض ہے، اس میں بھی حضور کی تعریف و توصیف اور ذکر ہے، خاص کر التحیات میں کہ حضور پر سلام بھیجا جاتا ہے اور شہادت پیش کی جاتی ہے۔ اس وقت تو ضرور آپ کا خیال آتا ہے۔ تو دیوبندی مذہب میں اور ہر اس شخص کے نزدیک جو اسمٰعیل دہلوی کو مانتا ہے، نماز پڑھنے کا کیا طریقہ ہوگا، آیا نماز کے درست ہونے کی کوئی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں؟

جواب (۲۶): واقعہ تو یہی ہے کہ جب التحیات میں نبیِ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم پر نمازی سلام بھیجے گا اور آپ کی رسالت کی شہادت دے گا تو یقیناً آپ کا خیال ضرور نمازی کے دل میں آئے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی کو سلام کیا جائے اور اس کا خیال دل میں نہ آوے، بلکہ سلام کرنے سے پہلے ہی دل میں خیال آتا ہے۔ لہٰذا التحیات پڑھتے وقت حضور ﷺ کا خیال آنا تو ضروری ہوا۔ اب خیال کی دو ہی صورتیں ہیں۔ تعظیم کے ساتھ آئے گا یا تحقیر کے ساتھ۔ اگر تعظیم کے ساتھ حضور کا خیال آیا تو بقول مولوی اسمٰعیل دہلوی شرک کی طرف کھنچ گیا۔ کہاں کی نماز، اور اگر حقارت کے ساتھ حضور کا خیال آیا تو یقیناً کفر ہوا، پھر کیسی نماز۔ کیوں کہ نبی کی حقارت کفر ہے۔ اب اس کفر و شرک سے بچنے کے لیے تیسری صورت یہ ہے کہ التحیات ہی نہ پڑھے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ التحیات پڑھنا نماز میں واجب ہے اور واجب کے قصداً ترک سے نماز پوری نہیں ہوتی۔ لہٰذا التحیات نہ پڑھنے سے بھی نماز پوری نہیں ہوگی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اسمٰعیل دہلوی کے اس قول کی بنا پر نمازی التحیات پڑھے گا تو نماز نہیں ہوگی، اور نہیں پڑھے گا تو بھی نماز نہیں ہوگی۔ اسمٰعیل کے مذہب پر نماز تو کسی صورت میں ہوگی ہی نہیں۔ البتہ فرق اتنا ہوگا کہ التحیات نہ پڑھنے کی صورت میں شاید کفر و شرک سے بچ جائے۔

فائدہ: یا مزے کی بات ہے کہ کسی صورت میں نماز پوری نہیں ہو سکتی۔ وجہ یہ ہے کہ صراط مستقیم کی اس ناپاک

عبارت میں نبیِ کریم ﷺ کی سخت توہین ہے۔کیوں کہ حضور کے خیال کو گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدر جہابدتر بتایا ہے۔اسی توہین کا وبال ہے کہ خواہ التحیات پڑھے، یا نہ پڑھے مگر نماز تو کسی صورت میں پوری ہوتی ہی نہیں۔

سوال (۲۷): ہم نے سنا ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کسی سے مراد مانگنے کو، اور کسی کے سامنے جھکنے کو شرک و کفر کہتے ہیں۔اسی طرح علی بخش، حسین بخش، عبدالنبی وغیرہ نام رکھنے کو شرک و کفر بتاتے ہیں، اور کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اسے خبر ہوگئی اس کو بھی کفر و شرک جانتے ہیں۔یوں کہنا کہ خدا اور رسول چاہے تو میرا کام ہو جائے گا، اسے بھی کفر و شرک ہی کہتے ہیں۔کیا یہ بات سچ ہے؟ کیا واقعی مولوی اشرف علی صاحب ان باتوں کو شرک و کفر کہتے ہیں۔مسلمانوں کی اکثریت ان اقوال و افعال کی مرتکب ہے۔اگر تھانوی صاحب کے نزدیک یہ سب باتیں کفر و شرک ہیں تو ان کے نزدیک ہندوستان کے کروڑوں مسلمان کافر و مشرک ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مولوی اشرف علی صاحب اتنے بڑے عالم ان باتوں کو شرک بتا کر کروڑوں مسلمانوں کو اسلام سے خارج کر دیں۔لہٰذا صحیح واقعہ حوالہ کے ساتھ بیان کیا جائے۔

جواب (۲۷): بلاشبہہ مولوی اشرف علی صاحب مراد مانگنے، کسی کے سامنے جھکنے، سہرا باندھنے، علی بخش، حسین بخش، عبدالنبی وغیرہ نام رکھنے کو شرک و کفر کہتے ہیں۔کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اسے خبر ہوگئی۔یوں کہنا کہ خدا اور رسول چاہیں تو فلاں کام ہو جائے گا، ان سب باتوں کو تھانوی صاحب کفر و شرک ہی بتاتے ہیں۔چناں چہ انھوں نے اپنی کتاب ''بہشتی زیور'' کے پہلے حصے میں ان میں سے ہر ہر بات کو کفر و شرک لکھا ہے۔حوالہ ملاحظہ ہو:

حوالہ (۲۷): بہشتی زیور حصہ اول، ص۴۵ پر ہے۔

> ''کفر و شرک کی باتوں کا بیان۔اسی میں ہے: کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اُس کو خبر ہوگئی، کسی سے مرادیں مانگنا، کسی کے سامنے جھکنا۔'' اسی میں ص:۴۶ پر ہے: ''سہرا باندھنا، علی بخش، حسین بخش، عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا، یوں کہنا کہ خدا اور رسول اگر چاہے تو فلانا کام ہو جاوے گا۔''

فائدہ: جب یہ سب باتیں کفر و شرک ہوئیں تو ان کے کرنے والے مولوی اشرف علی صاحب کے نزدیک کافر و مشرک ہوئے۔یعنی جس نے مراد مانگی وہ کافر و مشرک، جو کسی کے سامنے جھک گیا وہ کافر و مشرک، جس نے سہرا باندھ لیا وہ کافر و مشرک، جس نے علی بخش، حسین بخش، عبدالنبی وغیرہ نام رکھا وہ کافر و مشرک۔کسی کو دور سے پکارا اور یہ سمجھ لیا کہ اسے خبر ہوگئی وہ کافر و مشرک۔جس نے یہ کہا کہ خدا اور رسول اگر چاہے تو فلانا کام ہو جائے گا وہ کافر و مشرک۔

مسلمانو! ذرا غور کرو اور بتاؤ کہ یہ چھ باتیں جن کو تھانوی صاحب نے کفر و شرک لکھا ہے۔ان میں سے تم نے کوئی

بات کی توہین۔ اگر ان میں سے ایک بھی بات تم سے ہوئی، تو تھانوی صاحب کے نزدیک تم کافر ومشرک ہو۔ تم چاہے کتنا ہی کہو کہ ہم مسلمان ہیں مگر تھانوی صاحب کا حکم ہے کہ تم کافر ومشرک ہی ہو۔ میرے خیال میں اگر تھانوی صاحب کے اس معیار سے مسلمانوں کو جانچا جائے تو مشکل سے فی صدی پانچ مسلمان نکلیں گے اور پنچانوے فی صدی مسلمان دائرۂ اسلام سے خارج ہو کر کافر ومشرک ہو جائیں گے۔ مولوی اشرف علی صاحب نے ان چیزوں کو کفر و شرک لکھ کر گویا مسلمانوں کو کافر بنانے کی مشین تیار کی ہے۔ جس نے تقریباً پنچانوے فی صد مسلمانوں کو کافر ومشرک بنا دیا۔ تھانوی صاحب ذرا گھر کی خبر لیں اور اپنے بڑے پیشوا مولوی گنگوہی صاحب کا نسب نامہ دیکھیں۔ تذکرۃ الرشید، ص:۱۳۰ر میں گنگوہی صاحب کا پدری نسب نامہ یہ ہے:

”رشید احمد بن ہدایت احمد، بن پیر بخش، بن غلام حسن، بن غلام علی اور مادری نسب یہ ہے۔ رشید احمد بن کریم النسا، بنت فرید بخش، بن غلام قادر، بن محمد صالح، بن غلام محمد۔“

غور کیجیے کہ گنگوہی صاحب کے دادا نانا میں کتنے ایسے ہیں جو تھانوی صاحب کے حکم سے مشرک۔ اب خود ہی بتائیں کہ گنگوہی صاحب ان کے نزدیک کیا ہیں؟

ع: اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اس بات سے تعجب تو ضرور ہوتا ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب نے ایسا کیوں کیا مگر جب ان کے عقیدہ کی طرف نظر کی جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ وہابیوں کا عقیدہ ہی یہ ہے کہ سوائے ان کی مختصر جماعت کے ساری دنیا کے مسلمان ان کے نزدیک کافر ومشرک ہیں۔ لہٰذا یہ ان کے عقیدہ کا مسئلہ ہے کہ وہ اپنی جماعت کے علاوہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر ومشرک سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ شامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”كما وقع في زماننا في أتباع عبد الوهاب الذين خرجوا من نجد و تغلبوا على الحرمين، و كانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا أنهم هم المسلمون وأن من خالف اعتقادهم مشركون، واستباحوا بذالك قتل أهل السنة و قتل علماءهم حتى كسر الله تعالىٰ

جیسا ہمارے زمانہ میں عبد الوہاب کے متبعین میں واقع ہوا جو نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر قابض ہوئے اور اپنے آپ کو حنبلی مذہب ظاہر کرتے تھے۔ لیکن در اصل ان کا اعتقاد یہ تھا کہ مسلمان صرف وہی ہیں باقی سب مشرک ہیں۔ اسی وجہ سے انھوں نے اہل سنت اور ان کے علما کا قتل جائز سمجھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑی اور ان کے

شوکتھم و خرب بلادھم و ظفر بھم عساکر المسلمین عام ثلاث و ثلاثین و مأتین و ألف." (۱)

شہر ویران کیے اور اسلامی لشکروں کو ان پر فتح دی ۱۲۳۳ھ میں۔

علامہ شامی نے تصریح فرمادی کہ وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ اپنے سوا تمام دنیا کے مسلمانوں کو کافر و مشرک ہی جانتے ہیں، اور علماے دیو بند نجدیوں، وہابیوں کے ہم عقیدہ ہیں۔ چناں چہ علماے دیو بند کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب نے اپنے فتاویٰ رشیدیہ میں محمد بن عبد الوہاب نجدی کی بہت تعریف کی ہے۔ اس کو متبعِ سنت، عامل بالحدیث، شرک و بدعت سے روکنے والا لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ حوالہ نمبر ۲۳۔

نتیجہ یہ نکلا کہ علماے دیو بند اپنے سوا ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر و مشرک جانتے ہیں، اور انھیں نجدیوں کے ہم عقیدہ ہیں جو مسلمانان اہل سنت و علماے اہل سنت کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس وقت فریب دینے کے لیے اور مسلمانوں کو پھانسنے کے لیے اہل سنت بنتے ہیں اور اپنے کو اہل سنت لکھنے لگے، مگر یہ فریب کاری کیسے کام آسکتی ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب نے نجدی کی تعریف کر کے ثابت کر دیا کہ علماے دیو بند پکے وہابی اور نجدیوں کے ہم عقیدہ ہیں، ہر گز اہل سنت نہیں بلکہ اہلِ سنت کے دشمن، ان کے خون کے پیاسے ہیں۔ خداے تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ ان کے مکر سے بچیں، اور جانیں کہ مسلمانوں کو کافر و مشرک کہنے والا کون ہے، اس سے کیا تعلق رکھنا چاہیے۔

فائدہ: مولوی اشرف علی صاحب نے عبد النبی نام رکھنے کو شرک کہا ہے جس کا ثبوت حوالہ نمبر ۲۷ میں گزرا اور ان کے پیر حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ "شمائم امدادیہ" میں فرماتے ہیں کہ عباد اللہ کو عباد رسول کہہ سکتے ہیں۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ عبد النبی نام رکھنا جائز ہے۔ یعنی جس کو تھانوی صاحب شرک کہہ رہے ہیں، اسی کو ان کے پیر حاجی امداد اللہ صاحب جائز فرما رہے ہیں۔ اگر حاجی امداد اللہ صاحب کا قول صحیح ہے تو عبد النبی نام رکھنا جائز ہوا حالاں کہ مولوی اشرف علی صاحب اسے شرک کہہ رہے ہیں۔ مسلمانو! بتاؤ، جائز کو شرک کہنے والا کون ہے؟ اور اگر تھانوی صاحب کا قول صحیح مانا جائے تو عبد النبی نام رکھنا شرک ہوا۔ اسی کو حاجی امداد اللہ صاحب جائز فرما رہے ہیں۔ اب بتاؤ شرک کو جائز کہنے والا کون ہے؟ پیر و مرید دونوں میں سے کسی ایک کا تو حکم بتاؤ؟ کیا بتاؤ گے؟ یہ بد ذات وہابیت کے کرشمے ہیں۔ ساون کے اندھے کی طرح ہر چیز میں شرک ہی نظر آتا ہے۔

سوال (۲۸): نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو اللہ رب العزت نے بعض علم غیب عطا فرمایا، تو کیا ایسا علم غیب علماے دیو بند کے نزدیک بچوں، پاگلوں، جانوروں کو بھی حاصل ہے۔ کیا علماے دیو بند میں سے کسی نے ایسا لکھا ہے؟

جواب (۲۸): علماے دیو بند کے نزدیک ایسا علم غیب تو ہر زید و عمرو بلکہ ہر بچے اور پاگل اور تمام حیوانات کو بھی حاصل ہے۔ دیو بندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی حفظ الایمان میں لکھا ہے، ملاحظہ ہو:

---

(۱) علامہ محمد ابن عابدین شامی، رد المحتار، کتاب الجهاد، باب البغاة، ج:۱٦، ص:۳۷۸

حوالہ (۲۸): حفظ الایمان، ص:۸۔

"پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمر، بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔"

فائدہ: اس عبارت میں مولوی اشرف علی صاحب نے علم غیب کی دو قسمیں کیں، کل اور بعض۔ کل کو تو بعد میں عقلاً و نقلاً باطل کیا، اور نہ حضور کے لیے کوئی کل مانتا ہے۔ رہا بعض علم غیب وہ یقیناً حضور کا علم ہے۔ اسی علم نبی کریم ﷺ کو پاگلوں اور جانوروں کے علم سے تشبیہ دی جس میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی سخت توہین ہے۔

بعض عقیدت مند لوگ محض طرف داری میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس عبارت میں نبی ﷺ کی توہین نہیں ہے۔ مگر یہ محض اشرف علی صاحب کی کھلی طرف داری ہے۔ اس لیے کہ اگر یہی عبارت مولوی اشرف علی صاحب کے لیے بول دی جائے اور یوں کہا جائے کہ مولوی اشرف علی صاحب کی ذات پر علم کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو، تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس علم سے مراد بعض علم ہے یا کل۔ اگر بعض علوم مراد ہیں تو اس میں مولوی اشرف علی صاحب کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم تو زید و عمر و بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ تو یقیناً وہ طرف دار لوگ بھی جامہ سے باہر ہو جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ اس میں مولوی اشرف علی صاحب کی توہین ہے۔ حالاں کہ بالکل وہی عبارت جو اشرف علی صاحب نے حضور کے لیے لکھی ہے، صرف نام کا فرق ہے اور حفظ الایمان کی عبارت کی جس قدر تاویلیں کی گئی ہیں وہ سب اس میں جاری ہیں مگر پھر بھی کہتے ہیں کہ تھانوی صاحب کی توہین ہے۔

مسلمانو! غور کرو جس عبارت میں مولوی اشرف علی صاحب کی توہین ہو وہی عبارت حضور کے لیے بولی جائے تو حضور کی توہین نہ ہو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ طرف دار لوگ اپنے نزدیک حضور کا مرتبہ مولوی اشرف علی صاحب کے برابر بھی نہیں مانتے، ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ جس بات میں تھانوی صاحب کی توہین ہو اس میں حضور ﷺ کی توہین نہ ہو۔ غضب ہے، حیرت ہے۔ اس طرف داری کی کوئی انتہا ہے۔ نبی کے مقابلے میں تھانوی جی کی ایسی کھلی طرف داری۔

بوقت صبح شود ہم چوں روز معلومت　　　　که با کے باختہ عشق در شب دیجور

مگر مولوی اشرف علی صاحب خوب سمجھتے ہیں کہ اس عبارت حفظ الایمان میں نبی کریم ﷺ کی توہین ہے۔ اسی وجہ سے آج تک علمائے اہل سنت کے مقابلے میں مناظرہ کے لیے آنے تک کی بھی تاب نہ لا سکے۔ شخصیت پرستی کے نشہ میں توبہ بھی میسر نہ ہوئی۔ عقیدت مند لوگ ان کی طرف داری میں کچھ اچھلے کودے مگر اس مقدمہ میں جان ہی

نہیں۔ کریں تو کیا کریں، اس لیے جہاں جاتے ہیں ذلیل ہوتے ہیں اور کیوں نہ ہو حفظ الایمان کی اس عبارت کا توہین ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ اس کی طرف داری میں جو کچھ کہا جائے گا وہ کفر کی حمایت ہے، اور کفر کی حمایت میں سوائے ذلت ورسوائی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ مولا تعالیٰ توبہ کی توفیق دے۔

سوال (۲۹): کیا علمائے دیوبند کے نزدیک امتی عمل میں نبی کے برابر ہو سکتا ہے؟

جواب (۲۹): ہاں، علمائے دیوبند کا یہی عقیدہ ہے کہ امتی عمل میں نبی کے برابر ہو سکتا ہے، بلکہ نبی سے بڑھ سکتا ہے۔ چناں چہ علمائے دیوبند کے پیشوا بانی مدرسہ دیوبند مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی تحریر فرماتے ہیں:

حوالہ (۲۹): تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم، ص:۵۔

"انبیا اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل، اس میں بسا اوقات بہ ظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔"

فائدہ: مسلمانو! یہ ہے عقیدہ علمائے دیوبند کا عمل میں نبی کو امتی پر کوئی فضیلت نہیں مانتے۔ عمل میں امتی کو نبی کے برابر کرتے ہیں، بلکہ بڑھاتے ہیں۔ انھوں نے علم میں فضیلت دی تھی مگر تھانوی صاحب نے اسے بھی اڑا دیا۔ کہہ دیا کہ ایسا علم تو پاگلوں جانوروں کو بھی ہے۔۔ ملاحظہ ہو حوالہ ۲۸:

سوال (۳۰): علمائے دیوبند کے نزدیک نبیِ کریم ﷺ کا علم زیادہ ہے، یا شیطان کا۔ حضور کا علم قرآن و حدیث سے ثابت ہے، یا شیطان علیہ اللعن کا؟

جواب (۳۰): علمائے دیوبند کے نزدیک حضور ﷺ کے علم سے شیطان کا علم زیادہ ہے، اور شیطان کے علم کی زیادتی قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اور حضور کی وسعتِ علم کے لیے ان کے نزدیک کوئی نص قطعی نہیں چناں چہ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

حوالہ (۳۰): براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی، ص:۵۱۔

"الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان وملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ، بلا دلیل، محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔"

تنبیہ: مسلمانو! غور کرو مولوی خلیل احمد صاحب و مولوی رشید احمد صاحب پیشوائے علمائے دیوبند نے ساری زمین

کا علم حضور ﷺ کے لیے تو شرک کہا مگر اسی شرک کو شیطان کے لیے نہایت خوشی کے ساتھ نص سے ثابت مانا۔ شیطان مردود سے ایسی خوش عقیدگی، اور حضور سے ایسی عداوت۔ اسی عداوت نے تو عقل کو رخصت کر دیا۔ یہ بھی سمجھ میں نہ آیا کہ حضور کے لیے جس علم کا ثابت کرنا شرک ہے وہ شیطان کے لیے کیسے ایمان ہو سکتا ہے، اور وہ بھی نص سے یعنی قرآن وحدیث سے، کہیں قرآن وحدیث سے بھی شرک ثابت ہوتا ہے۔ یہ شیطان سے عقیدت مندی ہے کہ اس کے علم کو حضور ﷺ کے علم سے بڑھا دیا۔

مسلمانو! انصاف کرو، اور بلا رعایت کہو، کیا اس میں حضور کی توہین نہیں ہے۔ ہے اور ضرور ہے۔ اور اگر کوئی طرف دار شخصیت پرست نہ مانے تو اسی کو کہو کہ علم میں شیطان کے برابر، یا تیرا فلاں مولوی علم میں شیطان کے برابر ہے۔ دیکھو، جامہ سے باہر ہو جائے گا حالاں کہ اس کو برابر ہی کہا ہے۔ اور اگر کسی دیوبندی مولوی کو شیطان کے مقابل گھٹا دیا جائے تو معلوم نہیں کہاں تک نوبت پہنچے۔ مسلمانو! شریعتِ مطہرہ کا حکم ہے کہ جس نے کسی مخلوق کو حضور نبیِ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے علم میں زیادہ کہا، وہ شخص کافر ہے۔ شفا شریف کی شرح نسیم الریاض میں فرمایا:

من قال فلان أعلم منه ﷺ فقد عابه و نقصه فهو ساب. (۱)

ترجمہ: جس کسی نے کہا کہ فلاں کو نبی ﷺ سے زیادہ علم ہے، اس نے حضور کو عیب لگایا اور حضور کی تنقیص کی، وہ حضور کو گالی دیتا ہے۔

اور ظاہر بات ہے کہ اس میں نبی ﷺ کی سخت توہین ہے، پھر اس کے کفر میں کیا شبہہ ہے۔

فائدہ: مولوی مرتضیٰ حسن در بھنگی نے اس کفری عبارت کی تاویل میں یہ کہا کہ اس عبارت میں حضور کے لیے جو وسعتِ علم شرک بتائی ہے، اور جس علم کی نفی کی ہے وہ علم ذاتی ہے، اور ذاتی علم حضور کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔

مگر افسوس کفر کی حمایت میں ان کی عقل ہی رخصت ہو گئی۔ یہ بھی نہ سمجھے کہ علم ذاتی کی نفی کا بہانہ تو اس وقت ہو سکتا تھا جب ان کے خصم حضور کے لیے علمِ ذاتی ثابت کرتے، جب مقابل علمِ عطائی ثابت کر رہا ہے تو ذاتی کی نفی کرنا یقیناً مجنون کی بڑ ہو گی اور مولوی خلیل احمد صاحب پاگل ٹھہریں گے۔

نیز براہینِ قاطعہ کی یہ کفری عبارت پکار کر کہہ رہی ہے کہ جس قسم کا علم شیطان کے لیے ثابت مانا ہے۔ اسی قسم کے علم کی حضور سے نفی کی ہے۔ لہٰذا اگر حضور سے علمِ ذاتی کی نفی کی ہے تو یقیناً شیطان کے لیے علمِ ذاتی مانا جو کھلا ہوا شرک ہے۔ اس میں مولوی خلیل احمد صاحب مشرک ٹھہریں گے۔ غرض کہ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے براہینِ قاطعہ کی اس عبارت میں حضور سے علمِ ذاتی کی نفی بتا کر براہین کے مصنف و مصدق کو مجنون و مشرک بنا دیا۔ یہ حضور کی توہین کا وبال ہے کہ طرف

(۱) مولانا احمد شہاب الدین خفاجی مصری، نسیم الریاض، شرح شفا، ج:٤، ص:۳۳۵، برکاتِ رضا، پور بندر، گجرات

داری کی جاتی ہے تب بھی مجنون یا پاگل ضرور ٹھہرتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ توبہ کی توفیق دے کہ کفر کی حمایت سے توبہ کریں اور حضور ﷺ کے مرتبہ کو پہچانیں اور جانیں کہ حضور کے مقابلہ میں کسی کی طرف داری کام نہ آئے گی۔

فائدہ: مولوی قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند نے سارے انبیا علیہم السلام کو عمل میں گھٹایا، اور امتیوں کو عمل میں انبیا سے بڑھایا جیسا کہ حوالہ نمبر ۲۹ میں گزرا، اور مولوی خلیل احمد صاحب و مولوی رشید احمد صاحب نے حضور ﷺ سے علم میں شیطان کو بڑھایا جس کا ثبوت حوالہ نمبر ۳۰ میں گزرا، خلاصہ یہ ہوا کہ علمائے دیوبند نے متفق ہو کر انبیا علیہم السلام خصوصاً سید الانبیا جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو علم اور عمل دونوں فضیلتوں میں امتی اور شیطان سے گھٹایا ہے۔ مسلمانو! آنکھیں کھولو اور انصاف کرو اور علمائے دیوبند کی حقیقت پہچانو۔ اگر تم کو اپنے رسول، اپنے نبی، اللہ کے محبوب جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت ہے تو اس پر مطلع ہونے کے بعد ان کے گستاخوں سے بیزاری و بے تعلقی اختیار کرو۔ اپنے نبی کی ایسی کھلی ہوئی توہین کرنے والے سے تعلق رکھنا یا اس کو اچھا کہنے والوں، اس کو ماننے والوں سے علاقہ باقی رکھنا امتی کا کام نہیں ہو سکتا۔ تمھیں فیصلہ کرو کہ اتنی کھلی توہین کے بعد بھی ایمانی غیرت نہ آئے اور گستاخ کی طرف داری اور حمایت میں بے جا تاویلیں کی جائیں تو کیا نبی سے عداوت اور دشمنی نہیں ہے۔ واقعی ایسے گستاخ کی طرف داری نبی کی دشمنی اور نبی کا مقابلہ ہے، والعیاذ باللہ۔

برادرانِ اسلام کی خدمت میں مخلصانہ گزارش

برادرانِ اسلام، پیارے بھائیو! دنیا چند روزہ ہے، اس کی راحت و مصیبت سب فنا ہونے والی ہے۔ یہاں کی دوستی اور دشمنی ختم ہونے والی ہے۔ دنیا سے چلے جانے کے بعد بڑے سے بڑا رفیق و شفیق بھی کام آنے والا نہیں۔ بعد مرنے کے صرف خدا اور اس کے رسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہی کام آنے والے ہیں۔ سفرِ آخرت کی پہلی منزل قبر ہے۔ اس میں منکر نکیر آکر سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے۔ اسی کے ساتھ نبیِ کریم و رؤف و رحیم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق مردے سے دریافت کرتے ہیں: ما تقول فی هذا الرجل۔ یعنی حضور کی طرف اشارہ کرکے پوچھتے ہیں کہ ان کی شان میں کیا کہتا ہے۔ اگر اس شخص کو نبیِ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے عقیدت و محبت ہے تو جواب دیتا ہے کہ یہ تو ہمارے آقا و مولا اللہ کے محبوب جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، ان پر تو ہماری عزت و آبرو، جان و مال سب قربان، اس شخص کے لیے نجات ہے۔ اور اگر حضور سے ذرہ برابر کدورت ہے، دل میں آپ کی عظمت و محبت نہیں ہے، جواب نہیں دے سکے گا، یہی کہے گا میں نہیں جانتا، لوگ جو کہتے تھے میں بھی کہتا تھا، اس پر سخت عذاب اور ذلت کی مار ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

معلوم ہوا کہ حضور کی محبت مدارِ ایمان و مدارِ نجات ہے۔ مگر یہ تو ہر مسلمان بڑے زور سے دعویٰ کے ساتھ کہتا ہے کہ ہم حضور سے محبت رکھتے ہیں، آپ کی عظمت ہمارے دل میں ہے۔ لیکن ہر دعویٰ کے لیے دلیل چاہیے اور ہر کامیابی کے لیے

امتحان ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرنے والوں کا یہ امتحان ہے کہ جن لوگوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شانِ اقدس میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کی ہیں، ان سے اپنا تعلق قطع کریں۔ ایسے لوگوں سے نفرت اور بے زاری ظاہر کریں، اگرچہ وہ ماں باپ اور اولاد ہی کیوں نہ ہوں، بڑے سے بڑے مولانا، پیر واستاد ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن جب انھوں نے حضور کی شان میں بے ادبی کی تو ایمان والے کا ان سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ اگر کوئی شخص ان کی بے ادبیوں پر مطلع ہو جانے کے بعد پھر بھی ان کی عزت، ان کا احترام کرے، اور اپنی رشتہ داری یا ان کی شخصیت اور مولویت کے لحاظ سے نفرت و بے زاری ظاہر نہ کرے وہ شخص اس امتحان میں ناکامیاب ہے۔ اس شخص کو حقیقۃً حضور کی محبت نہیں صرف زبانی دعویٰ ہے۔ اگر حضور کی محبت اور آپ کی سچی عظمت ہوتی تو ایسے لوگوں کی عزت و عظمت، ان سے میل و محبت کے کیا معنی۔ خوب یاد رکھو پیر اور استاد مولوی اور عالم کی جو عزت و وقعت کی جاتی ہے اس کی محض یہی وجہ ہے کہ وہ حضورِ اقدس ﷺ سے تعلق اور نسبت رکھنے والا ہے۔ مگر جب اس نے حضور ہی کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کی پھر اس کی کیسی عزت اور اس سے کیسا تعلق۔ اس نے تو خود حضور سے اپنا تعلق قطع کر لیا پھر مسلمان اس سے اپنا تعلق کیوں کر باقی رکھے گا۔

اے مسلمان! تیرا فرض ہے کہ اپنے آقا و مولا محبوبِ خدا ﷺ کی عزت و عظمت پر مر مٹے، ان کی محبت میں اپنا جان و مال، عزت و آبرو قربان کرنے کو اپنا ایمانی فرض سمجھے اور ان کے چاہنے والوں سے محبت، ان کے دشمنوں سے عداوت لازمی اور ضروری جانے۔ غور کر، کسی کے باپ کو گالی دی جائے اور بیٹے کو سن کر حرارت نہ آجائے تو وہ صحیح معنیٰ میں اپنے باپ کا بیٹا نہیں۔ اسی طرح اگر نبی کی شان میں گستاخی ہو اور امتی سن کر خاموش ہو جائے، اس گستاخ سے نفرت و بے زاری ظاہر نہ کرے تو یہ امتی بھی یقیناً صحیح معنیٰ میں امتی نہیں ہے۔ بلکہ ایک زبانی دعویٰ کرتا ہے جو ہرگز قابلِ قبول نہیں۔ اس رسالہ میں بعض لوگوں کے اقوالِ گستاخانہ ضمناً آگئے ہیں، مسلمان ٹھنڈے دل سے پڑھیں، اور فیصلہ کریں، اور اپنی صداقتِ ایمانی کے ساتھ انصاف کریں کہ ایسے لوگوں سے مسلمانوں کو کیا تعلق رکھنا چاہیے، بلا رعایت اور طرف داری کے کہنا، اور یہ بھی یاد رکھنا کہ اگر کسی کی شخصیت و مولویت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی رعایت کی تو نبی کریم ﷺ کا مقابلہ ہے نبی کے مقابلہ میں نبی کے گستاخ کی طرف داری و رعایت تمہارے کام نہیں آسکتی۔ و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد و اٰلہ و أصحابہ أجمعین برحمتك یا أرحم الراحمین.

خاکسار:- عبدالعزیز، خادم الطلبہ مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ

العذاب الشديد

نوٹ:

حافظِ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمۃ کا مندرجہ بالا فتویٰ جب کتابی شکل میں منظرِ عام پر آیا تو دیوبندی مکتبِ فکر میں زلزلہ آگیا۔ مولوی محمد حنیف رہبر نے "المصباح الجدید" کے جواب میں "مقامع الحدید" لکھی اس کے جواب میں حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے افادات بنام "العذاب الشدید" مرتب ہو کر منظرِ عام پر آئے "العذاب الشدید" حضور حافظ ملت کے ایک فتوے کا جواب الجواب ہے، اس لیے المصباح الجدید کے ساتھ اسے بھی فتاویٰ حافظ ملت میں شامل کر رہے ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

العذابُ الشَّدید

.........(باب اول).........

درابطال جواب اعتراضات المصباح الجدید

(۱)

دیوبندیوں کے نزدیک گنگوہی صاحب مربی خلائق ہیں -دیوبندیوں کے شیخ الہند مولوی محمود الحسن صاحب نے مرشیہ میں اپنے پیر مولوی رشید احمد صاحب کو مربی خلائق لکھا ہے۔

خدا اُن کا مربی وہ مربی تھے خلائق کے
مرے مولا مرے ہادی تھے بے شک شیخ ربانی مرشیہ، ص:۱۲

اس پر المصباح الجدید میں تنبیہ فرمائی کہ " اس شعر میں مولوی محمود الحسن صاحب نے مولوی رشید احمد صاحب کو مربی خلائق لکھا ہے جو رب العالمین کے ہم معنی ہے۔" مربی خلائق کا رب العالمین کے ہم معنی ہونا بالکل کھلی ہوئی بات ہے اور میں اس کو علمی روشنی میں لاکر بھی واضح کر دوں گا۔ مگر دیوبندی رہبر اس پر پردہ ڈالنے کے لیے جواب دیتے ہیں جس کی حقیقت ابھی کھل جاتی ہے۔ ہر عاقل بخوبی سمجھ لے گا کہ وہ اعتراض کا جواب ہرگز نہیں البتہ جواب سے ایک بات یہ ظاہر ہوگئی کہ جب مولوی محمود حسن صاحب نے گنگوہی صاحب کو مربی خلائق لکھ دیا تو اب کسی دیوبندی کی مجال نہ رہی کہ ان کو مربی خلائق نہ مانے، بلکہ ہر دیوبندی کا مذہبی فریضہ ہوگیا کہ وہ گنگوہی صاحب کو مربی خلائق ہی کہے۔ اس لیے دیوبندی مجیب نے یہ جواب نہیں دیا کہ یہ مولوی محمود حسن صاحب کی ذاتی رائے ہے، ہم اس سے متفق نہیں، یہ کوئی مذہبی عقیدہ نہیں کہ ہم گنگوہی صاحب کو مربی خلائق ہی مانیں۔ بلکہ جواب میں وہ صورت اختیار کی کہ گنگوہی صاحب دیوبندی عقیدہ کے مطابق مربی خلائق ہی بنے رہے اور بڑے جل بھن کر، پیچ و تاب کھا کر اپنی عادت کے مطابق تبرابازی کرتے ہوئے مربی خلائق ہی کو ہلکا پھلکا بنانے کی بے جا کوشش کی اور کہا:

"اردو محاورات میں مربی بہت معنی میں مستعمل ہے۔ نوراللغات میں ہے کہ مربی سرپرست کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور مربی بمعنی تربیت کنندہ والدین واستادو

پیر عام طور پر کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہ محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا۔ اس پر بڑے اچھل کر کہا۔ مفتی صاحب لگائیں قرآن عزیز پر بھی فتوے کیوں کہ اس آیت میں والدین کو اولاد کا مربی کہا گیا ہے اور آپ کے نزدیک مربی بالکل رب العالمین کے ہم معنی ہے۔"(۱)

ناظرینِ کرام! ذرا المصباح الجدید کے اعتراض اور دیوبندی رہبر کے جواب کو ملا کر دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ رہبری ہے یا رہزنی، اعتراض تو مربیِ خلائق کہنے پر ہے۔ مربی خلائق کو رب العالمین کے ہم معنی بتایا ہے۔ نہ کہ صرف مربی کو۔ رہبر صاحب خلائق کو بالکل ہی ہضم کر گئے۔ آپ خلائق کو چھوتے بھی نہیں، محض مربی کو لے رہے ہیں۔ کیا مرثیہ میں گنگوہی صاحب کو صرف مربی ہی لکھا ہے۔ مربی خلائق نہیں لکھا۔ جب آپ کو مرثیہ بھی نہیں دکھائی دیتا المصباح الجدید کا اعتراض بھی نہیں سوجھتا تو تصنیف کے خواب کیوں دیکھنے لگے۔ اب پڑھو اپنے اوپر ۔

گر یہی بے خبری حضرتِ والا ہوگی تار و پود پدری سب تہ و بالا ہوگی

المصباح الجدید اور مرثیہ کی عبارت بھی جسے نظر نہ آئے وہ قرآن مجید کو کیا سمجھے۔ نور اللغات میں صرف مربی کا استعمال سرپرست کے معنی میں بتایا ہے، یا مربی خلائق کا بھی۔ قرآن مجید میں والدین کے لیے صرف تربیت کا استعمال ہوا ہے یا مربی خلائق بھی کہا گیا ہے۔ اگر آیت رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا سے گنگوہی جی کے مربی خلائق ہونے پر استدلال تمہارے نزدیک صحیح ہے تو قرآن مجید کی ان دو آیتوں سے گنگوہی صاحب کا رب العالمین ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔

پہلی آیت: "يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا"(۲)

یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! تم میں ایک تو اپنے رب (بادشاہ) کو شراب پلائے گا۔

دوسری آیت: قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ (۳)

فرمایا یوسف علیہ السلام نے اپنے رب (بادشاہ) کی طرف پلٹ جا، پھر اس سے پوچھ۔

ان دونوں آیتوں میں رب کا استعمال بادشاہ کے لیے ہوا اور آپ کے نزدیک جب مربی کا استعمال غیر خدا کے لیے گنگوہی کے مربیِ خلائق ہونے کی دلیل بن گیا تو رب کا استعمال غیر خدا کے لیے وہ گنگوہی صاحب کو رب العالمین کیوں نہ بنائے گا۔

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ملخصاً، ص: ۱۷، ۱۸، مطبوعہ مبارک پور

(۲) قرآن حکیم، سورۃ یوسف: ۱۲، آیت: ۴۱

(۳) قرآن حکیم، سورۃ یوسف: ۱۲، آیت: ۵۰

یہ تو دیوبندیوں کے جواب واستدلال کی حقیقت تھی جو ظاہر ہوئی۔ اب اس کو واضح کرتا ہوں کہ مربی خلائق یقیناً رب العالمین کے ہم معنی ہے۔

غور کیجیے، رب العالمین میں دو لفظ ہیں "رب" اور "عالمین"۔ اسی طرح مربی خلائق میں دو لفظ ہیں ایک "مربی" دوسرا "خلائق"۔ اگر مربی رب کے معنی میں اور خلائق عالمین کے معنی میں ہو تو مربی خلائق کا رب العالمین کے ہم معنی ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ اب سنیے خلائق جمع خلق جمع خلق بمعنی مخلوق کی ہے۔ عالمین جمع ہے عالم کی۔ اللہ کے سوا ہر شے جو موجود ہے اس کو عالم کہتے ہیں، اسی طرح اس کے سوا ہر شے کو خلق بھی کہتے ہیں، یعنی جو چیز عالم ہے وہ خلق ہے، جو خلق ہے، وہ عالم ہے۔ دیکھو عقائد نسفی: "العالم بجميع اجزاءه محدث." اس کی شرح میں علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

"العالم أي ما سوى الله تعالیٰ من الموجودات مما يعلم به الصانع... محدث أي مخرج من العدم إلى الوجود بمعنى أنه كان معدوما فوجد."(1)

لہٰذا خلائق اور عالمین کے ایک معنی ہوئے۔

اب رہا مربی اور رب۔ مربی اور رب کا استعمال کسی خاص کی طرف اضافت کے ساتھ غیر خدا کے لیے وارد ہے۔ لیکن خلائق اور عالمین کی طرف مضاف کر کے یعنی رب العالمین و رب الخلائق مربی عالمین مربی خلائق غیر خدا کے لیے وارد نہیں۔ اردو میں، نہ فارسی و عربی میں۔ یہی تو وجہ ہے کہ دیوبندی رہبر کو ایک بھی ایسی مثال نہ مل سکی، جس میں کسی مخلوق کو مربی خلائق کہا گیا ہو۔ اسی وجہ سے خلائق کو چھوڑ کر صرف مربی کو لے لیا۔ لہٰذا اس استعمال میں مربی اور رب برابر ہیں۔ معنی کے لحاظ سے سنیے تو مربی کے حقیقی معنی ہیں تربیت کنندہ۔ اردو میں اگرچہ سرپرست کے معنی میں بھی آتا ہے، لیکن اس وقت جب کہ خلائق اور عالمین کی طرف مضاف نہ ہو اور یہاں خلائق کی طرف اضافت ہو رہی ہے، لہٰذا وہی حقیقی معنی تربیت کنندہ یعنی پرورش کرنے والا ہوئے۔

رب کے معنی بھی تربیت کنندہ اور پرورش کنندہ ہیں۔ بیضاوی شریف میں ہے:

الرب في الأصل بمعنى التربية وهي تبليغ الشئ إلىٰ كماله شيئًا فشيئًا ثم وصف به للمبالغة كالصوم والعدل.(2)	رب لغت میں بمعنی تربیت ہے اور وہ تدریجاً شے کو اس کے کمال تک پہنچانا ہے پھر مبالغۃً اس کے ساتھ موصوف کیا گیا جیسے صوم اور عدل۔

---

(1) علامه سعيد الدين مسعود بن عمر تفتازانی، شرح العقائد، ص: ٤٤، مجلس بركات، مبارك پور.

(2) قاضی ناصر الدين بيضاوی، تفسير بيضاوی، زير آيت: الحمد لله رب الغلمين، ص: ٥١، ٥٢، ج: ١، دار الفكر، بيروت

منتخب اللغات ولطائف میں ہے:

الرب بالفتح بصلاح آرندہ۔ (۱) یعنی پرورش کرنے والا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہاں مربی اور رب کے ایک معنی ہیں۔ اور خلائق وعالمین کا ہم معنی ہونا پہلے ہی ثابت ہو چکا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مربی خلائق رب العالمین کے ہم معنی ہے۔ جس طرح رب العالمین کا اطلاق مخلوق پر جائز نہیں اسی طرح مربی خلائق کا اطلاق بھی مخلوق پر جائز نہیں، کیوں رہبر صاحب! اب کھلیں آنکھیں؟ معلوم ہوا آپ کو کہ المصباح الجدید کا اعتراض حق ہے۔ واقعی مربی خلائق رب العالمین کا ہم معنی ہے اور آپ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ اب تو آپ کو شرمانا چاہیے اور گنگوہی جی کو مربی خلائق ماننے سے توبہ کرنا چاہیے۔ اسی سلسلے میں گنگوہی صاحب کی مدح سرائی کا الٹا خطبہ پڑھا ہے کہ انھوں نے بدعتیوں کو سنی، مشرکوں کو موحد بنایا ہے۔ یہ بالکل الٹی بات ہے۔ اس کے برعکس نام نہند زنگی کافور۔ سب جانتے ہیں کہ گنگوہی صاحب وہابی گر تھے۔ ساری عمر سنی مسلمانوں کو مشرک وبدعتی ہی کہتے کہتے گزار دی۔ لہٰذا اگر یوں کہا جائے کہ گنگوہی صاحب نے سنیوں کو بدعتی اور موحدوں کو مشرک بنایا تو درست ہوگا۔ اور بات بھی یہی ہے۔ دیوبندی رہبر نے یہاں اردو دانی پر بھی تبرا بازی کی ہے۔ لہٰذا میں ناظرین کی ظرافت طبع کے لیے ”دیوبندی اردو“ سنادوں، اور وہ بھی کسی معمولی شخص کی نہیں بلکہ دیوبندیوں کے پیشوا گنگوہی صاحب کی۔

> ”موضع سانگیڑا سے ایک گوجر کی لڑکی آئی اور اس نے عرض کیا کہ میرے باپ کو پیچش کی شکایت ہے۔ آپ نے اسی زبان میں اسی لہجہ سے یہ دوا بیان کی۔ جامّن کی کپّل لے کرّ دہیّ میں رگڑّ کے بلّے مان گیر کے پلّا دے۔“ یعنی جامن کی کوپل کو دہی میں رگڑ کے پیالی میں ڈال کر باپ کو پلادے۔ (۲)

واہ ری دیوبندی اردو، تیرا کیا کہنا۔ ہر دوسرے حرف پر تشدید واجب ہے۔ اردو زبان تو دیوبند والے ہی کچھ جانتے ہیں، دوسرے لوگ بھلا کیا جانیں۔ جب ہی تو آپ کے شیخ الہند صاحب فرماتے ہیں۔

اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

اور فرماتے ہیں ”قبولیت اسے کہتے ہیں“۔ کہیے قبولیت نے تو شیخ الہند صاحب کی عربیت کی قلعی کھول دی اور فرماتے ہیں: ”پھریں تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کا رستہ“ کیا اعلیٰ فصاحت ہے جب ہی تو دیوبندیوں کے پیشوا مولوی خلیل احمد و مولوی رشید احمد صاحب نے اپنی کتاب براہین قاطعہ کے ص ۲۶ پر لکھا ہے کہ:

> ”ایک صالح فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو آپ کو

---

(۱) علامہ عبد الرشید الحسینی المدنی، منتخب اللغات، ص: ۱۸۲، مطبع نول کشور، لکھنؤ

(۲) حاشیہ تذکرۃ الرشید، جلد: ۱، ص: ۹۷، دار الکتاب دیو بند، محشی: مولوی عبد اللہ گنگوھی۔

اردو میں کلام کرتے ہوئے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آ گئی آپ تو عربی ہیں فرمایا کہ جب سے علمائے مدرسہ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہم کو یہ زبان آ گئی۔" سبحان اللہ اس سے رتبہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا۔"(۱)

دیوبندیو! ذرا کان کھول کر سن لو، یہ ہے تمہارے پیشواؤں کی اردو جس میں کلام مونث ہے۔ اسی فصاحت پر حضور کو اردو سکھاتے ہیں اور نبی ﷺ کو اپنا شاگرد بنانے کے لیے خواب تصنیف کرتے ہیں۔ حیا تو ایمان والوں کا حصہ ہے۔

(۲)

گنگوہی صاحب کی مسیحائی عیسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر ہے

دیوبندیوں کے نزدیک گنگوہی صاحب کی مسیحائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بڑھی ہوئی ہے۔ چناں چہ مولوی محمود حسن صاحب نے مرثیہ میں ص:۳۳ پر لکھا ہے ؎

مُردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اِس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابنِ مریم

اسی پر المصباح الجدید میں تنبیہ فرمائی اور آگاہ کیا کہ دیوبندیوں کے نزدیک گنگوہی صاحب مسیحائی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بڑھے ہوئے ہیں، کیوں کہ اگر بڑھا نہ جانتے تو یہ نہ کہتے کہ:

اِس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابنِ مریم

مرثیہ کے اس کفری قول پر پردہ ڈالنے کے لیے دیوبندی رہبر نے بڑا زور لگایا۔ بے چارے نے دو آیتیں بھی بے محل نقل کیں، محاورہ بھی بے محاورہ بتایا، جس کا نتیجہ یہ نکالا کہ موت و حیات کا استعمال گم راہی اور ہدایت میں بھی ہوتا ہے۔ اور شعر کا یہ مطلب بتایا کہ

"گنگوہی صاحب نے گم راہوں کو ہدایت دی اور ہدایت یافتہ کو گم راہی سے بچا لیا اور دوسرے مصرعہ میں یہ تمنا کی ہے کہ حضرت مسیح ابنِ مریم گنگوہی صاحب کے اس فیض کو ملاحظہ فرمائیں اور خوش ہوں۔"(۲)

---

(۱) مولوی رشید احمد گنگوھی و مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، براھین قاطعه، ص:۲٦/ ص:٦٣، کتب خانه امدادیه، دیو بند

(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ملخصًا، ص:۱۹، مطبوعہ مبارک پور

شعر کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا البتہ یہ دیوبندی رہبر کی خوش عقیدگی کے جوہر ہیں کہ بالکل ہی بے تکی اڑا رہے ہیں کیوں کہ رہبر صاحب آپ کی دلیل کی حقیقت بس یہی ہے کہ موت و حیات کا استعمال مجازاً چوں کہ ہدایت و گم راہی میں ہو گیا ہے، لہٰذا اب کون روکنے والا ہے۔ اب تو ہر جگہ جہاں آپ کا جی چاہے گا بلا قرینہ ہی ہدایت و گم راہی مراد لیں گے، کیوں کہ آپ تو رہبر ہیں آپ کے لیے کسی قرینہ کی کیا ضرورت ہے، مگر یہ رہبری نہیں رہزنی ہے۔

مجازی معنی مراد لینے کے لیے قرینہ شرط ہے، اس شعر میں معنی مجازی پر قرینہ توکجا بلکہ اس کے عدم پر قرینہ موجود ہے اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کا تقابل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وصف مردے جلانا جو مشہور ہے وہ مجازی معنی کے اعتبار سے ہرگز نہیں بلکہ حقیقی معنی میں ہے۔ اس لیے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقابل ہے تو وہی حقیقی معنی مراد لیے جائیں گے، لہٰذا شعر میں ہدایت و گم راہی مراد لینا گم راہی و دھوکہ بازی ہے، بلکہ وہی مارنا جلانا مراد ہے۔ اور گنگوہی صاحب اس میں حضرت مسیح سے بڑھے ہوئے ہیں کیوں کہ انھوں نے زندوں کو مرنے سے بچا لیا اور اگر آپ قرینہ وغیرہ سے آنکھیں بند کر کے ہر قاعدہ سے بے قید ہو کر ہدایت و گم راہی مراد لیں، تب بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے گنگوہی صاحب کی ہدایت ضرور بڑھ جائے گی، جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی کھلی توہین ہے، کیوں کہ دوسرا مصرعہ "اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم" پکار کر کہہ رہا ہے کہ گنگوہی صاحب کی ہدایت عیسیٰ علیہ السلام سے بڑھ گئی کیوں کہ اگر محض عیسیٰ علیہ السلام کو خوش کرنا ہی ہوتا تو یوں کہا جاتا، "اس مسیحائی سے خوش ہوں ذری ابن مریم"۔

بے دینو! انبیا علیہم السلام کی توہین کرتے ہو اور جب مواخذہ کیا جاتا ہے تو پردہ ڈالتے ہو۔ توبہ نہیں کرتے۔ یہاں سب محاورے بھول گئے، یہ نہیں سوجھتا کہ اس شعر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقابل کر کے دکھایا ہے اور ہر زبان کا محاورہ ہے۔ اردو میں بھی مستعمل ہے کہ تعریف کے موقع پر جب بولا جاتا ہے کہ ذرا اس کو دیکھیں تو تقابل علی وجہ الفوقیت ہی مراد ہوتا ہے۔ کہ جس کو مقابلہ کر کے دکھایا جا رہا ہے اس سے یہ بڑھا ہوا ہے، جیسے حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت میں کہا ہے۔

بھوکے پیاسے نے ہزاروں کو تہِ تیغ کیا
اس شجاعت کو ذرا دیکھے تو رستم آکر

جس طرح اس شعر میں حضرت علی اکبر کو شجاعت میں رستم پر فوقیت ظاہر ہے۔ اسی طرح مرثیہ کے اس شعر میں۔

مُردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اِس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابنِ مریم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر گنگوہی صاحب کی برتری اور فوقیت ظاہر ہے۔ المصباح الجدید کا اعتراض بالکل حق و بجا ہے

اور دیوبندیوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ مرثیہ کے اس کفری شعر کے مقابلے میں مدائحِ اعلیٰ حضرت کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

شفا بیمار پاتے ہیں طفیلِ حضرت عیسیٰ
ہے زندہ کر رہا مردے خرام احمد رضا خاں کا

مرثیہ کے مقابلے میں مدائحِ اعلیٰ حضرت کا پیش کرنا کتنی بڑی شرم کی بات ہے۔ مدائح کے قائلین عوام الناس ہیں، اہل سنت کے نزدیک مذہبی حیثیت سے ان کا قول معتبر نہیں اور مرثیہ تو تمہارے شیخ الہند کا ہے، جن کے ہر قول پر دیوبندی ایمان لاچکے ہیں۔ پھر مدائح سے مقابلہ کیسی شرم ناک حرکت ہے۔ مگر بات یہ ہے علمائے اہل سنت میں سے کسی کا کوئی ایسا قول قیامت تک مل ہی نہیں سکتا۔ اس لیے عوام کے ہی قول کو لاتے ہیں اور وہ بھی محض عوام کو دھوکہ دینے کے لیے۔ کیا اس شعر میں بھی ہے ”اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم“ کیا اس میں بھی تقابل ہے؟ کیا اس میں بھی عیسیٰ علیہ السلام کو اعلیٰ حضرت کی مسیحائی دکھائی گئی ہے؟ اس اپنے کفری شعر کے مقابلے میں ذکر کرتے ہوئے کچھ تو شرمائے ہوتے۔ یاد رکھو سنی عوام اور بے علم کا کلام بھی توہین سے پاک ہوتا ہے۔ تم نے اس کا مقابل بنانے کے لیے شعر کا مطلب بگاڑا۔ لفظ طفیل کو ایک ہی طرف لیا۔ طفیلِ حضرت عیسیٰ کا تعلق دونوں مصرعوں سے ہے اور مطلب صاف یہ ہے کہ بیماریوں کا شفا پانا اور مردے زندہ ہونا یہ دونوں کام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طفیل وصدقہ سے ہیں اور اس کا ظہور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سعی و کوشش سے ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مدائح کے اس شعر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف ہے، مگر دیوبندیوں کو کیا سوجھے۔

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے

(۳)

گنگوہی صاحب کے عبیدِ سود یوسفِ ثانی ہیں۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
عَبیدِ سُود کا اُن کے لقب ہے یوسفِ ثانی (مرثیہ ص:۱۱)

مرثیہ کے اس شعر میں مولوی محمود حسن صاحب نے گنگوہی صاحب کے کالے کالے بندوں کو یوسفِ ثانی کہا ہے۔ مگر دیوبندی رہبر نے اس پر پردہ ڈالنے کے لیے بڑی حیرانی و پریشانی کے بعد توجیہ کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

”عبید عبد کی جمع ہے، اور عبد کے معنی غلام اور خادم کے ہیں، اور یوسفِ ثانی سے مراد حسین و جمیل ہے اور شعر کا مطلب ہے کہ گنگوہی صاحب کے خدام کالے

کالے بھی حسین و جمیل نظر آتے تھے۔ "(۱)

جو شخص دیوبندی مذہب سے ناواقف ہو وہ شاید دھوکہ میں آکر کہہ دے کہ یہ مطلب ہو سکتا ہے، لیکن جو دیوبندی مذہب سے واقف ہے، اس پر روشن ہے کہ دیوبندی کے اس شعر کا یہ مطلب قیامت تک نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ مطلب تو اس بات پر موقوف ہے کہ عبد کے معنی غلام اور خادم کے ہوں اور دیوبندی دھرم میں عبد کے معنی صرف عابد کے ہیں۔ غلام اور خادم کے نہیں، ورنہ عبد النبی، عبد المصطفیٰ نام رکھنا جائز ہو گا جو دیوبندیوں کے نزدیک شرک ہے۔

تقویۃ الایمان کے ص:۹؍ پر ہے:

"جب اولاد ہو ان کی (اماموں شہیدوں کی) نذر نیاز کرے، اپنی اولاد کا نام عبد النبی، امام بخش، پیر بخش رکھے، سو ان سب باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے۔" (۲)

بہشتی زیور کے ص:۴۶؍ پر علی بخش، حسین بخش، عبد النبی وغیرہ نام رکھنے کو شرک و کفر گنایا ہے۔ اب پوچھو دیوبندی رہبر سے جب کہ عبد کے معنی غلام اور خادم کے ہیں تو عبد النبی نام رکھنا شرک کیسے ہوا۔ کیا تمہارے نزدیک نبی کا خادم اور غلام بننا شرک ہے۔ یہی تمہارا دین ہے، اسی پر مسلمانی کا دعویٰ ہے۔ شرم نہیں آتی۔ عبد الگنگوہی، عبد التھانوی بننا جائز مانو اور عبد النبی کو شرک کہو۔ یہ نبی کی عداوت اور تھانوی کی حمایت نہیں تو اور کیا ہے۔ جب تمہارے نزدیک عبد النبی شرک ہے تو تم کس منہ سے کہہ سکتے ہو کہ عبد کے معنی غلام اور خادم کے ہیں۔ تمہارا مذہب پکار رہا ہے کہ عبد کے معنی تمہارے مذہب میں بندۂ عابد کے ہیں۔ لہٰذا شعر کا مطلب یہی ہوا کہ گنگوہی صاحب کے کالے کالے بندے یوسفِ ثانی ہیں یعنی دوسرے یوسف۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ درجہ کے حسین و جمیل بندہ یوسف؈ تھے اور گنگوہی صاحب کے کالے کالے بندے ہی یوسفِ ثانی ہیں۔

لہٰذا المصباح الجدید کا الزام ثابت رہا اور اس کا جواب دیوبندی مذہب پر قیامت تک ممکن نہیں۔ پیر جماعت علی شاہ صاحب کے کسی مرید کے یہ دو شعر پیش کیے ہیں۔

بظاہر مرصع بباطن مجلّی تو ہم رنگ حرفِ خدا بن کے آیا

خدا تجھ میں دیکھا، نبی تجھ میں پایا تو آئینۂ ہر ضیا بن کے آیا

دیوبندی رہبر کو ذرا غیرت نہیں آتی، کہاں تمہارے شیخ الہند جن پر تم ایمان لا چکے ہو اور کہاں یہ بیچارے عوام

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ملخصًا، ص:۲۶، مطبوعہ مبارک پور

(۲) مولوی اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان، ص:۹

جن کا قول اہل سنت کے نزدیک مذہبی حیثیت سے معتبر نہیں۔ یہ حرکت تمھیں کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ تاہم دونوں شعروں کا مطلب ظاہر ہے یعنی ایسا صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگے ہیں۔ اس لیے ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہیں اور آپ میں جلوۂ خدا اور جلوۂ رسول نظر آتا ہے۔ کیوں کہ شاعر نے پیر صاحب کو آئینہ بتایا ہے اور آئینہ میں ذات کا آنا عقلاً محال ہے لہٰذا جلوہ ہی مراد لیا جائے گا۔

(۴)

گنگوہی صاحب بانی اسلام کے ثانی ہیں

علمائے دیوبند کا عقیدہ ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی بانی اسلام (خدا) کے ثانی ہیں۔ چناں چہ دیوبندیوں کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب نے مرثیہ میں فرمایا ؎

زباں پر اہل اہوا کی ہے کیوں اعل ہُبَل شاید
اُٹھا عالم سے کوئی بانی اسلام کا ثانی (مرثیہ، ص:۶)

المصباح الجدید میں علمائے دیوبند کا یہی عقیدہ بیان کیا ہے۔ مقامع الحدید اگرچہ اس کے جواب میں لکھی گئی ہے، مگر یہ عقیدہ چوں کہ دیوبندیوں کا متفقہ ہے، اس لیے رہبر صاحب نے مقامع الحدید میں اس سے انکار نہیں کیا بلکہ بہت سی آیتوں اور حدیثوں سے ثابت کیا کہ واقعی گنگوہی صاحب بانی اسلام کے ثانی ہیں۔ لہٰذا المصباح الجدید کی تصدیق ہو گئی۔ بانی اسلام کے بعد ہلالین میں (خدا) لکھا ہے تو یہ اپنی کوئی ذاتی رائے نہیں بلکہ دیوبندی مذہب پر بانی اسلام کی تفسیر ہے۔ لہٰذا شعر کا مطلب یہی ہوا کہ مولوی رشید احمد گنگوہی ثانی خدا عالم سے اٹھ گئے۔ مگر رہبر صاحب اس پر بہت ہی بگڑے، بہت سی صلواتیں سنائیں لاحول بھی پڑھی اور یہ کہا کہ:

"معلوم ہوتا ہے کہ رضاخانی مذہب میں خدا بھی عالم سے اٹھ جاتا ہے۔"[1]

رہبر صاحب کو یہ تو ہرگز نہیں معلوم ہوتا ہوگا مگر یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ غصہ میں آپ کے حواس جاتے رہے۔ غور تو کیا ہوتا ؎

اٹھا عالم سے کوئی بانی اسلام کا ثانی

اس میں عالم سے اٹھنا بانی اسلام کے لیے ہے، یا بانی اسلام کے ثانی کے لیے ہے۔ جب ثانی کے لیے ہے تو بانی اسلام کے معنی خدا لینے سے خدا کا عالم سے اٹھنا کیوں لازم آیا۔ آپ کو آگے پیچھے کا کچھ خیال ہی نہ رہا۔ البتہ ثانی خدا (گنگوہی جی) عالم سے اٹھے اور اس سے خدا کا عالم سے اٹھنا لازم نہیں آتا۔ اس لیے تم خود کہتے ہو کہ ثانی اس شعر

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۲۱، مطبوعہ: مبارک پور

میں مماثل کے معنی میں نہیں عرفِ دوم کے معنی میں ہے، لہٰذا اوصاف میں اشتراک ضروری نہ ہوا، پھر خدا کا اٹھنا کیسے لازم آیا اور اگر مماثل کے معنی میں بھی ہو تو بھی تمہارے قول کی بنا پر جزئی مماثلت میں برابری لازم نہیں پھر بھی خدا کا عالم سے اٹھنا کسی طرح لازم نہیں آیا۔ تعجب ہے، آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو اپنا کہا یاد نہیں رہتا۔ دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ پھر دیوبندی رہبر نے شعر کا مطلب بتاتے ہوئے کہا کہ:

"بانی اسلام سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور ثانی مماثل کے معنی میں نہیں بلکہ دوم اور دوسرے کے معنی میں ہے اور گنگوہی کی موت پر اعل ہبل کا نعرہ بلند کیا گیا تھا۔ لہٰذا شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اہل باطل کی طرف سے جس طرح اعل ہبل کے نعرے اس وقت لگے تھے جب شیطان نے بانی اسلام ﷺ کے متعلق وہ ناپاک خبر اڑائی تھی، اسی طرح آج ان ہبل پرستوں کی ذرّیت، قبر پرستوں، تعزیہ پرستوں وغیرہ کی زبان پر وہی ناپاک نعرہ ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نوع کا کوئی اور واقعہ پیش آگیا اور کوئی حامیِ سنت ماحی بدعت شاید اس عالم سے اٹھ گیا کہ یہ باطل پرست اسی کی وفات کی خوشی میں شیطانی نعرے لگا رہے ہیں تو رسول اللہ ﷺ تو اس خاص معاملہ میں پہلے تھے اور حضرت مولانا گنگوہی دوسرے ہوئے، بہر حال مولانا کے اس شعر کا مطلب یہی ہے۔"(۱)

دیوبندی نے اس مطلب کی بنیاد تین باتوں پر رکھی ہے۔ اول یہ کہ بانی اسلام سے رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ دوسرے ثانی کے معنی دوم کے ہیں، تیسرے گنگوہی جی کی موت پر اعل ہبل کا نعرہ لگایا گیا تھا۔ لہٰذا میں تینوں باتوں کے متعلق کچھ تفصیلی گزارش کروں، جس سے معلوم ہو جائے گا کہ دیوبندی مذہب پر شعر کا یہ مطلب قیامت تک نہیں ہو سکتا۔ اول سنیے۔ آپ کہتے ہیں کہ:

"بانی اسلام کا اطلاق اصلی اور حقیقی معنی کے لحاظ سے حق تعالیٰ پر ہونا چاہیے مگر اردو محاورات میں بطور مجاز یہ اطلاق شائع و ذائع ہے۔ برابر اردو نظم و نثر میں آں حضرت ﷺ کو بانی اسلام لکھا جاتا ہے۔"(۲)

جی ہاں لکھا جاتا ہے، اردو نظم و نثر میں تو حضور ﷺ کو غیب داں، حاضر و ناظر لکھا جاتا ہے اور یا رسول اللہ بھی لکھا جاتا ہے، مگر اس سے آپ کو کیا واسطہ، کیا فائدہ جو حضور کو باذنہ تعالیٰ دین میں مختار مانتے ہیں، امت کی باگ حضور

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ۲۲، مطبوعہ: مبارک پور
(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ۲۲، مطبوعہ: مبارک پور

کے ہاتھ میں جانتے ہیں، وہ حضور کو مجازاً بانی اسلام کہتے ہیں۔ آپ اپنے مذہب کو یاد کیجیے، ذرا تھانوی صاحب سے پوچھیے۔ اپنے عین ایمان کو دیکھیے، تقویۃ الایمان پڑھیے:

> "یا خود پیغمبر ہی کو یوں سمجھے کہ شرع انھیں کا حکم ہے، ان کا جو جی چاہتا تھا اپنی طرف سے کہہ دیتے تھے اور وہی بات ان کی امت پر لازم ہو جاتی تھی، سو ایسی باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے۔"(۱)

اس عبارت میں حضور کے بانی اسلام نہ ہونے کی صاف تصریح ہے کہ شرع ان کا حکم نہیں بلکہ اس اعتقاد کو شرک بتایا ہے۔ تھانوی صاحب نے اپنے وعظ ذکر الرسول مطبع کان پور کے ص:۲۲ پر لکھا ہے کہ "بانی اسلام خدائے تعالیٰ ہے" پھر تم کس منہ سے حضور کو بانی اسلام کہہ سکتے ہو۔ کیا تقویۃ الایمان کے منکر ہو گئے، تھانوی صاحب سے منحرف ہو گئے، یا مجاز کی آڑ میں منکر بننا چاہتے ہو۔ تقویۃ الایمان پر ایمان رکھتے ہوئے اور تھانوی صاحب کو مانتے ہوئے تمھیں ماننا پڑے گا کہ حضور کو بانی اسلام نہیں کہہ سکتے۔ لہٰذا بانی اسلام سے مراد خدا ہی ہوا اور المصباح الجدید میں جو بانی اسلام کی تفسیر (خدا) کی ہے تمہارے مذہب پر صحیح درست ہوئی۔

دوسرے لفظ ثانی کو یہاں دوم کے معنیٰ میں بتایا، یہ بھی محض غلط ہے، یہ بھی نہ سمجھا کہ یہ گنتی اور شمار کا موقع نہیں۔ یہاں گنگوہی صاحب کی تعریف ہو رہی ہے، ان کے مراتب کا اظہار ہے۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ نظامِ شریعت کو قائم کیے ہوئے تھے۔ عالم میں توحید انھیں کے دم سے تھی، جبھی تو ان کے مرنے پر بقول تمہارے شرکی نعرے بلند ہونے لگے اور ثانی بانی اسلام کی کم از کم یہ شان ہونا بھی چاہیے۔ اور اگر دوم کے معنیٰ میں ہو تب بھی گنگوہی صاحب دوسرے بانی اسلام ضرور ہو جائیں گے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ صرف گن کر چھوڑ دیا جائے کہ گنگوہی صاحب دوسرے، کس بات میں دوسرے بانی اسلام ہونے میں یعنی دوسرے بانی اسلام اور بانی اسلام تمہارے مذہب پر خدا کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا گنگوہی صاحب دوسرے خدا ہوئے اور اگر اپنے مذہب کو چھوڑ کر بانی اسلام سے رسول اللہ ﷺ ہی مراد تو گنگوہی جی کم از کم دوسرے رسول ہوئے۔

تیسرے یہ کہنا کہ گنگوہی صاحب کی موت پر اعل ہبل اعل ہبل کے نعرے بلند ہوئے، یہ سفید جھوٹ ہے۔ ایسی ہی افترا بازی اور بہتان طرازی پر دیوبندی مذہب کا مدار ہے۔ ایسا صریح جھوٹ بولتے ہوئے ذرا تو شرماؤ، کچھ تو غیرت کرو۔ دنیا جانتی ہے کہ اب نہ تو ہبل ہے، نہ اس کے پوجنے والے۔ مصطفائی ہدایت کے انوار نے ہبل اور ہبل پرستوں کو خاک میں ملا دیا۔ اب دیوبندیوں کے دماغوں ہی میں ہبل کی یاد ہو تو ہو، اس کے علو کے نقشے کھینچیں تو کھینچیں۔ دنیا میں کوئی اس کا پکارنے والا نہیں۔ اس تفصیل نے روزِ روشن کی طرح ظاہر کر دیا کہ دیوبندی رہبر نے جن

---

(۱) مولوی اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان، ص:۴۸، مطبع بھارت آفسیٹ، دہلی۔

تین باتوں پر شعر کے معنیٰ کی بنیاد رکھی تھی وہ کذب و افترا غلط اور تھانوی و تقویۃ الایمانی حکم سے شرک ہیں اور یہ مطلب دیوبندی مذہب پر قیامت تک نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا شعر کا مطلب وہی ہوا جس کی طرف المصباح الجدید میں اشارہ کیا ہے۔ یعنی گنگوہی صاحب ثانی خدا عالم سے اٹھ گئے۔

اس تفصیل کے بعد اس نمبر کے رد میں اور کچھ لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر بے دینوں کا طریقہ ہے کہ اپنے مدعائے باطل کی تائید میں عوام کو دھوکہ دینے کے لیے آیات و احادیث میں خراش تراش کیا کرتے ہیں۔ چناں چہ اس موقع پر بھی دیوبندی رہبر نے گنگوہی جی کو ثانی محمد بنانے کے لیے آیتیں، حدیثیں اور کچھ اقوال لکھے ہیں لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق بھی کچھ وضاحت کر دوں۔

دیوبندی رہبر نے گنگوہی صاحب کو ثانیِ رسول بنانے کے لیے دعویٰ کیا ہے کہ کسی خاص معاملہ میں امتی کو رسول اللہ ﷺ کا ثانی کہنا اور رسول اللہ ﷺ کو امتی کا ثانی کہنا جائز ہے، کیوں کہ اس ثانویت میں مرتبہ کا لحاظ نہیں ہوتا، صرف عددی نمبر کا لحاظ ہوتا ہے اسی پر آیت: "اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ "[1] اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو شعر جن میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصف ثانی اثنین مذکور ہے، نقل کیے اس کے بعد تفسیر کبیر کی یہ عبارت نقل کی ہے:

دلت هذه الآية على فضيلة أبي بكر رضي الله عنه من وجوه...

یہ آیت کریمہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پر چند وجوہ سے دال ہے۔

الرابع: أنه تعالىٰ سماه ثاني اثنين فجعل ثاني محمد عليه السلام حال كونهما في الغار، والعلماء أثبتوا أنه رضى الله عنه كان ثاني محمد (صلى الله عليه وسلم) في أكثر المناصب الدينية.[2]

چوتھی وجہ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثانی اثنین فرمایا، پس بحالت رفاقت غار آپ کو آں حضرت ﷺ کا ثانی قرار دیا اور علمائے کرام نے ثابت کیا ہے کہ بہت سے دینی مراتب میں صدیق اکبر رسول اللہ ﷺ کے ثانی تھے۔

اس کے بعد کہا کہ اسی معنی کے لحاظ سے قرآن مجید میں حق تعالیٰ کو رابع اور سادس یعنی چوتھا اور چھٹا کہا گیا ہے۔ اس پر یہ آیت لکھ دی:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ

کیا نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمان کی ساری کائنات کا علم ہے۔ جہاں بھی تین آدمی سرگوشی

(۱) قرآن حکیم، سروۃ التوبۃ: ۹، آیت: ۴۰

(۲) امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر، الجزء الخامس عشر، ج: ۸، ص: ۵۱، ۵۲، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ . (۱) کرتے ہیں چوتھا وہاں خدا ہوتا ہے، جہاں پانچ آدمی مل کر کاناپھوسی کرتے ہیں وہاں چھٹا خدا ہوتا ہے۔

کیوں دیوبندی رہبر صاحب إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ اور ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ کے استعمال میں جب کوئی فرق نہیں دونوں صرف عددی نمبر میں مستعمل ہیں اور شعر میں بھی ثانی کے یہی معنیٰ ہیں تو جس طرح اس شعر میں بانیِ اسلام سے حضور مراد لے کر گنگوہی صاحب کو ثانی محمد بناتے ہو، ثانی خدا کیوں نہیں کہتے؟ اس تقدیر پر تو ثانی خدا کو ترجیح ہوگی۔ کیوں کہ بانیِ اسلام اس صورت میں اپنے حقیقی معنیٰ (خدا) میں مستعمل ہوگا اور نہ تھانوی صاحب کی مخالفت ہوگی نہ تقویۃ الایمان کا انکار۔ لہٰذا اس تمہارے استدلال سے پھر شعر کے وہی معنیٰ ہوئے یعنی گنگوہی صاحب ثانیِ خدا عالم سے اٹھ گئے اور پھر المصباح الجدید کی تصدیق ہوئی۔

دیکھیں تو جائیں گے وہ کہاں ہم سے بھاگ کر
منہ ڈھانپ کر جو مجلسِ یاراں سے چل دیے

بے دین نیش زنی سے کسی جگہ باز نہیں آتے۔ مقبولانِ بارگاہ کی فضیلت کو دیکھ نہیں سکتے۔ آیت واشعار و تفسیر کبیر کا حرف حرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت مخصوصہ پر روشن دلیل ہے۔ مگر دیوبندی رہبر نے یہ کہہ کر (کہ اس میں مرتبہ کا لحاظ نہیں صرف عددی نمبر کا لحاظ ہے) حضرت صدیق اکبر کی اس خاص فضیلت کو یک قلم اڑا دیا۔ حالاں کہ تفسیر کبیر کی اسی عبارت میں مصرح ہے۔ دلت هذه الآية على فضيلة ابی بکر بوجوه۔ یعنی بہت سی وجہ سے یہ آیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کی دلیل ہے۔ مگر جب محض گنتی و شمار ہے تو فضیلت کیسی اور جب فضیلت ہے اور وہ بغیر لحاظ مرتبہ ناممکن تو یہ کہنا کہ صرف عددی نمبر کا لحاظ ہے کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔ لہٰذا تفسیر کبیر کی یہ عبارت دیوبندی رہبر کا رد ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اس کے بعد کی عبارت تمہارے پرزے اڑا رہی ہے، جس کو تم نے خیانت و خباثت سے چھپالیا اور نقل نہ کیا، وہ یہ ہے:

المراد هناك كونه تعالىٰ مع الكل بالعلم والتدبير و كونه مطلعاً علىٰ ضمير كل أحد، أما هٰهُنَا فالمراد بقوله تعالىٰ ثاني اثنين تخصيصه بهذه الصفة في معرض التعظيم. (۲)

یعنی آیت: أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وغیرہ سے مراد یہ کہ باریِ تعالیٰ علم و تدبیر میں بندوں کے ساتھ ہے اور ہر ایک کے دلی حال پر مطلع ہے اور یہاں ثانی اثنین سے مراد حضرت صدیق اکبر کی تخصیص ہے، اس صفت کے ساتھ محل تعظیم میں ہے۔

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ۲۴، مطبوعہ مبارک پور / قرآن عظیم، سورہ مجادلۃ: ۵۸، آیت: ۷
(۲) امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر، الجزء الخامس عشر، ج: ۸، ص: ۵۲، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

ناظرینِ کرام! تفسیر کبیر کی عبارت کو ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دونوں آیتوں میں دو بین فرق بتا رہے ہیں۔ اول یہ کہ آیت کریمہ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ مقامِ تعظیم میں ہے۔ دوسرا یہ کہ آیتِ کریمہ میں صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مخصص فضیلت کا بیان ہے جس میں مرتبہ کا لحاظ لازم ہے اور دوسری آیت اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ میں مرادِ باری تعالیٰ کا ہر ایک کے احوال پر مطلع ہونا ہے۔ کسی کی خصوصیت اور فضیلت کا بیان مقصود نہیں کہ مرتبہ کا لحاظ ہو، بلکہ صرف عددی نمبر کے لیے ہے۔ اور دیوبندی رہبر کہتے ہیں کہ دونوں آیتوں میں ثانی کے ایک ہی معنیٰ عددی نمبر کے ہیں لہٰذا تفسیر کبیر کی یہ عبارت بھی اس کا صریح رد ہے۔ چوں کہ دونوں آیتوں میں فرق نہ کر کے اپنے پیر گنگوہی کو ثانی محمد بنانا چاہا ہے، لہٰذا تفسیر کبیر کی اس عبارت نے اس کے مدعاے باطل کے پرزے اڑا دیے۔ یہاں تک تو گنگوہی جی کو مثلِ خدا اور مثلِ رسول بنانے میں کچھ ادل بدل اور پھیر پھار کیا تھا۔ مگر اب کھلے اوصاف کہہ دیا کہ مماثلت مراد لینے پر بھی اعتراض نہیں پڑ سکتا۔

> کیوں کہ یہ ایک خاص حیثیت سے تشبیہ ہوگی اور اس قسم کی جزئی تشبیہ خود کلامِ الٰہی میں موجود ہے۔ (۱)

یعنی گنگوہی جی ایک خاص حیثیت سے مثلِ محمد ہیں اور اس پر کوئی اعتراض نہیں، کیوں کہ یہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ اور اس مدعاے باطل پر آیت: قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (۲) اور حدیث: انی انسی کما تنسون (۳) اور انی اوعك كما يوعك رجلان منكم (٤) نقل کی ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ دیوبندی اپنے مذہب سے مجبور ہے، اس کا مذہب بھی نبی کی ہم سری اور برابری ہے۔ بے دینو، ذرا بھی حیا نہیں۔ آیت میں تواضع کی تعلیم ہے۔ حدیث میں تواضعاً فرمایا ہے۔ تفسیر ابو السعود میں اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ، (۵) کی تفسیر ہے: قالوه تواضعاً و هضما لنفسه. (٦) یعنی انبیا علیہم السلام کا یہ فرمانا کہ ہم تمہارے مثل بشر ہیں، یہ بطور تواضع اور بطریق کسر نفسی ہے۔ اس سے مثلیت تراشتے ہوئے حضور کی بشریت بتاؤں تو آنکھیں کھل جائیں۔ آؤ کرو تو حضور کی بشریت میں مقابلہ۔ بشریت ہی میں مماثلت ثابت کرو۔ حضور کے جسم پاک کا سایہ نہ تھا،

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید ملخصًا، ص: ٢٤، مطبوعہ مبارك پور

(۲) قرآن عظیم، سورہ فصلت: ٤١، آیت: ٦

(۳) محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح البخاری، حدیث: ٥٦٦٠، باب وضع الید علی المریض، دار الکتاب العربی، بیروت

(٤) قاضی ابو سعود محمد ابن مصطفی عمادی، تفسیر ابی سعود، ج: ٣، ص: ٤٧٧، مطبع دار الکتب العلمیة، بیروت.

(٥) قرآن عظیم، سورہ ابراهیم: ١٤، آیت: ١١

(٦) قاضی ابو سعود محمد ابن مصطفی عمادی، تفسیر ابی سعود، ج: ٣، ص: ٤٧٧، مطبع دار الکتب العلمیة، بیروت.

حضور کے جسم اطہر پر کبھی مکھی نہیں بیٹھی۔ حضور کے جسم پاک کی خوشبو سے راستے مہک جاتے تھے، حضور کے پسینہ اور بول و براز میں مشک و عنبر کی خوشبو آتی تھی۔ یہ سارے وصف حضور کی بشریت ہی کے ہیں، جسم ہی سے متعلق ہیں، کچھ ان میں سے تم میں یا تمہارے گنگوہی میں ایک ہی وصف ہو تو آؤ، کرو برابری۔ جب نہیں تو پھر کس منہ سے کہہ دیا کہ چوں کہ یہ تشبیہ جزئی اور خاص حیثیت سے ہوگی۔ لہٰذا اس پر اعتراض نہیں۔ کچھ تو غیرت کرو، ذرا تو شرماؤ۔ آیات و احادیث کو بے محل استعمال کرنے سے توبہ کرو۔ اس کے بعد دیوبندی نے مدائح کے دو شعر نقل کیے۔

تیری تعظیم ہے سرکارِ عرب کی تعظیم — تو ہے اللہ کا اللہ تعالیٰ تیرا
نائبیت یہ چاہتی ہے کہوں — سید دوسرا کی چادر ہے

نادان نے اس پر کیا اعتراض سمجھا ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت کو بانیِ اسلام کا ثانی کہاں کہا ہے۔ مثلیت کون سے لفظ سے نکلتی ہے۔ اس سے مقابلہ کرنا اپنے عجز کا اقرار ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے نبی کریم ﷺ کی غلامی ہی میں اپنا فخر سمجھا۔ ہمیشہ اپنے کو عبد المصطفیٰ لکھا اور دنیا جانتی ہے کہ غلام کی تعظیم آقا کی تعظیم ہے اور علمائے دین نائب رسول ہیں، پھر اس پر کیا اعتراض ہے۔

(۵)
دیوبندی کعبے میں پہنچ کر بھی گنگوہ جانے کا راستہ پوچھتے ہیں

دیوبندیوں کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب اپنے پیر گنگوہی صاحب کی مدح سرائی میں وہ کمال کر رہے ہیں کہ جمیع کمالات کو ان کے لیے ثابت کر رہے ہیں، خواہ وہ کمال ممکن کا ہو یا واجب کا، خالق کا ہو یا مخلوق کا، مولوی محمود حسن صاحب کی نظر جس وصف پر پڑتی ہے بے دریغ گنگوہی صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ گنگوہی صاحب کو مربی خلائق بنایا، بانی اسلام (خدا) کا ثانی کہا۔ اسی دھن میں تھے کہ بیت اللہ پر نظر پڑ گئی دیکھا کہ کعبۂ معظمہ خانۂ خدا بڑی عظمت والا گھر ہے، یہ عظمت و فضیلت بھلا گنگوہی صاحب کے لیے ثابت نہ ہوئی تو بات ہی کیا ہے اور وہ جب مربیِ خلائق اور بانی اسلام کے ثانی ہیں تو ان کا مکان بھی کعبۃ اللہ کی عظمت میں شریک ہوگا بلکہ اور چار ہاتھ بڑھ کر رہے گا، کیوں کہ کعبۂ معظمہ میں تو اہل ظاہر مسلمان باادب حاضر ہوتے ہیں اور اپنے شوق کو پورا کرتے ہیں، مگر جو باطنی نظر رکھتے ہیں اور جامِ معرفتِ گنگوہی پی چکے ہیں، ان کی تسکین کعبۂ معظمہ میں ہرگز نہیں ہوتی بلکہ کعبہ میں پہنچ کر بھی یہی چیخ و پکار ہے کہ ہائے گنگوہ کدھر ہے، بتاؤ گنگوہ کدھر ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ گنگوہ کی عظمت و بزرگی عارفانِ گنگوہی کی نظر میں کعبہ شریف سے بہت بلند و بالا ہے۔ اس مضمون کو مولوی محمود حسن صاحب نے مرثیہ کے اس شعر میں ادا کیا ہے۔

پھریں تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کا رستہ
جو رکھتے اپنے سینوں میں تھے ذوق و شوقِ عرفانی

اس پر المصباح الجدید میں تنبیہ فرمائی کہ کعبۂ معظّمہ میں پہنچ کر بھی گنگوہ ہی کی دُھن لگی ہوئی ہے۔ اسے دیوبندی عرفان کا نشہ اور گنگوہی معرفت کا خمار نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔

دیوبندی رہبر سے اس کا جواب نہ بن پڑا تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی (سے استدعا کی اور ملفوظات کی یہ عبارت نقل کی:

"سبع سنابل شریف میں ہے ایک شخص کو سزاے موت کا حکم بادشاہ نے دیا۔ جلاد نے تلوار کھینچی، یہ اپنے شیخ کے مزار کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے، جلاد نے کہا اس وقت قبلہ کو منہ کرتے ہیں۔ فرمایا تو اپنا کام کر میں نے قبلہ کو منہ کر لیا۔ اس کے بعد دیوبندی نے لکھا کہ خان صاحب بریلوی اس واقعہ کو نقل فرما کر ارشاد فرماتے ہیں اور ہے بھی یہی بات کہ کعبہ قبلہ ہے جسم کا اور شیخ قبلہ ہے روح کا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں، خان صاحب کی اس تقریر کی روشنی میں شیخ الہند کے شعر کا یہ مطلب ظاہر ہو گیا کہ کعبہ جو قبلۂ اجسام تھا ہم وہاں گئے اور حق حاضری ادا کیا، اس کے بعد سینہ میں جو عرفانی ذوق اور روحانی شوق کے شعلے بھڑک رہے تھے اس کے بجھانے کے لیے شیخ طریقت اور قبلۂ ارواح کی ضرورت ہوئی اور ہم اس کی تلاش میں چل دیے۔"(۱)

اولیاے کرام سے استمداد اہل سنت کے نزدیک درست اور ان کا مدد فرمانا حق بجانب ہے اور دیوبندی اسے شرک کہتے ہیں، جس کی تفصیل نمبر ۶ رمیں آئے گی مگر اولیاے کرام باطل کی مدد نہیں فرماتے، اسی لیے اعلیٰ حضرت کا قول دیوبندی کو مفید نہ ہوا، کیوں کہ اعلیٰ حضرت کے قول کا حاصل صرف یہ ہے کہ روح کی انجلا و ترقی کا باعث شیخ ہے اس لیے روح کی توجہ جسم سے جدا ہوتے وقت شیخ کی طرف ہوئی۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ کعبہ میں جا کر گنگوہ کا وظیفہ پڑھا کرو، گنگوہ کا شور مچایا کرو۔ شعر کا یہ مطلب بتانا (کہ کعبہ میں جا کر حقِ حاضری ادا کیا اور شیخ کی تلاش میں چل دیے) مولوی محمود حسن صاحب پر اتہام ہے اور ان کے کلام کو مسخ کرنا ہے۔ وہ تو کہتے ہیں کہ ؎

پھریں تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کا رَستہ

یعنی منیٰ و مزدلفہ و عرفات جہاں جہاں گئے، گنگوہی کی دھن میں رہے اور یہی وظیفہ زبان پر رہا، ہاے گنگوہ، بتاؤ گنگوہ، کدھر ہے گنگوہ۔ جبھی تو کہا: "پھریں تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کا رَستہ" کعبہ کو ذکر کیا اور باقی مقامات کو لفظ "بھی" سے گھیر لیا اور سارے مقاماتِ مقدسہ پر گنگوہ کو فضیلت دی۔

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۲۶، مطبوعہ مبارک پور

ذرا انصاف سے کہنا کیا حقِ حاضری اسی طرح ادا ہوتا ہے، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ان مقامات پر حاضری میں توجہ الی اللہ ہوتی ہے اور مخصوص دعائیں پڑھی جاتی ہیں، مخصوص عبادتیں ادا کی جاتی ہیں اور تمہارے عارفوں کا ہر مقام پر یہی شور ہے، ہائے گنگوہ، بتاؤ گنگوہ، کدھر ہے گنگوہ۔ کیا واقعی حق حاضری یوں ہی ادا ہوتا ہے۔ کیوں اپنے شیخ الہند کے کلام کو خراب کرتے ہو، ان کے شعر کا مطلب بالکل کھلا ہوا ہے، وہ بہ آواز بلند کہہ رہے ہیں اور تو اور عرفات و مزدلفہ و منیٰ تو کیا چیز عارفوں کی نظر میں کعبہ معظمہ تو جچتا ہی نہیں، کعبہ میں بھی پہنچتے ہیں تو گنگوہ ہی کی دھن لگی رہتی ہے۔ گنگوہ کا وہ مرتبہ ہے کہ کعبہ نظر میں نہیں آتا۔ پھر کہاں کا حق حاضری، حق حاضری ادا کرنا ہو تو گنگوہ جاؤ، گنگوہی جی کی قبر کو کوہِ طور بناؤ، تم "موسیٰ بنو" اور گنگوہی جی کو "رب ارنی" کی صدائیں سناؤ، دیکھو یہی طریقۂ حاضری تمہارے شیخ الہند ادا کرتے ہیں۔

تمہاری تربتِ انور کو دے کر طور سے تشبیہ
کہوں ہوں بار بار ارنی مری دیکھی بھی نادانی (مرثیہ، ص:۱۷)

کہو، کھلیں آنکھیں، یہی تو ہے وہ دیوبندی معرفت کا نشہ جسے المصباح الجدید میں اشارۃً بتایا تھا اس پر تم پردہ ڈالنا چاہتے ہو، **مگر نہاں کے ماند آن رازے کزو سازند محفلہا** اور رہبر صاحب کو جس اردو پر ناز ہے بار بار اسے ذکر کرتے ہیں وہ بھی قابلِ ملاحظہ ہے، واہ واہ کیا فصاحت ہے، "کہوں ہوں" بھلا اس بیچارے سے شاعری کرنے کو کس نے کہا تھا۔

(۶)

دیوبندیوں کے نزدیک گنگوہی صاحب قبلۂ حاجات ہیں

مولوی محمود حسن صاحب نے جب اپنے پیر مولوی رشید احمد صاحب کو مربیِ خلائق مانا اور بانی اسلام کا ثانی کہا، سارے کمالات کا جامع بتایا، اس کو یہ بات لازم ہے کہ اپنی تمام ظاہری و باطنی ضرورتیں انھیں سے وابستہ ہیں اور دینی و دنیوی تمام نعمتیں اور حاجتیں مولوی رشید احمد صاحب سے ہی طلب کریں، اسی لیے مولوی محمود حسن صاحب بلا استثنا بالتفصیل ساری حاجتیں انھیں سے مانگ رہے ہیں۔ قبلۂ حاجات روحانی و جسمانی انھیں کو بتا رہے ہیں، چناں چہ مرثیہ میں فرماتے ہیں ؎

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب
گیا وہ قبلۂ حاجاتِ روحانی و جسمانی

اس شعر میں مولوی محمود حسن صاحب اپنی ساری حاجتوں کا حاجت روا اور ساری مشکلوں کا مشکل کشا مولوی رشید احمد صاحب ہی کو بتا رہے ہیں۔ حاجتیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی، دینی ہوں یا دنیوی، کھلی ہوں یا چھپی، جسمانی ہوں یا روحانی سب کا مشکل کشا اور قبلۂ حاجات انھیں کو کہہ رہے ہیں اور فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے، "سو غیر اللہ سے مدد مانگنا نبی ہو یا ولی

شرک ہے۔" مولوی محمود حسن صاحب کے شعر اور فتاویٰ رشیدیہ کے اس حکم کو ملا کر بنظر انصاف دیکھو تو نتیجہ دو امر میں منحصر ہے۔ یا تو مولوی محمود حسن صاحب مشرک یا مولوی رشید احمد صاحب خدا۔ کیوں کہ اگر مولوی رشید احمد صاحب کو غیر اللہ کہا جائے تو ان سے مدد مانگ کر مولوی محمود حسن صاحب مشرک ہوتے ہیں اور اگر مولوی محمود حسن صاحب کو شرک سے بچاتے ہو تو مولوی رشید احمد صاحب کو ضرور خدا ماننا پڑے گا۔ المصباح الجدید میں دیوبندیوں سے یہی دریافت کیا ہے کہ بولو اپنے شیخ الہند کو مشرک کہتے ہو یا گنگوہی جی کو خدا مانتے ہو۔ اس کا جواب تو دیوبندیوں سے قیامت تک نہیں ہو سکتا، مگر رہبر صاحب اپنے مذہب و دیانت دونوں کو ہضم کر کے کچھ چالبازی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

> "بے شک اللہ کے سوا کسی دوسرے سے حاجتیں طلب کرنا منافی توحید ہے، لیکن اس سے ایسی حاجتیں مراد ہیں جیسے رزق مانگنا، مقدمہ میں کامیابی کی درخواست کرنا وغیرہ جو شخص ایسی حاجتیں غیر اللہ سے طلب کرے وہ مشرک ہے۔ لیکن ایسی حاجتیں جیسے نوکر کا آقا سے تنخواہ مانگنا، آقا کا ملازم سے کھانا طلب کرنا وغیرہ یہ شرک نہیں۔"(۱)

اس کے بعد لکھا ہے:

> "اور مطلب شعر کا یہ ہے کہ جس مرشد سے ہم امور روحانیہ و جسمانیہ میں استفادہ کیا کرتے تھے، افسوس وہ دنیا سے چلا گیا۔"(۲)

حاجت کی دو قسمیں کر کے ایک قسم کی حاجتیں غیر اللہ سے مانگنا شرک اور دوسری قسم کو جائز قرار دینا دیوبندی مذہب پر ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔ اول تو مولوی محمود حسن صاحب کے شعر میں ان چیزوں کی تخصیص کہاں ہے، اس میں تو انتہا درجہ کی تعمیم ہے۔ حوائج جمع ہے اور وہ بھی منتہی الجموع۔ اس کی اضافت دین اور دنیا دونوں جہان کی طرف ہے۔ لہذا مطلب ہوا کہ دونوں جہان کی جمیع حاجتیں خواہ روحانی ہوں یا جسمانی، چھوٹی ہوں یا بڑی، کھلی ہوں یا چھپی، سب کے دینے والے، پورا کرنے والے، گنگوہی صاحب ہی ہیں کیوں کہ معانی کا مسئلہ ہے کہ جمع کی اضافت استغراق کا فائدہ دیتی ہے۔ رہبر صاحب تم اگر اس مسئلہ سے ناواقف ہو تو کیا تمہارے نزدیک تمہارے شیخ الہند بھی نہ جانتے ہوں گے۔ شیخ الہند کو ایسا نادان سمجھا ہے۔ خلافِ قاعدہ ان کے شعر میں کتر بیونت کرتے ہو۔ اس قاعدے کی رو سے شعر میں عموم ہے۔ یعنی ہر قسم کی حاجت کے قبلۂ حاجات اور ہر مشکل کے مشکل کشا گنگوہی صاحب ہی ہیں۔

دوسرے، فتاویٰ رشیدیہ کی مذکورہ بالا عبارت میں کہاں تخصیص ہے اس میں مطلقاً غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک بتایا ہے۔ لہٰذا مرثیہ کے شعر میں جن حاجتوں کا قبلہ بھی مولوی رشید احمد کو کہا، شرک ضرور ہوا۔ رہبر صاحب! آپ نے جو

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ۲۶، ۲۷، مطبوعہ مبارک پور

(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ۲۷، مطبوعہ مبارک پور

حاجتوں کی دو قسمیں کر کے ایک قسم کی حاجتوں کو غیر اللہ سے مانگنا جائز بتادیا اور حال میں آکر کہہ دیا کہ:

"بہر حال اہل سنت جن حاجتوں کو غیر اللہ سے طلب کرتے ہیں، وہ وہی ہیں جن کا تعلق انسانوں سے کر دیا ہے۔"(۱)

بات تو ٹھیک ہے، اہل سنت ایسا ہی کرتے ہیں مگر آپ کو اس سے کیا علاقہ، آپ تو دیوبندی ہیں۔ آپ اہل سنت کی سنت پر کیوں منہ مارتے ہیں۔ آپ تو اپنے ایمان کو یاد کیجیے۔ دیوبندی مذہب میں تو ہر قسم کی حاجت غیر اللہ سے مانگنا شرک ہے۔ آپ کے تقویۃ الایمان میں لکھا ہے:

"یعنی اللہ کو دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہ سمجھے کہ بڑے بڑے کام تو آپ کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے کام اور نوکروں چاکروں کو حوالہ کر دیتے ہیں۔ سو لوگوں کو چھوٹے موٹے کاموں میں ان کی التجا کرنی ضرور پڑتی ہے۔ سو اللہ کے یہاں کا کارخانہ یوں نہیں، بلکہ وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ ایک ہی آن میں کروڑوں کام چھوٹے اور بڑے درست کر سکتا ہے اور اس کی سلطنت میں کسی کی قدرت نہیں، سو چھوٹی چیز بھی اسی سے مانگنا چاہیے کیوں کہ اور کوئی نہ چھوٹی چیز دے سکتا ہے، نہ بڑی۔"(۲)

دیکھا رہبر صاحب! تمہارا ایمان کہہ رہا ہے کہ چھوٹی بڑی ہر چیز دینا خدا کے ساتھ مختص ہے، للہذا کوئی بھی چیز ہو غیر اللہ سے مانگنا شرک ضرور ہو گا۔ اب تم شعر کا کچھ بھی مطلب بیان کرو۔ تمہارے ایمانی فتوے کی رو سے یا تمہارے شیخ الہند مشرک ہوئے یا گنگوہی جی کو خدا کہو۔ بولو کیا کہتے ہو۔ یہی تو المصباح الجدید کا مطالبہ ہے۔ دو اس کا جواب۔ اس کے بعد مدائح کے چند شعر نقل کر کے کھسیانی بلی کھمبا نوچے کا مصداق بنا۔ اشعار میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے استمداد ہے اور اہل سنت کے نزدیک مقبولانِ بارگاہ سے استمداد جائز ہے۔ اس پر دلائل قاہرہ قائم ہیں۔ اس کے جواز وثبوت میں تصنیفات کثیرہ موجود ہیں۔ میں یہاں صرف علامہ امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول پیش کرتا ہوں، جس سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے۔ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ مقبولانِ بارگاہ باذنہٖ تعالیٰ دونوں جہان کی مشکلیں حل کرتے ہیں، دین و دنیا کی مصیبتیں دور فرماتے ہیں۔ بڑی سے بڑی مشکل میں مدد فرماتے ہیں:

اذا كان مشائخ الصوفية يلاحظون اتباعهم ومريديهم فى جميع الاحوال والشدائد فى الدنيا والآخرة فكيف بأئمة	جب کہ مشائخ صوفیہ اپنے متبعین و مریدین پر دنیا و آخرت کے تمام احوال اور سختیوں میں نظر فرماتے یعنی مدد کرتے ہیں تو ائمۂ دین کا کیا

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، مطبوعہ مبارک پور

(۲) مولوی اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان، ص: ۲۹، کتب خانہ رحیمیہ، دیو بند

المذاهب الذين هم اوتاد الارض و ارکان الذين وامناء الشارع علىٰ امته رضي الله عنهم اجمعين. (۱)

کہ ناوہ تو زمین کی میخیں اور دین کے ارکان اور شارع علیہ الصلاۃ والسلام کے امین ہیں امت پر۔

اکابرین وائمۂ دین کی ان تصریحات کے باوجود مدائح کے ان اشعار پر اعتراض کرنا بے بصیرتی اور کوری نابینائی ہے۔

(۷)

گنگوہی صاحب سارے جہان کے مخدوم ہیں

دیوبندی مذہب میں بلا استثنا سارے جہاں کا مخدوم اور تمام عالم کا متاع گنگوہی صاحب ہیں۔ مرثیہ کے پہلے ہی صفحہ پر لکھا ہے:

"حضرت عالی ماوائے جہاں، مخدوم الکل مطاع العالم جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی۔"

المصباح الجدید میں اسی کو بتایا ہے کہ علمائے دیوبند کے نزدیک سارے جہان کے مخدوم گنگوہی صاحب ہیں، سارا عالم انھیں کی اطاعت کرتا ہے۔ دیوبندی مجیب اس پر بہت ہی بگڑے بنے، خوب اچھلے کودے، بہت طعن و تشنیع کی۔ مدرسہ مصباح العلوم کو چھوٹا سا بتا دیا۔ مصنف المصباح الجدید کی تنخواہ میں ساڑھے تین روپیہ اضافہ کی درخواست کر بیٹھے۔ بات یہ ہے کہ المصباح الجدید وہ کتاب ہے جس نے دیوبندیوں کو بد حواس کر دیا، ورنہ سب جانتے ہیں کہ مصباح العلوم وہ عالی شان دار العلوم ہے کہ ضلع اعظم گڑھ کے تمام دیوبندی مولوی اس کے طلبہ سے بھی مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے، اور یہ آپ کی عالی ہمتی، اتنے بڑے اضافہ کی درخواست کر بیٹھے۔ ساڑھے تین روپیہ ماہ وار پر تو دیوبند کے فارغ التحصیل جس قدر چاہیں ملازم رکھ سکتے ہیں پھر اتنا اضافہ تم کیوں کراتے ہو۔ خیر اس لغویت کے بعد یہ معارضہ پیش کیا۔

"مدائح اعلیٰ حضرت فتاویٰ رضویہ وغیرہ کے لوح کے صفحہ پر آپ کے اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب کو شیخ الاسلام والمسلمین لکھا گیا ہے اور آپ کی منطق کے لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمام مسلمانوں کے شیخ اور مسلمین میں صدیق اکبر فاروق اعظم سے لے کر قیامت تک کے مسلمان بلکہ انبیا علیہم السلام بھی شامل ہیں۔ اب آپ کی منطق کے لحاظ سے مولوی احمد رضا خان صاحب ان سب کے شیخ اور امام ہوں گے۔" (۲)

ناظرین کرام بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیں، دیوبندی مجیب کا یہ معارضہ دو جہالتوں پر مبنی ہے۔ اول تو شیخ الاسلام والمسلمین اور مخدوم الکل میں فرق نہ معلوم ہونا۔ دوسرے مذہب اہل سنت و دیوبندیت میں امتیاز نہ کرنا۔ تعجب ہے

---

(۱) علامہ عبد الوہاب شعرانی، میزان الشریعۃ الکبریٰ، ص: ۵۰

(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ملخصاً، ص: ۲۹/ ۳۷، مطبوعہ احیاء العلوم، مبارکپور

کہ دیوبندی مجیب اپنے کو رہبر کہلاتے ہیں اور ایسے عام اور کثیر الاستعمال الفاظ کا فرق نہیں جانتے اور لطف یہ کہ تصنیف کے خواب دیکھتے ہیں، دیوبندی مذہب سے ناآشنا اور طرہ یہ کہ دیوبندی ہونے پر فخر کرتے ہیں۔

سنیے! ہم آپ کو شیخ الاسلام والمسلمین اور آپ کے مخدوم الکل کا فرق بتائیں۔ اول یہ کہ شیخ الاسلام سلطنت اسلامیہ میں علمائے اعلام و مفتیانِ عظام کے لیے ایک ممتاز عہدہ رہا ہے اور ترکستان میں اب تک تھا۔ اسی لحاظ سے ممتاز علما کو اسی لقب سے ملقب کیا گیا ہے اور مخدوم الکل نہ کسی عہدہ کا نام ہے، نہ کسی مخصوص شے کا اسم بلکہ وہ ہمیشہ عموم ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے، پھر اس سے معارضہ کیوں کر صحیح ہوگا۔

دوسرے یہ کہ شیخ الاسلام والمسلمین میں مسلمین جمع ہے، جمع معروف بالام اگرچہ الفاظ عموم سے ہے مگر کل اور جمع میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ جمع عموم میں محکم نہیں اور کل عموم میں محکم ہے:

قال في التوضيح: ومنها (أي ألفاظ العموم) كل و جميع و هما محكمان في عموم ما دخلا عليه بخلاف سائر أدوات العموم.(۱)	اور انھیں سے یعنی الفاظ عموم سے کل اور جمیع ہے اور وہ دونوں اپنے مدخول کے عموم میں محکم ہیں، بخلاف تمام الفاظ عموم کے کہ وہ محکم نہیں۔

جمع معروف بالام کی تو جمعیت ہی ساقط ہے۔ اس کا اطلاق تو ایک فرد پر بھی ہوتا ہے:

قال في نور الأنوار: حتى يسقط اعتبار الجمعية إذا دخلت على الجمع.(۲)	یہاں تک کہ ساقط ہو جاتا ہے اعتبار جمعیت کا جب کہ داخل ہو۔ جمع پر الف لام

اصول کے اس مسئلہ کی تصریح کے باوجود معارضہ کیوں کر صحیح ہوگا۔ اپنا مذہب بھی سنیے اور یاد کر لیجیے۔

دیوبندی مذہب میں کسی کی تعریف میں الفاظ بڑھا کر بولنا، مبالغہ کرنا ہر گز جائز نہیں۔ آپ کے ایمان میں لکھا ہے:

> "اور یہ جو شاعر لوگ پیغمبر خدا کی تعریف میں یا انبیا و اولیا یا بزرگوں کی یا پیروں کی یا استادوں کی تعریفوں میں بیان کرتے ہیں اور حد سے گزر جاتے ہیں اور خدا کے سے اوصاف ان کی تعریف میں بیان کرتے ہیں اور پھر یوں کہتے ہیں کہ شعر میں مبالغہ ہوتا ہے، یہ سب بات غلط ہے کہ پیغمبرِ خدا نے اس قسم کا شعر اپنی تعریف میں انصار کی چھوکریوں کو گانے بھی نہ دیا، چہ جائیکہ عاقل مرد اس کو کہے یا سن کر پسند کرے۔"(۳)

---

(۱) عبید الله بن مسعود محبوبی بخاری، التوضیح فی غوامض التنقیح، ص:۷۷، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارك پور.

(۲) الشیخ احمد المعروف بملّا جیون الحنفی الامیتھوی، نور الأنوار، مبحث العلم، ص:۸۵، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارك پور.

(۳) مولوی اسماعیل دھلوی، تقویۃ الایمان، ملخصًا، ص:۲۱، کتب خانہ رحیمیہ، دیو بند

دیکھا، کتنی تصریح ہے کہ انبیا، اولیا، بزرگوں، استادوں کی تعریف میں حد سے گزرنا، مبالغہ کرنا ہرگز جائز نہیں۔ تعریف میں مبالغہ کرنے والے اور سننے والے دونوں کو نامعقول لکھا ہے۔ رہا یہ کہ تقویۃ الایمان کا یہ حکم صحیح ہے، یا غلط۔ اس کی تردید میں علماے اہل سنت کی تصنیفات کثیرہ ہیں، مگر تمہارا تو وہ ایمان ہے۔ گنگوہی جی تو اس کو عین ایمان بتا گئے ۔لہٰذا تمہارے لیے حجت قاطع ہے، باوجود اس حکم کے پھر آپ کس منہ سے کہہ رہے ہیں۔

"امید ہے کہ ناظرینِ کرام نے اسی سے جواب بھی سمجھ لیا ہوگا۔ واقعہ یہ کہ مدح کے موقع پر جو اس قسم کے عموم کے صیغے استعمال کیے جاتے ہیں ان سے عمومِ حقیقی مقصود نہیں ہوتا۔"(۱)

عمومِ حقیقی کے صیغے استعمال کیے جائیں اور عمومِ حقیقی مراد نہ لیا جائے یہی تو مبالغہ ہے۔ جو دیوبندی مذہب میں شانِ انبیا و اولیا تک میں جائز نہیں۔ کیا گنگوہی صاحب اس سے مستثنیٰ ہیں تو انبیا علیہم السلام سے تمہارے نزدیک گنگوہی جی کا مرتبہ بالا ہوا، اور اگر مستثنیٰ نہیں تو پھر عمومِ حقیقی ہی مراد بھی ہے۔ لہٰذا گنگوہی صاحب دیوبندیوں کے نزدیک بلا استثنا سارے عالم کے مخدوم اور بغیر انقطاع کل ماسوی اللہ کے مخدوم و مطاع ہوئے۔ اہل سنت کے نزدیک چوں کہ تعریف میں مبالغہ جائز ہے، عموم کا صیغہ بول کر خصوص مراد لے سکتے ہیں، حالاں کہ جمع عموم میں محکم نہیں لہٰذا شیخ الاسلام والمسلمین وغیرہ سے کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

دیوبندی مجیب معترض بن کر سوال کرتے ہیں۔ سوال کیا کرتے ہیں، بلکہ آں چہ انساں می کند بوزینہ ہم۔ آپ کہتے ہیں کہ:

"اخیر میں ہم رضاخانی دوستوں سے ایک سوال اور کرتے ہیں، آپ کے اعلیٰ حضرت کے چھوٹے صاحب زادے مولوی مصطفی رضا خاں صاحب کے نام کے ساتھ ان کی تصانیف واقعات السنان ادخال السنان وغیرہ کے پہلے صفحہ پر آل الرحمن لکھا ہوا ہے، جس کے صاف معنیٰ خدا کی اولاد کے ہیں تو کیا واقعی رضاخانی حضرات ان کے باپ مولوی احمد رضا خان صاحب کو خدا بھی سمجھتے ہیں، اور کیا ہم یہ سمجھیں کہ بریلی مقابلہ میں قادیان سے بھی بڑھ گئی۔"(۲)

دیوبندیو! ہوش سنبھالو، مرزا قادیانی کو تمھیں نے بڑھایا ہے، تم نے پہلے نبوت کا دروازہ کھولا ہے۔ تمھارے پیشوا قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں ختم نبوت بمعنیٰ ختم زمانی کا انکار کیا، بعد زمانۂ حضور اقدس بلکہ حضور کے زمانہ میں

---

(۱) مولوی محمد حنیف رهبر، مقامع الحدید، ملخصًا، ص:۲۹، مطبوعہ مبارک پور
(۲) مولوی محمد حنیف رهبر، مقامع الحدید، ملخصًا، ص:۲۹، ۳۰، مطبوعہ مبارک پور

بھی نبی ہونا ممکن بتایا، تم نے ممکن بتایا۔ مرزا قادیانی نے اسے بالفعل کر دکھایا، وہ تمہاری ہی کمائی کو لے اڑا، جبھی اس سے جلتے الجھتے ہو، اور اس کو کیوں یاد کرتے ہو۔ تمہارے تھانوی جی بھی تو اپنے کلمہ پڑھنے والے تھانوی جی پر درود چینے والے کو تسلی دے دے کر "لا الٰہ الا اللہ اشرفعلی رسول اللہ" پڑھواتے ہیں، جس کا مفصل واقعہ خود تمہارے تھانوی جی نے اپنے رسالہ "الامداد" ۱۳۳۶ھ میں شائع کیا ہے۔ تم تھانوی جی کا کلمہ پڑھو، گنگوہی جی کو مربی خلائق اور بانی اسلام (خدا) کا ثانی کہو۔ اسی منہ سے توحید کا دعویٰ اور اہل سنت پر اعتراض کرتے ہو، شرم نہیں آتی۔

آل الرحمن پر اعتراض تھانوی خبث باطنی کا نتیجہ ہے۔ آل کے معنی پیرو و مطیع، منتخب اللغات وغیرہ کتابوں میں لکھے ہیں اور آل کی اضافت رحمن کی طرف اسی معنیٰ کو معین کر رہی ہے۔ لہٰذا آل الرحمن کے حقیقی معنی مطیع الرحمن ہیں۔ مطیع الرحمن پر تمہارا اعتراض ہے اور کیوں نہ ہو، تمہارے نزدیک تو واجب الاطاعت گنگوہی صاحب ہی ہیں۔ خدا کی اطاعت رسول کی اطاعت تمہارے نزدیک سب بیکار ہے۔ جب تک گنگوہی کے سامنے سر نہ جھکائے، اسی لیے تو گنگوہی جی کو "مطاع العالم مخدوم الکل" پکارتے ہو۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ.

(۸)

گنگوہی صاحب کا ہر حکم قضائے مبرم کی تلوار

علمائے دیوبند مولوی رشید احمد صاحب کو مربی خلائق جانتے ہیں، بانی اسلام کا ثانی مانتے ہیں، جس کا ثبوت (۱) و (۴) میں گزرا۔ لہٰذا ان کی صفات کو بھی مثل صفاتِ الٰہی مانتے ہیں۔ بلکہ اسے بڑھ کر جانتے ہیں۔ کیوں کہ قضائے الٰہی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قضائے مبرم، دوسری قضائے معلق۔ قضائے مبرم وہ حکم الٰہی ہے جو کسی کے ٹالے نہ ٹلے، کسی دعا و التجا وغیرہ سے رد نہ ہو اور قضائے معلق وہ حکم الٰہی ہے کہ کسی امر پر اس کی تعلیق ہے۔ وہ حکم الٰہی دعا وغیرہ سے رک جاتا ہے، یعنی حکم الٰہی دو قسم کا ہے۔ ایک دعا وغیرہ سے رک جاتا ہے، دوسرا نہیں رکتا۔ مگر مولوی رشید احمد صاحب کے متعلق علمائے دیوبند کا عقیدہ ہے کہ ان کا ہر حکم قضائے مبرم ہی ہے، کوئی حکم بھی کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا، کسی تدبیر سے بھی نہیں رک سکتا۔ چناں چہ دیوبندیوں کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب مرثیہ کے ص: ۱۳ پر لکھتے ہیں۔

نہ رکا، پر نہ رکا، پر نہ رکا، پر نہ رکا
اس کا جو حکم تھا، تھا سیفِ قضائے مبرم

یعنی گنگوہی صاحب کا ہر حکم قضائے مبرم کی تلوار ہے۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ گنگوہی صاحب کا حکم حکمِ الٰہی سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ اسی کی طرف المصباح الجدید میں اجمالاً اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کا جواب تو دیوبندیوں سے نہ ہو سکا اور ہوتا بھی کیا۔ مگر صاحب مقامع الحدید نے سمجھ رکھا ہے کہ مجیب آں باشد کہ خاموش نہ شود۔ لہٰذا آپ یہ

جواب دیتے ہیں، "آپ کے اعلیٰ حضرت کا بھی حکم ایسا ہی ہے۔ ملاحظہ ہو مدائح اعلیٰ حضرت۔

تو نے جو کچھ کہا شاہ احمد رضا وہ ہوا، پر ہوا شاہ احمد رضا(۱)

یہ اعتراض کا جواب تو ہر گز نہیں، البتہ علم وحیا کو جواب ہے۔ اس شعر میں تو یہ ہے کہ، اے مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب آپ کی تمام پیشین گوئیاں حق ہوئیں، آپ کا فرمانا صادق ہوا، مثلاً گنگوہی صاحب کا نابینا ہونا، تھانوی صاحب کا تاب مناظرہ نہ لانا، کبھی مقابلہ میں نہ آنا وغیرہ وغیرہ۔ اس میں نہ کہیں حکم کا ذکر ہے نہ قضاے مبرم کا تذکرہ۔ چہ جائیکہ قضاے مبرم کی تلوار، پھر یہ کہنا کہ آپ کے اعلیٰ حضرت کا بھی حکم ایسا ہی ہے۔ کیسی کوری نابینائی ہے جس کو سرمہ وغیرہ سے تو فائدہ ہو نہیں سکتا، اس کو گنگوہی مسیحائی کی ضرورت ہے، جو عیسیٰ علیہ السلام کو دکھا دکھا کر فخر کیا کرتے ہیں، جس کا مفصل ذکر (۲) میں گزرا۔

(۹)

دیوبندیوں کے نزدیک گنگوہی صاحب کی غلامی تمغۂ مسلمانی ہے

علماے دیوبند کے نزدیک مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی غلامی کا داغ مسلمانی کا تمغہ ہے۔ چناں چہ مولوی محمود حسن صاحب مرثیہ ص:۶/ پر لکھتے ہیں۔

زمانے نے دیا اسلام کو داغ اُس کی فرقت کا کہ تھا داغِ غلامی جس کا تمغائے مسلمانی

اس پر المصباح الجدید میں یہ مواخذہ کیا گیا کہ مولوی رشید احمد صاحب کی غلامی کا داغ جب مسلمانی کا تمغہ ہوا تو جو اُن کا غلام بنا اسی کو یہ تمغہ ملا، اور جس نے ان کی غلامی نہ کی اس تمغہ سے محروم رہا۔ لہٰذا دیوبندی یا تو تمام صحابہ و تابعین اور ائمۂ مجتہدین و اولیاے کاملین کو مولوی رشید احمد کا غلام مانتے ہوں گے۔ یا ان تمام مقبولانِ خدا کو مسلمانی کے تمغے سے خالی جانتے ہوں گے۔

یہ مواخذہ دیوبندیوں کے مسلمہ اصول پر مبنی ہے جو تمام اکابر و اصاغر دیوبندیہ کو تسلیم ہے۔ اور اس سے ہزارہا امور خیر کا دروازہ بند کیا ہے۔ وہابیہ دیوبندیہ کا وہ مسلمہ اصول یہ ہے کہ کسی لفظ سے عام معنیٰ سمجھے جاتے ہوں اور متکلم نے اسی جگہ صراحۃً تخصیص نہ ذکر کی ہو تو اس کی تخصیص ہر گز نہیں ہو سکتی، نہ قرینے سے نہ عقل سے نہ اسی متکلم کے دوسرے کلام سے۔ اسی اصول سے اولیاے کرام کی طرف منسوب کردہ شے کو حرام و شرک بتایا ہے۔ زندہ جانوروں کو صرف کسی نبی یا ولی کی طرف منسوب کر دینے سے تقویۃ الایمان میں حرام و شرک لکھا ہے اور اسی اصول کو لے کر آیت: اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ سے استدلال کیا ہے۔

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ملخصًا، ص: ۳۰، مطبوعہ مبارک پور

"قال اللہ تعالیٰ: "اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ" (١) ترجمہ: فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام میں یا گناہ کی چیز کہ مشہور کی گئی اللہ کے سوا اور کسی کی کر کے۔ ف یعنی جیسے سور اور لہو اور مردار ناپاک و حرام ہے۔ ایسا ہی وہ جانور بھی ناپاک و حرام ہے کہ خود گناہ کی صورت بن رہا ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی کا ٹھہرایا، اس آیت سے معلوم ہوا کہ جانور کسی مخلوق کے نام کا ٹھہرائے، وہ جانور حرام ہے اور ناپاک۔ اس آیت میں کچھ اس بات کا ذکر نہیں کہ اس جانور کے ذبح کرتے وقت کسی مخلوق کا نام لیجیے، جب حرام ہو، بلکہ اتنی بات کا ذکر ہے کہ کسی مخلوق کے نام پر جہاں کوئی جانور مشہور کیا کہ یہ گاؤ سید احمد کبیر کی ہے یا بکرا شیخ سدو کا ہے، سو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ پھر کوئی جانور ہو، مرغی یا اونٹ کسی مخلوق کے نام کا کر دیجیے، ولی یا نبی کا، باپ کا یا دادے کا، بھوت کا یا پری کا وہ سب حرام ہے اور ناپاک اور کرنے والے پر شرک ثابت ہو جاتا ہے۔"(٢)

آیت کا ترجمہ صحیح یہ ہے یا بے حکمی کا جانور جس کے ذبح میں غیر اللہ کا نام لیا ہو، قرینہ بھی اسی پر دال ہے کہ اس کو فسق فرمایا۔ عقل بھی اس معنیٰ کی تخصیص کرتی ہے، کیوں کہ زندہ جانور پر تو ہزاروں مرتبہ غیر اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اگر زندہ جانور پر غیر اللہ کا نام لینا اس کو حرام کر دے تو کوئی جانور حلال نہیں رہ سکتا۔ قرآن مجید نے خود دوسری آیتوں میں اس معنیٰ کی تائید فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ. (٣)	یعنی جس جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام ذکر کیا گیا، اسے کھاؤ اگر تم مومن ہو۔

اسی واسطے مفسرینِ کرام نے تخصیص کر کے آیت کے یہی معنیٰ بیان فرمائے۔ تفسیر احمدی میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے:

أو الفسق الذی ذبح به لاسم غير الله عليه مثل اللات والعزیٰ. (٤)	یعنی فسق وہ جانور ہے جو ذبح کیا ہو غیر اللہ کا نام لے کر مثل لات وعزیٰ کے۔

تفسیر جلالین میں ہے:

---

(١) قرآن حکیم، سورة الانعام:٦، آیت:١٤٥

(٢) مولوی اسماعیل دهلوی، تقویة الایمان، ص:٧٢، ٧٣، ملخصًا مکتبه رحیمیه، دیو بند

(٣) قرآن مجید، الانعام:٦، آیت:١١٨

(٤) شیخ احمد المعروف به ملا جیون، متوفیٰ:١٠٣٠ھ، تفسیرات احمدیه، ص:٢٥٦

فسقا اهل لغير الله به أي ذبح على اسم غيره .(١) یعنی وہ جانور حرام ہے جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

تفسیر ابوالسعود میں ہے:

فإن الفسق ما اهل به لغير الله .(٢) یعنی فسق وہ جانور ہے جو غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو۔

کفار کا طریقہ تھا کہ جانوروں کے ذبح کے وقت بتوں کا نام لیتے، یوں کہتے، باسم اللات والعزیٰ۔ آیت میں اسی کو حرام فرمایا۔ مفسرین ذبح ہی کے ساتھ خاص کر رہے ہیں۔ مفسرین کی ان تصریحات کو اسماعیل دہلوی نے صرف اسی مذکورہ اصول سے رد کیا ہے، چناں چہ کہا کہ:

"اس آیت میں کچھ اس بات کا مذکور نہیں کہ اس جانور کے ذبح کرنے کے وقت کسی مخلوق کا نام لیجیے، جب حرام ہو بلکہ اتنی ہی بات کا ذکر ہے کہ کسی مخلوق کے نام پر جہاں کوئی جانور مشہور کیا کہ یہ گاؤ سید احمد کبیر کی ہے یا یہ بکرا شیخ سدو کا ہے، سو وہ حرام ہو جاتا ہے۔"(٣)

غور کیجیے کہ آیت میں وقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارنے کی تخصیص پر قرینہ موجود، عقلی تخصیص موجود، دوسری آیتوں میں تائید موجود، مفسرین کرام کی تصریحات موجود، مگر چوں کہ تخصیص اسی آیت میں مذکور نہیں، اس لیے مولوی اسماعیل صاحب کے نزدیک یہ سب باتیں غیر معتبر ہیں اور ہرگز تخصیص نہیں ہو سکتی۔

رہبر صاحب! تقویۃ الایمان پر تو سارے دیوبندی کنبہ کا ایمان ہے، پھر جس اصول سے استدلال کیا ہے، اس کا انکار دیوبندی کیسے کر سکتے ہیں، لہٰذا یہ اصول بھی دیوبندیوں کو مسلم ہوا کہ جب تک اسی جگہ تخصیص صراحۃً مذکور نہ ہو ہرگز تخصیص نہیں ہو سکتی، اگرچہ قرینہ موجود ہو، عقلی تخصیص پائی جائے۔ متکلم کا دوسرا کلام تخصیص پر دلالت کرے۔ اب اس اصول کے تحت میں مرثیہ کا وہ شعر لائیے اور پھر دیکھیے کہ المصباح الجدید کے اعتراض کا ایک ایک حرف تمھیں تسلیم کرنا پڑے گا۔

زمانے نے دیا اسلام کو داغ اُس کی فرقت کا
کہ تھا داغِ غلامی جس کا تمغائے مسلمانی

(١) علامه جلال الدين سيوطی، تفسير جلالين، ص:١٤٧، مطبوعه مركز اهل سنت بركات رضا، پور بندر، گجرات

(٢) امام ابو السعود محمد بن محمد عمادی، تفسير أبي سعود، ج:٢، ص:٤٥٥، مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(٣) مولوی محمد اسماعيل دهلوی، تقو ية الايمان، ص:٣٣، كتب خانه رحيميه، ديو بند

اس شعر میں گنگوہی صاحب کی غلامی کے داغ کو مسلمانی کا تمغہ قرار دیا ہے جو باعتبار عموم لفظ کے ہر زمانہ اور ہر طبقہ کے مسلمانوں کو شامل ہے۔ اور یہ مذکور نہیں کہ وہ انھیں کے زمانہ کے لیے خاص ہے یا ان کے مریدوں اور شاگردوں کے ساتھ مختص ہے۔ لہٰذا تمہارے اصول پر لازم وضروری ہے کہ مسلمانی کا تمغہ اسے ہی ملے جو تمہارے گنگوہی صاحب کی غلامی کے داغ سے داغا گیا ہو، ورنہ مسلمانی کے تمغہ سے محروم رہے۔ اب تمھیں بتانا پڑے گا کہ صحابہ و تابعین وائمۂ مجتہدین کو گنگوہی جی کا غلام مانتے ہو یا تمغہ مسلمانی سے خالی جانتے ہو۔ دونوں میں سے ایک بات ضرور ہوگی۔ یہ تمہارا ہی وہ ایمانی اصول جاری کیا ہے، جس سے تم نے سنی مسلمانوں کو کافر مشرک بنایا ہے۔

تعجب ہے کہ آپ رہبر بنتے ہیں اور آپ کو المصباح الجدید بھی نظر نہیں آتی۔ المصباح الجدید میں ہے، "یا ان تمام مقبولان خدا کو مسلمانی کے تمغہ سے خالی جانتے ہیں۔" مگر آپ نے اعتراض نقل کیا تو یہ لکھ دیا:

"پس جن مسلمانوں کو ان کی غلامی حاصل نہیں ہوئی جیسے صحابہ و تابعین وغیرہ وہ سب دیوبندیوں کے نزدیک مسلمان ہی نہیں تھے۔" (۱)

شکایت کس سے کریں، دیوبندی رہبر ایسے ہی ہوتے ہیں، کذب وافترا ان کی غذاے روحانی ہے۔

دیوبندیو! اس ایمانی اپنے اصول کو باقی رکھتے ہوئے المصباح الجدید کے الزام کو قیامت تک نہیں اٹھا سکتے البتہ اگر اس سے توبہ کرلو اور تقویۃ الایمان کے منکر ہو جاؤ تو ہو سکتا ہے۔ مگر یہ تو تمہارا ایمان ہے۔ ایمان سے کہیں توبہ ہوتی ہے؟ رہبر صاحب اپنے اس ایمانی اصول کو باقی رکھتے ہوئے اس شعر کا یہ مطلب آپ کیسے بیان کر رہے ہیں کہ

"گنگوہی جی چوں کہ وسیع المناقب تھے اس لیے آپ کے خدام و متوسلین میں جو لوگ داخل ہوئے وہ پکے سچے مسلمان تھے، اس لحاظ سے آپ سے روحانی تعلق رکھنا گویا مسلمان ہونے کی ایک علامت تھی۔" (وہی تمغاے مسلمانی) (۲)

کیا وہ ایمانی اصول یہاں جاری نہیں ہوگا، کیا نہیں کہا جائے گا کہ اس شعر میں کچھ اس بات کا ذکر نہیں کہ گنگوہی جی کی غلامی کے داغ کا تمغائے مسلمانی ہونا صرف ان کے خدام و متوسلین ہی کے ساتھ مختص ہے، بلکہ ان کی غلامی کے داغ کو تمغاے مسلمانی کہا گیا ہے، جو بالعموم سب کو شامل ہے۔ پھر جب شعر میں تخصیص مذکور نہیں تو تم اپنے ایمانی اصول کو چھوڑ کر تخصیص کیسے کر رہے ہو۔ اگر وہ اصول یہاں جاری نہیں تو وہاں آیت سے استدلال میں تقویۃ الایمان میں کیوں، اور اگر وہاں ہے تو یہاں کیوں نہیں۔ کچھ تو بولو۔ اگر ذرا بھی حیا ہے تو اپنے گرو مولوی اسمٰعیل دہلوی کو

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ۳۴ / ۳۸، شعبۂ نشر و اشاعت، احیاء العلوم، مبارک پور

(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ۳۴ / ۳۸، شعبۂ نشر و اشاعت، احیاء العلوم، مبارک پور

سناؤ وہ گالیاں جو مصنف المصباح الجدید کو دیتے ہو۔ اپنے اس گرو کو جس نے یہ اصول قائم کیا ہے، اس کو علت دماغی بلکہ علت مشائخی میں مبتلا بتاؤ۔ المصباح الجدید نے تمہارے ہی اصول پر یہ الزام قائم کیا ہے جو قیامت تک تم سے نہیں اٹھ سکتا۔ آپ کی عادت نقالی کی ہے۔ ہر جگہ نقل کیا کرتے ہیں، یہاں بھی نقل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

"اچھا سنیے آپ کے ایک مذہبی برادر خاں صاحب بریلوی کی شان میں فرماتے ہیں

بات ہے ایمان کی حق کی قسم — آپ سے ایماں ملا احمد رضا
دل ملا، آنکھیں ملیں، ایماں ملا — جو ملا تجھ سے ملا احمد رضا

اب فرمائیے، کہ جب ایمان، اور نہ صرف ایمان بلکہ دل، آنکھیں، سب کچھ مولوی احمد رضا خان صاحب سے ملتی ہیں تو وہ تمام مسلمان جو خان صاحب سے پہلے گزرے یا تمام صحابۂ کرام، تابعین عظام، ائمۂ مجتہدین، اولیاے کاملین سب کے سب آپ کے نزدیک معاذ اللہ بے ایمان، دلوں اور آنکھوں سے محروم ہوگئے۔ فرمائیے، آپ کی منطق صحیح ہے اور اس سے جو نتیجہ نکلا کیا وہ بھی نعوذ باللہ صحیح ہے

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں — لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا" (۱)

بے شک تقویۃ الایمانی اصول پر یہی نتیجہ نکلا مگر ہم اہل سنت تو اس اصول اور اس کے ماننے والوں پر لعنت کرتے ہیں، پھر ہم پر کیا الزام۔ ہمارے نزدیک بغیر ذکر صریح کے قرینہ اور عقل وغیرہ سے تخصیص ہوتی ہے۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ قائل اپنے متعلق کہہ رہا ہے کہ مجھے حق دیکھنے والی نظر اور حق قبول کرنے والا دل اور ایمان جو کچھ ملا، مولانا احمد رضا خاں صاحب کے واسطے سے ملا۔ بولو کیا تم بھی تقویۃ الایمان کے اس اصول اور اس کے ماننے والوں پر لعنت کر کے سنی ہوتے ہو۔ یار! پاؤں تو تمھارا ہی الجھا ہوا ہے، اور ایسا الجھا ہے کہ سلجھنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ لہٰذا رہبر صاحب آنجہانی وہ الجھا ہوا شعر تین مرتبہ پڑھ کر اپنے سینہ پر دَم کر لیں۔

(۱۰)

دیوبندیوں کے نزدیک گنگوہی صاحب صدیق وفاروق ہیں

صدیق اور فاروق سید الاصحاب حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وہ آسمانی القاب ہیں جو حق تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان حضرات کو عطا فرمائے ہیں۔ علماے دیوبند نے یہ دونوں لقب اپنے گرو مولوی رشید احمد صاحب کو دیے ہیں، چناں چہ مولوی محمود حسن صاحب مرثیہ کے ص:۱۶/ پر لکھتے ہیں۔

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۳۱/ ۳۹، شعبۂ نشر و اشاعت، احیاء العلوم، مبارک پور

وہ تھی صدیق اور فاروق پھر کہیے عجب کیا ہے شہادت نے تہجد میں قدم بوسی کی گر ٹھانی (۱)

المصباح الجدید میں مرثیہ کے حوالے سے اسی کو بتایا ہے۔ گنگوہی صاحب صدیق اور فاروق دونوں تھے۔
دیوبندی رہبر سے اس کا کچھ جواب نہ بن پڑا تو لغت کی آڑ لی اور بڑے زور میں آکر کہا:

"جی ہاں! کہا گیا ہے، مگر کچھ خبر ہے کہ صدیق اور فاروق کے معنی کیا ہیں؟ کچھ دے کر پڑھا ہوتا تو خبر ہوتی۔ دیکھو نور اللغات جس میں بقلم جلی لکھا ہوا ہے کہ صدیق کے معنٰی نہایت سچا، فاروق کے معنٰی حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ بے شک حضرت گنگوہی کے اندر یہ دونوں وصف موجود تھے۔"(۲)

دیوبندی رہبروں کی یہ حالت ہے کہ دائرۂ تہذیب کے اندر قدم رکھنا جانتے ہی نہیں، پھر اس کی ان سے شکایت ہی کیا ہے۔ مگر رہبر صاحب آپ نے تو دے کر پڑھا ہے اور آپ بہت زیادہ دینے والے ہیں، اس میں آپ کو بہت مشاقی ہے، ذرا بتائیے تو کیا صدیق اور فاروق حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے القاب نہیں ہیں۔ دیکھیے غیاث اللغات:

"صدیق بسیار راست گو و بغائت راست پندارندہ سخن کسے را و لقب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فاروق، فرق کنندہ میان حق و باطل و لقب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔"(۳)

دیکھا صدیق و فاروق القاب ہیں حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے۔ اجلۂ صحابہ کے مخصوص القاب اپنے گنگوہی کو دو اور مواخذہ پر لغوی معنٰی کی آڑ پکڑو۔ اگر لغوی معنٰی کے لحاظ سے تمہارے نزدیک الفاظ کا استعمال صحیح ہے تو پھر گنگوہی جی کو نبی اور رسول بھی کہو، جب کوئی مواخذہ کرے تو کود کر کہہ دینا، جی ہاں کہا گیا ہے مگر کچھ خبر ہے نبی اور رسول کے معنٰی کیا ہیں۔ نبی کے معنی خبر دینے والا اور رسول کے معنی بھیجا ہوا۔ دیکھو غیاث اللغات:

"نبی بمعنی خبر دہندہ رسول بمعنی فرستادہ شدہ۔"(٤)

پھر کہہ دو بے شک حضرت گنگوہی کے اندر یہ دونوں وصف موجود تھے۔ یہ ہے آپ کے جواب کی حقیقت اور آپ کے علم کی اصلیت جس پر ناز کرتے ہوئے رہبر بنتے ہو۔ اس کے بعد حسب عادت نقل کرنی شروع کر دی ہے۔ کہتے ہیں کہ:

"مولوی احمد رضا خان صاحب کو صدیق و فاروق ہی نہیں بلکہ عثمان و علی، حسن و

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۱۱، شعبۂ نشر و اشاعت، احیاء العلوم، مبارک پور

(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۳۱، ۳۲/ ۳۹/ ٤۰، شعبۂ نشر و اشاعت، احیاء العلوم، مبارک پور

(۳) مولوی محمود الحسن، مرثیہ گنگوھی، ص:۱۱، کتب خانہ اعزازیہ، سہارن پور.

(٤) مولانا محمد غیاث الدین، غیاث اللغات، فارسی، ص:٤٦٨، مطبع منشی گلاب سنگھ لکھنؤ

حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے پہلو بہ پہلو بٹھایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو مدائحِ اعلیٰ حضرت۔

عیاں ہے شانِ صدیقی تمہارے صدق وتقویٰ سے
کہوں کیوں کر نہ اتقیٰ جب کہ خیر الاتقیا تم ہو

تین شعر اس کے بعد کے یہ ہیں۔

جلال وہیبتِ فاروقِ اعظم آپ سے ظاہر — عدو اللہ پر اک حربۂ تیغِ خدا تم ہو
تمھیں نے جمع فرمائے نکاتِ رمزِ قرآنی — یہ ورثا پانے والے حضرتِ عثمان کا تم ہو
خلوصِ مرتضیٰ، خلقِ حسن، عزمِ حسینی میں — عدیم المثل یکتائے زمن اے باخدا تم ہو"

اس پر کچھ اپنی تہذیب کے جوہر دکھاتے ہوئے اعتراض کرتے ہیں۔ "اس میں قرآن مجید سے جنگ ہے۔"(۱)

اول تو مرثیہ کے شعر کے مقابلہ میں یہ اشعار پیش کرنا ہی دیانت کو جواب دینا ہے، اس لیے کہ یہ عوام کے اشعار ہیں اور مرثیہ تو تمہارے شیخ الہند کا ہے، جن کو تم اپنا دینی پیشوا مانتے ہو۔ دوسرے یہ کہ اس میں اعلیٰ حضرت کو صدیق اور فاروق نہیں کہا گیا، بلکہ یہ ہے کہ آپ کے صدق وتقویٰ سے شانِ صدیقی معلوم ہوتی ہے۔ آپ اس صفت میں حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پرتو ہیں اور جب پہلے مصرع میں یہ ظاہر کر دیا تو ثانی مصرع کو قرآن مجید کے خلاف بتانا کھلی عداوت یا سخت جہالت ہے۔ پہلے مصرع کو لیتے ہوئے ثانی مصرع کا کھلا ہوا مطلب ہے کہ آپ اپنے زمانہ میں صدق و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ اس وجہ سے اپنے ہم عصروں میں زیادہ متقی ہیں اور خلوص و خلق و عزم ان اوصاف میں بھی آپ صحابہ کے پرتو ہیں اور ان صفات میں اپنے ہم زمانہ لوگوں میں ممتاز ہوئے۔ چناں چہ یہ مصرع: "عدیم المثل یکتائے زمن اے باخدا تم ہو" اس پر روشن دلیل ہے۔ پھر صحابہ کے پہلو بہ پہلو اور برابر سمجھنا یہ نری عداوت یا کوری نابینائی ہے۔

ع: آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے

(۱۱)

دیوبندی حضرات اپنے علما کو بھی رحمۃ للعالمین میں شریک بتاتے ہیں

مقربانِ بارگاہِ الٰہی کی شان میں گستاخی و ہم سری کرنا وہابیہ دیوبندیہ کا شیوہ ہے۔ انبیا علیہم السلام سے برابری کرتے ہیں اور ان کو اپنا بھائی کہتے ہیں، زیادہ سے زیادہ بڑا بھائی۔ چناں چہ تقویۃ الایمان مطبع نول کشور، ص:۶۰ پر ہے:

"اولیا وانبیا، امام وامام زادے پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ۳۲، مطبوعہ، مبارک پور

سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے۔"(۱)

ہم سری و برابری کا وہ سلسلہ قائم کیا ہے کہ انبیا علیہم السلام خصوصاً سید انبیا محبوب کبریا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہر صفت میں حصہ بانٹنے، ساجھا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک مخصوص صفت رحمۃ للعالمین ہے۔ اس کی خصوصیت کا انکار کر کے اس میں بھی شرکت کی اور حصہ بانٹ لیا اور کہہ دیا کہ علمائے ربانیین (علمائے دیوبند) کو بھی رحمۃ للعالمین کہنا جائز ہے۔ اگر چہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب میں اعلیٰ ہیں (یہ بڑے چھوٹے بھائی کا فرق ہے)۔ چناں چہ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم، ص: ۱۲ ار پر ہے:

"لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نہیں ہے بلکہ دیگر اولیا و انبیا اور علمائے ربانیین بھی موجب رحمتِ عالم ہوتے ہیں۔ اگر چہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب میں اعلیٰ ہیں لہٰذا اگر دوسرے پر اس لفظ کو بہ تاویل بول دیوے تو جائز ہے۔ فقط بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ"(۲)

اس عبارت میں کتنی صراحت کے ساتھ اس صفت کی خصوصیت کا انکار ہے، مگر صاحب مقامع الحدید اس پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں، اور دن میں آفتاب کا انکار کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں:

"اس میں دیگر اولیا و علمائے ربانیین و انبیا علیہم السلام کے متعلق صرف یہ لکھا گیا ہے کہ وہ بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں اور ان پر رحمۃ للعالمین کے اطلاق کو مطلقاً نہیں جائز قرار دیا گیا، بلکہ بتاویل کی قید کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔ اس سے ایک معمولی فہم کا شخص بھی سمجھ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو خاص صفت رحمۃ للعالمین ہے، فی الحقیقت اس میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں، جیسا کہ مولانا گنگوہی قدس سرہ نے خود تصریح فرمائی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب میں اعلیٰ ہیں۔"(۳)

واللہ حد ہو گئی خوش فہمی کی۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ واقعی جس شخص کو دعویٰ و دلیل میں امتیاز نہ ہو، دلیل اشتراک کو دلیل اختصاص سمجھے وہی دیوبندیوں کا رہبر ہو سکتا ہے، مگر جس کو عبارت فہمی کا سلیقہ ہے وہ خوب جانتا ہے

(۱) مولوی اسماعیل دهلوی، تقویة الایمان، ص:٦، مطبع نول کشور، لکھنؤ/ ٥٠ کتب خانیه رحیمیه، دیو بند
(۲) مولوی رشید احمد گنگوهی، فتاویٰ رشیدیه، ج:١، ص:١٠٤، مکتبه تهانوی، دیو بند
(۳) مولوی محمد حنیف رهبر، مقامع الحدید ملخصًا، ص:٣٣/ ص:٤١، ناشر احیاء العلوم، مبارکپور

کہ فتاویٰ رشیدیہ کی مذکورہ عبارت کے تین جز ہیں، دعویٰ، دلیل، تفریع۔ لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ ﷺ کی نہیں، یہ دعویٰ ہے۔ بلکہ دیگر اولیا و انبیا اور علمائے ربانیین بھی موجب رحمتِ عالم ہوتے ہیں، اگرچہ جناب رسول اللہ ﷺ سب میں اعلیٰ ہیں، یہ دلیل ہے۔ لہٰذا اگر دوسرے پر اس لفظ کو بتاویل بول دیوے تو جائز ہے، یہ تفریع ہے۔ یہ کلام صراحۃً پکار رہا ہے کہ رحمۃ اللعالمین حضور کی مخصوص صفت نہیں بلکہ علمائے ربانیین (علمائے دیوبند) کو بھی رحمۃ للعالمین کہنا جائز ہے۔ رہی بتاویل کی قید۔ یہ گنگوہی صاحب نے تم جیسے بیوقوفوں کے پھانسنے کے لیے ٹٹی کی آڑ بنائی ہے ورنہ دلیل اگرچہ مثبت مدعا نہیں، مگر ان کا مقصود تو صفت خاصہ ہی اڑانا ہے، ورنہ بتائیے کہ جب حضور کے رحمۃ للعالمین ہونے کی جو وجہ دوسرے میں بھی موجود ہے تو اب تاویل کی کیا حاجت رہی۔ اور اگر تاویل کی حاجت ہے تو معلوم ہوا کہ اگر دوسرے پر اطلاق ہوگا تو اس معنیٰ کا ارادہ نہ ہوگا، پھر صفت خاصہ نہ ہونا کیوں کر ثابت ہوا اور ممکن ہے کہ گنگوہی صاحب کا یہ مقصد ہو کہ رحمۃ للعالمین چوں کہ حضور کے صفاتی ناموں میں سے حضور کا ایک نام ہے اس لفظ سے حضور کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ لہٰذا دوسرے پر بولے تو تاویل کے ساتھ یعنی رحمۃ للعالمین بول کر محمد ﷺ مراد نہ لے، بلکہ کوئی تاویل کر لینا، ورنہ جب حضور ﷺ سمجھ لیے جائیں گے تو ہمیں کیا فائدہ پہنچے گا۔ پھر یہ تو کہیے کہ اس تقریر سے اشتراک فی الصفت کی نفی کہاں ہوئی، اختصاص کہاں سے ثابت ہو گیا، کلام تو اس میں ہے کہ گنگوہی صاحب نے رحمۃ للعالمین کے صفت خاصہ ہونے کا انکار کیا۔ اپنے اور اپنے چیلے چانٹوں کے رحمۃ للعالمین ہونے کا التزاماً دعویٰ کیا۔ اس کا جواب اس سے کیسے ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ سب میں اعلیٰ ہیں۔

کسی صفت میں اعلیٰ ہونا تو دلیل ہے اس بات کی کہ اس صفت میں اور بھی شریک ہیں، اگرچہ وہ ادنیٰ ہیں۔ یہ تو دلیل اشتراک ہے۔ اس کو دلیل اختصاص سمجھنا جہالت ہے۔ البتہ سب میں اعلیٰ ہونے سے بڑے رحمۃ للعالمین ہوئے، مگر گنگوہی بھی تو مع اپنے دیابنہ کے رحمۃ للعالمین ہو گئے اگرچہ چھوٹے رحمۃ للعالمین سہی۔ اور اگر کسی صفت میں اعلیٰ ہونے کا مطلب تمہارے نزدیک یہی ہے کہ وہ صفت اس موصوف کے ساتھ خاص ہے، تو تم بتاؤ تھانوی صاحب کو تو سارے دیوبندی صفت علم میں اعلیٰ مانتے ہیں، اگر اعلیٰ ہونے سے صفت علم تھانوی صاحب کے ساتھ مخصوص ہو تو سارے دیوبندی مولوی جاہل ہوئے۔ تمہارے مربی مولوی شکر اللہ سے لے کر مولوی حسین احمد صاحب تک سب بے علم جاہل ٹھہرے، پھر ان کو مولوی، مولانا، شیخ الہند کس منہ سے کہو گے۔ اس کو تو شاید برداشت نہ کرو، بلکہ یہی کہو گے، تھانوی صاحب بڑے عالم اور دوسرے دیوبندی مولوی چھوٹے عالم۔ لہٰذا یہاں بھی یہی مطلب ہوا کہ علمائے ربانیین (علمائے دیوبند) چھوٹے رحمۃ للعالمین اور حضور بڑے رحمۃ للعالمین ہیں۔ یہ چھوٹے بڑے بھائی کا فرق ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا یہ فرمان کہ بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے، حق و بجا ہے۔ مگر اس سے تمھیں کیا فائدہ اس سے غوث رحمۃ للعالمین کب ہو گیا، عالمین صرف زمین و آسمان میں کہاں منحصر ہیں۔

بے دینو! آنکھیں کھولو۔ اٹھارہ ہزار عالم میں سے زمین و آسمان بھی دو چیز ہیں۔ غوث اگر زمین و آسمان کے لیے رحمت ہو گیا تو تم رحمۃ للعالمین بن گئے۔

دوسروں کو رحمۃ للعالمین کہنے کی رہبر صاحب ایک دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں حق تعالیٰ پر بھی رحیم کا اطلاق کیا گیا ہے اور آں حضرت ﷺ پر بھی۔ لہٰذا اطلاق سے مساوات ثابت نہیں۔ لہٰذا دیوبندی مولوی بھی رحمۃ للعالمین ہیں۔ اس کہنے سے مساوات تو نہیں، مگر کچھ سمجھ ہوتی یا ایمان ہوتا تو جانتے کہ رحیم اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتی ہے اور حضور کی عطائی۔ ذاتی اور عطائی میں صرف اشتراک اسمی ہے، حقیقۃً یہاں اشتراک محال ہے۔ لیکن مخلوق کی تمام صفات عطائی ہیں۔ جب تم بھی رحمۃ للعالمین ہوئے تو حضور کی اس صفت میں ضرور شریک ہوئے، اگرچہ حضور کی صفت زیادہ اور بڑی مانو، اس سے صرف یہ ہوگا کہ تم چھوٹے رحمۃ للعالمین ہوئے، مگر رحمۃ للعالمین تو ضرور ہوئے، صفت رحمۃ للعالمین کا اختصاص کہاں رہا۔

یہاں تک تو رہبر صاحب نے علماے دیوبند کو چھوٹا رحمۃ للعالمین بنایا۔ اب آگے ترقی کرتے ہیں اور ایک چال چلتے ہیں، جس سے ثابت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ بھی تمام عالم کے لیے رحمت نہیں صرف جن و انس کے لیے رحمت ہیں کہتے ہیں کہ:

> ”عالمین سے قرآن مجید میں بہت جگہ کسی خاص دور کے اہل عالم بھی مراد لیے گئے ہیں اور تفسیر جلالین میں وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۔ میں بھی لفظ عالمین سے صرف ثقلین جن و انس مراد لیے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص لفظ عالمین سے کسی خاص دور کے ثقلین جن و انس مراد لے کر کسی غوث یا ولی کو عالمین کے لیے باعث رحمت کہہ دے تو اس تاویل کے بعد اس میں کیا محذور ہے۔“(۱)

اب دل کی بات بالکل ظاہر ہوگئی جب کہ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۔ میں حضور کے لیے بھی تخصیص ہوئی، صرف جن و انس کے لیے رحمت ہوئے اور کسی ولی یا غوث (گنگوہی و تھانوی) کو بھی کسی خاص دور کے ثقلین جن و انس کے لیے رحمت قرار دے کر رحمۃ للعالمین کہا تو اب وزن برابر ہو گیا اور بڑائی چھوٹائی کا فرق بھی رخصت۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تفسیر جلالین تو وہ سمجھے جو کلامِ الٰہی سمجھنے کے لیے تفسیر پڑھے، جو تلاش توہین کی نظر سے دیکھے وہ جلالین شریف کو کیا سمجھے۔ جلالین میں عالمین سے جن و انس مراد لے لیا، بس وہابیہ دیوبندیہ کو تنقیص و توہین کا موقع مل گیا کہ بس حضور کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ آپ صرف جن و انس کے لیے رحمت ہیں اور یہ ہر ولی و غوث (گنگوہی و تھانوی) کے لیے ہو سکتا ہے۔ لیکن جو کلامِ پاک سمجھنے کے لیے جلالین شریف پڑھتا

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید ملخصًا، ص:۳٤/ ص:٤۲، ناشر احیاء العلوم، مبارکپور

ہے وہ جانتا ہے کہ آیتِ کریمہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ میں حضور کی رسالت تبلیغی کا بیان ہے اور جلالین شریف کا مطلب یہ ہے کہ اے محبوب اگرچہ آپ کی رحمت ہر ماسوی اللہ کو شامل ہے دنیا و آخرت کا ایک ذرہ بھی اس سے خارج نہیں، خارج کیسے ہو سکتا ہے۔ معراج میں خداوند قدوس نے فرمایا:

یا محمد انا و انت و ما سوی ذلك خلقته لا جلك. (۱) اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فرمایا کہ اے محبوب میں اور تو اور تیرے سوا جو کچھ ہے تیرے صدقہ میں پیدا کیا۔

اور آپ کی رسالتِ تشریفی بھی عام ہے۔ ہر شے کو شامل ہے۔ حدیث میں خود ارشاد فرمایا:

ارسلت الی الخلق کافة. (۲) میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔

مگر رسالتِ تکلیفی امر و نہی الٰہی کی تبلیغ، احکام خداوندی، حرام و حلال کا پہنچانا اور مکلف بنانا، یہ جن و انس کے لیے ہے یہاں رسالتِ تکلیفی کے اعتبار سے آپ کو جن و انس کے لیے رحمت کہا۔ اگر رحمۃ للعالمین کے اسی معنی رسالت تبلیغی کے اعتبار سے کسی خاص دور کے جن و انس مراد لے کر کسی ولی و غوث (تھانوی و گنگوہی) پر رحمۃ للعالمین کا اطلاق جائز قرار دیتے ہو تو اس ولی و غوث کو نبی و رسول بھی ضرور ماننا پڑے گا اور تم سے بھی کیا بعید ہے۔ تھانوی صاحب تو "اشرف علی رسول اللہ" کہنے والے کو اور اپنے اوپر درود خوان کو تسلی و تسکین دیا ہی کرتے ہیں۔ بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن۔

اس کے بعد رہبر صاحب فرماتے ہیں:

"خلاصۂ کلام یہ کہ فتاویٰ رشیدیہ کی مذکورہ بالا عبارت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمۃ للعالمینی کی خصوصیت سے انکار نہیں کیا گیا ہے۔" (۳)

واہ رے خوش فہمی۔ گنگوہی جی کی روح سیکڑوں کوسنے دیتی ہوگی۔ کہتی ہوگی کم بخت تو تو نرا کپوت ہی نکلا، بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ ارے بے تمیز میں نے تو چاہا تھا کہ اس خصوصیت ہی کو اڑا دوں اور ہم سب رحمۃ للعالمین بن جائیں مگر تو نے یہ کیا کہہ دیا کہ خصوصیت سے انکار نہیں۔ ارے بیوقوف میں تو صاف لکھ چکا تھا کہ یہ صفت خاصہ نہیں، اور یہ تاویل کی قید تو ڈھکوسلے بازی تھی کہ کہیں عوام بھڑک نہ جائیں۔

رہبر صاحب کی ابھی تسکین نہیں ہوئی، ابھی اور بھی حجت کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

"اخیر میں اتمامِ حجت کے لیے ہم شیخ سعدی (کی مشہور و معروف کتاب بوستاں سے ایک ایسا شعر پیش کرتے ہیں جس میں انھوں نے اپنے بادشاہ کی تعریف کرتے

---

(۱) شیخ احمد المعروف بہ ملا جیون، تفسیرات احمدیہ، ص: ۳۳۰

(۲) امام مسلم بن حجاج قشیری، صحیح لمسلم، کتاب المساجد، ج: ۱، ص: ۱۹۹، مجلس برکات، مبارکپور

(۳) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ۴۲، ناشر احیاء العلوم، مبارکپور

ہوئے اس کو رحمۃ للعالمین کہا ہے“ ۔

توئی سایۂ لطفِ حق برزمیں پیمبر صفت رحمۃ العالمیں (۱)

رہبر صاحب کو یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ یہاں گفتگو کس بات پر ہے۔ گفتگو یہ ہے کہ یہ حضور کی صفت خاصہ ہے یا نہیں اور اصلی معنیٰ کے لحاظ سے غیر پر اطلاق جائز ہے یا نہیں، مگر اپنی بے تمیزی سے اس شعر کو اپنی آخری حجت قرار دیتے ہیں۔ بھلا اس شعر کو مبحث سے کیا تعلق۔ پھر یہ کہ دیوبندی ملعون کو رحمۃ للعالمین بنانے کے نشہ میں رہبر صاحب پر وہ بے خودی طاری ہوئی کہ استدلال کے اصول اور قواعد تو درکنار لفظ تک یاد نہ رہا۔ دعویٰ تو لفظ رحمۃ للعالمین کے جواز کا ہے اور بوستاں کے شعر میں وہ لفظ ہی نہیں بلکہ رحمۃ العالمین ہے، اسی کو دلیل بنالیا۔ حالاں کہ دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے لفظ بدلنے سے اطلاق جائز ہوجاتا ہے۔ مثلاً عالم الغیب خدا کے سوا دوسرے کو کہنا جائز نہیں اور عالمِ غیب، غیب داں نبی ﷺ کو کہنا جائز ہے۔ اسی طرح جب شعر میں لفظ بدل گیا تو اطلاق جائز ہوا۔ اس سے رحمۃ للعالمین کا جواز کدھر سے کود آیا اور اگر لفظ کے اس بین فرق سے آنکھیں بند بھی کرلو تب بھی اس شعر سے استدلال صحیح نہیں، اس لیے کہ شعر میں دو احتمال ہیں۔ اول یہ کہ توئی کی جس طرح پیمبر صفت خبر ہے، رحمۃ العالمین بھی اسی کی خبر ہو۔ اس تقدیر پر رحمۃ العالمین کا اطلاق بادشاہ پر ہوگا، دوسرا احتمال جو قریب وظاہر ہے کہ رحمۃ للعالمین پیغمبر کی صفت ہو، اس تقدیر پر بادشاہ پر رحمۃ للعالمین کا اطلاق ہی نہیں ہے، بلکہ پیمبر پر ہے اور شعر کے معنی یہ ہیں کہ اے بادشاہ تو زمین پر عنایتِ الٰہی کا سایہ ہے اور تو پرتو ہے اس نبی کا اور تجھ میں صفت ہے اس نبی کی جس کا لقب رحمۃ للعالمین ہے۔ شعر میں جو ایک احتمال بعید تھا اس احتمال سے استدلال کرنا یہ اصولی غلطی ہے۔ احتمال سے استدلال ہوتا ہے یا احتمال استدلال کو باطل کردیتا ہے۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ مگر رہبر صاحب کو اصول وقواعد سے کیا علاقہ، وہ تو دیوبندی رہبر ہیں۔

آپ نے حسب عادت یہاں بھی مدائح کا یہ شعر پیش کیا ہے ۔

آیتِ فضلِ خدا دیکھا تجھے رحمتِ ربِ وریٰ دیکھا تجھے

حیرت ہے اس شعر کو اس موقع پر پیش کرنا انتہائی جہالت وحماقت نہیں تو غایت تعصب وحق پوشی وباطل کوشی کے سوا اور کیا ہے۔ رحمت رب وریٰ کا معنیٰ اللہ کی رحمت ہے۔ اللہ کی رحمت کا اطلاق ہر فضل وکمال پر ہر نعمت پر ہوتا ہے۔ علم وعقل کو اللہ کی رحمت کہا جاتا ہے، حسن وجمال کو اللہ کی رحمت کہتے ہیں، علماے دین کے وجود کو اللہ کی رحمت کہتے ہیں۔ کیا اس سے دیوبندی مُلّے رحمۃ للعالمین ہوجائیں گے۔ رحمت رب العالمین ورحمۃ للعالمین کو ایک سمجھنا یہ رہبر صاحب کے کچھ دے کر پڑھنے کا نتیجہ ہے۔ لاحول ولاقوۃ إلا باللہ۔ اس فاضل اجل کو تو گنگوہی صاحب کا جانشین بنانا چاہیے تھا، ورنہ کم سے کم دیوبند کا صدر مدرس تو ضرور ہی کردیا جاتا۔

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید ملخصاً، ص:۲٤/ ص:٤٢، ناشر احیاء العلوم، مبارکپور

(۱۲)

دیوبندی حضرات کے نزدیک شہیدانِ کربلا کا مرثیہ جلانا یا دفن کرنا چاہیے

علماے دیوبند کے نزدیک شہیدانِ کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مرثیہ کا جلانا یا زمین میں دفن کرنا ضروری ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ کا سوال وجواب ملاحظہ ہو۔

"سوال: مرثیہ جو تعزیہ وغیرہ میں شہیدانِ کربلا کے پڑھتے ہیں اگر کسی شخص کے پاس ہوں وہ دور کرنا چاہے تو ان کو جلا دینا مناسب ہے یا فروخت کرنا۔ فقط
الجواب: ان کو جلا دینا یا زمین میں دفن کرنا ضروری ہے۔"(۱)

اس پر المصباح الجدید میں مواخذہ کیا گیا کہ جب شہیدانِ کربلا کا مرثیہ جلا دینا اور زمین میں دفن کر دینا ضروری ہوا تو گنگوہی صاحب کا مرثیہ لکھنا اور چھپوا کر شائع کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

رہبر صاحب اس کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

"کہ سوال میں ہر مرثیہ کا ذکر نہیں بلکہ خاص ان مرثیوں کا ہے جو تعزیوں کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں اور یہ مرثیہ عام طور پر روایاتِ کاذبہ اور حکایاتِ واہیہ سے پر ہوتے ہیں۔ چناں چہ آپ کے بانی مذہب مولوی احمد رضا خان صاحب رسالہ فتاویٰ تعزیہ داری میں فرماتے ہیں، کتب شہادت جو آج کل رائج ہیں اکثر حکایات موضوعہ و روایاتِ باطلہ پر مشتمل ہیں۔ یوں ہی مرثیے ایسی چیزوں کا پڑھنا سننا گناہ ہے۔ حدیث میں ہے: نهىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المراثى۔ بہر حال گنگوہی صاحب نے جس مرثیہ کو جلا دینے یا دفن کر دینے کا حکم دیا وہ یہی مرثیہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور آپ کے اعلیٰ حضرت نے گناہ اور حرام لکھا ہے۔"(۲)

خلاصہ یہ کہ سوال میں ہر مرثیہ کا ذکر نہیں، بلکہ خاص ان مرثیوں کا سوال ہے جو تعزیوں کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں اور وہ جھوٹی روایتوں سے پر ہوتے ہیں، اسی لیے انھیں مرثیوں کے جلانے کا حکم دیا ہے۔

ناظرینِ کرام! ذرا سوال کو بغور ملاحظہ فرما کر دیوبندی دیانت کی داد دیں۔ سوال میں ہے: مرثیہ جو تعزیہ وغیرہ میں شہیدانِ کربلا کے پڑھے جاتے ہیں، مگر رہبر صاحب "وغیرہ" کو ہضم کر کے دن میں اندھے بن رہے ہیں اور کہتے ہیں

---

(۱) مولوی رشید احمد گنگوھی، حصوہ سوم، ص: ۱۰۳، ص: ۵۷۷، مبوب بطرز جدید، ایم. ایس. پبلشر، دیو بند
(۲) مولوی محمد حنیف رهبر، مقامع الحدید ملخصاً، ص: ۳۵/ ص: ۴۳، ناشر احیاء العلوم، مبارکپور

کہ سوال میں خاص ان مرثیوں کا ذکر ہے جو تعزیوں کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔ سفید جھوٹ اسی کا نام ہے۔ سوال میں لفظ "وغیرہ" بتارہا ہے کہ سوال شہیدانِ کربلا کے ہر مرثیہ کے متعلق ہے خواہ کہیں پڑھا جائے اور عام ازیں کہ وہ صحیح ہو یا غلط اور گنگوہی صاحب کا جواب "جلا دینا، زمین میں دفن کر دینا ضروری ہے۔" ہر مرثیہ کے لیے ہے۔ کیوں کہ جواب میں کوئی تفصیل و تخصیص نہیں اور سوال میں تعمیم ہے۔ لہٰذا گنگوہی صاحب کے جواب کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ شہیدانِ کربلا کا ہر مرثیہ خواہ وہ صحیح ہو یا غلط، تعزیہ میں پڑھا جائے یا کہیں اور، ہر مرثیہ کا جلانا یا زمین میں دفن کرنا ضروری ہے۔ اس کو اعلیٰ حضرت کے رسالہ کی عبارت جو دیوبندی عادت کے مطابق قطع و برید کر کے نقل کی ہے کیا مفید ہو سکتی ہے۔ اس عبارت میں تو صرف جھوٹی اور باطل روایتوں کے پڑھنے کی ممانعت ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحیح روایتوں کا پڑھنا جائز ہے، خواہ وہ مرثیہ ہی ہوں۔ چناں چہ اسی رسالہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے نہایت تفصیل کے ساتھ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر خیر اور مرثیہ کا پڑھنا جو صحیح ہو، حسن و محمود لکھا ہے۔ جس کو خود دیوبندی رہبر نے ص: ۱۳ر میں درج کیا ہے۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے کلام کو سند بنانا دیوبندی کی بدحواسی ہے۔

(۱۳)

دیوبندی حضرات کے نزدیک گنگوہی صاحب کا مرثیہ مشتہر کرنا ضروری ہے

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرثیہ کے لیے تو علمائے دیوبند کا یہ فتویٰ کہ جلا دینا یا زمین میں دفن کر دینا ضروری ہے۔ مگر دیوبندیوں کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب نے گنگوہی صاحب کا مرثیہ لکھا، پڑھا، پڑھوایا، چھپوایا، شائع کیا۔ سارے دیوبندی مولوی اس سے متفق ہیں۔ اس کا جلانا اور زمین میں دفن کرنا تو درکنار کسی نے اس کی کراہت کا بھی فتویٰ نہ دیا۔ آخر یہ گنگوہی عقیدت اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عداوت نہیں تو اور کیا ہے۔ المصباح الجدید کا یہی مواخذہ ہے۔ دیوبندی رہبر اس کا جواب دیتے ہیں:

> "کہ جو مرثیہ جھوٹی روایتوں سے پاک ہو اور اس سے ماتم وغیرہ مقصود نہ ہو وہ جائز ہے۔ اس پر اعلیٰ حضرت (کا یہ فتویٰ نقل کیا۔
>
> جو مجلس ذکر شریف حضرت سیدنا امام حسین و اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ہو، جس میں روایاتِ صحیحہ معتبرہ سے ان کے فضائل و مقامات و مدارج بیان کیے جائیں اور ماتم و تجدید غم وغیرہ امور مخالفہ شرع سے یکسر پاک ہو، یہ بنفسہ حسن و محمود ہے، خواہ اس میں نثر پڑھیں یا نظم، اگرچہ وہ نظم بوجہ ایک مسدس ہونے کے جس میں ذکر حضرت سید الشہدا ہے عرف حال میں بنام مرثیہ مشہور ہو کہ اب یہ وہ مرثیہ نہیں جس کی نسبت ارشاد ہے: نہیٰ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المراثی. واللہ تعالیٰ اعلم۔"(۱)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بالکل حق فرمایا۔ حضرت امام حسین ا کے ذکر خیر کی مجلس کو آپ کے مرثیہ کو جو صحیح روایت کے ساتھ ہو حسن ومحمود باعث ثواب فرمایا امور مذمومہ نامشروعہ کے ساتھ ممنوع بتایا۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ مگر گنگوہی صاحب نے تو حضرت امام حسین ا کے مرثیہ کو مطلقاً بلا تخصیص وتفریق جلانا وزمین میں دفن کرنا ضروری کردیا، جس کی تفصیل ماقبل میں گزری۔ پھر گنگوہی صاحب کے مرثیہ کے جائز کرنے کے لیے یہ تفصیل کیوں کر مفید ہوسکتی ہے اگر یہ کہو کہ شہیدانِ کربلا کے سب مرثیوں میں جھوٹی روایتیں درج ہیں تو یہ بالکل سفید جھوٹ ہے۔ شہدائے کربلا کے بہت سے مرثیے ایسے ہیں جو بالکل صحیح اور قطعاً واقعہ کے مطابق ہیں۔

نیز صحیح وغلط کا فرق تو اس وقت بحث میں لایا جاسکتا تھا جب گنگوہی جی کا مرثیہ بالکل صحیح ہی ہوتا۔ مرثیہ گنگوہی تو خود اکاذیب کا دفتر اور جھوٹ کا طومار ہے۔ اسی مرثیہ میں گنگوہی صاحب کو مربی اسلام کہا، بانی اسلام کا ثانی بتایا، ان کے کالے کالے بندوں کو یوسف ثانی کہا، گنگوہی صاحب کو مردے جلانے والا اور زندوں کو موت سے بچانے والا بتایا، ان کی آوز کو لحن داؤد کہا، ان کی غلامی کو مسلمانی کا تمغہ قرار دیا۔ وغیر ذلک من الخرافات۔

باوجود اس جھوٹ اور لغویت کے مرثیہ گنگوہی کا لکھنا پڑھنا، پڑھوانا، چھپوانا، بیچنا، اشاعت کرنا سب جائز اور حضرت امام حسین ا کے مرثیہ کا جلا دینا وزمین میں دفن کرنا ضروری۔

سوائے اس کے کہ گنگوہی عقیدت کا نشہ اور حضرت امام عالی مقام کی عداوت کا خمار ہو، کیا کہا جاسکتا ہے

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت　　　که با کے باختی عشق در شب دیجور

المصباح الجدید کا یہی اعتراض ہے جس کا دیوبندیوں کے پاس کوئی جواب نہیں۔

(۱۴)

دیوبندی حضرات کے نزدیک محرم میں سبیل وغیرہ لگانا حرام ہے

ماہِ محرم میں ذکر شہادت حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحیح واقعات کے ساتھ بیان کرنا، سبیل لگانا، چندہ سبیل میں دینا، شربت پلانا، بچوں کو دودھ پلانا علمائے دیوبند کے نزدیک حرام ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم، ص:۱۱۱ پر ہے۔

"محرم میں ذکرِ شہادتِ حسنین علیہما السلام کرنا اگرچہ بروایتِ صحیحہ ہو یا سبیل لگانا، شربت پلانا، چندہ سبیل اور شربت میں دینا یا دودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہیں۔ فقط۔"

صاحب مقامع الحدید نے اس پر یہ ملمع سازی کی: "چوں کہ ماہِ محرم میں ان کے

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید ملخصاً، ص:۳۶/ ص:٤٤، ناشر احیاء العلوم، مبارکپور

کرنے سے روافض کے ساتھ ایک گونہ تشبہ ہوتا ہے اس لیے ناجائز ہے اور اس کی تصریح بعض علماے سلف نے بھی کی ہے۔ چناں چہ اصول صفار میں ہے:

سئل عن ذکر مقتل الحسین في یوم عاشوراء: یجوز أم لا؟ قال: لا لان ذلك من شعائر الروافض.(۱)

ان سے سوال کیا گیا کہ عاشورا کے دن ذکرِ شہادتِ حسین جائز ہے یا نہیں، فرمایا ناجائز ہے، کیوں کہ یہ روافض کے شعائر میں سے ہے۔

اب فرمائیے کیا امام صفار آپ کے نزدیک وہابی دیوبندی ہیں؟ تعجب ہے کہ آپ ایک مدرسہ کے صدر مدرس ہیں اور اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ ایک مباح چیز بھی اہل ضلال کے تشبہ کی وجہ سے ناجائز ہو جاتی ہے۔"(۲)

رہبر صاحب! ہم اس حقیقت سے خوب واقف ہیں، ہمیں معلوم ہے کہ بے دین امور خیر کو ناجائز و حرام کرنے کے لیے بہانے بناتے ہیں، تشبہ کی تہمتیں تراشتے ہیں۔ ہم آپ کے امام صفار کو بھی خوب جانتے ہیں۔ وہ یقیناً آپ کے اور تمام دیوبندیوں کے پیشوا ہیں، اس لیے کہ وہ خارجی ہے، جس کی موت ۲۶۵ھ میں ہوئی قاموس میں ہے:" والصفار لقب یعقوب ابو یوسف الصفار خارجی المشهور توفی فی ۲٦٥ھ." اس کے ہر قول پر تمہارا ایمان ہونا ہی چاہیے۔ مگر کسی خارجی بے دین کے کہنے سے یہ امور خیر رافضیوں کا شعار نہیں ہو جائیں گے۔ صرف اس لیے کہ رافضی ان کاموں کو کرتے ہیں لہٰذا ان کا شعار ہو گیا۔ اگر ایسا ہے تو رافضی اور بھی تو بہت سے کارِ خیر کرتے ہیں، اگر محض ان کے کرنے سے وہ انکا شعار ہو جائیں تو دیوبندی بہت سے حرام کے مرتکب ہوئے۔

نادانو! شعار کا کوئی معیار بھی ہے۔ کم از کم وہ فعل ان کے ساتھ مختص ہو، ان کی مذہبی علامت ہو، جب شعار ہوگا۔ ماہِ محرم میں یہ امورِ خیر رافضیوں کے ساتھ کہاں مختص ہیں۔ سوائے بے دین وہابیوں خارجیوں کے بکثرت مسلمان ان افعال حسنہ کو بجالاتے ہیں۔ اکابر اہل سنت کا یہ طریقہ رہا ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر سال عشرۂ محرم میں مجلس ذکر شہادت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیا کرتے تھے۔ خود ان کے فضائل و ذکر شہادت بیان فرماتے۔ سیکڑوں ہزاروں کا مجمع ہوتا، جائز مرثیہ بھی پڑھا جاتا تھا۔ شاہ صاحب پر رقت طاری ہوتی، سامعین بھی روتے تھے۔ دیکھو حضرت شاہ صاحب خود اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

"در تمام سال دو مجلس در خانہ فقیر منعقد می شوند مجلس ذکر وفات شریف و مجلس شہادت حسنین۔ اول

سال بھر میں دو مجلسیں فقیر کے یہاں ہوتی ہیں، ایک مجلس وفات شریف دوسری مجلس شہادت رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اول

(۱) مولوی رشید احمد گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ کامل، ص:۱۳۹، ناشر مکتبہ تھانوی، دیو بند

(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید ملخصاً، ص:۳٦/ ص:٤٥، ناشر احیاء العلوم، مبارک پور

کہ مردم روزِ عاشورہ یا یک دو روز پیش ازیں قریب چہار صد کس یا پنج صد بلکہ ہزار فراہم می آیند و درود می خوانند بعد ازاں کہ فقیر می آید می نشیند ذکر فضائل حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ در حدیث شریف وارد شدہ در بیان می آید و آنچہ در احادیث و اخبار شہادت این بزرگان و تفصیل بعضے حالات و بد آمالی قاتلان ایشاں وارد شدہ نیز مذکور می شود بایں تقریب بعضے شدائد کہ در جناب ایشاں گزشتہ از روئے احادیث معتبرہ بیان کردہ می شود، دریں ضمن بعضے مرثیہ ہاکہ از مردم غیر یعنی جن و پری حضرت ام سلمہ و دیگر صحابہ شنیدہ اند نیز مذکور می شود۔

خواب ہائے متوحش کہ حضرت ابن عباسؓ و دیگر صحابہ دیدہ اند و دلالت بر فرط حزن و اندوہ روح مبارک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم می کنند مذکور می گردد۔

بعد ازاں ختم قرآن مجید و پنج آیت خواندہ بر ماحضر فاتحہ نمودہ می آید۔ و دریں بین اگر شخصے خوش الحان سلام می خواند یا مرثیہ مشروع ایں اتفاق می شود ظاہر است کہ دریں بین اکثر حضار مجلس را و این فقیر را ہم رقت و بکا لاحق می شود۔

ایں ست قدرے کہ بعمل می آید پس اگر ایں چیزہا نزد فقیر بہمیں وضع کہ مذکور شدہ جائز نمی بود اقدام براں اصلاً نمی کرد۔ (۱)

کہ دسویں محرم کو یا اس سے ایک دو روز پہلے قریب چار سو آدمی کے یا پانسو کے بلکہ ہزار جمع ہوتے ہیں اور درود پڑھتے ہیں، اس کے بعد فقیر آکر بیٹھتا ہے اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فضائل جو حدیث شریف میں وارد ہوئے، بیان میں آتے ہیں اور ان بزرگوں کی شہادت کی خبریں جو احادیث میں وارد ہوئیں اور بعض حالات کی تفصیل اور قاتلوں کا خراب انجام مذکور ہوتا ہے۔ اس تقریب میں بعض سختیاں جو ان کے جناب میں گزریں احادیث معتبرہ سے بیان کی جاتی ہیں۔ اس درمیان میں بعض مرثیے جو حضرت ام سلمیٰ اور دوسرے صحابہ نے جن و پری سے سنے ہیں مذکور ہوتے ہیں۔

اور وہ پریشان خواب جو حضرت ابن عباس اور دوسرے صحابہ نے دیکھے ہیں اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے روحِ مبارک کے رنج و اندوہ پر دلالت کرتی ہیں، ذکر کی جاتی ہیں۔

بعد اس کے ختم قرآن مجید اور پنج آیت پڑھ کر ماحضر پر فاتحہ کی جاتی ہے اور اس درمیان میں اگر کوئی شخص خوش الحان سلام پڑھے یا مرثیہ جائز اس کا اتفاق ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس درمیان میں اکثر حاضرین مجلس کو اور اس فقیر کو رقت اور رونا بھی لاحق ہوتا ہے۔

یہ وہ قدر ہے جو عمل میں آتی ہے، اگر یہ چیزیں اسی وضع مذکور کے ساتھ فقیر کے نزدیک جائز نہ ہوتیں تو ان پر ہر گز اقدام نہ کرتا۔

حضرت شاہ صاحب کی اس تصریح نے آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا کہ عشرۂ محرم میں ذکر شہادت حسنین و دیگر امور خیر رافضیوں کے ساتھ مختص نہیں بلکہ اکابر اہل سنت کا معمول ہے۔ لہٰذا اس کو رافضیوں کا شعار کہنا باطل محض اور

(۱) شاہ عبد العزیز محدث دھلوی، فتاویٰ عزیزی، ج: اول، ص: ۱۰۴، ۱۰۵، گل پبلشرز، پشاور، پاکستان

ان کے امور خیر کو حرام کرنے کا حیلہ ہے۔ ایسے ہی حیلہ بازی، بہتان طرازی پر دیوبندی مذہب کا مدار ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا بھی وہی فتویٰ ہے جو حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی (کا ہے۔ یعنی عشرۂ محرم میں ذکر شہادت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بروایت صحیحہ خواہ مرثیہ ہی ہو جب کہ امور مذمومہ ممنوعہ سے خالی ہو حسن و محمود ہے۔ جس کی مفصل عبارت ص: ۱۳۰ میں درج ہے۔ مگر دیوبندی رہبر نے اس جگہ خیانت سے اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کی صرف آدھی عبارت نقل کی جس میں عوام مجلس خواں کے بتصنع رونے اور بہ تکلف رلانے کی شناعت کا ذکر ہے اور اس کے بعد کی عبارت جس میں ذکر شہادت عشرۂ محرم میں جب کہ ممنوعات شرعیہ سے خالی ہو، جائز لکھا ہے۔ اس عبارت کو از راہِ خیانت چھوڑ دیا تاہم جس قدر عبارت نقل کی ہے، اس میں بھی عشرۂ محرم میں ذکر شہادت کی ممانعت ہر گز نہیں، نہ یہ کہ ماہِ محرم میں ذکر شہادت حسنین و دیگر امور خیر رافضیوں کا شعار ہے، پھر اس سے گنگوہی فتوے کو کیا تقویت پہنچی۔ گنگوہی صاحب تو ذکر شہادت حسنین بروایت صحیحہ اور سبیل و شربت و دودھ وغیرہ سب کو تشبہ روافض کے حیلہ سے یک قلم حرام کر رہے ہیں۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت کے فتوے کی عبارت اس جگہ پیش کرنا سخت نادانی و فریب کاری ہے۔

(۱۵)

دیوبندیوں کے نزدیک ہولی دیوالی کا کھانا جائز ہے

وہابیہ دیوبندیہ کے نزدیک محرم کا تو شربت اور دودھ تک بھی حرام (جس کا ثبوت ما قبل میں گزرا) مگر ہولی دیوالی کا ہر کھانا بطور تحفہ جائز اور درست جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ، ج: دوم، ص: ۱۰۷ پر ہے:

> ”مسئلہ۔ ہندو تیوہار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھیلیں یا پوری یا اور کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں، ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاد و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟
>
> الجواب: درست ہے۔ فقط، انتہی۔ (۱)

ہولی دیوالی کے ہر کھانے کو جو شخص بلا تخصیص جائز و درست اور تحفہ بتائے وہ محرم کے شربت دودھ تک کو بھی حرام کہے، تعجب ہے! اس دودھ و شربت میں کوئی ناجائز چیز نہیں ملی سوائے اس کے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس کی نسبت ہو گئی اور نسبت ہولی دیوالی کے کھانے میں بھی موجود ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ اس کو ہولی دیوالی کی طرف نسبت ہے، اس کو حضرت امام حسین کی طرف۔ اب اس کو درست اور اس کو حرام کہنے کا سبب سوائے ہولی دیوالی کی عقیدت اور امام عالی مقام کی عداوت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ المصباح الجدید کا یہی مواخذہ ہے۔ صاحب مقامع

---

(۱) مولوی رشید احمد گنگوھی، فتاویٰ رشیدیه کامل، ص: ۵۷۵، ناشر مکتبه تهانوی، دیو بند

نے اس کے جواب میں جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

" وجہ فرق نسبت نہیں بلکہ محرم کے شربت اور دودھ میں رافضیوں کے ساتھ تشبہ ہے اور ہولی دیوالی میں ہندوؤں کا تحفہ لے لینے میں ان کے ساتھ تشبہ نہیں اور کہا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی غیر مسلموں کے اس تحفہ کا لینا تیوہار کے دوسرے دن جائز لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ملفوظات، حصہ اول۔ ص:۱۰۳۔

"عرض۔ کافر جو ہولی دیوالی میں مٹھائی وغیرہ بانٹتے ہیں مسلمانوں کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

ارشاد: اس روز نہ لے ہاں دوسرے روز دے تو لے لے۔"(۱)

نمبر(۱۴) میں ثابت ہو چکا کہ محرم میں ذکر شہادت حسنین وغیرہ امورِ خیر اکابر اہل سنت کا طریقہ ہے۔ اس کو رافضیوں کا شعار کہنا خارجیوں کا قول ہے اور تشبہ کی تہمت تراشنا وہابیہ دیوبندیہ کا فریب ہے، لہٰذا اصل وہی نسبت ہی رہی، سوال میں مذکور نہ ہونے سے واقعہ میں نسبت کی نفی نہیں ہو سکتی اور نسبت ہولی دیوالی کے کھانے میں بھی موجود ہے۔ پھر اس کو جائز و درست اور تحفہ بتانا ہولی دیوالی کی عقیدت نہیں تو اور کیا ہے۔

دیوبندی رہبر نے فریب دہی کے لیے اعلیٰ حضرت کے ارشاد کی صرف آدھی عبارت نقل کی اور بعد کی عبارت جس کا ماقبل سے نفی اور اثبات کا تعلق ہے، چھوڑ دی۔ نقل عبارت میں خیانت اسی کا نام ہے، جس کو دیوبندیوں نے اپنی عادت بنالیا ہے۔ اگرچہ نقل کردہ عبارت بھی گنگوہی صاحب کو مفید نہیں مگر پوری عبارت تو گنگوہی فتوے کا صریح رد ہے وہ یہ ہے:

"ارشاد- اس روز نہ لے ہاں اگر دوسرے روز دے تو لے لے نہ یہ سمجھ کر کہ ان خبثا کے تیوہار کی مٹھائی ہے بلکہ مالِ موذی نصیب غازی سمجھے۔" (۲)

دیوبندیو! آنکھیں کھولو، یہ ہے عالمِ ربانی کا جواب، تیوہار کے دن تو لینے ہی کو منع فرمایا اور دوسرے دنوں میں اجازت بھی دی تو مال موذی نصیب غازی سمجھ کر نہ کہ تیوہاری جان کر۔

گنگوہی صاحب کی طرح نہیں کہ تیوہار ہولی دیوالی میں لینا پھر بطور تحفہ لینا اور کھانا سب کو آنکھیں بند کر کے

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید ملخصاً، ص:۳۸/ ص:٤٦، ناشر احیاء العلوم، مبارکپور

(۲) امام احمد رضا قادری، ملفوظات شریف، حصہ اول، ص:۹۳، قادری کتاب گھر، اسلامیہ مارکیٹ، بریلی۔

درست کہہ دینا، نیز اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے محرم کے شربت و دودھ کو کہاں حرام لکھا ہے، جس کو گنگوہی صاحب تشبہ کی تہمت لگا کر حیلہ تراش کر حرام کہتے ہیں۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت کا ارشاد گنگوہی فتوے کا رد ہے۔ اس کو تائید میں پیش کرنا حماقت ہے۔

رہبر صاحب کا المصباح الجدید پر ایک بڑا بھاری اعتراض یہ ہے کہ "پہلا فتویٰ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم کا ہے اور دوسرا حصہ دوم کا ہے۔ دونوں کو جوڑ کر نتیجہ نکالا ہے، یہ شیطنت و افترا پردازی ہے۔" یعنی اگر یہ دونوں فتوے ایک ہی میں ہوتے تو اعتراض ہو سکتا تھا۔ جب دین جاتا رہتا ہے تو عقل بھی جاتی رہتی ہے۔ خود المصباح الجدید میں دونوں فتوے کی دو حصوں کی طرف نسبت موجود ہے اور ہم بتا چکے ہیں کہ تشبہ بہ روافض اس کو کہنا صریح جہالت ہے، پھر مابہ الامتیاز سوا اس نسبت کے کیا ہے۔ اس کو افترا کہنا دیوبندی شیطنت ہے۔

رہبر صاحب نے حسب عادت اس نمبر کے اعتراض کی بھی نقل تو کی جس کی عبارت (ہاں اگر ہمارے نزدیک) سے شروع کی مگر چوں کہ اس کا کذب و افترا آفتاب سے زیادہ ظاہر ہے، اس لیے خود ہی اس کو بد دیانتی و تہمت تراشی بتانا پڑا لہٰذا ہمیں اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

(۴)

دیوبندی حضرات کے نزدیک صحابہ کو کافر کہنے والا اہل سنت سے خارج نہیں

علمائے دیوبند کے نزدیک صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کافر کہنے والا اہل سنت و جماعت سے خارج نہیں۔ چناں چہ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم، ص:۱۱ پر ہے:

> "جو شخص صحابۂ کرام میں سے کسی کی تکفیر کرے وہ ملعون ہے۔ ایسے شخص کو امام مسجد بنانا حرام ہے۔ اور وہ اپنے اس کبیرہ کے سبب سنت جماعت سے خارج نہ ہوگا۔"

رہبر صاحب سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو اس کو کاتب کی غلطی بتا دیا۔ رہبری تو اچھی کی، کاش دیوبندیوں کو پچاس برس پہلے ایسا رہبر ہاتھ آگیا ہوتا تو سارے کفریات کا وبال زوال سے بدل جاتا۔ تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان وغیرہ کے تمام کفریات کو کاتب کے سر تھوپ دیا جاتا، بس قصہ تمام تھا۔

دیوبندی رہبر نے اس دعویٰ پر (کہ گنگوہی فتوے میں کاتب کی غلطی سے بجائے ہوگا کے نہ ہوگا لکھا گیا ہے) چار قرینے قائم کیے ہیں:

> "اول ایں کہ اصل عبارت میں اگر نہ ہوگا ہوتا تو آخری فقرہ کے شروع میں استدراک کا کوئی لفظ ہوتا اور عبارت اس طرح ہوتی، لیکن وہ اپنے اس کبیرہ کے سبب

اہل سنت سے خارج نہ ہوگا۔

دوم ایں کہ اس فتوے میں اس کو ملعون کہا ہے۔

سوم ایں کہ اس کے امام مسجد بنانے کو حرام قرار دیا ہے۔

چہارم علاوہ ازیں اسی حصہ میں ص:۴۰ر پر یہ فتویٰ ہے:

مسئلہ- رافضی تبرائی کے جنازہ کی جو نماز اصحاب ثلاثہ کی شان میں بے ادبی کرتا ہے، پڑھنی چاہیے یا نہیں۔

الجواب: ایسے رافضی کو اکثر علما کافر فرماتے ہیں، لہٰذا اس کی صلاۃِ جنازہ نہ پڑھنی چاہیے۔ بہر حال زیر بحث فتوے میں مطبع کی غلطی سے خارج ہوگا کے بجائے خارج نہ ہوگا چھپ گیا۔"(۱)

ناظرین کرام! دیوبندی قرینوں کی حقیقت نمبر وار ملاحظہ فرمائیں۔

اول- اگر یہ کہا جائے کہ نہ ہوگا کے ساتھ "لیکن" عبارت کی شستگی اور سلاست کے لیے ضروری تھا تو دیوبندیوں کی عبارت میں اور کون سی جگہ سلاست ہوتی ہے، کہاں یہ رعایتیں ملحوظ ہوتی ہیں۔ دیوبندیوں کو عبارت لکھنے کا سلیقہ ہی کب ہے؟ وہ تو جناتی بولا ہی کرتے ہیں، آپ کی یہی شمار کی عبارت اول ایں کہ، دوم ایں کہ، سوم ایں کہ بتائیے تو یہ "ایں" کیسی ہے۔ خود گنگوہی صاحب کے اسی فتوے کے چوتھے سوال کے جواب کو پڑھیے: (۴) اس وقت اور ان اطراف میں وہابی متبع سنت اور دین دار کو کہتے ہیں۔ باقی بندہ آپ کا دعا گو ہے۔

رہبر صاحب یہ "باقی" کون سی ہے جو گنگوہی صاحب نے یہاں نکالی ہے۔ دیکھا یہ تو اسی عبارت میں نمونۃً بتایا گیا اگر صرف فتاویٰ رشیدیہ ہی کی اردو غلطیوں کی فہرست گناؤں تو ایک کتاب ہو جائے اور اگر گنگوہی صاحب کو بڑھانا ہی چاہتے ہو اور عبارت کو قاعدہ کے مطابق ہی کرنا ہے، تب بھی یہی عبارت ہونا چاہیے کیوں کہ سائل دیوبندی ہے، اس نے جو سوال میں لفظِ "اور" کی رٹ لگائی تو تلک عشرہ کاملۃ سوال میں دس جگہ لفظ "اور" بولا۔ گنگوہی صاحب نے جواب دیا تو بڑوں کی بڑی بات صرف چودہ جگہ لفظ "اور" بولا۔ سوال میں تھا- اور وہ اپنے اس کبیرہ کے سبب سے سنت و جماعت سے خارج ہوگا یا نہیں۔ گنگوہی صاحب کو علم معانی کا مسئلہ صنعت مشاکلہ یاد آگیا۔ اس پر عمل کرتے ہوئے کہا: " اور وہ اپنے اس کبیرہ کے سبب سنت جماعت سے خارج نہ ہوگا۔ " لفظ لیکن ذکر کرنے میں یہ رعایت ہرگز نہیں ہو سکتی، لہٰذا کاتب کی غلطی ہرگز نہیں۔

دوم: ملعون کہنا ہرگز قرینہ نہیں ہو سکتا، کیوں کہ گنگوہی صاحب وصف عام پر لعنت کا حکم دے رہے ہیں (جو

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید ملخصاً، ص:۴۱/ ص:۴۹، ناشر احیاء العلوم، مبارک پور

شخص صحابۂ کرام میں سے کسی کی تکفیر کرے) اور وصف عام کے ساتھ فاسق پر بھی لعنت ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا: "لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ." [1] جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ کیا جھوٹا اہل سنت و جماعت سے خارج ہے جو قرینہ بن گیا؟

سوم: امام مسجد بنانا حرام ہے۔ یہ حکم تو ہر فاسق کا ہے، شراب خور، جوے باز، داڑھی منڈے کو بھی شامل ہے، کیا داڑھی منڈا وغیرہ اہل سنت و جماعت سے خارج ہیں جو حرمت امامت کو سنت جماعت سے خارج ہونے پر قرینہ بنا دیا۔

چہارم: ص: ۱۴۰ر پر فتوے میں رافضی تبرائی کو گنگوہی صاحب نے خود تو کافر کہا نہیں بلکہ اکثر علما کا قول بتایا ہے اپنی ذاتی رائے یہ بیان کی ہے (لہٰذا اس کی صلوٰۃ جنازہ نہ پڑھنی چاہیے) یہ تو بعض لوگوں نے بے نماز، سود خوار وغیرہ کے لیے بھی لکھا ہے، اگرچہ صحیح نہیں، پھر خارج ہونے پر قرینہ کیسے ہوا۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ گنگوہی صاحب اکثر علما کے خلاف نہیں کریں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ رافضی تبرائی گنگوہی صاحب کے نزدیک بھی کافر ہے اور کافر اہل سنت سے خارج ہے تو یہ خود گنگوہی صاحب ہی کے نزدیک غلط ہے۔ اس لیے کہ یہ جب صحیح ہو سکتا ہے کہ کفر و اسلام میں تباین مانا جائے اور کفر سنت جماعت کے ساتھ جمع نہ ہو سکے اور تقویۃ الایمان میں (جس کو گنگوہی صاحب عین اسلام فرماتے ہیں) کفر تو کفر، شرک اسلام کے ساتھ جمع ہے، بلکہ تقویٰ کو بھی ضرر نہیں پہنچاتا۔ دیکھو تقویۃ الایمان، مطبع نول کشور ص: ۲۰، فاسق موحد ہزار درجہ بہتر ہے متقی مشرک سے۔

دیکھا، دیوبندیوں کے ایمان میں شرک تقویٰ کے ساتھ جمع ہے۔ غور کرو شرک خاص ہے کفر سے، اور تقویٰ خاص ہے سنت و جماعت سے اور صدق خاص کو صدق عام لازم ہے، لہٰذا جب شخص واحد پر تقویٰ اور شرک کا صدق ہوا تو کفر اور سنت جماعت کا صدق بھی ضروری ہوا لہٰذا کفر اور سنت جماعت میں تباین نہ ہوا بلکہ تصادق ہوا تو اگر گنگوہی صاحب صحابہ پر تبرا کرنے والے کو کافر کہیں بھی تب بھی اہل سنت سے خارج ماننے پر قرینہ نہ ہوا۔ اور اگر اس گنگوہی اسلام، اور دیوبندی ایمان سے قطع نظر کرو اور تباین مان بھی لو تو زیادہ سے زیادہ اس فتوے، کا صفحہ ۱۴۰ر سے تعارض ہوگا اور تعارض اور تناقض گنگوہی فتوؤں کی سنت قدیمہ ہے۔ بطور نمونہ صرف ایک فتوے کے تعارض ملاحظہ ہوں۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم، ص: ۱۴ر پر سوال ہے:

"پڑھنا ان اشعار کا جن میں استعانت بغیر اللہ ہو کیسا ہے، مثلاً یہ شعر

یا رسول اللہ انظر حالنا　　　یا نبی اللہ اسمع قالنا
اِنَّنِیْ فِیْ بَحْرِ هَمٍّ مغرقٌ　　　خذ یدی سَهِّلْ لنا اشکالنا

پس یہ اشعار جائز ہیں یا شرک؟ ان اشعار کا پڑھنا اس ملک میں بہت رائج ہے،

---

(۱) قرآن الکریم، سورۃ آل عمران: ۳، آیت: ۶۱

مساجد اور خانقاہوں میں روبرو علما و مشائخ کے پڑھے جاتے ہیں اور کوئی تعرض نہیں کرتا۔ ملخصاً۔"

سوال میں غیر خدا سے مدد مانگنا، غیر خدا کو دور سے پکارنا، غیر خدا سے مشکلیں آسان کرانا، ایسے اشعار کا مجمعوں میں پڑھنا مذکور ہے، گنگوہی صاحب کا جواب ملاحظہ ہو۔

"ندا غیر اللہ کو کرنا دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرے۔ اشعار بزرگان فی حد ذاتہ نہ شرک، نہ معصیت ہاں بوجہ موہم ہونے کے مجامع میں کہنا مکروہ ہے کہ عوام کو ضرر ہے اور حد ذاتہ ابہام بھی ہے، لہٰذا ایسے اشعار کا پڑھنا منع نہ مؤلف پر طعن ہو سکتا ہے اور کراہت موہم ہونے کی بوجہ غلبہ محبت کے بنجر ہو جاتی ہے، مگر ایسی طرح پڑھنا کہ اندیشہ عوام کا ہو۔ بندہ پسند نہیں کرتا گو اس کو معصیت بھی نہیں کہہ سکتا۔"(۱)

دیکھیے یہاں سب کچھ جائز معصیت بھی نہیں ہے۔ اب گنگوہی تعارض ملاحظہ ہوں۔ انھیں امور کو حرام ناجائز معصیت وغیرہ فرماتے ہیں۔

تناقص:۱- حصہ اول، ص:۲۹۔ "مشابہ بہ شرک ہے کہ غیر اللہ تعالیٰ سے طلب حاجات ہے، معصیت سے خالی نہ ہوگا۔"(۲)

تناقص:۲- حصہ اول، ص:۳۰: "موہم الفاظ کا پڑھنا معصیت ہے"۔

تناقص:۳- حصہ اول، ص:۳۰: "اگر عالم الغیب و متصرف مستقل جان کر کہتا ہے تو خود شرک محض ہے اور جو یہ عقیدہ نہیں تو بھی ناجائز ہے۔"

تناقص:۴- ص:۳۰: "جو لفظ موہم معنی شرک ہو اس کا بولنا بھی ناروا ہے۔"

تناقص:۵- حصہ سوم، ص:۶: "اور مدد مانگنا اولیا سے حرام ہے۔"

تناقص:۶- حصہ سوم، ص:۶: "سو غیر اللہ سے مدد مانگنا اگرچہ ولی ہو یا نبی شرک ہے۔"

تناقص:۷- حصہ سوم، ص:۷: "جب انبیا علیہم السلام کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا۔"(۳)

تناقص:۸- حصہ سوم، ص:۱۶: "اور وجہ فسق کی احتمال فساد عقیدہ عوام اور اپنے اوپر تہمت شرک رکھنا ہے۔"

تناقص:۹- حصہ اول، ص:۸۸، "صاحب قبر سے کہے کہ تم میرا کام کر دو، یہ شرک ہے، خواہ قبر کے پاس کہے یا قبر سے دور کہے۔"

---

(۱) مولوی رشید احمد گنگوھی، فتاویٰ رشیدیہ مکمل ملخصاً، ص:۴۰، ۴۱، ناشر مکتبہ تھانوی، دیو بند

(۲) مولوی رشید احمد گنگوھی، فتاویٰ رشیدیہ مکمل ملخصاً، ص:۶۸، ناشر مکتبہ تھانوی، دیو بند

(۳) مولوی رشید احمد گنگوھی، فتاویٰ رشیدیہ مکمل ملخصاً، ص:۶۲، ناشر مکتبہ تھانوی، دیو بند

تناقض:۱۰- حصہ سوم، ص:۱۲۲: ''اس طور دعا کرنا اے صاحب قبر میرا کام کردے تو حرام اور شرک بالاتفاق ہے۔''(۱)

دیکھا یہ ہیں گنگوہی فتاویٰ جو حصہ سوم کے ص:۱۴۱ پر نہ شرک تھا نہ معصیت وہی دوسری جگہ شرک بھی ہے، حرام بھی، فساد عقیدہ بھی ہے، ناجائز بھی ہے، فسق بھی ہے، شرک کی تہمت بھی ہے۔

ایک بات اور سیکڑوں اس کے جواب ہم سے کچھ، غیروں سے کچھ، درباں سے کچھ

بخوفِ طوالت تلك عشرہ كاملہ پر نظر کرتے ہوئے صرف دس تعارض پر اکتفا کرتا ہوں، ورنہ گنگوہی فتووں کا یہ عالم ہے۔

تناقض کے پیچھے تعارض کا شور تعارض کی دم میں تناقض کی ڈور

اتنا ہی اس امر کے لیے کافی سے زیادہ ہے کہ ص:۲۰۴ کے فتوے میں گنگوہی صاحب صحابہ پر تبرا کرنے والے کو اگر کافر مان بھی لیں اور کافر و اہل سنت میں تباین بھی تسلیم کرلیں تب بھی فتویٰ زیر بحث میں کاتب کی غلطی نہیں ہو سکتی، بلکہ اصل میں خارج نہ ہوگا ہی مانا جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ اس فتوے اور ص:۲۰۴ میں تعارض ہوگا تو گنگوہی فتووں میں فی فتویٰ دس دس تعارض ہوتے ہی ہیں، لہٰذا اس تقدیر پر بھی کاتب کی غلطی کہنا غلط ہے۔ بفضلہ تعالیٰ دیوبندی رہبر کے چاروں قرینے جو کاتب کی غلطی پر قائم کیے تھے باطل اور ھباءً منثوراً ہوگئے۔ اب خارج نہ ہوگا پر قرینہ سنیے۔

❶-اسی عبارت میں ہے... وہ اپنے اس کبیرہ کے سبب سنت جماعت سے خارج نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ مطلق گناہ کبیرہ سے آدمی اہل سنت سے خارج نہیں ہوتا۔

❷-اگر گنگوہی صاحب کے نزدیک صحابہ کی تکفیر کرنے والا کافر تھا تو کافر کہتے ہوئے کیا مصیبت آئی تھی اور لفظ تو بہت سے بولے مگر کافر کہنے سے زبان دبا گئے: السکوت فی معرض البیان بیان۔ معلوم ہوا کہ خارج کرنا نہیں چاہتے، لہٰذا کاتب کی غلطی نہیں۔

❸-اسی فتوے میں ہے... ''جو شخص حضرات صحابہ کی بے ادبی کرے وہ فاسق ہے''۔ فقط اور فاسق جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے فاسق فی العمل ہی مراد ہوتا ہے اور فاسق فی العمل اہل سنت و جماعت سے خارج نہیں، لہٰذا کاتب کی غلطی نہیں۔

❹-خارج نہ ہوگا، پچاسوں برس سے مختلف مطبعوں میں چھپا، سارے دیوبندی کنبہ نے دیکھا پڑھا۔ گنگوہی صاحب یا کسی دیوبندی نے نہ اس کی تصحیح کی نہ تنبیہ۔ زبان کھولی نہ قلم اٹھایا۔ جب مواخذہ کیا تو کاتب کے سر تھوپ دیا۔ سبحان

(۱) مولوی رشید احمد گنگوهی، فتاویٰ رشیدیه مکمل ملخصاً، ص:٦٥، ناشر مکتبه تهانوی، دیو بند

اللہ کاتب کی غلطی ایسی ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی طبع میں کتابت کی غلطیوں کو دیوبندی اگر ایسے ہی چھپواتے اور خاموشی سے پڑھتے رہیں تو ضرور کہا جائے گا کہ دیوبندیوں کا قرآن اسی طرح ہے۔

۵- کاتب کی غلطی نہ ہونے پر ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اس موقع پر جب مواخذہ کیا گیا تو اصل فتوے یا گنگوہی کے مسودہ کا حوالہ دینا چاہیے تھا کہ اس میں ہوگا لکھا ہوا موجود ہے، اس کی طرف توجہ نہ کرنا اور ادھر ادھر کی لایعنی باتوں سے تاویل کرنا پتا دیتا ہے کہ گنگوہی صاحب نے وہی لکھا ہے جو چھپا ہے، کاتب کی غلطی نہیں ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ دیوبندیوں کے نزدیک صحابۂ کرام کو کافر کہنے والا مسلمان ہے، سنت جماعت سے خارج نہیں اور ''المصباح الجدید'' کے الزام کا دیوبندیوں کے پاس کوئی جواب نہیں۔

رہبر صاحب نے حسب عادت اس نمبر میں بھی نقالی کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

> ''اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے الکوکبۃ الشہابیۃ وغیرہ میں اسماعیل دہلوی کے کفریات شمار کرائے، نبی کریم ﷺ کو اذیت دینے والا، گالیاں دینے والا بتایا اور اس کو کافر نہیں کہا، بلکہ تمہید الایمان میں لکھ دیا اور میں اسماعیل دہلوی کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا۔''(۱)

چوں کہ دیوبندی نے اس کی تفصیل آخر میں لکھنے کا وعدہ کیا ہے، اس لیے ہم بھی یہاں اجمالی رد پر اکتفا کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت پر یہ اعتراض دیوبندیوں کی جہالت ہے، کفر فقہی اور کفر کلامی میں فرق نہ جاننے پر مبنی ہے۔ اس جہالت کا ایک شعبہ یہ ہے کہ الکوکبۃ الشہابیۃ اور تمہید الایمان میں فرق نہیں جانتے۔ الکوکبۃ الشہابیۃ کفر فقہی کے بیان میں ہے۔ اسماعیل دہلوی پر فقہی کفریات عائد ہیں۔ تمہید الایمان کفر کلامی کے بیان میں ہے۔ کفر فقہی سے بھی کافر کہنا جائز ہے ضروری نہیں۔ متکلمین محتاطین کف لسان کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی کمال احتیاط ہے کہ اسماعیل دہلوی کے سیکڑوں فقہی کفریات موجود ہوتے ہوئے کف لسان فرماتے ہیں، تمہید الایمان میں صرف کف لسان ہے، اسماعیل کو مسلمان کہاں لکھا ہے؟ یہ دیوبندیوں کا افترا ہے۔ جب تفصیل آئے گی افترا پردازیوں کا پردہ چاک کر دیا جائے گا۔

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ملخصاً، ص:۴۱/ ص:۵۱، ناشر احیاء العلوم، مبارک پور

(۱۷)

دیوبندی حضرات کے نزدیک علما کی توہین کرنے والا کافر ہے

علماے دیوبند کے نزدیک صحابہ کرام ؓ کی توہین و تحقیر ہی نہیں بلکہ تکفیر کرنے والا بھی کافر تو کجا سنت جماعت سے بھی خارج نہیں، جیسا کہ (۱۶) میں گزرا، مگر علما کی توہین و تکفیر کرنے والا کافر ہے۔ فتاواے رشیدیہ حصہ سوم ص:۱۶/ پر ہے:

"علما کی توہین و تحقیر کو چوں کہ علما نے کفر لکھا ہے جو بوجہ امر علم اور دین کے ہو، لہٰذا جب قیاس مجتہد حق کو ناحق کہا تو اہانت اس عالم کی کی امر دین و علم میں لہٰذا کفر ہوا۔"(۱)

جو شخص علما کی توہین و تحقیر کے کفر ہونے کا قائل ہو وہ صحابۂ کرام کی تکفیر پر بھی حکم کفر نہ دے، سنت جماعت سے خارج نہ کرے، سخت تعجب ہے۔ المصباح الجدید کا یہی اعتراض ہے۔

اس کا جواب تو دیوبندی مجیب سے نہ ہو سکا غصہ میں آکر پہلے خوب تبرابازی کی، پھر کہا کہ اس میں:

"گنگوہی صاحب نے اپنی ذاتی رائے نہیں لکھی بلکہ سائل کے استفسار پر فتاویٰ عالمگیری کے ایک مسئلہ کی توجیہ کی ہے۔ یہ معترض کی خیانت ہے، اس نے سوال کو نقل نہیں کیا وہ سوال و جواب یہ ہے۔

سوال: نواب قطب الدین خاں صاحب نے نقل عالمگیری سے کیا ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ قیاس امام ابو حنیفہ کا حق نہیں کافر ہوا اس کا کیا مطلب ہے؟ اور یہ قول صحیح ہے یا غیر صحیح۔ اس کے جواب میں گنگوہی صاحب نے فرمایا۔

جواب: علما کی توہین و تحقیر کو چوں کہ علما نے کفر لکھا ہے جو بوجہ امر علم کے اور دین کے ہو لہٰذا جب قیاس مجتہد حق کو ناحق کہا تو اہانت اس عالم کی کی امر دین و علم میں لہٰذا کفر ہوا۔"(۲)

رہبر صاحب تبرابازیاں تو آپ ہی کو مبارک ہوں۔ گالی گلوچ دیوبندیوں ہی کا شیوہ ہے، مگر آپ کو اول یہ ضرور بتانا پڑے گا کہ سوال نقل نہ کرنے میں خیانت کیسے ہوئی۔ کیا سوال نقل کرنے سے جواب بدل گیا اور علما کی توہین و تحقیر جو بوجہ امر علم اور دین کے ہو ایمان ہو گئی، اگر نہیں تو خیانت کیسے ہوئی۔ ع

---

(۱) مولوی رشید احمد گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ کامل، ملخصاً، ص:۵۷، ناشر مکتبہ تھانوی، دیوبند

(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ملخصاً، ص:۴۳/ ص:۵۱، ۵۲، ناشر احیاء العلوم، مبارک پور

بے حیا باش ہر چہ خواہی گو

دوسرے: آپ کا یہ کہنا کہ یہ جواب گنگوہی صاحب کی ذاتی رائے نہیں، اس سے فائدہ کیا۔ کیا ذاتی رائے اس کے خلاف ہے۔ کیا گنگوہی صاحب کے نزدیک علما کی توہین کفر ہوئی۔ اسی لیے جواب میں کہا، لہٰذا کفر ہوا۔

تیسرے: یہ کہ آپ نے جو گنگوہی تعریف کا لمبا چوڑا خطبہ پڑھا کہ فتاویٰ عالمگیری کے جزئیہ کی توجیہ کی ہے، اس سے کیا فائدہ ہوا، کیا اس سے اعتراض دفع ہو گیا۔ کیا محض جزئیہ کی توجیہ کر دی ہے۔ عقیدہ اس کے خلاف ہے۔ کیا گنگوہی صاحب بوجہ امر علم اور دین کے توہین و تحقیر کو ایمان سمجھتے ہیں۔

چوتھے: کیا فقہاے کرام نے صرف علما کی توہین و تحقیر کو کفر لکھا ہے، صحابہ کی توہین و تحقیر و تکفیر کو کفر نہیں لکھا، پھر گنگوہی صاحب نے صحابہ کی تکفیر کرنے والے کو کافر کیوں نہیں لکھا، کافر تو کافر اہلِ سنت سے بھی خارج نہ کیا۔

دیوبندیو! کان کھول کر سنو! نہ فتاویٰ عالم گیری کے مسئلہ پر اعتراض ہے، نہ بوجہ امر علم و دین کے توہین و تحقیر پر حکم کفر دینے پر اعتراض۔ المصباح الجدید کا اعتراض اس فرق پر ہے کہ صحابۂ کرام کی تو تکفیر کرنے والے کو بھی تمہارے گرو کافر نہیں کہتے، حتی کہ اہلِ سنت و جماعت سے بھی خارج نہیں کرتے اور علما کی توہین و تحقیر کرنے والے کو کافر کہتے ہیں۔ اس فرق میں سوائے اس کے کہ اپنا بچاؤ، اپنی عزت مقصود ہے، اپنی توہین کا دروازہ بند کیا ہے اور صحابہ سے کوئی تعلق اور لگاؤ نہیں اور کیا کہا جائے گا۔ المصباح الجدید کا یہی اعتراض ہے جس کا دیوبندیوں سے کوئی جواب نہ ہو سکا۔

(۱۸)

دیوبندی حضرات کے نزدیک مولود شریف کسی صورت میں جائز نہیں

علماے دیوبند کے نزدیک میلاد شریف کی مجلس منعقد کرنا مطلقاً حرام ہے اگرچہ اس میں قیام بھی نہ ہو، روایتیں بھی صحیح پڑھی جائیں اور کوئی امر بھی خلافِ شرع نہ ہو، پھر بھی ہر حال ناجائز ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم، ص: ۱۳۰ کا سوال و جواب ملاحظہ ہو:

"**سوال**: انعقادِ مجلسِ میلاد بدون قیام بروایت صحیح درست ہے یا نہیں؟

الجواب: انعقادِ مجلس مولود ہر حال ناجائز ہے تداعی امر مندوب کے واسطے منع ہے۔ فقط۔"(۱)

المصباح الجدید کا اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب گنگوہی صاحب مجلس میلاد کو مطلقاً حرام بتاتے ہیں تو دیوبندی مولوی قیام کا بہانہ کیوں بناتے ہیں؟ غلط روایتوں کی تہمت کیوں تراشتے ہیں۔ میلاد شریف کی مجلسوں میں کیوں شریک ہوتے ہیں؟ سنیوں میں جا جا کر میلاد شریف کیوں پڑھتے ہیں؟ نذرانہ کیوں وصول کرتے ہیں؟ یہ مذہب ہے یا شکم

(۱) مولوی رشید احمد گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ کامل، ملخصاً، ص: ۱۳۰، ناشر مکتبہ تھانوی، دیو بند

پروری، یہ دین ہے یا مسلمانوں کو پھانسنے کی ترکیب؟

صاحب مقامع نے اس کا جواب دیا کہ:

"نفس ذکر ولادت گنگوہی صاحب کے نزدیک مستحب ہے، فتاویٰ رشیدیہ میں ہے نفس ذکر ولادت کو کوئی منع نہیں کرتا، نفس ذکر ولادت مندوب ہے، اس میں کراہیت قیود کے سبب آتی ہے۔ اس کی ممانعت تداعی (مجمع کرنا) و دیگر اہتمامات و قیودات کی وجہ سے ہے۔"(۱)

نفس ذکر ولادت سے مجلس میلاد شریف تو مراد ہو نہیں سکتی اس کو تو گنگوہی صاحب ہر حال ناجائز بتا رہے ہیں، حرمت کی علت تداعی (مجمع کرنا) قرار دے رہے ہیں۔ اب نفس ذکر ولادت کی صورت یہی رہ گئی ہے کہ چلتے پھرتے احیاناً کسی کی زبان سے نکل گیا کہ حضور پیدا ہوئے یا کسی نے گوشۂ تنہائی میں دبک چھپک کر کہہ دیا کہ حضور دنیا میں تشریف لائے، کیا خوب، یہ گنگوہی فتویٰ ہے یا میلاد شریف کے لیے قانون مارشل لا کہ جہاں کہیں مسلمانوں نے جمع ہو کر مجلس میلاد منعقد کی، گنگوہی صاحب نے ارتکاب حرام کا جرم لگا کر توپ دم کیا۔

المصباح الجدید کا یہی اعتراض ہے کہ جب دیوبندی مذہب میں انعقاد مجلس میلاد کسی صورت سے جائز ہی نہیں تو میلاد شریف کی مجلسوں میں دیوبندی ٹلّے کیوں جاتے ہیں، مسلمانوں کو کیوں دھوکہ دیتے ہیں؟ کیوں کہتے ہیں کہ صرف قیام ناجائز ہے، مجلس میلاد جائز ہے۔ یہ دیوبندیوں کی دھوکہ دہی اور تقیہ بازی نہیں تو اور کیا ہے؟

اس گنگوہی فتوے پر حیرت اور سخت تعجب ہے کہ یہی تداعی اہتمامات، قیودات مجلس میلاد شریف سے بہت زیادہ دیوبندیوں کے جلسوں میں ہوتے ہیں وہاں حرمت تو حرمت کراہت بھی پاس نہیں آتی، دیوبند اور دیوبندی مدرسوں میں دستار بندی کے جلسے ہوتے ہیں، تاریخ و مقررہ وقت پر مجلسیں منعقد ہوتی ہیں۔ تداعی کا یہ عالم کہ اشتہار دیے جائیں، ڈھول پٹوائے جائیں، خطوط بھیج بھیج کر دور دور سے دیوبندی مولویوں کو بلا بلا کر جمع کیا جائے، کئی کئی ہنڈے جلائے جائیں، فرش بچھائے جائیں، پنڈال سجائے جائیں، تخت بچھائے جائیں، یہ تداعی و اہتمامات و قیودات کس زور شور کے ہیں، مگر یہاں گنگوہی صاحب سب ہتھیار ڈال دیں، کراہت کا بھی فتویٰ نہ دیں اور میلاد شریف کے لیے حکم مارشل لا جاری کر دیں۔ یہ دین ہے، یہ مذہب ہے، سوائے اس کے اور کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی عزت و عظمت کو دیوبندی دیکھ نہیں سکتے۔

گنگوہی صاحب کی طرف داری میں صاحب مقامع نے علمائے متقدمین خصوصاً علامہ ابن الحاج پر افترا کیا اور کہا کہ یہ تنہا گنگوہی صاحب ہی کی رائے نہیں بلکہ بہت سے علمائے متقدمین اسی طرف گئے ہیں۔ علامہ ابن الحاج کی کتاب مدخل میں ہے:

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ملخصاً، ص:۴۵/ ص:۵۳، ناشر احیاء العلوم، مبارک پور

و هذه المفاسدة بترتبة على فعل المولود إذا عمل بالسماع فإن خلا منه و عمل طعاما و نوى به المولد ودعى إليه الإخوان وسلم من كل ما تقدم ذكره فهو بدعة بنفس نية فقط لأن ذالك زيادة فی الدين و ليس من عمل السلف الماضين و اتباع السلف أولىٰ ... ولم ينقل عن أحد منهم أنه نوىٰ المولد.(۱)

یہ مفاسد وقبائح مرتب ہیں مولود کے کرنے پر جب اس کو راگ کے ساتھ کریں، اور اگر راگ سے خالی ہو صرف کھانا کیا جائے اور بھائیوں کو دعوت دی جائے اور کوئی خرابی جن کا ذکر پہلے ہوا نہ ہو تب بھی وہ بدعت ہے، اس لیے کہ یہ زیادتی فی الدین ہے حالاں کہ ہمارے لیے سلف کے نقش قدم کی پیروی بہتر ہے... اور سلف صالحین میں سے کسی سے منقول نہیں ہے کہ انھوں نے بہ نیت مولود ایسا کیا ہو۔ (۲)

عبارت مدخل کو گنگوہی فتوے کی سند بنانا دیوبندیوں کے جہل کی دلیل ہے، گنگوہی فتویٰ تو یہ ہے، انعقاد مجلس میلاد ہر حال ناجائز ہے یعنی مطلقاً حرام ہے، کوئی صورت اس کے جواز کی نہیں، مدخل میں صرف اس مجلس میلاد پر مفاسد بتائے ہیں جو باجے راگ وغیرہ محرمات کے ساتھ ہو، یہ ایسے ہی ہوا جیسے قرآن مجید میں فرمایا: "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى." (۳) نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ اس سے کوئی دیوبندی یہ نتیجہ نکالے کہ نماز ہر حال ناجائز ہے، اگر یہ نتیجہ صحیح ہو تو واقعی عبارت مدخل سند بن جائے گی اور جس مجلس میں راگ باجے وغیر محرمات نہ ہوں اگرچہ اس میں تداعی ہو، کھانا کیا جائے، زبردست اہتمامات کیے جائیں، اس کے لیے اپنے زمانہ کے لوگوں کی عادت کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت علامہ نے وہ لفظ فرمائے ایک بدعت اور دوسرا لیس من عمل السلف الماضین اور اس کا حکم یہ دیا اتباع السلف اولیٰ۔ اس میں ممنوعة، محرمة، سیئة، مکروهة کچھ نہیں فرمایا۔ پھر ممانعت کس کے گھر سے آئے گی۔ اور گنگوہی صاحب کا یہ حکم کہ ہر حال ناجائز ہے، کون سے لفظ سے ثابت ہوگا، پھر یہ کہنا کہ ابن الحاج کی بھی وہی راے ہے جو گنگوہی صاحب کی ہے، یہ علامہ پر یقینا کھلا افترا ہے۔ علامہ کا بدعت فرمانا یہ ایسا ہی ہے جیسا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نماز چاشت کو بدعت فرمادینا تو جس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے بدعت فرمادینے سے نماز چاشت کی فضیلت واستحباب میں کچھ کمی نہ آئی اسی طرح علامہ ابن الحاج کے بدعت فرمادینے سے بھی مجلس میلاد مبارک مستحب ہی رہے گی، بلکہ اس مجلس میلاد شریف کو علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سنت فرمایا۔ احادیث سے ثابت بتایا کہ، فتاواے حدیثیہ، ص:۱۰۹ پر فرماتے ہیں:

---

(۱) مدخل لابن الحاج، فصل من المحدثة، ۲/ ۱۰، دار احیاء تراث العربی.
(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ملخصاً، ص:۴۵ /ص:۵۴، ۵۵، ناشر احیاء العلوم، مبارکپور
(۳) قرآن مجید، سورة النساء:۴، آیت:۴۳

"القسم الثانی تشملہ الاحادیث الواردۃ فی الاذکار المخصوصۃ."(۱)

لہٰذا علامہ ابن الحاج کا بدعت کہنا بھی محتاج تاویل ہوگا۔

رہا علامہ ابن الحاج کا یہ فرمانا" واتباع السلف اولی۔" اس عبارت سے مجلس میلاد شریف کے اہتمامات و قیودات خلاف اولیٰ ہوئے، اس سے حرمت کدھر سے کود آئی، ہر حال ناجائز کیسے ہوا، کیا خلاف اولیٰ ہر حال ناجائز ہوتا ہے۔ خلاف اولیٰ تو مکروہ بھی نہیں ہوتا، چہ جائیکہ ہر حال ناجائز۔ لہٰذا اس سے مجلس میلاد کے ہر حال ناجائز ہونے پر استناد سند جہل ہے، یہ واتباع السلف اولی بالکل ایسا ہی ہے جیسے حضرت شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا:

رعایت آداب خلا و استنجا بر وجہ سنت بہتر است از بنائے رباط و مدرسہ (۲)

یعنی پاخانہ و استنجا میں سنت کی رعایت و لحاظ رکھنا مدرسہ و مسافر خانہ بنانے سے بہتر ہے۔

لہٰذا دیوبندیوں کے نزدیک اگر مدخل کے لفظ اولیٰ سے مجلس میلاد کے ہر حال ناجائز ہونے پر استدلال صحیح ہے تو اشعۃ اللمعات کی مذکورہ بالا عبارت سے مدرسہ بنانا بھی ہر حال ناجائز ہوا، لہٰذا تعمیرات مدارس کی حرمت کا فتویٰ بھی دیوبند سے شائع کراؤ، پھر دیکھو تماشہ۔ یہ ہے تمھارے استدلال کی حقیقت۔ علمائے کرام پر افترا کرتے ہو، ان کی عبارتیں نقل کرکے عوام کو دھوکہ دیتے ہو، خدا سے نہیں ڈرتے ہو، شرم باید از خدا و از رسول۔ مدخل کی عبارت سے استناد کرکے اور اسی کو گنگوہی صاحب کی رائے بتا کر ہر دیوبندی کا أفتؤ منون ببعض الکتب و تکفرون ببعض. لکھنا کمال جہالت اور بے باکی کی دلیل ہے۔

(۱۹)

مسئلۂ علم غیب میں فریقین کا موقف

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا۔ آیات قرآنیہ واحادیث کثیرہ سے ثابت ہے مگر دیوبندی جس طرح حضور کے اور کمالات کے منکر ہیں، علم غیب کا بھی انکار کرتے ہیں۔ یہ بات آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ علمائے اہل سنت حضور کے لیے اللہ کا دیا ہوا علم غیب متناہی ثابت کرتے ہیں اور دیوبندی اسی کا انکار کرتے ہیں۔ اسی پر پچاس برس سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں شور ہے۔ علمائے اہل سنت کی تصریحات موجود ہیں کہ حضور کا علم نہ ذاتی ہے، نہ غیر متناہی بلکہ ذاتی اور غیر متناہی اللہ عزوجل کے ساتھ مختص ہے، دوسرے کے لیے محال ہے۔ باوجود ان تصریحات کے مسئلہ علم غیب میں دیوبندیوں کا خلاف جبھی ہو

(۱) علامہ ابن حجر ہیتمی مکی، فتاویٰ حدیثیہ، ص:۱۰۹، مطبع دار الفکر، بیروت، لبنان

(۲) شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اشعۃ اللمعات،

سکتا ہے کہ عطائی متناہی کا انکار کریں، لہٰذا ثابت ہوا کہ جب کوئی سنی عالم حضور کے علم غیب کا اثبات کرے گا وہی عطائی متناہی ہی مراد لے گا اور اس کے مقابلہ میں جو دیوبندی انکار کرے گا تو وہ انکار بھی علم غیب عطائی متناہی کا ہوگا۔ اب فتاویٰ رشیدیہ کا یہ سوال و جواب ملاحظہ فرمائیے۔

فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم، ص:۱۰ پر سوال میں ہے کہ:

"مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کے خلیفہ حافظ عالم صوفی وعظ و نصیحت فرماتے ہیں۔ رسولِ مقبول ﷺ کو عالم الغیب بتلاتے ہیں کہ آں حضرت کو علم غیب تھا، یہ عقیدہ کیسا ہے۔ گنگوہی صاحب نے اس کے جواب میں کہہ دیا۔

اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔ فقط۔"

ناظرین غور فرمائیں ایک سنی عالم کے متعلق سوال ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کو علم غیب تھا۔ اس کے جواب میں گنگوہی صاحب نے فرمادیا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا، صریح شرک ہے، فقط۔

اول تو گنگوہی صاحب نے حضور کے لیے بلا تخصیص مطلق علم غیب کو شرک کہا جو بالعموم ذاتی و عطائی متناہی و غیر متناہی سب کو شامل ہے، اس سے حضور کے لیے علم غیب عطائی متناہی ماننا بھی شرک ہوا۔

دوسرے یہ کہ سوال چوں کہ سنی عالم کے متعلق ہے اور علمائے اہل سنت حضور کے لیے علم غیب عطائی متناہی ہی ثابت کرتے ہیں، لہٰذا اس سوال کے جواب میں گنگوہی صاحب کا یہ کہنا" اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا، صریح شرک ہے۔" اس بات کی دلیل ہے کہ گنگوہی صاحب حضور کے لیے علم غیب متناہی کو شرک بتاتے ہیں، لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ گنگوہی صاحب کے نزدیک حضور کے لیے علم غیب عطائی متناہی بھی ماننا شرک ہے۔

اور تھانوی صاحب نے حفظ الایمان میں کہا کہ:

"اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔"(۱)

ناظرین کرام! غور فرمائیں، گنگوہی صاحب نے تو مطلقاً علم غیب اور بقرینۂ سوال عطائی متناہی حضور کے لیے شرک بتایا اور تھانوی سخاوت کا یہ عالم کہ حضور تو حضور بچوں، پاگلوں، جانوروں سب کے لیے حاصل مانا۔

المصباح الجدید کا اس پر یہ مواخذہ ہے کہ جس کو گنگوہی صاحب شرک فرماتے ہیں، تھانوی صاحب بچوں، پاگلوں، جانوروں کے لیے ثابت مانتے ہیں تو گنگوہی فتوے سے تھانوی مشرک ہوئے۔

اس کے جواب کے لیے رہبر صاحب نے بہت ہاتھ پیر مارے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے بھی استعانت کی مگر

---

(۱) مولوی اشرف علی تھانوی، حفظ الایمان، ص:۱۵، مکتبہ تھانوی، دیو بند

حقیقت یہ ہے کہ ولا ناصر لھم۔ ان کا کوئی مدد گار ہی نہیں۔ دیوبندی رہبر صاحب کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ”گنگوہی فتوے میں علم غیب ذاتی وغیر متناہی کو شرک کہا ہے اور تھانوی صاحب نے عطائی متناہی مانا۔“ اس پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا یہ قول (کہ علم ذاتی وغیر متناہی خاصہ خداوندی ہے اور عطائی متناہی نبی کریم ﷺ کے لیے ثابت ہے) سند میں لانا فریب کاری ہے۔ بھلا اس سے گنگوہی صاحب کو کیا فائدہ۔ گنگوہی صاحب نے تو مطلقاً اور مدعی عطائی متناہی کے جواب میں شرک کہا ہے، جس سے یقیناً عطائی متناہی ہی مراد ہے۔

پھر یہ کہنا کیوں کر صحیح ثابت ہو سکتا ہے کہ:

”فتاویٰ رشیدیہ کی عبارت میں بھی لفظ علم غیب سے یہی ذاتی اور محیط کلی تفصیلی مراد ہے۔ اس کے ثبوت میں بھی ہم آپ کے اعلیٰ حضرت کی کہاوت پیش کرتے ہیں۔ فاضل بریلوی خالص الاعتقاد ص:۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں، آیات واحادیث واقوال علما جن میں دوسرے کے لیے اثبات علم غیب سے انکار ہے، ان میں قطعاً یہی دو قسمیں (ذاتی ومحیط تفصیلی) مراد ہیں۔“(۱)

اپنے منہ میاں مٹھو بننا اسی کو کہتے ہیں، کیا گنگوہی صاحب بھی انھیں علما میں ہیں جن کے اقوال سے استناد کیا جاتا ہے کہ اس موقع پر آپ خالص الاعتقاد کی عبارت لے دوڑے کہ ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں، گنگوہی تو منکرین میں ہیں، جن علما کے اقوال سے یہ منکرین استدلال کرتے ہیں ان کے متعلق خالص الاعتقاد کی عبارت ہے، پھر یہ کہ گنگوہی صاحب کا عالم ہونا ہی ان کے کلام میں تاویل کرنے کے لیے کافی ہے تو جس کے مشرک ہونے کا گنگوہی صاحب نے فتویٰ دیا، اس کی نسبت تو سوال ہی میں مذکور تھا کہ وہ عالم ہیں۔ آخر وہاں کیوں نہ سوجھا کہ وہ علم عطائی کا قائل ہے، ہاں! آپ یہ کہہ سکتے تھے کہ گنگوہی صاحب فتویٰ دیتے وقت اندھے تھے انھیں سوجھتا کیوں کر؟ مگر کہنے والا جواب میں کہہ سکتا ہے کہ کیا آپ کی بھی پھوٹ گئی تھیں۔ رہبر صاحب یہ آپ کی ابلیسی تلبیس ہے کہ عوام کو دھوکہ دے کر حقیقت پر پردہ ڈالتے ہو، اگر تمہارے گنگوہی اس پر ایمان لاتے اور صرف ان دو قسموں کا انکار کر کے علم غیب عطائی متناہی حضور کے لیے ثابت مانتے تو اس مسئلۂ علم غیب میں خلاف کیوں کرتے۔ اعلیٰ حضرت کی ان تصریحات کے باوجود خلاف کرنا اور علماے اہل سنت کے مقابلہ میں انکار کرنا اور شرک بتانا دلیل ہے کہ گنگوہی صاحب علم غیب عطائی متناہی کو شرک کہتے ہیں کیوں کہ دیوبندی ایمان وگنگوہی قرآن یعنی تقویۃ الایمان میں لکھا ہے:

”اور جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال و وہم میرے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے، سو ان باتوں سے مشرک ہو جاتا

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۴۷، مطبوعہ مبارک پور

ہے اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں اس کو اشتراک فی العلم کہتے ہیں۔

یعنی اللہ کا سا علم اور کو ثابت کرنا سو اس عقیدہ سے آدمی البتہ مشرک ہو جاتا ہے ، خواہ یہ عقیدہ انبیا اولیا سے رکھے ، خواہ پیر و شہید سے ، خواہ امام و امام زادے سے ، خواہ بھوت و پری سے ، پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کی اپنی ذات سے ہے ، خواہ اللہ کے دینے سے ، غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔"(۱)

دیکھا رہبر صاحب! تمہارے ایمان میں لکھا ہے کہ اللہ کے دینے سے بھی شرک ثابت ہوتا ہے اور دینا تو متناہی کے ساتھ ہی مختص ہے۔ لہٰذا علم غیب عطائی متناہی کو ہی شرک کہا، آپ کتنا ہی پردہ ڈالیں اور دھوکہ دیں، مگر حقیقت ظاہر ہے کہ گنگوہی صاحب علم غیب عطائی متناہی کو شرک کہتے ہیں۔ اب بتائیے کہ تھانوی صاحب بچوں ، پاگلوں ، جانوروں تک کے لیے علم غیب مان کر گنگوہی فتوے سے کون ہوئے ؟ کہو مشرک ہی ہوئے اور یہ صادق آیا کہ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

(۲۰)

دیوبندیوں کے نزدیک گھروں میں پھرنے والا کوا حلال ہے

یہ مشہور کوا جو آبادی میں پھرتا ہے ، جس کو مسلمان حرام جانتے ہیں ، علمائے دیوبند کے نزدیک یہ کوا کھانا جائز ہے ، بلکہ اس کے کھانے پر ثواب ملتا ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص:۱۴۵ میں ہے:

"**سوال:** جس جگہ زاغ معروفہ کو اکثر حرام جانتے ہوں اور کھانے والے کو اکثر برا کہتے ہوں تو ایسی جگہ اس کوا کھانے والے کو کچھ ثواب ہوگا ، یا نہ ثواب ہوگا نہ عذاب؟

الجواب: ثواب ہوگا۔"

المصباح الجدید میں دیوبندیوں کو اس حصولِ ثواب کی ترغیب دلائی کہ دیوبندیو! تم کو بالاعلان کوا کھانا چاہیے۔ ثواب حاصل کرنے میں شرمانا اچھی بات نہیں اور علمائے دیوبند کی ضیافت میں یہی سیاہ مرغ پیش کرنا چاہیے کہ ہم خرما و ہم ثواب پر عمل ہو۔

دیوبندی مجیب نے تو اس کا کچھ جواب نہ دیا البتہ اس مشہور حرام کوے کو حلال کرنے کے لیے فقہائے کرام کی عبارتیں نقل کیں۔ ہمیں اس سے کیا غرض کہ دیوبندی کوا کھائیں اور ثواب سمجھ کر کھائیں ان کا مذہب ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ فقہائے کرام پر افترا کرتے ہیں ، ان کی عبارتیں نقل کر کے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں ، ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہتان

---

(۱) مولوی اسماعیل دهلوی، تقویة الایمان، ص:۱۱، مطبع صدیقی / ص:۳۸، دوسرا باب، مطبع بهارت آفسیٹ، دهلی.

لگاتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ نے اس مشہور کوے کو جائز فرمایا ہے، جس سے مسلمان طبعاً و فطرتاً نفرت کرتے ہیں اور حرام جانتے ہیں جس کو حدیث میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فاسق فرمایا، حل و حرم میں اس کے قتل کا حکم دیا، لہٰذا حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ اور فقہائے کرام کے دامنِ پاک کو دیوبندیوں کے اس بہتانِ عظیم سے پاک کرنے کے لیے اس مسئلہ کی قدرے وضاحت کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اول دیوبندی رہبر کا استدلال جو اس دیسی کوے کی حلت پر ہے، ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔

”ذیل میں ہم فقہائے حنفیہ کی چند عبارات درج کرتے ہیں، جن سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ وہ غراب یہی ہے جو ہمارے دیار میں پایا جاتا ہے۔

چناں چہ تکملہ بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے:

”الغراب ثلثة أنواع نوع يا كل الجيف فحسب فانه لا يوكل .و نوع يا كل الحب فحسب فانه يوكل. و نوع يخلط بينهما و هو أيضاً يوكل عند امام و هو العقعق لا كالدجاج وعن أبي يوسف انه يكره أكله لأنه غالب أكله الجيف والأول اصح.“

یعنی شرح کنز میں ہے:

الغراب ثلثة انواع نوع يا كل الجيف فحسب فانه لا يوكل. و نوع يا كل الحب فقط فانه يوكل. و نوع يخلط بينهما و هو ايضاً يوكل عند ابي حنيفة و هو العقعق لا نه كالد جاج وعن ابي يوسف رحمه الله تعالىٰ انه يكره لان غالب ماكوله الجيف.

غراب کی تین قسمیں ہیں، ایک تو وہ جو صرف مردار کھاتا ہے تو وہ حرام ہے، دوسری قسم وہ ہے جو صرف دانے کھاتا ہے، وہ حلال ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو دانے اور مردار دونوں کھاتا ہے اور اس کو عقعق کہا جاتا ہے وہ بھی امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک حلال ہے۔ اس لیے کہ وہ مثل مرغ کے ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہ تیسری قسم مکروہ ہے، اس لیے کہ وہ اکثر مردار کھاتا ہے۔ لیکن امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ کا مذہب اصح ہے۔

صاحب جامع الرموز لا الذی یا کل الجیف کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

و فيه أشعار بأنه لواكل كل من الثلثة الجيف والحب جميعا حل ولم يكره وقالا يكره والأول أصح كما فى الخزانة وغيره.

اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر غراب کی تینوں قسموں میں سے ہر ایک نے دانے اور مردار کھانا شروع کر دیا تو سب کے سب حلال ہوں گے، البتہ صاحبین کے نزدیک مکروہ ہوں گے، لیکن اصح وہی پہلا مذہب ہے، کما فی الخزانۃ وغیرہ۔

ان تمام عبارات سے ظاہر ہے کہ کوے کی حلت و حرمت کا مدار صرف اختلاط غذا پر ہے نہ کہ اختلاف اشکال والوان پر پس جو غراب کہ صرف دانے کھاتا ہے، وہ بالاتفاق حلال ہے اور جو صرف نجاست اور مردار خور ہے وہ بالاتفاق حرام ہے اور جو دانہ اور نجاست دونوں کھاتا ہے وہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بلا کراہت حلال اور جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک باکراہت لیکن صحیح تر قول امام صاحب کا ہے، اور یہ مرغی کی طرح ہے کہ وہ دانہ اور نجاست دونوں کھاتی ہے مگر حلال ہے۔"(۱)

میں فقہ حنفی کے جزئیہ اور قرآن و حدیث کے قاہر دلائل سے اس دیسی کوّے کی حرمت ثابت کروں گا، جس سے بفضلہ تعالیٰ آفتاب کی طرح روشن ہو جائے گا کہ یہ کوّا حرام ہے، امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس کا کھانا جائز نہیں۔ یہ امام پر دیوبندیوں کا افترا ہے کہ اس کوّے کی حلت کی نسبت امام کی طرف کرتے ہیں مگر پہلے دیوبندی استدلال کی خبر لوں اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فقہائے کرام کے دامنِ پاک کو کوّا خوروں کے اس بہتان سے پاک کروں۔

دیوبندی رہبر نے اس دیسی کوّے کے جواز پر تین عبارتیں نقل کی ہیں، جن میں سے بحر الرائق اور زیلعی دونوں کی عبارتوں میں غراب مختلف فیہ کی تعیین مذکور ہے۔ وھو العقعق وہ غراب جو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حلال ہے وہ عقعق ہے۔ امام کا یہ ارشاد حق و بجا ہے، بسر و چشم منظور، اہل سنت کا اسی پر عمل ہے، بلا شبہہ عقعق جائز ہے لیکن اس دیسی کوّے کو عقعق سے "چہ نسبت زاغ را باعالم پاک" عقعق اس کوّے سے چھوٹا جانور ہے، اس کے مشابہ ہوتا ہے، جنگل میں رہتا ہے۔ منتخب اللغات وغیرہ میں اس کو زاغ دشتی یعنی جنگلی کوّا لکھا ہے۔ طب کی کتابوں میں اس سے بھی صاف عقعق کو مہوکا لکھا ہے۔ نجاست کو دانہ وغیرہ سے خلط کر کے کھاتا ہے، اس کوّے کی طرح خالص نجاست بغیر کسی دوسری چیز کے ملائے ہر گز نہیں کھاتا۔ یہ دیسی کوّا جیفہ خور ابقع ہے، یہ حرام ہے۔ حدیث میں اس کو فاسق فرمایا، اس کے قتل کا حکم دیا۔ ہدایہ نے تصریح فرمائی کہ عقعق کا یہ حکم نہیں، وہ قتل نہ کیا جائے گا۔ شاہ اہل اللہ صاحب جو گنگوہی صاحب کے بھی بزرگوار ہیں، کنز کے فارسی ترجمہ میں اسی مشہور کوّے کو ابقع فرماتے ہیں:

"مراد از ابقع زاغ متعارف است کہ رنگ گردن آں بنسبت پر دبازویش سفیدی باشد۔"

دوسری دلیل میں اس کی تفصیل آئے گی۔ غرض کہ ابقع و عقعق میں زمین و آسمان کا فرق موجود ہے، مگر دیوبندیوں کو یہی دیسی کوّا کھانا مقصود ہے، اس لیے تعیین و تصریح کو چھوڑ کر جامع رموز کے اشارہ ہی پر ناچنے لگے۔ اشارہ ہی سے استدلال کیا جو ڈوبتے کے لیے تنکے کا سہارا ہو، اس سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا کیوں کہ امام کے نزدیک جس کا کھانا جائز ہے جب وھو العقعق سے وہ معین ہو گیا کہ وہ عقعق ہے تو اب اس ابقع حرام کو حلال کرنے کے لیے اس کی تعمیم چہ معنی دارد،

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ۵۰

پھر جامع رموز کے اشارہ سے بھی اس کوّے کی حلت نہیں ثابت ہو سکتی۔ کیوں کہ جامع رموز کی مذکورہ عبارت اگر دیوبندی قطع وبرید سے پاک ہے تو اس کا ترجمہ یہ ہے: "اس میں اشارہ ہے کہ اگر غراب کی تینوں قسموں میں سے ہر ایک اگر مردار و دانہ دونوں کھاتے تو امام کے نزدیک سب حلال ہوتے۔" لیکن واقعہ یہ ہے کہ صفت حلت دو ہی میں منحصر رہی، ایک وہ جو صرف دانہ کھاتا ہے، دوسرے عقعق جو نجاست کو دانہ وغیرہ سے ملا کر کھاتا ہے، نہ یہ دیسی کوّا جو بغیر کسی شے کے ملائے خالص نجاست کھاتا ہے پھر یہ کیسے حلال ہو سکتا ہے؟ اور اگر دیوبندی کوّا خوری کے شوق میں کہیں کہ یہ ملانے کا جھگڑا کہاں سے نکالا تو آنکھ کھول کر عبارت مذکور کو دیکھیں۔ دونون عبارتوں میں و نوع یخلط بینھما ہے یعنی ایک قسم وہ ہے جو دانہ و نجاست وغیرہ دونوں کو ملاتا ہے، وہ عقعق ہے اور اگر کوّا خوری کے ذوق میں اور زیادتی ہوا اور اس مردار کوّے کو حلال کرنے کے لیے دیوبندی تحکّط کے یہ معنیٰ گڑھیں کہ کبھی نجاست کھائے اور کبھی دانہ، اور کہیں کہ یہ دونوں باتیں اس دیسی کوّے میں پائی جاتی ہیں لہٰذا یہ حلال ہے، تو ہم کہیں گے کہ یہ ذوقِ کوّا خوری تمھیں مبارک ہو، کھاؤ، مگر اس کی نسبت ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نہ کرو، اس لیے کہ امام کے نزدیک خلط کے یہ معنیٰ ہر گز نہیں۔ امام کے نزدیک خلط کے معنیٰ کھانے کے قبل ملانا ہے۔ امام اعظم و امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جو کوّا مختلف فیہ ہے وہ وہی ہے جو نجاست کو دانہ وغیرہ سے ملا کر کھاتا ہے۔ امامین کا مباحثہ اس پر دلیلِ قاطع ہے، ملاحظہ ہو:

عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ قال: سئلت أبا حنيفة رحمه الله تعالىٰ عن العقعق؛ فقال: لا بأس به، فقلت إنه يأكل النجاسات فقال: إنه يخلط النجاسة بشيءٍ اٰخر، ثم يأكل.(۱)

امام ابو یوسف سے مروی ہے، کہا کہ میں نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا کہ عقعق کھانا جائز ہے یا نہیں، فرمایا کوئی حرج نہیں۔ پس میں نے کہا کہ وہ نجاست کھاتا ہے، فرمایا کہ وہ نجاست کو دوسری شے سے ملا لیتا ہے پھر کھاتا ہے۔

اس عبارت سے بصراحت تین باتیں ثابت ہیں، اول یہ کہ شیخین کا اختلاف صرف عقعق میں ہے۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو جائز کہتے ہیں، امام ابو یوسف حرام۔ دوسرے یہ کہ عقعق خالص نجاست نہیں کھاتا، بلکہ دانہ وغیرہ دوسری چیز سے ملا کر کھاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ امام اعظم کے نزدیک عقعق کے جواز کی وجہ صرف یہی ہے کہ خالص نجاست نہیں کھاتا، جبھی تو امام ابو یوسف کے اس سوال کے جواب میں کہ وہ نجاست کھاتا ہے، امام اعظم صاحب نے یہ فرمایا کہ وہ نجاست کو پہلے دوسری چیز سے ملا لیتا ہے پھر کھاتا ہے۔ اور اگر عقعق اس کوّے کی طرح کبھی خالص نجاست کھاتا اور کبھی دانہ تو امام کا یہ قول کہ وہ نجاست کو پہلے دوسری چیز سے ملا لیتا ہے پھر کھاتا ہے، کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اسی عبارت سے تین وجہ سے ثابت ہوا کہ یہ دیسی کوّا ہرگز مراد نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اول تو کوّا ابقع ہے عقعق نہیں اور امام

(۱) فتاویٰ عالگیری، ص: ۲۹۰، ج: ۵، کتاب الذبائح، الباب الثالث في المتفرقات، مطبع دار الفکر، بیروت

صاحب نے عقعق کو جائز کہا ہے، دوسرے عقعق پر اس کا قیاس ہرگز صحیح نہیں۔ کیوں کہ یہ بغیر دوسری چیز کے ملائے نجاست کھاتا ہے اور عقعق جب تک نجاست کو دوسری شے سے نہ ملا لے نہیں کھاتا، تیسرے عقعق کے جواز کی وجہ تو امام کے نزدیک صرف یہی تھی کہ وہ خالص نجاست نہیں کھاتا اور یہ کوّا خالص نجاست کھاتا ہے۔ لہٰذا یہ کوّا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک بھی حرام ہوا اور ثابت ہو گیا کہ دیوبندیوں کے اس بہتان سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامن پاک ہے، یہ امام پر افترا ہے کہ یہ دیسی کوّا امام کے نزدیک جائز ہے۔

چوں کہ دیوبندی کوّا خوری کے ذوق و شوق میں فنافی الغراب کا مرتبہ رکھتے ہیں اس لیے ممکن ہے کہ حضرت امام اعظم کے اس فرمان کو نہ مانیں، کیوں کہ ؎

جو دین کوؤں کو دے بیٹھے ان سے کیا تعجب ہے
کہیں کہ ہم نہیں تقلید کرتے بو حنیفہ کی

اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہی اعتراض کر بیٹھیں کہ نجاست کو بغیر کسی دوسری چیز کے ملائے کھانا اور ملا کر کھانے میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں صورتوں میں نجاست کھانا پایا جاتا ہے۔ لہٰذا عقعق کی طرح یہ دیسی کوّا ابقع بھی حلال ہے۔ اول تو یہ اعتراض کرتے ہی دیوبندیوں کی حقیقت کا پتہ چل جائے گا کہ امام اعظم کی تقلید صرف کوّا خوری کے لیے تھی، جب امام صاحب نے کوّے کو حرام بتایا تو تقلید رخصت۔ دوسرے اگر تقلید چھوڑ کر اور امام سے رشتہ جوڑ کر کوّا خوری کے لیے دونوں صورتوں کو ایک کریں تب بھی بنظر خیر خواہی ہم وجہ فرق بتائے دیتے ہیں کہ بغیر کسی چیز کے ملائے خالص نجاست کی طرف اسی کی رغبت و میلان ہو سکتا ہے جس کی طبیعت میں خباثت اور جبلت میں فسق ہو، لہٰذا وہ خبائث و فواسق میں داخل ہوگا اور بحکم قرآن و حدیث حرام ہوگا اور جو پرند خالص نجاست سے نفرت کرے، اگرچہ مٹی وغیرہ میں ملا کر کھائے، ظاہر ہے کہ اس کی طبیعت میں خباثت و فسق نہیں لہٰذا وہ خبائث و فواسق میں داخل نہیں اس لیے حلال ہے۔

بفضلہٖ تعالیٰ دیوبندی استدلال کا تو خاتمہ ہو گیا اس کی عیاری و مکاری ظاہر ہو گئی۔ اب میں اس دیسی کوّے کی حرمت پر فقہ حنفی کے جزیہ اور قرآن و حدیث کے کلیات سے دلائل قائم کرتا ہوں۔ وھو المعین مگر ذرا کوّا خوروں سے ایک بات پوچھ لوں وہ یہ کہ نیچے سے اوپر تک دیوبندی رہبر کے مربّی مولوی شکر اللہ صاحب سے لے کر گنگوہی صاحب تک سارا دیوبندی کنبہ پہلے یہ بتائے کہ جب فقہی متون تک میں اس دیسی کوّے کی حرمت مذکور یہ جزیہ موجود تو جزیہ چھوڑ کر کلیات سے استدلال کیوں کیا؟ کیا مقلدوں کا یہی شیوہ ہے، حنفی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کنز میں ہے:

لا الأبقع الذي يأكل الجيف. (۱) یعنی ابقع جائز نہیں جو مردار کھاتا ہے۔

---

(۱) فالإمام حافظ الدين عبد الله بن احمد نسفی، كنز الدقائق، كتاب الذبائح، ص؛۶۰۱، دار البشائر الاسلامية دار السراج.

درِ مختار میں ہے:

وھو الذی فیه سواد و بیاض.(۱) ابقع وہ ہے جس میں کچھ سیاہی وسفیدی ہو۔

ردالمحتار علی الدرر میں ہے:

(قوله والغراب الابقع) ای الذی فیه سواد و بیاض قهستانی.(۲)

جب صاحب کنز نے غراب ابقع کو حرام فرمایا اور شارح نے ابقع کی تفسیر کر کے تعیین کر دی کہ ابقع وہ ہے جس میں سیاہی وسفیدی ہو تو اب اس دیسی کوّے کی حرمت میں کیا شبہہ رہ گیا۔ اسی عبارت کنز کا فارسی ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب نے کیا ہے جو گنگوہی صاحب کے بھی بزرگوار ہیں۔ اس میں مذکور ہے: "ومراد ابقع زاغ متعارف ست کہ رنگ گردن آں بہ نسبت پروبازو پیش سفیدمی باشد۔" یعنی ابقع سے مراد یہ مشہور کوا ہے جس کی گردن کا رنگ بہ نسبت پروبازو کے سفید ہوتا ہے۔" اسی عبارت کا اردو ترجمہ دیوبندیوں کے پیر مغاں مولوی محمد احسن صاحب نے احسن المسائل میں کیا ہے:

"مگر جو کوّا ابلق کہ مردار کھاتا ہے حرام ہے اور مراد ابلق سے یہی دیسی کوّا ہے کہ اس کی گردن کا رنگ بہ نسبت پروں کے سفید ہوتا ہے، اس کا کھانا حرام ہے۔"

جب فقہ میں بصراحت جزیہ موجود رنگ تک کی تعیین موجود، عربی، فارسی، اردو عبارات میں اس دیسی کوّے کی حرمت مصرح ہے تو اس جزیہ سے آنکھ بند کر کے ان تصریحات سے منہ پھیر کے کوّا خوری کے شوق میں وہ بلند پروازی

---

(۱) حضرت علیہ الرحمہ نے مقصود کے موافق مختصر حوالہ دے دیا تھا، ہم یہاں حاشیہ میں تفصیل کے ساتھ وہ عبارت پیش کرتے ہیں۔[مرتب]

(ولا يحل ذوناب يصيد بنابه أو مخلب يصيد بمخلبه(أي ظفره ، (من سبع أو طير والغراب الأبقع) الذي ياكل الجيف لأنه ملحق بالخبائث، قاله المصنف، ثم قال: والخبيث ما تستخبثه الطباع السليمة.

(والغراب الابقع) الذي فيه بياض و سواد، قهستاني قال في العناية : وأما الغراب الا بقع والأسود فهو أنواع ثلاثة : نوع يلتقط الحب ولا ياكل الجيف وليس بمكروه. ونوع لا ياكل الا الجيف وهو الذى سماه المصنف الا بقع و انه مكروه.

و نوع يخلط ياكل الحب مرة والجيف اخرىٰ ولم يذكره في الكتاب. وهو غير مكروه عنده مكروه عند أبي يوسف الا والاخير هو العقعق كما فى المنح وسياتى قوله:

(والخبيث الخ) قال فى معراج الدراية : اجمع العلماء علىٰ ان المستخبثات حرام بالنص وهو قوله تعالىٰ : (ويحرم عليهم الخبائث) [الاعراف:۱۵۷] وما استطابه العرب حلال لقوله تعالىٰ: (وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ) [الاعراف:۱۵۷] وما استخبثه العرب فهو حرام بالنص، والذين يعتبر استطابتهم اهل الحجاز من أهل الامصار، لان الكتاب نزل عليهم وخوطبوا به، ولم يعتبر اهل البوارى لانهم للضرورة والمجاعة يا كلون ما يجدون. [در مختار مع رد المحتار، ج:۹، ص:۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، کتاب الذبائح، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان]

(۲) ردالممتار على الدر، كتاب الذبائح، ج:٦، ص:۳۰۵.

کہ کلیات سے استدلال آخر کیا وجہ ہے، صرف عوام کالانعام کو دھوکہ ہی تو دینا ہے۔ کوّا کھانا اور کھلانا ہی تو ہے اور وہ بھی حنفی بن کر، سبحان اللہ، یہ منہ اور مسور کی دال۔ حنفیت اور دیوبندیت کا منہ۔ کوّا خوری سے حنفیت کو بدنام کرتے ہیں، حنفیت کے پردہ میں وہابیت کی اشاعت کرتے ہیں۔

ناظرین کرام! فقہ کا جزیہ تو آپ نے دیکھا جس میں اس دیسی کوے کی حرمت مصرح موجود، ذرا کلیات کا بھی جلوہ دیکھیے، کوّا خوروں کی نظر خیرہ نہ ہوجائے تو میرا ذمہ۔

اس دیسی کوّے کی حرمت پر قرآن وحدیث سے دلائل

پہلی دلیل -قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ. (۱) اور وہ نبی جو اپنی امت پر خبیث چیزیں حرام کرے گا۔

لہٰذا اس آیت سے ہر خبیث شے کا حرام ہونا ثابت اور یہ کوّا خبیث ہے۔ لہٰذا شکل اول سے نتیجہ نکلا کہ یہ کوّا حرام ہے۔ کبریٰ کا ثبوت تو آیت قطعی ہے، اس کا تو انکار کرتے ہی فوراً دیوبندی ہوجائے گا، لہٰذا وہ تو مسلم محقق ہے البتہ صغریٰ کا ثبوت ہمارے ذمہ ہے۔ وھو ھذا۔ اس کوّے کو چوں کہ طبیعت سلیمہ خبیث جانتی ہے اور نفرت کرتی ہے، ہر بھلا آدمی اگرچہ گاؤں کا رہنے والا کیوں نہ ہو، اس سے نفرت کرتا ہے، خود حلال کہنے والے بھی اس کی طرف رغبت نہیں کرتے (ورنہ علانیہ کھاتے) اور نفرت شرعاً خبث ہے اور موجب حرمت ہے۔

اشعۃ اللمعات شریف میں ہے:

"ومراد بخبیث آنچہ پلید داند او را طبع سلیم ضد طیب۔"(۲) اور خبیث سے مراد وہ چیز ہے جسے طبیعت ناپاک جانے یعنی طیب کی ضد۔

درِ مختار میں ہے:

والخبيث ما تستخبثه الطبائع السليمة. (۳) خبیث وہ ہے جس سے سلیم طبیعتیں نفرت و گھن کریں۔

اس مشہور کوّے کی طرف زمانۂ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے آج تک کسی سلیم الطبع شخص نے رغبت نہ کی۔ ہر قرن، ہر زمانہ کے مسلمان نفرت ہی کرتے رہے اور کرتے ہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ کوّا خبیث ہے اور آیت کریمہ: وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ. میں داخل ہے۔ لہٰذا آیت کریمہ سے اس کوّے کی حرمت ثابت ہے۔ اس لیے ایمان

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الأعراف:۷، آیت:۱۵۷

(۲) شیخ عبد الحق محدث دھلوی، اشعة اللمعات، ج:ثالث، ص:۴۹۵، المکتبة الحبیبیه. کوئٹه، پاکستان

(۳) علامه علاء الدین حصکفی، در مختار، باب جنایة البهیمة، کتاب المضارعة، ج:٦، ص:۲۰۵، دار الفکر، بیروت، ۱۳۸٦ھ

والوں نے اس کی طرف کبھی رغبت نہ کی۔ اس کی طرف رغبت ہوئی تو جناب گنگوہی صاحب اور ان کی ذریت غرابیہ کی اور کیوں نہ ہو۔ الخبیثات للخبیثین کا تقاضا ہی یہ ہے۔

خبیث بہر خبیثہ، خبیثہ بہر خبیث　　　یہی ہے وجہ جو کوّا پسند فرمایا

دوسری دلیل- یہ کوّا چوں کہ موذی ہے، اس کی طبیعت میں ایذا رسانی ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس کو فاسق فرمایا اور محرم کے لیے بھی اس کے قتل کی اجازت دی، حالاں کہ محرم کے لیے شکار حرام ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جس طرح اور موذی جانور ہیں، یہ کوّا بھی موذی ہے، اس کا کھانا حرام ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"عن عائشة رضى الله عنها قالت: إنى لأعجب ممن يأكل الغراب و قد أذن النبي ﷺ في قتله للمحرم و سمّاه فاسقاً والله ماهو من الطيبات." (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ مجھے بڑا عجب ہے اس شخص پر جو کوّا کھاتا ہے، حالاں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے محرم کے لیے اس کے قتل کی اجازت دی اور اس کا نام فاسق رکھا۔ خدا کی قسم وہ طیبات سے نہیں۔

ام المومنین کی دوسری حدیث جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے:

عن عائشة عن النبي ﷺ قال: خمس فواسق يقتلن في الحل والحرم الحية والغراب الأبقع والفأرة والكلب العقور والحديا. متفق عليه. (۲)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، پانچ جانور فاسق ہیں، حل اور حرم ہر جگہ قتل کیے جائیں۔ سانپ، اور غراب ابقع (دیسی کوّا) اور چوہا اور کٹکھنا کتا اور چیل۔

تیسری حدیث:

عن ابن عمر عن النبي ﷺ قال: خمس لا جناح على من قتلهن فى الحرم والاحرام، الفأرة والغراب والحدأة والعقرب والكلب العقور. متفق عليه. (۳)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، پانچ جانور ہیں کوئی حرج نہیں اس شخص پر جو ان کو حرم میں اور احرام کی حالت میں قتل کرے، چوہا، اور کوا اور چیل اور بچھو اور کٹکھنا کتا۔

ان تمام حدیثوں سے ثابت ہوا کہ یہ کوّا موذی اور فاسق جانور ہے، اس کا وہی حکم ہے جو سانپ، بچھو، چوہے

---

(۱) احمد حسين بيهقى، سنن بيهقى، ص:۳۱۷، ج:۹، باب ما يحرم من جهة مالا تأكل العرب، ايا، حديث:۱۹۱۵۳، مكتبه دار الباز، مكه مكرمه ۱۹۹۴ء

(۲) مشكوٰة المصابيح، كتاب المناسك، باب المحرم يجتنب الصيد، حديث:۲۶۹۹، ص:۲۳۶، مجلس بركات جامعه اشرفيه، مبارك پور.

(۳) مشكوٰة المصابيح، كتاب المناسك، باب المحرم يجتنب الصيد، حديث:۲۶۹۸، ص:۲۳۶، مجلس بركات جامعه اشرفيه، مبارك پور.

وغیرہ کا ہے۔ جس طرح چوہا، سانپ، بچھو وغیرہ کھانا حرام، کوّا کھانا بھی حرام۔ مسلمان تو حدیث کے اس حکم کو بسر و چشم قبول کریں گے، مگر دیوبندی کوّا خور بڑے اچھل کر کہیں گے کہ واہ حدیث میں یہ دیسی کوّا مراد نہیں، یہ دانہ بھی کھاتا ہے، بلکہ وہ کوّا مراد ہے جو صرف نجاست کھاتا ہے۔ لہٰذا ان کی دہن دوزی کے لیے اس پر وہ برہان قائم کر دوں کہ کوّا خوروں کی کائیں کائیں بھی بند ہو جائے۔ اچھلنا تو کجا۔

ہدایہ میں اسی معنیٰ کی حدیث ذکر کر کے غراب کی تعیین فرمائی کہ صرف نجاست خور مراد نہیں بلکہ وہی کوّا مراد ہے جو کبھی نجاست کھاتا ہے اور کبھی دانہ وغیرہ کھاتا ہے۔ فرمایا:

والمراد بالغراب الذی یأکل الجیف و یخلط لأنه یبتدأ بالأذی وأما العقعق غیر مستثنیٰ لأنه لا یسمیٰ غرابا. (۱)

یعنی حدیث خمس من الفواسق میں غراب سے مراد وہ کوّا ہے جو مردار کھاتا ہے اور خلط کرتا ہے یعنی دانہ وغیرہ بھی کھاتا ہے، کیوں کہ وہ ایذا رسانی کی ابتدا کرتا ہے، لیکن عقعق کا استثنا نہیں، وہ قتل نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ اس کو مطلقاً غراب نہیں کہا جاتا۔

ہدایہ کی شرح بنایہ میں ہے:

قوله (ویخلط) أي یخلط الحب بالنجس. یعنی یأکل الحب تارة وبه کل النجس أخریٰ. (۲)

یعنی صاحب ہدایہ کے قول ویخلط کے معنی یہ ہیں کہ کبھی نجاست کھائے اور کبھی دانہ کھائے۔

لہٰذا حسب تصریح صاحب ہدایہ و صاحب بنایہ، حدیث میں یہی دیسی کوّا مراد ہوا۔ یہی فاسق اور موذی ہوا، اسی کے قتل کے لیے حرم اور حالت احرام میں حکم دیا، اس کا وہی حکم ہوا جو سانپ، بچھو، چوہے وغیرہ کا ہے، جس طرح وہ حرام، یہ کوّا بھی حرام، اس کو نہیں کھائے گا مگر فاسق موذی دیوبندی انکل پچو شکاری شوربہ کا عادی۔

پڑی ہے اندھے کو عادت کہ شوربا ہی سے کھائے بٹیر ہاتھ نہ آئے تو زاغ لے کے چلے

اور وہ بھی معروفہ۔

بحمدہٖ تعالیٰ آیات و احادیث کی روشنی میں دلائل قاہرہ سے اس کوّے کی حرمت ثابت ہوئی۔ فقہ کا جزیہ اس کی حرمت پر پہلے گزرا، باوجود اس کے پھر بھی دیوبندی کوّا خوری سے باز نہ آئیں تو انھیں اختیار ہے، مگر ہاں، اتنا ہم ضرور کہیں گے کہ یا تو کوّا کھانا چھوڑ دیں یا اپنے کو حنفی کہنا چھوڑ دیں۔ کوّا خوری کی حنفیت سے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدنام نہ کریں۔ اس خبیث فاسق موذی کوے کی حلت کی نسبت اس پاک طینت، نیک سیرت، صاحب بصیرت، امام برحق کی طرف کرنا جو بد شکل مچھلی بھی نہ پسند کریں کتنی بڑی کور باطنی و بد طینتی ہے۔

---

(۱) ہدایہ اولین، کتاب الحج، باب الجنایات، ص: ۲۶۲، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور

(۲) ابو محمد محمود بن احمد العینی، البنایة في شرح الهدایة، ج: ٤، ص: ۳۳۱

دیوبندیو! اس نجس، حرام، گندی، گھناؤنی چیز سے امامِ اعظم کے دامنِ پاک کو آلودہ کرتے ہو، خبردار اس امام برحق کا دامن ایسی خباثتوں سے پاک ہے جس کی طہارت پر کیسے دلائل قائم کر دیے، تمہارے استدلال کوّا خوری کی دھجیاں اڑا دیں، ثابت کر دیا کہ تم فقہا کی عبارتیں نقل کر کے امام کو بدنام کرتے ہو، عوام کو دھوکا دیتے ہو، لہٰذا توبہ کرو، اس مکاری، کیاوی سے باز آؤ۔ اخیر میں دیوبندی رہبر نے کچھ اور چال بازی کی ہے، کہتے ہیں:

"علاوہ ازیں معترض صاحب آپ کی یہ کتنی بڑی شرم ناک خیانت ہے کہ آپ نے غراب کی حلت کو صرف علمائے دیوبند کی جانب منسوب کر دیا۔ حالاں کہ علمائے کان پور مولانا احمد حسن صاحب، علمائے رام پور مفتی سعد اللہ صاحب وغیرہ صدہا علمائے حنفیہ نے اس کی حلت کا فتویٰ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو فصل الخطاب فی تحقیق مسئلہ الغراب۔" (۱)

جی ہاں! ہم نے دیوبندیوں کا فصل الخطاب خوب دیکھا ہے، اس میں بڑی بڑی چالبازیاں کی گئی ہیں۔ فتوؤں اور مفتیوں کے خوب جوڑ توڑ کیے ہیں۔ کسی کا فتویٰ کسی کے ساتھ ملایا ہے۔ عبارتیں بدلی ہیں، فتویٰ میں کچھ ہیں، کتاب میں کچھ نقل کی ہیں، اپنا مطلب الٹا سیدھا بنا لیا ہے۔ اسی زمانہ میں علمائے اہل سنت نے ان بد دیانتوں کو ظاہر کر کے رد کر دیا ہے جس کے جواب کی آج تک دیوبندیوں کو ہمت نہ ہوئی۔ اگر اب بھی ہمت ہو تو جن علمائے اہل سنت کے نام فتوے میں درج کیے ہیں ان کی مہری دستخطی تحریر سے ثابت کرو کہ انھوں نے اس دیسی کوّے کی حلت کا فتویٰ دیا ہے۔ ورنہ یاد رکھو:

اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ. (۲) بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے مکر کو راہ نہیں دیتا۔

(۲۱)

دیوبندیوں کے نزدیک تقویۃ الایمان کا رکھنا اور پڑھنا عینِ اسلام ہے۔

علمائے دیوبند کے نزدیک مولوی اسمٰعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے اور باعث ثواب ہے۔ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں:

"اس کا (تقویۃ الایمان) کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے اور موجب اجر کا ہے۔" (۳)

اس پر المصباح الجدید کا پہلا مواخذہ یہ ہے کہ جب تقویۃ الایمان کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہوا تو

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید ملخصًا، ص: ۵۰

(۲) قرآن مجید، سورہ یوسف ۱۲، آیت: ۵۲

(۳) مولوی رشید احمد گنگوهی، فتاویٰ رشیدیہ کامل، ص: ۷۸، مکتبہ تھانوی، دیو بند

جس نے نہ رکھی، نہ پڑھی، وہ اسلام سے خارج ہوا تو لازم آیا کہ تقویۃ الایمان سے پہلے مع اس کے مصنف مولوی اسماعیل کے کوئی بھی مسلمان نہ ہوا اور اس کے بعد بھی جس کے پاس تقویۃ الایمان نہ ہو، یا نہ پڑھے، وہ مسلمان نہ ہو۔ اس معیار سے دورِ حاضرہ ہی میں باوجودے کہ وہابی دیوبندی لاکھوں تقویۃ الایمان مفت تقسیم کرار ہے ہیں، مگر کم از کم پچانوے فی صد مسلمان اسلام سے خارج ہوگئے۔

دوسرا مواخذہ یہ ہے کہ اس گنگوہی فتوے کی رو سے لازم آیا کہ دیوبندیوں کے نزدیک تقویۃ الایمان کا مرتبہ قرآن مجید سے زیادہ ہے، اس لیے کہ قرآن مجید پر ایمان لانا بے شک مسلمانوں کے لیے ضروری ہے، مگر قرآن مجید کا رکھنا اور پڑھنا عین اسلام نہیں اور تقویۃ الایمان رکھنا اور پڑھنا عینِ اسلام ہے۔

ان مؤاخذوں کا جواب تو دیوبندی رہبر سے نہ ہوسکا، جو کچھ کہا اس کا خلاصہ تقویۃ الایمان کی تعریف، گنگوہی جی کی منقبت اور دیوبندی تہذیب کے مطابق علمائے اہل سنت کو گالیاں دینا ہے، رہبر صاحب فرماتے ہیں:

"کیوں کہ تقویۃ الایمان کے تمام استدلالات قرآن و حدیث سے ہیں اس لیے اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے۔ معترض نے از راہِ خیانت صرف خط کشیدہ عبارت نقل کی ہے، پوری عبارت نقل نہیں کی۔ ورنہ ناظرین اسی سے جواب سمجھ لیتے۔ پوری عبارت یہ ہے: کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور وہ رد شرک و بدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ و احادیث سے ہیں، اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے اور موجب اجر کا۔"(۱)

دیوبندیو! دیانت کے نادارو، ذرا ہوش سنبھال کر بتاؤ تو اس خط کشیدہ عبارت کو ما قبل سے وہ کون سا تعلق ہے کہ صرف اس کو ذکر کرنے سے وہ حکم بدل گیا، جو گنگوہی جی نے تقویۃ الایمان کے لیے دیا ہے اور پوری عبارت نقل کر دینے سے المصباح الجدید کے مؤاخذوں کا جواب کیسے ہوگیا۔ واقعی: "الحیاء شعبۃ من الایمان" حق ہے۔ کیا پوری عبارت ذکر کر دینے سے تقویۃ الایمان کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام نہ رہا۔ پوری عبارت میں وہ کون سا لفظ ہے جس سے یہ ثابت ہوا۔ جب نہیں، تو صرف خط کشیدہ عبارت کا ذکر خیانت کیسے ہوا اور اعتراض کا جواب کس طرح ہوگیا۔ اعتراض کو وضاحت سے سمجھنے کے لیے یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیے کہ کسی مجموعہ کا وجود جبھی ہوتا ہے کہ جب اس کے تمام اجزا موجود ہوں اگر ایک جز بھی نہ پایا گیا تو مجموعہ کا وجود محال ہے۔ عین شے کا جو حکم ہے وہی شے کا حکم ہے۔ عین شے سے شے کا وجود اور اس کے عدم سے شے کا عدم ہوتا ہے۔

اب ذرا غور سے سنو! اعتراض یہ ہے کہ جب تقویۃ الایمان کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا تینوں کو عین اسلام بتایا تو

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید ملخصًا، ص: ۵۱

دو ہی صورتیں ہیں، یا تو تینوں کا مجموعہ عین اسلام ہے یا ہر ایک مستقل عین اسلام ہے۔ پہلی صورت میں رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا تینوں جمع ہو کر متحقق ہوئے تو اسلام پایا گیا، یعنی جس نے تقویۃ الایمان کو رکھا بھی، پڑھا بھی، عمل بھی کیا وہ مسلمان ہوا اور اگر تینوں میں سے کوئی ایک بھی نہ پایا گیا تو اسلام نہ پایا گیا، مثلاً کسی نے تقویۃ الایمان پر عمل تو کیا مگر رکھا اور پڑھا نہیں تو مسلمان نہ ہوا، یا عمل کیا اور رکھا بھی مگر پڑھا نہیں، تب بھی مسلمان نہ ہوا۔ یا رکھا اور پڑھا لیکن عمل نہ کیا، تب بھی مسلمان نہ ہوا۔

دوسری صورت یعنی رکھنا بھی عین اسلام، پڑھنا بھی عین سلام اور عمل کرنا بھی عین اسلام، اولاً یہ کہ رکھنا پڑھنا، عمل کرنا، یہ تین چیزیں ہیں اور ایک چیز تین چیزوں کی عین کیوں کر ہو سکتی ہے، ثانیاً یہ صورت پہلے سے بھی زیادہ قبیح ہے، کیوں کہ اس صورت میں جس نے تقویۃ الایمان کو نہ رکھا، نہ پڑھا، نہ عمل کیا وہ مسلمان نہیں اور جس نے رکھا اور پڑھا اور عمل کیا وہ مسلمان۔ اور جس نے صرف عمل کیا، مگر نہ رکھا اور نہ پڑھا وہ مسلمان بھی ہے اور کافر بھی۔ کیوں کہ تقویۃ الایمان پر عمل کرنا عین ایمان تھا، وہ پایا گیا، لہٰذا مومن ہوا اور رکھنا اور پڑھنا جو عین اسلام تھا وہ نہ پایا گیا لہٰذا اسلام نہ پایا گیا، جب اسلام نہیں تو ایمان نہیں، کیوں کہ اسلام و ایمان ایک ہی ہیں۔

شرح عقائد میں ہے:

الإيمان والإسلام واحد.(1)

جب ایمان نہیں تو کفر ہوا، لہٰذا ایک شخص کافر بھی ہوا اور مسلمان بھی۔ اسی طرح جس نے عمل کیا اور رکھا بھی لیکن پڑھا نہیں وہ بھی کافر اور مسلمان دونوں ہوا۔ یوں ہی جس نے عمل کیا اور پڑھا بھی لیکن رکھا نہیں وہ کافر ہوا اور مسلمان بھی۔ دیکھا! یہ ہے گنگوہی فتوے کی بہار کہ جس کی تعداد بیروں از شمار۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہابیت اور دیوبندیت پر کفر عاشق ہو گیا ہے۔

دیوبندیو! اس گنگوہی معیار سے ذرا مسلمانوں کو جانچو تو، اپنی دیوبندی برادری ہی کو پرکھو۔ اگر پانچ فی صد بھی مسلمان ثابت ہو جائیں تو ہم سے کہنا۔

دیوبندیو! ذرا تو خدا لگتی کہہ دو۔ کیا پوری عبارت نقل کرنے سے اس اعتراض کا جواب ہو گیا، کیا اتنا کہہ دینے سے کہ اس کے استدلال کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں، بہت عمدہ کتاب ہے، اعتراض نہیں پڑے گا۔ اگر ایسا ہے تو مرزا قادیانی کی نبوت بھی تمہارے نزدیک ثابت ہو جائے گی، اس کی کسی کتاب پر تمہارے نزدیک کوئی اعتراض نہیں پڑے گا، کیوں کہ قادیانی کہتے ہیں کہ استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ واحادیث سے ہیں، بس پھر کیا ہے دیوبندی مرزا کا کلمہ پڑھیں گے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

---

(۱) علامہ سعد الدین تفتا زانی، شرح عقائد، ص: ۱۳۲، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید کے متعلق تو دیوبندیوں کا مسئلہ بھی یہ ہے کہ اس کا رکھنا اور پڑھنا عین اسلام نہیں بلکہ اس پر ایمان لانا عین اسلام ہے اور تقویۃ الایمان کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا تمہارے نزدیک عین اسلام ہوا تو ہر صورت میں تقویۃ الایمان کا مرتبہ قرآن مجید سے بڑھ گیا۔

سارے دیوبندی مولوی بتائیں! کیا پوری عبارت نقل کر دینے سے یہ اعتراض ساقط ہو گیا یا اس عبارت سے اس کا جواب ہو گیا، ہوا تو کس لفظ سے، نہیں تو دیوبندی رہبر کا اس کو جہالت و بطالت پر مہر تصدیق بتانا کیا اپنی جہالت، بطالت و حماقت و شیطنت کا اقرار کرنا نہیں اور اپنی خباثت باطنی اور بدطینی و کور بختی کا ثبوت دینا نہیں؟ کہو! ہے اور ضرور ہے۔ گنگوہی صاحب نے فتوے میں اور دیوبندی رہبر نے جواب میں تقویۃ الایمان کی بڑی تعریفیں کیں۔ اس کے استدلال بالکل قرآن و حدیث سے بتائے، توحید کو اس کے مضامین کی روح بتایا وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا بطور مشتے نمونہ از خروارے تقویۃ الایمان کی ذرا جھلک دکھادوں تاکہ اس کے استدلال اور دیوبندی توحید کی حقیقت معلوم ہو اور پتہ چل جائے کہ تقویۃ الایمان قرآن و حدیث کا رد ہے اور شرک و کفر کا سیلاب ہے۔ صرف تین نمونے ملاحظہ ہوں۔

نمونہ (۱):- قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے فرمایا:

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ. (۱)

ہم یہ کہاوتیں بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے اور ان کی سمجھ نہیں مگر عالموں کو۔

تقویۃ الایمان میں غیر مقلدی اور دین میں آزادی کا دروازہ کھولنے کے لیے اس آیت کا رد کیا اور قرآن مجید سے جنگ کی اور کہا کہ یہ بالکل غلط ہے۔ قرآن مجید سمجھنے کے لیے ہرگز علم درکار نہیں۔ دیکھو تقویۃ الایمان، ص:۳۔ (۲)

"عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ و رسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے، اس کو بڑا علم چاہیے۔ سو یہ بات بہت غلط ہے۔ انتہی ملخصاً۔" کمال یہ ہے کہ اپنے گڑھے مطلب پر دلیل لائے اس آیت سے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ. (۳)

خود ہی اس کا ترجمہ کیا کہ: "وہ اللہ ایسا ہے جس نے کھڑا کیا نادانوں میں ایک رسول انھیں سے پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے کتاب اور عقل کی باتیں۔"

کیوں دیوبندیو! تقویۃ الایمان پر ایمان لانے والو، بتاؤ تو جب قرآن سمجھنے کے لیے علم درکار نہیں، ہر جاہل نادان سمجھ سکتا ہے، تو نبی کے سکھانے کی کیا حاجت تھی۔ کیا خوب نعوذ باللہ سمجھ لیں اور صحابۂ کرام سکھانے کے محتاج

(۱) قرآن مجید، سورۃ العنکبوت، پ:۲۰، آیت:۴۳

(۲) مولوی اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان، ص:۳

(۳) قرآن مجید، سورۃ الجمعۃ، پ:۲۸، آیت:۲

تھے۔ یہی تمہارا ایمان ہے۔

نمونہ (۲):- تقویۃ الایمان، ص:۱۰:

"روزی کی کشایش اور تنگی کرنی اور تندرست و بیمار کر دینا، حاجتیں برلانی، بلائیں ٹالنی، مشکل میں دست گیری کرنی، یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور انبیا، اولیا، بھوت پری کی یہ شان نہیں جو کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے، اس سے مرادیں مانگے، مصیبت کے وقت اس کو پکارے، سو وہ مشرک ہو جاتا ہے، پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے، خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو قدرت بخشی ہے، ہر طرح شرک ثابت ہے، انتہی ملخصًا۔"(۱)

کس بے دردی سے مسلمانوں کو مشرک بنانے کے لیے جبروتی حکم لگایا کہ پھر خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے، ہر طرح شرک ہے۔ غور کرو جب اللہ کی دی ہوئی قدرت بھی ماننا شرک ہوا تو اس ناپاک ملعون قول پر انبیا و ملائکہ سے لے کر اللہ و رسول تک اور اس کے پیشواؤں سے لے کر خود مولوی اسمٰعیل تک کوئی بھی تو اس حکم شرک سے نہ بچا، یہ ہے تقویۃ الایمانی توحید، جس کا اچھل اچھل کر دیوبندی خطبہ پڑھتے ہیں۔ دیوبندیو، یہ توحید ہے یا شرک کا سیلاب، یہ تمہارا ایمان ہے، یا کفر کی مشین۔ اور پڑھو دیوبندی مرثیہ ؎

حوائج دین و دنیا کی کہاں لے جائیں ہم یارب
گیا وہ قبلۂ حاجاتِ روحانی و جسمانی
خدا اُن کا مربی، وہ مربی تھے خلائق کے
مرے مولا مرے ہادی تھے بے شک شیخِ ربانی
مُردوں کو زندہ کیا، زندوں کو مرنے نہ دیا
اِس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابنِ مریم

ان اشعار کو پڑھتے جاؤ اور اپنے عین اسلام سے اپنا حکم پوچھتے جاؤ۔ تقویۃ الایمان کے اس مضمون کو نظر میں رکھتے ہوئے، اللہ کی دی ہوئی قدرتیں قرآن مجید سے سنو۔

آیت (۱)-

اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ.(۲) انھیں دولت مند کر دیا اللہ اور اللہ کے رسول نے اپنے فضل سے۔

---

(۱) مولوی اسماعیل دهلوی، تقویۃ الایمان، ص:۱۰

(۲) قرآن مجید، سورۃ التوبۃ، :۹، آیت:۷۴

آیت (۲)۔

وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ. (۱) اے عیسیٰ تو تندرست کرتا ہے مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے۔

دیکھا قرآن مجید میں یہ تقویۃ الایمانی شرک ہے اور "میرے حکم سے" کا لفظ بڑھا دینا شرک سے نہ بچائے گا، کیوں کہ تندرست کر دینے کی قدرت اللہ ہی کے حکم سے سمجھے جب بھی تقویۃ الایمانی حکم سے شرک ہے۔

آیت (۳)۔

وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ. (۲) عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کرتا ہوں اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔

تقویۃ الایمانی حکم سے معاذ اللہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کا شرک ہوا۔ دیکھا دیوبندی رہبر یہ ہے تقویۃ الایمانی استدلال۔ ایک ایک استدلال میں سیکڑوں آیتوں اور حدیثوں کا ردو ابطال ہے۔ انبیا و رسول و ملائکہ اور تمام مومنین ان آیتوں میں انبیا علیہم السلام کے لیے اللہ کی دی ہوئی تصرف کی قدرت مانتے ہیں۔ تقویۃ الایمانی حکم سے جب اللہ کی دی ہوئی قدرت بھی ماننا شرک ہوا، تو تمام انبیا و رسول، فرشتے، مومنین، خود اللہ عزوجل بھی شرک سے نہ بچا۔ دیکھا یہ شرک کا سیلاب ہے جو طغیانی میں طوفانِ نوح سے بھی نمبر لے گیا۔

نمونہ (۳):۔ دیوبندی مولوی تقویۃ الایمان کے رکھنے، پڑھنے، عمل کرنے کو عین اسلام اس لیے کہتے ہیں کہ تقویۃ الایمان نے اس کے ماننے والوں کو آزادی کے ساتھ گناہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"سو یہ جان لینا چاہیے کہ جس کی توحید کامل ہے، اس کا گناہ وہ کام کرتا ہے کہ اوروں کی عبادت وہ کام نہیں کر سکتی۔ فاسق موحد ہزار درجہ بہتر ہے متقی مشرک سے۔" (۳)

دیوبندی مذہب میں صرف تقویۃ الایمان کے ماننے والوں کا ہی ایمان کامل ہے اور جب ایمان کامل ہوا تو اسماعیلی حکم سے ان کا گناہ وہ کام کرے گا کہ دوسروں کی عبادت نہیں کر سکتی۔ لہٰذا دیوبندیوں کو ترغیب ہوئی کہ اب کیا ہے، توحید تمہاری کامل ہو ہی گئی، اب خوب دل کھول کر گناہ کرو چوری، زناکاری، شراب خوری، اغلام بازی وغیرہ جو چاہو کرو اور جب کوئی سنی ہدایت کرے ڈانٹ کر کہہ دو یہ ہمارا ایمانی مسئلہ ہے کہ ہمارا گناہ وہ کام کرتا ہے کہ تمہاری عبادت نہیں کر سکتی۔ یعنی ہمارے ان تمام گناہوں پر وہ ثواب مرتب ہوتے ہیں کہ تمہاری نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ پر ہر

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ المائدۃ: ۵، آیت: ۱۱۰

(۲) قرآن مجید، آلِ عمران: ۳، آیت: ۴۹

(۳) مولوی اسماعیل دھلوی، تقویۃ الایمان، ص: ۲۳،۲۴. مطبع صدیقی./ ص: ۵۰، اواخر تیسرا باب، بھارت آفسیٹ

گز نہیں ہوسکتے۔ یہ ہے دیوبندیوں کا ئین اسلام۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم.

محبوبانِ بارگاہِ الٰہی کو گالیاں دینا، کفار و مرتدین کا پرانا طریقہ ہے۔ دیوبندی رہبر نے اس مقام پر اپنے اسی ابلیسی ورثہ کے ماتحت اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت، قاطع شر نجدیت، قامع فتن دیوبندیت، فاضل بریلوی کو گالیاں دیتے ہوئے کہا:

"اس بدنصیب کے متعلق آپ کیا کہیں گے جو اپنے وصیت نامہ میں لکھتا ہے، میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے، اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ غضب خدا کا سب سے اہم فرض بنایا تو اس دین و مذہب پر قائم رہنے کو جو قرآن و حدیث سے نہیں بلکہ خود بدولت کی کتابوں سے ظاہر ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خاں صاحب کے نزدیک ان کی کتابوں کا جو اعلیٰ مرتبہ ہے وہ قرآن مجید کو بھی حاصل نہیں۔"(۱)

گالیوں کی شکایت تو دیوبندیوں سے کیا کی جائے، یہ بدنصیب بددین مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کے صحیح مصداق ہیں۔ یہ تو اعلیٰ حضرت سے کیا ان کے آقا و مولا ﷺ کو گالیاں دینے، ان کی شانِ پاک میں گستاخیاں کرنے کے عادی ہیں، یہ تو ان کی روحانی غذا ہے، مگر سارے دیوبندی یہ بتائیں کہ تمہارے رہبر کا یہ قول کہ جو قرآن مجید کو بھی حاصل نہیں، یہ وصایا شریف کے کس لفظ کا مطلب ہے۔ کیا دیوبندی اپنی تصنیف کردہ کتابوں کو اپنی کتابیں نہیں کہتے؟ کیا تھانوی، گنگوہی، نانوتوی صاحبان نے جتنی کتابیں لکھی ہیں، ان کو دیوبندی، خدا کی کتابیں کہتے ہیں؟ کیا فتاویٰ امدادیہ و اشرفیہ و براہین قاطعہ، فتاویٰ رشیدیہ تمہارے نزدیک کتاب اللہ ہیں؟ سارے دیوبندی یہ کہتے ہیں فتاویٰ امدادیہ، اشرفیہ تھانوی صاحب کی کتاب ہے، براہین قاطعہ انبیٹھی صاحب کی، فتاویٰ رشیدیہ گنگوہی جی کی ہے اس لیے تھانوی اور گنگوہی صاحبان نے اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے فتاویٰ اشرفیہ وفتاویٰ رشیدیہ نام لکھا ہے۔

لہٰذا یہ بتائیں کہ ان کتابوں سے جو ظاہر ہے وہ تھانوی، انبیٹھی، گنگوہی صاحب کا دین و مذہب ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو اپنے مذہب و دین کے خلاف کتابیں لکھ کر مخلوق کو کیوں گمراہ کیا؟ اور اگر ہے تو اس مذہب پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو بتاؤ کہ دین و مذہب سے زیادہ تمہارے نزدیک وہ کون سا فرض ہے؟ اور اگر اس پر مضبوطی سے قائم رہنا فرض ہے تو غضب خدا کا تھانوی، نانوتوی، گنگوہی، تمام دیوبندی مُلّوں نے سب سے اہم فرض بتایا، تو اس دین و مذہب پر قائم رہنے کو جو قرآن و حدیث سے نہیں بلکہ خود بدولت کی ان کتابوں سے ظاہر ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ تھانوی وغیرہ کے نزدیک ان کی کتابوں کا جو اعلیٰ مرتبہ ہے، وہ قرآن مجید کا نہیں۔ دیکھا

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحديد، ص:۵۲

دیوبندیو، یہ تمہارے ہی رہبر کا اعتراض ہے، اس کا جواب تم پر لازم ہے۔ بددینو! عقل کے دشمنو! دین کے نادارو! اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کی تصانیف قرآن و حدیث کے وہ صحیح اور سچے احکام و ارشادات ہیں جو بددینوں، شرک فروشوں کی قطع و برید سے پاک ہیں تمہارے تقویۃ الایمان کی طرح نہیں کہ آیت و حدیث لکھ کر فساد کی ف جڑ کر شرک، کفر کی توپیں و مشینیں لگا دیں۔ اعلیٰ حضرت کی کتابوں میں دین حق و صراط مستقیم ہے، اس لیے یقیناً ہر فرض سے اہم فرض ان پر قائم رہنا ہے۔ قرآن و حدیث ہی کا نام لے لے کر تو قادیانی، رافضی، نیچری، وہابی، دیوبندی گمراہ کر رہے ہیں۔

اس پر فتن زمانہ میں عوام کو ان مکاروں کے مکر و کید سے بچانے والی صرف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کی کتابیں ہی ہیں، اس لیے وصیت فرمائی کہ اس دین حق صراط مستقیم پر قائم رہو تو مکاروں کے مکر، غداروں کے غدر سے محفوظ رہو گے، اور قرآن و حدیث پر صحیح عمل کر سکو گے۔ اللھم ثبت أقدامنا علی مذہب اھل السنۃ والجماعۃ۔

(۲۲)

گنگوہی صاحب کے نزدیک وہابی کا مطلب دین دار اور متبع سنت تھا

علماے دیوبند نجدیوں، وہابیوں کے ہم عقیدہ ہیں۔ جو عقائد نجدیوں، وہابیوں کے ہیں بالکل وہی عقیدے دیوبندیوں کے ہیں۔ کیوں کہ دیوبندیوں کے پیشوا گنگوہی صاحب نے فرقۂ وہابیہ کے دین دار اور متبع سنت ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ ان کے عقائد کو اہل سنت و جماعت کے مطابق بتایا ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ کا چوتھا سوال و جواب ملاحظہ ہو۔

> ”چوتھے، وہابی مذہب یہ کون فرقہ ہے، مردود ہے یا مقبول اور عقائد ان مذہب والوں کے مطابق سنت والجماعت کے ہیں یا مخالف کسی امام کی تقلید کرتے ہیں یا نہیں۔“(۱)

> گنگوہی صاحب کا جواب: (۴)۔ ”اس وقت اور ان اطراف میں وہابی متبع سنت اور دین دار کو کہتے ہیں۔“(۲)

اس پر المصباح الجدید میں فرمایا کہ پھر وہابی کہنے سے دیوبندی چڑتے کیوں ہیں؟ کیا دین دار و متبع سنت ہونا برا معلوم ہوتا ہے؟ اس کے جواب میں دیوبندی رہبر نے جو کہا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”علماے دیوبند بڑے پکے حنفی ہیں،

---

(۱) مولوی رشید احمد گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ، حصہ دوم، ص: ۱۰، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ، سنہری مسجد، دہلی

(۲) مولوی رشید احمد گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ، حصہ دوم، ص: ۱۱ مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ، سنہری مسجد، دہلی

ان کو وہابی کہنا بدعتیوں کا شعار ہے۔" اور دیوبندی تہذیب کے جوہر دکھائے، کہاکہ یہ آپ کی مجنونانہ بڑ ہے۔ پھر جو دورہ شروع ہوا تو خوب ناچے کودے، خوب ڈھولک ستار بجایا، جب ذرا ہوش آیا تو کہاکہ "آپ لوگ رضا خانی کہنے سے کیوں چڑتے ہیں۔"(۱)

علمائے دیوبند کا پکا حنفی ہونا نمبر (۲۰) میں نہایت تفصیل سے گزرا، ثابت ہو گیا کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدنام کر کے عوام کو نفرت دلاتے ہیں اور کوّا کھانے کے حنفی ہیں۔ لہٰذا دیوبندیوں کی حنفیت کے متعلق یہاں بحث کی ضرورت نہیں۔ رہبر صاحب کی ان حرکتوں سے ظاہر ہو گیا کہ دیوبندیوں کے نزدیک اعتراض کے جواب دینے کے یہی معنیٰ ہیں کہ خوب بد تہذیبی اور نقالی کی جائے، مگر اس کو کوئی عاقل جواب نہیں کہے گا۔ البتہ یہ تمہاری مجنونانہ بڑ اور دیوانگی کی اڑ اور پاگل پنے کی جڑ ہے جس کو جواب سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تمہارے عجز کی دلیل ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ کے سوال و جواب کو آنکھ کھول کر دیکھو۔ سوال یہ ہے: "وہابی مذہب یہ کون فرقہ ہے، مردود ہے یا مقبول ان کے عقائد کیسے ہیں؟" اس کے جواب میں گنگوہی صاحب فرماتے ہیں: "اس وقت اور ان اطراف میں وہابی متبع سنت اور دین دار کو کہتے ہیں۔" وہابی مذہب اور فرقہ وہابیہ کو متبع سنت اور دین دار کہا ہے، یہ نہیں کہا کہ وہابی کوئی مذہب نہیں، کوئی فرقہ نہیں بلکہ بدعتیوں کا شعار ہے کہ متبع سنت و دین دار کو چڑانے کے لیے وہابی کہتے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا کہ وہابی ایک فرقہ نجدیہ ہے جس کے عقائد خبیثہ خلاف اسلام و خلاف مذہب اہل سنت ہیں، کہتے کیسے؟؟ اس وہابی نجدی خبیث کی تو گنگوہی صاحب نے خوب تعریف کی ہے۔ اچھا آدمی، شرک و بدعت سے روکنے والا بتایا ہے۔

نمبر ۲۳ رمیں مذکور ہے، شرک و بدعت سے روکنے والا ہی تو متبع سنت اور دین دار ہوتا ہے، لہٰذا یہ سوال و جواب دلیل ہے کہ گنگوہی صاحب، ان کے متبعین، تمام دیوبندی فرقہ وہابیہ ہیں، لہٰذا اب بتاؤ کہ وہابی کہنے سے تم چڑتے کیوں ہو؟ رہا اہل سنت کو رضا خانی کہنا، یہ تمہارے گرو مولوی عبد الشکور خارجی کی بدعت شنیعہ ہے، جس کو دیوبندیوں نے پکڑ کر فریب دہی کا آلہ سمجھ لیا ہے، ورنہ اصل میں رضا خانی کوئی مذہب نہیں، کوئی فرقہ نہیں، پھر اس نقالی سے المصباح الجدید کے اعتراض کا جواب کیسے ہوا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دیوبندی اپنی مکاری کیادی سے حق پر پردہ ڈالتے تھے۔ مذہب حق اہل سنت و جماعت جس پر صحابہ و تابعین، سلف صالحین، اولیاے کاملین قائم رہے، اس کو مٹانا چاہتے تھے۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ کی رشد و ہدایت، حق و صداقت کا وہ آفتاب چمکا کہ دیوبندیت کی کالی کالی گھٹائیں، وہابیت کی سیاہ سیاہ ظلمتیں کافور ہو گئیں جو خوش نصیب تھے اپنی سنت قدیمہ کے مطابق شور مچانے لگے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

مہ فشاند نور سگ عوعو کند ... ہر کسے باخلقت خود می تند

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید ملخصًا، ص: ۵۱،۵۲

(۲۳)

دیوبندیوں اور نجدیوں کے عقائد میں پوری مطابقت ہے

علماے دیوبند نجدی وہابی کے ہم عقیدہ ہیں، جو نجدی وہابی کے عقیدے ہیں بالکل وہی عقیدے دیوبندیوں کے ہیں، کیوں کہ دیوبندیوں کے پیشوا گنگوہی صاحب نے اس نجدی وہابی کو اچھا آدمی، شرک وبدعت سے روکنے والا، عامل بالحدیث کہا ہے، ملاحظہ ہو۔

"سوال: عبدالوہاب نجدی کیسے شخص تھے؟

الجواب: محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں۔ وہ اچھا آدمی تھا، سنا ہے کہ مذہب حنبلی رکھتا تھا اور عامل بالحدیث تھا، بدعت و شرک سے روکتا تھا، مگر تشدید اُس کے مزاج میں تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"(۱)

المصباح الجدید میں اس پر افادہ فرمایا کہ دیوبندی اور نجدی وہابی عقیدے میں ایک ہیں، صرف عمل میں فرق ہے۔ نجدی وہابی اپنے کو حنبلی کہتے تھے، دیوبندی اپنے کو حنفی کہتے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ کا سوال و جواب اس پر دلیل ہے، مگر دیوبندی رہبر اس پر پردہ ڈالنے کے لیے جواب دیتے ہیں کہ:

"محمد ابن عبدالوہاب کے متعلق علما کا اختلاف ہے۔ علامہ شامی نے کہا اس کے عقائد اچھے نہیں تھے اور صاحب تفسیر روح المعانی نے کہا کہ وہ حنبلی تھا، اس کے خلاف جو مذہبی پروپیگنڈہ کیا گیا وہ غلط ہے۔ غرض اس کے متعلق دونوں قسم کے بیان موجود ہیں مولانا گنگوہی صاحب کو آخر الذکر اطلاعات زیادہ وثوق سے پہنچیں اس لیے انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا، لیکن مولانا حسین احمد صاحب نے محمد بن عبدالوہاب اور اس کی جماعت کے خلاف الشہاب الثاقب میں بہت کچھ لکھا ہے۔ الغرض یہ اختلاف اطلاعات کی بنا پر ہے جو اُن کو پہنچیں۔"(۲)

ناظرین کرام غور فرمائیں، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نجدیوں وہابیوں کے متعلق فرمایا:

كما وقع في زماننا في اتباع عبد الوهاب — جیسا کہ ہمارے زمانہ میں واقع ہوا، عبدالوہاب کے

(۱) مولوی رشید احمد گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ، حصہ سوم، ص:۷۹، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ سنہری مسجد، دھلی/ کامل جدید، ص:۲۸

(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید ملخصًا، ص: ۵۳،۵۴

الذین خرجوا من نجد و تغلبوا علی الحرمین، وکانوا ینتحلون مذهب الحنابلة لکنهم اعتقدوا أنهم هم المسلمون وأن من خالف اعتقادهم مشرکون. واستباحوا بذٰلك قتل أهل السنة وقتل علماءهم. حتی کسر الله تعالیٰ شوکتهم وخرب بلادهم و ظفر بهم عساکر المسلمین عام ثلث وثلاثین مائتین والف انتهی.(۱)

متبعین ہیں جنھوں نے نجد سے خروج کیا اور مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ پر ظالمانہ قبضہ کیا۔ وہ مذہب حنبلی کا حیلہ کرتے تھے۔ لیکن ان کا عقیدہ یہ تھا کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو لوگ ان کے خلاف ہیں وہ مشرک ہیں، پس اسی وجہ سے انھوں نے اہل سنت اور علمائے اہل سنت کے قتل کو مباح کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی اور ان کے شہروں کو ویران کیا اور مسلمانوں کے لشکروں کو ان پر ۱۲۰۳ھ میں فتح دی۔

مسلمانو! خبر دار ہو جاؤ۔ یہ ہیں نجدیوں کے عقیدے، ساری دنیا کے مسلمان ان کی نظر میں مشرک ہیں، اہل سنت و علمائے اہل سنت کے قتل کو جائز جانتے ہیں۔

رہبر صاحب! آں جہانی نے صاحب روح المعانی کی وہ عبارت کیوں نہیں نقل کی جس میں انھوں نے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول کو غلط بتایا ہے، اور بقول تمہارے گنگوہی صاحب کی طرح نجدی کی تعریف کی ہے۔

نجدی پرستو! شرم نہیں آتی، اپنی بد دینی، بد عقیدگی کی اشاعت کے لیے علما پر افترا کرتے ہو، بتاؤ تو وہ کون کون سے باوثوق ذرائع ہیں جن کے واسطہ سے گنگوہی صاحب کو نجدیوں کی خوش عقیدگی کا علم ہوا، وہی ذریعہ ہے کہ اس نجدی خبیث نے کتاب التوحید لکھی، جس میں اپنے گندے عقائد ظاہر کیے، ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر و مشرک بنایا۔ اسی کا ترجمہ مولوی اسماعیل دہلوی نے کیا جس کا نام تقویۃ الایمان رکھا۔ اس میں بھی مسلمانوں پر کفر و شرک کی وہ بارش کی کہ سب کو کافر و مشرک بنا دیا۔ متقی تک کو مشرک لکھ دیا، جس کی تفصیل نمبر (۲۱) میں گزری۔ اس کے رکھنے، پڑھنے اور عمل کرنے کو گنگوہی جی عین اسلام لکھتے ہیں، تو گنگوہی صاحب اپنے ہی قول سے نجدیوں کے ہم عقیدہ ہوئے اور نجدیوں کے انھیں عقیدوں سے متفق ہیں جو علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت میں گزرے اور پوشیدگی کیا ہے، تمام دیوبندی اہل سنت کو بدعتی مشرک کہتے ہیں، مشرک کا قتل جائز ہی ہے لہٰذا سب کا وہی عقیدہ ہوا جو علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نجدی خبیثوں کا عقیدہ بیان کیا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ دیوبندی نجدیوں وہابیوں کے ہم عقیدہ ہیں۔ صرف اعمال میں حنفی شافعی کے سا فرق ہے، اگر کچھ شبہہ ہو تو فتاویٰ رشیدیہ کا ایک سوال و جواب اور دیکھ لو:

---

(۱) رد المحتار، کتاب الحدود، باب البغاة، ج:٤، ص:٢٦٢، دار الفکر، بیروت ٢٠٠٠ء

"سوال: وہابی کون لوگ ہیں اور عبد الوہاب نجدی کا کیا عقیدہ تھا اور کس مذہب کا ماننے والا تھا اور وہ کیسا شخص تھا اور اہل نجد کے عقائد میں اور سنی حنفیوں کے عقائد میں کیا فرق ہے؟

الجواب: محمد بن عبد الوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا، البتہ ان کے مزاج مین شدت تھی، مگر ان کے مقتدی اچھے ہیں، مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آگیا، اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی، شافعی، مالکی حنبلی کا ہے۔"(۱)

اب تو بالکل صاف صاف کہہ دیا کہ دیوبندی اور نجدی دونوں عقائد میں متحد ہیں، اعمال میں حنفی شافعی کے سا فرق ہے، یہی وجہ ہے کہ ابھی مولوی کفایت اللہ دہلوی اور بہت سے دیوبندی مولویوں کا فتویٰ گوپا گنج ضلع اعظم گڑھ سے شائع ہوا ہے۔ جس میں رہبر صاحب کے مربی مولوی شکر اللہ مبارک پوری و مولوی یٰسین مبارک پوری بھی ہیں۔ سب نے فتویٰ دیا ہے کہ غیر مقلدوں کے پیچھے حنفیوں کی نماز جائز، ان کے ساتھ شادی بیاہ جائز، ان کو اپنی مسجد دل سے روکنا سخت گناہ ہے۔ یہ چھپا ہوا فتویٰ ہمارے پاس موجود ہے۔

المصباح الجدید کا منشا یہی ہے کہ مسلمان آگاہ ہو جائیں کہ دیوبندی اور نجدی دونوں وہابی ہیں، دونوں کے عقائد ایک ہیں، حنفی بن کر سنیوں کو دھوکا دیتے ہیں، سنیوں کو ان سے خبر دار رہنا چاہیے۔ رہا مولوی حسین احمد صاحب کا نجدیوں کے خلاف لکھنا، یہ ان کی سیاست ہے۔ سنیوں کو پھانسنا چاہتے ہیں۔ دیوبندی اس قسم کے جال بچھایا کرتے ہیں، جب دیکھا فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ کو دیکھ کر لوگ دیوبندیوں کو وہابی سمجھ کر متنفر ہوتے ہیں تو الشہاب الثاقب لکھ دی کہ اسے دیکھ کر پھانس لیں۔ ورنہ کیا تقویۃ الایمان جو نجدی کی کتاب التوحید کا ترجمہ ہے، مولوی حسین احمد صاحب اس کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں، پوچھو تو ذرا، لو تو فتویٰ پھر گنگوہی جی کے خلاف کیسے ہوئے، نجدی کے خلاف کیسے ہوئے صرف جال ہی تو بچھایا ہے، ورنہ ایک ہی تھیلی کے ہوئے۔

رہبر صاحب نے گنگوہی جی کی حمایت میں حضرت غوث پاک اپر افترا کیا اور کہا:

"یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت غوث پاک اور دیگر علمائے امت میں حضرت امام ابو حنیفہ کے متعلق ہوا کہ حضرت غوث اعظم نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں آپ کو فرقہ ضالہ مرجیہ میں لکھ دیا۔ اور امام ابن جوزی نے کتاب تلبیس ابلیس میں

---

(۱) مولوی رشید احمد گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ، حصہ اول، ص:۷/ مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ سنہری مسجد، دھلی/ کامل جدید، ص:۲۸۰

حضرت شیخ علیہ الرحمہ کو کافر تک لکھ دیا اور دوسرے علماے امت آپ کو اکابر اولیا سے مانتے ہیں۔"(۱)

رہبر صاحب! حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس کی نسبت کرنا آپ کا بہتانِ عظیم ہے۔ دامنِ غوثیت ان خرافات سے پاک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بد دینوں، منافقوں نے اپنے باطل کو رواج دینے کے لیے اہل حق کی کتابوں میں دست اندازی کی ہے، غنیۃ الطالبین میں بھی خبیثوں نے یہ ناپاک حرکتیں کی ہیں۔ علامہ شیخ احمد شہاب الدین ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ حدیثیہ میں اس کو نہایت تفصیل سے بیان فرماتے ہیں:

و اياك أن تغتر أيضا بما وقع في الغنية لإمام العارفين و قطب الإسلام والمسلمين الأستاذ عبد القادر الجيلاني فإنه دسه عليه فيها من سليغم الله منه وإلا فهو برى من ذلك (إلى قوله) سبحانك هذا بهتان عظيم .(۲)

خبردار اس سے بھی دھوکہ میں نہ آنا جو واقع ہوا۔ امام العارفین قطب الاسلام والمسلمین استاذ عبد القادر جیلانی کی کتاب غنیۃ الطالبین میں اس لیے کہ یہ مکاری کی چال بازی ہے، اس پر جس پر اللہ کا انعام ہے، ورنہ وہ اس سے بری ہیں (اس کے بعد تفصیل کر کے فرمایا) پاکی ہے تجھے یہ بہتان عظیم ہے۔

فتاویٰ حدیثیہ کی عبارت سے ثابت ہوا کہ غنیۃ الطالبین میں بعض عبارتیں بدباطن لوگوں نے ملا دی ہیں، لہٰذا یہ بھی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمنوں کی کارروائی ہے اور حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس کی نسبت قطعاً غلط ہے۔ کیوں کہ غنیۃ الطالبین ہی میں دوسرے مقامات پر حضرت امام کو دیگر ائمہ کے مقابلے میں امام اعظم لکھا ہے اگر حضرت غوث پاک آپ کو فرقہ ضالہ مرجیہ سے جانتے تو آپ کو امام ہی نہ مانتے، چہ جائے کہ دوسرے اماموں پر فضیلت دے کر امام اعظم لکھتے۔ لہٰذا یہ رہبر صاحب کی جہالت ہے کہ اس بہتانِ اعظم کی نسبت حضرت غوثِ پاک کی طرف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انھوں نے سنی سنائی باتوں سے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرقۂ ضالہ مرجیہ میں لکھ دیا۔ یاد رکھو ان کی وہ شان ہے کہ دلوں کے خطرات سے واقف ہیں، مولانا روم فرماتے ہیں۔

شیخ واقف گشت از اندیشہ اش شیخ چوں شیرست دلہا بیشہ اش

ابن جوزی وغیرہ سے جو غلطیاں ہوئیں، انھوں نے اس سے رجوع کیا، مگر اس سے تمھیں کیا فائدہ۔ کیا اس سے دیوبندیوں کے کفریات ایمانیات ہو گئے۔ حسام الحرمین میں بعینہ دیوبندیوں کے اقوالِ کفریہ نقل کیے ہیں، جن پر مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ کے چاروں

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:٥٤

(۲) علامہ شہاب الدین ابن حجر ہیتمی مکی، فتاویٰ حدیثیہ، ص:١٤٥، ج:١، دار الفکر، بیروت

مذہب کے تمام مفتیوں نے کفر کے فتوے دیے کہ دیوبندیوں نے برسوں کی چالبازی سے عبارتیں بدلیں، عقیدے بدلے، تقیہ کیے، ہر مسئلہ میں قسمیں کھا کھا کر اہل سنت کے عقائد ظاہر کیے، علماے حرمین کو دھوکا دے کر التلبیسات لدفع التصدیقات شائع کی جس کا نام "المہند" رکھا۔ رہبر صاحب! ان چال بازیوں سے کفر ایمان نہیں ہو گیا کہ آپ نے بوکھلا کر دیوبندی تہذیب کا مظاہرہ شروع کر دیا کہ "امام ابن الجوزی کو بدباطن لوگوں نے حضرت شیخ کے متعلق اس قسم کی اطلاعات پہنچائیں جیسے کہ جھوٹوں کے بادشاہ مجدد التکفیر والبدعات مولوی احمد رضا خان نے علماے دیوبند کے متعلق علماے حرمین شریفین تک غلط اطلاعات پہنچائیں اور دھوکہ دے کر اپنے کفری فتوے حسام الحرمین کی تصدیق کرائی۔"(۱)

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ نے اللہ و رسول کے دین پاک کی حمایت و حفاظت کے لیے اپنی تصنیفاتِ جلیلہ باہرہ قاہرہ میں حق و صداقت کے وہ دریا بہائے کہ حق و باطل میں زمین و آسمان بلکہ دن رات کا فرق کر دکھایا۔ دینِ مصطفیٰ اور عزتِ محمد رسول اللہ ﷺ کے بچانے کے لیے سیکڑوں کتابیں لکھ کر بد دینوں، مصطفیٰ ﷺ کے دشمنوں پر الطامۃ الکبریٰ اور قیامت صغریٰ قائم کر دی۔ بے دینوں، وہابیوں، دیوبندیوں کی شرارت و خباثت کی رگیں کاٹ دیں، جڑیں اکھاڑ دیں، گورستانِ وہابیت میں سناٹا کر دیا۔ ان کے کفریات اور اللہ و رسول کی شان میں ان کی گستاخیاں ظاہر کر کے مسلمانوں کو ان دین کے دشمنوں، ایمان کے ڈاکوؤں سے باخبر کر دیا۔ ان کی تمام مکاری، عیاری، غداری کو مسلمانوں پر ظاہر کر دیا۔ وہابیوں، دیوبندیوں کے کفر پر عرب و عجم، علماے مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ نے فتوے دیے، جس کی تفصیل فتاویٰ حسام الحرمین شریف میں مذکور ہے۔ جس نے دیوبندیوں کا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا، بسا بسایا گھر اجاڑ دیا، اسی کو روتے، چیختے چلاتے ہیں۔ دیانت و انصاف ہوتا تو توبہ کرتے، اپنے کفریات سے باز آتے۔ مگر بد نصیب: أُولَٰٓئِكَ كَٱلۡأَنۡعَٰمِ بَلۡ هُمۡ أَضَلُّۚ (۲) کے سچے مصداق ہیں۔ اس لیے بجائے توبہ کے بوکھلا بوکھلا کر گالیاں دیتے ہیں۔ خیر اس وقت تو فَمَهِّلِ ٱلۡكَٰفِرِينَ أَمۡهِلۡهُمۡ رُوَيۡدَۢا (۳) ہے لیکن یاد رکھو وہ دن آئے گا کہ تم پکار پکار کر کہو گے يَٰلَيۡتَنِي كُنتُ تُرَٰبَۢا (٤) اور کچھ نہ سنی جائے گی اور حکم ہوگا: ٱدۡخُلُوٓاْ أَبۡوَٰبَ جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَاۖ فَبِئۡسَ مَثۡوَى ٱلۡمُتَكَبِّرِينَ (٥)

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۵۵

(۲) قرآن کریم، سورۃ الأعراف، پ:۹، آیت:۱۷۹

(۳) قرآن کریم: سورۃ الطارق، پ:۳۰، آیت:۱۷

(٤) قرآن کریم سورۃ النباء، پ:۳۰، آیت:٤۰

(٥) قرآن کریم سورۃ الزمر، پ:٢٤، آیت:۷۲

(۲۴)

دیوبندیوں کے نزدیک مولوی اسماعیل دہلوی شہید اور جنتی ہیں

علمائے دیوبند کے نزدیک مولوی اسماعیل دہلوی متقی، پرہیز گار، ولی اللہ و شہید جنتی ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ میں مولوی رشید احمد صاحب نے ان کی بڑی لمبی چوڑی تعریف کر کے آیت لکھی:

"اِنۡ اَوۡلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ (۱) کوئی نہیں اولیا حق تعالیٰ کا، سوائے متقیوں کے، بموجب اس آیت کے مولوی اسماعیل ولی ہوئے۔ اور بہ فحوائے حدیث: من قاتل فی سبیل اللہ فواق ناقۃ وجبت لہ الجنۃ کے وہ جنتی ہیں۔"(۲)

اس پر المصباح الجدید میں ہے کہ عقیدت اسے کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث سے مولوی اسماعیل کو ولی، شہید، جنتی بناڈالا مگر حضرت غوثِ پاک او غیرہ اولیاے کرام کے لیے کبھی ایسی تکلیف گوارا نہیں ہوئی۔ ان کی گیارہویں اور فاتحہ کو بھی شرک و بدعت کہتے کہتے عمر گزار دی۔

اس پر رہبر صاحب نے دیوبندی تہذیب کے جوہر دکھاتے ہوئے کہا:

"بے شک ولایت کا ثبوت قرآن و حدیث سے ہی ہوتا ہے۔ آپ کے نزدیک شاید وید، شاستر، منو سمرتی، وصایا شریف ملفوظات اعلیٰ حضرت اور رامائن وغیرہ سے ہوتا ہوگا اور کہا کہ آپ شہید دہلوی کی ولایت و شہادت کے منکر ہیں اس لیے ہم ان کی ولایت و شہادت ثابت کرتے ہیں، اگر آپ کا کوئی بھائی حضرت غوث پاک کی ولایت کا منکر ہو کر آئے تو ہم ان کی ولایت بھی ثابت کر دیں گے۔"(۳)

ہاں رہبر صاحب! دروغ گو را حافظہ نباشد اسی کو کہتے ہیں۔ نمبر (۲۳) میں آپ ہی کہہ رہے تھے کہ ابن جوزی نے حضرت غوث پاک کو کافر لکھا ہے، یہاں آپ کو حضرت غوث پاک کی ولایت کا بھی کوئی منکر نہیں ملتا، اور اگر ان کی ولایت ثابت کرنے کے لیے ہمارا ہی انکار شرط ہے تو اول تو یہ تعلیق بالمحال ہے، ہم تو سگ بارگاہِ قادری کی وہ قدر کرتے ہیں جو تم سے اپنے شہید دہلوی کی ناممکن ہے۔ دوسرے ہمارے ہی انکار پر ثابت کرنا صرف ہم سے عداوت کا ثبوت دینا ہوا، نہ کہ حضرت غوث پاک سے عقیدت، اور ہم مسلمانوں کو یہی بتانا چاہتے ہیں کہ دیوبندیوں کو اپنے گروؤں سے تو وہ عقیدت ہے کہ ان کی تعریف میں تمام قرآن پڑھ جائیں، ساری حدیث کی کتابیں سنا دیں، مگر محبوبانِ بارگاہِ الٰہی

---

(۱) قرآن کریم، سورۃ الانفال، پ:۹، آیت: ۳٤

(۲) مولوی رشید احمد گنگوھی، فتاویٰ رشیدیہ کامل، ص:۷۹، مکتبہ تھانوی، دیو بند

(۳) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید ملخصًا، ص:٥٦

سے وہ عداوت کہ ان کی فاتحہ تک کو شرک وبدعت بتابتا کر مسلمانوں کو اس کارِ خیر سے روکیں۔

وید، شاستر، منواسمرتی، رامائن کفار ومشرکین کی گندی کتابیں ہیں، مگر تقویۃ الایمان کو عین اسلام ماننے والوں کو ان کتابوں پر اعتراض کا قطعًا حق حاصل نہیں، تقویۃ الایمان شرک فروشی میں ان سب سے بڑھی ہوئی ہے، جس کی تفصیل نمبر (۲۱) میں گزری۔ رہبر صاحب نے حسب عادت یہاں بھی نقالی کی ہے، کہتے ہیں:

> "اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنی ولادت اور وفات کی تاریخیں قرآن کریم سے خود استخراج فرمائیں، تاریخ ولادت: اولٰئک کتب فی قلوبھم الإیمان و أیدیھم بروح منه. (۱۲۷۲ھ) اور تاریخ وفات: ویطاف علیھم بآنیة من فضة اکواب (۱۳۳۹ھ) کہیے، ان بڑے میاں کے لیے کیا حکم ہے۔"(۱)

دیوبندیو، علم کے نادارو، قرآن مجید سے عمرو تاریخ نکالنا اکابر دین وسلف صالحین سے ثابت ہے۔ تفسیر احمدی شریف میں ہے:

و بعضھم عمر النبی ﷺ ثلاثا و ستین من قوله تعالیٰ فی سورة المنافقین ولن یؤخر الله نفسا اذا جاء اجلھا .(۲)

یعنی بعض اکابر دین نے نبی ﷺ کی ۶۳ سال کی عمر شریف سورۃ منافقون کی اس آیت سے نکالی ہے: ولن یؤخر الله نفسا إذا جاء اجلھا۔

اگر دیوبندیوں کے نزدیک قرآن مجید سے عمرو تاریخ نکالنا بدعت وشرک ہے تو ان اکابر دین پر فتویٰ لگائیں مگر سلف صالحین پر تو حکم لگانا دیوبندیوں کے نزدیک آسان ہے۔ وہ دکھاؤں جس سے ان کا گھر ہی پھنک جائے۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم طبع اول کے ٹائٹل پیج پر لکھا ہے: "یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۳) یہ آیت شریف تاریخ وفات حضرت مولانا گنگوہی علیہ الرحمۃ ہے۔" ہاں ان کی طرف بھی ذرا کفری مشین کا رخ اور شرک وبدعت کا حکم۔

یہاں بھی رہبر صاحب نے اپنی دیوبندی تہذیب کا مظاہرہ کیا، مولوی حسین احمد صاحب کی طرح خوب آئے دال کا وظیفہ پڑھ کر بولے:

> "در حقیقت ہمارے اکابر کا سب سے بڑا جرم یہی ہے کہ انھوں نے آپ حضرات کی شکم پروری کے دروازے بند کر دیے۔ آقاے کائنات ﷺ سے بھی

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید ملخصًا، ص: ۵۶

(۲) ملا احمد جیون، تفسیراتِ احمدیہ، ص: ۳، مقدمۃ الکتاب

(۳) قرآن کریم، سورۃ آلِ عمران، پ: ۴، آیت: ۱۰۴

بتوں کے پجاریوں کو یہی شکایت تھی۔" (۱)

دیوبندیو! ذرا تو غیرت کرو، حضرت غوث پاک وغیرہ اولیاے کرام کے ایصالِ ثواب کو شرک و بدعت کہتے ہو، مواخذہ پر ایسی لایعنی باتیں بکتے ہو، یہی تمہارے دلائل ہیں، ایسی ہی خرافات پر تمہارے مذہب کا مدار ہے۔ یاد رکھو امور خیر کو شرک و بدعت کہنا واقعی بڑا جرم ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ تمہارے اکابر اس سے بہت زیادہ بڑے بڑے جرموں کے مجرم ہیں۔ انھوں نے دل کھول کر اللہ اور اس کے رسول کو برا کہا ہے، ان کی شان میں سخت سخت بدگوئیاں کی ہیں جن کے برابر کوئی جرم ناممکن ہے، وہی تمہارے اکابر ہیں جو حضور ﷺ کے علم غیب کو جانوروں، پاگلوں کے مثل بتاتے ہیں، وہی تمہارے پیشوا ہیں جو خدا کو جھوٹا مانتے ہیں، وہی تمہارے مقتدا ہیں جو حضور ﷺ کا علم شیطان لعین کے علم سے گھٹاتے ہیں، شیطان کے لیے وسعت علم قرآن سے ثابت مانتے ہیں، حضور کے لیے اسی کو شرک کہتے ہیں (حوالہ مقدمہ میں گزرا) ایسے گندے عقیدہ والوں کو تم نے اپنا پیشوا بنایا ہے، پھر سنی مسلمانوں کو مشرک کہنے کی تم سے کیا شکایت کی جائے، مگر یاد رکھو: وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ. (۲)

(۲۵-۲۶)

دیوبندیوں کے نزدیک حضور کی جانب متوجہ ہونا کتنا برا ہے

مولوی اسماعیل دہلوی کے نزدیک نماز میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف توجہ کرنا گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے۔ حضور کا خیال چوں کہ تعظیم کے ساتھ آتا ہے، لہٰذا شرک کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ وہ گدھے والی عبارت یہ ہے جو المصباح الجدید کے ص:۲۵/میں درج ہے:

"صرف ہمت بسوے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ و خر خود ست۔ کہ خیال آں با تعظیم و اجلال بسویداے دل انسان می چسپد بخلاف خیال گاؤ خر کہ نہ آں قدر چسپیدگی می بود نہ تعظیم بلکہ مہان و محقر می بود و ایں تعظیم و اجلال غیر کہ در نماز ملحوظ و مقصود میشود

ترجمہ- پیر یا اس کے مثل بزرگوں کی طرف توجہ کرنا اگرچہ جناب رسول اللہ ﷺ ہوں، بہت ہی زیادہ بدتر ہے اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے، کیوں کہ ان کا خیال تعظیم سے آتا ہے اور دلچسپی ہوتی ہے بخلاف گدھے اور بیل کے خیال کے نہ کہ اس قدر دلچسپی ہوتی ہے نہ تعظیم بلکہ حقیر و ذلیل ہوتا ہے اور یہ تعظیم غیر کی کہ نماز میں ملحوظ و مقصود ہوتی ہے،

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید ملخصًا، ص:۵۷

(۲) قرآن مجید سورۃ الشعراء، پ:۱۹، آیت:۲۲۷

بشرک میکشد۔" (۱)
شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔

المصباح الجدید کے ص:۲۶؍ میں اس پر یہ مواخذہ فرمایا ہے کہ جب نماز میں تعظیم کے ساتھ حضور ﷺ کا خیال شرک کی طرف کھینچ لیتا ہے تو دیوبندیوں کی نماز کیسے ہوگی؟ کیوں کہ التحیات میں حضور کو مخاطب کر کے سلام پڑھا جاتا ہے السلام علیك ایها النبی لہٰذا توجہ ضرور ہوگی، خیال ضرور آئے گا۔ اب حضور کا خیال یا تو تعظیم سے آئے گا یا تحقیر سے۔ تحقیر سے آیا تو یقیناً کفر ہوا، اور اگر تعظیم سے آیا تو مولوی اسماعیل صاحب کے حکم سے شرک ہوا۔ پھر کیسی نماز؟ اور اگر اس کفر و شرک کے خوف سے التحیات ہی چھوڑ دی تب بھی نماز پوری نہ ہوئی کیوں کہ التحیات پڑھنا واجب ہے، لہٰذا مولوی اسماعیل کے ماننے والوں کی نماز کسی صورت میں نہیں ہو سکتی۔

دیوبندی رہبر نے دونوں نمبروں کو جمع کر کے جواب کا نام لیا ہے، مگر المصباح الجدید کے اعتراض کا جواب تو قیامت تک سارے دیوبندیوں سے ناممکن ہے، رہبر صاحب بے چارے کیا دیتے۔ اس لیے دیوبندی رہبر کو یہاں مجبوراً تقیہ کرنا پڑا اور کہنا پڑا کہ واقعی نماز میں رسول اللہ ﷺ کا خیال آئے بغیر نماز کامل نہیں ہو سکتی۔ لیکن ہم عرض کر چکے کہ خیال آنے یا لانے اور صرف ہمت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ (۲)

اتنی صاف وصریح عبارت جس میں حضور کے خیال کو گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر اور شرک کی طرف کھینچنے والا بتایا اور دیوبندی رہبر نے اس پر المصباح الجدید کا الزام بھی تسلیم کیا۔ اگر ذرا بھی انصاف ہوتا تو توبہ توبہ کرتے۔ مگر حیرت ہے کہ اس پر بھی مولوی اسماعیل کا دامن نہیں چھوڑتے۔ یہ وہی نائی والا قصہ ہے۔

کسی شہر میں کوئی حجام پہنچا
ملاقات ججمان سے کر کے بولا
کہ بی بی تمہاری ہوئیں آج بیوہ
میاں تم کو اس غم میں ماتم ہے زیبا
سنا جب انھوں نے بہت روئے پیٹے
کہ افسوس بیوی ہوئی میری بیوہ
تو احباب نے ان کو آکر بتایا
کہ بیوہ ہوئی کیسے تم تو ہو زندہ
کہنے لگے قاصد بھی تو معتبر ہے
پھر اسکو میں کس طرح سمجھوں گا جھوٹا

دیوبندیوں کے نزدیک مولوی اسماعیل دہلوی کا اعتبار اس سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ لہٰذا اسی اعتبار کو باقی رکھنے کے لیے رہبر صاحب دو چالیں چلتے ہیں۔

"اول یہ کہ یہ عبارت مولوی اسماعیل دہلوی کی نہیں، صراط مستقیم ان کی مستقل تصنیف نہیں بلکہ ان کے پیر سید احمد صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جس کے بعض ابواب کو مولوی عبد الحئ صاحب نے مرتب کیا ہے، بعض کو

---

(۱) مولوی اسماعیل دهلوی، صراط مستقیم، ص:۸۶
(۲) مولوی محمد حنیف رهبر، مقامع الحدید ملخصًا، ص:۶۰

مولوی اسماعیل صاحب نے، یہ معترض کی خیانت ہے کہ بدنام کرنے کے لیے ان کی طرف نسبت کردی، دوسرے اس عبارت میں صرف ہمت کا لفظ تھا جس کا دوسرا نام شغل برزخ و شغل رابطہ ہے، خائن معترض نے اس کو خیال آنے سے تعبیر کردیا۔ (۱)

خیانت میں رہبر صاحب کی محویت "از استغراق در خیال گاؤ و خر خود ست" سے بھی نمبر لے گئی۔ جگہ جگہ خیانت کرتے ہیں، یہ معلوم نہیں کہ سید احمد صاحب بے چارے کو اتنی استعداد ہی کب تھی کہ وہ علمی مضمون یا تصوف میں کلام کرتے۔ یہ سب کارروائی مولوی اسماعیل صاحب کی ہے، صراطِ مستقیم انھیں کی تالیف ہے، پیر جی کو تو محض ایک کھلونا اور اپنی اغراض کا آلہ بنالیا تھا۔ وہ بیچارے نہ پڑھے نہ لکھے، دانش مندوں کے طریقہ پر تحریر و تقریر تو در کنار بولنا بھی نہ جانتے تھے۔ ان کی بے تکی باتوں کو زمین و آسمان کے قلابے ملا ملاکر مولوی اسماعیل صاحب ہی ولایت و کرامت بنایا کرتے تھے۔ اس کا اقرار مولوی اسماعیل صاحب کو ہے۔ ملاحظہ ہو:

"اگرچہ احسن و اولیٰ در تالیف ایں کتاب چناں می نمود کہ بطوریکہ در تحریر اکثر مضامین ایں کتاب محض بر ترجمہ آنچہ از زبان ہدایت نشان حضرت ایشاں صدر و ریافتہ بود اکتفا کردہ شد در تمامی مضامین ہماں راپیمودہ می شد لیکن از بسکہ نفس عالی حضرت ایشاں (سید احمد) بر کمال مشابہت جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوات والتسلیمات در بدو فطرت مخلوق شدہ بناءً علیہ لوح فطرت ایشاں از نقوش علوم رسمیہ و راہ دانش منداں کلام و تحریر و تقریر مصفی ماندہ۔" (۲)

یعنی اگرچہ افضل و بہتر اس کتاب کی تالیف میں یہی تھا کہ جس طرح اکثر مضامین کا جیسے پیر جی کی زبان سے نکلے محض ترجمہ کر دیا گیا، تمام مضامین میں یہی طریقہ اختیار کیا جاتا لیکن ان پیر جی (سید احمد) کا نفس عالی اپنی فطرت میں جناب نبی کریم ﷺ سے کمال مشابہت پر پیدا ہوا تھا، اسی بنا پر علومِ مروجہ سے اور دانش مندوں کے طریقہ پر کلام کرنے اور تحریر و تقریر سے بالکل صاف تھا۔

سبحان اللہ جو شخص اتنا کورا ہے کہ گفتگو ڈھنگ سے نہ کر سکے، اس کے ملفوظات لکھے جائیں، بس یہی ہوتا تھا کہ پیر جی کی زبان سے کچھ الٹا سیدھا نکلا باقتضائے "مریدان می پرانند" مولوی اسماعیل صاحب نے ایران توران کی ہانکنا شروع کیں، کچھ پہلے ملایا، کچھ بعد میں جوڑا، یوں بھی کام نہ چلا تو مقدمات کی تمہید کی، پھر بھی کسر رہ گئی تو تمثیلات ملائیں، مگر پیر جی کے بول کو کرامت بنا کر چھوڑا۔ خود اقرار ہے:

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید ملخصا، ص:۵۷

(۲) مولوی اسماعیل دهلوی، صراط مستقیم، ص:٤

"لہٰذا در بعضے مقامات گونہ از تقدیم و تاخیر دور بعضے قدرے از تمہید مقامات و ایراد تمثیلات (الیٰ قولہ) بعمل آوردہ شدہ۔"(۱)

لہٰذا بعض مقامات میں تقدیم وتاخیراور بعض جگہ کچھ مقامات کی تمہیداورتمثیلات عمل میں لائی گئیں۔

ظاہر بات ہے کہ تقدیم تاخیر سے ہر الٹی بات سیدھی اور ہر سیدھی الٹی ہو جاتی ہے۔ مقدمات وتمثیلات سے کھوٹی بات کھری بن جاتی ہے۔ یہ ہے مولوی اسماعیل صاحب کے پیر جی کے ملفوظات کی حقیقت۔ مولوی اسماعیل صاحب نے جب ان کو اچھالنا شروع کیا تو ہر قسم کے آدمی مجلس میں آنے لگے۔ ایک روز بہت سے آدمی بیٹھے تھے، پیر جی کو پیشاب کی حاجت ہوئی، جب ضبط سے باہر ہونے لگا، بے ساختہ زبان سے نکل گیا، موتوں گا۔ پیر جی کا اتنا کہنا تھا کہ مولوی اسماعیل صاحب نے اسے درس معرفت بنادیا کہ ہمارے پیر صاحب "موتوا قبل ان تموتوا" کی تعلیم دے رہے ہیں۔ یعنی مرنے سے پہلے مرجاؤ، یہ ملفوظات ہیں۔ اسی طرح اڑایا کرتے تھے۔ مولوی عبدالحی صاحب بھی ان کے ساتھی اور اس پریدن وپرانیدن میں شریک تھے۔ اسی لیے مولوی اسماعیل صاحب نے ان کے جمع کردہ مضمون کو بڑی تعظیم وتکریم سے لیا۔ اس کے لفظ لفظ سے اتفاق کیا، بلکہ اس کو غیبی والہامی کہا اور اس کو غنیمت باردہ شمار کر کے اپنی تحریر کردہ کتاب صراط مستقیم میں شامل کرلیا۔ اس پر بھی مولوی اسماعیل صاحب کی شہادت سنو، فرماتے ہیں:

و در اثنائے تحریر این کتاب مستطاب باوراقے چند کہ جناب افادت مآب قدوہ فضلائے زماں، زبدۂ علمائے دوراں مولانا عبدالحیؒ ادام اللہ برکاتہ کہ در سلک ملازماں آں عالی جناب و باریافتگان حضور آں والا جناب منسلک بودند پارہ از مضامین ہدایت آگیں را کہ از زبانِ غیب ترجمان حضرت ایشاں شنیدہ دراں اوراق تحریر کردہ بودند فائز گردید، پس آں اوراق راغنیمت باردہ فہمیدہ باب ثانی وثالث این کتاب رابران کلام ہدایت التیام بعینہ مشتمل ساخت۔ (۲)

یعنی اس کتاب صراط مستقیم کے دوران تحریر میں چند ورق جناب مولانا عبدالحی صاحب سے ملے جو پیر جی کے خادم تھے کچھ مضامین ہدایت سے پر جو پیر جی سید احمد صاحب کی غیب بیان کرنے والی زبان سے سن کر ان میں لکھے تھے، پس ان اوراق کو نہایت عمدہ غنیمت سمجھ کر اس کتاب کا دوسرا و تیسرا باب کر دیا۔

نیز مولوی اسماعیل صاحب نے تحریر کے بعد پوری کتاب پڑھ کر اپنے پیر جی کو سنائی۔ اس کا خود مولوی اسماعیل صاحب کو اقرار ہے۔ فرماتے ہیں:

"مع ہذا ایں ضعیف را ہر پارہ ازیں کتاب بعد از املا بر سمع

یعنی باوجود اس کے پوری کتاب لکھنے کے بعد

(۱) مولوی اسماعیل دهلوی، صراط مستقیم، ص: ٤

(۲) مولوی اسماعیل دهلوی، صراط مستقیم، ص: ۳، ٤

مبارک حضرت ایشاں عرض نمودہ۔" (۱) اس ضعیف نے ہر ہر حصہ، ہر ہر جزاس کتاب کا پیر جی کو سنایا۔

لہٰذا صراط مستقیم کی مذکورہ بالا عبارت سے باقرار مولوی اسماعیل صاحب ثابت ہوا کہ صراط مستقیم کے مؤلف مولوی اسماعیل صاحب ہیں، پیر جی کی بے تکی اردو کا فارسی ترجمہ کیا ہے مگر محض ترجمہ نہیں بلکہ مولوی اسماعیل نے اس میں تقدیم و تاخیر کی ہے۔ اپنے مقدمات و تمہیدات ملائے ہیں۔ مولوی عبدالحئی صاحب نے جو چند ورق دیے ان کو مولوی اسماعیل صاحب نے بغور پڑھا، ان کے مضامین کو غیبی مضامین ہدایت کا خزانہ جان کر اپنی کتاب صراط مستقیم میں داخل کر لیا۔ جب اول سے آخر تک تمام کتاب لکھ چکے تو پوری کتاب کو پڑھ کر پیر جی کو سنایا، لہٰذا خود اپنے اقرار سے مولوی اسماعیل صاحب پوری صراط مستقیم کے مؤلف ہوئے اور پوری کتاب کے تمام مضامین کے ذمہ دار مولوی اسماعیل ہی ہوئے۔

لہٰذا اب دیوبندی بتائیں کہ باب دوم کی اس گدھے بیل والی عبارت کو مولوی اسماعیل کی طرف نسبت کرنا خیانت کیسے ہوا۔ دیوبندیو، سنا تم نے اسی عبارت کو تمہارے شہید نے ہدایت کا خزانہ بتایا، غیبی مضمون کہا، اسی کو غنیمت باردہ کہا اور بخوشی اپنی صراط مستقیم میں داخل کر لیا۔ اسی کو پڑھ پڑھ کر پیر جی کو سنایا اور تم اپنے شہید کی طرف اس کی نسبت کرنا بھی خیانت بتاتے ہو، اپنے شہید کو بھی جھوٹا بناتے ہو، کچھ تو شرماؤ، ذرا تو غیرت کرو۔

"صرفِ ہمت" کے معنیٰ خیال آنے یا توجہ کرنے کو بھی رہبر صاحب نے خیانت بتادیا، حالاں کہ صرف ہمت کے حقیقی معنی ہی توجہ کرنا ہے، نیز صراط مستقیم کی کثیر عبارتیں اس معنیٰ پر دلالت کر رہی ہیں، کیوں کہ مولوی اسماعیل صاحب نے اس بحث میں وسوسوں کی قسمیں بیان کی ہیں، اسی گدھے بیل والی عبارت سے پہلے بیان کیا ہے:

"بمقتضاے ظلمات بعض ہافوق بعض از وسوسۂ زنا خیال مجامعت زوجہ خود بہتر ست۔" (۲) یعنی زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی سے صحبت کرنے کا خیال بہتر ہے۔

اس کے بعد زیر بحث عبارت ہے، "وصرف ہمت الخ" اس کے بعد کہا:

"بالجملہ منظور بیان تفاوت مراتب وساوس است" یعنی خلاصہ یہ ہے کہ مقصود بیان وسوسوں کے مراتب کا فرق ہے۔ صراط مستقیم کی اگلی اور پچھلی عبارت پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہاں ان خیالات کا بیان ہے جو بطور وسوسہ نمازی کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، لہٰذا صرف ہمت سے حضور کی طرف توجہ کرنا، آپ کا خیال آنا ہی مراد ہے۔ نیز صراط مستقیم کی یہی زیر بحث عبارت دلیل ہے کہ صرف ہمت سے حضور کی طرف توجہ اور آپ کا خیال ہی مراد ہے، کیوں کہ اسی

---

(۱) مولوی اسماعیل دھلوی، صراط مستقیم، ص: ۳

(۲) مولوی اسماعیل دھلوی، صراط مستقیم، ص: ۳

عبارت میں ہے کہ:

"خیال آں با تعظیم و اجلال بسویدائے دل انسان می چسپد بخلاف خیال گاؤ و خر۔" (۱)

یعنی شیخ یا جناب رسول اللہ ﷺ کا خیال تعظیم و تکریم سے آتا ہے۔ انسان کو اس سے دل چسپی ہوتی ہے، بخلاف بیل و گدھے کے خیال کے۔

کتنی صراحت کے ساتھ حضور کے خیال ہی پر حکم لگایا ہے، لہٰذا دیوبندی رہبر کا المصباح الجدید پر خیانت کا الزام لگانا دین و دیانت کو جواب دینا اور دن میں آفتاب کا انکار کرنا ہے، اور "صرفِ ہمت" سے شغل برزخ مراد لینا کوری نابینائی ہے، کیوں کہ مؤلف نے اپنی مراد متعین کر دی بطور وسوسہ خیال آنے کی صاف و صریح تصریح کر دی۔ اس کو شغل برزخ سے کیا تعلق۔ اس نے صاف بتا دیا کہ مقصود بیان ایک وسوسہ کا دوسرے وسوسہ سے فرق بتانا ہے مثلاً ایک وسوسہ زنا، دوسرا اپنی بیوی سے صحبت کرنے کا خیال، ان دونوں میں یہ فرق بتانا ہے کہ نماز کی حالت میں بیوی سے صحبت کا خیال بہتر ہے۔ اس طرح ایک وسوسہ اپنے شیخ یا جناب رسول اللہ ﷺ کا خیال آپ کی طرف توجہ کرنا۔ دوسرا وسوسہ اپنے گدھے یا بیل کے خیال میں ڈوب جانا۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ یہ شیخ یا حضور کی طرف توجہ و خیال گدھے و بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے کیوں کہ حضور کا خیال تعظیم کے ساتھ ہوتا ہے، جس سے نمازی مشرک ہو جاتا ہے تو تم اپنے شہید کو مانتے ہوئے نماز کیسے پڑھو گے۔ المصباح الجدید کا یہی مواخذہ ہے جس کے جواب کے لیے رہبر صاحب نے اپنے نامۂ اعمال کی طرح کئی ورق سیاہ کیے، تقیہ بھی کیا، چالیں بھی چلیں، مولوی اسماعیل کی طرح تمہیدیں بگھاریں اور اس گدھے بیل والی عبارت کا یہ مطلب بیان کیا کہ:

" نماز کے اندر اپنے شیخ یا کسی بزرگ یا رسول اللہ ﷺ کی طرف صرف ہمت کرنا یعنی اپنے قلب کو تمام خیالات حتی کہ توجہ الی اللہ سے بھی قصداً خالی کر کے اور پھیر کر شیخ یا رسول اللہ ﷺ ہی کو مرکز توجہ بنا لینا یہ زیادہ مضر ہے بہ نسبت اس کے کہ انسان دوسرے دنیوی چیزوں کے وساوس میں مستغرق ہو جائے۔" (۲)

اس مطلب کی بنیاد دو عیاریوں پر رکھی ہے، پہلی عیاری یہ کہ صرف ہمت کے معنی شغل برزخ و شغل رابطہ گڑھے۔ وہ بھی دیوبندیوں کے تراشیدہ۔ دوسری عیاری یہ کہ گاؤ خر کے معنی متاع دنیا جڑے اور سفید جھوٹ بولا کہ گاؤ خر کی یہ شرح خود صراط مستقیم میں مذکور ہے۔ اس پر عیاری کہ صراط مستقیم کی عبارت نقل نہیں کی۔ وہ شرح والی عبارت یہ ہے:

"گاؤ و خر تمثیل است ہر چہ سوائے حضور حق

یعنی بیل و گدھا تو تمثیل ہے، جو حضور حق کے سوا ہو،

---

(۱) مولوی اسماعیل دهلوی، صراط مستقیم، باب دوم، فصل سوم، ص:۸٦، المکتبۃ السلفیۃ.

(۲) مولوی محمد حنیف رهبر، مقامع الحدید، ص:۵۹ -

است گاؤ باشد یا خر فیل باشد یا شتر۔"(۱) گدھا ہو، یا بیل، ہاتھی ہو، یا اونٹ سب مراد ہیں۔

جب گدھا اور بیل تمثیل کے لیے ہوا تو تعمیم ہی تو ہوئی جس کی خود تصریح کر دی "گاؤ باشد یا خر فیل باشد یا شتر" اس سے گدھے اور بیل کی نفی کدھر سے کود کر آئی۔ لہٰذا اب زیر بحث عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ حضور کا خیال تعظیمی گدھے اور بیل اور ہاتھی اور اونٹ بلکہ ہر جانور بلکہ ہر چیز کے خیال میں ڈوب جانے سے بدر جہا بدتر ہے۔ کیا گاؤ خر کی اس شرح سے یہ کفری عبارت ایمان بن گئی؟ کہاں خیال ہے اور گندگی بڑھ گئی۔

اوپر ثابت ہو چکا کہ عبارت زیر بحث میں صرف ہمت سے شغل برزخ مراد لینا کوری نابینائی ہے۔ خود اس عبارت میں لفظ "خیال آں" موجود ہے، مگر دیوبندی رہبر نے دین و دیانت کو جواب دے کر صرف ہمت سے شغل برزخ مراد لیا وہ بھی خود ساختہ دیوبندیوں کا تراشیدہ۔ وہ یہ ہے کہ:

> "اپنے دل کو ہر قسم کے خیالات و خطرات سے خالی کر کے اس میں رسول اللہ ﷺ ہی کا دھیان باندھے، حتیٰ کہ اس وقت قلب میں حق تعالیٰ کا بھی دھیان نہ ہو۔ شغل برزخ کی یہ صورت صوفیا کے بعض سلاسل میں رائج تھی اور اب بھی رائج ہے۔"(۲)

عیاریوں کا رد تو کافی ہو چکا اور ثابت ہو گیا کہ صرف ہمت سے شغل برزخ مراد لینا اور گاؤ خر سے متاع دنیا مراد لینا خود صراط مستقیم کی تصریح کے خلاف ہے۔ مگر دیوبندی یہ بتائیں کہ تمہارے رہبر نے جو شغل برزخ و شغل رابطہ کی یہ تعریف کی ہے کہ " اس وقت قلب میں حق تعالیٰ کا بھی دھیان نہ ہو، توجہ الی اللہ سے قصداً ذہن کو خالی کیا جائے۔" یہ تعریف صوفیاے کرام کی کون کون سی کتابوں میں لکھی ہے۔ بد دینو! محبوبانِ الٰہی کے دشمنو! یہ ناپاک حرکتیں کر کے صوفیاے کرام سے مسلمانوں کو بد عقیدہ کرنا چاہتے ہو، یہ بتانا چاہتے ہو کہ صوفیاے کرام اللہ عزوجل کو چھوڑ چھوڑ کر اپنے دل سے اس کے خیال و دھیان کو جدا کر کے اپنے شیخ یا حضور کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ خبیثو! شغل برزخ کو شرک بتانے اور صوفیاے کرام کو مشرک بنانے کے لیے یہ معنیٰ تراشتے ہو۔ اگر ایسی ہی تمہاری خراش تراش ہے تو حضور کی رسالت کی تصدیق بھی شرک کہہ دو۔ وہی حتیٰ لگا دو، حتیٰ کہ توجہ الی اللہ سے قصداً خالی کر کے اور دل کو پھیر کر، اقرار رسالت بھی کفر کر دو۔ وہی دیوبندی حتیٰ لگا دو کہ دو کہ دل کو اللہ سے پھیر کر اس طرح ساری عبادتیں تمام اعمال حسنہ کفر و شرک ہو جائیں گے۔

بد دینو! عوام کو بہکاتے ہو، اہل اللہ سے بد عقیدہ کرتے ہو، صوفیہ کے مسلک کی خبر ہے، شغل رابطہ کی حقیقت

---

(۱) مولوی اسماعیل دھلوی، صراط مستقیم، ص:۸۵

(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۵۸

کی ہوا بھی لگی ہے، پتہ بھی ہے کہ شغل برزخ کیا ہوتا ہے، کیوں کیا جاتا ہے۔ اسی حدیث پر عمل کرنے کے لیے شغل برزخ کہتے ہیں:

الاحسان أن تعبد الله كأنك تراه.(۱) احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے۔

یعنی نماز میں دیدارِ الٰہی حاصل ہو۔ اس لیے شغل برزخ کرتے ہیں اور وہ بغیر اس کے نصیب نہیں ہوتا۔ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مکتوبات جلد اول میں فرماتے ہیں:

"پس در ابتدا و در توسط مطلوب را بے آئینہ پیر نتواں دید۔" (۲) یعنی سلوک کی اول اور درمیانی منزل میں بغیر پیر کو آئینہ بنائے مطلوب یعنی جمالِ الٰہی نہیں دیکھ سکتا۔

حضرت مجدد صاحب کی اس تصریح سے ثابت ہے کہ تجلیات الٰہی و جلوۂ ربانی سے مشرف ہونے کا ذریعہ و آئینہ تصور شیخ و تصور گرامی جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ شیخ اور حضور کا تصور اسی لیے ہوتا ہے کہ یہ مظہر انوار الٰہی اور آئینۂ ذات باری ہیں، پھر اس تصور کے وقت یہ کیوں کر ممکن ہے کہ حق تعالیٰ کا خیال و دھیان بھی نہ ہو۔ بالقصد ذہن کو توجہ الی اللہ سے خالی کیا جائے، یہ تو ایسا ہی ہوگا کہ کوئی دیوبندی توحید الٰہی کا اعتقاد کرنے کے لیے اپنے قلب کو خدا کے ایک ہونے سے خالی کر دے۔

بد نصیبو! شغل رابطہ میں مقصود بالذات حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے۔ اسی کی طرف توجہ ہے۔ اسی کے جمال کے مشاہدہ کے لیے اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت زیبا کو آئینہ بنایا جاتا ہے، تاکہ حدیث "واعبد الله كأنك تراه" پر کامل عمل ہو۔ یہی حضرت مجدد صاحب قدس سرہ اپنے مکتوبات کی جلد دوم میں فرماتے ہیں:

رابطہ را چرا نفی کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجود لہٗ، چرا محاریب و مساجد را نفی نکنند، ظہور ایں قسم دولت سعادت منداں را میسر ست تا در جمیع احوال صاحب رابطہ را متوسط خود دانند و در جمیع اوقات متوجہ او باشند۔ (۳)

یعنی رابطہ کی نفی کیوں کریں کہ اس کی طرف سجدہ ہے، اس کو سجدہ نہیں ہے، کیوں محراب و مسجد کی نفی نہیں کرتے ہیں۔ ظہور اس دولت کا سعادت مندوں کو میسر ہوتا ہے تاکہ تمام احوال میں صاحب رابطہ کو اپنا واسطہ جانیں اور تمام اوقات میں اس کی طرف متوجہ رہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الم غلبت روم، حدیث:۴۴۹۹، ج:۴، ص:۱۷۹۳، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۹۸۷ء

(۲) شیخ احمد مجدد الف ثانی، مکتوبات، ج:۱

(۳) شیخ احمد سر ہندی مجدد الف ثانی، مکتوبات، ج:۲، مکتوب نمبر ۳۰، ص:۷۰، مکتبہ ایشیق، ترکی، استنبول

دیوبندیو! دیکھا یہ ہے شغل رابطہ جس میں شیخ صرف واسطہ ہے اور توجہ خاص اللہ عزوجل ہی کی طرف ہے اور یہ دولت صرف سعادت مندوں کو نصیب ہوتی ہے۔ دیوبندیوں کی آنکھوں پر تو شرک کی پٹی بندھی ہے، اس لیے وہ اس نعمت سے محروم ہیں۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب انتباہ میں نقل فرماتے ہیں:

حضرت سلطان الموحدین برہان العاشقین حجۃ المتکلمین شیخ جلال الحق والشرع والدین مخدوم مولانا قاضی خاں یوسف ناصحی قدس سرہ العزیز چنیں می فرمودند کہ صورت مرشد کہ ظاہر دیدہ می شود مشاہدہ حق سبحانہ تعالیٰ است در پردہ آب وگل واما صورت مرشد کہ در خلوت نمودار می شود آں مشاہدہ حق تعالیٰ است بے پردہ آب وگل کہ ان اللہ خلق آدم علیٰ صورۃ الرحمٰن من رانی فقد رأى الحق... درحق او درست است۔ (۱)

حضرت سلطان الموحدین برہان العاشقین حجۃ المتکلمین شیخ جلال الدین مخدوم قاضی خاں یوسف ناصحی فرماتے ہیں کہ مرشد حق کی صورت جو ظاہر میں دیکھی جاتی ہے، یہ اس جسم خاکی کے پردہ میں حق سبحانہ و تعالیٰ کا مشاہدہ ہے اور مرشد کامل کی وہ صورت جو خلوت میں نمودار ہوتی ہے وہ بے پردہ حق تعالیٰ کا مشاہدہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو صورت رحمٰن پر پیدا کیا۔ ومن رانی فقد رأى الحق اس کے حق میں درست ہے۔

دیوبندیو! دیکھا، چلا کچھ پتا، یہ ہے صورت شیخ کہ وہ جلوۂ الٰہی ہے چہ جائیکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا تصور، آپ کی صورت مبارک اس کے لیے تو خود حضور کا ارشاد ہے: من رانی فقد رأى الحق. (۲) (جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا)۔ ان کے تصور کو اس طرح مسخ کرنا باطل معنی پہنا کر خدا سے جدا کرنا اور دیوبندی حتی لگانا "حتی کہ توجہ الی اللہ سے بھی خالی کر کے اور پھیر کر" یہ صوفیاے کرام کو مشرک بنانا، ان کے کلام کو مسخ کرنا، ان سے عوام کو بد عقیدہ کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم قدرت و تجلیات الٰہی کا آئینہ ہیں۔ فرمانِ مصطفیٰ حق ہے۔

حضرت مولانا روم * حدیث کریم کا ترجمہ کرتے ہیں۔

گفت من آئینہ ام مصقول دوست ترک وہندو در من آں بیند کہ اوست

"نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ رب العزت کی ذات کا مصفیٰ آئینہ ہوں۔ مومن اور کافر مجھ میں وہی دیکھتا ہے جو وہ ہے۔"

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الانتباہ

(۲) صحیح مسلم، ج:۲، ص:۲۴۲، کتاب الرؤیا، مجلس البرکات، اشرفیہ مبارک فور
المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ج:۲، ص:٦٦٢، المقصد الرابع فی المعجزات، ، الفصل الثانی ما خص به، وقال: رواه مسلم عن أبي قتادة، برکاتِ رضا، پور بندر

چوں کہ دیوبندی حضور کے تصور کو منافی توحید سمجھتے ہیں، اسی لیے حتیٰ لگادیا، مگر اہل سنت یوں ایمان رکھتے ہیں

دیکھنے والے کہا کرتے ہیں اللہ اللہ یاد آتا ہے خدا، دیکھ کے صورت تیری

صورتِ زیبائے محمد رسول اللہ ﷺ تو مظہر ذات الٰہی و شمع تجلیات ربانی ہے۔ اسی جلوۂ الٰہی کے مشاہدے کے لیے اس صورت زیبا کو شغل برزخ میں لایا جاتا ہے کہ وہ سعادت ابدی و دیدارِ الٰہی حاصل ہو اور حدیث "واعبد اللہ کانک تراہ" پر عمل ہو۔ اس پر دیوبندی حتیٰ لگا کر شغل برزخ کے وہ معنی تراشنا بد دیانتی و فریب کاری ہے۔ لہٰذا وہ مکہ مدینہ کی مثال اور دیوبندی چال سب کافور ہوئی۔ وہ سب کارروائی تو اسی پر مبنی تھی کہ شغل برزخ اللہ عز و جل سے توجہ پھیر کر دوسری طرف دھیان جمانے کا نام ہے، اور یہ شغل برزخ دیوبندیوں کا ہے۔ صوفیاے کرام کے شغل برزخ میں تو شیخ یا رسول اللہ ﷺ کی صورت زیبا جمالِ الٰہی کا آئینہ ہے، پھر توجہ پھیرنا کیسا، بلکہ وہ عین توجہ الی اللہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ **اول** تو اس عبارت زیر بحث میں "صرفِ ہمت" سے شغل برزخ مراد ہی نہیں ہو سکتا، جس پر خود یہ عبارت اور اس کے آگے پیچھے کی عبارت دلیل ہے۔ لہٰذا عبارت زیر بحث کا صاف مطلب یہ ہوا کہ نماز میں حضور ﷺ کا خیال و تصور اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدر جہا بدتر ہے اور اس سے نمازی مشرک ہو جاتا ہے۔

ثانیاً اگر عبارت کو مسخ کر کے شغل برزخ ہی مراد لیں تو یہ مطلب ہوا کہ حضور کی صورت پاک کا تصور نمازی کے لیے جو وہ مشاہدہ جمالِ الٰہی کا آئینہ ہے، گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدر جہا بدتر ہے اور نمازی اس سے مشرک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں نمازی مشرک ہوا۔ اور دونوں صورتوں میں یہ گدھے بیل والی عبارت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان اقدس میں سخت گستاخی اور نہایت گندی سڑی گالی ہے۔ لہٰذا المصباح الجدید کا وہ اعتراض کہ مولوی اسماعیل صاحب کے ماننے والوں کی نماز نہیں ہو سکتی، باقی رہا۔ اور دیوبندیوں کے پاس اس کا کچھ جواب نہیں۔ بعد میں رہبر صاحب نے دو رنگ اور بدلے۔ آپ کہتے ہیں کہ:

> "مناظرانہ رنگ میں ہم دوسری چیز پیش کرتے ہیں (الف) رضاخانیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ عبارت مولانا اسماعیل شہید کی ہے۔ (ب) اس میں رسول اللہ ﷺ کی سخت توہین کی گئی ہے اور آپ کو معاذ اللہ صریح گالیاں دی گئی ہیں اور اس میں کسی تاویل کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔ ملاحظہ ہو کوکبۃ الشہابیۃ، ص: ۳۱-۳۲۔ اور یہ بھی امت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کی شان پاک میں ادنیٰ گستاخی کرنے والا کافر ہے، جہنمی ہے اور جو اس کے کفر و عذاب ابدی میں شک کرے وہ بھی ایسا

ہی کافر ہے۔ بایں ہمہ آپ کے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خاں صاحب انھیں مولانا اسماعیل شہید کے متعلق تمہید ایمان میں ص:۴۳ پر لکھتے ہیں: "اور میں امام الطائفہ اسماعیل دہلوی کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا۔" نیز اسی تمہید ایمان میں ص:۴۲ پر فرماتے ہیں "علماے محتاطین انھیں کافر نہ کہیں ھو الجواب و فیہ الصواب و بہ یفتیٰ و علیہ الفتویٰ وھو المذھب و علیہ الاعتماد و فیہ السلامۃ و فیہ السداد۔"

اب کیا فرماتے ہیں؟ المصباح الجدید کے نئے مصنف اور رضا خانی برادری کے دوسرے علماے کرام کہ آپ کے اعلیٰ حضرت شہید مرحوم کو مسلمان لکھ کر کافر ہوئے یا نہیں، اور آپ ان کو اعلیٰ حضرت کہنے والے بلکہ ان کو ادنیٰ درجہ کا مسلمان ماننے والے بلکہ ان کے کفر میں شک کرنے والے کافر و مرتد خارج از اسلام ہوئے یا نہیں۔ بینوا توجروا؟(۱)

الجواب

وکم من عائب قولاً صحیحاً و آفتہٗ من الفھم السقیم.

واقعی حق بات کو عیب لگانا، اپنی عقل کا قصور، سمجھ کا فتور ہے۔ اس میں کیا شبہہ کہ اس گدھے بیل والی عبارت میں حضور ﷺ کی صاف و صریح توہین ہے اور صراط مستقیم ہی کی عبارتوں سے ثابت ہو گیا کہ یہ عبارت مولوی اسماعیل دہلوی کی ہے، کیوں کہ انھوں نے بخوشی اس کو اپنی صراط مستقیم میں داخل کیا، سراسر ہدایت بتایا، پیر جی کو پڑھ پڑھ کر سنایا، پھر مولوی اسماعیل کی عبارت ہونے کے لیے اس کے سینگ ہونا کیا ضروری ہے۔ رہا الکوکبۃ الشھابیۃ اور تمہید ایمان میں تعارض سمجھنا، یہ دیوبندیوں کی جہالت ہے کہ کفر فقہی و کفر کلامی میں فرق نہیں سمجھتے۔

کفر فقہی کے معنیٰ قول کا کفر ہونا ہے، کفر کلامی کے معنیٰ قائل کا کافر ہونا ہے۔

الکوکبۃ الشھابیۃ کفر فقہی میں ہے اور تمہید ایمان کفر کلامی میں ہے، دونوں کتابوں میں خود اس کی تصریح ہے۔ مولوی اسماعیل کے یہ اقوال یقیناً کفر ہیں، اس میں کوئی شبہہ نہیں، مگر کافر و مرتد جب اپنے کفر و ارتداد سے توبہ کر لیتا ہے تو بعد توبہ اس کو کافر نہیں کہا جا سکتا، مگر اس کا قول بعد توبہ بھی کفر ہی رہے گا۔ مولوی اسماعیل صاحب کی توبہ چوں کہ مشہور ہوئی تھی، اگرچہ اس کا ثبوت اس درجہ نہیں کہ مفید یقین ہو، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کی یہ کمالِ احتیاط

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۶۳

ہے کہ اس شبہہ سے بھی اسماعیل کو کافر کہنے سے کف لسان فرمایا، مگر اس کے یہ قول چوں کہ کفر ہیں، اس لیے ان اقوال پر حکم کفر دیا، اس میں تناقض سمجھنا دیوبندیوں کی جہالت کی دلیل ہے۔

کاش تھانوی صاحب بھی اپنے کفر وارتداد سے توبہ کر لیتے، یا کم از کم مولوی مرتضیٰ حسن، مولوی حسین احمد، وغیرہ دیوبندی ان کی طرف سے توبہ مشہور کر دیتے تو یقیناً اعلیٰ حضرت قدس سرہ بلکہ تمام اہل سنت میں سے کوئی بھی تھانوی صاحب کو کافر و مرتد نہ کہتا۔ مگر تھانوی صاحب اپنے کفر وارتداد پر ایسے اڑے اور اپنے تھان پر ایسے جمے کہ از تھان نمی جنبد اور آپ لوگ اسی حالت میں ان پر ایسے چڑھے کہ ان کو اپنا پیشوا، حکیم الامت مانتے ہو، بلکہ ان پر بیداری میں درود جپتے ہو۔ پھر آپ تمام دیوبندی اس اجماعی مسئلہ سے (کہ جو شخص آں حضرت ﷺ کی شان پاک میں ادنیٰ گستاخی کرنے والے کے کفر و عذاب ابدی میں شک کرے وہ بھی ایسا ہی کافر ہے)، کون ہوئے، کہو ہوتے کون، کافر و مرتد ہی ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۷)

دیوبندیوں کی شرک فروشی

وہابی خواہ نجدی ہوں یا دیوبندی، کفر و شرک میں ایسے محو ہیں کہ فنافی الکفر والشرک کا مرتبہ رکھتے ہیں، جس چیز پر ان کی نظر پڑتی ہے، شرک و کفر ہی نظر آتا ہے۔ مسلمانوں کے جس فعل کو دیکھتے ہیں، شرک و کفر کہتے ہیں۔ کافر و مشرک بھی مسلمانوں کو کافر و مشرک نہیں سمجھتے۔ مگر دیوبندیوں کی یہ حالت ہے کہ نہ صرف مسلمان بلکہ پرہیز گار متقی مسلمان کو بھی مشرک کہتے ہیں۔ تقویۃ الایمان میں ہے: "فاسق موحد ہزار درجہ بہتر ہے متقی مشرک سے۔" مسلمانو! غور کرو! دیوبندیوں کے نزدیک متقی بھی مشرک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہابی دیوبندی اپنے عقیدے سے مجبور ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ فرقہ وہابیہ کے علاوہ ساری دنیا کے مسلمان مشرک ہیں، ان کا قتل مباح ہے جس کی تفصیل نمبر (۲۳) میں شامی کے حوالہ سے گزری۔ مگر ہندوستان میں چوں کہ ان کی حکومت نہیں، نہ اہل سنت کے مقابلہ کی تاب وطاقت اس لیے قتل سے مجبور ہیں، مگر عقیدہ وہی ہے۔ مسلمانانِ اہل سنت کو کافر و مشرک سمجھتے ہیں، اپنی تحریر و تقریر میں اس کا اظہار کرتے ہیں۔

المصباح الجدید کے اس نمبر میں تھانوی تکفیر کی ذرا سی جھلک دکھلائی ہے۔ یہ بتایا ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی کتاب بہشتی زیور میں لکھا ہے:

"کفر و شرک کی باتوں کا بیان اسی میں ہے (۱) کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اسے خبر ہو گئی، (۲) کسی سے مرادیں مانگنا، کسی کے سامنے جھکنا، (۳) سہرا باندھنا (۴) علی بخش، حسین بخش، عبد النبی وغیرہ نام رکھنا۔ (۵) یوں کہنا کہ خدا اور رسول چاہے گا تو فلانا کام ہو جائے گا۔"(۱)

جب یہ باتیں کفر و شرک ہوئیں تو ان کے کرنے والے تھانوی صاحب کے نزدیک کافر و مشرک ہوئے، یعنی جہاں کسی نے دور سے کسی کو پکارا اور یہ سمجھا کہ اسے خبر ہو گئی، یا کسی امتی نے دور سے کہا "یارسول اللہ، یانبی اللہ" اور یہ سمجھا کہ باذنہ تعالیٰ حضور کو خبر ہو گئی، بس وہ کافر و مشرک ہو گیا۔ جس نے کسی نبی یا ولی سے اللہ کی دی ہوئی قدرت کی بنا پر مراد مانگی، کافر مشرک ہوا۔ جو کسی کے سامنے جھکا خواہ استاد ہو یا پیر، کافر مشرک ہوا۔ سہرا باندھا کافر و مشرک، علی بخش، حسین بخش، عبد النبی وغیرہ یعنی محمد بخش، نبی بخش، پیر بخش نام رکھا، کافر مشرک۔ یوں کہا کہ خدا رسول چاہے گا تو فلانا کام ہو جائے گا کافر مشرک۔ تھانوی صاحب کے اس معیار سے مسلمانوں کو جانچا جائے تو کم از کم پچانوے فیصدی مسلمان کافر و مشرک ٹھہرتے ہیں، تھانوی صاحب کا یہ بہشتی زیور ہے یا کفر و شرک کی مشین۔

دیوبندی رہبر نے اس کا جواب دیا کہ:

"ان چھ باتوں میں پہلی تین یعنی کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اسے خبر ہو گئی، اور کسی سے مراد مانگنا اور کسی کے سامنے جھکنا یہ سب شرک حقیقی ہیں۔ ان کے کرنے سے آدمی بے شک مشرک ہو جاتا ہے اور بعد کی تین یعنی سہرا باندھنا اور علی بخش، عبد النبی وغیرہ نام رکھنا یوں کہنا کہ خدا اور رسول اگر چاہے گا تو فلانا کام ہو جائے گا، یہ شرک حقیقی نہیں مگر موہم شرک ضرور ہیں اور کفار کی رسم ہیں۔ اسی فرق کے لیے مکمل ایڈیشنوں میں یہ حاشیہ لکھ دیا ہے یعنی ان باتوں کا بیان جن کو کفر و شرک کے ساتھ ایک قسم کا خاص تعلق ہے، خواہ اس وجہ سے کہ موجب شرک و کفر ہیں، یا اس وجہ سے کہ رسوم و اوضاع کفار و مشرکین سے ہیں، یا اس وجہ سے کہ موہم شرک و کفر ہیں یا اس وجہ سے کہ مفضی الی الشرک ہیں، اس سے ظاہر ہے کہ اس میں وہ چیزیں بھی ذکر کی جائیں گی جو موہم شرک یا مفضی الی الشرک کفار و مشرکین کے اطوار سے ملتی جلتی ہیں۔ ایسی حالت میں معترض صاحب کا بہشتی زیور کی اس عبارت پر اعتراض کرنا اور حاشیہ

(۱) مولوی اشرف علی تھانوی، بہشتی زیور، حصہ اول، ص: ۳۴، ۳۵

کے نوٹ سے آنکھیں بند کر جانا انتہائی شرم ناک بد دیانتی ہے۔"(۱)

اس دیوبندی تہذیب سے مشرف ہوتے ہی رہبر صاحب کو فوراً یاد آیا کہ مدتوں تک بہشتی زیور مختلف مطابع میں چھپتی رہی ہے مگر کبھی بھی اس پر یہ حاشیہ نہ چڑھا۔ بیسویں برس کے بعد جب تھانوی صاحب پر وحی نازل ہوئی تو شاید کسی ایڈیشن میں یہ حاشیہ لکھ دیا ہو ورنہ اب بھی ہر جگہ بغیر حاشیہ کے ہی ہے، لہٰذا دوسری چال چلی کہ:

"بالفرض اگر بہشتی زیور کا حاشیہ نہ بھی ہوتا تب بھی اعتراض کا حق نہ تھا، سمجھ لینا چاہیے تھا کہ بعد کی تین چیزوں کو تغلیظاً و تشدیداً کفر و شرک کے بیان میں لکھ دیا ہے، کیوں کہ اللہ و رسول نے بھی بعض گناہوں پر تغلیظاً و تشدیداً کفر و شرک کا حکم دیا ہے۔"(۲)

پھر نبی تھانوی کیوں نہ دیں گے اور وہ بھی بہشتی زیور میں دیوبندیوں کا یہی طریقہ ہے کہ پہلے تو خوب دل کھول کر اپنے عقائد باطلہ کا اظہار کرتے ہیں، جب مواخذہ ہوتا ہے تو گلیاں جھانکتے ہیں، پچریں لگاتے ہیں، مرادیں بدلا کرتے ہیں۔ تھانوی صاحب کی بہشتی زیور پر یہ حاشیہ کی پچر کاری سخت جہالت اور انتہائی حماقت ہے کیوں کہ ہر بیان کے لیے علاحدہ علاحدہ عنوان قائم کیے ہیں۔ کفر و شرک کی باتوں کے بیان کے بعد ہی دوسرا عنوان (بدعتوں اور بری رسموں اور باتوں کا بیان) مستقل الگ قائم کیا ہے اور اس میں قبروں کو طواف اور سجدہ کرنا، ہندوؤں کی رسمیں کرنا شمار کیا ہے۔ لہٰذا اگر علی بخش و عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا اور یوں کہنا کہ خدا اور رسول چاہے گا تو فلانا کام ہو جائے گا، شرک و کفر نہ تھا، صرف موہم شرک یا کفار کے اطوار سے ملتا ہوا تھا تو قبر کو سجدہ کرنے اور کفار کی رسمیں کرنے کی طرح اس کو بھی اسی دوسرے عنوان میں بیان کرتے، پہلے عنوان پر حاشیہ، چہ معنی دارد۔ لہٰذا حاشیہ حماقت و جہالت نہیں تو تھانوی صاحب پر وحی ثانوی ضرور ہے۔

رہبر صاحب کا یہ عذر لنگ کہ "ان تین چیزوں کو تشدیداً و تغلیظاً کفر و شرک میں شمار کیا ہے، فی الحقیقت کفر و شرک نہیں" غالباً یہ عذر تھانوی صاحب کی بلا اجازت ہے، اس لیے کہ عرف عام میں کفر و شرک کا اطلاق کفر و شرک حقیقی ہی پر ہوتا ہے۔ لہٰذا جب کسی چیز کو کفر و شرک کہا جائے گا تو عوام اس کو ضرور کفر و شرک حقیقی ہی سمجھیں گے اور تھانوی صاحب نے تو بہشتی زیور عورتوں، بچوں، لڑکیوں کے لیے مخصوص کیا ہے لہٰذا اس تخاطب سے تھانوی صاحب نے خود معین کر دیا کہ اس بیان میں جتنی باتیں ہیں، خواہ تین پہلی ہوں یا تین پچھلی، سب کفر و شرک حقیقی ہیں، کیوں کہ تھانوی صاحب کو کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم یاد ہے۔ یعنی لوگوں کی سمجھ کے مطابق ان سے کلام کرو۔ پھر تھانوی صاحب اس عذر کی اجازت کیسے دیں گے، لہٰذا تشدیداً و تغلیظاً کا بہانا اور پچھلی پہلی کا تفرقہ مردود ہوا، اور اگلی پچھلی سب باتوں کا

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ٦٤، ٦٥

(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ٦٥

حکم ایک ہی ہوا اور ان کے کرنے والے تھانوی صاحب کے نزدیک کافر و مشرک ہی ہوئے۔ اس تھانوی کفری مشین سے پانچ فیصد مسلمان بھی کفر و شرک سے نہ بچے۔ العیاذ باللہ.

اس مردود تفرقہ کے بعد رہبر صاحب لکھتے ہیں:

"کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہوگئی، کسی سے مرادیں مانگنا، کسی کے سامنے جھکنا، یہ تینوں چیزیں فی الحقیقت شرک ہیں۔" اور تینوں کو نمبروار شرک ثابت کرتے ہیں، اول کے ثبوت میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول پیش کیا:

و انبیا و مرسلین علیہم السلام را لوازم الوہیت از علم غیب و شنیدن فریاد ہر کس و ہر جا و قدرت بر جمیع مقدورات ثابت کند۔	انبیا و مرسلین علیہم السلام کے لیے لوازم الوہیت علم غیب اور ہر شخص کی فریاد ہر جگہ سے سننا اور تمام مقدورات پر قدرت ثابت کرے۔

اس پر کہا کہ "شاہ صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کی فریاد کو، ہر جگہ سے سننا یہ لوازم الوہیت میں سے ہے۔"(۱)

بزرگانِ دین کی عبارتوں سے دھوکہ دینا دیوبندیوں کا پرانا طریقہ ہے۔ اول تو شاہ صاحب * جن اوصاف کو لوازم الوہیت سے تحریر فرماتے ہیں، وہ یقیناً ذاتی ہیں، اس لیے کہ وصف عطائی کا تو ثبوت ہی خداوند قدوس کے لیے محال ہے، چہ جائے کہ اس کی ذات پاک کو لازم ہو، لہٰذا علم غیب ذاتی اور سننا ذاتی ہی مراد ہوا۔ انبیا و مرسلین علیہم السلام سے اسی کی نفی ہوئی، لہٰذا اگر خداوند قدوس اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر شخص کی فریاد ہر جگہ سے اپنے ارادے اور اختیار سے سنوادے تو یہ کیوں کر شرک ہوا؟ کیا دیوبندیوں کے نزدیک یہ بھی لوازم الوہیت سے ہے۔ و ما قدر و اللہ حق قدرہ حق ہے۔

نیز عبارت مذکورہ میں فریاد سننا وہ بھی ہر شخص کی اور وہ بھی ہر جگہ سے ہے اور بہشتی زیور میں کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اسے خبر ہوگئی، اس کو شرکِ حقیقی لکھا ہے، اس کے قائل کو کافر و مشرک بتایا ہے جو بالعموم ہر اس شخص کو شامل ہے جو کسی کو دور سے پکارے اور یہ سمجھے کہ اس کو خبر ہوگئی۔ خواہ فریاد کرے یا نہ کرے، خواہ یہ سمجھے کہ میرے اکیلے ہی کی بات سن لی یا اسی طرح دور سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یارسول اللہ، یانبی اللہ کہہ کر پکارے تو قطعاً شامل ہے، اس کو شاہ صاحب کے قول سے کیا تعلق۔ یہ تو تھانوی صاحب نے مسلمانانِ اہل سنت پر کفری مشین چلائی ہے، وہی اپنے آقا کو یارسول اللہ یانبی اللہ کہہ کر پکارا کرتے ہیں، مگر ہم اس موقع پر ذرا اقوالِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بھی نظر کریں، دیکھیں تو اس کفری مشین کا رخ صحابہ کی طرف تو نہیں ہوگیا۔ حضرت ساریہ سپہ سالار مقام نہاوند میں ایک مہینہ سے زیادہ کی

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ٦٦

مسافت پر تھے، حضرت عمر نے ان کو اتنی دور مدینہ طیبہ سے پکارا اور یہ سمجھا کہ ان کو خبر ہوگئی، جبھی تو فرمایا: یا ساریۃ الجبل۔ اے ساریہ پہاڑ کی طرف متوجہ ہو۔ لہٰذا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی یہ تھانوی نشانہ کارگر ہوا اور یہیں تک بس نہیں، تمام مجاہدین صحابہ اسی زد میں ہیں۔ امام واقدی اپنے مغازی اور ابن سعد اپنے طبقات میں تحریر فرماتے ہیں:

"كان شعار الصحابة رضى الله عنهم فى حروب یا محمداه یا احمداه."(۱)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا شعار تھا کہ وہ اپنی لڑائیوں میں اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "یا محمداہ" اور "یا احمداہ" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

لہٰذا سب اسی زد میں ہوئے اور کیوں نہ ہوں۔ صحابۂ کرام کے غلام اہل سنت انھیں کا دامن پکڑے ہوئے ہیں، انھیں کے قدم بہ قدم ہیں لہٰذا جن افعال کی بنا پر اہل سنت کو کافر و مشرک کہا جائے گا، وہ وہی افعال ہوں گے جو صحابۂ کرام سے ثابت ہیں، لہٰذا دیوبندیوں کا کفر و شرک صحابۂ کرام پر بھی ضرور پہنچے گا۔ رہبر صاحب اس کے بعد کسی سے مراد مانگنا "شرک حقیقی ثابت کرتے ہیں، کہتے ہیں:

" ایسے ہی اللہ کے سوا کسی دوسرے کو مستقل حاجت روا سمجھنا اور اس بنا پر اس سے مرادیں مانگنا بھی شرک ہے۔"(۲)

اس پر کچھ عبارتیں نقل کی ہیں، مگر یہ دیوبندی مکاری اور فریب کاری ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو مستقل حاجت روا سمجھنا یقیناً شرک ہے۔ اس پر عبارتیں نقل کرنے کی کیا حاجت ہے یہ تو تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے، مگر بہشتی زیور میں تو کسی سے مرادیں مانگنا عام ہے، مستقل حاجت روا سمجھنے کی قید نہیں، مستقل حاجت روا سمجھے یا خدا کی دی ہوئی قدرت مانے، دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ ایسی بچر کاری اگر ہے تو مرادیں مانگنے کی کیا تخصیص ہے، بی بی سے روٹی اور پانی مانگنا، دیوبند کے مدرسہ کے لیے چندہ مانگنا بھی شرک حقیقی ہوا۔ کیا علماے دیوبند کے نزدیک کسی کو مستقل حاجت روا سمجھ کر چندہ مانگنا شرک حقیقی نہیں ہے۔ مستقل حاجت روا سمجھنے کا مسلمانوں پر اتہام ہے۔ مسلمان انبیا و اولیا سے جو مرادیں مانگتے ہیں تو ان کو مستقل حاجت روا ہرگز نہیں سمجھتے بلکہ اللہ کی دی ہوئی قدرت مانتے ہیں اور دیوبندیوں کے ایمان میں اسی کو شرک لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

---

(۱) طبقات ابن سعد میں یہ عبارت نہیں ملی، البدایہ والنہایہ میں ہے:
وكان شعارهم يومئذ يا محمداه. (البداية والنهاية، ج:۲، ص: ۳۲٤، دار الفكر، بيروت.
الکامل میں ہے: وكان شعارهم يا محمداه يبرز إليه احد إلّا قتله.
(الكامل في التاريخ لابن الاثير، ج:۲، ص:۵۵٦، بیروت)

(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ٦٦

”پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے، یا یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی طاقت بخشی ہے، ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔“(۱)

دیوبندیو! آنکھیں کھول کر تقویۃ الایمان کو دیکھو، خدا کی دی ہوئی طاقت ماننا بھی شرک لکھا ہے، یعنی جو مسلمان اللہ کی دی ہوئی قدرت مان کر انبیا و اولیا سے مرادیں مانگتے ہیں، ان سب پر کفر و شرک کی بارش ہے، اور شرک بھی رہبر صاحب کا تسلیم کردہ حقیقی۔ پھر اس کے خلاف بہشتی زیور کی عبارت کا مطلب کیسے گڑھتے ہو، کیا تقویۃ الایمان سے توبہ کرلی ہے۔ اگر ایسا ہے تو تھانوی صاحب سے اعلان کرادو۔

تیسرے، کسی کے سامنے جھکنا، اس کو بھی رہبر صاحب شرک حقیقی ثابت کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ:

” ایسے ہی جذبۂ عبودیت کے ماتحت کسی کے سامنے جھکنا، یہ بھی شرک ہے، کیوں کہ عبودیت محض معبود حقیقی کا حق ہے۔“(۲)

دیوبندیو! کبھی تو خدا لگتی کہہ دو، کیا بہشتی زیور میں ”جذبۂ عبودیت کے ماتحت“ کی قید ہے، کیا تھانوی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ ”عبادت کے لیے کسی کے سامنے جھکنا“، اگر ہے تو کہاں اور اگر نہیں تو جذبۂ عبودیت کدھر سے آیا۔ ایسے دم چھلے لگا کر تو ہر فعل شرک ہو جائے گا۔ کیا ”جذبۂ عبودیت کے ماتحت“ کسی کے سامنے کھڑا ہونا شرک نہیں، بیٹھنا شرک نہیں، لیٹنا شرک نہیں، کیا یہ سب افعال تمہارے نزدیک جذبۂ عبودیت کے ماتحت ایمان ہیں، اگر ہیں تو تھانوی صاحب سے فتویٰ شائع کرادو۔ اگر نہیں تو صرف جھکنے کی تخصیص کیوں۔ ذرا تو شرماؤ، اور سنی مسلمانوں کو مشرک کافر بنانے سے باز آؤ۔

رہبر صاحب نے اس نمبر میں بھی ”آنچہ انسان می کند بوزینہ نیز“ کے ماتحت نقالی کی ہے اور دیوبندی تہذیب کے خوب جوہر دکھائے ہیں، کہتے ہیں:

” معترض صاحب اس دشمن اسلام کے منہ میں لگام دیں، جو حضرات علمائے دیوبند و علمائے ندوۃ العلما کے متعلق اپنی بیسوں تحریروں میں یہ لکھ گیا ہے، یہ سب کافر ان کے کفر میں جو شک کرے وہ بھی کافر، پھر جو اس شک کرنے والے کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔ معترض صاحب بتلائیں کیا، اس کفری فتویٰ کی رو سے ایک فیصدی بھی مسلمان رہتا ہے۔“(۳)

اس کے آگے اور بڑی چمک دار دیوبندی تہذیب ہے۔ دیوبندی اپنے مذہب سے مجبور ہیں، کذب و افترا ان کی

---

(۱) مولوی اسماعیل دهلوی، تقویة الایمان، ص:۷

(۲) مولوی محمد حنیف رهبر، مقامع الحدید، ص:٦٧

(۳) مولوی محمد حنیف رهبر، مقامع الحدید، ص:٦٧

روحانی غذا ہے، مکاری عیاری ان کا ایمانی نور ہے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی نے تمام علماے دیوبند، تمام علماے ندوہ پر ہرگز ہرگز کفر کا فتویٰ نہیں دیا، بلکہ ان چند بددین مثلاً تھانوی، گنگوہی، انبیٹھی، قادیانی، مرتدین جن کے کفریات آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہیں، حکم قرآنی سنایا، فتویٰ کفر دیا، ان کے انھیں اقوال ملعونہ پر علماے حرمین طیبین نے بالاتفاق فتویٰ کفروارتداد دیا اور حکم شرعی سنایا کہ یہ کافر ہیں۔ جو شخص ان کے اقوال پر مطلع ہونے کے بعد ان کو کافر نہ جانے، ان کی حمایت کرے وہ بھی کافر ہے اور واقعی یہ حکم شرعی حق ہے، واجب العمل ہے، ہر مسلمان کا اس پر عمل ضروری ہے کہ ان کے کفری قول پر مطلع ہونے کے بعد ان کو کافر جانے، یوں نہیں جیسا کہ تم دجالی کرتے ہو کہ جو مسلمان محض ان مرتدین کی ظاہری صورت جبہ و دستار لمبی داڑھی دیکھ کر، وعظ گوئی سن کر مسلمان سمجھیں وہ بھی کافر ہیں۔

بددینو! یہ اعلیٰ حضرت نے یا کسی سنی عالم نے کہاں لکھا ہے کہ جو شخص ان مرتدین کے کفری اقوال سے بے خبر ہو اور ظاہری صورت دیکھ کر مسلمان سمجھے وہ بھی ایسا ہی ہے۔ وہ شخص جس کو ان کے اقوال کفریہ پر اطلاع نہیں ناواقف ہے، ظاہری صورت دیکھ کر مسلمان سمجھتا ہے، وہ قطعاً بے قصور ہے، اس کے لیے یہ حکم کسی عالم نے ہرگز ہرگز نہیں دیا۔ تم میں اگر ذرہ کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی شرم و حیا ہے تو ثابت کرو۔ چوں کہ تھانوی وغیرہ کے اقوال خبیثہ کفر یقینی قطعی ہیں، ان اقوال پر حکم کفر ہے، جو ان اقوال خبیثہ سے متفق ہو اس پر حکم کفر ہے، لہٰذا کفر کی صورت یہ ہے جو تم نے اختیار کی ہے کہ حفظ الایمان، براہین قاطعہ، تحذیر الناس کی وہ کفری عبارتیں دیکھتے ہوئے، جانتے ہوئے کہ واقعی ان عبارتوں میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی توہین ہے، پھر بھی ان خبثا کا دامن نہیں چھوڑتے، اللہ و رسول کے مقابلہ میں ان مرتدین کی حمایت کرتے ہو، ایسی صورت میں تم پر حکم کفر ضرور ہے، اور یہ کوئی نیا حکم نہیں، اس پر تو خود دیوبندی رہبر صاحب نے نمبر ۲۶ر میں اجماع نقل کیا ہے، مگر اس حکم میں ناواقف مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ شریک کرنا یہ تمھاری دجالی، مکاری، فریب کاری ہے۔ والعیاذ باللہ۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتویٰ حسام الحرمین کی بنا پر ساری دنیا کے تمام مسلمان مسلمان ہی ہیں، البتہ تمہارے تھانوی، گنگوہی، انبیٹھی وغیرہ ساڑھے تین مرتدین ضرور ضرور کافر ہیں، مگر تم ان کے کفریات پر مطلع ہو کر، سمجھ کر، جان کر ان کا دامن تھام کر برضا و رغبت خود بخود ان کے پیچھے جہنم میں جا رہے ہو۔ اس میں اعلیٰ حضرت یا دوسرے علماے اہل سنت کا کیا قصور ہے۔ مولا تعالیٰ ہدایت دے۔

(۲۸)

دیوبندیوں کے نزدیک حضور کا علم غیب بچوں، پاگلوں اور جانوروں جیسا ہے

دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے علم غیب کو جانوروں، پاگلوں کے علم سے تشبیہ دی ہے، جس میں حضور کی سخت توہین ہے۔ تھانوی صاحب

کی وہ گندی عبارت یہ ہے:

"پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہے تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔"

چار سطر بعد لکھا:

"اور اگر تمام علوم غیبیہ مراد ہیں، اس طرح کہ اس کا ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل عقلی و نقلی سے ثابت ہے۔"(۱)

اس عبارت سے حضور اقدس ﷺ کی توہین و تنقیص بالکل ظاہر بلکہ اظہر من الشمس ہے۔ دین و دیانت کا مقتضا یہی تھا کہ توبہ کرے، اس سے باز آئے، مگر سخن پروری و شخصیت پرستی کا برا ہو جس کی وجہ سے تھانوی صاحب اختار النار علی العار کے عامل ہوئے اور اس کفر صریح کو ایمان بنانے کی فکر میں پڑ گئے۔ پچاس برس کا زمانہ گزرا، خود تھانوی صاحب کوشش کر رہے ہیں، ساری ذریت لپٹ رہی ہے، دانتوں کو پسینہ آرہا ہے، مگر آج تک اس کفری عبارت میں کوئی بعید سے بعید پہلو بھی ایمان کا نہ نکال سکے۔ رہبر صاحب بھی بے چارے خوش عقیدگی کے مارے اٹھے، بہت غور و فکر کیا کہ کسی طرح یہ کفری عبارت ایمان بن جائے مگر ع:

ایں خیال است و محال است و جنوں

ناچار اپنی خوش اعتقادی کے جذبہ میں جو کچھ تھانوی صاحب اور ان کے اذناب سے سنا سنایا تھا، لکھ مارا، کہتے ہیں کہ:

"رضاخانی امت کا یہ ایک نہایت مشہور اور پرانا افترا ہے جس کی بنیاد صرف اس پر ہے کہ عبارت حفظ الایمان میں ایسا علم غیب کا لفظ آیا ہے۔ اس سے یہ مفتری رسول اللہ ﷺ کا علم شریف مراد لیتے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ اس سے حضور ﷺ کا علم مراد نہیں، بلکہ مطلق بعض علم غیب مراد ہے، جیسا کہ خود حفظ الایمان کی مذکورہ بالا عبارت کا اول و آخر اس کی شہادت دے رہا ہے۔ نیز مصنف حفظ الایمان حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب نے بسط البنان میں اس کی تصریح فرما دی۔ ناظرین کرام! حفظ الایمان کے ساتھ بسط البنان ملاحظہ فرمائیں، رضاخانیوں کی افترا پردازی کا

(۱) مولوی اشرف علی تھانوی، حفظ الایمان، ص ۱۵، ۱۶، ناشر مکتبہ تھانوی، دیو بند

حال خود بخود منکشف ہو جائے گا۔"(۱)

"حفظ الایمان کی یہ عبارت کوئی جرمنی یا فرانسیسی یا چینی یا جاپانی زبان نہیں ہے، جس کی مراد و مطلب سمجھنے کے لیے کوئی دشواری ہو۔ تھانوی صاحب کے اشارات و کنایات معمہ و پہیلیاں نہیں ہیں جو تھان پر جا کر پوچھے جائیں، صاف و صریح معمولی اردو ہے۔ ہر اردو زبان جاننے والا اس کا مطلب و مراد بہ آسانی خوب سمجھتا ہے کہ اس عبارت میں تھانوی صاحب نے علمِ غیب کی دو قسمیں کی ہیں، بعض غیب اور کل غیب۔ دوسری قسم کو تو حضور کے لیے نقلاً و عقلاً باطل بتایا اور نہ کوئی حضور کے لیے غیر متناہی کا قائل ہے۔ جب دوسری قسم باطل ہو گئی تو صرف پہلی قسم بعض علم غیب ہی رہی۔ اسی کو حضور کے لیے ثابت مانا اور وہی واقعی حضور کا علم ہے۔ اسی کو لے کر کہا: "اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ ہر جانور کو بھی حاصل ہے۔" لہٰذا لفظ "ایسا علمِ غیب" سے حضور ہی کا علم مراد ہوا اور تھانوی صاحب نے حضور ہی کے علم کو پاگلوں اور جانوروں کے علم سے تشبیہ دی، لہٰذا تھانوی صاحب یا ان کے اذناب کا یہ کہنا کہ ایسا علم غیب سے حضور کا علم مراد نہیں بلکہ "بعض مطلق علم غیب مراد ہے"۔ یہ اس خبیث عبارت کی توجیہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ اس عبارت میں علم غیب کی صرف دو ہی قسمیں ہیں، بعض غیب اور کل غیب۔ یہ تیسری قسم مطلق بعض علم غیب کس تھان سے آگئی جو حفظ الایمان چھپنے کے بیسوں برس بعد تھانوی مراد بتائی جاتی ہے۔ عبارت میں تو اب تک بھی کہیں اس کا نام و نشان نہیں۔ لہٰذا تھانوی صاحب مطلق بعض علم غیب مراد لینے میں "چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد" کے مصداق ہیں۔

یہ تھانوی چوری اور اس پر سینہ زوری ہے، کیوں کہ اس عبارت کا اول و آخر ہی نہیں بلکہ پوری عبارت یہی شہادت دے رہی ہے کہ ایسا علم غیب سے مراد حضور ہی کا علم غیب ہے، اس لیے کہ شروع ہی میں ہے: "پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدس پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا" جب حضور کی ذات پر علم غیب کا حکم کرنے میں کلام ہے تو علم غیب بھی حضور ہی کا مراد ہوا۔ پھر تھانوی صاحب نے زید سے پوچھا تو کس کے علم غیب کو، حضور ہی کے اور کہا "بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل۔" تھانوی صاحب مع اپنے اذناب کے بتائیں کہ اس عبارت میں زید سے کس کا علم پوچھا ہے؟ اپنا یا اپنے اذناب کا، یا زید کا۔ کہو کسی کا نہیں صرف حضور ہی کا علم غیب دریافت کیا ہے، لہٰذا حضور ہی کے علم کی دو قسمیں ہیں: "بعض غیب یا کل غیب" کل غیب تو خود ہی بعد میں عقلاً و نقلاً باطل کر دیا۔

اب رہ گیا بعض غیب تو یہ بعض کس کا علم رہا، تھانوی صاحب کا یا اذناب کا، زید کا، کہو کسی کا نہیں، ان سے کیا

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ۶۹

تعلق ؟ان کا علم غیب دریافت ہی کب کیا تھا، دریافت تو صرف حضور کا علم غیب کیا تھا، اسی کی دو قسمیں کی ہیں، لہٰذا بعض علم غیب سے حضور ہی کا علم غیب مراد ہوا۔ اسی کو تھانوی صاحب فرماتے ہیں: "اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے۔" اس عبارت میں بعض علوم غیبیہ سے کس کا علم غیب مراد لیا ہے، تھانوی صاحب کا یا اذناب یا زید کا، کہ کسی کا نہیں صرف حضور ہی کا علم غیب مراد ہے، لہٰذا حضور ہی کے علم غیب کو کہا: "اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو بھی حاصل ہے۔"

لہٰذا اب لفظ "ایسا علم غیب" سے نہ تھانوی کا علم غیب مراد ہو سکتا ہے، نہ اذناب کا، نہ زید کا، بلکہ حضور ﷺ کا علم غیب مراد ہوا اور اسی کو پاگلوں، جانوروں کی طرح بتایا۔ لہٰذا اول سے آخر تک پوری عبارت نے شہادت دی کہ لفظ "ایسا علم غیب" سے مراد رسول اللہ ﷺ ہی کا علم غیب ہے۔ اور تھانوی صاحب نے حضور ہی کے علم غیب کو پاگلوں، جانوروں کا سا بتایا، جس میں حضور کی سخت ترین توہین ہے اور یہ کفر خالص ہے اور تھانوی صاحب اپنے اس کفری قول کی بنا پر کافر و مرتد ہو گئے۔ باوجود اس کے تھانوی صاحب کا اپنی بسط البنان میں یہ لکھنا:

> "میں نے یہ خبیث مضمون کسی کتاب میں نہیں لکھا اور لکھنا تو در کنار میرے قلب میں بھی اس مضمون کا خطرہ نہیں گزرا اور جو شخص ایسا عقیدہ رکھے، یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے میں اس کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں، کیوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصوص قطعیہ کی اور تنقیص کرتا ہے حضور سرور کائنات فخر بنی آدم ﷺ کی۔"(۱)

یہ تھانوی صاحب کا سفید جھوٹ اور اقراری کفر اور خود اپنے اوپر کفر کا فتویٰ دینا ہے، کیوں کہ تھانوی صاحب کی حفظ الایمان میں وہ عبارت اب تک موجود ہے جس کو بسط البنان میں کفر کہتے ہیں، جس سے صراحۃً حضور کی توہین ثابت ہے، اب تک اس نے توبہ نہیں کی، تو بسط البنان میں صرف یہ لکھ دینا کہ میں ایسا کہنے والے کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں، کیا اس سے وہ توہین رسول، تعریف بن جائے گی، یا یہ قول توبہ بن کر اس جرم توہین کو دفع کر دے گا۔ اگر ایسا ہے تو ہمیں بھی اجازت ملے کہ تھانوی صاحب کو خوب کھری کھری خوب بھری بھری سنائیں، جب اذناب تلملائیں تو کہہ دیں کہ میں ایسا کہنے والے کو بہت برا سمجھتا ہوں، اور پھر وہی کھری کھری خوب بھری بھری سنائیں۔ کیا اس کے لیے امت تھانویہ تیار ہے۔ اگر ہے تو تھانوی صاحب سے اعلان کرا دے اور اگر نہیں تو حضور کی شان میں ایسی صریح گستاخی کے باوجود تھانوی صاحب کا صرف یہ لکھ دینا کہ میں ایسا کہنے والے کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں، کس طرح کافی ہو سکتا ہے اور وہ حفظ الایمان کا کفر کیوں کر دفع ہو سکتا ہے۔ اور اگر دیوبندیوں کے نزدیک بعد میں اتنا کہہ دینے سے توہین نہیں ہوتی

---

(۱) مولوی اشرف علی تھانوی، بسط البنان، ص: ۲۱، ۲۲، مطبوعہ کتب خانہ سلطانیہ، دیو بند

توکم ازکم مولوی شکر اللہ صاحب مبارک پوری تھانوی صاحب کو صرف وہی حفظ الایمان کے الفاظ کہنے کے لیے تیار ہو جائیں کہ "پھر یہ کہ تھانوی صاحب کی ذات بابرکات پر علم کا حکم کیا جانا بقول منظور اگر صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس علم سے مراد بعض علم ہے یا کل۔ اگر بعض علوم مراد ہیں تو اس میں تھانوی صاحب کی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو زید، عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایک بات کا علم ہوتا ہے۔"

اگر اس پر تھانوی صاحب کا عتاب ہو یا کوئی دیوبندی تلملائے تو مولوی شکر اللہ صاحب فوراً اس سے کہہ دیں کہ مفتری ہے۔ ایسا علم سے تھانوی صاحب کا علم شریف مراد لیتا ہے، ایسا علم سے مراد تھانوی صاحب کا علم ہرگز نہیں بلکہ مطلق بعض علم مراد ہے، عبارت کا اول و آخر اس پر دلیل ہے۔ یہ بھی کہہ دیں کہ میں ایسا کہنے والے کو امت تھانویہ سے خارج سمجھتا ہوں۔ اور بھی جس قدر توجیہیں حفظ الایمان کی عبارت میں دیوبندی کرتے ہیں، وہ سب اس میں جاری ہیں تو کیا مولوی شکر اللہ صاحب اس کے لیے تیار ہیں اور چھپوا کر شائع کرا سکتے ہیں۔ حاشا و کلا یہ تو خواب میں بھی نہ کر سکیں گے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ اگر ایسا کیا تو تھانوی صاحب کی شان میں گستاخی ہوگی، رہا یہ سوال کہ پھر وہی عبارت وہی لفظ حضور کی شان میں گستاخی کیوں نہیں۔ تو یہ تھانوی عقیدت کا نشہ اور محمدی عداوت کا خمار ہے، جس میں یہ سوجھتا ہی نہیں کہ جو الفاظ تھانوی صاحب نے حضور کے لیے استعمال کیے ہیں بعینہ وہی الفاظ تھانوی صاحب کے لیے بولنا گستاخی ہے تو حضور کے لیے گستاخی کیوں نہیں، کیا تھانوی صاحب کی شان حضور سے بڑھی ہوئی ہے۔

دیوبندیو! آنکھیں کھولو، اللہ و رسول کے گستاخوں کا دامن چھوڑو۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، زندگی میں مہلت ہے، باز آؤ، توبہ کرو۔ اگر تم واقعی تھانوی صاحب کے خیر خواہ ہو تو ان سے بھی توبہ کراؤ، ورنہ یاد رکھو، پچھتا کر کہا کرو گے: "فَنَتَبَرَّاَ مِنۡهُمۡ كَمَا تَبَرَّءُوۡا مِنَّا." (۱) اور لا حاصل ہوگا، کچھ بھی نہ سنا جائے گا۔

مسلمانو! غور سے سنو، اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا اور اتنا دیا کہ حسب تصریح سلف صالحین آپ پر غیب کے دروازے کھول دیے، مگر پھر بھی صحیح یہ ہے کہ حضور کو عالم الغیب نہ کہنا چاہیے، اگرچہ آپ کی ذات میں اس لفظ کے معنیٰ متحقق ہیں لیکن بعض الفاظ کی خصوصیت ہوتی ہے، جس طرح لفظ رحمٰن جس کے معنیٰ یہ ہیں (مہربان، نہایت رحم والا) اس کا اطلاق حضور پر جائز نہیں اگرچہ حضور بلا شبہہ بہت رحم والے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کو قرآن مجید میں رؤف و رحیم و رحمۃ للعالمین فرمایا ہے، مگر لفظی خصوصیت کی بنا پر حضور کو رحمٰن نہیں کہا جاتا اسی طرح عالم الغیب بھی نہ کہنا چاہیے۔

---

(۱) قرآن کریم، سورۃ البقرۃ، ۱۰، آیت: ۱۶۷

مگر حضور کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا حضور کو عالم الغیب کہنے میں منحصر نہیں ہے، علم غیب کے حکم کی اور بہت سی صورتیں ہیں۔ یوں کہو کہ حضور کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا۔ حضور بعطائے الٰہی غیب کے عالم ہیں، حضور کو اللہ کا دیا علم غیب ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشاد کا خلاصہ یہی ہے، مگر تھانوی صاحب تو علم غیب کے حکم ہی کو رد کر رہے ہیں۔ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا ہی صحیح نہیں مانتے، پہلی دلیل میں بھی علم غیب کے اطلاق کو موہم شرک بتایا اور کہا، بلا قرینہ مخلوق پر علم غیب کا اطلاق موہم شرک ہونے کی وجہ سے ممنوع و ناجائز ہوگا۔ اس تھانوی اندھا دھند کو اعلیٰ حضرت کے فرمان سے کیا نسبت، چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ لہٰذا رہبر صاحب کی تمام دجالی، افترا پردازی، معہ حاشیہ ص:۶۹/ کافور ہوئی۔

علاوہ ازیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا مکروہ ہو یا نہ ہو، جائز ہو یا نہ ہو مگر حفظ الایمان کی اس کفری عبارت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین یقینی قطعی حتمی جزمی بہر حال ہے۔

کیوں کہ اول تو اس عبارت میں عالم الغیب کا ذکر ہی نہیں علم غیب کے اطلاق کو رد کیا ہے اور اگر غیب کو دور کر کے صرف علم ہی کو رکھا جائے، جب بھی یقیناً توہین ہے۔ اس لیے تو مولوی شکر اللہ صاحب تھانوی صاحب کے لیے وہ عبارت جس میں صرف علم ہی ہے بولنے کے لیے تیار نہیں وہ جانتے ہیں کہ حفظ الایمان کی اس کفری عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین یقینی، قطعی جزمی ہے، ایسی کہ بعید سے بعید، ابعد سے ابعد بھی کوئی پہلو ایمان کا نہیں، حد ہے کہ خود تھانوی صاحب پچاس برس میں کوئی ایمانی پہلو نہ بتا سکے۔ بہت کوششوں اور بڑی چال بازیوں سے معتقدین کی اشک شوئی کے لیے بسط البنان میں کچھ مذبوحی حرکتیں کی ہیں، "ادخال السنان" و "واقعات السنان" وغیرہ تصانیف علمائے اہل سنت نے اس تھانوی دجالی، مکاری، فریب کاری کا وہ پردہ چاک کیا کہ تسمہ تک لگا نہ چھوڑا اور ثابت کر دیا کہ بسط البنان میں تھانوی صاحب نے اپنے کفر پر خود رجسٹری کر دی ہے۔ لہٰذا ناظرین کرام ادخال السنان و واقعات السنان مصنفہ حضرت مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفی رضا خان صاحب بریلوی مدظلہ ضرور بالضرور ملاحظہ فرمائیں۔ دیوبندی بھی بنظر انصاف دیکھیں تو ہدایت پائیں۔ یہ دو کتابیں ہیں، جنھوں نے دہن تھانوی پر مہر سکوت لگا دی اور تھانوی صاحب کو مجال دم زدن نہ رہی۔ اس کے بعد اذناب بھی اچھلے اور بڑی بڑی کوششیں کیں۔ اس کفری عبارت کو ایمان بنانے میں سخت سخت محنتیں اٹھائیں، مولوی حسین احمد صاحب صدر دیوبند مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دربھنگی، مولوی عبد الشکور صاحب کاکوروی، مولوی منظور سنبھلی نے اس کفری عبارت کی بڑی بڑی پر فریب تاویلیں کیں، مگر چاروں کی جان توڑ کوشش کا نتیجہ مولوی اشرف علی صاحب کے کفر پر خود انھیں کا اتفاق و اجماع مرکب نکلا، کیوں کہ

ان چاروں میں سے ہر ایک دوسرے کی تاویل کو کفر کہتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ چاروں کے قول سے تھانوی صاحب کافر و مرتد ہیں، جس کی تفصیل رسالہ موت کا پیغام دیوبندی مولویوں کے نام مصنفہ حضرت مولانا ابو المنظور محمد سردار احمد صاحب قبلہ مد ظلہ صدر المدرسین دار العلوم اہل سنت مظہر اسلام بریلی میں مذکور ہے۔ ناظرین رسالہ ہذا کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ دیوبندی بھی دیکھیں عجب نہیں کہ ہدایت پائیں۔ واللہ الھادي الیٰ سبیل الرشاد.

(۲۹)

دیوبندیوں کے نزدیک امتی اعمال میں نبی سے بڑھ جاتے ہیں

علماے دیوبند انبیا علیہم السلام کی تنقیص شان کے اس قدر عادی ہیں کہ جہاں دیکھیے، کمالات انبیا کو گھٹاتے ہیں۔ مولوی اشرف علی صاحب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کو جانوروں اور پاگلوں کی طرح کہا، جس کی تفصیل نمبر (۲۰) میں گزری۔ رہی عملی فضیلت، اس کو مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے ختم کر دیا۔ صاف کہہ دیا کہ:

"انبیا اپنی امت سے ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل، اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔"(۱)

تھانوی صاحب نے حضور کو علم میں گھٹایا، نانوتوی صاحب نے عمل میں گھٹا دیا، لہٰذا دونوں فضیلتیں ختم ہو گئیں۔ المصباح الجدید کا یہی اعتراض ہے۔ رہبر صاحب نے اس کا جواب دیا کہ:

"عبارت میں بظاہر کا لفظ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ امتی کا عمل میں نبی کے برابر ہو جانا یا بڑھ جانا صرف ظاہری نظر میں ہوتا ہے، حقیقت میں نہیں۔ ہمارے علماے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ مصنفین کے کلام میں مفہومِ مخالف معتبر ہوتا ہے، چناں چہ شامی میں ہے: "مفهوم التصنيف حجة"۔(۲)

دیوبندی چال کا کہیں ٹھکانا ہے، ایک ایک چال میں دو دو چال بازیاں ہیں۔ پہلی چال بازی تو لفظ بظاہر سے یہ پردہ ڈالنا ہے کہ حقیقت میں برابر ہونا اور بڑھنا مراد نہیں، دوسری جعل سازی یہ کہ علامہ شامی کو اپنے علما میں شمار کر لیا۔ اس سے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روح کو کس قدر تکلیف ہوئی ہوگی، دیوبندی و نجدی پرست اپنی چال بازی سے کیا بنا چاہتے ہیں، یہ خبر نہیں کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نجدی اور نجد پرستوں کے جو احکام بیان فرمائے ہیں، ان سے ظاہر ہے کہ نجدی اور نجدی پرست علامہ کے نزدیک مرتد ہیں، جس کی تفصیل نمبر (۲۳) میں گزری۔ لہٰذا علامہ شامی کو اپنے علما

(۱) مولوی محمد قاسم نانوتوی، تحذیر الناس، ص: ۵

(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص ۷۱، 72

میں شمار کرنا فریب کاری اور علامہ شامی کو روحانی تکلیف دینا ہے، مفہوم مخالف تصنیفات میں اس وقت معتبر ہوتا ہے کہ عبارت میں اس کا احتمال ہو، مگر جب کہ خود مصنف کی عبارت ہی انکار کرتی ہو تو ایسی صورت میں مفہوم مخالف مراد لینا باطل اور مصنف کے کلام کو مسخ کرنا ہے۔ تحذیر الناس کی زیر بحث عبارت خود مفہوم مخالف کا انکار کر رہی ہے۔

ناظرین عبارت کو غور سے دیکھیں: ”انبیا اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔“ اس عبارت میں انبیا علیہم السلام کی خصوصیت و امتیاز کو صرف علوم میں منحصر کیا ہے۔ یعنی عمل میں انبیا کو امت سے کوئی امتیاز نہیں، جبھی تو کہا، ”علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں“ اور اگر عمل میں بھی کوئی امتیاز مانتے تو ”علوم ہی“ ہرگز نہ کہتے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نانوتوی صاحب کے نزدیک انبیا علیہم السلام کا امتیاز صرف علوم ہی میں منحصر ہے تو اب دیوبندی یہ بتائیں کہ انبیا علیہم السلام کا امتیاز حقیقت میں ہے یا ظاہری نظر میں۔ اگر صرف ظاہری نظر میں ہے تو امتی حقیقت میں علم و عمل دونوں میں نبی سے بڑھ سکتا ہے اور اگر یہ امتیاز حقیقت میں ہے تو حقیقت میں انبیا علیہم السلام کا امتیاز علم ہی میں منحصر ہوا، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں عمل میں ان کو کوئی امتیاز نہیں، لہٰذا مفہوم مخالف لے کر عبارت کا یہ مطلب بتانا کہ: ”امتی کا عمل میں نبی کے برابر ہو جانا یا بڑھ جانا صرف ظاہری نظر میں ہے حقیقت میں نہیں۔“ غلط اور باطل ہے۔ عبارت کو مسخ کر کے دھوکا دینا ہے، اس کو علمی روشنی میں یوں واضح کیا جائے گا کہ اس عبارت میں جب کہ انبیا کی صفت امتیاز کو ان کے علوم میں منحصر کیا تو دو حال سے خالی نہیں یہ حصر حقیقی ہے یا اضافی۔ اگر حصر حقیقی ہے تو عبارت کے معنی یہ ہوئے کہ انبیا علیہم السلام کا امت سے امتیاز حقیقت میں ان کے علوم ہی میں منحصر ہے، باقی رہے دیگر کمالات خواہ وہ محاسن اخلاق ہوں یا خوبیِ اعمال، خواہ معجزات ہوں یا خوارق عادات کسی وصف میں بھی حقیقت میں انبیا امت سے ممتاز نہیں۔ ان تمام اوصاف میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔

ناظرین شاید یہ خیال کریں کہ معجزات و خرق عادات میں امتی نبی سے کیسے بڑھ سکتا ہے تو یہ بات یاد رکھیں کہ در حقیقت امتی کسی وصف میں نبی کے قریب بھی نہیں ہو سکتا، بڑائی اور برابری کے خواب دیکھنا درکنار۔ مسلمانوں کا یہی ایمان ہے، مگر یہ عبارت دیوبندی کی ہے۔ ان کے نزدیک معجزات و خرق عادات میں جادوگر و بازی گر بھی انبیا علیہم السلام سے بڑھ سکتے ہیں۔ چناں چہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی رسالہ منصب امامت میں لکھتے ہیں:

بسیار چیز است کہ ظہور آں از مقبولین حق از قبیلۂ	یعنی بہت سی چیزیں جن کا اللہ کے مقبولوں سے
خرق عادت شمردن می شود، حالانکہ امثال آں افعال	ظاہر ہونا خرق عادت سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ ویسے
بلکہ اقویٰ و اکمل ازاں از ارباب سحر و اصحاب طلسم	بلکہ ان سے زیادہ قوی، ان سے بڑھ کر کامل باتیں تو

ممکن الوقوع باشد۔ (۱)　　　　جادوگر اور طلسم والے دکھا سکتے ہیں۔

لہٰذا دیوبندیوں کے نزدیک حصر حقیقی بھی مراد ہو سکتا ہے، اور اگر حصر اضافی مراد ہو تو یہ حصر بھی بہ نسبت عمل کے ہوگا کیوں کہ نانوتوی صاحب یہاں علم و عمل ہی میں گفتگو کر رہے ہیں، چناں چہ اس سے پہلے کہا:

"الغرض کمالات ذوی العقول کل دو کمالوں میں منحصر ہیں، ایک کمال علمی، دوسرا عملی۔ پھر کہا انبیا اور صدیقین کا کمال تو کمال علمی ہے اور شہدا اور صالحین کا کمال کمال عملی ہے۔"

خود اس عبارت میں انبیا کے امتیاز کو علوم میں منحصر کر کے کہا۔ رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں، بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ حصر اضافی بہ نسبت عمل کے ہوا اور معنٰی یہ ہوئے کہ انبیا اپنی امت سے صرف علم میں ممتاز ہوتے ہیں، عمل میں نہیں۔ اب یہ امتیاز یا تو حقیقت میں ہے یا صرف ظاہری نظر میں ہے۔ اگر صرف ظاہری نظر میں ہے تو یہ معنٰی ہوئے کہ انبیا کا امتیاز علمی صرف ظاہر میں ہے حقیقت میں علم و عمل دونوں میں کوئی امتیاز نہیں۔ علم و عمل دونوں میں حقیقت میں امتی بسا اوقات برابر ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بڑھ جاتے ہیں اور اگر یہ امتیاز حقیقت میں ہے تو یہ معنی ہوئے کہ حقیقت میں انبیا علیہم السلام علم میں ممتاز ہیں اور یہ امتیاز حقیقت میں چوں کہ بہ نسبت عمل کے علم میں منحصر ہے، لہٰذا عمل میں حقیقت میں امتیاز نہیں ہو سکتا، ورنہ حصر اضافی بھی باطل ہو جائے گا، لہٰذا خواہ حقیقی مراد ہو یا اضافی، امتیاز بھی صرف ظاہری نظر میں لیا جائے، یا حقیقت میں بہر صورت نبی کو امت پر عمل میں حقیقتاً واقعۃً کوئی فضیلت نہ ہوئی اور امتی کا عمل میں نبی کے برابر ہو جانا اور بڑھ جانا حقیقت میں واقعۃً مراد ہوا۔

پھر رہبر صاحب کا لکھنا لیکن واقعۃً ہمیشہ ہی کے اعمال بڑھتے رہتے ہیں۔ سفید جھوٹ اور سیاہ فریب ہے۔ اس عبارت کی توجیہ ہرگز نہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ "ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور ﷺ کے ایک سجدے کا جو وزن ہے وہ امتی کے پونے دو لاکھ نمازوں کا نہیں" سخت دھوکا، نرا تقیہ ہے ورنہ... ع:

حال ایمان کا معلوم ہے بس جانے دو

اگر دیوبندیوں کا یہ ایمان ہوتا تو شانِ رسالت میں ویسی بدلگامیاں ہرگز نہ کرتے، نہ ایسے بدلگاموں کا دامن تھامتے، بلکہ ان پر لعنت کر کے الگ ہو جاتے۔ جب تحذیر الناس کی اس عبارت نے مفہوم مخالف کے مخالف ہو کر خود ہی اس کو رد کر دیا اور لفظ بظاہر سے وہ فریب نہ چل سکا جو رہبر صاحب نے چلانا چاہا تھا تو اب بظاہر کے یہ معنی ہوئے کہ حقیقۃً و واقعۃً امتی کا عمل میں نبی کے برابر ہو جانا اور بڑھ جانا یہ بالکل ظاہری بات ہے، اس میں کوئی خفا اور پوشیدگی نہیں۔ یہ قطعًا بدیہی امر ہے اس پر کوئی دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں، جیسے کہا جائے بظاہر کل جزء سے بڑا ہوتا ہے۔ یعنی یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے کہ اس پر دلیل تو دلیل، تنبیہ کی بھی ضرورت نہیں۔ تفسیر کبیر کی یہ عبارت:

---

(۱) مولوی رشید احمد گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ، حصہ دوم، ص: ۲۰

قد نجد فی الأمة من هو أطول عمرا و أشد اجتهادا من النبي صلی الله علیه و سلم.(۱) یعنی ہم کبھی امت میں ایسا شخص پاتے ہیں جو نبی سے عمر میں دراز اور کوشش میں زیادہ ہوتا ہے۔

امتی کے عمر اور کوشش میں بڑھنے کا تذکرہ ہے، نہ یہاں نبی کے امتیاز کا حصر ہے نہ عمل میں امتی کے بڑھ جانے کا ذکر، لہٰذا اس کو نانوتوی صاحب کی سند بنانا سند جہل ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیوبندی اپنا ہم عقیدہ نہ سمجھیں وہ تو وہابی کش ہیں۔ تفسیر کبیر میں سیکڑوں جگہ دیوبندی عقیدوں کا رد کیا ہے۔ ان کا کلام تمہارے لیے مفید کب ہو سکتا ہے؟

(۳۰)

دیوبندیوں کے نزدیک شیطان کا علم حضور سے زیادہ ہے

علمائے دیوبند کے نزدیک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے شیطان کا علم زیادہ ہے اور شیطان کے علم کی زیادتی قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اور حضور کے علم کی زیادتی کے لیے علمائے دیوبند کے نزدیک کوئی نص قطعی نہیں۔ اس کے ثبوت میں مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھی و مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی شیطان والی عبارت ملاحظہ ہو۔

> ”الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت (زیادتی) نص (قرآن و حدیث) سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔“(۲)

المصباح الجدید میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ علمائے دیوبند کے پیشوا گنگوہی صاحب وانبیٹھی صاحب نے ساری زمین کا علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تو شرک کہا مگر اسی شرک کو شیطان کے لیے نہایت خوشی کے ساتھ نص سے ثابت مانا۔ شیطان مردود سے ایسی خوش عقیدگی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسی سخت عداوت۔ اسی عداوت نے تو عقل کو رخصت کر دیا، یہ بھی سمجھ میں نہ آیا کہ جس علم کا ثابت کرنا حضور کے لیے شرک خالص ہے وہ شیطان کے لیے کیسے ثابت ہو سکتا ہے، وہ بھی قرآن وحدیث سے۔ براہین قاطعہ کی یہ شیطان والی عبارت کفر صریح ہے، علمائے حرمین طیبین نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا ہے، کیوں کہ اس عبارت میں حضور کی سخت توہین ہے۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب در بھنگی نے اس عبارت کی یہ تاویل کی کہ حضور کے لیے جو وسعت علم شرک بتائی ہے اور جس علم کی نفی کی ہے وہ علم ذاتی ہے مگر مولوی

---

(۱) امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر، سورہ بقرہ؛ ج:۱، ص:۳۵۸، دار احیاء التراث العربی

(۲) مولوی رشید احمد گنگوھی و مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، براھین قاطعہ، ص:۵۱

مرتضیٰ حسن صاحب نے یہ تاویل کر کے مولوی خلیل احمد صاحب کو پاگل و مشرک بنا دیا، کیوں کہ جب ان کے خصم حضور کے لیے علم ذاتی مانتے ہی نہیں تو ان کے مقابلے میں علم ذاتی کی نفی کرنا جنون ہوا۔ اور جب حضور سے علم ذاتی کی نفی کی تو وہی شیطان کے لیے ثابت ماناجو شرک ہے، لہٰذا مولوی خلیل احمد صاحب پاگل مشرک ہوئے۔

المصباح الجدید کی اس تنبیہ جلیل پر براہین قاطعہ کی عبارت کا فقرہ فقرہ دلیل ہے، مگر دیوبندی رہبر نے اپنی عادت کے مطابق اس کفر خالص پر بھی پردہ ڈالنے کے لیے بڑی چالبازی و بددیانتی کی، سفید سفید جھوٹ بھی بولے اور لطف یہ کہ اس سب کارروائی کی نسبت المصباح الجدید کی طرف کر کے الٹی گنگا بہادی۔ آپ کہتے ہیں کہ: ”یہ معترض صاحب کا سفید جھوٹ ہے۔ شیطان کے لیے براہین قاطعہ میں کسی جگہ ساری زمین کا علم تسلیم نہیں کیا گیا۔“ تین سطروں کے بعد کہا:

> ”خلاصہ یہ ہے کہ براہین قاطعہ میں شیطان کے لیے صرف اسی قدر علم تسلیم کیا گیا ہے جس قدر آپ کے پیشوا مولوی عبدالسمیع صاحب نے اس ملعون کے لیے ثابت کیا ہے اور وہ بعض بعض مواقع زمین کا علم ہے اور آنحضرت ﷺ کے لیے جس علم کے ثابت کرنے کو شرک بتایا ہے وہ ساری زمین کا علم محیط ہے۔“(۱)

پھر آٹھ سطر بعد بددیانتی دکھا کر کہا:

> ”بہر حال معترض صاحب کا یہ سفید جھوٹ ہے کہ علمائے دیوبند نے شیطان کے لیے ساری زمین کا علم نص سے ثابت مانا۔“(۲)

اس کی وضاحت کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل بحث ہی پیش کر دوں۔ ناظرین کرام غور سے سنیں۔ واقعہ یہ ہے کہ دیوبندیوں نے میلاد شریف کے ناجائز و حرام، شرک و کفر ہونے کے فتوے شائع کیے تھے اور شرک و بدعت کا بڑا شور مچایا تھا۔ اس وقت حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دیوبندی فتوؤں کے رد میں انوار ساطعہ لکھی۔ اس بحث کی ابتدا مولوی عبدالجبار عمرپوری کے فتوے کی اس عبارت سے ہے۔

> ”حضرت کی نسبت یہ اعتقاد کہ جہاں مولود شریف پڑھا جاتا ہے، تشریف لاتے ہیں، شرک ہے۔ ہر جگہ موجود خدائے تعالیٰ ہے۔ اللہ سبحانہ نے اپنی صفت دوسروں کو عنایت نہیں فرمائی۔“

یہ دیوبندیوں کی مجنونانہ بڑھی، کہاں تشریف لانا، کہاں ہر جگہ موجود ہونا۔ ان دونوں میں کیا تعلق، تشریف لانا تو

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۷۳

(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۷۴

مخلوق ہی کا خاصہ ہے۔ مگر مولانا عبد السمیع صاحب نے اس سے چشم پوشی فرما کر دو طرح اس کا رد کیا۔ ایک یہ کہ میلاد شریف کی چند مجلسوں میں تشریف لانا اور کہاں ہر جگہ موجود ہونا۔ دوسرے یہ کہ ہر جگہ موجود ہونا خدائے تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں۔ اس لیے کہ حضرت ملک الموت ساری دنیا میں ہر جان دار کی روح قبض کرتے ہیں، ہر مکان کو رات دن دیکھتے رہتے ہیں، دنیا ان کے آگے مثل چھوٹے سے خوان کے کر دی ہے۔ وہ تو مقرب فرشتے ہیں، شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے یہ قدرت دی ہے۔ اس پر علامہ شامی کا یہ قول نقل کیا:

وأقدره على ذلك كما أقدر ملك الموت على نظير ذلك.(۱)	یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دی ہے جس طرح ملک الموت کو ہر جگہ موجود ہو جانے پر قادر کر دیا ہے۔

اس کے بعد محسوسات کی مثال بیان فرمائی کہ جو شخص تمام دنیا کی سیر کرے، جہاں جائے گا آفتاب و ماہ تاب کو موجود پائے گا، پھر اگر وہ کہے کہ چاند و سورج ہر جگہ موجود ہیں تو دیوبندی فتوے سے لازم آتا ہے کہ وہ مشرک ہو جائے، حالاں کہ وہ خاصہ مسلمان ہے۔ پھر مثال دے کر فرمایا کہ روحِ نبی ﷺ ساتویں آسمان پر مقامِ علیین میں موجود ہے۔ اگر وہاں سے آپ کی نظر کل زمین یا زمین کے بعض مقامات پر جائے اور ترشح انوار فیضان احمد سے کل مجالس مطہرہ کو ہر طرف سے مثل شعاع شمس محیط ہو جائے کیا محال کیا بعید ہے۔ اس پر علامہ زرقانی کی شرح مواہب لدنیہ شریف سے یہ عبارت پیش کی:

کالشمس فی وسط السماء ونورها   یغشی البلاد مشارقا ومغاربا

کالبدر من حیث التفت رائیته   یهدی الی عینك نورا ثاقبا(۲)

یعنی جس طرح سورج آسمان کے بیچ میں ہے اور روشنی اس کی پھیلی ہوئی ہے مشرق سے مغرب تک اور جس طرح چاند کہ جہاں سے تو اس کو دیکھے اسی جگہ سے تیری آنکھوں میں نور بخشے گا، اسی طرح نبی کریم ﷺ کا روحانی جلوہ سمجھو اور امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی میزان الشریعۃ الکبریٰ کی یہ عبارت پیش کی:

قد بلغنا عن ابی الحسن الشاذلی و تلمیذه ابی العباس موسی وغیرهما انهم کانوا یقولون لو احجبت رویة رسول الله ﷺ طرفة عین	دیکھیے ابوالحسن شاذلی وغیرہ اولیا فرماتے ہیں کہ اگر ایک پلک جھپکنے کے برابر بھی رسول اللہ ﷺ ہم سے چھپ جائیں تو ہم اپنے تئیں مسلمان نہ

(۱) علامہ ابن عابدین شامی، رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلوٰۃ، مطلب هل یفارقه المکان، ج:۱، ص:۵۲۹، دار الفکر، بیروت ۲۰۰۰ء

(۲) شرح مواهب، ج:۱۲، ص:۲۰۵، المقصد العاشر الفصل الثانی، دار الکتب العلمیة، بیروت

ما اعددنا انفسنا من جملة المسلمين، جائیں، انتہیٰ۔

اب دیکھیے یہ اولیاء اللہ ان مفتی صاحبان (دیوبندیوں) کے نزدیک کس حکم میں داخل ہوں گے۔ (۱)

خلاصہ یہ کہ دیوبندی مفتی نے میلاد شریف کی مجلسوں میں حضرت کے تشریف لانے کا اعتقاد شرک بتایا اور ہر جگہ موجود ہونا خاصہ خداوندی کیا، غیر خدا کے لیے یہ صفت ماننا شرک بتایا۔ مولانا عبد السمیع صاحب نے اسی کا رد کیا کہ یہ اعتقاد شرک نہیں نہ یہ خاصا خداوندی ہے، کیوں کہ ملک الموت حتیٰ کہ شیطان لعین کو اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ موجود ہونے کی قدرت دی ہے۔ آفتاب و ماہتاب ہر جگہ موجود ہیں، اسی طرح اگر نبی کریم ﷺ اپنے روحانی جلوہ سے مثل آفتاب و ماہتاب کے میلاد شریف کی محفلوں میں جلوہ گر ہوں تو یہ نہ محال ہے نہ بعید۔

دیوبندی فتوے کا یہ ایسا بلیغ رد ہے کہ قیامت تک جواب ناممکن ہے کیوں کہ جو چیز ممکن ہے، اس کا شرک ہونا محال ہے مگر ہٹ دھرمی کا برا ہو کہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے دیوبندی مفتی کی بات بنانے اور مولانا عبد السمیع صاحب کا رد کرنے کے لیے براہین قاطعہ میں بہت کچھ لکھا، جس کا خلاصہ خود ہی یہ کفری عبارت بیان کی:

> ”الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ (قرآن و حدیث) کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔“(۲)

ناظرین کرام! دیوبندی فتوے اور صاحب انوار ساطعہ کے قول کو نظر میں رکھ کر براہین قاطعہ کی اس عبارت کو انصاف سے دیکھیں۔ صاحب انوار نے شیطان و ملک الموت کا کیا حال دیکھا ہے، یہی دیکھا ہے کہ ملک الموت ساری دنیا کو ہر وقت برابر دیکھتے ہیں۔ ساری دنیا ان کے سامنے مثل چھوٹے خوان کے ہے، ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ شیطان جہاں جہاں انسان جاتا ہے ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔ انسان خواہ خشکی میں ہو یا تری میں ہو، پانی کے اندر ہو یا باہر، زمین پر ہو یا ہوا میں، جنگلوں میں ہو یا پہاڑوں میں، ہر جگہ شیطان اس کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ ساری زمین میں ہر جگہ جب شیطان موجود ہوتا ہے تو شیطان کو ساری زمین کا علم بھی ہوا، اسی کو براہین قاطعہ میں تسلیم کیا ہے اور اسی ساری زمین

---

(۱) انوار ساطعہ بر براهين قاطعه، ص:۵۱، ۵۲

(۲) مولوی خليل احمد انبیٹھوی، البراهين القاطعه، ص:۱۲۲، کتب خانه امدادیه، دیو بند

کے علم کی طرف اشارہ کرکے کہاکہ ”شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، پھر دیوبندی رہبر کا یہ کہنا کہ شیطان کے لیے براہین قاطعہ میں کسی جگہ ساری زمین کا علم تسلیم نہیں کیا گیا۔“ یہ کیسا سفید جھوٹ نمبرا ہے۔

اسی طرح یہ کہناکہ ”شیطان کے لیے جو علم تسلیم کیا ہے وہ محض بعض مواقع زمین کا علم ہے۔“ دیوبندی کا یہ جھوٹ نمبر ۲ ہوا۔

پھر یہ کہناکہ بہرحال معترض صاحب کا یہ سفید جھوٹ ہے کہ علماے دیوبند نے شیطان کے لیے ساری زمین کا علم نص سے ثابت مانا“ رہبر صاحب کا یہ سیاہ سچ جو شمار میں نمبر ۳ ہوا۔

نہ معلوم شیطان کے موجود ہونے کے وہ بعض مواقع دیوبند اور سہارنپور ہی ہیں یا گنگوہ اور تھانہ بھون بھی ان میں داخل ہیں۔ مسلمانو! غور کرو، علماے دیوبند نے یہ وسعت علم شیطان وملک الموت کے لیے بلا چون وچرا نص سے ثابت مانی اور کہا ”شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔“ مگر بد عقیدگی کی رگ جو اچھلی تو اسی کو حضور کے لیے شرک بتادیا اور کہہ دیاکہ ”فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ تمام نصوص کو رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔“ کتنی صراحت ہے کہ جس وسعت علم کو شیطان کے لیے مانا ہے، اسی کا حضور کے لیے انکار ہے، اور وہ یقیناً علم عطائی ہے، لہٰذا حضور سے علم عطائی کی وسعت کی ہی نفی کی، حضور کے علم عطائی ہی کو شرک کہا۔ مگر دیوبندی رہبر یہاں بھی چال بازی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

> ”دوسری بد دیانتی معترض صاحب نے یہ کی ہے کہ منقولہ بالا عبارت کے بعد اسی براہین میں یہ تصریح تھی کہ یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے جیساکہ جہلا کا عقیدہ ہے۔ معترض نے از راہِ خیانت اس فقرہ کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا۔ حالاں کہ اس سے یہ بات بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ مولانا خلیل احمد صاحب نے حضرت محمد ﷺ کے لیے ساری زمین کا علم ذاتی ثابت کرنے کو شرک کہا ہے۔“(۱)

رہبر صاحب آپ کو یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ اس عبارت میں ذاتی عطائی کا مقابل ہے جو فرق کرنے لگے۔ اس کے بعد والی عبارت سے تو دھوکا نہیں لگا۔ وہ یہ ہے:

> ”اگر یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں مگر بدون ثبوت شرعی اس پر عقیدہ درست بھی نہیں۔“(۲)

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ۷۴

(۲) مولوی رشید احمد گنگوہی و مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، براہین قاطعہ، ص: ۱۲۳، کتب خانہ امدادیہ دیو بند

خبر دار ہوشیار اس سے دھوکا نہ کھانا۔ اس میں ساری زمین کا علم عطائی کہیں نہیں ہے، نہ محیط زمین کا تذکرہ یہ تو ایسا ہے کہ جیسے دیوبند یا سہارن پور سے جلسہ کی خبر دے کر تھانوی صاحب کو بلا لیا گیا، اس سے تھانوی صاحب کو ساری زمین کا علم ہو گیا، لہٰذا صاحب براہین کے نزدیک ساری زمین کا علم عطائی حضور کے لیے ماننا شرک ہی رہا اور اگر لفظ ذاتی سے دھوکا کھایا ہو تو پھر ہوش سنبھال کر سنو، ذاتی جس طرح عطائی کا مقابل ہوتا ہے، اسی طرح ذاتی مجازی کا مقابل ہے۔ جب عطائی کا مقابل ہوتا ہے تو ذاتی کے معنیٰ ہوتے ہیں بغیر عطائے الٰہی اور جب مجازی کا مقابل ہوتا ہے تو ذاتی کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ اس کا موصوف حقیقۃً اس صفت کے ساتھ متّصف ہے، اگرچہ وہ صفت عطائی ہو۔ ذاتی کے یہ معنیٰ عرف عام وخاص سب میں مستعمل ہیں۔ تم خود کہا کرتے ہو یہ چیز ہماری ذاتی ہے۔ کیا اس کے معنیٰ یہ لیتے ہو، بغیر خدا کے دیے اور پھینکے ہوئے پتھر کی حرکت کو تمام عقلا نے ذاتی شمار کیا ہے، کیا وہ بغیر عطائے الٰہی ہے، ہوش سنبھال کر کہنا کیوں کہ پتھر کو خود تم نے پھینکا ہے اور اس کی حرکت کا خالق اللہ ہے، مگر پھر اس کی حرکت ذاتی ہے اس معنیٰ کے لحاظ سے کہ پتھر حقیقۃً حرکت کے ساتھ موصوف ہے، وہی معنیٰ ذاتی کے براہین قاطعہ کی اس عبارت میں ہیں۔ یعنی بحث اس صورت میں ہے کہ جس طرح خدا کے دیے سے ساری زمین کا علم شیطان کو ہے اور وہ حقیقۃً اس علم سے متّصف ہے اور نص سے ثابت ہے، اسی طرح اگر ساری زمین کا علم خدا کا دیا ہوا حضور کو مانا جائے اور حضور حقیقۃً اس صفت علم سے متّصف ہوں تو بوجہ خلاف نصوص قطعیہ کے شرک خالص ہے۔ ذاتی کے یہی معنیٰ لے کر مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند نے اپنی تحذیر الناس میں نبی ﷺ کو خاتم النبیین بالذات لکھا ہے:

"سو اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی خاتمیت کو تصور فرمائیے۔ یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں۔"(۱)

اگر بالذات کے معنی بغیر عطائے الٰہی لیے جائیں تو لازم آئے گا کہ مولوی قاسم صاحب حضور کی نبوت بغیر خدا کے دیے مانتے تھے، جو شرک خالص ہے۔ ذاتی کے اس معنیٰ پر خود اسی عبارت کی اشارۃ النص دلیل ہے کہ ذاتی عطائی کا مقابل ہرگز نہیں، بلکہ ذاتی مجازی کا مقابل ہے، کیوں کہ اس عبارت میں یہ ہے جیسا کہ جہلا کا عقیدہ ہے۔ عوام سنی جن کو دیوبندی نے جہلا کہا ہے سب حضور کے لیے اللہ کا دیا ہوا ہی علم مانتے ہیں۔ سب کا ایمان یہی ہے کہ حضور کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ آپ کی تمام صفات اللہ کی دی ہوئی ہیں۔ وہ کون سے جہلا ہیں جو بغیر خدا کے دیے ہوئے حضور کا علم مانتے ہیں، وہ دیوبند کے جہلا ہیں یا سہارن پور کے، گنگوہ کے جہلا ہیں یا تھانہ بھون کے، ذرا بتاؤ تو، پچھواؤ تو ثابت تو کرو۔ ہر مسلمان خواہ کیسا ہی بے علم ہو حضور کے لیے اللہ کا دیا ہوا ہی علم مانتا ہے۔ لہٰذا ذاتی سے وہی علم مراد ہوا جو عوام کا عقیدہ ہے اور عوام کا عقیدہ یہی ہے کہ حضور ﷺ کو ساری زمین کا، ساری کائنات کا علم عطائی ہے۔ حضور

---

(۱) مولوی محمد قاسم نانوتوی، تحذیر الناس، ص: ۵، ۶، مکتبہ تھانوی، دیوبند

حقیقۃ اس سے متّصف ہیں۔ لہٰذا خود اسی عبارت کی اشارۃ النص سے ثابت ہوا کہ ذاتی عطائی کا مقابل ہرگز نہیں بلکہ ذاتی مجازی کا مقابل ہے اور عطائی کو شامل ہے، اسی علم کی حضور ﷺ سے نفی کی ہے، اسی کو ثابت ماننا شرک بتایا ہے اور اسی کو شیطان کے لیے نص سے ثابت مانا ہے۔ جب اس عبارت کو نظر میں لاکر بھی شیطان والی عبارت کے وہی معنیٰ ہوئے جو المصباح الجدید میں بیان فرمائے ہیں تو پھر اس دس سطر بعد والی عبارت کو نظر انداز کرنا بددیانتی کیسے ہوا۔ لہٰذا اس کو بددیانتی بتانا رہبر صاحب کا بہتان نمبر ۴ ہوا اور جب اس عبارت کو لے کر بھی حضور سے اسی علم کی نفی ہوئی جو شیطان کے لیے علمائے دیوبند نے نص سے ثابت مانا ہے تو مقامع الحدید میں اس عبارت کو ذکر کر کے دونوں میں فرق بتانا، یہ رہبر صاحب کا جھوٹ نمبر ۵ ہوا۔ یہ عجب تماشا ہے کہ جو لوگ ان کفری عبارتوں کی تاویل کرنے چلتے ہیں، عقل پہلے ہی رخصت ہو جاتی ہے، یہ نہیں سوجھتا ہے کہ ذاتی کے معنیٰ بغیر عطائے الٰہی لیا جائے تو اب یہ مطلب ہوگا کہ یہ بحث بغیر خدا کے دیے علم کی وسعت میں ہے تو اول تو یہ سفید جھوٹ ہے، اس لیے کہ بحث دیوبندی فتوے سے شروع ہوئی ہے جس میں مفتی نے حضور کی اس صفت عطائی کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ

> "ہر جگہ موجود خدائے تعالیٰ ہے، اللہ سبحانہ نے اپنی صفت دوسرے کو عنایت نہیں فرمائی۔" واللہ اعلم۔ عبدالجبار عمرپوری۔ (۱)

صاحب انوار ساطعہ نے اسی صفت کے عطانہ ہونے کا رد کیا ہے اور کہا ہے ہر جگہ موجود ہونے کی صفت اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو حتی کہ شیطان لعین کو، آفتاب و ماہتاب کو بھی عنایت فرمائی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی روحانی جلوہ گری شرح مواہب لدنیہ و میزان شریعۃ الکبریٰ کے حوالہ سے بیان فرمائی۔ کتنی تصریح و تنصیص ہے کہ دیوبندی مفتی عطائی کا انکار کرتا ہے، صاحب انوار ساطعہ اسی کا رد کر کے حضور کے لیے عطائی کا اثبات کرتے ہیں۔ مولوی خلیل احمد صاحب انوار ساطعہ کا رد کرتے ہوئے اسی دیوبندی مفتی کی بات کو بتاتے ہیں۔ صاحبِ انوارِ ساطعہ نے حضور کے لیے جو وسعتِ علمی ثابت کی ہے اسی کو مولوی خلیل احمد صاحب نے شیطان کے لیے تو نص سے ثابت مانا، اسی کو نبی کریم ﷺ کے لیے شرک خالص بتایا اور کہا: "فخر عالم کی وسعت علمی کی کون سی نص قطعی ہے، جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔"

لہٰذا اس بحث کو علم ذاتی یعنی بغیر عطائے الٰہی پر ڈھالنا سفید جھوٹ نمبر ۶ ہوا۔ اور اگر بالفرض غلط تسلیم کیا جائے تو بحث علم ذاتی یعنی بغیر عطائے الٰہی میں ہوئی، لہٰذا مولوی خلیل احمد صاحب و مولوی رشید احمد صاحب نے شیطان و ملک الموت کے لیے بھی علم ذاتی بغیر عطائے الٰہی مانا اور نص سے ثابت مانا، یہ شرک خالص ہے۔ نیز اس تقدیر پر رہبر

---

(۱) مولوی رشید احمد گنگوهی و مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، براهین قاطعه، ص:۱۱۳، کتب خانه امدادیه، دیو بند

صاحب کی یہ توجیہ کہ مولوی خلیل احمد صاحب نے آں حضرت کے لیے ساری زمین کا علم ذاتی ثابت کرنے کو شرک کہا ہے۔ اس کا مطلب بطور مفہوم مخالف جس پر خود رہبر صاحب نمبر ۲۹ میں ایمان لا چکے ہیں، یہ ہوا کہ آدھی یا چوتھائی زمین کا ذاتی علم یعنی بغیر عطاے الٰہی حضور کے لیے ثابت کرنا شرک نہیں۔ کیوں رہبر صاحب کہاں ہو اور پھر اعلیٰ حضرت کے ارشاد پر بھی ایمان کہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر بھی غیر خدا کے لیے شرک ہے۔ اس آدھی چوتھائی زمین کے ذروں کو شمار کر کے تو بتاؤ کتنے شرک ہوئے۔ دروغ گو را نہ حافظ نباشد آپ پر صادق آیا اور آپ کا جھوٹ نمبر ۷ ہوا، اور اس تقدیر پر گنگوہی و انبیٹھی مشرک ہوئے۔ یہی وہ قاہر عذاب شدید ہے جس سے پناہ نہ ملی اور بہانا بنانا پڑا کہ:

> "یہ چیز مبحث تکفیر سے الگ ہے۔ معترض صاحب اور ان کی برادری کے ذمہ دار ارکان پہلے اپنی خیانت اور اس کی بنیاد پر جو تکفیر فتویٰ دیا گیا ہے اس کی غلطی تسلیم کر لیں، اس کے بعد جواب دیں گے۔"(۱)

کیا خوب، باوجود چوری ثابت ہونے کے پہلے چور کو چھوڑ دو اس کے بعد صفائی پیش کریں گے۔ کیا جواب دے سکتے ہو۔ مولوی مرتضیٰ حسن در بھنگی اور دوسرے دیو بندیوں کی اس توجیہ نے تمہارے گنگوہی و انبیٹھی دونوں کو مشرک کر دیا، لہٰذا اس کو مبحث تکفیر سے الگ بتانا رہبر صاحب کا جھوٹ نمبر ۸ ہوا۔

جس علم کی حضور سے نفی کی ہے اسی علم کو شیطان کے لیے ثابت مانا ہے، لہٰذا اس قول کو حماقت بتانا کھلی حماقت اور رہبر صاحب کا جھوٹ نمبر ۹ ہوا۔

جب دیو بندی فتوے اور اس کے رد انوار ساطعہ اور خود اس کفری عبارت کے ہر ہر فقرے نے حتیٰ کہ تائیدی عبارت نے بھی ثابت کر دیا کہ حضور سے محیط زمین کے علم عطائی کی ہی نفی کی ہے۔ اسی کو حضور کے لیے ثابت ماننا شرک بتایا ہے اور اسی کو شیطان کے لیے نص سے ثابت مانا ہے تو پھر اس شیطان والی عبارت کا یہ مطلب بتانا کہ:

> "شیطان و ملک الموت علم کی اس وسعت کو دیکھ کر جو مولوی عبد السمیع صاحب نے دلائل سے ثابت کی ہے (اور جو یقیناً عطائی ہے) آں حضرت ﷺ کو اس پر قیاس کرنا اور یہ سمجھنا کہ حضور چوں کہ افضل المخلوقات ہیں اس لیے تمام روے زمین کا علم محیط بطور خود بغیر عطاے خداوندی حاصل کر سکتے ہیں، شرک اور خلاف نصوص قطعیہ ہے۔"(۲)

یہ رہبر صاحب کا جھوٹ نمبر ۱۰ ہوا۔ کیا حضور کے لیے کوئی وصف ثابت کیا جائے وہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۷۴/ ص:۷۹، ناشر احیاء العلوم، مبارک پور
(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۷۵/ ص:۸۰، ناشر احیاء العلوم، مبارک پور

وصف دوسروں میں ہے اور چوں کہ حضور افضل المخلوقات ہیں اس لیے یہ وصف بطور خود بغیر عطائے خداوندی حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ ہے دیوبندی برادری کی جہالت وحماقت اور اس پر دعوائے علم۔ اہل ایمان تو یہ کہیں گے کہ چوں کہ حضور افضل المخلوقات ہیں لہٰذا حضور میں یہ وصف بدرجۂ اولیٰ متحقق ہوگا۔ اس مقام پر یہ بات قابل لحاظ ہے کہ حضرت مولانا عبد السمیع صاحب نے شیطان کے ہر جگہ موجود ہونے کے لیے علامہ شامی کا قول پیش کیا تھا۔ گنگوہی، انبیٹھی اور تمام دیوبندی برادری نے اس قول کو شیطان کی وسعت علمی کے لیے دلیل بنالیا، نص گردان لیا اور حضور اکرم ﷺ کی وسعت علم پر اسی انوار ساطعہ میں انھیں مولانا عبد السمیع صاحب نے شرح مواہب لدنیہ کی عبارت پیش کی، میزان الشریعۃ الکبریٰ کی عبارت پیش کی اس کو ماننا تو بڑی چیز خلاف نصوص قطعیہ کہہ کر شرک خالص بتا دیا اور وہ نصوص قطعیہ کون سے جن کے خلاف ہونے کی بنا پر شرک بتادیا یہ کہ ”مولوی عبد الحق روایت کرتے ہیں کہ آپ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔“(۱)

اف رے عداوت یہ وہ بے اصل قول ہے جس کو حضرت شیخ نے خود اپنی کتاب ”مدارج النبوۃ شریف“ میں رد کیا اور فرمایا ”ایں سخن اصلے ندارد۔“ اس مردود قول کو روایت بتاکر حدیث بنایا اور نصوص قطعیہ میں شمار کیا۔ مسلمانو! انصاف سے کہنا یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی عداوت کا نشہ نہیں تو اور کیا ہے۔ باوجود اس کے یہ کہنا کہ:

> ”اگر شیطان کے ساتھ خوش عقیدگی ہو سکتی ہے تو آپ کے بزرگوار مولوی عبد السمیع صاحب کی ہو سکتی ہے کہ انھوں نے ہی دلائل سے اس ملعون کے علم کی وسعت ثابت کی ہے۔“(۲)

یہ رہبر صاحب کا جھوٹ نمبر ۱۱ ہوا۔

ان فریبوں اور بہتانوں کے بعد رہبر صاحب نے حضور اقدس ﷺ سے علم زمین کی نفی کر کے شیطان کے واسطے ثابت کرنے کے لیے یہ چال چلی اور پہلے ذرا ہلکے ہلکے کہا کہ:

> ”یہاں صرف علم زمین میں بحث ہو رہی ہے، جس کو نبوت اور رسالت سے کوئی خاص تعلق نہیں، نہ اس پر کمال انسانی کا مدار ہے اور ایسے علوم غیر کمالیہ اگر انبیا علیہم السلام کو عطا نہ ہوں اور دوسرے بے کمال لوگوں کو دے دیے جائیں تو اس پر کوئی مضائقہ نہیں۔ حضور خود فرماتے ہیں:

---

(۱) مولوی رشید احمد گنگوہی و مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، براهین قاطعه، ص:۱۲۱، ۱۲۲، کتب خانہ امدادیہ، دیو بند

(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۷٤

أنتم أعلم بأمور دنياكم. | اپنی دنیا کی باتیں تم ہی زیادہ جانو۔

اور امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

يجوز أن يكون غير النبي فوق النبي في علوم لا تتوقف نبوته عليها. (۱) | ہوسکتا ہے کہ غیر نبی کا علم نبی علیہ السلام سے بڑھ جائے، ان چیزوں میں جن پر نبوت کا مدار نہ ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ انبیا علیہم السلام کی علمی فضیلت ان کے علوم نبوت کی وجہ سے ہے، جن میں کوئی ان کا ہم سر نہیں ہوسکتا، لیکن دوسرے ناقص علوم جن کو کمالِ انسانی میں کوئی دخل نہیں بالخصوص شیطانی علوم سے ان کا قلب منور پاک ہوتا ہے اور یہ سمجھنا کہ پیغمبروں کا علم شیطانی باتوں کو بھی محیط ہونا چاہیے اور معاذ اللہ علوم شیطنت میں بھی ان کا دائرہ سب سے وسیع ہونا چاہیے، محض شیطانی وسوسہ ہے، جو محض انھیں کور دماغوں کو ہوسکتا ہے جو علوم شیطنت اور علوم نبوت میں فرق نہ سمجھتے ہوں اور ان کے نزدیک گھی، گوبر، موتی اور پتھر کی ایک قیمت ہو۔“(۲)

ناظرین غور فرمائیں، رہبر صاحب نے پہلے تو یہ کہا کہ علم زمین شان نبوت سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھتا، نہ اس پر کمال انسانی کا مدار ہے، لہٰذا یہ علم زمین اگر انبیا علیہم السلام کو نہ ملے اور دوسرے بے کمال لوگوں کو (شیطان و تھانوی، گنگوہی کو) دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، پھر خلاصہ میں صاف کر دیا کہ علم زمین علم شیطانی اور ناقص علوم میں ہے جن سے انبیا کا قلب منور پاک ہوتا ہے۔ کیوں کہ رہبر صاحب پہلے اپنی بحث کی تخصیص کر چکے ہیں کہ بحث صرف علم زمین میں ہے، لہٰذا خلاصہ میں علم زمین ہی کو علم شیطانی کہا۔ دیوبندیوں کی اس جرأت پر حیرت ہے کہ اس ناپاک خلاصہ کی نسبت حدیث و تفسیر کی طرف کر دی، یہ دیوبندی رہبر کا بہتان عظیم ۱۲ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دیوبندی حدیث و قرآن صرف حضور کے علم و کمالات گھٹانے ہی کے لیے پڑھتے ہیں جبھی تو حضور کا یہ فرمان نہ سوجھا: (حدیث):

فوضع كفه بين كتفي فوجدت بردها بين ثديي فعلمت ما في السموات والأرض. (۳) | یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے شانوں کے درمیان رکھا پس میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی، پس میں نے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز جان لی۔

---

(۱) امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر، سورہ کہف، ج:۲۱، ص:۱۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۷۶/ ص:۸۰، ۸۱، ناشر احیاء العلوم، مبارک فور

(۳) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، ص:۷۰، مجلس البرکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک فور، ۲۰۰۶ء

پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱)

اور اسی طرح ہم دکھاتے ہیں ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت۔

نہ حضور کا یہ ارشاد نظر آیا:

إن الله رفع لی الدنیا فأنا انظر إلیها و إلی ماهو کائن فیها إلی یوم القیٰمة کأنما أنظر إلیٰ کفی هذه. (۲)

حضور ﷺ نے فرمایا، اللہ نے دنیا میرے پیش نظر کر دی، پس میں دنیا کی طرف دیکھ رہا ہوں اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کی طرف ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی ہتھیلی کی طرف۔

اس مضمون کی سیکڑوں حدیثیں کتب حدیث میں مذکور ہیں مگر دیوبندی نے چھانٹی تو حدیث: أنتم أعلم بأمور دنیاکم۔ اور لطف یہ کہ تھانوی صاحب کی حمایت کے لیے تو اپنے حاشیوں کے ایڈیشن تک دکھائیں اور حدیث شریف کی شرح سے بھی جو اکابر امت و معتمدین ملت نے بیان فرمائیں، آنکھیں بند کر جائیں یہ تھانوی حمایت اور محمدی عداوت نہیں تو اور کیا ہے۔ دیوبندیو! اس حدیث پر اپنے شیطانی شبہہ کا جواب سنو جو شفا شریف کی شرح میں موجود ہے:

قال الشیخ سیدی محمد السنوسی اراد انه یحملهم علی خرق العوائد فی ذلك الی باب التوکل و اما هناك فلم یمتثلوا فقال انتم عارف بدنیاکم ولو امتثلوا و تحملوا فی سنة و سنین لکفوا امر هذه المحنة. (۳)

شیخ سنوسی (نے فرمایا کہ حضور نے ان کو خلاف عوائد بر انگیختہ کرنے اور باب توکل کی طرف پہنچانے کا ارادہ فرمایا تھا انھوں نے اطاعت نہ کی اور جلدی کی تو حضور نے فرمایا کہ تم اپنے دنیا کے کام کو خود ہی جانو۔ اگر وہ سال دو سال اطاعت کرتے اور تلقیح (نر کھجور کی کلی کو مادہ کی کلی میں رکھنا) نہ کرتے تو انھیں تلقیح کی محنت نہ اٹھانی پڑتی۔

دیکھا، یہ ہے حدیث کا مطلب تو حضور نے توکل کی تعلیم فرمائی تھی مگر جب وہ صبر نہ کر سکے تو ان کے دنیا کے کام ان کے سپرد کر دیے۔ دیوبندیوں نے نیش زنی کر کے حضور سے امور دنیا کے علم کی نفی کی اور پھر اس سے علم زمین کی نفی کرتے ہیں۔ حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کے معنی بیان فرماتے ہیں:

---

(۱) قرآن حکیم، سورہ انعام ٦، آیت: ٧٥
(۲) ابو عبد اللہ نعیم بن حماد، کتاب الفتن، ج:١، ص:٢٧، مکتبة التوحید، قاهره
(۳) شرح شفا قاضی عیاض لملا علی قاری رحمة الله علیه، ص:

"اینست معنی آں چہ در بعضے روایات دریں قضیہ آمدہ کہ فرمود انتم اعلم بامور دنیاکم شما دانا ترید بکارہائے خود یعنی مرا کارے والتفاتے بداں نیست ولا آں حضرت ﷺ داناترست از ہمہ در ہمہ کارہائے دنیا و آخرت۔"(۱)

یعنی حضور کے فرمان انتم اعلم بامور دنیاکم کا مطلب یہ ہے کہ مجھے دنیا کی طرف التفات و توجہ نہیں ہے ورنہ آں حضرت ﷺ دنیا و آخرت کے تمام کاموں میں سب سے زیادہ عالم ہیں۔

مسلمانو! سنا تم نے حضور نے خود فرمایا کہ میں نے زمین و آسمان کی تمام اشیا جان لیں، ساری زمین کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسا اپنی ہتھیلی کو۔ آیت کریمہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساری سلطنت کا مشاہدہ ثابت اور اسی آیت کے لفظ کذالک سے خود محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے ثابت۔ محدثین کرام نے حدیث پر شیطانی شبہہ کا جواب دیتے ہوئے حضور کو دنیا و آخرت کے تمام علوم میں ساری مخلوق سے زیادہ علم ہونے کی تصریح فرمادی۔ مگر دیوبندی رہبر نہ آیت کو مانیں، نہ حدیث سنیں، نہ محدثین کے فرمان پر کان دھریں بلکہ حضور کا علم گھٹانے اور شیطان کا علم بڑھانے کے لیے یہ چال چلی کہ علم زمین کو علم شیطانی قرار دیا۔ علوم شیطنت و علوم نبوت میں یہ فرق دکھایا کہ پہلے کو گوبر اور دوسرے کو گھی بتایا۔

لہٰذا رہبر صاحب کے مربی مولوی شکر اللہ صاحب اور سارے دیوبندی بتائیں کہ وہ شیطانی علوم کون کون سے ہیں جو گوبر کی طرح نجس ہیں، جن میں نبی کریم ﷺ سے تمہارے نزدیک شیطان بڑھا ہوا ہے، اور وہ علوم شانِ رسالت کے لائق نہیں۔ مگر ساتھ ہی اس آیت کے معنی بھی بیان کر دیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾.(۲) (اللہ تعالیٰ ہر شے کا عالم ہے) یہ بتائیں کہ اس کلیہ میں وہ شیطانی علوم جو تم نے اپنے شیطان کے لیے مخصوص کر رکھے ہیں، داخل ہیں یا نہیں، اللہ تعالیٰ بھی ان کو جانتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو ان علوم میں تمہارا شیطان معاذ اللہ اللہ تعالیٰ سے بھی بڑھا ہوا ہے اور بغیر خدا کے دیے، اس نے وہ علوم خود حاصل کر لیے ہیں۔ دیوبندیو! کیا اس کے لیے تم علوم ذاتی مانتے ہو۔ شیطان کے لیے علم ذاتی ماننا تمہارے نزدیک شرک نہیں خالص توحید ہے اور اگر اللہ تعالیٰ ان علوم کا عالم ہے تو وہ علوم شیطانی اتنے گندے جن کو تم گوبر بتاتے ہو اور نبی کی شان کے لائق نہیں مانتے تو وہ گندے علوم خدا کی شان کے لائق کیسے ہوئے۔ کیا تمہارے نزدیک خدا کی شان نبی کی شان سے اتنی گھٹی ہوئی ہے کہ گوبر سب نجاستوں کے ساتھ متصف ہوتا ہے، تمہارے ایمان میں تو لکھا ہے:

"ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔"(۳)

---

(۱) شیخ عبد الحق محدث دهلوی، اشعة اللمعات، ص:۷۰

(۲) قرآن کریم، سورة الانفال:۸، آیت:۷۵

(۳) مولوی اسماعیل دهلوی، تقوية الایمان، ص:۱۶

بولو، کچھ تو بولو، کیا بولو گے، یہ سب نبی کی عداوت کا عذاب ہے: کذالک العذاب وعذاب الآخرة اکبرلو کانوا یعلمون۔ عقل کے دشمنو علم کسی چیز کا گندا نہیں ہوتا، حتیٰ کہ گندی سے گندی بری سے بری چیز کا علم بھی اس کے جہل سے ہزاروں درجہ افضل ہے۔ "علم شے بہ از جہل شے" مسلم ہے، البتہ اس گندی چیز کو عمل میں لانا اور کرنا برا ہوتا ہے، جیسے ایک تو کوے کا علم یہ جاننا کہ کوّا ایک سیاہ پرندہ ہے، جس کی گردن کا رنگ سفیدی مائل ہوتا ہے، نجاست کھاتا ہے خبیث جانور ہے۔ قرآن مجید و حدیث شریف وفقہ سے اس کی حرمت ثابت ہے، اس کا کھانا حرام ہے اور ایک اس خبیث ناپاک حرام جانور کا کھانا کوے کا یہ علم یقیناً فضیلت رکھتا ہے۔ برا اور گندا اور ناپاک و حرام جو کچھ بھی ہے وہ اس کا کھانا ہے، جو مسلمان کی شان کے لائق نہیں کہ اس کے علم ہی کو برا بتایا جائے۔ اسی طرح تمام گندی چیزوں کو قیاس کرو۔ انوار ساطعہ کا یہ فرمان کہ اہل سنت ناپاک جگہوں میں حضور کے تشریف لانے کا دعویٰ نہیں کرتے، حق و بجا ہے اس سے یہ سمجھنا کہ حضور کو ان مقامات کا علم بھی نہیں مانتے، یہ نری کور دماغی، کوڑ مغزی ہے۔ کسی جگہ کے علم کے لیے اسی جگہ کے علم کے لیے اسی جگہ جانا کیا ضروری ہے؟ دور سے بھی علم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ دور سے دیکھ بھی سکتے ہیں۔ اس پر انوار ساطعہ کو اپنے نظریہ میں شامل کرنے سے باز نہ آؤ تو تھانوی صاحب سے پوچھو کہ آپ کو دوزخ کا علم ہے یا نہیں، اگر نہیں تو ایمان کا دعویٰ کیوں، اگر ہے تو کیا دوزخ میں تشریف لے جا چکے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ گئے تو نہیں ہیں مگر اپنے کفر سے بغیر توبہ کیے مر گئے تو جائیں گے ضرور۔ ہم یہ دریافت کرتے ہیں کہ حرام چیزیں بری ہیں یا نہیں، اگر کہیے نہیں تو وہی گوبر اور گھی والی مثال آپ پر صادق، مگر جس نے قرآن پڑھا ہے اسے معلوم ہے کہ بے شک بری ہیں وہ ویحرم الخبائث پھر اگر دیوبندیوں کے طور پر بری چیز کا علم بھی برا ہوتا ہے اور بری چیزوں کا جاننا شان رسالت کے منافی ہے تو انبیا علیہم السلام کو کیا محرمات کا بھی علم نہ تھا۔ حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے واقعہ سے بعض لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت پر استدلال کیا ہے۔ اس پر امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ منع وارد کیا:

يجوزأن يكون غير النبي فوق النبي في علوم لا تتوقف نبوته عليها. (۱)	ممکن ہے کہ غیر نبی نبی پر فوقیت لے جائے علوم نبوت کے سوا دیگر علوم میں۔

تفسیر کبیر کا یہ قول مانع کے لیے مفید ہو سکتا ہے، مگر استدلال کے لیے صرف ممکن ہونا ہرگز کافی نہیں اور دیوبندی تو اس جگہ مستدل ہیں، کیوں کہ مولوی عبد الجبار عمر پوری دیوبندی نے میلاد شریف کی مجلسوں میں حضور کا تشریف لانا شرک بتایا۔ مولوی عبد السمیع صاحب نے اس کا رد کیا۔ مولوی خلیل احمد صاحب نے اپنے دیوبندی مولوی کی بات بنانے کے لیے وہ شیطان والی عبارت بولی، جس کی حمایت میں رہبر صاحب بھی اچھلے تو ایسے کہ نہایت زور کے

---

(۱) امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر، سورۂ کهف، ج:۲۱، ص:۱۲۷، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان ۲۰۰۰ء

ساتھ مگر ذرا ترکیب سے ثابت کیا کہ علم زمین کی وسعت میں علم شیطان کا دائرہ حضور ﷺ سے بڑھا ہوا ہے۔ ان کی ص:۶۷ر کی پوری عبارت اس پر دلیل ہے۔

لہٰذا دیوبندی اس جگہ مستدل ہیں اور تفسیر کبیر کے لفظ یجوز سے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا علم اپنے شیطان کے علم سے گھٹانے پر استدلال کر رہے ہیں۔ لہٰذا اگر "یجوز" اور "ہوسکتا ہے" سے دیوبندی کے نزدیک استدلال صحیح ہے اور نتیجہ کی فعلیت لازم ہے تو لو سنو۔

۱-یجوز أن یکون التهانوي مرتدًا، و کل مرتد فی النار، فیکون التهانوي في النار.

۲-ویجوز أن یکون التهانوي مرتدًا، و کل مرتد واجب القتل، فیکون التهانوي واجب القتل.

۳-ویجوز أن یکون التهانوي مرتدًا، و کل مرتد جاز أن یکون قردًا و خنزیرًا، فیکون التهانوي قردًا و خنزیرًا.

لہٰذا دیوبندی پہلے یجوز سے یہ تمام نتیجے نکال کر تھانوی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیں، اس کے بعد تفسیر کبیر کی مذکورہ بالا عبارت سے استدلال کا نام لیں۔ کذالک العذاب وعذاب الآخرۃ أکبر. لو کانوا یعلمون۔ پھر اس عبارت تفسیر کبیر سے آپ کا منشا یہ ہے کہ غیر انبیا حضور اقدس ﷺ سے علم نبوت کے غیر میں بڑھ سکتے ہیں اور وہ علم انسانی کمالات نہیں جس کو آپ نے خود بیان کیا تو بتائیے کہ خضر کا وہ علم کمال انسانی میں ہے یا نہیں۔ دیوبندی برادری ذرا قرآن مجید پیش نظر رکھ کر جواب دے۔ کیا وہ علم جو انسان کے کمالات سے نہیں اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا. (۱) اور اسی کو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام فرمار ہے ہیں: هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا. (۲) اور یہ بتائیے کہ یجوز میں دونوں جانب کا احتمال ہوتا ہے، یعنی پایا جائے، یا نہ پایا جائے تو اب دیوبندی برادری بولے کہ خلاصۂ کلام میں جو کچھ لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہوا، یہی نہ کہ گوبر بھی بتاتا جاتا ہے، پھر حضور کا اس کے ساتھ متّصف ہونا جائز بھی کہتا ہے، یہ ہے دیوبندی خباثت، جن کے دماغوں میں گوبر بھرا ہوتا ہے وہی ایسا سمجھتے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ.

المصباح الجدید دیوبندیوں کے رد میں وہ بے مثل کتاب ہے جو اپنی آپ ہی نظیر ہے، باوجودے کہ نہایت مختصر ہے مگر دیوبندی مذہب کی وہ عریاں تصویر ہے جس میں ذریت دجالیہ دیوبندیہ کے تیس گندے عقیدے نمبر وار دیوبندیوں کی معتبر کتابوں کے حوالہ سے بیان کیے ہیں اور ہر حوالہ کو غلط ثابت کر دینے پر پانچ سو روپیہ انعام مقرر کیا

---

(۱) قرآن کریم، سورہ کہف، ۱۸، آیت:۶۵

(۲) قرآن کریم، سورہ کہف، ۱۸، آیت:۶۶

ہے۔ مگر چار پانچ برس سے آج تک کسی دیوبندی میں یہ ہمت نہ ہوئی کہ ایک بھی حوالہ غلط ثابت کر کے انعامی رقم وصول کرتا اور انشاء اللہ نہ قیامت تک ہمت ہو سکے۔

الحمدللہ کہ المصباح الجدید نے دیوبندیوں کو دم بخود کر دیا۔ گورستانِ دیوبندیت میں سناٹا کر دیا۔ دیوبندیوں نے جب دیکھا کہ پھنسے پھنسائے ہاتھ سے نکل رہے ہیں تو اس کے جواب میں مقامع الحدید لکھی، جس میں دیوبندی سنت کے مطابق بڑی بڑی مکاری، فریب کاری، چال بازی، افترا پردازی، بہتان طرازی سے دیوبندی مذہب کی عریاں تصویر کو چھپانے اور اپنے کفریات پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کی، اس کے دو باب مقرر کیے۔ پہلے باب میں اپنے تیس دجالی عقیدوں پر خوب ملمع سازی اور بڑی تقیہ بازی کی، دجل ومکر کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا اور باب دوم میں دیوبندی تہذیب کا آئینہ دکھایا ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ العذاب الشدید نے جب مقامع الحدید کے باب اول کے دھویں اڑا دیے، پرزے پرزے کر دیے تو دیوبندی آئینہ کی کیا حقیقت ہے۔ اس کے لیے تو عذاب الٰہی کا ایک پتھر ہی کافی ووافی ہے۔ ایک اشارہ ہی میں چکنا چور کر دے گا۔ لہٰذا اب وہ باب دوم کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ و باللہ التوفیق.

.........(باب دوم).........

دیوبندی مذہب کا آئینہ

(۱)

دیوبندیوں کے نزدیک اللہ تبارک و تعالیٰ کا علم لازم و ضروری نہیں، بلکہ تمام ممکنات کی طرح ممکن اور حادث اور اختیاری ہے، جب چاہتا ہے اپنے اختیار سے غیب دریافت کرلیتا ہے، جب تک نہیں چاہتا ہے، جاہل رہتا ہے۔

حوالہ:—دیوبندیوں کے شہید مولوی اسماعیل دہلوی فرماتے ہیں:

"غیب کا دریافت کرنا، اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے کرلیجیے، یہ اللہ تعالیٰ کی ہی شان ہے۔"(۱)

جب چاہے دریافت کرنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ ابھی تک دریافت نہیں ہوا، لہٰذا جب تک دریافت نہیں ہوا خدا جاہل رہا اور علم الٰہی اختیاری ہوا، لہٰذا ممکن اور حادث ہوا۔ دیوبندی مذہب میں اللہ صاحب کی یہی شان ہے کہ علم الٰہی ممکن بھی ہے، حادث بھی ہے اختیاری بھی۔

(۲)

دیوبندیوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ زمان و مکان میں گھرا ہوا ہے، اس کو زمان و مکان و جہت سے پاک ماننا، اس کے دیدار کو بلا جہت و بغیر مقابلہ کے جاننا بدعت حقیقیہ ہے۔

حوالہ:—دیوبندیوں کے شہید فرماتے ہیں:

"تنزیہ او تعالیٰ از زمان و مکان و جہت و اثبات رویت بلا جہت و محاذات (الی قولہ) ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است اگر صاحب آں اعتقادات مذکورہ را از جنس عقائد دینیہ می شمارد انتہی، ملخصاً۔"(۲)

یعنی اللہ تعالیٰ کا زمان و مکان سے پاک ہونا اور اس کا دیدار بغیر جہت اور مقابلہ کے ماننا بدعت حقیقیہ ہے۔ اگر

---

(۱) مولوی اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان، ص:۱۵، مطبع مجتبائی، دہلی

(۲) مولوی اسماعیل دہلوی، ایضاح الحق: ۳۵، ۳۶

اس کا معتقد ان باتوں کو دینی عقیدہ شمار کرے جب خداوند قدوس کو زمان و مکان سے پاک ماننا بدعت حقیقیہ ہوا تو ضرور خدائے تعالیٰ کسی مکان اور زمان میں محدود ہوا۔ جب زمانہ میں محدود ہوا تو ضرور اس کی کچھ عمر ہو گی۔ لہٰذا دیوبندیو، ذرا بتاؤ تو تمھارے خدا کی عمر کتنی ہوئی اور کتنی باقی ہے، خوب حساب کر کے ٹھیک بتانا۔

(۳)

دیوبندیوں کے نزدیک خدائے تعالیٰ واقع میں جھوٹا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، مگر بندے اس کے جھوٹ پر مطلع نہ ہوں، کیوں کہ خدا جھوٹ بولنے میں صرف بندوں سے ڈرتا ہے۔ اگر بندوں کو پتا نہ چلے تو پھر خدا کو جھوٹ بولنے میں کوئی پرواہ نہیں۔

حوالہ:- دیوبندیوں کے شہید فرماتے ہیں:

> ”بعد اخبار ممکن ہست کہ ایشاں را فراموش گردانیدہ شود پس قول بامکان وجود مثل اصلا منتج بتکذیب نص از نصوص نگردد وسب قرآن مجید بوصف انزال ممکن ست داخل قدرت الٰہیہ۔“(۱)

علمائے اہل سنے نے فرمایا تھا کہ حضور ﷺ کا مثل یعنی تمام صفات کمالیہ میں آپ کا شریک ہم سر ہونا محال ہے، کیوں کہ حضور خاتم النبیین ہیں۔ لہٰذا اگر حضور کا مثل ممکن ہو تو آیت: ”وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ“ کی تکذیب ہو اور کذب الٰہی لازم آئے، اس کے جواب میں مولوی اسماعیل صاحب نے یہ کفری بول بولا کہ قرآن مجید دلوں سے بھلا کر ایسا کرے تو کس نص کی تکذیب ہو گی۔ لہٰذا صاف اقرار کیا کہ اللہ تعالیٰ کی بات واقع میں تو جھوٹی ہو جانے میں کوئی حرج نہیں۔ حرج اس میں ہے کہ بندے اس کے جھوٹ پر مطلع ہوں، اگر انھیں بھلا کر اپنی بات جھوٹی کردے تو تکذیب کہاں سے آئے گی کہ اب کسی کو وہ نص یاد ہی نہیں کہ جھوٹ ہونا بتائے، غرض سارا ڈر بندوں کا ہے، جب ان کی مت ماردی پھر کیا پرواہ ہے۔

دیوبندیو! تمہارا خدا ایسا عیب دار ہے کہ واقع میں جھوٹ بولے اور کوئی حرج بھی نہ ہو، اور اتنا بزدل کہ بندوں سے ڈرتا بھی ہے، معاذ اللہ۔ اسی وجہ سے تم جھوٹ بولنے کے عادی ہو، اور بزدل اتنے کہ ڈر کے مارے مسلمانوں سے اپنے یہ کفری عقائد چھپاتے ہو۔

(۴)

دیوبندیوں کے نزدیک خدا کا جھوٹ بولنا کہ جس پر بندے مطلع نہ ہوں کسی طرح محال نہیں، کیوں کہ اگر خدا

---

(۱) مولوی اسماعیل دھلوی، رسالہ یك روزی، ص:٦٢، فاروقی کتب خانہ بك سیلرز پبلشرز، ملتان

جھوٹ نہ بول سکے تو لازم آئے کہ انسان کی قدرت خدا کی قدرت سے بڑھ جائے۔

حوالہ:۔دیوبندیوں کے شہید فرماتے ہیں:

”لا نسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد چہ مقدمہ قضیہ غیر مطابقہ مواقع والقاے آں بر ملائکہ وانبیا خارج از قدرت الٰہیہ نیست والا لازم آید کہ قدرت انسانی ازید از قدرت ربانی باشد۔“(۱)	یعنی خدا جھوٹی جھوٹی باتیں گڑھ کر فرشتوں اور نبیوں کو خبر دینے پر قادر ہے، کیوں کہ اگر اس جھوٹ پر قادر نہ ہو تو لازم آئے کہ انسان کی قدرت خدا کی قدرت سے بڑھ جائے۔

یہ دلیل صراحۃً ثابت کر رہی ہے کہ انسان جو کچھ اپنے لیے کر سکتا ہے وہ سب خداے تعالیٰ کی ذات پر روا ہے۔ خدا بھی اپنے لیے وہ سب کچھ کر سکتا ہے، کیوں کہ اگر کوئی ایک کام بھی ایسا ہو جو بندہ کر سکے اور خدا نہ کر سکے تو بندہ کی قدرت خدا کی قدرت سے بڑھ جائے گی۔ لہٰذا اب دیوبندی دھرم میں خدا کی شان سنو اور دیوبندی دلیل سے ہر شان کو ثابت کیے جاؤ۔

خدا کھانا کھا سکتا ہے، سو سکتا ہے، جاگ سکتا ہے، پاخانہ پیشاب پھر سکتا ہے، چل پھر سکتا ہے، راستہ بھول سکتا ہے، غافل ہو سکتا ہے، خدا ظالم ہو سکتا ہے، اپنی ناک کان کاٹ سکتا ہے، اپنی آنکھیں پھوڑ کر اندھا ہو سکتا ہے، خدا گلا گھونٹ کر، زہر کھا کر، تلوار بندوق مار کر، برچھی بھالے سے جگر چھید کر خودکشی کر سکتا ہے۔ خدا پانی میں ڈوب کر، درخت سے گر کر، دیوار میں دب کر مر سکتا ہے، دیوبندیوں کے مدرسہ کا طالب علم ہو سکتا ہے، خدا بھیک مانگ سکتا ہے، دوسروں کو اپنے کام میں شریک کر سکتا ہے، عبادت کر سکتا ہے، بتوں کو سجدہ کر سکتا ہے، خدا چوری کر سکتا ہے، گرہ کاٹ سکتا ہے، ڈاکا مار سکتا ہے، خدا دیوبندیوں کی طرح گاندھی جی کی جے پکار سکتا ہے، کھدر پہن کر گاندھی کیپ اوڑھ کر بندے ماترم کا گیت گا سکتا ہے۔ مولوی حسین احمد، مولوی کفایت اللہ، مولوی عبد الشکور وغیرہ کی طرح جیل جا سکتا ہے۔ مولوی احمد سعید کی طرح جیل کے خوف سے حاکم پرگنہ کے اجلاس میں جھوٹ بول سکتا ہے، جھوٹ بولنے پر بھی رہائی نہ ہو تو جیل جا سکتا ہے۔ ان سب باتوں میں سے دیوبندی جس کا بھی انکار کریں فوراً ان کے شہید کی دلیل سے ثابت کر دو۔ مثلاً کوئی دیوبندی کہے کہ خدا گلا گھونٹ کر نہیں مر سکتا ہے تو اس سے کہو کہ انسان اپنا گلا گھونٹ کر مر سکتا ہے، اگر خدا اس پر قادر نہ ہو اور اپنا گلا گھونٹ کر نہ مر سکے تو تمہارے شہید کی دلیل سے لازم آئے گا کہ انسان کی قدرت خدا کی قدرت سے بڑھ جائے۔ لہٰذا تمہارے نزدیک لازم وضروری ہے کہ خدا اس پر قادر ہو کہ اپنا گلا گھونٹ کر مر سکے۔ یہ ہے دیوبندی دھرم میں خدا کی شان کہ ان کے خدا کے عیبوں کی گنتی نہ شمار۔

---

(۱) مولوی اسماعیل دهلوی، رساله یك روزی، ص:٦٢، روقی کتب خانه بك سیلرز پبلشرز، ملتان

واہ رے بہادر مولوی اسمٰعیل دہلوی، دیوبندیوں کے شہید، شاباش، کیا دلیل بیان کی ہے۔ صرف خدا کا جھوٹ ثابت کرنے کے لیے اس کی ذات مقدس پر غیر متناہی عیب لازم کر دیے۔

مسلمان غور فرمائیں، دیوبندی بھی اپنے شہید کی دلیل کو دیکھیں اور ذرا انصاف سے دیکھیں اور بتائیں کہ وہ کون سا عیب ہے جو تمہارے شہید کی دلیل سے لازم و ضروری نہیں۔ سارے عیبوں، تمام بے حیائیوں کو خود تمہارے ہی شہید نے اللہ عزوجل کے لیے لازم کر دیا ہے۔ باوجود اس کے دیوبندی رہبر کا یہ بہتان عظیم ہے کہ:

"یہ عقیدے رضاخانیوں کے بانی مذہب (یعنی مولانا احمد رضا خان صاحب) نے ازراہِ افترا و بہتان حضرت شہید کی طرف منسوب کر کے لکھے ہیں۔"(۱)

دیوبندیو! یاد رکھو ایسے بہتانوں سے تمہارے شہید کے کفریات پر پردہ نہیں پڑ سکتا، کیوں کہ رسالہ یک روزی کی مذکورہ عبارت نے آفتاب سے زیادہ واضح کر دیا کہ خود مولوی اسمٰعیل نے تمام عیبوں اور کل بے حیائیوں کو خدا کے لیے لازم و ضروری کر دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صرف ان میں سے بعض کو نمونۃً ذکر کر دیا ہے تاکہ دیوبندی اپنے شہید کی شان اور خوش عقیدگی سے واقف ہو جائیں۔ مگر رہبر صاحب نے اس جرم اسمٰعیلی کے عوض بوکھلا بوکھلا کر اعلیٰ حضرت اور علماے اہل سنت پر تبرا کیا، بہت سی گالیاں دیں، گالیوں کی کیا شکایت۔ دیوبندی رہبروں کو تو انصاف و دیانت کا دشمن ہونا ہی چاہیے، کیوں کہ انھوں نے مولوی اسمٰعیل کا دامن تھاما ہے، جو بظاہر خداوند قدوس کو جھوٹا ہی نہیں بلکہ تمام عیبوں اور کل بے حیائیوں کا خمیرہ مانتے ہیں اور لطف یہ کہ توحید کے علم بردار بن کر اہل سنت کی سنت پر منہ مارتے ہیں، شرم نہیں آتی۔ آوے کہاں سے، شرم و حیا تو ایمان والوں کا حصہ ہے۔ الحیاء شعبۃ من الایمان۔ حق ہے۔

دیوبندی دھرم میں رسول کی شان

(۱)—دیوبندیوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سرداری، چودھری اور پردھان زیادہ سے زیادہ گاؤں کے زمیں دار کے برابر ہے۔ ان کے نزدیک رسول کی بس یہی شان ہے۔

حوالہ:—"جیسا کہ ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیں دار سوان معنوں کر ہر پیغمبر اپنی امت کا سردار ہے۔"(۲)

اللہ اکبر! رسول کے مرتبہ کا کہیں ٹھکانا ہے، کتنا بلند، کتنا برتر، کتنا اونچا کہ چودھری اور گاؤں کے زمیں دار سے

---

(۱) مولوی محمد حنیف رهبر، مقامع الحديد، ص:۹٤، ناشر احياء العلوم، مبارك پور

(۲) مولوی اسماعيل دهلوی، تقوية الايمان، ص:۸۵، مطبع صديقي، دهلي/ ص:۹۱، مطبع بهارت آفسيٹ، دهلی

جاملا۔ اسی وجہ سے دیوبندی مولوی اسماعیل صاحب کا دامن نہیں چھوڑتے اور ان کو شہید اور توحید کا علم بردار کہتے ہیں، کیوں کہ مولوی اسماعیل صاحب کے نزدیک رسول کی سرداری، چودھری کی طرح ہے۔

(۲)—دیوبندی مذہب میں رسول کا مرتبہ اللہ کے نزدیک ذرّا برابر بھی نہیں، ذرۂ ناچیز سے بھی کم تر ہے۔"

حوالہ:—"سب انبیا اور اولیا اس کے روبرو ایک ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔"(۱)

یہ قرآن مجید کا رد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ. (۲) — اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے عزت ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے لیے فرمایا:

وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا. (۳) — موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نزدیک باعزت ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کے لیے فرمایا:

وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. (٤) — عیسیٰ علیہ السلام دونوں جہان میں عزت والے ہیں۔

دیوبندیوں کے شہید نے ان سب آیتوں کا انکار کر کے رسول کی شان ذرۂ ناچیز سے بھی کم تر کر دی۔ دیوبندی اس لیے مولوی اسماعیل کو اپنا پیشوا مانتے ہیں کہ انھوں نے شانِ رسالت کو گھٹانے کے لیے قرآن مجید کا رد کیا ہے۔

(۳)—دیوبندی مذہب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مر کر مٹی میں مل گئے۔ لطف یہ کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اس خبیث قول کا افترا خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کر دیا۔

حوالہ:—"یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔"(۵)

ظالم پر اللہ کی لعنت، حضور نے تو فرمایا ہے:

إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فنبي الله حي يرزق. (٦) — یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا، اللہ کے نبی زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں۔

---

(۱) مولوی اسماعیل دهلوی، تقویة الایمان، ص:۸٤، مطبع صدیقي، دهلي/ ص:۱۰۰، مطبع بهارت آفسیٹ، دهلی

(۲) قرآن مجید، سورة المنافقون:٦٣، آیت:۸

(۳) قرآن مجید، سورة الاحزاب:۳۳، آیت:٦۹

(٤) قرآن مجید، سورة آل عمران:۳، آیت:٤٥

(٥) مولوی اسماعیل دهلوی، تقویة الایمان، ص:۸۲، مطبع صدیقي، دهلي/ ص:۷۳، مطبع راشد کمپنی، دیو بند

(٦) سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاته صلی اللہ علیہ وسلم، ج:۱، ص:٥۲٤، حدیث:۱٦۳۷، دار الفکر، بیروت

یہاں شانِ رسالت گھٹانے کے لیے دیوبندیوں کے شہید نے خود رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی ہے۔

(۴)—کھانے پینے، پہننے میں رسول کے حکم پر چلنا شرک ہے، رسول کے فرمانے سے کوئی کام کرنا، رسول کے منع کرنے سے اس کام سے باز رہنا شرک ہے۔ دیوبندی دھرم میں رسول کی یہی شان ہے۔

حوالہ:—دیوبندیوں کے شہید فرماتے ہیں:

> "کھانے، پینے، پہننے میں اس کے حکم پر چلنا، یعنی جس چیز کے برتنے کو اس کو فرمایا برتنا، جو منع کیا اس سے دور رہنا اس قسم کی چیزیں اللہ نے اپنی تعظیم کے واسطے بتائی ہیں، پھر جو کوئی کسی انبیا و اولیا کی اس قسم کی تعظیم کرے، شرک ہے۔"(۱)

یہ بھی قرآن مجید کا رد ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (۲) — ہمارے رسول جو حکم دیں وہ کرو، جس چیز سے روکیں باز رہو۔

مسلمانو! انصاف کرو۔ یہ ارشادِ الٰہی دیوبندی شہید کے نزدیک شرک ہے۔

(۵)—دیوبندی مذہب میں رسول اللہ ﷺ کی یہ شان ہے کہ نماز میں حضور کا تصور کرنا ظلمت بالائے ظلمت ہے۔ آپ کی طرف خیال لے جانا اپنے گدھے اور بیل کے تصور اور خیال میں ڈوب جانے سے بھی زیادہ برا ہے۔ گدھے اور بیل کی صورت میں مستغرق ہونے سے نمازی مشرک نہیں ہوتا اور حضور کی طرف توجہ کرنے سے نمازی مشرک ہو جاتا ہے۔

> **حوالہ:**—"بمقتضاے ظلمات بعضها فوق بعض زنا کے وسوسے سے اپنی بی بی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے، اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب (محمد رسول اللہ) ہی ہوں، اپنی ہمت کو لگا دینا، اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا ہے۔ کیوں کہ شیخ کا خیال تو تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں چمٹ جاتا ہے۔ اور بیل اور گدھے کے خیال کو نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے اور نہ تعظیم بلکہ حقیر اور ذلیل ہوتا ہے اور غیر کی یہ تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو وہ شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے۔"(۳)

---

(۱) مولوی اسماعیل دهلوی، تقویة الایمان، ملخصاً، ص:۱۳،۱۴، مطبع صدیقي، دهلي/ ص:۱۰، کتب خانیہ رحیمیہ، دیو بند

(۲) قرآن مجید، سورۃ الحشر:۵۹، آیت:۷

(۳) مولوی اسماعیل دهلوی، صراط مستقیم، مترجم اردو، ص:۹۷، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ، دیو بند

مسلمانو! للہ انصاف سے کہنا کہ حضور ﷺ کے تصور کو ظلمت بالائے ظلمت کہنا، آپ کے تصور کو گدھے اور بیل کی صورت میں ڈوب جانے سے بھی زیادہ برا بتانا، کیا اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین نہیں ہے، کیا یہ حضور کی شانِ رفیع میں سڑی گالی اور کھلی گستاخی نہیں ہے، کیا گالی اور گستاخی کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔

مولوی اسماعیل نبی کی سرداری چودھری اور پدھان کی طرح بتائے، کہیں وہ بھی اڑائے اور ذرۂ ناچیز سے بھی کم تر بتائے، نبی کے حکم پر چلنا شرک بتائے، حد یہ کہ مار کر مٹی میں ملائے۔ مگر دیوبندیوں کے نزدیک یہ سب خالص توحید اور درس معرفت ہے۔ ان کے یہاں رسول کی بس یہی شان ہے۔ ان کا یہی مذہب ہے، یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ دیوبندیوں کا یہی مذہب ہے مگر حیرت یہ ہے کہ اس کو مسلمانوں سے اس درجہ چھپاتے ہیں کہ اس کے اظہار پر علمائے اہل سنت کو گالیاں دیتے ہیں، ان پر تبرا کرتے ہیں۔ گالیاں تو دیوبندی رہبر کو مبارک ہوں، مگر ہم مسلمانوں پر دیوبندی مذہب کا اظہار صرف اس لیے کرتے ہیں کہ مسلمان آگاہ ہو کر باخبر رہیں اور ان کے زہریلے اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔ لہٰذا سنو۔

دیوبندیوں کے نزدیک قرآن مجید کی شان

(۱)– قرآن مجید کا فرمان دیوبندیوں کے نزدیک غلط بلکہ بہت غلط ہے۔

حوالہ:– قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ. (۱) ہم یہ کہاوتیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں ان کی سمجھ نہیں مگر عالموں کو۔

یہ امثال و کہاوتیں یقیناً قرآن ہیں اور قرآن کا فرمان ہے کہ ان کو عالموں کے سوا دوسرے لوگ نہیں سمجھتے۔ مگر دیوبندیوں کے شہید مولوی اسماعیل تقویۃ الایمان میں اس کا رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

"عوام الناس میں یہ مشہور ہے کہ اللہ و رسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے، اس کو بڑا علم چاہیے، سو یہ بات بہت غلط ہے۔" انتہی۔ (۲)

(۲)– دیوبندیوں کے نزدیک قرآن مجید شرک کی تعلیم دیتا ہے۔

حوالہ:– آیت (۱):

اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ. (۳) انھیں دولت مند کر دیا اللہ اور اللہ کے رسول نے اپنے فضل سے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ العنکبوت:۲۹، ص:۴۳

(۲) مولوی اسماعیل دھلوی، تقویۃ الایمان، ص:۳، مطبع صدیقی، دھلی کتب خانہ رحیمیہ دیو بند

(۳) قرآن مجید، سورۃ التوبۃ:۹، آیت:۶٤

تنبیہ–خوب یادرہے اللہ اور اس کے رسول دونوں نے دولت مند کیا ہے۔

آیت(۲):

وَتُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ. (۱) اے عیسیٰ تو تندرست کرتا ہے مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے۔

تنبیہ–یادرکھنا اللہ کے حکم سے عیسیٰ ے تندرست کرتے ہیں۔

آیت(۳):

وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ. (۲) عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کرتا ہوں اور مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔

تنبیہ– یادرہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کرتے ہیں اور اللہ کے حکم سے مردے جلاتے ہیں۔

اب ان آیتوں پر دیوبندیوں کے شہید علم بردارِ توحید کا فتویٰ سنو:

> "روزی کی کشائش اور تنگی کرنی، اور تندرست اور بیمار کر دینا، حاجتیں بر لانی، بلائیں ٹالنی، مشکل میں دستگیری کرنی، یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیا، اولیا، بھوت پری کی یہ شان نہیں۔ جو کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے، اس سے مرادیں مانگے، مصیبت کے وقت اس کو پکارے، سو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قدرت بخشی ہے، ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔" انتہی ملخصًا۔ (۳)

تنبیہ:–یہ اسماعیلی حکم ضرور یادرہے کہ روزی کی کشائش، دولت مند کرنا، تندرست کرنا، خدا کی دی ہوئی قدرت سے ماننا بھی شرک ہے۔

اب مسلمان بنظر انصاف آیات مذکورہ کو دیکھیں تو آفتاب کی طرح ظاہر ہو جائے گا کہ تقویۃ الایمانی حکم سے تینوں آیتوں میں شرک کی تعلیم ہے، کیوں کہ پہلی آیت میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں دولت مند کر دیا۔ دوسری اور تیسری آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کا تصرف مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو تندرست کرنا اور مردے جلانا بیان فرمایا۔ رہا

(۱) قرآن مجید، سورۃ المائدۃ: ۵، آیت: ۱۱۰

(۲) قرآن مجید، سورۃ آل عمران: ۳، آیت: ۴۹

(۳) مولوی اسماعیل دهلوی، تقویۃ الایمان، ص: ۳، مطبع صدیقي، دهلي

یہ کہ اللہ کے حکم سے تندرست کیا، اللہ کے حکم سے مردے جلائے، مگر یہ قید شرک سے نہ بچا سکے گی، کیوں کہ اسماعیلی حکم سن چکے کہ اللہ کی دی ہوئی قدرت سے بھی یہ تصرف ماننا شرک ہے۔ اسی سے اللہ عزوجل انبیا علیہم السلام، تمام مومنین، ملائکہ، مقربین سب کا حکم ثابت ہو گیا کہ تقویۃ الایمانی حکم سے یہ سب مشرک ہیں، کیوں کہ یہ شرک کرانے والا اللہ واحد لاشریک ہے، کرنے والے اس کے انبیا علیہم السلام ہیں، ان آیتوں پر ایمان لانے والے تمام مومنین اور کل فرشتے ہیں، لہٰذا دیوبندیوں کے نزدیک سبھی مشرک ہوئے۔ ان کے نزدیک قرآن مجید اور اس کے ماننے والوں کی بس یہی شان ہے۔

دیوبندی رہبر نے جو، ص: ۸۱ تا ۸۳ سرخیاں قائم کی ہیں: "رضا خانی مذہب میں رسول کی شان، رضا خانی مذہب اور قرآن کی شان، رضا خانی مذہب میں ملائکۃ الرحمٰن کی شان، رضا خانی مذہب اور ایمانیات" یہ اس عداوت کی سرخی کا اثر ہے جس نے انصاف کی آنکھ کو بند کر کے بینائی قطعاً سلب کر دی ہے ورنہ ذرا بھی انصاف ہوتا تو اس تکلیف کی ہرگز حاجت نہیں تھی، کیوں کہ اسماعیلی شرک اور قرآنی آیتوں کے ملانے سے صاف ظاہر ہے کہ مولوی اسماعیل کے نزدیک اللہ عزوجل، انبیا علیہم السلام، تمام مومنین، کل فرشتے مشرک ہی ہیں۔

مسلمان جانتے ہیں کہ جرائم شرعیہ میں سب سے بڑا جرم شرک ہے۔ مسلمان کو مشرک کہنے سے بڑھ کر کوئی گالی نہیں، چہ جائے کہ فرشتوں کو مشرک کہنا، انبیا علیہم السلام کو مشرک کہنا، اللہ عزوجل کو مشرک کہنا، یہ کتنا بڑا شدید جرم اور کیسی سخت سے سخت گالی ہے۔ اب اگر یہ اسماعیلی حکم دیوبندیوں کے نزدیک بھی جرم ہے تو اس کے مجرم مولوی اسماعیل ہی ہیں۔ لہٰذا اس کی جو سزا ہو انھیں کو دینا چاہیے۔ مگر حیرت ہے کہ دیوبندی رہبر، مولوی اسماعیل کو تو بایں جرم شہید و پیشوا جانیں، علم بردارِ توحید مانیں، اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو گالیاں دیں، ان پر تبرا کریں۔ انصاف کا دشمن، دیانت کا باغی اور کسے کہتے ہیں؟

دیوبندی شیطنت

اس خباثت کا کہیں ٹھکانا ہے، کفریات مولوی اسماعیل بکیں، خدا اور رسول کو گالیاں وہ دیں، قرآن مجید سے جنگ وہ کریں مگر دیوبندی رہبر جرم عائد کریں اعلیٰ حضرت اور علمائے اہل سنت پر۔ رہبر صاحب نے آں چہ انسان می کند بوزینہ نیز کے ماتحت یہ سرخی قائم کی ہے۔ "بانی رضا خانیت اور اس کی امت کا اقراری کفر" مقامع الحدید ۸۳، یعنی اعلیٰ حضرت اور علمائے اہلِ سنت کا اقراری کفر ثابت کرتے ہیں اور ٹنگ یوں ملاتے ہیں کہ:

> مولوی احمد رضا خان صاحب نے الکوکبۃ الشہابیۃ میں مولوی اسماعیل دہلوی کو اللہ و رسول کی شان میں گستاخی کرنے والا گالیاں دینے والا وغیرہ لکھا، مگر مولوی اسماعیل کے ان کفریات مذکورہ کے باوجود ان کو کافر کہنا خلاف احتیاط کہا۔ اب خود خاں

صاحب کے منہ سے سنیے کہ ایسے شخص کو کافر نہ کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ خاں صاحب موصوف تمہید ایمان ص:۲۷، پر فرماتے ہیں:

شفا شریف و بزازیہ و فتاویٰ خیریہ وغیرہ میں ہے۔ تمام امت کا اجماع ہے کہ جو حضور ﷺ کی شان پاک میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور جو اس کے معذب یا کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔[۱]

اس تک بندی کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ خان صاحب خود اور بقلم خود ڈبل کافر ہیں اور اب جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی ایسا ہی کافر ہے۔ انتہی[۲]

رہبر صاحب کی اس ساری تک بندی کا خلاصہ یہ ہے کہ باوجود ان کفریات کے مولوی اسماعیل کی تکفیر سے اعلیٰ حضرت کا اقراری کفر ہے۔

عداوت کا برا ہو جس نے دیوبندی رہبر کو اندھا کر دیا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی اس کمال احتیاط کو عیب سمجھا اور جہالت کی خرابی ہو کہ کفر فقہی و کفر کلامی میں فرق نہ سمجھا۔ فاضل بریلوی نے اسماعیل کے سیکڑوں کفریات فقہی شمار کرائے، لیکن مقام تکفیر میں انتہائی احتیاط برتی کہ متکلمین محتاطین کا مسلک اختیار فرمایا کہ اسماعیل کے اقوال خبیثہ ملعونہ میں خفیف سے خفیف اور ضعیف سے ضعیف احتمال اور بعید سے بعید تر بھی ایمان کا پہلو نکل سکا تو اس کا فائدہ مجرم کو دیا اور اسماعیل جیسے مجرم کی تکفیر سے زبان و قلم کو روکا، اس سے دیوبندیوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے تھی اور سمجھ لینا چاہیے تھا کہ ایسا محتاط مفتی جس کے کفر کا فتویٰ دے گا وہ یقیناً ایسا کافر ہوگا جس کے قول میں کوئی ضعیف و بعید تر بھی ایمانی پہلو نہ نکل سکے گا۔ لہٰذا تھانوی، گنگوہی وغیرہ کے کفر پر دیوبندیوں کو ایمان لانا چاہیے تھا۔ یقین کرنا چاہیے تھا کہ تھانوی گنگوہی وغیرہ کے اقوال کفریہ ملعونہ میں اگر ضعیف تر اور بعید تر بھی احتمال ایسا نکل سکتا ہے جو ان کو کفر سے بچا سکتا تو حاشا و کلا اعلیٰ حضرت جیسی محتاط شخصیت کا مفتی ہرگز ہرگز ان کی تکفیر نہ کرتا۔

کفر کلامی اور کفر فقہی کا فرق

کسی قول کا اگر ظاہر کفر ہے، اگرچہ تاویل بعید سے صحیح معنی بن سکتے ہوں، مگر جمہور فقہا کے نزدیک یہ قول کفر اور اس کا قائل کافر ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک تاویل بعید معتبر نہیں۔ مگر متکلمین تاوقتیکہ اس قائل کی مراد نہ معلوم ہو، حکم کفر نہ کریں گے۔ البتہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس قائل نے وہی ظاہری کفری معنی مراد لیے ہیں تو متکلمین بھی اسے

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۸۳، ۸۴/ ص:۹۷، ۹۸، ناشر احیاء العلوم، مبارک پور
(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۸۴/ ص:۹۸، ناشر احیاء العلوم، مبارک پور

کافر کہیں گے۔ مثلاً ایک شخص نے کہا کہ کافر دوزخ میں نہیں جائے گا۔ یہ قول بظاہر کفر ہے۔ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ بہت سی آیتوں سے ثابت ہے کہ کفار دوزخ میں جائیں گے، اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ لہٰذا فقہائے کرام اس قائل پر کفر کا حکم دیں گے اور ایسا شخص جمہور فقہا کے نزدیک کافر ہوگا، مگر اس قول میں ایک بعید پہلو نکلتا ہے اور صحیح معنی بن سکتے ہیں، کافر دوزخ میں نہیں جائے گا یعنی جس وقت دوزخ میں جائے گا کافر نہ ہوگا، کیوں کہ کافر منکر کو کہتے ہیں اور جس وقت دوزخ میں جائے گا منکر نہ ہوگا۔ اس لیے کہ مرتے وقت جب حجاب اٹھ جاتے ہیں اور غیب شہادت ہوجاتا ہے تو کافر بھی ایمان لاتا ہے اگرچہ وہ ایمان معتبر نہیں۔ لہٰذا قول مذکور کا یہ پہلو قرآن مجید کے خلاف نہیں، اس لیے کفر نہیں، لہٰذا متکلمین اس کے قائل پر حکم کفر نہ کریں گے، لیکن اس قول کو برا ہی کہیں گے اور قائل کو اس سے روکیں گے اور اگر معلوم ہوجائے گا کہ اس قائل نے یہی ظاہری معنی مراد لیے ہیں جو قرآن کے خلاف ہیں تو متکلمین محتاطین بھی اسے کافر ہی کہیں گے، کیوں کہ اب یہ کفر التزامی ہے اور اس کے قائل کے کفر میں قطعاً کوئی شبہہ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ فقہائے کرام ظاہری پہلو کفر پر نظر کر کے حکم کفر دیتے ہیں اور تاویل بعید نہیں سنتے اور متکلمین اس کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے اگر ضعیف سے ضعیف احتمال بھی صحیح نکل سکتا ہے تو کفر کا حکم نہیں کرتے یعنی کفر کلامی وہ ہے جس میں قطعاً کوئی شبہہ نہ رہے، شبہہ خواہ کلام میں ہو یا متکلم میں یا تکلم میں۔

کلام میں شبہہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ کلام کفری معنی کے علاوہ بھی دوسرے معنی کا صحیح احتمال رکھتا ہے، اگرچہ وہ احتمال بعید ہو۔

تکلم میں شبہہ کے معنی یہ ہیں کہ قول اگرچہ قطعاً کفر ہے مگر اس قول کی نسبت اس متکلم کی طرف قطعی نہیں یعنی یہ شبہہ ہے کہ شاید یہ قول اس کا نہ ہو۔

متکلم میں شبہہ کے معنی یہ ہیں کہ اگرچہ یہ قول قطعاً کفر ہے اور نسبت بھی صحیح ہے، اسی کا قول ہے، لیکن کہا جاتا ہے کہ متکلم نے اس سے توبہ کر لی ہے مگر توبہ کا ثبوت قطعی نہیں۔

ان تینوں اقسام میں سے ہر شبہہ کی بنا پر متکلمین اس قائل کی تکفیر سے احتیاط کرتے ہیں۔

مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر سے سکوت کی وجہ

یہ ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کے کفریات خبیثہ ملعونہ کے متکلم اور کلام میں شبہہ ہے۔ کلام میں شبہہ یوں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے دریائے علم کی وسعت نظر میں کوئی ضعیف تر احتمال اور بعید تر پہلو صحیح نکلا اور یہ معلوم نہیں کہ مولوی اسماعیل نے یہی ظاہری کفری پہلو مراد لیا ہے۔ لہٰذا اس شبہہ کی بنا پر کہ شاید مولوی اسماعیل کی مراد وہی بعید احتمال ہو۔ اعلیٰ حضرت نے احتیاطاً اسماعیل کی تکفیر سے سکوت فرمایا۔

فائدہ:-اس شبہہ سے کہ مولوی اسماعیل کے اقوال کفریہ میں کوئی بعید تر پہلو نکل سکتا ہے ۔ لہٰذا یہ اقوال کفر کلامی نہیں ۔ اس سے دیوبندی تقویۃ الایمان وغیرہ کو عین اسلام ماننے والے خوش نہ ہوں ۔ ان کو اس سے کچھ فائدہ نہیں ۔ وہ بعید تر احتمال اور ضعیف تر پہلو اعلیٰ حضرت جیسے بحر ذخار کی نظر وسیع میں نکل سکے تو تقویۃ الایمان و رسالہ یک روزی وغیرہ کے ماننے والوں کو کیا مفید؟ دیوبندیوں کے بڑوں سے تو اسماعیل کے اقوال کفریہ کی صحیح تاویل ہو ہی نہ سکی، بلکہ اسماعیل کے رسالہ یکروزی کی عبارت پر خود دیوبندیوں نے کفر و جہالت کے فتوے دیے ۔ مولوی محمود حسن صاحب سے لے کر مدرسہ دیوبند کے تمام مدرسین نے ملحد و زندیق لکھا ۔ یہ فتوے ایک رسالہ میں شائع ہو چکے ہیں جس کا نام "دیوبندی مولویوں کا ایمان" ہے ۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ قول امام الطائفہ کا ہے تو لرزہ براندام ہوئے اور کہا کہ ہائے اپنے امام ہی پر ہاتھ صاف کر دیا ۔ مگر شخصیت پرستی کا برا ہو کہ بایں کفریات خبیثہ بھی مولوی اسماعیل کا دامن نہ چھوڑا ۔

جب اکابر دیوبند اسماعیل کے کفری قول میں ایمانی پہلو نہ نکال سکے تو عوام کالانعام، جہال ضلال تو کیا جانیں، کیا سمجھیں؟ سب ظاہری کفری پہلو ہی سمجھتے ہیں اور اسی کو امام جانتے ہیں ۔ لہٰذا اگر کسی وجہ سے مولوی اسماعیل کفر سے بچ بھی جائیں تو تقویۃ الایمان و رسالہ یک روزی و صراط مستقیم وغیرہ پر ایمان لانے والے تو کفر کی دلدل میں پھنسے ہی رہیں گے اور دوزخ کے کندے ہی بنیں گے ۔

پھر مولوی اسماعیل کا بچنا بھی ایک ضعیف شبہہ ہی کی بنا پر ہے کہ جمہور فقہاے کرام کے نزدیک معتبر نہیں، وہ ایسے قائل کو کافر ہی کہتے ہیں ۔ متکلمین محتاطین تکفیر سے کف لسان فرماتے ہیں، تاہم اس کے قول کو کفر و ضلال ہی کہتے ہیں، قائل ان کے نزدیک بھی ضال و مضل، گم راہ، بد دین اور خلق خدا کی گم راہی کا سبب ہے، نہ کہ شہید، امام، متقی، ولی کامل، ایسا ویسا ڈبل بیسہ ۔

دیوبندی رہبر کی جہالت - کفر فقہی اور کلامی میں فرق نہ سمجھنا، یہ دیوبندیوں کی پرانی جہالت ہے ۔ اسی جہالت کا ایک شعبہ یہ ہے کہ الکوکبۃ الشہابیۃ اور تمہید الایمان میں فرق نہیں جانتے ۔ حالاں کہ دونوں کتابوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ تمہید الایمان کفر کلامی میں ہے اور الکوکبۃ الشہابیۃ کفر فقہی میں ہے ۔ اس میں مصنف علام نے مولوی اسماعیل کے فقہی کفریات اور ان پر فقہی احکام بیان فرمائے ہیں ۔

سوال ہی میں ہے:

"ہمارے فقہاے کرام پیشوایان مذہب کے نزدیک ان پر اور ان کے پیشوا (مولوی اسماعیل) پر حکم کفر لازم ہے یا نہیں ۔ بینوا توجروا ۔"(۱)

جواب کے شروع ہی میں ہے:

---

(۱) امام احمد رضا بریلوی ،الکوکبۃ الشہابیۃ، ص: ۱۰ ، ناشر رضا بک ڈپو، ۱۱۶ ، کٹگھر، بریلی شریف

”بلا شبہہ وہابیہ مذکورین اور ان کے پیشوائے مسطور پر بوجوہ کثیر قطعاً یقیناً کفر لازم اور حسب تصریحات جماہیر فقہائے کرام، اصحابِ فتاویٰ، اکابر و اعلام رحمہم اللہ الملک المنعام ان پر حکم کفر ثابت و قائم۔“(١)

اخیر میں ص:٦٢/ پر ہے:

”فرقہ وہابیہ اور اس کے امام (مولوی اسماعیل) بلا شبہہ جماہیر فقہا کی تصریحات پر کافر اگرچہ ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کف لسان ماخوذ و مختار و مرضی و مناسب و اللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔“(٢)

غرضے کہ اول سے اخیر تک ساری کتاب کفر فقہی میں ہے۔ اسماعیل پر فقہی کفریات عائد ہیں، جمہور فقہا کے نزدیک مولوی اسماعیل کافر، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے متکلّمین محتاطین کا مسلک اختیار کیا اور اسماعیل کی تکفیر سے سکوت فرمایا۔ اس میں نہ کوئی تعارض ہے نہ تناقص۔ منح الروض میں ہے:

عدم التكفير مذهب المتكلمين و التكفير مذهب الفقهاء فلا يتحد القائل بالنقيضين فلا محذور. (٣)

یعنی کفر فقہی پر تکفیر نہ کرنا متکلّمین کا مذہب ہے اور تکفیر کرنا فقہا کا مذہب ہے، پس جو شخص فقہا کے مسلک پر تکفیر بیان کرے اور خود احتیاطاً متکلّمین کا مسلک اختیار کرے اور تکفیر نہ کرے اس میں کوئی خرابی نہیں۔

یہ دیوبندی رہبر کی کوری جہالت کا اندھیر ہے کہ الکوکبة الشهابية اور تمہید الایمان میں تعارض سمجھ کر اپنی مقامع کے ص:٨٥ پر اعتراض کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ:

”الکوکبة الشهابية میں اعلیٰ حضرت نے مولوی اسماعیل کی عبارتوں کو معانی کفریہ میں صاف و صریح کہا اور تمہید الایمان میں فرمایا کہ لفظ صریح میں تاویل مقبول نہیں۔ پھر مولوی اسماعیل کے اقوال کفریہ میں تاویل کیسے ہو سکتی ہے؟“(٤)

دیوبندی رہبر کا یہ اعتراض اسی جہالت کی تاریکی ہے کہ کفر فقہی اور کلامی میں فرق معلوم نہیں۔ الکوکبة الشهابية جب کہ کفر فقہی میں ہے اور اس میں اصطلاح فقہا پر کلام کیا گیا ہے تو اس میں صاف صریح کے وہی معنی ہوں

(١) امام احمد رضا بریلوی، الکوکبة الشهابية، ص:١٠، ناشر رضا بک ڈپو، ١١٦، کٹگھر، بریلی شریف
(٢) امام احمد رضا بریلوی، الکوکبة الشهابية، ص:٦٣، ٦٤، ناشر رضا بک ڈپو، ١١٦، کٹگھر، بریلی شریف
(٣) ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ منح الروض، ص:١٨٩، ١٩٠، بحث المراد لعدم تکفیر احد من أهل القبلة.
(٤) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:٨٥، مطبوعہ مبارک پور

گے جو فقہا کے نزدیک ہیں۔ صریح کنایہ کا مقابل ہے اس کو ظہور کافی ہے، احتمال کی نفی ضروری نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

أنت طالق. لا يفتقر إلى النية لإنه صريح فيه لغلبة الاستعمال . ولو نوى الطلاق عن وثاق لم يدين فى القضاء لأنه خلاف الظاهر و يدين فيما بينه و بين الله تعالىٰ لأنه نوى ما يحتمله. (۱) (ملخصًا)

یعنی انت طالق وقوع طلاق میں نیت کا محتاج نہیں کیوں کہ بوجہ غلبہ استعمال کے صریح ہے اور اگر لفظ طلاق سے بندش کھولنے کی نیت کی تو قضا معتبر نہ ہوگی، کیوں کہ ظاہر کے خلاف ہے اور عند اللہ معتبر ہوگی۔ اس لیے کہ اس معنی کی نیت کی ہے جس کا لفظ میں احتمال ہے۔

صاحب ہدایہ کی تصریح سے دو امر ظاہر ہوئے، اول یہ کہ صریح وہ لفظ ہے جس کے معنی ظاہر ہوں اگر چہ وہ دوسرے خفی معنی کا احتمال رکھتا ہو۔ دوسرے یہ کہ فقہا اسی ظاہری معنی پر حکم کرتے ہیں۔ احتمالِ بعید ان کے نزدیک معتبر نہیں لہٰذا الکوکبۃ الشہابیۃ میں اسماعیل کے اقوال کفریہ کے متعلق جس قدر لفظ صاف صریح وغیرہ وارد ہوئے ان کا مطلب یہی ہے کہ یہ عبارتیں معانی کفریہ میں صاف ظاہر ہیں، اگر چہ دوسرا احتمال بھی بعید اور خلاف ظاہر ہو مگر وہ چوں کہ عند الفقہا معتبر نہیں لہٰذا فقہا کے نزدیک مولوی اسمٰعیل کافر ہی ہیں۔

لہٰذا تمہید الایمان چوں کہ کفر کلامی میں ہے، اس میں کلام متکلّمین کی اصطلاح پر ہے لہٰذا اس میں صریح بمعنی متعین ہے، یعنی کفری معنی ایسے متعین ہیں کہ کوئی بعید احتمال بھی صحیح نہیں نکل سکتا۔ لہٰذا اس میں اگر تاویل کی جائے گی توغلط اور متعذر ہوگی اور یہ تاویل متکلّمین کے نزدیک بھی مردود ہے۔

تمہید الایمان میں صریح کے معنی یہ ہوئے کہ وہ کفری معنی میں متعین ہے اور تاویل بعید بلکہ ابعد بھی صحیح نہیں ہو سکتی اور الکوکبۃ الشہابیۃ کی یہ عبارت کہ اس کھلی گستاخی میں کوئی تاویل کی جگہ بھی نہیں چوں کہ مسلک فقہا پر ہے اور فقہا کے نزدیک تاویل بعید معتبر نہیں لہٰذا تاویل قریب کی نفی ہے اور صاف مطلب یہ ہے کہ اسمٰعیل کی اس کفری عبارت میں فقہا کے نزدیک کوئی تاویل کی جگہ بھی نہیں۔ لہٰذا اگر متکلّمین کے نزدیک کوئی بعید تاویل ہو سکے تو وہ اس کے معارض نہیں۔ تمہید الایمان کے کفر کلامی کی اصطلاح کو الکوکبۃ الشہابیۃ کے کفر فقہی سے لڑانا یہ دیوبندی رہبر کی نری عداوت نہیں تو کوری جہالت ضرور ہے ع:

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

اس مختصر گزارش سے بفضلہٖ تعالیٰ آفتاب کی طرح روشن ہو گیا کہ الکوکبۃ الشہابیۃ میں مولوی اسمٰعیل کے اقوال

---

(۱) ہدایہ اولین، کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق، ص:۳۳۹، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ۱۴۲۲ھ

خبیثہ ملعونہ پر فقہی کفریات عائد، جمہور فقہا کے نزدیک مولوی اسماعیل کافر۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی وسعت نظر میں کوئی بعید سے بعید پہلو نکل سکا جس کی بنا پر مولوی اسماعیل کی تکفیر سے کف لسان فرمایا اس کو غلط اور جھوٹ کہنا اور اقراری کفر بتانا، دیوبندی رہبر کی حیاسوز ایمان داری اور تاریک جہالت کا اندھیرا ہے۔

سکوت کی دوسری وجہ۔

جس طرح کسی کافر کی تکفیر کی چند وجوہات ہو سکتی ہیں، اسی طرح تکفیر سے سکوت کی بھی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں۔ مثلاً تھانوی صاحب نے اپنی حفظ الایمان میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی توہین کی، اس وجہ سے تھانوی صاحب کافر ہوئے۔ یہ ان کے کفر کی ایک وجہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انبیٹھی گنگوہی صاحبان نے اپنی براہین قاطعہ میں حضور علیہ الصلاۃ والتسلیم کی توہین کی اور تھانوی صاحب نے اس توہین رسول پر مطلع ہو کر بھی گنگوہی صاحب کو اپنا پیشوا ہی مانا، لہٰذا اس وجہ سے بھی تھانوی صاحب کافر ہوئے۔

علی ہذا القیاس تکفیر سے سکوت کی بھی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں۔

مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر سے سکوت کی ایک وجہ تو اوپر گزری، دوسری وجہ یہ ہے کہ مولوی اسماعیل صاحب کے اقوال کفریہ خبیثہ سے ان کی توبہ مشہور ہے۔ چناں چہ فتاویٰ رشیدیہ مبوّب حصہ اول، ص:۱۲۱ پر مولوی رشید احمد گنگوہی کا مستفتی لکھتا ہے: "ایک بات یہ مشہور ہے کہ مولوی اسماعیل صاحب شہید نے اپنے انتقال کے وقت بہت سے آدمیوں کے روبرو بعض مسائل تقویۃ الایمان سے توبہ کی ہے۔" گنگوہی صاحب نے اس شہرت توبہ کا انکار نہیں کیا، بلکہ شہرت توبہ شہرت کاذبہ ٹھہرایا۔ چناں چہ ص:۱۲۲ر پر لکھتے ہیں: "توبہ کرنا ان کا بعض مسائل سے محض افترا اہل بدعت کا ہے۔" جب گنگوہی صاحب خود مانتے ہیں کہ بدعتیوں نے مولوی اسماعیل پر افترا کر کے یہ شہرت دے دی ہے کہ انھوں نے اپنے کفریات سے توبہ کر لی تھی تو شہرت حاصل ہو گئی۔ اب اس شہرت توبہ کی موجودگی میں احتیاط یہی ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر سے احتیاطاً کف لسان کیا جائے مگر انکے اقوال کفریہ، خبیثہ، ملعونہ کو کفر وضلال ہی کہا جائے گا۔ اعلیٰ حضرت وعلمائے اہل سنت نے یہی کیا کہ ان اقوال کفریہ کو کفر وضلال کہا اور شہرت توبہ کے شبہہ کی بنا پر مولوی اسماعیل کی تکفیر سے کف لسان فرمایا۔ یہ دوسری وجہ بھی تکفیر سے سکوت کے لیے کافی اور نہایت معقول ہے۔ اس کو جاہلانہ تاویل بتانا دیوبندی رہبر کی سخت جہالت اور نری عداوت ہے۔

کاش تھانوی صاحب بھی اپنے کفریات سے توبہ کر لیتے یا کم از کم دیوبندی ان کی توبہ مشہور کر دیتے تو اعلیٰ حضرت یا علمائے اہل سنت ہرگز ہرگز تھانوی صاحب کی تکفیر نہ کرتے، مگر وہ تو اپنے تھان پر ایسے جمے اور اپنے کفر پر ایسے اڑے کہ "از تھان نمی جنبد" اور دیوبندی اسی حالت میں ان پر ایسے چڑھے کہ دامن نہیں چھوڑتے۔ حد ہے کہ تھانوی صاحب کا کلمہ پڑھتے ہیں، بیداری میں ان پر درود جپتے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ إلا باللہ.

دیوبندیوں کا ایک اور دھوکا

دیوبندی چوں کہ خداوند قدوس کو بالامکان جھوٹا مانتے ہیں، اس لیے کہ کذب و افترا کو اپنی روحانی غذا جانتے ہیں ،نیز علماے اہل سنت پر بفضلہٖ تعالیٰ کسی اعتراض کی گنجائش ہی نہیں۔ اسی لیے دھوکہ بازی، افترا پردازی کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ اس طرح دیوبندی رہبر نے یہاں بھی اپنے نامۂ اعمال کی طرح کئی ورق سیاہ کیے ہیں۔ اپنی مقامع کے ص:۸۷ پر یہ سرخی قائم کی "بانی رضاخانیت کا آسمانی مرتبہ" اس کے ذیل میں رہبر صاحب نے پہلے تو اپنی جہالت کے اندھیر میں ایک پریشان خواب دیکھا، جس کی مفصل تعبیر ہم بیان کر چکے ہیں، اس کے بعد لکھا کہ "مولوی احمد رضا خاں صاحب کے انتقال کے بعد ان کے بعض معتقدین و مریدین نے ایک اشتہار رشید المطابع پریس بریلی میں چھپوا کر شائع کیا تھا، جس میں خان صاحب موصوف کی کچھ فرضی کرامتیں لکھی تھیں۔"(۱)

اس اشتہار کے حوالہ سے دیوبندی رہبر نے ص:۸۸/ پر تین کرامتیں دیوبندیوں کی تراشیدہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی طرف منسوب کر کے مسلمانوں کو بدگمان کرنا چاہا ہے۔

اگرچہ دیوبندی چالبازی میں ابلیس کے بھی استاد ہیں، مگر خالص افترا اور محض فریب کاری کہاں تک چھپ سکتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد رسالہ یادگار رضا خاص آپ کے خصائص و فضائل میں شائع ہوا اس کے علاوہ اور بہت سی کتابیں آپ کے فضائل و مناقب میں لکھی گئیں۔ ان میں کہیں اس کا تذکرہ نہ ہو، یہ کرامتیں شائع ہوں تو اشتہار میں، پھر ان معتقدین، مریدین مشتہرین کا نام تک ذکر نہ ہو باوجودیکہ اس دوران میں مطبع اہل سنت کمال عروج پر تھا مگر اشتہار شائع ہو تو دیوبندیوں کے رشید المطابع میں۔ لطف یہ کہ اعلیٰ حضرت کے معتقدین و مریدین اشتہار شائع کریں اور مسلمانانِ اہل سنت حتیٰ کہ خود اعلیٰ حضرت کے صاحب زادگان والا شان تک کو اس کی خبر نہ ہو۔ حالاں کہ دیوبندی نے پہلے ہی نمبر کو آپ کی صاحب زادی صاحبہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ان تمام باتوں سے دیوبندیوں کی فریب کاری ظاہر ہے کہ یہ اشتہار خود دیوبندیوں کا ساختہ پرداختہ اور انھیں مکاروں کا تراشیدہ ہے۔ ایسے مکر و فریب سے دیوبندی اپنا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ اگر دیوبندیوں میں شمہ برابر صداقت اور ذرہ برابر بھی حیا ہے تو اس کو ثابت کریں ۔ورنہ لعنة الله على الكذبين پڑھ پڑھ کر اپنے سینوں پر دَم کریں۔

دیوبندیوں کی ایک دھاندلی

دیوبندی رہبر نے نمبر (۴) میں جناب مولانا حسنین رضا خان صاحب کی اس عبارت پر جو وصایا شریف کے ص:۲۴/ پر ہے: یہ اعتراض کیا ہے کہ رضاخانیوں کے نزدیک "مولوی احمد رضا خان صاحب کا مرتبہ شاید رسول کے

---

(۱) مولوی محمد حنیف رهبر، مقامع الحدید ،ص:۸۷/ ۱۰۱، ناشر احیاء العلوم، مبارك پور

برابر ہو گا کہ ان کو دیکھنے کے بعد صحابہ کے دیدار کا بھی شوق کم ہو گیا۔“(۱)

وہ عبارت یہ ہے: زہد، تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ میں نے بعض مشائخ کرام کو یہ کہتے سنا کہ ان کو دیکھ کر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زیارت کا شوق کم ہو گیا۔

اس عبارت کے متعلق حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب مد ظلہ سے دریافت کیا گیا۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ ایک دیوبندی کی دجالی کا نتیجہ ہے، وجہ یہ ہے کہ اس کا کاتب دیوبندی تھا کہ اس کی بد دینی ظاہر ہونے پر اس کو نکالا گیا اور اہم کاموں میں میری مصروفیت کے سبب رسالہ میری تصحیح کے بغیر شائع ہو گیا۔ اصل عبارت یہ تھی: ”زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ میں نے بعض مشائخ کرام کو یہ کہتے سنا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کی اتباع سنت کو دیکھ کر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت کا لطف آ گیا۔ یعنی اعلیٰ حضرت قبلہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زہد و تقویٰ کے مکمل نمونہ تھے۔“ اس عبارت کو اس دیوبندی کاتب نے تحریف کر کے لکھ دیا۔ مگر چوں کہ میری غفلت و بے توجہی بھی اس میں شامل ہے، اس لیے میں مخالفوں کا احسان مانتا ہوں کہ انھوں نے اس عبارت پر مجھے مطلع کر دیا۔ ع:

عدد شود سبب خیر گر خدا خواہد

اپنی غفلت سے توبہ کرتا ہوں اور سنی مسلمانوں کو اعلان کرتا ہوں کہ وصایا شریف، ص:۲۴ر میں اس عبارت مذکورہ بالا کو لکھیں۔ طبع آئندہ میں انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تصحیح کر دی جائے گی۔ قہر خداوندی میں اس کی تفصیل شائع ہو چکی ہے۔

دیوبندیو! کان کھولو، یہ ہے علماے اہل سنت کی حقانیت کہ ذرا سی غفلت سے بھی توبہ کرتے ہیں اور عبارت کی تصحیح کا اعلان کرتے ہیں۔ تمہارے گرو گنگوہی، تھانوی کی طرح نہیں کہ وہ اپنے اپنے کفریات پر ایسے اڑے کہ از جا نمی جنبد اور عار پر نار کو اختیار کیا۔

دیوبندی رہبر کی فریب کاری

نمبر(۵) میں دیوبندی رہبر لکھتے ہیں، کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب اپنے ایک پیر بھائی برکات احمد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، جب ان کا انتقال ہوا اور میں دفن کے وقت ان کی قبر میں اترا، مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضۂ انور کے قریب پائی تھی۔ اس پر دیوبندی رہبر یہ اعتراض کرتے ہیں۔

”پیر بھائی کی قبر میں تو رسول اللہ کے روضۂ اقدس کی سی بالکل وہی خوشبو محسوس ہوئی اور خود پیر صاحب کی قبر کا واللہ اعلم کیا حال ہو گا۔“(۲)

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۸۹/ ۱۰۴، مطبوعہ احیاء العلوم، مبارک پور

(۲) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۸۹/ ۱۰۴، مطبوعہ احیاء العلوم، مبارک پور

دیوبندی کے اعتراض کا منشایہ ہے کہ اپنے پیر بھائی کی قبر کو حضور کے روضۂ اقدس کے برابر کر دیا تو پیر صاحب کی قبر ضرور بڑھ کر رہے گی۔

اس اعتراض کی بنا اس دیوبندی کفری عقیدہ پر ہے (معاذ اللہ)۔رسول اللہ ﷺ مرکر مٹی میں مل گئے، اس صورت میں جب کسی قبر سے وہ خوشبو آئے گی تو وہ حضور کی خوشبو نہ ہوگی، بلکہ اسی قبر کی خوشبو ہوگی۔ مگر مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ حبیب کبریا محمد رسول اللہ ﷺ اپنی جسمانی حیات سے زندہ ہیں اور عالم میں تصرف فرماتے ہیں، جہاں تشریف لے جانا چاہیں جا سکتے ہیں۔ اگر وہ اپنے کسی غلام پر کرم فرمائیں تو اس کی قبر میں تشریف لا کر نوازیں، لہٰذا جب مولوی برکات احمد صاحب کی قبر سے وہ خوشبو آئی تو معلوم ہوا کہ اس آقائے کریم نے اپنے اس غلام کو تشریف آوری سے سرفرازا۔ لہٰذا وہ خوشبو حضور ہی کی خوشبو ہے۔ مگر دیوبندی اپنے عقیدے سے مجبور ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حضور مرکر مٹی میں مل گئے، اس وجہ سے اعتراض کرتے ہیں۔ لا حول و لا قوة إلا بالله.

مگر اس دیوبندی عقیدے کو لے کر اعلیٰ حضرت پر اعتراض دیوبندی کی فریب کاری ہے۔

دیوبندی رہبر کی جہالت

نمبر (۶) دیوبندی نے اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کر کے لکھا، آگے چل کر اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں

(۶) ان کے انتقال کے بعد مولوی سید احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کہ گھوڑے پر تشریف لیے جاتے ہیں۔ عرض کی یا رسول اللہ! حضور کہاں تشریف لیے جاتے ہیں۔ فرمایا برکات احمد کے جنازے کی نماز پڑھنے۔ الحمد للہ یہ جنازۂ مبارکہ میں نے پڑھایا۔

"اللہ اکبر! جس نماز میں امام الاولین والآخرین خاتم الانبیا والمرسلین ﷺ شریک ہوں، اس کی امامت بریلی کے یہ خانصاحب فرمائیں۔"(۱)

دیوبندی کے اعتراض کا اصل منشایہ ہے کہ جب جنازہ اعلیٰ حضرت نے پڑھایا اور حضور اس میں شریک ہوئے تو حضور مقتدی ہوئے اور اعلیٰ حضرت حضور کے امام بنے۔

یہ اعتراض دیوبندیوں کی جہالت اور ان کے کفری عقیدہ کی بنا پر ہے۔ دیوبندی چوں کہ حضور کو اپنی ہی مثل سمجھتے ہیں، اس لیے اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں کہ جیسے ہم کسی نماز میں شریک ہوتے ہیں تو اس امام کے مقتدی ہی ہو کر شریک ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب حضور اس نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے تو مقتدی ہی بنے۔ یہ تو دیوبندی عقیدہ کا قیاس ہے، مگر مسلمان جانتے ہیں کہ حضور اپنی ہر صفت میں بے مثل ہیں۔ حضور کی وہ شان ہے کہ حضور کے تشریف لانے

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۸۹/ ۱۰۴، مطبوعہ احیاء العلوم، مبارک پور

پر امام بھی حضور کا مقتدی ہو جاتا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے: جماعت ہو رہی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام ہیں، عین حالتِ نماز میں حضور تشریف لائے اور حضرت صدیق اکبر کے پہلو میں بیٹھ گئے، حضور امام ہو گئے، اور حضرت صدیق اکبر آپ کے مقتدی بن گئے۔ حدیث کے مبارک الفاظ یہ ہیں:

یقتدي أبو بکر بصلوٰۃ رسول الله ﷺ — یعنی ابوبکر صدیق نماز میں حضور کی اقتدا کرتے تھے

والناس مقتدون بصلوٰۃ أبي بکر. (۱) — اور لوگ ابوبکر صدیق کی اقتدا کرتے تھے۔

لہٰذا احادیث کی روشنی میں ملفوظات کی عبارت کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اگرچہ ظاہر میں امام تھے مگر اصل اور حقیقی امام نبی کریم ﷺ ہی تھے۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت حضور کے مقتدی ہوئے اور حضور ان کے امام بنے۔ اس پر اعتراض دیوبندیوں کی جہالت اور بد عقیدگی کا ثبوت ہے۔

دیوبندی حضور کو اپنا مقتدی بناتے ہیں

دیوبندیو! جب تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کسی نماز میں شریک ہوں تو آپ اس ظاہری امام کے مقتدی ہوتے ہیں تو اب ذرا آنکھ کھول کر تذکرۃ الخلیل تو پڑھو۔

> "شیخ سعید تکرونی کہتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ سرورِ عالم ﷺ تشریف فرما ہیں اور مجھ سے کسی نے کہا کہ یہ رسول اللہ ہیں اور ایک عالم ہندی خلیل احمد نام کا انتقال ہو گیا ہے، ان کی جنازہ کی شرکت کے لیے تشریف لائے ہیں۔" (۲)

دیوبندیو! تم نے اپنے جس عقیدہ کی بنیاد پر اعلیٰ حضرت (پر اعتراض کیا ہے، اپنے ٹھیک اسی عقیدہ اور ایمان سے کہنا کہ جب تمہارے اس اختراعی خواب کی بنا پر مولوی خلیل احمد صاحب کی نمازِ جنازہ میں حضور نے شرکت فرمائی تو حضور ﷺ تمہارے دیوبندی امام کے مقتدی ہوئے یا نہیں اور تم یہ خواب دیکھ کر کافر و مرتد ہوئے یا نہیں۔ بولو ہوئے اور ضرور ہوئے۔

دیوبندیوں کے نزدیک کسی کی امداد کرنا، حاجت برآری کرنا، مشکل میں کام آنا، مصیبت و بلا دفع کرنا، یہ سب امور خدا کے ساتھ خاص ہیں۔ خداوند کریم نے کسی کو یہ طاقت نہیں دی جو کسی کے کام آسکے، امداد کر سکے، مشکل میں کام آسکے، مصیبت و بلا دفع کر سکے، دیوبندی دھرم میں امور مذکورہ بالا کا مخلوق کے لیے عطا ہونا محال ہے، جبھی تو دیوبندی رہبر نے ص:۹۰ پر یہ سرخی قائم کی ہے: "مولوی احمد رضا خان صاحب اور خدائی اختیارات۔" اس میں

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجماعة والإمامة، باب الرجل یأتم بالإمام و یأتم الناس بالماموم، ج:۱، ص:۲۵۱، حدیث:۶۸۱، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۹۸۷ء

(۲) مولوی عاشق الٰهی میرٹھی، تذکرۃ الخلیل، ص:۳۰٤

مدائح اعلیٰ حضرت کے ان اشعار سے اعتراض کیا ہے جن میں شاعر نے اپنے کو گدا اور اعلیٰ حضرت کو شاہ اور باذنہ تعالیٰ حاجت روا، مشکل کشا، بلا دفع کرنے والا لکھا ہے۔

اہل سنت کے نزدیک اولیاے کرام و صوفیاے عظام باذنہ تعالیٰ ہر مصیبت میں کام آتے ہیں، بلائیں دفع فرماتے ہیں، مشکلیں حل کرتے ہیں۔ خداوند کریم نے ان کو یہ قدرت عطا فرمائی ہے۔ اس پر دلائل قاہرہ قائم ہیں۔

لہٰذا مدائح کے ان اشعار سے اہل سنت پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ یہ دیوبندی رہبر کی جہالت ہے کہ مذہب اہل سنت سے نابلد ہیں اور اپنا دیوبندی عقیدہ لے کر سنیوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ اعتراض ہرگز نہیں، بلکہ رہبر صاحب کی دجالی ہے۔ دیوبندی عقیدہ سے تو دیوبندی ہی پر اعتراض ہو سکتا ہے اور وہ یوں ہے، سنو!

گنگوہی صاحب کے اختیارات دیوبندیوں کی نظر میں

تقویۃ الایمان میں ہے:

"اس کی سلطنت میں کسی کی قدرت نہیں، سو چھوٹی چیز بھی اسی سے مانگنا چاہیے، کیوں کہ اور کوئی نہ چھوٹی چیز دے سکتا ہے، نہ بڑی۔"(۱)

جب کہ دیوبندی مذہب میں مشکل میں کام آنا، حاجت روائی کرنا، ہر چھوٹی بڑی چیز دینا اللہ صاحب ہی کے ساتھ خاص ہوا تو اب اس دیوبندی عقیدہ سے مرثیہ گنگوہی صاحب کے اس شعر کا مطلب بتاؤ۔

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب
گیا وہ قبلۂ حاجات روحانی و جسمانی

اس شعر میں مولوی محمود الحسن صاحب نے اپنے پیر گنگوہی صاحب کو تمام حاجتوں کا حاجت روا اور تمام مشکلوں کا مشکل کشا بتایا اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو یہ قدرت و اختیار نہیں تو یقینا مولوی محمود حسن صاحب نے گنگوہی صاحب کو خدا مانا یا کم از کم اپنے پیر گنگوہی صاحب کو خدائی اختیارات دیے۔ دیوبندی رہبر نے ص:۹۱ر پر پیر جماعت علی شاہ صاحب کے بعض مریدوں کے اشتہاری اشعار سے اعتراض کیا ہے، جن میں پیر صاحب قبلہ کو مشکل کشا، نورِ ازل کی ضیا، آئینۂ ہر ضیا، دافع رنج وبلا، دونوں جہاں میں مدد فرمانے والا بادشاہ وغیرہ لکھا ہے۔

اول تو عوام اور غیر معروف لوگوں کے کلام سے اعتراض کرنا ہی دیانت کو جواب دینا ہے۔ کیوں رہبر صاحب! تمہارے شیخ الہند صاحب کے کلام پر اور تمہارے دیوبندی ہی عقیدہ کی بنا پر جو اعتراضات ہیں تو اس کا جواب سنی عوام کے کلام سے وہ بھی اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف ہو سکتا ہے۔ کیا دیوبندی دھرم میں انصاف اسی کا نام ہے۔

(۱) مولوی اسماعیل دهلوی، تقویة الایمان، ص:۲٦، مطبع صدیقي، دهلي

دوسرے اہلِ سنت کے نزدیک بزرگانِ دین باذنہ تعالیٰ مشکلیں حل کرتے ہیں، دونوں جہان میں مدد فرماتے ہیں، پھر ان پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ پیر کامل آئینۂ ضیا بلکہ آئینۂ جمالِ الٰہی ہے جس کا ثبوت بہ دلائل قاہرہ (۲۶/۲۵) میں گزرا۔ پیر صاحب کو اگر نورِ ازل کا آئینہ کہہ دیا تو تم نے خدا سمجھ لیا۔ تمہارے نزدیک آئینہ بھی خدا ہے۔ یہی تمہارا دین وایمان ہے۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ و ما قدروا اللہ حق قدرہ. انھوں نے خدا کی ہی قدر نہ جانی۔ دیوبندی دھرم میں جب خدائی اختیارات کا یہ عالم ہے تو حقوق رسالت کا کیا پوچھنا۔ تقویۃ الایمان میں تو انبیا علیہم السلام کو ذرۂ ناچیز سے بھی کم تر بنایا ہے۔ مگر اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اقدس شافع مطلق محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ شانِ رفیع ہے کہ آپ کے غلام یعنی اولیاے کرام بھی حضور کے صدقہ میں دونوں جہان میں مدد فرماتے ہیں۔ نزع کے وقت قبر میں منکر ونکیر کے سوال کے وقت، حشر ونشر میں ہر جگہ امداد فرماتے ہیں اور شفاعت کرتے ہیں۔ علامہ امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب "المیزان شریف" میں ص:۵۰ / پر اس کی تصریح فرمائی ہے، جس کی عبارت نمبر (۶) میں درج ہے۔

لہٰذا مدائح کے ان اشعار سے جس میں شاعر نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے حشر کی تپش میں استمداد کی ہے۔ اہل سنت پر کوئی اعتراض نہیں۔ یہ رہبر صاحب کی جہالت ہے کہ دیوبندی عقیدہ کی بنا پر ان کو حقوقِ رسالت سمجھ کر یہ سرخی قائم کی ہے: "مولوی احمد رضا خاں اور حقوقِ رسالت"۔ (۱)

دیوبندیو! اگر تم کو حقوقِ رسالت اور اس کے ساتھ توہینِ رسالت دیکھنا ہے تو لو پڑھو مرثیہ تمہارے شیخ الہند گنگوہی صاحب کی شان میں فرماتے ہیں:

مرثیہ، ص:۱۱...	قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں عَبیدِ سُود کا اُن کے لقب ہے یوسفِ ثانی
مرثیہ، ص:۸...	مسیحائے زماں پہنچا فلک پر چھوڑ کر سب کو چھپا چاہِ لحد میں وائے قسمت ماہِ کنعانی
مرثیہ، ص:۱۶...	وفاتِ سرورِ عالم کا نقشہ آپ کی رحلت تھی ہستی گر نظیر ہستی محبوب سبحانی
مرثیہ، ص:۳۳...	مُردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا اِس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابنِ مریم

دیوبندی ذرا آنکھ کھول کر دیکھیں اور کان کھول کر سنیں۔ ان اشعار میں مولوی محمود حسن صاحب نے گنگوہی صاحب کے کالے کالے بندوں کو یوسف ثانی بنایا اور گنگوہی صاحب کو مسیحا بنا کر فلک پر بٹھایا اور یوسف بنا کر چاہِ لحد

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۹۱، مطبوعہ مبارک پور

میں چھپایا۔ یعنی عیسیٰ اور یوسف دونوں بنایا۔ گنگوہی صاحب کی موت کو حضور اقدس ﷺ کی وفات قرار دیا۔ حد ہے کہ گنگوہی کو عیسیٰ بنا کر مردے جلوائے اور حضرت عیسیٰ سے بڑھا کر زندوں کو مرنے سے بچالیا اور پھر یہ گنگوہی میسحائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دکھائی۔ دیوبندیو، یہ ہیں حقوقِ رسالت اور اس کے ہم راہ توہینِ رسالت۔ یہ تمہارے شیخ الہند نے گنگوہی صاحب کو عطا فرمائے ہیں۔ تم ہر نماز کے بعد ان کا وظیفہ پڑھا کرو اور اس کا ثواب شیخ الہند کی روح کو بخش دیا کرو، اس کے بعد مراقبہ کر کے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے مذہب کی حقیقت پر غور کیا کرو۔ شاید اللہ تعالیٰ تم کو توبہ کی توفیق دے اور کلمہ پڑھ کر سنی مسلمان ہو جاؤ۔

دیوبندیو یاد رکھو! ہم تمہارے شیخ الہند کا کلام پیش کرتے ہیں، اس کے مقابلے میں تم عوام الناس کو لاتے ہو۔ یہ تمہارے عجز کی بین دلیل ہے۔ عوام نہ خود ذمہ دار ہیں، نہ دوسرا کوئی ان کا ذمہ دار۔ کیا تم اپنے شیخ الہند کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہو۔ اگر ایسا ہے تو یہی اعلان کر دو، نیز اس سے یہ بات بھی آفتاب سے زیادہ ظاہر ہو جاتی ہے کہ علمائے اہل سنت میں سے کسی کا ایسا کوئی کلام ہی نہیں جس پر تمھیں اعتراض کا موقع مل سکے، اس لیے بے علم عوام ہی کے کلام سے آڑ پکڑتے اور اپنے گروؤں کے کفریات چھپانا چاہتے ہو، "مگر نہاں کے ماند آں رازے کزد سازند محفل ہا"۔

دیوبندی رہبر نے مدائح کے اس شعر پر۔

نکیرین آ کے مرقد میں جو پوچھیں گے تو کس کا ہے

ادب سے سر جھکا کر لوں گا نام احمد رضا خاں کا

اعتراض کرنے کے لیے یہ سرخی قائم کی ہے "نکیرین کے سوال پر رضا خانی امت کا جواب"(۱)

یہ اعتراض بھی دیوبندی کی جہالت ہے کیوں کہ جب سوالِ نکیرین کے وقت صوفیائے کرام و اولیائے عظام کا مدد فرمانا حق ہے تو اس وقت ان سے استمداد بھی ثابت۔ اعلیٰ حضرت کا ادب سے نام لینا استمداد کے لیے ہے۔ آپ کی برکت و امداد سے نکیرین کے سوال کا جواب بآسانی ہو اور یہ مشکل آسان ہو۔ دیوبندی رہبر نے اپنی جہالت سے اعلیٰ حضرت کے نام کو نکیرین کے سوال کا جواب سمجھ لیا، اس لیے مدائح کے شعر پر اعتراض کیا اور لطف یہ ہے کہ دیوبندیوں کی چیخ و پکار کی خبر ہی نہیں۔ اپنے شیخ الہند کا فرمان سنا ہی نہیں، لو سنو اور ذرا غور سے سنو!

محشر میں دیوبندی کی دُہائی

مولوی محمود حسن صاحب اپنے قصیدہ مدحیہ کے ص:۷ پر تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۹۲، مطبوعہ مبارک پور

قبر سے اٹھ کے پکاروں جو رشید و قاسم
بوسہ دیں لب کو مرے مالک و رضواں دونوں

مسلمان تو قبر سے اٹھ کر یا یارسول اللہ پکاریں گے، حضور کے دامنِ کرم میں پناہ لیں گے، مگر دیوبندی قبر سے اٹھ کر نہ اللہ کا نام لیں گے نہ رسول کا بلکہ یا گنگوہی یا نانوتوی کا شور مچاتے اسی کی دُہائی دیتے ہوئے قبروں سے اٹھیں گے اور اس خرافات پر یہ امید کہ دوزخ اور جنت کے فرشتے منہ چومیں گے۔ لاحول ولاقوۃ إلا باللہ۔

امام برحق احمد رضا سلام علیک
جناب نائب غوث الوریٰ سلام علیک -الخ-

مدائح کی اس نظم کو شاعر نے اعلیٰ حضرت کے مزار شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا ہے۔ صاحب مزار پر سلام کرنا، السلام علیکم کہنا، آدابِ زیارت سے ہے۔ حدیث میں ارشاد فرمایا، جب تم قبر پر جاؤ تو یوں کہو: السلام علیکم یا أهل القبور من المؤمنين والمسلمين. (۱) مگر دیوبندی رہبر نے اپنی جہالت اور عداوت میں غرق ہو کر اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ رضاخانی حضرات رسول اللہ ﷺ کی طرح احمد رضا خان پر بھی سلام پڑھتے ہیں۔ (۲)

آدابِ زیارت اور تعلیم حدیث کے مطابق حاضری و سلام پر دیوبندی رہبر کا اعتراض اس لیے ہے کہ دیوبندیوں کے نزدیک قبر پر حاضر ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اس قبر کو کوہِ طور بنائے اور خود بنے موسیٰ اور زور زور سے بار بار یا رب ارنی، رب ارنی کی صدا سنائے، یعنی اے میرے رب مجھے اپنا جلوہ دکھا۔ دیکھو تمہارے شیخ الہند نے گنگوہی صاحب کے مزار کی حاضری کا یہی طریقہ بتایا ہے، خود اپنی حاضری کی کیفیت بیان کرتے ہیں۔

تمہاری تربتِ انور کو دے کر طور سے تشبیہ
کہوں ہوں بار بار ارنی مری دیکھی بھی نادانی (مرثیہ، ص:۱۷)

اگر یہ سوال ہو کہ مولوی محمود حسن صاحب نے رب ارنی کی صدا کسے سنائی؟ مخاطب کون تھا، جواب خود شعر میں موجود ہے کہ جس کی تربت انور کو طور بنایا اسی سے خطاب ہے وہی مخاطب ہے یعنی گنگوہی صاحب اسی کو رب ارنی سنا رہے ہیں۔ دیوبندیوں کے شیخ الہند اپنے پیر صاحب ہی سے کہہ رہے ہیں، اے میرے رب مجھے اپنا جلوہ دکھا۔ لا حول و لا قوة إلا بالله.

غلامانِ مصطفی علیہ التحیۃ والثنا کے کتوں میں جس کا شمار ہو جائے، انشاء اللہ تعالیٰ اس کی نجات ہے۔ مسلمان اسی

---

(۱) كنز العمال، كتاب الموت، الباب الثالث في امور بعد الدفن الفصل الثالث فی زیارة القبور، ج:۱۵، ص:٦٤٧، حديث ٤٢٥٦١، مؤسسة الرسالة، ۱۹۸۱ء

(۲) مولوی محمد حنیف رهبر، مقامع الحدید، ص:۹۲، مطبوعه مبارك پور

لیے یہ نسبت قائم کرتے اور باعث نجات جانتے ہیں۔ اس سے انکار تو مغرور و متکبر دیوبندیوں کو ہی ہو سکتا ہے۔

دیوبندیوں نے انبیا اولیا سے چوں کہ اپنی نسبت منقطع کر لی ہے، اس لیے دیوبندی رہبر نے اس نسبت پر اعتراض کرتے ہوئے یہ سرخی قائم کی ہے: ”مولوی احمد رضا خان اور ان کے کتے۔“(۱)

اس کے ماتحت مدائح کے تین شعر نقل کیے ہیں جن میں شاعر نے خود کو سگِ بار گاہ رضوی ظاہر کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ عبد المصطفیٰ احمد رضا قدس سرہ العزیز چوں کہ آقا و مولا ﷺ کے سچے غلام ہیں، حضور کی غلامی ہی میں اپنا فخر سمجھا، ہمیشہ اپنے کو عبد المصطفیٰ لکھا، لہٰذا ان سے نسبت قائم کرنا آقائے دوعالم ﷺ سے نسبت قائم کرنا ہے۔ اس لیے شاعر نے یہ نسبت قائم کی ہے۔

دیوبندیوں نے بھی نسبت قائم کی ہے مگر ان سے جنھوں نے حضور ﷺ کی شان پاک میں سخت گستاخیاں کی ہیں۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے حضور ﷺ کے علم غیب کو جانوروں اور پاگلوں سے تشبیہ دی اور کہا کہ ” اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو ہر زید و بکر و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔“(۲)

جب سے تھانوی صاحب نے شانِ نبوت میں یہ گستاخی کی دیوبندیوں نے تھانوی صاحب کا کلمہ پڑھنا شروع کر دیا اور دیوبندیوں کے نزدیک اب ان کا وہ مرتبہ ہے کہ... تھانوی صاحب کے پیر دھو کر پینا آخرت کی نجات بتاتے ہیں۔

چناں چہ تذکرۃ الرشید میں مولوی عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی نے لکھا ہے:

” واللہ العظیم مولانا تھانوی کے پیر دھو کر پینا نجات اخروی کا سبب ہے۔“(۳)

بھلا اب دیوبندیوں کو انبیا اولیا سے کیا غرض، اب تو بس تھانوی کے پیر دھو کر پئیں، نجات ہوئی، پیے جاؤ، معلوم ہو جائے گا۔ آئے گا ایک دن جس میں تم پکار پکار کر کہو گے۔

يَا وَيْلَتَا لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا۔ ہائے خرابی کاش میں حضور کے گستاخ کو دوست نہ بناتا۔

مگر اس وقت کی چیخ و پکار بے کار ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ فرماتے ہیں:

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۹۳، مطبوعہ مبارک پور
(۲) مولوی اشرف علی تھانوی، حفظ الایمان، ص:۸/ ص:۱۵ دار الکتاب دیو بند
(۳) مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، تذکرۃ الرشید، حصہ اول، ص:۱۱۳/ ص:۱۶۵

اولیاے کاملین سے دیوبندیوں کی عداوت

بزرگانِ دین واولیاے کاملین کے مزارات مقدسہ کو پھول وچادر وغیرہ سے مزین کرنا شرعاً جائز ومستحسن ہے۔ اس سے مسلمانوں کی نظر میں اولیاے کرام کی عزت وعظمت قائم ہوتی ہے، عقیدت ووابستگی بڑھتی ہے جو فلاح دارین کا سبب ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب رد المحتار میں اس کی تصریح فرمائی ہے، اگرچہ گم راہ بد دین اس کو شرک وبدعت کہتے ہیں، دیوبندی رہبر بھی چوں کہ انھیں شرک فروشوں میں سے ہے، اس لیے اعلیٰ حضرت قبلہ کے مزار مقدس کی مبارک چادر پر اعتراض کرنے کے لیے یہ سرخی قائم کرتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خان صاحب کی قبر کی چادر"۔(۱)

اس کے ذیل میں چادر شریف کے جلوس کو ذکر کیا اور جلوس کی نظموں کے شعر لکھے اور بس اس سے زیادہ اعتراض میں کچھ گہر فشانی نہیں فرمائی مگر نہ معلوم صرف چادر پر اعتراض ہے یا جلوس پر اعتراض ہے، یا جلوس میں اشعار پڑھنے پر اعتراض ہے، یا تینوں پر اعتراض ہے۔ چادر شریف کا ثبوت تو شامی کے حوالہ سے اوپر گزرا اور چادر شریف جب کوئی شرعی جرم نہیں بلکہ مستحسن ہے، تو اس کے اعلان میں کیا حرج ہے۔ اس کے لیے قانون مارشل لا کیسے جاری ہو سکتا ہے، پھر جلوس اور جلوس میں اشعار کا پڑھنا کیوں کر منع ہو سکتا ہے، حالاں کہ اشعار کے مضمون میں بھی کوئی قباحت نہیں۔ دیوبندیوں کی اس شرک فروشی پر حیرت ہے کہ گاندھی اور جواہر لال وغیرہ کے خود جلوس نکالیں، ان کی تعریف وتوصیف میں لمبے لمبے قصیدے پڑھیں، گاندھی جی کی جے پکاریں، مشرکین کے لیے زندہ باد کے نعرے لگائیں، یہاں شرک وبدعت کی سب دُکانیں بند کر کے تسکین کے قفل لگا دیں، مگر اولیاے کرام کی عزت وعظمت کے جلوس پر اعتراض، ان کی تعریف میں نظم وقصیدہ پر اعتراض۔ یہاں جھٹ پٹ شرک وبدعت کی دُکانیں کھول کر سب دیوبندی شرک فروشی کی دھوم مچا دیں۔ یہ دین ہے، یہ مذہب ہے۔ سوائے اس کے کہ اولیاے کرام سے عداوت ہے، دشمنی ہے۔ ان کی عزت وعظمت کو دیکھ نہیں سکتے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد دیوبندی رہبر نے گاگر شریف اور اس کے جلوس پر اعتراض کرنے کے لیے کئی سرخیاں قائم کیں گاگر شریف، گاگریا شریف، گگریا شریف اور ساتھ ہی ساتھ دیوبندی تہذیب کے مطابق بازاری تمسخر سے بھی خوب برکت حاصل کی ہے۔ خیر ہزلیات اور تمسخرات تو دیوبندیوں کو مبارک، ہم مسلمانوں کو گاگر شریف کی حقیقت بتانا چاہتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ کوئی قابلِ اعتراض شے ہرگز نہیں بلکہ صاحب مزار سے حصولِ برکت کا ذریعہ ہے۔ گاگر شریف میں کیوڑا وگلاب ہوتا ہے، جس سے صاحب عرس کے مزار مقدس کو غسل دے کر بطور تبرک وہ غسالہ

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص:۹۳، مطبوعہ مبارک پور

تقسیم کیا جاتا ہے، شکر ہوتی ہے جس کا شربت بناکر صاحب عرس کی روحِ مقدس کو اس کا ثواب پہنچاکر حاضرین کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ حیرت یہ ہے کہ وہ مزارات مقدسہ جو مورد رحمت الٰہی اور مہبط انوارِ ربانی ہیں ان کا غسالہ بطور تبرک پینا دیوبندیوں کے نزدیک قابلِ اعتراض ہو اور مولوی اشرف علی صاحب کے پاؤں دھوکر پینا صرف جائز ہی نہیں بلکہ دوزخ سے بچاکر سیدھا جنت کو لے جائے۔ یہ تھانوی عقیدت اور اولیاے کرام کی عداوت نہیں تو اور کیا ہے۔

رہبر صاحب پر جب دیوبندی شرافت کا جن سوار ہوا تو دیوبندی تہذیب کا پورا مظاہرہ شروع کر دیا اور یہ سرخی قائم کی "آلا حجرت رجا کے مجار پر ایک گریب رجون کی در کھاست"۔ (۱)

اس کے ذیل میں یہ ہندی نظم نقل کی۔

پیارے رجا موری بھر دے گگریا	اچھے رجا موری بھر دے گگریا
بھیج نہ جائے کہیں موری چندریا	چھائی بدریا موری بھر دے گگریا
بلہاری جاؤں پیا ڈاروں گلے بیاں	بانکے سپہیا موری بھر دے گگریا
رجوی ہے ٹھاری رجوا آس لگائے	دور نگریا موری بھر دے گگریا

اس کے بعد ص: ۹۵ / پر یہ سرخی قائم کی "ایک اور رجوی جوگنیا کا لہرا" ایک ہندی نظم اس کے ذیل میں بھی نقل کرکے اپنی تہذیب و شرافت کے ساتھ ساتھ کتاب کو بھی ختم کر دیا۔ ہندی نظم پر ٹھٹھا و تمسخر دیوبندی تہذیب و دیانت، علم و قابلیت کا ماتم کر رہا ہے۔ یہ دیوبندیوں کی جہالت و حماقت ہے کہ ہندی شاعری کے اصول سے بے خبر ہیں اور پھر اعتراض کرتے ہیں۔ ہندی شاعری میں شاعر اپنے کو مجازاً اپنے محبوب کی کنیز اور اپنے محبوب کو اپنا خاوند و آقا فرض کرکے کلام کرتا ہے۔ ہندی کی ہزاروں لاکھوں نظمیں اسی اصول پر ہیں۔

مگر آج تک کبھی بھی کسی عاقل کو یہ وہم بھی تو نہ ہوا کہ شاعر اور اس کے ممدوح میں حقیقۃً بی بی اور شوہر کے سے تعلقات ہیں۔ اس کی طرف ذہن منتقل ہوا تو دیوبندیوں کا اور کیوں نہ ہو۔ اکابر دیوبند میں باہم یہ تعلقات پہلے ہی سے رہے ہیں۔ ایک دوسرے سے دیوبندی مولوی کا نکاح ہوتا تھا، چناں چہ...

مولوی رشید احمد صاحب کا نکاح مولوی قاسم صاحب سے ہوا

حوالہ: تذکرۃ الرشید، ج: اول، ص: ۲۴۵۔

آپ (یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی) ایک مرتبہ خواب بیان فرمانے لگے کہ مولوی محمد قاسم کو میں نے دیکھا کہ دلھن بنے ہوئے ہیں اور میرا نکاح ان کے ساتھ

---

(۱) مولوی محمد حنیف رہبر، مقامع الحدید، ص: ۹۴، مطبوعہ مبارک پور

ہوا، پھر خود ہی تعبیر فرمائی کہ آخر ان کے بچوں کی کفالت کرتا ہی ہوں، یہ تو نکاح ہوا ہے ،مگر جس فائدہ کے لیے نکاح ہوتا ہے وہ بھی تو سنیے۔

حوالہ: تذکرۃ الرشید، حصہ دوم، ص:۲۸۹ پر ہے:

(مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے) ایک بار ارشاد فرمایا میں نے ایک بار خواب دیکھا تھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب عروس کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے، سو جس طرح زن و شوہر میں ایک دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے، اسی طرح مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے فائدہ پہنچا ہے۔ پھر کہتے ہیں انھوں نے حضرت (کی تعریف کر کے ہمیں مرید کرایا اور ہم نے حضرت سے سفارش کر کے انھیں مرید کرادیا۔

اس عبارت کے بعد یہ توضیح اور ہے: ”حکیم محمد صدیق صاحب کاندھلوی نے کہا ”اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ (یعنی مرد حاکم ہیں عورتوں پر) آپ نے (یعنی رشید احمد گنگوہی نے) فرمایا، ہاں، آخر ان کے بچوں کی تربیت کرتا ہی ہوں۔“

رہبر صاحب آپ نے ہندی نظم پر اعتراض کیا تھا، اس کے ساتھ تمسخر کر کے مذاق اڑایا تھا، جو آپ کی جہالت کی دلیل تھی، ہندی شاعری کے اصول سے ناواقفیت تھی، پھر وہ نظمیں عوام الناس کا کلام ہیں اگر بالفرض ان میں کوئی مضمون قابل گرفت بھی ہو تو اس سے اعلیٰ حضرت یا علمائے اہل سنت پر کیا اعتراض۔ آپ ذرا اپنے اکابرین کے تذکرہ اور وہ حالات ملاحظہ فرمائیے جو انھوں نے خود بیان کیے ہیں، وہ نہ کسی غزل میں ہیں نہ نظم میں، نہ مجاز ہیں نہ استعارے ۔صاف صاف اکابر دیوبند کا مرد کا مرد سے نکاح ہوتا ہے، اور محض نکاح پر بس نہیں کرتے بلکہ جس فائدے کے لیے نکاح کیا جاتا ہے وہ بھی دل بھر کے حاصل کرتے ہیں، خوب عیش کرتے ہیں، ارمان نکالتے ہیں۔

شاید ابھی دیوبندیوں کی سمجھ میں نہ آئے اور کہیں کہ یہ تو خواب کی باتیں ہیں، خیالات ہیں، حالاں کہ یہ وہی بیداری کے حالات و واقعات ہیں جن میں دن گزرتا تھا، رات کو خیالات بن کر خواب میں نظر آتے تھے، پھر خود ہی بیداری میں ان کو مجمعِ عام میں بیان کرتے تھے۔ اسی سے ہر منصف مزاج اکابر دیوبند کے پاکیزہ جذبات و خیالات کا اندازہ کر سکتا ہے، مگر دیوبندیوں کی تفہیم کے لیے بیداری کا واقعہ بھی پیش کرتا ہوں۔

”اکابر دیوبند کے برکات وحسنات، بحالت بے داری مجمع عام میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی و مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے باہمی زن و شوہری تعلقات ملاحظہ ہوں۔“

حوالہ: مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی اشرف التنبیہ مطبوعہ تجلی پریس، دہلی کے ص:۶۷/ پر ہے۔

”ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمعِ عام تھا۔ حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی

کے مرید و شاگرد سب جمع تھے اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے کہ حضرت گنگوہی نے حضرت نانوتوی سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ میاں ذرا لیٹ جاؤ۔ حضرت نانوتوی کچھ شرما سے گئے، مگر حضرت نے پھر فرمایا تو بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے، حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے اور مولانا کی طرف کروٹ لے کر اپنا ہاتھ ان کے سینہ پر رکھ دیا، جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے، مولانا ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو، یہ لوگ کیا کہیں گے۔ حضرت نے فرمایا، لوگ کہیں گے، کہنے دو۔"

"پیشوائے دیوبند کی خاص کرامت۔

مولوی محمد قاسم صاحب ہنسی مذاق میں بچوں کے کمر بند کھول دیتے تھے۔"

اسی اشرف التنبیہ کے ص: ۴۰ پر مولوی اشرف علی صاحب فرماتے ہیں:

"مولانا (یعنی محمد قاسم صاحب) بچوں سے ہنستے بولتے بھی تھے اور جلال الدین صاحب زادۂ محمد یعقوب سے جو اس وقت بالکل بچے تھے بڑی ہنسی کیا کرتے تھے، کبھی ٹوپی اتارتے کبھی کمر بند کھول دیتے تھے۔"

دیوبندیو! کان کھول کر ہوش سنبھال کر سنو مذاق میں بچوں کے کمر بند کھولنا یہ خواب کی بات تو نہیں ہے، یہ مولوی محمد قاسم صاحب کی بیداری ہی کی کرامت ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے جب خانقاہ کے مجمع عام میں نانوتوی صاحب کو چارپائی پر لٹایا اور ان کی طرف کروٹ لے کر عاشقانہ انداز سے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا تو سو تو نہیں رہے تھے۔ بیدار ہی تھے۔ خوب یاد رکھنا نانوتوی کچھ کسمسائے بھی اور مجمع عام میں اس حرکت سے شرمندہ ہو کر کہا بھی کہ میاں کیا کر رہے ہو، یہ لوگ کیا کہیں گے، مگر گنگوہی صاحب کو اس کی بھی پروانہ ہوئی۔ وہ برابر اپنا کام کرتے ہی رہے اور یہ جواب دیا "لوگ کہیں گے کہنے دو"۔ سچ ہے جب آدمی پر جذبات کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کو کسی کے کہنے سننے کی ہرگز پرواہ نہیں ہوتی ہے۔ اس وقت شرم و حیا کا دامن چاک ہو جاتا ہے۔ اکابر دیوبند کے اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں، میں اس وقت اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ منصف مزاج اسی سے دیوبندی مذہب کی حقیقت کا اندازہ کر سکتا ہے کہ جن کے ہاتھوں میں دیوبندی مذہب کی لگام ہے، ان لوگوں کے جذبات و خیالات یہ ہیں اور دیوبندی مذہب میں یہ اس پائے کے بزرگ مانے جاتے ہیں کہ علمائے دیوبند ان کو قطب العالم، جنید عصر، نعمانِ دوراں، بخاری زماں،

قاسم العلوم والخیرات، رشید الاسلام والمسلمین، حکیم الامت لکھتے ہیں۔ ان سے نیچے طبقہ کا کیا پوچھنا، حقیقت یہ ہے:

آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت

دیکھا رہبر صاحب! یہ ہے آپ کے مذہب کا آہنی قلعہ اور سنگین محل جس پر اکڑتے ہوئے آپ نے اپنی کتاب کے ساتھ ساتھ فخر و ناز کو بھی ختم کر دیا۔ معلوم ہوئی اس کی حقیقت۔ العذاب الشدید نے بفضلہ تعالیٰ ایک اشارہ میں اس کے ٹکڑے کر دیے، دھوئیں اڑا دیے۔ آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن کر دیا کہ دیوبندی مذہب میں حقانیت و صداقت کا نام و نشان بھی نہیں۔ اس کی بنیاد صرف مکاری، عیاری، چالبازی، دھوکا دہی پر ہے اور ثابت کر دیا کہ المصباح الجدید میں، جو مطالب علمائے دیوبند کی عبارتوں کے بیان کیے گئے ہیں، حق و صحیح ہیں۔ ان پر پردہ ڈالنے کے لیے جو دیوبندیوں نے مقامع الحدید لکھی وہ سراسر کذب و افترا، بہتان و تبرا ہے۔ اس کے سوا اس کی قطعاً کوئی حقیقت نہیں. تم الرد و کمل الأمر بعزة رب الجليل و هو حسبي و نعم الوكيل و الصلوٰة و السلام علىٰ حبيبه سيد المرسلين و علىٰ اٰله و أصحابه أجمعين.

☆☆☆☆

انباء الغیب

نوٹ:- حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا زیر نظر فتویٰ علم غیب مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالے سے انتہائی مدلل اور اپنے موضوع پر علمی شاہکار ہے۔ یہ فتویٰ شہزادۂ حافظ ملت حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو حافظ ملت کے علمی ذخیرے میں دستیاب ہوا۔ آپ نے بڑے سلیقے سے مرتب فرمایا اور حضرت مفتی عبد المنان کلیمی صاحب نے روضۃ المعارف ضیاء العلوم خیر آباد اعظم گڑھ سے بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ اولین اشاعت کی تاریخ ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۴ء ہے۔ اس کے بعد مختلف اداروں سے شائع ہو رہا ہے۔ ہم حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ کی دعاؤں کے ساتھ یہ تحقیقی فتویٰ "فتاویٰ حافظ ملت" میں شامل کر رہے ہیں۔ یہ فتویٰ در اصل ایک دیوبندی مولوی کے فتوے کے جواب میں تحریر کیا گیا ہے۔ پہلے دیوبندی مولوی کا فتویٰ پڑھیں، پھر حضرت حافظِ ملت کا جواب الجواب پڑھیں۔

(از: مبارک حسین مصباحی)

انباء الغیب

مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں یا نہیں؟ اور جو شخص آپ کو عالم الغیب اعتقاد کرے وہ کافر ہے یا مسلمان؟ مذہب حنفی کی معتبر کتابوں کی عبارت مع ترجمہ نقل کر کے جواب دیا جاوے۔ (سائل حافظ محمد امین)

دیوبندی مولوی کا فتویٰ

الجواب

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب عقائد یعنی فقہ اکبر کی شرح میں ملا علی قاری حنفی نے تحریر فرمایا ہے:

ثم اعلم ان الانبياء عليهم السلام لم يعلموا المغيبات من الاشياء الا ما اعلمهم الله تعالىٰ احيانا و ذكر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد ان النبي عليهم السلام يعلم الغيب معارضة قوله تعالىٰ لا يعلم من فى السمٰوات والارض الغيب الا الله. كذا فى المسائره.(۱)

پھر جان اس بات کو کہ انبیا علیہم السلام غیب کی باتوں کو ہرگز نہیں جانتے تھے مگر اسی قدر جس کو کبھی کبھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بتا دیا اور حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ جو شخص اعتقاد رکھے کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے تھے وہ کافر ہے۔ اس لیے کہ یہ اعتقاد معارض ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کہ "نہیں جانتا کوئی جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے غیب کو سوائے اللہ کے" جیسا کہ عقائد کی کتاب مسائرہ میں ہے۔

اور درِ مختار جس سے علمائے حنفیہ شب و روز فتویٰ دیا کرتے ہیں، اس میں ہے:

تزوج بشهادة الله و رسوله لم يجز قيل يكفر .(۲)

اگر کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا، اللہ و رسول کو گواہ بنا کر، نکاح نہیں جائز ہوا بلکہ کہا گیا ہے کہ وہ شخص کافر ہو جائے گا۔

علامہ شامی نے در مختار کی شرح رد المحتار میں تحریر فرمایا ہے:

---

(۱) ملا علی قاری، شرح فقه الاكبر، ص: ۱۸۵

(۲) علامه علاء الدين علی بن محمد حكصفی، در مختار فوق رد المحتار، ج: ٤، ص: ۹۹، كتاب النكاح.

قوله قيل يكفر لانه اعتقد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم عالم الغيب .(۱)

رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنا کر نکاح کرنے سے کافر اس لیے ہو جائے گا کہ اس نے اعتقاد کیا کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب ہیں۔

اور درِ مختار کی شرح میں علامہ طحطاوی نے تحریر فرمایا ہے:

و فی شرح الملتقی لانه ادعی ان الرسول يعلم الغيب .(۲)

شرح ملتقی میں ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلعم کو گواہ بنا کر نکاح کرے گا، وہ کافر اس لیے ہو جائے گا کہ اس نے دعویٰ کیا اس بات کا کہ رسول اللہ صلعم غیب جانتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنا کر نکاح کرنا کئی ارادے سے ہو سکتا ہے اگر مطلقاً عالم الغیب جان کر گواہ بنایا تو باتفاقِ حنفیہ کافر ہو جائے گا اور اگر بعض غیب کا عالم جان کر گواہ بنایا تو کافر نہیں ہوگا، اس لیے کہ رسول اللہ صلعم انسان رہتے ہوئے سب سے اعلیٰ اور اکمل جو انسان ہو سکتا ہے وہ تھے۔ نہ آپ کے ایسا اکمل انسان پیدا ہوا نہ ہوگا اور تمام انبیا علیہم السلام کو بوقت ضرورت غیب کی باتیں حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ بتائی گئیں۔ آپ چوں کہ سب سے افضل و اکمل تھے، اس لیے آپ کو سب سے زیادہ بذریعہ حضرت جبریل غیب کی باتیں بتائی گئیں، لیکن اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ آپ مطلقاً عالم الغیب کہے جاویں۔ عالم الغیب سوائے خدا کے دوسرا کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا جو شخص کسی کو سوائے خدا کے عالم الغیب اعتقاد کرے تو وہ کافر ہے۔ حنفیہ کا یہی مذہب ہے۔ اگر کوئی شخص حنفی کا عقیدہ اس کے خلاف بتائے تو کتبِ معتبرہ حنفیہ کے حوالہ سے ثابت کرے اور اگر کوئی شخص بالذات و بالواسطہ کا احتمال پیدا کر کے صریح آیت و عقیدہ حنفی سے انکار کرے تو جان لینا چاہیے کہ آیت:

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ.(۳)

کہہ دیجیے اگر میں غیب جانتا بہت سی بھلائی جمع کر لیتا اور مجھے برائی نہ پہنچتی۔

اسی آیت سے غیب بالواسطہ کا بھی انکار ہو گیا، اس لیے کہ برائی سے بچنا اور بھلائی جمع کرنا غیب بالذات کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اسی طرح غیب بالواسطے سے بھی ہو سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جو شخص بالذات و بالواسطہ کا احتمال پیدا کرے اس کا بھی فرض ہے کہ کتب معتبرہ حنفیہ سے دکھاوے کہ علمائے حنفیہ نے یہ احتمال نکالا ہے یا وہ خود احتمال نکالتا ہے، صریح آیت و عقیدہ حنفی سے انکار کے لیے۔ الغرض حنفی کا

---

(۱) علامه سيد محمد امين بن عمر عابدين شامی، رد المحتار، ج:٤، ص:٩٩، كتاب النكاح.
(۲) علامه طحطاوی، مجمع الانهار، ج:۱، ص:٤٨٢.
(۳) قرآن حکیم، الاعراف۷، آیت: ۱۸۸

عقیدہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلعم عالم الغیب نہیں ہیں۔ جو شخص عالم الغیب اعتقاد کرے وہ کافر ہے۔ اگر اس کے خلاف کوئی کہے تو کتبِ حنفیہ سے دکھاوے۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبہ: حکیم محمد نصیر الدین محمد آبادی عفی عنہ، حال مقیم محلہ کٹرہ، شہر اعظم گڑھ (یو۔ پی۔)

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کا فتویٰ

الجواب

الحمد لله الذى أرسل رسوله بالهدىٰ و دين الحق ليظهره على الدين كله و كفى بالله شهيدا. والصلوٰة والسلام عليه و علىٰ اٰله و أصحابه وسلم تسليما كثيراً كثيرا. هو الذى علمه الله تعالىٰ مالم يكن يعلم وكان فضل الله عليه عظيما فأعطاه الله تعالىٰ علوماً بعضها ما احتوى عليه القلم الأعلىٰ وما استطاع علىٰ احاطتها اللوح الأوفىٰ فالحمد لله العلىّ الأعلىٰ.

تمہید

اس علیم و خبیر جل جلالہ نے اپنے محبوب بشیر و نذیر ﷺ کو سارے کمالات کا جامع بنایا، اپنے غیبِ خاص پر مطلع فرمایا اور اتنا ہی نہیں، آپ پر غیب کے دروازے کھول دیے۔ لیکن منکرین شور مچاتے پھرتے ہیں۔

لہٰذا مسئلہ خود وضاحت چاہتا ہے اور سوال کی نوعیت بھی بسط و تفصیل چاہتی ہے، اس لیے یہ بھی واضح کر دینا مناسب ہے کہ سائل ایک دیوبندی مولوی ہیں جو گزشتہ سال اسی مسئلہ پر فتویٰ دے چکے ہیں، چوں کہ زمانہ ترقی کر رہا ہے اس لیے اسسال سائل ہو گئے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ تمام دیوبندیوں کا یہی کام ہے کہ دین داروں کی مخالفت کریں، مسلمانوں کو راہِ حق سے ہٹائیں، ان کے دلوں سے حضورِ اقدس ﷺ کی محبت مٹائیں۔ عظمت شانِ رسالت گھٹائیں۔ خصوصاً فرقۂ دیوبندیہ نجدیہ کا تو مطمحِ نظر ہی یہ ہے کہ جس طرح ہو کمالات محمدی کا انکار کریں۔ اس لیے شب و روز اسی تلاش میں رہتے ہیں کہ کوئی آیت یا حدیث ایسی ہاتھ آئے، کسی کا کوئی قول ہی ایسا مل جائے جس سے نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے کسی کمال کی نفی کا موقع ملے۔ مگر ملے تو کیسے ملے؟ اور ہاتھ آئے تو کیوں کر؟ آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ نبویہ بلکہ ساری شریعتِ مطہرہ تو کمالاتِ محمدی کا خطبہ پڑھتی ہیں۔ ہر جگہ عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا پرچم لہرا رہا ہے۔ دین اور دین کی کسی کتاب میں حضور کی تنقیص ملے، ناممکن و محال ہے۔

لہٰذا آیتوں، حدیثوں ہی میں کتر بیونت، تراش خراش کرتے ہیں اور ضعیف سے ضعیف قول کو اپنے مدعاے باطل کی سند بنا لیتے ہیں۔ چناں چہ سائل نے بھی اپنے دورِ سابق میں جب وہ مسندِ افتا پر رونق افروز تھے اور جب ان کے فتوے اخبار "سہیل" اعظم گڑھ میں چھپا کرتے تھے، اسی اصول پر عمل کیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ باب دوم میں اس کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔ فتوے میں تو جوہر دکھائے ہی تھے، سوال کیا تو اس میں بھی وہ کمال کیا کہ پہلے ہی سوال میں

چار چالیں چلیں۔ مقصد یہ ہے کہ کسی ترکیب سے جواب نفی میں ملے اور حضور کے کمال کا انکار ہو جائے۔

اسی لیے سوال یوں قائم کیا کہ بہت لوگ اپنے کو حنفی کہہ کر آیت و حدیث سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب تھے وہ کافر ہے اور بہت لوگ اپنے کو پکا حنفی کہہ کر آیت و حدیث سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب نہ جانے وہ کافر ہے۔

اس سوال میں لفظ عالم الغیب لانا چالاکی ہے، کیوں کہ علمائے اہل سنت رسول اللہ ﷺ کو اللہ عزوجل کا دیا ہوا علم غیب مانتے ہیں، اسی کو ثابت کرتے ہیں اور دیوبندی حضور کے علم غیب کا مطلقاً انکار کرتے ہیں۔ چناں چہ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب نے حضور کے علم غیب ہی کو شرکِ صریح لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"اور یہ عقیدہ کہ آپ کو (نبی ﷺ) علم غیب تھا، صریح شرک ہے۔"(۱)

دیکھا! عالم الغیب میں بحث ہی نہیں ہے، یہ محض سائل کی چال ہے، جو شمار میں پہلی ہوئی۔

دوسری چال جو دیوبندی اور بریلوی علما کی کھینچ تان کی وجہ سے ہم نے کتاب در مختار اور اس کی شرح رد المحتار کو عوام کی سہولت کے لیے لازم پکڑا ہے، یہ حنفی کی معتبر کتاب ہے یا نہیں۔ یہ بھی چال ہے۔ کیوں کہ سائل کے پرانے فتوے سے معلوم ہے کہ نہ درِ مختار کو پکڑا، نہ رد المحتار کو، نہ عوام کی سہولت کے لیے۔ بلکہ سائل نے دیوبندی مسلک کو پکڑا ہے اور عوام کو دھوکا دینے کے لیے در مختار اور رد المحتار کا نام لے لیا ہے۔ اس کی تفصیل باب دوم میں "دیوبندی فتوے کی حقیقت" کے ساتھ کی جائے گی۔

تیسری چال ایسی عبارت دکھائی جاوے جس کا لفظی ترجمہ یہی ہو کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب جانے وہ کافر ہے۔ یعنی ایسی عبارت ہو جس میں حضور کے لیے لفظ بھی عالم الغیب کا استعمال کیا گیا ہو اور اسی لفظ عالم الغیب کے نہ ماننے والے کو کافر کہا گیا ہو۔ کتنی بڑی دھوکہ بازی ہے۔ صرف لفظ عالم الغیب کا استعمال نہ ہونے سے حضور کے علم غیب کی بھی نفی ہو جائے گی۔ علم غیب عطائی جب صریح آیتوں سے ثابت ہے تو اس کا انکار کفر نہ ہوگا۔

چوتھی چال اور اگر ایسی عبارت متفق علیہ کتاب میں نہ ہو تو صاف لکھا جاوے کہ ایسی صریح عبارت نہیں ہے۔ دیکھا کیسی چال ہے۔ اگر ایسی صریح عبارت جس کا لفظی ترجمہ لفظ عالم الغیب کے ساتھ نہ ہو تو دیوبندیوں کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور حضور کے لیے علم غیب خدا کا دیا ہوا ماننے والا کافر و مشرک ہو جائے گا۔ بس ایسی ہی چالبازیوں پر دیوبندی مذہب کی بنا ہے۔

لطف یہ کہ دونوں سوالوں میں چار جگہ حضور ﷺ کا اسم گرامی آیا مگر ایک جگہ بھی درود شریف لکھنا گوارا نہ

---

(۱) رشید احمد گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ، ج:۲، ص:۱۰/ ص:۱۰۳ مبوب بطرزِ جدید

ہوا۔ عجب طرح سے توڑ مروڑ کر اختصار کیا اور گورکھ دھندہ بنایا ہے۔ اس کا نام صلعم رکھا ہے۔ یاد رہے کہ یہ حرکت ناجائز ہے کیوں کہ یہ اختصار اس امر کی دلیل ہے کہ درود شریف میں اپنا وقت صرف کرنا ناگوار ہے، اس لیے اشاروں سے کام چلاتے ہیں۔ یہ مقتضائے عظمتِ محمدی کے خلاف ہے۔

سوال کی تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ سوال میں لفظ عالم الغیب لانا چال بازی ہے، محل خلاف حضور کا علم غیب ہے۔

لہٰذا اس چال کے دور کرنے کے بعد پہلے سوال کا منشا تین امور کا دریافت کرنا ہے... اول یہ کہ حضور ﷺ کے علم غیب میں جو دیوبندی اور بریلوی علما کا اختلاف ہے کہ دیوبندی حضور کے لیے علم غیب ماننے والے کو کافر کہتے ہیں اور علمائے بریلوی نہ ماننے والے کو کافر کہتے ہیں۔ حنفیہ کی معتبر متفق علیہ کتاب سے بتایا جائے کہ ان دونوں میں حق پر کون ہے؟... دوسرے، کتاب درِ مختار اور اس کی شرح رد المحتار حنفی کی معتبر کتاب ہے یا نہیں؟... تیسرے، ایسی عبارت کہی جائے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہو کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب نہ مانے وہ کافر ہے۔ اور اگر ایسی عبارت متفق علیہ کتاب میں نہ ہو تو صاف لکھا جائے کہ ایسی صریح عبارت نہیں ہے۔

مسئلۂ علمِ غیبِ نبی ﷺ ایمان والوں کے لیے بدیہیات شرعیہ سے ہے۔ ہر مومن کا ایمان ہے کہ حضور اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ محبوب سے پیاری کون سی چیز ہے، جس کو اس سے چھپایا جائے گا، اسی کو اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں ۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا، تم پہ کروڑوں درود

مگر منکرین نے تو کمالاتِ محمدی کے انکار کا بیڑا ہی اٹھالیا ہے۔ اس لیے طرح طرح کے مکر و حیلہ سے اس کمال کا بھی انکار کرتے اور سیدھے سادے مسلمانوں کو حنفی بن کر دھوکہ دیتے ہیں۔ اس لیے اثباتِ علم غیب کے ساتھ مخالفین کی دھوکہ بازی کا جواب بھی ضروری ہے۔

لہٰذا اس مختصر رسالے کو دو باب پر تقسیم کرتا ہوں۔ پہلے باب میں سوالوں کا جواب اور نبیِ کریم ﷺ کے لیے علمِ غیب عطائی کا اثبات۔

دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات کا جواب اور دیوبندی مولوی کے فتوے کی حقیقت۔

اثباتِ علمِ غیبِ نبی ﷺ

اور سوالوں کا جواب

اشرف انبیا محبوبِ کبریا احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ کو خداوند قدوس جل و علیٰ شانہ نے تمام اولین و آخرین کے

علوم عطا فرمائے۔ روزِ اول سے روزِ اخیر تک کے تمام غیب اور شہادت کا علم دیا۔ کائنات کے ذرہ ذرہ پر آپ کو مطلع کیا۔ ملکوت السمٰوٰت والارض کا شاہد بنایا۔ تمام عالم آپ کے پیشِ نظر کر دیا۔ عرش سے فرش تک، شرق سے غرب تک تمام موجودات سارے ممکنات کا عالم بنایا۔ کھلی اور چھپی، پوشیدہ اور ظاہر تمام اشیا پر مطلع کیا۔ زمین کی تاریکیوں اور سمندر کی گہرائیوں میں جو چیزیں موجود ہیں محمد رسول اللہ ﷺ اللہ عزوجل کی عطا و دین سے ان پر مطلع ہیں۔ ان سب کو جانتے ہیں۔ حنفیہ اور تمام محققین اہل سنت خواہ شافعی ہوں یا مالکی یا حنبلی، سب کا یہی مسلک ہے۔ اور انشاء اللہ العزیز دلائلِ قاہرہ کی روشنی میں آفتاب سے زیادہ ظاہر ہو جائے گا کہ ۔

فضلِ خدا سے غیب، شہادت ہوا انہیں
اس پر شہادت آیت و وحی و اثر کی ہے

تنبیہ: واضح رہے کہ یہ علم حضور کو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اس لیے عطائی ہے اور روزِ اول سے روزِ آخر تک زمانہ کی دو حدیں ہیں۔ ان کے درمیان جتنی اشیا اور ان کی صفات وکیفیات ہیں سب بین الحدین ہیں، اس لیے سب متناہی ہوئیں۔ اسی طرح عرش تا فرش، شرق تا غرب یہ حدودِ مکانی ہیں۔ ان میں بھی جتنی اشیا اور ان کی صفات و کیفیات ہیں سب متناہی، توان کا علم بھی متناہی۔ لہٰذا حضور ﷺ کا علم مذکور عطائی متناہی ہوا، بلکہ اس سے ہزاروں ہزار اور زیادہ ہو تب بھی متناہی ہی رہے گا۔ اس کو علمِ الٰہی سے وہ نسبت بھی نہیں جو ذرہ کو ہزار پہاڑوں سے اور قطرہ کو ہزار سمندروں سے، کیوں کہ ہزار پہاڑ اور ہزار سمندر متناہی ذرہ اور قطرہ متناہی، اور ایک متناہی کو دوسرے سے کوئی نسبت ضروری ہے، لیکن متناہی کو غیر متناہی کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں۔ اور اللہ عزوجل کا علم ذاتی اور غیر متناہی ہے، اس کے لیے کوئی حد و نہایت محال ہے۔ لہٰذا علم نبی کو علم الٰہی کے برابر سمجھنا بے عقلی اور علمِ الٰہی سے جہل ہے۔ اپنے مقام میں اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

اس مدعا کے دو جز ہیں **ایک** یہ کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ رب العزت نے علم غیب عطا فرمایا اور آپ کو علم غیب عطائی حاصل ہے۔ **دوسرے** علم نبی ﷺ کی وسعت یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو روزِ اول سے روزِ آخر تک کی ہر ایک شے کا عرش سے فرش تک، شرق سے غرب تک تمام چھوٹی بڑی کھلی چھپی چیزوں کا علم دیا، اسی کو ما کان و ما یکون سے تعبیر کرتے ہیں۔

جزء ثانی کے متعلق اگرچہ سوال نہیں ہے۔ لیکن جواب میں زیادت تبرع واحسان ہے، اس کا جواز مسلم۔ لہٰذا دونوں جزؤں کو ثابت کرتا ہوں، مگر جزء ثانی کو تتمیم جواب کے بعد فصل سوم میں بیان کیا جائے گا۔

فصلِ اوّل.........

پہلے سوال کا جواب

آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ نبویہ و اقوالِ ائمہ مدعا کے دونوں جزؤں پر روشن دلیل ہیں۔ آیات و احادیث سے استدلال کے طرق مختلف ہیں۔ لیکن سوال میں چوں کہ دیوبندی و بریلوی علما کی کھینچ تان مذکور، دیوبندی اپنے کو پکا حنفی کہتے ہیں۔ سائل نے بھی اپنے کو حنفی ظاہر کیا ہے اور حنفیہ کی کتابوں سے جو بھی متفق علیہ ہوں ثبوت مانگا ہے اور حنفیہ کے متفقہ دلائل چار ہیں۔

اول: قرآن مجید، **دوم:** حدیث شریف، **سوم:** اجماعِ امت، **چہارم:** قیاس

اور کسی مسئلے کی تلاش و استدلال میں ترتیب بھی یہی ہے۔ یعنی سب سے پہلے قرآن مجید پھر حدیث شریف وغیرہ۔

لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے آیاتِ قرآنیہ سے اصولِ حنفیہ کی بنا پر استدلال کیا جائے تاکہ کسی حنفی کو مجالِ گریز اور جائے انکار باقی نہ رہے، کیوں کہ مذہب کے اصول ہی اس مذہب کی بنا و مدار ہوتے ہیں۔ لہٰذا اصول کا انکار مذہب کا انکار ہے۔

حنفیہ کے مسلمہ اصول جو بنائے استدلال ہیں، یہ ہیں۔

جزاول پر استدلال کے متعلق حنفیہ کے اصول:

۱- اول سے آخر تک پورا قرآن مجید ماننا اور سب پر ایمان لانا۔ ایمان کے لیے ضروری ہے تمام قرآن مجید کو مانے اور صرف کسی ایک آیت کا انکار کرے کافر ہے۔

۲- جب دو آیتوں میں اختلاف معلوم ہو یعنی ایک آیت کسی شے کی نفی پر دلالت کرے اور دوسری اسی شے کے اثبات پر تو حتی الامکان ان آیتوں میں تطبیق دی جاتی ہے اور تطبیق کے اصولوں میں سے پہلا اصول یہ ہے کہ اسی نفی اور اثبات کے اگر دو محل صحیح بن سکتے ہیں تو ان دونوں آیتوں کے وہ دو محل قرار دیے جائیں اور آیت نفی کو نفی پر باقی رکھا جائے اور آیت اثبات کو اثبات پر۔

ان اصولوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد مدعا کے جزاول پر یعنی نبی کریم ﷺ کو اللہ عزوجل نے علم غیب عطا فرمایا۔ آیاتِ قرآنیہ ملاحظہ ہوں:

۱- وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ — اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے

مِنَ الْخَيْرِ. (١)
بہت بھلائی جمع کرلی۔ (ترجمۂ رضویہ)

❷- قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ. (٢)
تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔ (ترجمۂ رضویہ)

❸- عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ. (٣)
غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ (ترجمۂ رضویہ)

❹- وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ. (٤)
اور اللہ کی شان نہیں کہ اے عام لوگو تمھیں غیب کا علم دے دے، ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ (ترجمۂ رضویہ)

❺- وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ. (٥)
اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ (ترجمہ رضویہ)

❻- وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا. (٦)
اور تمھیں سکھا دیا جو کچھ تم نہیں جانتے تھے، اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (ترجمہ رضویہ)

❼- ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ. (٧)
یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم خفیہ طور پر تمھیں بتاتے ہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے کہ مریم کس کی پرورش میں رہیں۔ (ترجمہ رضویہ)

❽- ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ. (٨)
یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب انھوں نے اپنا کام پکا کیا تھا اور وہ داؤں چل رہے تھے۔ (ترجمہ رضویہ)

---

(١) قرآن حکیم، سورۃ الاعراف ۷، آیت: ۱۸۸
(٢) قرآن حکیم، سورۃ النمل، ۸۷، آیت: ٦٥
(٣) قرآن حکیم، سورۃ الجن ۷۲، آیت: ۲٦
(٤) قرآن حکیم، سورۃ آلِ عمران ۳، آیت: ۱۷۹
(٥) قرآن حکیم، سورۃ التکویر ۸۱، آیت: ۲٤
(٦) قرآن حکیم، سورۃ النساء ٤، آیت: ۱۱۳
(٧) قرآن حکیم، سورۃ آلِ عمران ۳، آیت: ٤٤
(٨) قرآن حکیم، سورۃ یوسف ۱۲، آیت: ۱۰۲

۹- تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ. (۱) یہ غیب کی خبریں کہ ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔ (ترجمہ رضویہ)

ان ۹/ آیاتِ مذکورہ میں سے پہلی دو آیتوں سے حضور اقدس ﷺ سے علم غیب کی نفی معلوم ہوتی ہے مگر ان کے بعد کی سات آیتیں حضور کے لیے علمِ غیب ثابت کر رہی ہیں۔

پہلے اصول کی بنا پر ان سب آیتوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ دو آیتوں کو دیکھتے ہوئے کوئی شخص مطلق نبیِ کریم ﷺ سے علم غیب کی نفی کرے، یعنی کسی وجہ سے بھی آپ کے لیے علم غیب ثابت نہ مانے تو بعد کی سات آیتوں کا انکار ہوتا ہے۔ اور پہلے ہی اصول میں گزرا کہ قرآن مجید کی کسی ایک آیت کا انکار بھی کفر ہے، چہ جائیکہ سات آیتوں کا انکار۔

اور اگر بعد کی سات آیتوں کو دیکھتے ہوئے حضور ﷺ کے لیے مطلق علم غیب کا اثبات کرے یعنی کسی وجہ سے بھی آپ سے علم غیب کی نفی نہ کرے تو پہلی دو آیتوں کا انکار ہوتا ہے، یہ بھی کفر ہے۔

لہٰذا آیاتِ نفی واثبات دونوں پر عمل کرنے کے لیے اصول تطبیق عمل میں لایا جائے گا۔ کیوں کہ اصولِ تطبیق یہاں جاری ہے، اس لیے کہ آیاتِ نفی واثبات کے دو صحیح محمل ہیں۔ آیاتِ نفی کا مَحَل علم غیب ذاتی واستقلالی ہے اور آیات اثبات کا محمل علم غیب عطائی ہے۔ اس اصول سے دونوں قسم کی آیتوں میں تطبیق ہو کر صاف وصریح یہی نتیجہ نکلا کہ نبیِ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو علم غیب ذاتی نہیں۔ یعنی بغیر خدا کی عطا کے آپ کو علم غیب نہیں اور اللہ عزوجل کی عطا ودین سے حضور کو علم غیب ہے۔

قطع نظر اس اصول کے آیاتِ نفی خود دلیل ہیں کہ ان آیتوں میں صرف علم ذاتی غیر متناہی کی نفی ہے کیوں کہ پہلی آیت:

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ (۲) اگر میں غیب جانتا تو خیر کثیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔

خیر جمع ہونا اور تکلیف نہ پہنچنا یہ علم ذاتی اور استقلالی ہی کو لازم ہے۔ لہٰذا علم ذاتی استقلالی ہی کی نفی ہوئی۔ باب دوم میں اس کی مزید تفصیل آئے گی۔

دوسری آیت:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ. (۳) کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ ھود ۱۱، آیت: ۴۹
(۲) قرآن حکیم، سورۃ الأعراف، آیت: ۱۸۸
(۳) قرآن حکیم، سورۃ النمل، آیت: ۶۵

اس آیت پر غیر خدا سے غیب جاننے کی نفی اور اللہ تعالیٰ کے لیے بطور حصر اس کا اثبات ہے۔ تو لا محالہ غیر خدا سے جس علم غیب کی نفی کی گئی ہے وہی اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت اور اللہ عزوجل کا علم ذاتی غیر متناہی ہے۔ لہٰذا اس علم ذاتی غیر متناہی کی غیر خدا سے نفی ہوئی اور اگر آیت میں غیر خدا سے علم عطائی متناہی کی نفی مانی جائے تو وہی اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہوگا، اور لازم آئے گا کہ اللہ عزوجل کا علم عطائی متناہی ہو، یہ محال و باطل ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ آیاتِ نفی میں علم ذاتی غیر متناہی مراد ہے اور آیاتِ اثبات میں عطائی ہونا ظاہر اور متناہی اس لیے کہ غیر متناہی کی عطا محال ہے۔

لہٰذا دونوں قسم کی آیتوں کو ملانے سے آیات خود بتا رہی ہیں کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا۔ اسی اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ائمۂ کرام نے آیاتِ اثبات کو علم عطائی پر اور آیاتِ نفی کو علم ذاتی استقلالی غیر متناہی پر حمل کیا۔

چناں چہ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ حدیثیہ میں فرمایا:

معناها: لا يعلم ذٰلك استقلالاً وعلم احاطة بكل المعلومات الا الله.(۱)

معنیٰ آیات نفی کے یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو علم استقلالی نہیں۔ نہ اس کے سوا کسی کا علم جمیع معلومات غیر متناہیہ کو محیط۔

شفاے امام قاضی عیاض اور اس کی شرح نسیم الریاض میں ہے:

(هذه المعجزة) فى اطلاعه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على الغيب (معلومة على القطع) بحيث لا يمكن انكارها او التردد فيها لاحدمن العقلاء (لكثرة رواتها و اتفاق معانيها على الاطلاع على الغيب) وهذا لا ينافى الأيات الدالة على انه لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰه و قوله وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ فان المنفى علمه من غير واسطة و اما اطلاعه صلى الله عليه وسلم علمه باعلام الله تعالىٰ له

رسول اللہ ﷺ کا معجزہ علم غیب یقیناً ثابت ہے۔ جس میں کسی عاقل کو انکار یا تردد کی گنجائش نہیں کیوں کہ اس میں حدیثیں بکثرت ہیں اور سب کے معانی اس پر متفق کہ نبی ﷺ کے لیے علم غیب ثابت ہے اور یہ ان آیتوں کے کچھ خلاف نہیں جو بتاتی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور اسی طرح آیت: وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ۔ (میں اگر غیب جانتا تو بہت بھلائی جمع کر لیتا) ان آیتوں میں بلا واسطہ علم غیب کی نفی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم دینے سے نبی ﷺ کو علم غیب ملنا تو یقینی بات ہے کیوں کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے وہ

(۱) امام ابن حجر مکی، فتاویٰ حدیثیہ، ص:۳۱۳، ج:۲، ص:۲۲۳، دار الفکر، بیروت

فامر محقق لقوله تعالیٰ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ.(۱) — اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا، سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

ائمۂ کرام کی ان تصریحات سے صاف واضح ہے کہ آیتوں میں ذاتی کی نفی ہے اور عطائی کا اثبات ہے۔

اہل سنت کا یہی مسلک ہے، یہی عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کا علم نہ ذاتی ہے نہ غیر متناہی، بلکہ اللہ عزوجل کا دیا ہوا علم غیب عطائی و متناہی ہے۔ بفضلہ تعالیٰ یہ عقیدہ جو مدعا کا جزء اول ہے۔ آیاتِ قرآنیہ و اصولِ حنفیہ سے ثابت اور آفتابِ نیم روز کی طرح روشن ہوگیا۔ یہ بھی واضح ہوگیا کہ جو شخص نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے علم غیب کا مطلقاً انکار کرے اور کہے کہ آپ کو اللہ کا دیا ہوا بھی علم غیب نہیں۔ وہ نہ حنفی ہے نہ مسلمان۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ اختلاف مذکور فی السوال میں علمائے بریلی کا قول حق ہے۔ والحق احق بالاتباع۔ یہی امر اول کا جواب ہے جو دلائلِ قاہرہ سے ثابت ہوگیا۔ اسی سے دیوبندیوں کی کھینچ تان بھی ظاہر ہوگئی کہ بوجودے کہ حنفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اصولِ حنفیہ پر عامل نہیں۔ صرف نفی کی آیتیں لیتے ہیں اور اثبات کی آیتیں چھوڑ کر:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ.(۲) — تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو۔ (کنزالایمان)

کے مصداق بنتے ہیں۔ مسلمانوں کو پورے قرآن مجید پر ایمان لانا چاہیے اور یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ عزوجل نے علم غیب عطا فرمایا اور آپ کا علم نہ ذاتی ہے نہ غیر متناہی۔

جواب امر دوم

در مختار اور اس کی شرح ردالمحتار حنفیہ کی نہایت معتبر و مستند کتاب ہے۔ ردالمحتار میں علامہ شامی نے انبیا علیہم السلام کے لیے علم غیب ثابت کیا ہے بلکہ اولیا کو بھی بعض غیب پر مطلع مانا اور اس کو ولی کی کرامت فرمایا ہے۔ عبارت یہ ہے:

و ان الرسل يعرفون بعض الغيب قال تعالىٰ: عالم الغيب فلا يظهر علىٰ غيبه احداً الا من ارتضىٰ من رسول الخ قلت: بل ذكروا في كتب العقائد أن من جملة كرامات الأولياء الاطلاع على — اور بے شک انبیا علیہم السلام بعض غیب جانتے ہیں کیوں کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اللہ عالم الغیب ہے اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو۔ میں کہتا ہوں بلکہ عقائد کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بعض غیب پر مطلع ہونا اولیا کی

---

(۱) قاضی ابو الفضل عیاض یحصبی، الشفاء بحقوق المصطفیٰ، ج:۱، ص:۱۰۳/ نسیم الریاض، ج:۳، ص:۱۵۰

(۲) قرآن حکیم، سورۃ البقرۃ ۲، آیت:۸۵

بعض المغیبات.(۱) کرامتوں میں سے ہے۔

دیکھا، ردالمحتار میں کیسی صاف تصریح ہے کہ انبیاء علیہم السلام غیب جانتے ہیں اور اس کی دلیل میں وہی آیت پیش کی جو اوپر استدلال میں گزری۔ انبیا علیہم السلام کے لیے تو اللہ کا دیا علم غیب ثابت ہی ہے۔ ان کی رفعت شان تو بہت بلند ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کے غلاموں کے لیے تصریح فرمادی کہ اولیا بھی بعض غیب پر مطلع ہیں اور یہ ان کی کرامت ہے اور فرمایا کہ عقائد کی کتابوں میں یہی مذکور ہے۔ لہٰذا حنفیوں کو ردالمحتار پر عمل کرنا چاہیے اور ماننا چاہیے کہ انبیا علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا اور ان کے طفیل سے اولیا بھی علم غیب پر مطلع ہیں۔

جواب امر سوم

جب آیاتِ قرآنیہ سے حضور کے لیے علم غیب ثابت ہے تو یقیناً اس کا منکر کافر، اس پر یہ ہٹ کرنا کہ ایسی صریح عبارت متفق علیہ کتاب میں دکھائی جائے، بے جا ہے۔ مگر بفضلہ تعالیٰ وہ بھی پوری ہوگئی ہے۔ واقعی ایسی صریح عبارت کہ جو شخص نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ یہ عبارت سب سے پہلی متفق علیہ کتاب قرآن مجید میں موجود ہے۔

بغور سنیے کسی شخص کی اونٹنی گم ہوگئی تھی اور پتہ نہ چلتا تھا۔ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری اونٹنی فلاں جنگل میں ہے۔ اس پر ایک منافق نے کہا محمد ہمیں خبر دیتے ہیں کہ اونٹنی فلاں جنگل میں ہے۔ محمد غیب کیا جانیں؟ منافق کے اس انکار پر یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَه لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ.(۲)	اگر تم ان سے پوچھو تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی مشغلے اور کھیل میں تھے۔ تم فرمادو کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے ہو۔ بہانہ نہ بناؤ، تم کافر ہو چکے ایمان کے بعد۔

ابوبکر بن شیبہ استاذ امام بخاری و مسلم اپنے مصنف میں اور امام ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابوالشیخ اپنی اپنی تفسیروں میں امام اجل سیدنا مجاہد شاگردِ خاص عالم قرآن سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں:

انہٗ قال فی قولہ تعالیٰ ولئن سئلتھم لیقولن انما کنا نخوض و نلعب قال: قال رجل من

---

(۱) علامه سيد محمد امين بن عمر عابدين شامی، رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام، ج:۳، ص:۲۷، دار الفكر بيروت

(۲) قرآن حکیم، سورة التوبة ۹، آیت:۶۵

المنافقين يحدثنا محمد ان ناقة فلان بوادي كذا وكذا وما يدريه بالغيب. (۱)

یعنی اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک منافق نے کہا تھا کہ محمد ﷺ ہمیں خبر دیتے ہیں کہ فلاں شخص کی اونٹنی فلاں جنگل میں ہے۔ محمد کو غیب کا کیا علم؟ اس پر اللہ عزوجل نے فرمایا کہ اللہ ورسول سے ٹھٹھا کرتے ہو تم اس کلام کے کہنے سے کافر ہوگئے۔

دیکھا، نبی ﷺ کے علم غیب کا انکار کرنے والے کے کفر پر قرآن مجید کا فتویٰ ہے اور کتنی صریح عبارت: لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ۔ آیت کا لفظی ترجمہ یہی ہے۔ بہانہ نہ بناؤ تم کافر ہوگئے ایمان کے بعد۔

بفضلہ تعالیٰ پہلے سوال کے تینوں جزؤں کا جواب بدلائل قاہرہ ختم ہوا۔ مولا تعالیٰ قبول کی توفیق دے۔

فصل دوم...........

دوسرے سوال کا جواب

پہلے سوال کے جواب میں دلائلِ قاہرہ آیاتِ قرآنیہ سے اصول حنفیہ پر ثابت ہوگیا کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا اور ائمۂ حنفیہ کے فتاویٰ کی تصریح بھی پیش ہوئی۔

امام ابن حجر مکی کے فتاویٰ حدیثیہ کی عبارت ثبوت میں گزری۔ اس میں آیاتِ نفی کو علم ذاتی استقلالی پر ہی محمول کیا، جس سے آیتوں کا مطلب حنفیہ کے نزدیک واضح ہوگیا کہ نفی علمِ ذاتی کی ہے اور ثبوت علم غیب عطائی کا ہے۔ علمائے اہلِ سنت یہی فرماتے ہیں۔

ردالمحتار کی عبارت میں کتنی تصریح گزری کہ رسول اللہ ﷺ علم غیب جانتے ہیں اور اسی آیت سے استدلال کیا جو ہمارے استدلال کی سات آیتوں میں پہلی آیت ہے۔ اس سے بھی واضح ہوگیا کہ علمائے حنفیہ نے آیت کا مطلب یہی قرار دیا ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے۔ آیاتِ قرآنیہ سے یہی ثابت ہوا، اصولِ حنفیہ سے یہی ثابت۔ فتاویٰ واقوالِ علمائے حنفیہ سے یہی ثابت ہوا، اس پر بھی کوئی اپنے کو حنفی کہہ کر اختلاف کرے اور حضور ﷺ کے غیب کا انکار کرے تو بالکل صاف بات ہے کہ وہ انکار کرتا ہے قرآن مجید کا۔ وہ انکار کرتا ہے اصولِ حنفیہ کا۔ وہ انکار کرتا ہے فتاویٰ حنفیہ کا۔ وہ انکار کرتا ہے اقوالِ علمائے حنفیہ کا۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ انکار کرتا ہے اپنے مسلمان ہونے کا۔ وہ انکار کرتا ہے اپنے حنفی ہونے کا۔

لہٰذا ان قاہر دلائل کے بعد کسی مسلمان حنفی کو بغیر اس کے چارہ نہیں کہ وہ یقین کرے کہ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا۔

---

(۱) امام جلال الدین سیوطی، تفسیر در منثور، سورۃ التوبۃ، آیت: ۵۲، ص: ۲۳۰، دار الفکر بیروت ۱۹۹۳ء

رہا یہ کہ باوجودے کہ اللہ عزوجل نے آپ کو علم غیب عطا فرمایا اور اس قدر کثیر دیا کہ آپ پر غیب کے دروازے کھول دیے، پھر بھی آپ کو "عالم الغیب" کہنے میں احتیاط ہے۔ ہاں یوں کہیں گے: آپ غیب جانتے ہیں، غیب پر مطلع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا فرمایا، آپ پر غیب کے دروازے کھول دیے۔ صرف لفظ "عالم الغیب" کے اطلاق میں احتیاط کریں گے، کیوں کہ لفظ "عالم الغیب" قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے اور حضور ﷺ کے لیے اس کا استعمال وارد نہیں۔

اس لیے احتیاط ہے کہ اس لفظ کو اللہ کے لیے مخصوص رکھا جائے، لیکن حضور سے اس کے معنی کی نفی نہیں ہوسکتی، بلکہ دوسرے الفاظ میں اس کے معنیٰ کا اطلاق آپ پر کیا جائے گا، جیسا کہ گزرا۔

جس طرح کہ لفظ "رحمٰن" اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، حضور پر اس کا اطلاق جائز نہیں، حالاں کہ اس کے معنی کا اطلاق علی وجہ المبالغہ آپ پر وارد ہے۔ قرآن مجید میں آپ کو رحمۃ للعالمین فرمایا ہے لیکن لفظ "رحمٰن" کی خصوصیت کی وجہ سے آپ پر رحمٰن کا اطلاق جائز نہیں۔ ایسے ہی لفظ "عزوجل" یہ بھی اللہ رب العزت کے لیے مخصوص ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزت وجلالت ختم ہے ذات محمد ﷺ پر۔

لہٰذا جس طرح لفظ "رحمٰن" اور لفظ "عزوجل" کا اطلاق حضور پر صحیح نہیں لیکن ان کے معنی کا اطلاق دوسرے الفاظ میں صحیح ہے، اسی طرح لفظ عالم الغیب کی خصوصیت کی بنا پر آپ کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں۔ لیکن اس کے معنی ذات گرامی صفات سرور کائنات محمد رسول اللہ ﷺ میں موجود ہیں۔ اس معنی کا اطلاق دوسرے الفاظ میں کرنا صحیح ہے۔ جیسے یوں کہنا کہ حضور ﷺ غیب جانتے ہیں۔ آپ غیب پر مطلع ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا فرمایا، آپ پر غیب کا دروازہ کھولا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ دونوں سوالوں کا جواب مختصر دلائل قاہرہ کی روشنی میں ختم ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلك. مولا عزوجل مسلمانوں کو قبول کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

علم ماکانَ ومایکون

نبی کریم ﷺ کو اللہ عزوجل نے روزِ ازل سے روزِ آخر تک زمین وآسمان کی کل کائنات تمام موجودات کا علم تفصیلی عطا فرمایا۔ عرش تا فرش ہر شے آپ پر روشن کردی حتیٰ کہ زمین کی تاریکیوں، سمندر کی گہرائیوں میں کوئی ذرہ ایسا نہیں جو حضور ﷺ سے مخفی ہو۔ اسی کو علمِ ماکان ومایکون کہتے ہیں۔ مدعا پر آیات واحادیث واقوالِ ائمۂ دین بکثرت ہیں۔ اول آیات سے اصول حنفیہ پر استدلال کروں گا، اس کے بعد احادیثِ کریمہ واقوالِ ائمہ پیش کروں گا۔

آیاتِ قرآنیہ سے عَلم ماکان ومایکون کا ثبوت:

...(آیات واحادیث سے استدلال پر حنفیہ کے مسلمہ اصول)...

❶-نکرہ تحت نفی مفید عموم ہے۔لفظ کل عموم میں محکم ہے جب نکرہ پر داخل ہوتا ہے تو مدخول کے ہر ہر فرد کے لیے حکم ثابت ہوتا ہے۔(توضیح تلویح)

❷-عام اپنے مدلولات کے لیے افادۂ حکم میں قطعی ہے۔(عامہ کتب اصول)

❸-قرآن و حدیث کے نصوص ہمیشہ اپنے ظاہر پر رہیں گے ، بغیر دلیل شرعی ظاہر معنی سے پھیرنا گم راہی ہے۔(شرح عقائد نسفی)

❹-تخصیص عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی نہ اس کے اعتماد پر کسی ظنی سے تخصیص ہو سکے گی۔ (توضیح)

❺-حدیث احاد کیسی ہی ہو، اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو، عموم قرآن کی تخصیص نہیں کر سکتی۔اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو عموم قرآن کو ترجیح ہوگی اور حدیث متروک ہو جائے گی۔

یعنی اگر قرآن مجید سے کسی حکم کی تعمیم ثابت ہو اور حدیث احاد اس حکم کی تخصیص پر دلالت کرے تو اگر تخصیص و تعمیم کے دو محل صحیح بن سکتے ہیں اور تطبیق ہو سکتی ہے تو حدیث و قرآن دونوں پر عمل کیا جائے گا۔ورنہ قرآن مجید اپنے عموم پر باقی رہے گا اور حدیث احاد متروک ہو جائے گی۔(نور الانوار، اصول الشاشی وغیرھما)

حنفیہ کے ان اصول کو نظر میں رکھتے ہوئے حضور ﷺ کے علم ماکان ومایکون پر آیاتِ قرآنیہ ملاحظہ ہوں:

❶-وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ. (۱)
اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت اور بشارت مسلمانوں کو۔

❷-مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ. (۲)
یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں، لیکن اپنے سے اگلے کاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان۔

❸-مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ. (۳)
ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔

جب قرآن مجید ہر شے کا روشن اور تفصیلی بیان ہے اور اہلِ سنت کے نزدیک شیٔ ہر موجود کو کہتے ہیں تو پہلے ہی اصول کی بنا پر عرش تا فرش ساری کائنات جملہ موجودات، اس بیان کے احاطہ میں داخل ہوئے، کیوں کہ آیتوں میں لفظ کل شیٔ پر داخل ہوا ہے۔شی نکرہ ہے اور اصول میں گزرا کہ لفظ کل جب نکرہ پر داخل ہو تو اس کے ہر ہر فرد کے لیے حکم ثابت ہوتا ہے۔

لہٰذا اس اصول کی بنا پر قرآن مجید تمام موجودات کا روشن اور تفصیلی بیان ہوا اور منجملہ موجودات کتابت لوحِ

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ النحل۱۶، آیت:۸۹
(۲) قرآن حکیم، سورۃ یوسف۱۲، آیت:۱۱۱
(۳) قرآن حکیم، سورۃ الانعام۶، آیت:۳۸

محفوظ بھی ہے۔ تو بالضرورت یہ بیانات اس کے مکتوبات کو بالتفصیل شامل ہوئے اور لوحِ محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے قرآن مجید اس کا روشن اور تفصیلی بیان ہوا۔ اب قرآن مجید سے پوچھو کہ لوحِ محفوظ میں کیا لکھا ہے:

قال اللہ تعالیٰ: وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ. (۱) اور ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔

وقال اللہ تعالیٰ: وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ. (۲) اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں۔

وقال اللہ تعالیٰ: وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ. (۳) کوئی دانہ نہیں زمین کی تاریکیوں میں اور نہ کوئی تر نہ خشک مگر یہ کہ سب ایک روشن کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

قرآن مجید نے بتایا کہ ہر خشک و تر، چھوٹی بڑی، خواہ وہ زمین کی تاریکیوں میں ہو یا سمندر کی گہرائیوں میں ہر ہر چیز لوحِ محفوظ میں لکھی ہے اور جو کچھ لوحِ محفوظ میں لکھا ہے وہ شیٔ ہے۔ قرآن مجید اس کا روشن اور مفصل بیان ہے۔

لہٰذا پہلے ہی اصول کی بنا پر قرآن مجید بلا استثنا ہر چھوٹی بڑی، کھلی چھپی شے کا روشن و مفصل بیان ہوا۔ پھر بیان بھی کیسا۔ قطعی، یقینی، حتمی، جزمی کہ جس کے پاس نہ شبہہ کا گزر نہ شک کی مجال، کیوں کہ دوسرے اصول میں مصرح ہوا کہ عام اپنے مدلولات کے لیے حکم ثابت کرنے میں مثل خاص کے قطعی ہے۔ اور تیسرے اصول کی بنا پر یہ تعمیم اپنے ظاہر پر ہی رہے گی، کیوں کہ بے ضرورت شرعی نص کو ظاہر سے پھیرنا گمراہی ہے۔ البتہ عقلاً غیر متناہی کی تخصیص ہے اور یہ ضرورت شرعی ہے، جیسے: اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سے واجب اور ممتنع کی تخصیص اور تخصیص عقلی چوتھے اصول کی بنا پر عام کو قطعیت سے نہیں نکالتی۔ نہ اس کے اعتماد پر کسی ظنی سے تخصیص جائز۔ لہٰذا ابتداے آفرینش سے قیامت تک جمیع ماکان ومایکون کو قطعاً و یقیناً شامل۔

لہٰذا ان چاروں اصول کی بنا پر آیات مذکورہ کے یہ معنی ہوئے کہ قرآن مجید حتماً جزماً یقیناً بلا تخصیص بغیر استثنا جمیع ما کان ومایکون کا روشن اور مفصل بیان ہے اور قرآن مجید کا کافی و وافی و شافی بیان اللہ عز و جل نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ کو تعلیم فرمایا:

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ. (٤) بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمے ہے تو جب ہم اسے پڑھ چکیں، اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو، پھر بے شک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمے ہے۔ (کنز الایمان)

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ القمر ٥٤، آیت: ۵۳

(۲) قرآن حکیم، سورۃ یٰسٓ ۳۶، آیت: ۱۲

(۳) قرآن حکیم، سورۃ الانعام ٦، آیت: ۵۹

(٤) قرآن حکیم، سورۃ القیٰمۃ ۷۵، آیت: ۱۷ – ۱۹

لہٰذا بلا پس و پیش، بے ہیر پھیر نص صریح قطعی سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ جمیع ما کان و ما یکون کے عالم ہیں۔ اور یہ وصف تبیاناً لکل شئ چوں کہ پورے قرآن مجید کا ہے، نہ ہر آیت و سورت کا، لہٰذا ختم نزول قرآن مجید سے قبل اگر بعض اشیا کے علم کی نفی ہو تو وہ ہرگز مخل مقصود نہیں، جیسے بعض انبیا علیہم السلام کی نسبت ارشاد ہے: وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ. یا بعض منافقین کی نسبت فرمایا: "لا تعلمهم" اس قسم کی کوئی آیت بھی پورے قرآن مجید کے تبیاناً لکل شئ ہونے کے ہرگز منافی اور احاطۂ علم مصطفوی کے نافی نہیں۔

رہے واقعات و روایات۔ اگر ان کی تاریخ مجہول ہے تو لا محالہ ختم نزولِ قرآن مجید سے قبل کے ہیں اور اگر معلوم ہے تو وہ دو حال سے خالی نہیں۔ ختم نزول سے قبل یا بعد۔ اگر قبل کے ہیں تو ہرگز مدعا کے مخالف نہیں اور اگر بعد کے ہیں اور مدعا ے مخالف میں نص صریح نہیں، تو ان سے استناد محض غلط۔ مخالفین جس قدر واقعات و روایات آیت قطعیہ کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں، اسی قسم کے ہیں۔ ان آیات کے خلاف پر اصلاً ایک دلیل صحیح صریح قطعی الافادہ وہ نہیں دکھا سکتے اور اگر بفرض غلط تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ حدیث اصول (۱)-(۵) کی بنا پر ان آیاتِ قرآنیہ قطعی الدلالہ کے حضور مضمحل ہو کر خود متروک ہو جائے گی۔

لہٰذا آیات قرآنیہ سے اصولِ حنفیہ کی بنا پر قطعاً و یقیناً حتماً و جزماً ثابت ہوا کہ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب عالم محمد ﷺ کو ختم نزولِ قرآن تک جمیع ما کان و ما یکون کا علم تفصیلی عطا فرمایا۔

مسلمان خصوصاً حنفی کو اپنے اصول کو مانتے ہوئے اور آیاتِ قرآنیہ پر ایمان رکھتے ہوئے ماننا پڑے گا اور سر جھکانا پڑے گا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو خداوند قدوس نے جمیع ما کان و ما یکون کا علم تفصیلی عطا فرمایا۔ منکرین و مخالفین ان کو دعوتِ عام ہے کہ سب جمع ہو کر ساری طاقتیں کام میں لا کر ایک آیت قطعی الدلالہ یا ایک حدیث متواتر یا مشہور قطعی الافادہ چھانٹ لائیں جس سے صاف صریح طور پر ثابت ہو کہ تمامی نزولِ قرآن عظیم کے بعد یہی اشیا مذکورہ ما کان و ما یکون کے خلاف شے حضور پر مخفی رہی جس کا علم حضور کو دیا ہی نہ گیا ہو:

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ. (۱)	اگر ایسی نص نہ لا سکو اور ہم اعلان کر دیے ہیں کہ ہرگز نہ لا سکو گے تو خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ راہ نہیں دیتا دغا بازوں کے مکر کو۔

الحمد للہ رب العالمین. والصلوٰۃ علیٰ حبیبہ سید المرسلین.

(۱) قرآن حکیم، یوسف، پ:۱۲، آیت:

احادیث سے علم ماکان وما یکون کا ثبوت

احادیثِ کریمہ اس جلیل مقصد پر بے حد و بے شمار ہیں مگر بنظر اختصار چند حدیثوں پر اکتفا کیا جاتا ہے:

حدیث(۱)- عن عمر قال قام فینا رسول الله صلی الله علیه وسلم مقاما فأخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل أهل الجنة منازلهم و أهل النار منازلهم حفظ ذلك من حفظه و نسیه من نسیه. رواه البخاری.(۱)

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک بار نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم میں کھڑے ہو کر ابتدائے آفرینش سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک کا حال، ہم سے بیان فرمادیا۔ جس نے یاد رکھا، یاد رکھا، جو بھول گیا بھول گیا۔

امام اجل علامہ محمود عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م:۸۵۵ھ) عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

فیه دلالة علی انه اخبر فی المجلس الواحد بجمیع احوال المخلوقات من ابتدائها الیٰ انتهائها و فی ایراد ذلك كله فی مجلس واحد امر عظیم من خوارق العادة.(۲)

یہ حدیث دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ہی مجلس میں اول سے آخر تک کی تمام مخلوقات کے تمام احوال بیان فرمادیے اور اس سب بیان کا ایک مجلس میں فرمادینا نہایت عظیم معجزہ ہے۔

امام حافظ الحدیث عسقلانی (م:۸۵۲ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

دل ذٰلك علیٰ انه اخبر في المجلس الواحد بجمیع احوال المخلوقات منذ ابتدأت الیٰ أن یفنيٰ إلیٰ ان تبعث فشمل ذٰلك الأخبار عن المبدء والمعاش والمعاد وفي تیسیر ذٰلك كله في مجلس واحد من خوارق

یہ حدیث دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ہی مجلس میں تمام مخلوقات کے احوال جب سے خلقت شروع ہوئی، جب تک فنا ہوگی، جب تک اٹھائی جائے گی، سب بیان فرمادیے تو یہ بیان شروع آفرینش و دنیا و محشر سب کو محیط تھا اور یہ سب ایک

---

۱) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفتن، باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیهم الصلوٰۃ والسلام، ص:۵۰۶، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور

۲) علامہ محدث بدر الدین احمد عینی، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج:۱۰، ص:۵٤٤، دار فکر، بیروت

العادة امر عظیم. (۱)

مجلس میں بیان فرمانا نہایت عظیم معجزہ ہے۔

امام احمد قسطلانی (م:۹۲۳ھ) رحمۃ اللہ علیہ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

أخبرنا مبتدأ من بدء الخلق حتی انتهیٰ الیٰ دخول أهل الجنة الجنة دل ذٰلك علیٰ انه ﷺ اخبر بجميع احوال المخلوقات منذ ابتدأت الیٰ ان تفنیٰ الیٰ أن تبعث و هذا من خوارق العادات. ففيه تيسير القول الكثير فی الزمن القليل. (۲)

یہ حدیث دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام مخلوقات کے احوال جب سے خلقت پیدا ہوئی، جب تک فنا ہوگی، جب تک پھر زندہ کی جائے گی سب بیان فرمادیے اور یہ معجزہ ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور کے لیے اتنا کثیر کلام اتنے قلیل زمانے میں آسان فرمادیا۔

علامہ طیبی (م:۷۴۳ھ) شرح مشکوٰۃ وعلامہ علی قاری (م:۱۰۱۴ھ) نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث مذکور کا یہی مطلب بیان فرمایا۔ بخاری ومسلم کی حدیث ہے۔

عن حذيفة قال: قام رسول الله ﷺ مقاماً ما ترك شيئا يكون فی مقامه ذٰلك الیٰ قيام الساعة إلا حدث به حفظه من حفظه و نسيه من نسيه. (۳)

حضرت حذیفہ ؓ نے فرمایا کھڑے ہوئے ہم میں رسول اللہ ﷺ، نہیں چھوڑی کوئی شے جو ہونے والی ہے اس مقام میں مگر بیان فرمادیا اس کو یاد رکھا جسے یاد رہا، بھول گیا، جو بھول گیا۔

عن عمرو بن اخطب الانصاری قال صلی بنا رسول الله ﷺ يوما الفجر و صعد علی المنبر فخطبنا حتی حضرت الظهر فنزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس فاخبرنا بما هو

عمرو بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نمازِ فجر پڑھا کر منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ فرماتے رہے، یہاں تک کہ ظہر کا وقت آگیا۔ اتر کر نماز پڑھی پھر منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ فرماتے رہے یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا، اتر کر نماز پڑھی پھر منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ فرماتے رہے یہاں تک کہ آفتاب چھپ گیا۔ اس

---

(۱) علامہ امام شہاب احمد بن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح بخاری، ج:۱۶، ص:۲۱۹، مکتبۃ الغزالی.

(۲) علامہ احمد بن محمد طیب قسطلانی، ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، ج:۷، ص:۱۱۲

(۳) علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ شریف، ص:۴۶۱، مجلس برکات، مبارک پور

كائن الیٰ یوم القیٰمة قال فاعلمنا احفظنا رواہ مسلم. (۱)
دن حضور نے ماکان و مایکون بتا دیا۔ ہم میں سے زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ یاد رہا۔

ان احادیثِ کریمہ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے علم ماکان و مایکون ثابت ہوا۔ ائمۂ کرام و محدثین عظام نے ان احادیث کی شروح میں یہی بیان فرمایا: کہ ابتدائے آفرینش سے ختم دنیا تک اور جنتیوں کے جنت میں جانے اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک ہر ہر چیز کو حضور عالِم ماکان و مایکون نے صحابہ سے بیان فرمایا۔ باقی یاد رہنا، نہ رہنا نہ بیان کی شرط نہ تعلیم کا موقوف علیہ۔ پھر یاد رکھنے والوں کو یاد بھی رہا۔ جن صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خداوند قدوس نے ضبط و حفظ کی توفیق دی، وہ قیامت تک کے تمام واقعات اور ظہور میں آنے والے حالات کے عالم تھے اس علم کا اظہار فرماتے اور خبر دیتے تھے۔

امام ابو عمر بن عبد البر کتاب العلم میں ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ نے میرے سامنے خطبہ میں فرمایا:

سلونی فو اللہ لا تسئلونی عن شئ یکون الیٰ یوم القیٰمة الا حدثتکم بہ. (۲)
مجھ سے پوچھو کہ خدا کی قسم قیامت تک جو چیز ہونے والی ہے مجھ سے پوچھو جو کچھ پوچھو میں بتا دوں گا۔

مولانا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشادِ عالی کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمام موجودات، ساری کائنات کا مجھے علم ہے۔ قیامت تک جو چیز ہونے والی ہے، میرا علم اسے محیط ہے جبھی تو فرمایا کہ پوچھو قیامت تک ہونے والی ہر بات بتا دوں گا۔

ہر بات بتانے کا وہی دعویٰ کر سکتا ہے جسے ہر بات کا علم ہو۔ آخر یہ علم مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کس نے دیا۔ قرآن مجید نے فرمایا ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیا ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ. (۳)
وہ رسول تم کو کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔

اور فرمایا:

يُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ. (٤)
رسول تمھیں سکھاتے ہیں جو تم نہ جانتے تھے۔

حضور کے تعلیم یافتہ درس گرفتہ حضرات کی یہ شان ہے، حضور کے علوم کی کیا حد و نہایت۔

بفضلہ تعالیٰ احادیث صحیحہ صریحہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم ماکان و مایکون ثابت ہوا۔

---

(۱) علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ شریف، ص: ٥٤٣، مجلس برکات، مبارک پور
(۲) أبو عمرو یوسف بن عبد البر، جامع بیان العلم و فضلہ، ج: ۱، ص: ٢٢٤، مطبع دار ابن حزم
(۳) قرآن حکیم، البقرۃ ۲، آیت: ۱٥۱
(٤) قرآن حکیم، البقرۃ ۲، آیت: ۱٥۱

اقوالِ ائمۂ کرام سے علم ماکان ومایکون کا ثبوت

شیخ محقق مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ (م:۱۰۵۲ھ) اپنی کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں تحت حدیث "فعلمت ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض" فرماتے ہیں:

پس دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمین بود عبارت است از حصول تمامۂ علوم جزئی وکلی واحاطۂ آں۔ (۱)

پس جان لیا میں نے ہر چیز کو جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے یعنی تمام علوم جزئی وکلی حاصل ہو گئے اور سب کا احاطہ کر لیا۔

امام بن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے تحت فرمایا:

فعلمت ما فی السمٰوٰت والارض ای جمیع الکائنات التی فی السمٰوٰت بل وما فوقھا و جمیع ما فی الارضین السبع بل وما تحتھا. (۲)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا کہ میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس قدر موجودات ساتوں آسمان میں ہیں بلکہ وہ بھی جو ان سے اوپر ہیں اور جس قدر کائنات ساتوں زمینوں میں ہیں بلکہ وہ بھی جو ان سے نیچے ہیں، سب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم میں آگئیں۔

امام بوصیری (م:۶۹۶ھ) ام القریٰ میں فرماتے ہیں:

وسع العالمین علما و حلما
فھو بحر لم تعیہ الاعباء. (۳)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم تمام جہان کو محیط ہے۔

امام بن حجر بھی اس کی شرح افضل القریٰ میں فرماتے ہیں:

لان اللہ تعالیٰ اطلعه علی العالم فعلم علم الاولین و الآخرین وماکان وما یکون.. (٤)

یہ اس لیے کہ بے شک اللہ عز وجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہان پر اطلاع بخشی تو سب اگلوں پچھلوں اور ماکان ومایکون کا علم حضور کو حاصل ہو گیا۔

علامہ خفاجی ((م:۱۰۶۹ھ) نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

---

(۱) شیخ عبد الحق محدث دهلوی، اشعة اللمعات شرح مشکوٰة، ج:۱، ص:۳۵۷، المکتبة الحلبیة، کوئٹہ، پاکستان

(۲) مرقاة شرح مشکوٰة، ج:۲، ص:۶۰۹. باب المساجد و مواضع الصلوٰة.

(۳) القصیدة الهمزیة المسماة ام القری، شعر نمبر:۱۳۳.

(٤) المنح المکتبة فی شرح الهمزیة المسمیٰ افضل القریٰ لقراء ام القری، ص:۳۰۵، دار المنهاج، بیروت.

انه ﷺ عرضت عليه الخلائق من لدن أدم عليه الصلوٰة والسلام الى قيام الساعة فعرفهم كلهم كما علم أدم الاسماء. (۱)

آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کی تمام مخلوقات الٰہی حضور سید عالم ﷺ پر پیش کی گئیں، حضور نے جمیع مخلوقات گزشتہ و آئندہ سب کو پہچان لیا، جس طرح آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھائے گئے تھے۔

امام ابن حجر مکی مدخل اور امام قسطلانی مواہب میں فرماتے ہیں:

قد قال علمائنا رحمهم الله تعالیٰ لافرق بين موته وحياته ﷺ فی مشاهدته لامته ومعرفته باحوالهم ونيّاتهم و عزائمهم و خواطرهم وذٰلك جلی عنده لاخفاء به. (۲)

بے شک ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ کی حیات دنیوی اور اس وقت کی حالت میں کچھ فرق نہیں ہے اس بات میں کہ حضور اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں، ان کے ہر حال، ان کی ہر نیت، ان کے ہر ارادے اور ان کے دلوں کے ہر خطرہ کو پہچانتے ہیں۔ یہ سب چیزیں حضور پر ایسی روشن ہیں جن میں اصلاً کسی طرح کی پوشیدگی نہیں۔

حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدارج النبوۃ شریف میں فرماتے ہیں:

وبدانکہ وے ﷺ می بیند و می شنود کلام ترا، زیراکہ وے ﷺ متصف ست بصفات اللہ تعالیٰ و یکے از صفات الٰہی آنست کہ انا جلیس من ذکرنی۔ (۳)

اور یقین کر حضور ﷺ تجھے دیکھتے ہیں اور تیرا کلام سنتے ہیں اس لیے کہ حضور ﷺ اللہ کی صفات کے ساتھ متصف ہیں اور صفاتِ الٰہی سے ایک صفت ہر ذاکر کے پاس موجود ہونا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م:۱۷۶۳ھ) فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں:

فاض علی من جنابه المقدس ﷺ كيفية ترقی العبد من حيزه الیٰ حيز المقدس فيتجلّٰی لهٗ كل شئ كما اخبر عن هذا المشهد فی قصة المعراج المنامی. (٤)

حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ سے مجھ پر اس حالت کا علم فائض ہوا کہ بندہ اپنے مقام سے مقامِ مقدس تک کیوں کر ترقی کرتا ہے کہ ہر چیز اس پر روشن ہو جاتی ہے، جس طرح حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے اس مقام سے معراجِ خواب کے قصہ میں خبر دی۔

---

(۱) علامہ شہاب الدین خفاجی مصری، نسیم الریاض، شرح شفا، ج:۳، ص:۱۵۰، پور بندر، گجرات
(۲) الملة التوفيقة، ج:۳، ص:۵۹۵، قاہرہ، مصر
(۳) شیخ عبد الحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ، ج:۲، ص:۶۲۱
(٤) فیوض الحرمین مع اردو ترجمہ سعادتِ کونین، ص:۷۳، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، سندھ

حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ (م:۶۷۲ھ) اپنی مثنوی شریف میں حدیث ذکر فرماتے ہیں جس میں موزہ وعقاب کا ذکر ہے۔اس حدیث میں ہے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

گرچہ ہر غیبے بے خد امارا نمود دل دراں لحظہ بخود مشغول بود

حضرت مولانا بحر العلوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م:۱۲۲۵ھ) اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

معنی بیت چنیں است کہ بسبب استغراق توجہ باکوان نبود پس بعض اکوان مغفول عنہ ماندوایں وجہ وجیہ است۔

بیت کے معنی یہ ہیں کہ استغراق کے سبب حوادثِ عالم کی طرف توجہ نہیں ہوتی اس لیے بعض حوادث بے توجہ رہ جاتے ہیں اور یہ توجیہ بہتر ہے۔

علامہ شنوانی رحمہ الباری (م:۸۱۷ھ) جمع النہایہ میں فرماتے ہیں:

قد ورد ان اللہ تعالیٰ لم یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی اطلع علی کل شیئ۔

بے شک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا سے نہ لے گیا جب تک حضور کو جمیع موجودات کا علم عطا نہ فرمادیا۔

حضرت فاضل ابن عطیہ علیہ الرحمہ فتوحات وہبیہ شرح اربعین امام نووی میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم قیامت عطا ہونے کے باب میں فرماتے ہیں:

الحق کما قال جمع ان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ لم یقبض نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حتی اطلعہ علی کل ما ابھمہ عنہ الا انہ امر بکتم بعض والاعلام ببعض.

حق وہ قول ہے جو ایک جماعتِ علما نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ لے گیا یہاں تک کہ جو کچھ حضور سے مخفی رہا تھا سب کا علم حضور کو عطا فرمادیا۔ مگر یہ کہ بعض کے پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا اور بعض کے ظاہر کرنے کا۔

حضرت مولانا ملک العلما بحر العلوم عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ خطبہ حواشی میر زاہد رسالہ میں فرماتے ہیں:

علمہ علوماً بعضھا ما احتویٰ علیہ القلم الاعلیٰ و ما استطاع علیٰ احاطتھا اللوح الاوفی لم یلد ام الدھر مثلہ من الازل ولا یلد الی الابد فلیس لہٗ ممن فی السمٰوٰت والارض کفو احد. (۱)

اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ علوم تعلیم فرمائے کہ قلم اعلیٰ (جس نے تمام ما کان وما یکون لکھا) اس کے بعض ہی پر مشتمل ہوا اور لوحِ محفوظ بھی حضور کے علوم کا احاطہ نہ کر سکی۔ زمانہ میں ازل سے ابد تک ان کا مثل ہوا، نہ ہو، تو تمام آسمانوں اور زمینوں میں ان کے جوڑ کا نہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں فرماتے ہیں:

(۱) بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی، حاشیہ میر زاھد، ص:۲

و بحسب عقله كانت معارفه ﷺ الى سائر ما علمه الله تعالىٰ و اطلعه عليه من علم ما يكون و ما كان و عجائب قدرته و عظيم ملكوته قال الله تعالىٰ "و علمك ما لم تكن تعلم و كان فضل الله عليك عظيما". حارت العقول فى تقدير فضله عليه وخرست الالسنة دون وصف يحيط بذالك او ينهىٰ اليه. (۱)

نبی کریم ﷺ کو ان کی عقل کامل کے موافق ان تمام علوم کی معرفتیں ملیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے اور آپ کو ما کان و ما یکون پر مطلع فرمایا اور اپنی قدرت کے عجائب اور ملکوت کے غرائب پر اطلاع بخشی۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے "اے محبوب جو آپ نہ جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سب سکھا دیا اور اللہ کا فضل آپ پر عظیم ہے"۔ حضور کی فضیلت کے اندازہ میں عقلیں حیران ہیں اور آپ کی تعریف کا احاطہ کرنے اور اس کی انتہا تک پہنچنے میں زبانیں گونگی ہیں۔

علامہ امام محمد بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سرکار محمد ﷺ کی شان میں عرض کرتے ہیں:

و من جودك الدنيا و ضـــرتها
و من علومك علم اللوح و القلم (۲)

یا رسول اللہ! دنیا و آخرت دونوں حضور کی بخشش سے ایک حصہ ہیں اور لوح و قلم کا علم (جس میں تمام ما کان و مایکون ہے) حضور کے علم سے ایک ٹکڑا ہے۔

علامہ علی قاری رحمہ الباری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

علمها ان يكون سطرا من سطور علمه ثم مع هذا من بركة وجوده ﷺ.

لوح و قلم کا تمام علم (جس میں تمام ما کان و مایکون بالتفصیل درج ہے) حضور ﷺ کے دفترِ علم سے ایک سطر ہی تو ہے پھر بایں ہمہ وہ حضور ہی کی برکت سے ہے۔ ﷺ

نوٹ: مصنف علیہ الرحمۃ نے اس رسالہ کو دو باب پر منقسم فرمایا تھا۔ پہلا باب علم غیب عطائی کا ثبوت اور سوالوں کے جواب ہیں اور دوسرا باب مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات اور دیوبندی فتوؤں کے رد میں۔ ابھی پہلا باب ہی مکمل ہو پایا تھا کہ قلت وقت اور کثرت مصروفیات اس راہ میں اس طرح حائل ہوئیں کہ بہت سارے علمی شہ پاروں سے ہم محروم رہ گئے اور علم و تحقیق کا یہ باب تشنہ رہ گیا۔

☆☆☆

(۱) قاضی ابو الفضل عیاض یحصبی، شفا شریف، ج:۱، ص:۱۰۳، برکات رضا، پور بندر، گجرات.
(۲) شیخ صرف الدین محمد بن سعید البوصیری، قصیدۃ البردہ، ص:٦۱، مجلس برکات، مبارک پور

فرقۂ ناجیہ

فرقۂ ناجیہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلۂ ذیل میں:

مکرمی! گزارش خدمتِ عالی میں یہ ہے کہ میں شکوکِ ذیل کا شکار ہو گیا ہوں واوہامِ باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ کے زغہ میں گھر گیا ہوں۔ ہر چند کوشش کرتا ہوں مگر جنود شیاطین نکلنے نہیں دیتے۔ بارہا اس پر غور کیا مگر میری اس ناقص فہم نے میری رہبری نہیں کی۔ لہٰذا در بارِ والا کبار میں محض اصلاح و رفعِ شکوک کے لیے تحریر کر رہا ہوں۔

اول یہ کہ کتاب اللہ کا نزول محض عباد اللہ کو کفر کے دفترِ ظلم سے نکال کر ضیاے اسلام میں لانا ہے۔ اس لیے کتاب اللہ فارق بین الکفر والایمان ہے، تو قرآن مجید سراپا ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اور اس کا ہر نقطہ اور حرکت و سکون مشعلِ ہدایت ٹھہرا۔ یہی میرا ایمان ہے اور ہر مسلمان اس پر ایمان رکھتا ہے۔

دوسرے یہ کہ بعد مرتبۂ کتاب اللہ کے مرتبۂ سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے جیسا کہ معجزہ قرآن کا شمعِ ہدایت ہے ویسا ہی مرتبہ علی وجہ الاتم سنت رسول اللہ کا ٹھہرا۔ تو نجات عباد اللہ کی انھیں ہر دو دامنِ رہ نما سے وابستگان کی ہوگی، کیوں کہ فرمان محبوب المنان کے آخری وقت کی وصیت سے ظاہر ہے:

ترکت فیکم کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ ان کنتم بایہما اقتدیتم فاہتدیتم.

تو ہر دو رہ نمائے اعظم مشعلِ ہدایت دکھاتے ہوئے بجانب صراطِ مستقیم دعوت دے رہے ہیں اور یوم الجزا تک دیتے رہیں گے۔ اگر کسی نے بھی خواہ وہ کہیں کا متوطن ہو اگر مقتدائے اعظم کی اقتدا کر لی تو وہ کشتیِ نجات پر سوار ہو کر ساحلِ نجات پر اتر جائے گا اور دفترِ عباد الصالحین میں نام زد ہو جائے گا اور کلیدِ جنتِ سعید اس کے ہاتھ میں دے دی جائے گی اور یہ بالکل صحیح اور درست ہے کہ فرمانِ محبوب العزت ہے:

من قال لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فدخل الجنۃ. (۱)

اس قسم کے بہت سے اقوالِ صحیحہ اور تحریرِ رفیعہ بندگانِ جنتِ نعیمہ کے مرقوم و مقول ہیں۔ جب تک میں ان دونوں حد میں محدود رہتا ہوں تو اشجارِ مقصود بار آور معلوم ہوتے ہیں اور امیدِ دنیا پر شباب معلوم ہوتی ہے۔ مگر جب میں اپنے مرکبِ عقلی کو میدانِ توسیع کی جانب موڑتا ہوں اور تبصرۂ حاضرہ پر غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ جمیع مذاہب دعوت الحق دے رہے ہیں کہ اے گم کردگانِ متاعِ دین صراطِ مستقیم کو پس ماندہ چھوڑ کر دور نکل کر بھٹک رہے ہو۔ آؤ

(۱) علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ شریف، ص:۱۴، کتاب الایمان، مجلس البرکات، اشرفیہ، مبارک فور

صراطِ مستقیم پر سوار کیے دیتا ہوں۔ بلا خوف و خطر آنکھیں بند کیے ہوئے سفر کرتے رہو اور اسٹیشن مقصود پر ٹکٹ کلمۂ توحید دکھاتے ہوئے چلے جانا۔

ہر مذہب بلا تخصیص عام ازیں کہ وہ قادیانی ہو یا مرزائی، بہائی ہو یا خارجی، نیچری ہو یا رافضی، قدریہ ہو یا جبریہ، جہمیہ ہو یا دیوبندیہ یا غیر مقلد ہو یا مذہب حقہ اہل سنت و جماعت ہو۔ ہر مذہب اور ہر فرقہ دعوتِ اسلام پر مدعو کر رہا ہے کہ ادھر ہی آؤ، رہ نمائے حق یہ مذہب ہے، میں اس مذہب کا ذمہ دار ہوں۔ اگر دوسری جانب رخ کیا تو چلتے چلتے جہنم کے گڈھے میں گر جاؤ گے۔ اگر توحید کے متوالے نے سوال کیا کہ حضرت آپ کے پاس مذہبِ حق ہونے کی دلیل کیا ہے تو دلیل آیتِ قرآن اور ٹکڑے حدیث کے پیش کرتے ہیں۔ اور یہی طریقہ ہر مذہب کے پجاریوں کا ہے کہ اپنے مذہب کے مطابق آیتِ قرآن و حدیث پیش کرتے ہیں مگر حق جو ہے وہ آفتاب سے زیادہ روشن اور ظاہر و باہر ہے، کیوں کہ صدفِ دنیا میں مذہب درِ یتیم گراں مایہ اور بیش قیمت سوائے واحد دوسرا نہیں ہو سکتا ہے۔ جس طریقہ سے صلبِ جبل میں واحد اور ایک لعل بدخشاں کے دوسرا نہیں ہو سکتا اور شیرنی کے بچوں میں سوائے شیر نر ایک کے دوسرا اس صفت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ باقی سب تیندوے ہیں اور سبعہ سیارہ میں سیارہ کہلانے کے سب مستحق ہیں۔ مگر جو عزت و شرف سیارہ آفتاب کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے سیارہ کو حاصل نہیں۔ یہ اصل ہے باقی سب فرع ہیں، کیوں کہ منطقیین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس میں ذاتی روشنی ہے باقی سب اس کے صدقے میں روشن جیسا کہ القمر مستفاد من نور الشمس سے ظاہر ہے۔ اگر ما سوائے شمس کے باقی سادس سیارے اس بات کا دعویٰ کریں کہ مجھ میں ذاتی روشنی ہے تو باطل و کاذب ہیں۔

یہ جمیع مذاہب سوائے کے دلیل اصغر تھی، مگر دلیلِ اکبر جیسا کہ اس مخبرِ صادق و محبوبِ غیب آگاہ نے صدیوں پیش تر کی غیب کی باتیں تختۂ حدیث پر گوہرِ غیب بکھیر کر اپنے سچے عاشقوں اور دلدادوں کو دکھلا دیا اور قیامت تک لوگ اسی جوہر کو کسوٹی پر کھرا و کھوٹا پرکھتے رہیں گے، مگر سوائے اس گوہرِ حق کے باقی سب سنگ ریزے ہوں گے جیسا کہ فرمانِ مصطفی ﷺ ہے، اس دن جسے یوم الحساب کہتے ہیں وہ جوہریِ حقیقی تمام جواہرات مذہب کو حق کی کسوٹی پر پرکھے گا، جن میں ایک کا خریدار بن کر جو کہ مذہبِ حقہ صحیحہ ماتریدیہ یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کا خریدار ہو گا اور عوض ثمن جنت گلزار عطا فرمائے گا، جو کہ لاتعدی ولا تحصیٰ قیمت ہو گی، باقی تمام کو مالکِ دوزخ کے حوالے کرے گا، جیسا کہ فرمانِ نبی میں یہ مضمون مضمر ہے (کل فرقۃ ناری الا الواحد) تو یہ معلوم ہوا کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ لفظ بلفظ بجنسہٖ ہدایت ہے تو ہر ان دو منسلک میں منسلک ہونے والے گم راہ بددین کیوں ہوئے، کیا یہ ان کی ہدایت نہیں کر سکتے، اگر نہیں تو کیوں، اور اگر ہاں تو اغیار خارج کیوں؟

اگر مثلاً زید کی ہدایت کی اور عمرو کی نہیں تو وجہ ترجیح کیا ہے۔ اور ترجیح بلا مرجح ناجائز۔ اگر دونوں سے ہدایتِ جزئی مراد ہے تو ایسی جزئی ہدایت کی اسلامِ کلی میں ضرورت نہیں۔ اسلام کی صدائے دعوت عامہ ہی رہے۔ عام ازیں کہ وہ یہودی یا نصرانی، آفتابی ہو یا ماہ تابی، گلابی ہو یا بسنتی، علی الوجہ العموم اس کی دعوت الی الحق ہے۔ میں دیکھتا ہوں اور ہر مذہب کی کتابوں کا مطالعہ

کرتا ہوں تو سبھوں کی دعوت اسلام ہی کی طرف قرآن وحدیث سے رہبر مذاہب جھوٹے اور باطل ہیں۔ یہ امر مسلمہ ہے اور ہر شخص جانتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ایسے ایسے جلیل القدر رہ نما کی ہدایت کے باوجود اور ایسے ایسے آفتاب ہدایت و ماہتاب ہدایت کی درخشانی وضیا پاشی کے ہوتے ہوئے مذاہب کا بحرِ ظلمات کی گرداب میں پھنسنا دو حال سے خالی نہیں۔

اول یہ کہ انھیں ہدایات کی استعداد نہیں یا یہ کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ بجنسہٖ وبلفظہٖ اور ہر ہر نقطۂ گم راہی وبے دینی پر مبنی ہے۔ (والعیاذ باللہ علیٰ هذه العقیدہ) اور اگر استعداد ہی نہیں تو ہم ہر دو صغریٰ و کبریٰ میں ترتیب دے کر نتیجہ سالبہ کلیہ نکالیں گے کہ کسی کے اندر استعداد کی اہلیت نہیں، کیوں کہ دونوں خدائے وحدہٗ لاشریک کے خاص بندے ہیں۔ اس لیے کہ دونوں کتاب اللہ وآثار رسول اللہ پر ایمان رکھنے والے، پھر کیا وجہ ہے کہ ہدایت کی استعداد محض ایک ہی میں پائی جائے اور اس کے غیر میں نہیں ہے۔ وجہِ مانع کیا ہے؟

جب ہم ایمان کا پڑھایا ہوا سبق یاد کرتے ہیں تو یہی بات پاتے ہیں کہ: قولو آمنا باللہ و ملٰئکته و کتبه رسوله لا نفرق بین احد منهم و أمنت بالحشر والنشر والبعث والنار والجنة.

جب ہم لوگوں کو والنیٹر ان کلموں کے پٹہ کے ذریعہ اس زمین وآسمان کے دولہا کے لیے باریِ تعالیٰ نے بنا کر آئینہ بندی کی تو ہم ہر اس شخص کو دیکھیں گے جس کے گلے میں پٹہ اور طوقِ غلامی پڑا ہوا ہے تو اس سے ہم کیوں اجتناب کریں۔ کیا ہمارے اغیار ان کلموں کا اقرار نہیں کرتے؟ جیسے ہم اقرار کرتے ہیں بجنسہٖ وہ بھی تو اقرار کرتے ہیں اور ایمان تو نام اسی کا ہے کہ (ایمان باللسان و تصدیق بالجنان) ہو۔ جب اس کا نام ایمان ٹھہرا تو کیا وہ جنت کے مستحق نہیں ہوئے؟

یہ دعویٰ رسولِ خدا کر چکے ہیں نہ جائے گا دوزخ میں کوئی بھی مومن

پھر کیا وجہ ہے کہ وہ گمراہ و بے دین اور جہنم کے مستحق ہیں اور یہ ہر مذہب کا دعویٰ ہے کہ جو حق مذہب ہے وہ میں ہوں، باقی سب باطل اور اپنی حقانیت کی دلیل قرآن وحدیث سے پیش کرتا ہے۔ تو مثلاً ایک شخص محض موحد ہے اور رسالت کا قائل اور ایمان لانا چاہتا ہے اور مذہب والوں کے پاس جاتا ہے تو ہر مذہب والا اپنے عقیدے کے مطابق اس کی تلقین کرتا ہے اور غیر کو جھوٹا اور باطل ٹھہراتا ہے اور ہر ایک کے پاس دلیل قرآن وحدیث ہی ٹھہری تو اب ایسی صورتِ مذاکرہ میں کیا کرے گا۔ جس طرف جھکتا ہے غارِ جہنم ہی جہنم نظر آتا ہے۔ اور اب وہ سب کی دلیلوں پر غور کر کے تطبیق دیتا ہے اور نتیجہ نکالتا ہے تو سب کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے، کیوں کہ جو دلیل مذہبِ حق نے پیش کیا، مثلاً سبعہ سیارہ وغیرہ سے سمجھایا اور حدیث کا ٹکڑا کہ کل فرقہ ناری ہوں گے اور ایک فرقہ ناجی ہوگا تو اس میں یہ تو نہیں بتایا گیا کہ فلاں ہی حق ہوگا۔ اسی لیے تو ہر مذہب اس ٹکڑے حدیث کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے تو ایک گونہ یہ بھی معرضِ خفا میں ہے اور اس خفا کا ظاہر کرنا انسانی قوت سے وراہے تو اب یہ بتلایا جائے کہ وہی محض موحد کا موحد ہی ہے کیوں کہ اس کے لیے درِ رسالت تنگ معلوم ہوتا ہے مگر جو حق ہے وہ سر پر سوار ہو کر بولتا ہے کہ حق جو ہے وہ میں ہوں اور وہ بھی اپنی حقانیت کی دلیل قرآن وحدیث سے پیش کرتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن وحدیثِ باعثِ کفر وضلالت وگمراہی ٹھہرے۔

یہ فلسفہ میرے عقل وادراک سے بالاتر ہے جواب تک میری سمجھ میں نہیں آیا اور نہ آئے گا۔ لہٰذا میں آپ سے اس بات کی اپیل وگزارش کرتا ہوں کہ یہ فلسفہ مجھے تحریر سے سمجھا دیا جائے تو عین نوازش اور بھٹکے ہوئے کو راہ دکھلانا ہوگا۔ مگر جواب میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ سائل کا منشا الزامی جواب سے نہیں ہے اور نہ وہ الزامی جواب کو مانتا ہے کیوں کہ اس کی تشفی الزامی جواب سے نہیں ہوتی۔ فقط۔ بقلم عجلت رقم جان عالم/ مورخہ ۷ر مئی ۱۹۳۹ء، از مبارک پور

الجواب

بعون الملك الوهاب ❊ نحمده و نصلي على رسوله الكريم ! اما بعد.

فرمانِ خداوندی وارشادِ نبوی یقیناً ہدایت وصراطِ مستقیم ہے۔ اس پر جو شخص ایمان لاکر ثابت قدم رہے گا وہ یقیناً مومن ہے۔ اس لیے کہ نجاتِ ابدی وسعادت سرمدی ہے اگرچہ مدعیانِ اسلام کے تمام فرقے قرآن وحدیث پر ایمان وعمل کے دعوے دار ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن وحدیث پر پورے طور پر ایمان رکھنے والا، سوادِ اعظم صرف اہلِ سنت وجماعت ہے، اس لیے صرف اسی کو کامل نجات ہے۔ باقی سب فرقے ناری ہیں۔ اس کو دلیلِ یقینی قطعی سے جاننے کے لیے مقدماتِ ذیل کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

(۱)- قرآن مجید وحدیث شریف بلا استثنا تمام جن وانس کے لیے ہادی یعنی راہ نما ہیں، ہر شخص کے لیے مشعلِ ہدایت ہیں۔ جو شخص اپنے ارادے سے ایمان لاکر ان کی روشنی میں چلے گا نجات پائے گا۔ یہ نہیں کہ قرآن وحدیث کے ذمہ بالجبر منزلِ مقصود تک پہنچانا ضروری ہے۔

(۲)- ایمان صرف زبان سے اقرار کرنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے تمام ارشادات کی یعنی جمیع ضروریاتِ دین کی دل سے تصدیق کرنا اور تسلیم کرنا شریعت میں ایمان ہے۔ زبان سے اقرار اجرائے احکامِ دنیوی کے لیے شرط ہے۔ کما فی شرح العقائد وغیرہ۔

(۳)- قرآن وحدیث پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ پورے قرآن وحدیث کو مانے اگر کسی ایک آیت یا حدیث متواتر کا انکار کرے تو وہ قرآن وحدیث کا ماننے والا نہیں۔

(۴)- آیاتِ قرآنیہ واحادیث نبویہ کا صحیح مطلب وہی ہے جو حضور ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام نے بیان فرمایا۔ اسی مطلب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کے خلاف کوئی دوسرے معنیٰ اپنی رائے سے گڑھنا گم راہی ہے۔

(۵)- ہدایت پانے کی استعداد جن وانس کے ہر ہر فرد میں موجود ہے، کیوں کہ ہر شخص کو خداوند تعالیٰ نے اس پر قدرت دی ہے کہ وہ اپنے قصد وارادے سے ایمان لائے، پس جس نے اپنے قصد وارادہ کو کام میں لاکر سرِ نیاز جھکا دیا وہ ہدایت پا گیا اور جس نے سرکشی وتمرد کیا گم راہ ہوا۔ اس میں قرآن وحدیث ورہ نمایانِ دینِ متین کا کوئی قصور نہیں۔ اسی گم راہ کا قصور ہے کہ خدا کی دی ہوئی قدرت کو کام میں نہ لایا اور اپنے ارادے سے گم راہی اختیار کی۔

(۶)- ہر دعویٰ کے ثبوت کے لیے دلیل ضروری ہے۔ دعویٰ بلا دلیل قبول نہیں۔ دلیل وہ ہے جو نفس الامر میں

دعوے کی مثبت ہو، نہ یہ کہ مدعی جو کچھ کہہ دے وہی اس کے دعویٰ کے ثبوت میں کافی مان لیا جائے۔

مدعیانِ اسلام کے تمام فرقوں میں صرف ایک فرقہ ناجی باقی تمام ناری ہیں۔ ایسی صورت میں اگر ناجی فرقہ کو ممتاز نہ کر دیا جاتا تو دین کا نقصان بلکہ سخت گمراہی تھی۔ اس لیے جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے فرقۂ ناجیہ کو دریافت کیا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔ "ما انا علیہ و اصحابی". یعنی نجات پانے والا وہ گروہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر قائم رہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا: "وھی الجماعۃ"۔ وہ ناجی گروہ جماعت ہے۔

اگرچہ ان مقدمات یقینیہ مسلمہ میں غور کرنے سے صاحبِ علم وعقل سوال کے تمام پہلو حل کر سکتا ہے اور یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ فرقۂ ناجیہ صرف اہلِ سنت و جماعت ہے، باقی تمام فرقے ناری ہیں، لیکن تسہیل کے لیے کچھ تفصیل کی جاتی ہے۔ وھو المعین.

محبوبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب تبلیغ اسلام کی اور تمام مخلوقِ خدا کو دینِ حق کی دعوت دی تو اس آواز کو سن کر بہت سے بدقسمتوں نے اس نورِ ہدایت سے اپنی آنکھیں بند کر کے صاف انکار کر دیا اور بہت سے بدنصیبوں نے ظاہر میں اقرار بھی کیا تو دل سے نہیں، پہلا گروہ کفار مجاہرین اور دوسرا منافقین کہلایا۔ دونوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ منافقین اسلام کے دعوے دار تھے، زبان سے کلمہ پڑھتے، قسمیں کھا کھا کر حضور کی رسالت کی شہادت دیتے، لیکن قرآن مجید نے ان کو جھوٹا بتایا اور ان کا اقرار کرنا، قسمیں کھانا معتبر نہ مانا۔ كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالَى:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ. (۱)	جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بے شک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔ (کنزالایمان)

لہٰذا معلوم ہوا کہ صرف زبان سے کلمہ پڑھنا اور اپنے ایمان و اسلام کا اقرار کرنا خواہ قسمیں کھا کر کیوں نہ ہو وہ ایمان کے لیے کافی نہیں، جب تک دل سے نہ مانے مومن نہیں ہو سکتا۔ دل سے ماننا جبھی معتبر ہو سکتا ہے کہ اس اقرار کے ساتھ اس میں کوئی وجہِ کفر نہ پائی جائے۔

اور جن خوش قسمت ہستیوں نے ظاہر و باطن میں دل سے مانا، وہ گروہ مومنین کے لقب سے ملقب ہوا۔ اسی کو یایھا الذین اٰمنوا۔ کے خطاب سے مخاطب فرمایا۔ اسی کے لیے قرآن مجید میں اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا۔ وہی گروہ دینِ حق و صراطِ مستقیم پر قائم ہے۔

صدر اول یعنی نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی حیات ظاہری اور عہد صحابہ میں یہ ماننے والی جماعت عقائد صحیحہ و

(۱) قرآن حکیم، المنفقون ۶۳، آیت: ۱

اعتقادات حقہ پر قائم رہی اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک قائم رہے گی جیسا کہ حدیث صحیح میں فرمایا:

لا یزال من امتی امة قائمة بامر الله لا یضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتی یأتی امر الله وهم علیٰ ذلك. (۱)

ہمیشہ میری امت سے کچھ لوگ اللہ کے حکم سے ثابت قدم رہیں گے، جن کو وہ لوگ نقصان نہیں پہنچا سکتے، جو ان کو عیب لگائیں گے اور ان کی مخالفت کریں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے، اس حال میں کہ یہ لوگ مسلک حق پر قائم رہیں گے۔ (ت: مرتب)

مگر اہلِ حق کے پردہ میں ایمان کے دعوے دار بن کر بہت سے فرقے جو حقیقت میں مومن نہیں پیدا ہونے والے تھے، مخبرِ صادق ﷺ نے ان کی خبر دی تاکہ اہلِ حق ان سے باخبر رہیں، ان کے جال میں نہ آویں۔ فرمایا:

وتفترق امتی علیٰ ثلث و سبعین ملة كلهم فی النار الاملة واحدة قالو من هی یا رسول الله قال ما انا علیه و اصحابی رواه الترمذی. (۲)

یعنی میری امت اجابت جو مجھ کو نبی مانے اور قبلہ رو نماز پڑھے وہ تہتر فرقے ہو جائے گی، سب فرقے دوزخی ہیں صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا وہ کون سا فرقہ ہے؟ فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے نقشِ قدم پر ہوگا۔ (ت: مصباحی)

و فی روایة احمد و ابی داؤد . عن معاویة سنتان و سبعون فی النار واحدة فی الجنة و هی الجماعة. (۳)

یعنی احمد وابی داؤد نے امیر معاویہ سے روایت کیا، بہتر جہنم میں اور ایک جنت میں اور وہ بڑی جماعت ہے۔ (ت۔ مصباحی)

"كما قال الشیخ فی اشعة اللمعات فی تفسیر هذا الحدیث و تفترق امتی علیٰ ثلث و سبعین ملة" وجدامی شوند امت من آنہا کہ ایمان آوردہ اندوروے بقبلہ دارند۔ ہر ہفتاد وسہ مذہب در اصول عقائد۔ کلہم فی النار ہر ایشاں مستحق در آمدن دوزخ باشند بجہت سوئے اعتقاد انتہی۔" (٤)

یعنی شیخ الحدیث محدث دہلوی نے اس حدیث تفترق الخ کی تشریح میں اپنی کتاب اشعۃ اللمعات میں فرمایا۔ یعنی حضور کی امت ایمان وعقیدے کے اعتبار سے تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور یہ سب کے سب اپنے کو ایمان والا بتلائیں گے اور قبلہ کی طرف نماز بھی پڑھیں گے حالاں کہ سب اپنی بداعتقادی کی وجہ سے نارِ جہنم کے مستحق ہوں گے، سوائے ایک فرقہ ناجیہ کے۔ (ت. مرتب)

---

(۱) صحیح البخاري، ج:۱، ص:٥١٤، کتاب المناقب، (بغیر ترجمه) مجلس البرکات، مبارك فور

(۲) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سوره ترمذی، ترمذی، ص:٦٧٣، ج:۲، حدیث۲۷۵۳، باب ما جاء فی افتراق هذه الامة.

(۳) امام أبو داؤد سلیمان بن اشعث ، سنن ابی داؤد، باب شرح السنة، ج:٤، ص:۳۲٤، مجلس البرکات، مبارك فور

(٤) شیخ عبد الحق محدث دهلوی، اشعة اللمعات، ج:۱، ص:۱۵۳، مکتبة الحلبیة، کوئٹه، پاکستان

حدیث کا خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ مدعیانِ اسلام کے تہتر فرقے ہوجائیں گے بہتر دوزخی اور ایک جنتی۔ وہ جنتی فرقہ میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر قائم رہنے والا ہے اور بڑی جماعت ہے۔

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ في النار.(۱)	یعنی بڑی جماعت کی اتباع کرو کیوں کہ جو بڑی جماعت سے علاحدہ ہوا، دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

عہدِ صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک باوجودے کہ یہ تمام فرقے ظہور میں آئے لیکن ہر قرن و ہر زمانے میں بڑی جماعت وہی رہی جس پر صحابہ و تابعین و تبع تابعین ائمۂ مجتہدین، علماے معتمدین، اولیاے کاملین قائم رہے، وہی مذہب اہل سنت و جماعت کا ہے۔ آج بھی بفضل اللہ و بکرم حبیبہ ﷺ اہل سنت و جماعت کی وہ بڑی جماعت ہے کہ تمام دنیا کے مدعیانِ اسلام کے کل فرقے جمع کر لیے جائیں تب بھی اس کی تعداد کو نہ پہنچ سکیں، چہ جائے کہ فرداً فرداً اس کا مقابلہ کر سکیں۔

لہٰذا دونوں حدیثوں سے صاف نتیجہ نکلا کہ نجات پانے والا گروہ سوادِ اعظم صرف اہل سنت و جماعت ہے۔ باقی تمام فرقے مثلاً دیوبندی، غیر مقلد، قادیانی، نیچری وغیرہ سب کے سب دوزخی۔

مگر افسوس صد افسوس کہ یہ حدیثِ کریم کی اس تصریح کے باوجود آنکھیں بند کر کے لوگ گم راہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اپنی اپنی ٹولیاں الگ الگ بنا کر جہنم میں جا رہے ہیں۔ مذہب اہل سنت و جماعت قبول کر کے نجات پانے والی جماعت میں شریک نہیں ہوتے۔ یہ ان کی محرومی و بدقسمتی ہے۔ مولا تعالیٰ ہدایت دے۔

بہر حال ارشادِ نبوی کے مطابق صدر اول کے بعد یہ گم راہ فرقے پیدا ہوئے، جو اسلام کے دعوے دار قرآن و حدیث پر ایمان و عمل کے مدعی، قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنے والے، اپنے کو بڑا پکا سچا مسلمان کہنے والے، مگر ان سب نے وہ مذہبِ حق جس پر حضورِ اقدس ﷺ اور آپ کے صحابہ قائم تھے، چھوڑ کر اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ چنیں اور ”من شذ شذ فی النار.“ کے مصداق بنے اور آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ مشہورہ کے خلاف عقیدے گڑھے اور جن عقائد پر صحابۂ کرام و تابعین عظام کی جماعت قائم رہی، ان کا خلاف کیا اور اپنے عقائد باطلہ اور مذاہب فاسدہ کاسدہ کی ترویج کے لیے فلاسفہ کے دامن میں چنگل مارا اور مسلمانوں کو گم راہ کرنے اور اپنا گروہ بڑھانے کے لیے قرآن و حدیث کا نام لیتے رہے کہ ہم قرآن و حدیث کے ماننے والے ہیں۔ ورنہ قرآن و حدیث کا ماننے والا تو صرف وہی ہو سکتا ہے جو صحابہ اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا پیرو ہو، وہی عقائد رکھتا ہو۔ اس لیے کہ قرآن و حدیث کے صحیح معنی سمجھنے والے اور ماننے والے وہی حضرات ہیں کیوں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے قرآن و حدیث کی تعلیم فرمائی۔ تو جو صحابۂ کرام کی جماعت کے خلاف عقیدہ رکھے وہ

---

(۱) علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی، مشکوۃ، ص:۳۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ترمذی، ص:۵۵۸، باب ما جاء فی لزوم الجماعۃ، حدیث:۲۳۲۰

قرآن کا ماننے والا کیسے ہو سکتا ہے۔ صرف زبانی دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

ان فرق باطلہ کے بطلان کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ان کا حدوث صدر اول کے بعد ہے۔ ان کے عقائد صحابۂ کرام کی جماعت کے خلاف ہیں۔ باوجود اس کے ان سب نے آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ صریحہ شہیرہ کا خلاف کیا ہے۔ اس اجمال کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ کبار فرق اسلامیہ آٹھ ہیں۔ معتزلہ، شیعہ، خوارج، مرجیہ، نجاریہ، جبریہ، مشبہ، ناجیہ۔ معتزلہ کے بیس فرقے ہیں، شیعہ کے بائیس، خوارج کے بیس، مرجیہ کے پانچ، نجاریہ کے تین، جبر و مشبہ کا ایک ایک فرقہ یہ بہتر فرقے ہیں اور تہتر واں فرقہ ناجیہ صرف اہل سنت و جماعت ہے۔ وکذا فی المواقف۔

ان میں بہتر فرقے گم راہ ہیں جن میں پہلا فرقہ معتزلہ کا ہے جو صدر اول کے بعد تابعین کے زمانے میں پیدا ہوا۔ اس نے کفر و ایمان کے درمیان ایک مرتبہ نکالا اور کہا:

من ارتکب الکبیرۃ فھو لیس بمومن و لا کافر. (۱) جو شخص گناہِ کبیرہ کرے وہ نہ مومن ہے نہ کافر۔

حضرت حسن بصری انے اس کو جماعت حقہ سے خارج کر دیا اور فرمایا:

قد اعتزل عنا. (۲) بے شک وہ ہم سے علاحدہ ہو گیا۔

اس فرقہ نے عاصی کو دوزخ میں اور مطیع کو جنت میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب کر دیا۔ صفاتِ الٰہی کا انکار کیا اور اس گندے عقیدے پر فخر کرتے ہوئے اپنا نام اصحاب العدل والتوحید رکھا۔ افعال کا خالق بندوں کو ماننا جو آیۃ: "وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ." (۳) کے خلاف ہے۔ ایصال ثواب کے منکر ہوئے۔ اسی طرح بہت سے عقیدے گڑھے، جو قرآن و حدیث و جماعت صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے خلاف ہیں۔

لہٰذا یہ فرقہ مع اپنی تمام شاخوں کے اہل سنت و جماعت سے خارج ہو کر فرقۂ ناریہ ہوا۔

فرقۂ شیعہ نے قرآن مجید ناتمام و غیر محفوظ مانا جس سے آیتِ کریمہ: "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ." (٤) کا انکار ہے۔ اسی طرح ان کے بہت سے گندے عقیدے ہیں، لہٰذا یہ فرقہ بھی مع اپنے تمام شعبوں کے اہل سنت و جماعت سے خارج ہوا۔

فرقۂ خارجیہ نے یہ عقیدہ گڑھا کہ گناہِ کبیرہ کرنے سے مومن کافر ہو جاتا ہے، اس کی مغفرت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ یہ عقیدہ اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے۔ اس سے آیتِ کریمہ: "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ." (٥) کا انکار ہوتا ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سے گندے عقیدے ہیں لہٰذا یہ فرقہ بھی مع

---

(۱) علامہ سعد الدین تفتازانی، شرح عقائد نسفی، ص:۱۱۷، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۲) ایضاً، ص:۲٦

(۳) قرآن حکیم، الصّٰفّٰت۳۷، آیت:۹٦

(٤) قرآن حکیم، النساء٤، آیت:۱۱٦

(٥) قرآن حکیم، النساء٤، آیت:۱۱٦

اپنے تمام فرقوں کے اہل سنت و جماعت سے خارج ہوا۔

فرقۂ مرجیہ نے اہل سنت و جماعت کے خلاف یہ عقیدہ تراشا کہ ایمان لانے کے بعد کوئی گناہ ضرر نہیں دیتا، یعنی گناہِ کبیرہ پر مواخذہ نہیں۔ یہ آیتِ کریمہ: "مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ." (۱) کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ فرقہ بھی مع اپنی شاخوں کے اہل سنت و جماعت سے خارج ہوا۔

اسی طرح نجاریہ، جبریہ، مشبہ، اپنے عقائد خبیثہ کی بنا پر جماعتِ حقہ سے نکل کر فرقۂ ناریہ میں شامل ہوئے۔

آج کل ہندستان میں جو گم راہ فرقے مثلاً دیوبندی، غیر مقلد، نیچری، قادیانی وغیرہ ہیں، یہ انھیں گم راہ فرقوں کی شاخیں ہیں، اور ان کے گندے عقیدے جماعتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف ہیں۔ اگر چہ یہ اپنے مذہب کی ترویج میں آیات واحادیث ضرور پیش کرتے ہیں مگر آیات واحادیث کے وہ معنی گڑھتے ہیں جو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعلیم وتصریح وتنصیص کے خلاف ہیں۔ مثلاً آیت: "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ." (۲) ہونے کے معنی یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ یہی معنی ختم زمانی صحابہ سے منقول، اسی پر امت کا اجماع۔ لیکن قادیانی دجال اور دیوبندی کذاب نے آیت کا معنی ختم ذاتی گڑھے۔ چناں چہ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں اسی معنی ختم زمانی کو عوام کا خیال بتایا اور صاف لکھ دیا کہ:

> "عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں، مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدیم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں، پھر مقامِ مدح میں "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ." فرمانا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔" (۳)

اس میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تمام اکابرینِ امت کو عوام بتایا اور خود اہلِ فہم بنا اور اس آیت کو ختم ذاتی پر محمول کر کے حضور کے بعد نبوت کا دروازہ کھول دیا۔ چناں چہ قادیانی قاسم نانوتوی کی اس کمائی کو لے اڑا اور نبی بن بیٹھا۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب کو جانوروں، پاگلوں سے تشبیہ دی اور اپنی کتاب "حفظ الایمان" میں لکھ دیا۔

> "اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علمِ غیب

---

(۱) قرآن حکیم، الاحزاب ۳۳، آیت: ۴۰

(۲) قرآن حکیم، الاحزاب ۳۳، آیت: ٤

(۳) مولوی قاسم نانوتوی، تحذیر الناس، ص: ٤، ناشر: مکتبہ تھانوی، دیو بند

تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔"(۱)

مولوی رشید احمد گنگوہی و خلیل احمد انبیٹھوی جو دیوبندیوں کے پیشوا ہیں انھوں نے اپنی کتاب "براہینِ قاطعہ" میں خداوند قدوس کے جھوٹ بولنے کو ممکن ماننا پرانا عقیدہ بتایا اور لکھ دیا کہ:

"امکانِ کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدما میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے یا نہیں۔"(۲)

اسی اپنی براہینِ قاطعہ میں ص:۵۱ پر حضور ﷺ کے علم کو شیطان ملعون کے علم سے گھٹایا۔ شیطان مردود کے لیے وسعتِ علم قرآن و حدیث سے ثابت مانی، حضور کے لیے اسی کا انکار کیا۔ حضور کے لیے پوری زمین کا علم شرک خالص بتایا اور اسی کو شیطان کے لیے قرآن و حدیث سے ثابت مانا۔ عبارت یہ ہے:

"الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ بلا دلیل محض قیاسِ فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو ایمان کا کون سا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔"(۳)

اس کے علاوہ قادیانی دجال و دیوبندیوں کے ہزاروں گندے عقیدے کو ہندستان کے گوشہ گوشہ میں جن کی تشہیر ہو چکی ہے، وہ سب جماعتِ صحابہ و تابعین کے خلاف ہیں۔ لہٰذا یہ اہلِ سنت و جماعت سے خارج ہو کر فرق ناریہ میں داخل ہوئے۔

قادیانی اور دیوبندیوں کے کفر پر علماے مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ نے فتوے دیے جس کی تفصیل فتاویٰ "حسام الحرمین" شریف میں مذکور ہے۔ غیر مقلدین عقائد میں دیوبندیوں کے شریک ہیں۔ "تقویۃ الایمان" جو کفریات کا مجموعہ ہے، اس پر ایمان رکھتے ہیں، مع ہٰذا تقلیدِ شخصی کو جس پر امت کا اجماع ہو چکا ہے شرک کہتے ہیں، لہٰذا جماعت حقہ اہل سنت سے خارج ہو کر فرقۂ ناریہ ہوئے۔

نیچری عذابِ قبر و حشر اجساد و جنت و دوزخ کے منکر ہیں۔ معجزاتِ انبیاے کرام علیہم السلام کا انکار کرتے ہیں ان کے عقائد فاسدہ اس مذہب حق کے خلاف ہیں جس پر صحابہ و تابعین کی جماعت گزری۔ لہٰذا یہ فرقہ بھی اہل سنت و جماعت سے خارج ہے۔

---

(۱) مولوی اشرف علی تھانوی، حفظ الایمان، ص:۱۵. دار الکتاب، دیو بند

(۲) مولوی رشید احمد گنگوھی و مولوی خلیل احمد انبیٹھی، براھینِ قاطعہ، ص:۲، مکتبہ زکریا، دیو بند

(۳) مولوی رشید احمد گنگوھی و مولوی خلیل احمد انبیٹھی، براھینِ قاطعہ، ص:۵۱، مکتبہ زکریا، دیو بند

البتہ یہ تمام فرقِ باطلہ مدعیانِ اسلام اپنی اپنی حقانیت کا شور مچاتے اور اپنے مذاہب باطلہ کی اشاعت کے لیے قرآن وحدیث پڑھتے اور آیات واحادیث دلیل میں پیش کرتے ہیں مگر کیا کسی دعوے پر صرف کوئی آیت یا حدیث کا پڑھ دینا کافی ہے، اس سے وہ دعویٰ ثابت ہو جائے گا؟ اگر ایسا ہے تو ہر شخص ہر روز متعدد آیات قرآن مجید کم از کم چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ دعوے ثابت کر لیا کرے۔ نہیں نہیں، ہرگز نہیں، قرآن وحدیث سے کسی دعوے کو ثابت کرنے کے لیے یہ دیکھا جائے گا کہ آیات وحدیث کا جو مطلب اس نے بیان کیا ہے وہ تعلیم محمدی اور تعلیم صحابہ و تابعین کے فرمان کے خلاف تو نہیں۔ اگر وہ ان دین پرور حضرات کے ارشادات کے مطابق ہے تو مقبول اور مخالف ہے تو مردود۔ اور اوپر کی تفصیل سے معلوم ہو چکا کہ یہ جتنے فرق باطلہ ہیں سب آیات واحادیث کا مطلب خلافِ تعلیم صحابہ و تابعین و سلف صالحین اجمعین لیتے ہیں بلکہ ان کے اقوال و عقائد آیاتِ قرآنیہ صریحہ کے معارض ہیں۔

لہٰذا صحیح طور پر قرآن وحدیث کے ماننے والے ہرگز نہیں بلکہ صرف زبانی دعوے دار ہیں جس کا ہرگز اعتبار نہیں۔

تنبیہ: کفر و بے دینی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قرآن مجید کی ہر ہر آیت کا خلاف کیا جائے، تمام احادیث کا انکار کیا جائے بلکہ کسی ایک آیت کا خلاف بھی کفر و بے دینی کے لیے کافی ہے، اگرچہ باقی تمام قرآن مجید پر ایمان رکھتا ہو۔ لہٰذا یہ فرق باطلہ اگر بعض عقائد و اعمال میں اہل سنت و جماعت سے متفق بھی ہوں لیکن چوں کہ ان کے بعض گندے اقوال و عقائد بعض آیات واحادیث و عقائد سلف صالحین کے خلاف ہیں، اس لیے وہ بد دین و گم راہ فرق ناریہ میں شمار ہیں۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ قرآن وحدیث کا ماننے والا وہی گروہ ہے جس کے جمیع عقائد صحابہ و تابعین سلف صالحین کے مطابق ہوں اور وہ گروہ صرف اہل سنت و جماعت ہے۔ کیوں کہ یہ گروہ وہی عقائد رکھتا ہے، اسی مذہب کا پیرو ہے، جس پر صحابۂ کرام و تابعین عظام ائمۂ دین، علمائے معتمدین اولیائے کاملین، سلف صالحین قائم رہے۔ اس کے سوا باقی تمام فرقے ناری ہیں۔ اگر اس پر بھی کوئی بد دین ہٹ دھرمی ضدی نہ مانے اور منہ زوری کرے تو ہم اعلان کرتے ہیں کہ حدیث و تفسیر، علم کلام و فقہ، تصوف و سیر و تواریخ کی تمام معتبر کتابیں سب کی سب جمع کرو، صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کے عقائد تلاش کرو۔ تمام کتابوں میں ان کے وہی عقائد ہیں جو اس وقت اہل سنت و جماعت کے عقائد ہیں اور کسی گم راہ فرقہ مذکورہ بالا کی ان میں ہرگز ہرگز تائید نہیں مل سکتی۔

لہٰذا احادیثِ کریمہ میں جو ناجی فرقہ کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں: "ما انا علیہ و اصحابی و ھم الجماعۃ السواد الاعظم. ان کا مصداق یقیناً حتماً جزماً صرف ایک فرقۂ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہے۔ لہٰذا یہی ناجی ہے۔ کما فصل الشیخ فی اشعۃ اللمعات و اللہ الھادی الی سبیل الرشاد و ھو الموفق للسداد و ھو اعلم و علمہ اتم و احکم.

اپنے کو سنی کہتے ہوئے علمائے دیوبند کو حق کہنے والے کا حکم؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین زید کے بارے میں کہ:

وہ خارج از اسلام ہے یا نہیں؟ اگر اس واسطے کہ زید کے مندرجہ ذیل عقائد ہوں"

❶-زید اپنے کو صحیح العقیدہ سنی مسلمان کہتا ہے لیکن اشرف علی تھانوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل انبیٹھی، اسمٰعیل دہلوی اور دیگر اکابرین وہابیہ دیوبندیہ کو ان کی عبارات کفریہ قطعیہ کو جانتے ہوئے بھی ان کو مسلمان اور علمائے حق سمجھتا ہے۔

❷-زید حضرت مجدد اعظم دین وملت عظیم البرکت، رفیع الدرجت، محدث ارشد، فقیہ امجد، اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مظہر شان غوثیت، مولانا الحاج شاہ عبدالمصطفیٰ محمد احمد رضا صاحب قبلہ قادری برکاتی فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور اعلیٰ حضرت مجدد اعظم فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تمام ہم عقیدہ سنی حضرات کو کافر مرتد اور بلا توبہ کیے مرنے سے ابدی ناری سمجھتا ہے

❸-زید حضرت آفتاب رسالت، ماہتاب نبوت، حضور اکرم، نور مجسم، فخر بنی آدم، تاجدار عرب و عجم کاشف الکروب، شفیع الذنوب، دانائے جمیع خفائے غیوب، ہادی سبل، شفیع یوم النشور، حضور سراپا نور، نور علی نور، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر سمجھتا ہے، اور نوری سمجھنے والے کو مرتد بے دین کہتا ہے۔

❹-زید اپنے کو سنی حنفی کہتا ہے میلاد شریف میں بھی آتا ہے۔ تعظیم بھی کرتا ہے، نیز فاتحہ بھی دیتا ہے، اور سب کرنے کے بعد یہ کہتا ہے کہ یہ سب کوئی ضروری نہیں اور وہابی دیوبندی کو مسلمان سمجھتا ہے، اور اشرف علی اور رشید احمد گنگوہی کو مسلمان سمجھتا ہے اور مسجد میں پیش امامی بھی کرتا ہے، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب مع دلیل اور اپنی دستخط و مہر کر کے عطا فرمائیے۔ المستفتی: فقیر اشتیاق احمد عزیزی

الجواب

مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کو جانوروں اور پاگلوں کے علم سے تشبیہ دی اور کہا کہ:

"اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو

زید و عمرو و بکر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔(۱)

اس عبارت میں بلاشبہ حضور اقدس ﷺ کی توہین ہے اور حضور کی توہین یقیناً کفر ہے۔

مولوی رشید احمد و مولوی خلیل احمد نے اپنی کتاب براہین قاطعہ میں حضور ﷺ کے علم کو شیطان کے علم سے گھٹایا، حضور کے وسعت علم کو شرک بتایا اور اس کو شیطان کے لیے نص (یعنی قرآن و حدیث) سے ثابت مانا چناں چہ کہا کہ:

> ”شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔“(۲)

اس میں حضور اقدس ﷺ کی صریح توہین اور سخت گستاخی ہے۔ لہٰذا زید اگر ان دونوں اقوال کفریہ پر مطلع ہوتے ہوئے ان کے قائلین کو مسلمان اور علمائے حق جانتا ہے تو زید مسلمان نہیں۔ اسمٰعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان تو کفریات کا خمیرہ ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علمائے اہل سنت کو کافر و مرتد کہنا تو یہ زید کا کفر بالائے کفر ہے باوجود ان کفریات کے زید کا میلاد کرنا، فاتحہ وغیرہ کرنا، نماز پڑھنا اور اپنے کو سنی حنفی کہنا سب لغو و باطل ہے کیونکہ عمل کے لیے ایمان شرط ہے جب خود زید کی ہی نماز باطل ہے تو اس کے پیچھے دوسرے کی نماز کس طرح ہو سکتی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ توبہ کی توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ۔ عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح۔ عبدالرؤف اشرفیہ الجواب صحیح۔ علی احمد اشرفیہ

دیوبندی پیر اور مرید کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ:

۱۔ ایک شخص جو سنی حنفی جامع مسجد کا صدر ہے، اس نے وہابیوں کے سب سے بڑے مدرسہ دار العلوم دیوبند کو یہ کہہ کر چندہ دیا کہ میں اپنی آخرت کا سامان کر رہا ہوں، ایسے شخص کو شریعت کیا حکم دیتی ہے۔ اس کو کسی حنفی مسجد کا صدر بننا کہاں تک جائز ہے؟

---

(۱) مولوی اشرف علی تھانوی، حفظ الایمان، ص:۷

(۲) مولوی رشید احمد گنگوھی و مولوی خلیل احمد انبیٹھی، براھین قاطعہ، ص:۵۵

۲- اشرف علی تھانوی کے بھانجے مولوی ظفر علی تھانوی سے جو لوگ مرید ہیں، ان کو مسلمان سمجھنا اور ان میں سے کسی کو مسلمانوں کی مسجد کا انتظام سپرد کرنا از روے شریعتِ محمدی کیسا ہے؟ اور اس کو کسی اسلامی عہدے پر باقی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر عہدہ نہ چھوڑتا ہو تو سنی مسلمان کیا کریں؟

الجواب

۱- مذکورہ شخص نے اگر دیوبندی عقیدوں سے باخبر ہوتے ہوئے ایسا کہا تو وہ دیوبندی ہے۔ اس کو سنی حنفی مسجد کی صدارت و رکنیت کا کوئی حق نہیں اور اگر دیوبندی عقائد سے بے خبر ہے تو یہ اس کی جہالت ہے۔ ایسی صورت میں اس کو علماے دیوبند کے کفریات سے باخبر کیا جائے۔ باخبر ہونے کے بعد پھر وہ دیوبندیوں کے ساتھ عقیدت مندانہ تعلقات رکھے تو وہ بھی دیوبندی ہے۔ ایسے شخص کو سنی مسجد یا مدرسہ کی صدارت یا رکنیت کا کوئی حق نہیں، اس کو اس عہدے سے معزول کر دیا جائے۔

۲- مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب "حفظ الایمان" میں حضور ﷺ کے علم غیب کو جانوروں اور پاگلوں کے علم کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جس میں حضور ﷺ کی سخت توہین ہے۔ اسی وجہ سے علماے ہند اور علماے حرمین طیبین نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا جس کی تفصیل "حسام الحرمین" میں مذکور ہے۔ ظفر علی تھانوی اس کفر جانتے ہوئے اشرف علی تھانوی کو اپنا پیشوا، پیر اور بزرگ مانتے ہیں، لہٰذا وہ بھی کافر ہوئے۔ جو شخص ان کے کفر سے واقف ہوتے ہوئے ان کا مرید ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ وہ مسلمانوں کی مسجد یا مدرسہ میں منتظم یا متولی وغیرہ نہیں ہو سکتا۔ ایسے شخص سے مسلمان مقاطعہ کریں۔ و ھو تعالیٰ اعلم.

وہابی عقائد کی تعلیم دینے والے معلّم کا حکم

مسئلہ ایک حافظ مدرسہ میں لڑکوں کو وہابیہ عقائد کی تعلیم دیتا ہے اور وہابیہ کتب منگا کر فروخت کرتا ہے جس کی وجہ سے عقائد خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ ایسی صورت میں ایسے شخص کو مدرسہ سے علاحدہ کر دینا چاہئے یا نہیں۔ ان سوالات کا جواب مدلل و مفصل مرحمت فرمائیے۔ بینوا توجروا.

المستفتی: کمترین چودھری عبدل، ڈھکیا پیرو ضلع۔ مراد آباد۔ ۱۴ر مارچ ۱۹۵۳ء

الجواب

جو حافظ طلبہ کو وہابی عقائد کی تعلیم دیتا ہے اور وہابیوں کی کتابوں کی اشاعت کرتا ہے وہ خود وہابی ہے۔ اس کو مدرس رکھنا ہرگز جائز نہیں اس کو مدرسہ سے علاحدہ کر دینا ضروری ہے۔

اگر یہ حافظ وہابی عقائد کی تعلیم نہ دیتا اور وہابیوں کی کتابوں کی اشاعت نہ کرتا تب بھی چونکہ یہ بد عقیدہ ہے اس

لیے اس کا مدرس رکھنا جائز نہیں تھا اس لیے کہ علم دین دیندار خوش عقیدہ مسلمان سے پڑھنا چاہئے، بد عقیدہ شخص سے علم دین پڑھنا ہی جائز نہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں امام ابن سیرین سے مروی ہے:

ان هذا العلم دين فانظروا عَمّنْ تاخذون دينكم.[1] یہ علم دین ہے پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ تم

اپنا دین کس سے لیتے ہو۔

بد عقیدہ لوگوں سے پڑھ پڑھ کر ہزاروں گم راہ ہوگئے۔ بد عقیدہ کی صحبت سم قاتل اور زہر ہلاہل ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد العزیز عفی عنہ، صدر المدرسین دار العلوم اشرفیہ مبارک پور۔ ۱۰ر رجب ۷۲ھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف مدرس دار العلوم اشرفیہ

کیا زندوں کو بھی ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱)۔آں حضرت محمد ﷺ کو حیات مانتے ہیں، اگر یہ درست ہے تو آں حضرت ﷺ کو ثواب بخشنا کیسا ہے؟

(۲)۔جو لوگ شہید ہوتے ہیں، اسلام کے بارے میں، یعنی حق میں جیسے شہدائے کربلا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یا اصحاب رسول اللہ ﷺ یا ان کے بعد اور بزرگانِ دین جو بھی شہید ہوئے ہیں آیا وہ زندہ ہیں یا نہیں؟

(۳)۔اگر وہ زندہ ہیں تو ان کو ثواب بخشنا چاہیے یا نہیں؟

(۴)۔اگر ثواب بخشنے کا حکم شریعتِ محمدی میں ہے تو اس کا طریقہ بتادیں کس طرح بخشنا چاہیے؟

ان سوالوں کا جواب قرآن شریف اور حدیث شریف سے حکمِ خداوندی اور فرمانِ محمد ﷺ کے ساتھ ثابت کر کے سمجھادیں۔

سوال نمبر ۱-۲ میں مسئلۂ حیات النبی اور شہدائے کربلا کی صورت کو خیال میں رکھتے ہوئے جواب دیں۔

مستفتی: احمد سیٹھ، موتی تالاب، مالے گاؤں سٹی

الجواب

بے شک انبیائے عظام علیہم السلام اور شہدائے کرام زندہ ہیں اور ان حضرات کے لیے ایصالِ ثواب باعثِ اجر و ثواب ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا:

(۱) ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، ص: ۳۷

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الأنبياء فنبيّ الله حيٌّ يرزق. (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیا علیہم السلام کے جسموں کو کھائے، پس اللہ کے نبی زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں۔

شہداے کرام کے لیے قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. (۲)

جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور روزی پاتے ہیں۔

قرآن مجید اور حدیث شریف سے انبیاے عظام علیہم السلام اور شہداے کرام کی حیات ثابت ہے۔

رہا یہ شبہہ کہ جب وہ زندہ ہیں تو ان کو ثواب نہیں بخشنا چاہیے۔ یہ شبہہ جہالت پر مبنی ہے۔ ثواب بخشنے کے لیے آدمی کا مرنا ضروری نہیں، صرف سنی مسلمان ہونا شرط ہے۔ زندہ ہو یا مردہ ہر شخص کو ثواب پہنچتا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اپنی قربانی میں اپنی تمام امت کو شریک کیا، حدیث کے مبارک الفاظ یہ ہیں:

بسم الله اللّٰهم تقبل من محمد وآل محمد و من امة محمد ثم ضحّٰى به. (۳)

یعنی اے اللہ قبول کر اس قربانی کو محمد، آل محمد اور امت محمد کی طرف سے، پھر اس کی قربانی کی۔

حدیث شریف میں امت محمد وارد ہوا، جو زندوں اور مردوں سب کو شامل ہے۔ لہٰذا حدیث سے ثابت ہوا کہ عمل خیر کا ثواب زندوں اور مردوں سب کو پہنچتا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة او صوماً او صدقة او غيرها عند اهل السنة والجماعة. (٤)

بے شک انسان کو حق حاصل ہے کہ اپنے عمل کا ثواب دوسروں کو پہنچائے، نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا ان کے علاوہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک۔

اس عبارت میں لفظ "لغیرہ" ہے جو زندوں، مردوں سب کو شامل ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ زندوں اور مردوں

---

(۱) ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، ص:۳۷

(۲) قرآن حکیم، آلِ عمران ۳، آیت:۱۶۹

(۳) امام ابو الحسن مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری، مسلم شریف، ج:۲، ص:۱۵۶، کتاب الاضاحی/ مشکوٰۃ المصابیح، باب الاضحیۃ، ص:۱۲۷، مجلس البرکات، مبارک پور

(٤) شیخ الاسلام علامہ برہان الدین مرغینانی، ہدایہ اولین، ص:۲۸٦، مجلس البرکات، مبارک پور

سب کو ثواب پہنچتا ہے۔ جس عملِ خیر کا ثواب بخشا ہو بارگاہِ الٰہی میں عرض کرے۔ اے خداوند اس عمل خیر کو قبول فرما اور اس کا ثواب اپنے حبیب جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا، ان کے طفیل اور وسیلہ سے اہل بیت کرام واصحابِ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو پہنچا اور جس کو بخشا ہو اس کا نام شامل کر دے۔ درود شریف اور چاروں قل، سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھ لے تو بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ: عبد العزیز عفی عنہ

اصاب من اجاب: غلام جیلانی اعظمی عفی عنہ، مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

الجواب صحیح: محمد یحییٰ غفرلہ۔ ۲۵ر صفر ۱۳۱۷ھ، مدرس دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور۔

کلمہ کفر بولنے کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

عورت نماز عشا پڑھتی تھی ساتھ روشنی کے، اس کے شوہر لالٹین اٹھا کر اپنے دوسرے مکان میں لے گئے جب عورت نماز سے فارغ ہوئی تو اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ تم کافر کا کام کرتے ہو، اس کے شوہر نے یہ جواب دیا۔ کیا میں کافر ہوں؟ تو عورت نے یہ جواب دیا کہ ہاں کافر ہو اور کیا ہو۔ فقط والسلام

المستفتی: حاجی محمد ابراہیم، پورہ صوفی، مبارک پور ۲۱ دسمبر ۱۹۳۷ء

الجواب

عورت کا یہ کہنا کہ تم کافر کا کام کرتے ہو یہ غصہ کی حالت میں تھا اور یہ شوہر کو کافر کہنا نہ تھا شوہر کو اس وقت یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ کیا میں کافر ہوں؟ اس کے کہنے سے غصہ کی حالت میں عورت نے کہہ دیا کہ ہاں کافر ہو اور کیا ہو، یہ کلمہ کفر ہے کہ مسلمان کو کافر کہنا ہے۔ لہٰذا عورت پر توبہ ضروری ہے اور احتیاطاً تجدید اسلام اور تجدید نکاح کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

قبروں سے اولیاے کرام کا دیکھنا سننا اور امداد کرنا

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین متین...

ایک شخص نے اولیاء اللہ فی القبور کے دیکھنے سننے اور امداد کرنے کے ثبوت میں ایک فتوی پیش کیا دوسرا ان دعاوی سے منکر ہے۔ فتوی کی مندرجہ عبارات سے مدعی اول الذکر کے قول کی تصدیق کلیۃً نہیں ہوتی، حوالہ امام بخاری سے سماعت ظاہر ہوتی ہے اور جواب سلام لیکن جواب سلام مشروط باذن الٰہی ہے امام شافعی کے مندرجہ فتوی قول سے محض ایک امر ثابت ہوتا ہے۔ سعید ابن المسیب سلمان سے جو روایت نقل کرتے ہیں اس سے کوئی دعویٰ ثابت نہیں ہوتا، ان کے علاوہ مفتی نے کوئی قرآنی آیت دعویٰ کے اثبات میں نقل نہیں کیا ہے۔ امام بخاری رواۃ یا راوی کا قول

بیان کرتے ہیں یہ رواۃ یا راوی کیا ہیں؟ عرض یہ ہے کہ سائل ان دعاوی کا ثبوت قرآن واحادیث صحیحہ سے چاہتا ہے قرآن کریم بدرجہ اول بینوا توجروا۔ مستفتی: محمد یوسف قفل ساز، معترض: گھورے چوڑی فروش محمد آبادی

الجواب

بعون الملک الوھاب.

نمبرا: قرآن مجید رب العزت تبارک وتعالیٰ کا وہ جامع کلام ہے جو تمام اشیا کا روشن وواضح بیان ہے خود ارشاد فرماتا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ. (۱) اے محبوب ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل فرمائی جو ہر شئ کا روشن بیان ہے۔

قرآن مجید میں یہ مسئلہ بھی مذکور ہے پارہ دوم رکوع سوم آیت کریمہ۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ. (۲) جو راہ خدا میں قتل کئے گئے انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں۔

جب شہدائے کرام کو قرآن مجید نے زندہ بتایا اور ظاہر ہے کہ سننا دیکھنا مدد کرنا آثار زندگی ہیں زندوں ہی کے لیے یہ اوصاف ثابت ہوتے ہیں اور جب تک کسی دلیل سے ان کے اضداد بہرا۔ اندھا، اپاہج ہونا ثابت نہ ہوں زندہ شخص کے لیے یہ اوصاف مانے ہی جاتے ہیں۔ لہذا جب شہدا کو قرآن مجید نے زندہ فرمایا اور ان کے نہ دیکھنے نہ سننے نہ مدد کرنے کا قرآن وحدیث میں کہیں ذکر، نہ ہی یہ کہیں فرمایا کہ وہ زندہ تو ہیں لیکن نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ مدد کر سکتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ وہ سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، مدد کر سکتے ہیں۔ نیز قرآن مجید کی یہ آیت شہدا کی تعریف میں ہے اس مقام پر حق تعالیٰ نے صفت حیات سے ان کی تعریف کی ہے لہٰذا وہ حیات مراد لی جائے گی جو قابل تعریف ہو وہ وہی ہے جس میں سننا، دیکھنا پایا جائے اور مدد کرنا بھی ممکن ہو، لہٰذا اسی آیت سے شہدائے کرام کا سننا، دیکھنا، مدد کرنا بھی ثابت ہوا اور اولیائے کرام چونکہ شہدائے عظام کے حکم میں ہیں۔ لہٰذا ان کا سننا، دیکھنا، مدد کرنا بھی ثابت ہوا۔ غایۃ الامر یہ کہ حیات شہدا قطعی الثبوت ہے۔ اس پر نص قطعی کی دلالت قطعیہ ہے اور سننے دیکھنے مدد کرنے کا ثبوت اس درجہ کا نہیں، لیکن اس پر مدار ایمان بھی نہیں جس کے لیے ثبوت قطعی درکار ہو۔ اولیائے عظام وشہدائے کرام کی فضیلت کا اظہار ہے اس لیے اتنا ہی ثبوت کافی ووافی ہے۔ اس فرق کا ثمرہ یہی ہوا کہ حیات شہدا کا انکار کفر ہوا اور سننے دیکھنے مدد کرنے کا انکار کفر نہ ہوگا، مگر بد دینی اور شہدائے کرام واولیائے عظام سے بد عقیدگی کی علامت ضرور ہوگا،

---

(۱) قرآن حکیم، النحل ۱۶، آیت: ۸۹

(۲) قرآن حکیم، البقرۃ ۲، آیت: ۱۵۷

جس سے مسلمانوں کو اپنے تحفظ ایمان کے لیے اجتناب ضروری ہے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم.

سائل نے جس کو منکر قرار دیا ہے اس سوال میں وہ معترض بنا ہے اپنی دستی تحریر میں اس شخص نے ان امور کے اضداد کا بڑا زبردست دعویٰ کیا ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے:

"ہمارا اعتقاد ہے کہ اولیا اور شہدا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کسی کی مدد نہیں کرتے نہ کر سکتے ہیں اور دیکھتے بھی نہیں اور سنتے بھی نہیں ہیں۔ گھورے بقلم خود۔"

اس شخص کی جرأت پر حیرت ہے کہ قطعاً بے ثبوت بے دلیل بات کو اتنی دلیری سے اپنا عقیدہ بتارہا ہے جس کے ثبوت کے لیے قطعیت درکار ہے۔ یہ کتنا بڑا دعویٰ ہے جو اپنے ثبوت میں نصوص قطعیہ کا طالب ہے۔ لطف یہ ہے کہ شہدا کے نہ سننے، نہ دیکھنے پر، نہ مدد کر سکنے پر، تو بلا دلیل ہی یقین جما لیا اعتقاد بنالیا اور ان کے اضداد کا دلیری سے انکار کر دیا ان کے ثبوت میں اپنے مقابل سے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کا مطالبہ شروع کر دیا کیا خوب۔

خیر اس کو اس وقت منکر و معترض ہی فرض کر کے کلام کیا ہے مسئلہ کا ثبوت بفضلہ تعالیٰ اوپر گزرا آیت کریمہ سے شہدائے کرام کا دیکھنا، سننا، مدد کرنا ثابت ہوا۔ یہ بھی ظاہر کر دیا گیا کہ یہ مسئلہ عقائد و ایمانیات سے نہیں یہ شہدا کے فضائل سے ہے۔ لہٰذا ظنی ثبوت اس کے لیے کافی وافی ہے فتویٰ میں اولیاے کرام و شہداے عظام کے دیکھنے، سننے، مدد کرنے کا ثبوت کلیۃً موجود ہے جیسا کہ تفصیل سے ظاہر ہوگا، فتویٰ میں نہ بخاری کا حوالہ ہے نہ امام بخاری کا بلکہ عینی شرح بخاری کا حوالہ ہے اس کی عبارت سے اولیا، شہدا کا سننا ثابت ہے اور سلام کا جواب دینا بھی ثابت ہوتا ہے جو، جواب سوال پر ایک امر زائد ہے اور رہا ردِّ سلام کا باذن الٰہی مشروط ہونا یہ کسی دعوے کے لیے مضر نہیں، نہ دیکھنے سننے کے منافی ہے، نہ مدد کرنے کے مبائن۔ پھر اس سے کیا اعتراض جس طرح وہ باذن الٰہی سلام کا جواب دیتے ہیں اسی طرح باذن الٰہی مدد فرماتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول سے تین امر ثابت ہوتے ہیں: اول اپنی حاجت کے وقت اولیاے کرام کو وسیلہ قرار دینا، دوسرے ان کے مزارات مقدسہ پر حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرنا، تیسرے ان کے وسیلہ و برکت سے دعا کا جلد مقبول ہونا یہ اولیا کی امداد ہی تو ہے۔ یہ بھی امداد ہے کہ وہ بارگاہ الٰہی میں زائرین کے لیے دعا کریں سائل نے غور نہیں کیا اور سمجھ لیا کہ محض ایک امر ثابت ہوتا ہے سائل کے اس قول پر تعجب کہ۔

سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے کوئی دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ حالاں کہ اس سے لزوماً تینوں امر کا ثبوت ہے کیوں کہ ارواح مومنین کو اس قدر آزادی ہے کہ جہاں چاہیں جائیں، حتیٰ کہ جسم میں لوٹا دی جائیں تو ان کے لیے علاوہ روحانی دیکھنے، سننے، مدد کرنے کے جسمانی تصرفات بھی ثابت ہوئے کیوں کہ جب جسم میں روح داخل ہوگی تو آدمی سنے گا بھی، دیکھے گا بھی، مدد کرنا بھی ممکن ہوگا سائل کا یہ قول کہ:

”مفتی نے کوئی قرآنی آیت دعویٰ کے اثبات میں نقل نہیں کیا ہے۔“

قطعاً بے جا ہے۔ اول تو دعوے کا ثبوت قرآن کی آیت ہی پر موقوف نہیں حدیث شریف، اجماع امت، اقوال علماے معتمدین میں سے ہر ایک سے دعویٰ ثابت ہوسکتا ہے۔ پھر یہ ہٹ کرنا کہ قرآن کی ہی آیت سے ثبوت ہو، نہایت بے جا ہے۔ دوسرے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائل نے پورا فتویٰ پڑھا ہی نہیں چہ جاے کہ غور کرے کیوں کہ مفتی نے حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ” تذکرۃ الموتیٰ و القبور“ کی عبارت جو نقل کی ہے اس میں آیت کریمہ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ شہدا کے حق میں موجود ہے۔ اور اسی آیت کا مطلب حضرت قاضی صاحب موصوف نے بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ شہدا کی روحوں کو جسم عطا فرماتا ہے کہ جس جگہ چاہیں سیر کریں اور انبیا و صدیقین کے لیے یہ مرتبہ بدرجہ اولیٰ حاصل ہے اور اولیا، شہدا کے حکم میں ہیں۔ لہٰذا ان کو بھی یہ آزادی حاصل ہے اولیاء اللہ کی روحیں زمین و آسمان و جنت میں جس جگہ چاہتی ہیں جاتی ہیں دوستوں اور معتقدوں کی دونوں جہان میں مدد کرتی ہیں، دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں۔ سائل کو قاضی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب تذکرۃ الموتیٰ کی عبارت کو بنظر انصاف دیکھنا چاہیے، کتنی صراحت کے ساتھ کلیۃً دعویٰ کا ثبوت موجود ہے۔ بفضلہ تعالیٰ سائل کی منشا کے مطابق ان دعووں کا ثبوت قرآن مجید سے مذکور ہوا۔ فتوے کی تفصیل سے بھی کلیۃً دعوے کا ثبوت ظاہر ہوگیا۔ مولیٰ عزوجل قبول کی توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کیا تارک نماز کافر ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے بعد نمازِ جمعہ کثیر مجمع میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جو نماز نہیں پڑھتا وہ بے ایمان ہے، زید سے ایک عالم دین نے چند سوالات کیے، کیا جو لوگ اب تک نماز نہیں پڑھتے تھے وہ بے ایمان تھے؟ کیا ہمارے وہ آبا و اجداد جو کہ نماز نہیں پڑھتے تھے بے ایمان مرے؟ ان سوالات پر زید یہ کہتا ہے کہ آپ ان کو مسلمان سمجھتے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ ہاں وہ خدا و رسول کے حکم سے مسلمان ہیں۔ زید نے کہا کہ آپ مسلمان سمجھتے ہیں تو سمجھا کریں۔ اس کے بعد مجمع میں انتشار پیدا ہوگیا، جھگڑے کی نوبت آگئی۔ اس دوران امام مسجد اور دیگر چند اشخاص نے کہا کہ زید نے جو کچھ کہا ہے وہ کتاب میں لکھا ہے، ہم ثابت کر دیں گے۔ لہٰذا زید اور اس کی تائید کرنے والے تمام اشخاص کے لیے فیصلہ شرعی مع حوالۂ کتب معتبرہ ارشاد فرمائیں اور پیش امام مذکور کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ اگر پیش امام مذکور کے پیچھے نماز ادا کی گئی تو کیا جرم ہے؟ قرآن و حدیث کے حوالے سے ارشاد فرمائیں بینوا توجروا۔ المستفتین: عبد الشکور، محمد صادق و ساکنان سمک سیر، مالیگاؤں

الجواب

ارکانِ اسلام میں نماز رکنِ اعظم ہے۔ قرآن مجید اور حدیث شریف میں نماز کی بڑی سخت تاکید ہے۔ نماز کے ترک پر بڑی بڑی شدید وعیدیں آئی ہیں۔ بعض جگہ تارک نماز پر کفر کا اطلاق بھی کیا گیا ہے، مثلاً:

من ترك الصلوة فقد كفر. (۱) جس نے نماز ترک کی وہ کافر ہوا۔ (مرتب مصباحی)

یہ اطلاق زجراً اور تشدیداً کیا گیا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ جس نے نماز کو فرض نہ جان کر ترک کیا وہ کافر ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے گناہوں کے لیے بھی تشدید آئی ہے مثلاً حدیث میں ارشاد فرمایا:

لا يزني الزّاني حين يزني و هو مومن ولا يسرق السارق حين يسرق و هو مومن. (۲) ”زانی جس وقت زنا کرتا ہے مومن نہیں رہتا اور چور جس وقت چوری کرتا ہے مومن نہیں رہتا۔“

ان حدیثوں میں زانی اور چور سے ایمان کی نفی تشدیداً کی گئی ہے۔ یا کمالِ ایمان کی نفی ہے، یا یہ مطلب ہے کہ زنا اور چوری کو حلال جان کر کیا تو مومن نہیں، شراح حدیث ان احادیث کا یہی مطلب بیان فرماتے ہیں، اس لیے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔ شرح عقائد میں ہے:

فاعلم ان الايمان فى الشرع هو التصديق بما جاء به من عند الله تعالىٰ. (۳) یعنی بے شک شریعت میں ایمان تصدیق ہے ہر اس چیز کی جو نبی اللہ کی جانب سے لے کر آئے۔

لہٰذا جو مسلمان نماز کو فرض جانتا ہے اور محض غفلت و سستی سے ترک کرتا ہے وہ مومن ہے، کافر نہیں۔ زنا، چوری، ترک نماز گناہِ کبیرہ ہیں اور اہلِ سنت و جماعت کا اجماع و اتفاق ہے کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ایمان اور اسلام سے خارج نہیں۔ عقائد نسفی میں ہے:

الكبيرة لا تخرج العبد المومن من الايمان. (٤) یعنی گناہِ کبیرہ بندۂ مومن کو ایمان سے خارج نہیں کرتا۔

البتہ معتزلہ اور خارجیوں کا اس میں اختلاف ہے۔ معتزلہ مرتکب کبیرہ کو ایمان سے خارج مانتے ہیں اور خارجی

---

(۱) شیخ رکن الدین عبد العظیم منذری، الترغیب والترهیب، ج:۱، ص:۳۸٦

(۲) محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ، کتاب الإیمان، ص:۵۹، دار الفکر، بیروت.

(۳) علامہ سعد الدین تفتازانی، شرح العقائد، ص:۱۲٦، مجلس البرکات، مبارک پور.

(٤) نجم الدین محمد النسفی، عقائد نسفی، ، ص:۱۱٦، ۱۱۷، مجلس البرکات، مبارک پور

کافر جانتے ہیں۔ چنان چہ شرح عقائد میں ہے:

خلافاً للمعتزلة حيث زعموا ان مرتكب الكبيرة ليس بمومن ولا كافر . (۱)

معتزلہ کا اس میں خلاف ہے، انھوں نے کہا مرتکبِ کبیرہ نہ مومن ہے نہ کافر۔

خلافاً للخوارج فانهم ذهبوا الى ان مرتكب الكبيرة بل الصغيرة أيضًا كافر . (۲)

اور خارجیوں کا خلاف ہے، وہ اس طرف گئے کہ مرتکب کبیرہ بلکہ صغیرہ بھی کافر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ سخت گناہ گار ہے لیکن مومن ہے، اس کو بے ایمان جاننا معتزلہ اور خارجیوں کا مذہب ہے۔ زید کے اس قول پر کہ جولوگ نماز نہیں پڑھتے وہ بے ایمان ہیں، عالم صاحب کے سوالات مذکورہ فی السوال غالبًا اس تحقیق کے لیے تھے کہ زید تارک نماز سے ایمان کی نفی کا کیا معنی لیتا ہے۔ اگر تشدیداً اطلاق کرتا ہے یا کمالِ ایمان کی نفی کرتا ہے تو زید کا قول بن سکتا ہے مگر زید کا جواب دلیل ہے کہ زید تارک نماز کو مومن نہیں جانتا اور یہ عقیدہ بد مذہب، بددین معتزلہ اور خارجیوں کا ہے لہٰذا زید اور اس کے مؤیدین کو اس عقیدے سے توبہ کرنا چاہیے۔ امام مسجد نے زید کے اس غلط باطل قول کی تائید کی ہے لہٰذا امامِ مسجد کو بھی توبہ کرنا چاہیے، زید کی تائید میں یہ کہنا کہ زید جو کہتا ہے وہ کتاب میں لکھا ہے۔ کتاب میں اگر کہیں اطلاق ہے بھی تو وہی مطلب ہے جو اوپر احادیث کے تحت بیان ہوا۔ ان مؤیدین کی لاعلمی ہے کہ جانتے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

پیر ہونے کے لیے چار شرطیں

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و سردارانِ عظام اس مسئلہ میں کہ:

ماہ جمادی الاولیٰ ماہِ رواں میں حضرت مرشدنا نور الہدیٰ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گیاوی اس دارِ فانی کو چھوڑ کر عالمِ جاودانی میں تشریف لے گئے۔ آپ نے اپنے وصال کے تین گھنٹہ قبل اپنے صاحب زادگان کو بیعت فرمایا اور مولانا شاہ سراج الہدیٰ صاحب کو اپنا سجادہ اور مولوی حافظ شمس الہدیٰ صاحب کو معین سجادہ اور مولانا فیض الہدیٰ صاحب کو اپنا خلیفہ بنایا اور ان کی وصیت کے مطابق ہم اہل سنت مریدین ان کو مانتے ہیں، مگر محدود چند اشخاص جن میں دو تین مرید نکالے ہوئے اور بقیہ غیر مرید ہیں وہ اپنی شومیِ قسمت اور جہالت سے ان صاحب زادگان کو نااہل اور جاہل بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سجادگی اور خلافت کی اہلیت نہیں رکھتے۔ لہٰذا آپ حضرات صاحب زادگان سے واقف ہیں، کیا واقعی وہ شرائط جو پیر کے لیے ہونا چاہیے وہ ان میں نہیں پائی جاتے؟

---

(۱) علامه سعد الدين تفتازاني، شرح العقائد، ص: ۱۱۷، مجلس البركات، مبارك پور.
(۲) علامه سعد الدين تفتازاني، شرح العقائد، ص: ۱۱۷، مجلس البركات، مبارك پور.

الجواب

پیر کے لیے شریعت مطہرہ نے چار شرطوں کا جامع ہونا قرار دیا ہے۔ اول یہ کہ وہ سنی صحیح العقیدہ ہو، دوسرے عالم دین ہو، تیسرے باعمل ہو، فاسق وفاجر نہ ہو۔ چوتھے اس کا سلسلۂ بیعت نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم تک پہنچا ہو۔ جس میں یہ چاروں شرطیں پائی جاتی ہیں اس کی بیعت جائز ودرست ہے۔ آپ حضرات خود دیکھ لیں کہ صاحب زادگان میں یہ شرطیں موجود ہیں یا نہیں۔ اگر یہ چاروں شرطیں ان میں پائی جاتی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ان کی بیعت نہ کی جائے۔ میری نظر میں تو صاحب زادگان میں ان چاروں شرطوں کا ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہے، کیوں کہ وہ سنی صحیح العقیدہ ہونے کے ساتھ تقویٰ طہارت سے آراستہ ہیں، صاحب سلسلہ ہیں، ذی علم اور مستند عالم ہیں۔ لہٰذا صاحب زادگان قابل بیعت وخلافت اور لائق سجادگی ہیں۔ ان کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہونا اور ان کا مرید ہونا جائز ودرست واحسن ہے۔ صاحب زادگان کو نااہل اور جاہل بتانا دن میں آفتاب کا انکار کرنا ہے، جس کا سبب محض شرارت وخباثت معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

بلا خلافت مرید کرنے کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

آیا اگر کوئی بھی شخص سنی صحیح عقائد کا ہو اور بخاری، مسلم، ترمذی، مشکوٰۃ وغیرہ کی حدیثوں پر عمل کرتا ہو اور کتبِ فقہ سے مثلاً شرحِ وقایہ، ہدایہ، کنز، فقہ اکبر وغیرہ پر عمل کرتا ہو اور اتنا علم ہے کہ وقت ضرورت دینی مسائل کتب مذکورہ سے اور دیگر کتب سے نکال سکتا ہو اور فاسق معلن بھی نہ ہو اور اس کا سلسلہ صحیح طور سے حق ہو اور قادری خاندان یا چشتیہ خاندان سے مرید بنا ہوا ہو، مگر اس شخص کو اجازت اپنے پیر سے مرید بنانے کی نہ ملی ہو اور طلب کرنے پر اجازت نہیں دیتے ہوں اور یہ شخص اگر مرید کرنے کا طریقہ جان کر لوگوں کو مرید کرے تو آیا اس کی پیری، مریدی کا طریقہ سلسلہ اور اس کا بیعت کرنے کا طریقہ جائز ہے یا نہیں اور اس سے مرید ہونا جائز ہے یا نہیں، آیا کیا پیر کی اجازت لینا عین فرض ہے یا واجب یا سنت۔ جہاں اجازت وخلافت دیتے ہیں پیر اپنے مرید کو مرید بنانے کی، اس کی کیا وجہ ہے۔ اگر کسی کو اجازت نہ ملے تو کیا وہ کسی کو مرید نہیں بنا سکتا، یا بنا سکتا ہے جب کہ شریعت کے موافق ہو۔ بینوا توجروا۔ فقط۔

نوٹ:- جواب جلد ہی مع دلیل وترجمہ اردو، کالی سیاہی سے مع سند مہر، پتہ ہو انگریزی میں تکلیف اور خطا معاف فرمائیں۔ محمد سلیم ۱۳۶۶ھ

الجواب

باللہ التوفیق

مرشد دو قسم کا ہے۔ (۱) مرشد عام اور مرشد خاص۔ نمبر ایک: مرشد عام کلام اللہ وکلام رسول وکلام ائمۂ شریعت و

طریقت وکلامِ علمائے دین اہل رشد وہدایت ہے اسی سلسلہ صحیحہ پر ہے کہ عوام کا ہادی کلام علما، علما کا رہ نما کلام ائمہ، ائمہ کا رہ نماو مرشد کلام رسول، رسول کا پیشوا کلام اللہ جل وعلا وﷺ فلاح ظاہر ہو خواہ فلاح باطن کے لیے اسے اس مرشد سے چارہ نہیں جو اس سے جدا ہے بلاشبہ کافر یا گم راہ ہے۔ مرشد خاص کہ بندہ کسی عالم سنی صحیح العقیدہ، صحیح الاعمال جامع شرائط بیعت کے ہاتھ میں ہاتھ دے۔ یہ مرشد خاص جسے پیر وشیخ کہتے ہیں، دو قسم کا ہے۔ شیخ اتصال، شیخ ایصال۔ قسم اول شیخ اتصال یعنی جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انسان کا سلسلہ حضور پُر نور سید المرسلین ﷺ تک متصل ہو جائے اس کے لیے چار شرطیں ہیں:

۱- شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح حضور اقدس ﷺ تک پہنچا ہو، بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع ذریعہ سے اتصال ناممکن، بعض لوگ بلا بیعت محض بہ زعم وراثت اپنے باپ دادا کے سجادے پر بیٹھ جاتے ہیں۔ یا بیعت کی تھی مگر خلافت نہ ملی تھی تو بلا اذن مرید کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یا سلسلہ ہی وہ ہو کہ منقطع کر دیا گیا یا سلسلہ فی نفسہٖ صحیح تھا مگر بیچ میں کوئی ایسا شخص واقع ہوا جو بوجہ انتفائے بعض شرائط قابل بیعت نہ تھا اس سے جو شاخ چلی وہ بیچ میں سے منقطع ہے۔ ان صورتوں میں اس بیعت سے ہرگز اتصال حاصل نہ ہوگا۔ بیل سے دودھ یا بانجھ سے بچہ مانگنے کی مت جدا ہے۔

۲- شیخ سنی صحیح العقیدہ ہو ۳- عالم ہو ۴- فاسق معلن نہ ہو۔(۱)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے پیری ومریدی کے متعلق مفصل احکام تحریر فرمائے ہیں ان میں سے بقدر ضرورت میں نے نقل کر دیا ہے، جس سے آپ کے سوال کا جواب ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت درست نہیں جسے شیخ و مرشد و پیر نے اجازت مرید کرنے کی نہیں دی۔ فیوض وبرکات کا سلسلہ اس مرید تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اس پیر کا مرید کرنا اور مرید کا مرید ہونا ایسا ہی ہے جیسے بیل سے دودھ دوہا جائے یا بانجھ سے اولاد۔ نہ بیل دودھ دے سکتا ہے، نہ بانجھ اولاد۔ اس مسئلہ کی مفصل تحقیق اگر مقصود ہے تو اب فتاویٰ افریقہ از صفحہ ۱۲۳ر تا ۱۴۵ر دیکھیں۔ آپ کے تمام سوالوں کا جواب اور مفصل ہدایتیں اس میں محفوظ ہیں، جو دنیا کی کسی کتاب میں اس طریقۂ سنیہ پر نہ ملیں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جمعیۃ العلما مذہبی جماعت ہے یا سیاسی

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ:

۱- جمعیۃ العلما مذہبی جماعت ہے یا سیاسی؟

۲- جمعیۃ العلما میں کس مذہب اور کس عقیدہ کے مسلمان شریک ہیں۔ کیا ہمارے علمائے اہلِ سنت بھی اس

---

(۱) امام احمد رضا خاں، فتاویٰ افریقہ، ص: ۱۷۴ - ۱۷۸

میں شریک ہیں

۳- جمعیۃ العلما میں مسلمانانِ اہلِ سنت کو شریک ہونا اور چندہ دینا اور اس کی امداد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا تو جروا.

سائل: عبدالمجید و دیگر مسلمانان قصبہ بھوج پور، ضلع مراد آباد ۱۰ر صفر ۱۳۶۸ھ

الجواب

۱- جمعیۃ العلما وہابی دیوبندی مولویوں کی مذہبی جماعت ہے۔ اس کا نام ہی پکار کر بتا رہا ہے کہ وہ مذہبی جماعت ہے۔ اگر وہ محض سیاسی جماعت ہوتی تو اس کا نام جمعیۃ العلماء ہر گز نہ ہوتا۔ نیز لکھنو آل انڈیا مسلم کانفرنس میں یہ طے ہو چکا ہے کہ جمعیۃ العلما صرف مذہبی جماعت ہے، سیاسی جماعت نہیں، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ وہ سیاسیات میں بھی غیر مسلموں کی آلۂ کار ہے اور اپنے اغراض کے ماتحت مفادِ مسلم کے خلاف بہت کچھ کر گزرتی ہے۔

۲- جمعیۃ العلما وہابی دیوبندی مولویوں کی جماعت ہے، علمائے اہلِ سنت کو اس سے کیا واسطہ۔ علمائے اہلِ سنت تو ہمیشہ اس کا رد کرتے رہے ہیں۔ جمعیۃ العلما کی مکاری، غداری، فریب کاری سے مسلمانوں کو باخبر کرتے رہے ہیں۔

۳- مسلمانوں کو جمعیۃ العلما میں شریک ہونا یا اس کی کسی قسم کی اعانت کرنا ہر گز ہر گز جائز نہیں۔ جمعیۃ العلما کا ممبر بننا، اس میں چندہ دینا حرام ہے، گناہ خریدنا ہے کیوں کہ جمعیۃ العلما میں وہابی مذہب اور عقیدہ کے مولوی ہیں جن پر علمائے حرمین طیبین (مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ) اور ہندوستان کے علمائے اہلِ سنت نے کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ جس کی تفصیل فتاویٰ حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ میں مذکور ہے۔ لہٰذا سنی مسلمانوں کو جمعیۃ العلما اور اس کے کارکنوں سے پرہیز و گریز ضروری ہے۔ اسی میں ان کے ایمان کی سلامتی اور مذہب کی حفاظت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

ہر قبر کے مردہ کا ولی ہونا کوئی ضروری نہیں

مسئلہ آمدہ از: قصبہ فرید نگر، مدرسہ اسلامیہ عین العلوم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک امام صاحب ایک گاؤں میں مسجد کے خطیب تھے اور وہ درس و تدریس بھی بچوں کو سکھاتے تھے۔ قریب بیس پچیس بچے قرآن پاک اور دیگر کتابیں بھی پڑھتے تھے اور دس لڑکیاں بھی قرآن پاک اور دینیات کی کتابیں پڑھتی تھیں۔ عرصہ بھی ان خطیب صاحب کو نو دس سال کا ہو گیا تھا۔ ان لڑکیوں میں ایک لڑکی جس کی عمر آٹھ سال سات ماہ تھی، پڑھنے کا بے حد شوق تھا، یہاں تک کہ قرآن پاک اور دس بارہ کتابیں گوہرِ غوثیہ، سوانح عمری صحابۂ کرام، گلدستہ عزیزیہ اور دیگر کتابیں دینی پڑھ چکی تھی، تین پارہ حفظ ہو گئے تھے، یٰسٓ وظائف اور دِ زبان رہتی تھی، اب رمضان شریف جو آتا ہے تو اس نے

تمام روزے رکھے، ہر چند منع کرتے تھے لیکن باز نہ آتی تھی، بعد عید مبارک کے شوال کا روزہ رکھا۔ اس کا وصال ہو گیا۔ اب امام صاحب کہتے ہیں کہ بچی ایک درویش کے ہمراہ بارہ ایک بجے رات کو مدرسہ میں آئی۔ خطیب کہتے ہیں کہ میں بیدار تھا، لیکن دیکھتا تھا بولا نہیں جاتا تھا، ہاتھ پاؤں نہیں ہلتا تھا، فقیر نے کہا کہ اس بچی کو ہمارے ہی مزار میں دفن کیا اچھا کیا۔ اتنا کہہ کر غائب ہو گئے۔ دوسرے روز امام صاحب قرآن شریف لے کر قبرستان گئے، پہلے خوشبو آئی، آنکھیں بند ہو گئیں، لیس وطٰہ کی آواز آئی۔ اب نوازش فرما کر قرآن وحدیث مع دستخط مہر کیجیے کہ یہ شریعت میں جائز ہے یا نہیں، ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

مقبولان بارگاہ الٰہی انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور اولیاے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بعدِ وفات بھی زندہ ہیں اور باذنہ تعالیٰ جس جگہ جہاں چاہیں جاسکتے ہیں، لیکن ہر قبر کے مردہ کا ولی ہونا کوئی ضروری نہیں۔ اور ہر ولی کا کسی جگہ چلا جانا کوئی ضروری نہیں ہے، جیسے ہر ممکن شئ کا واقع ہو جانا کوئی ضروری نہیں، مثلاً امام صاحب کا ولی ہونا ممکن ہے مگر کیا ضروری ہے کہ امام صاحب ولی ہوں؟

سوال میں بزرگ اور لڑکی کا مدرسہ میں آنا اور قبر سے خوشبو کا سونگھنا اور لیس وطٰہ کی آواز سننا یہ سب امام صاحب ہی کا بیان ہے، لہٰذا یہ بھی ممکن ہے کہ لڑکی چوں کہ بہت ہی ذہین تھی، تھوڑی سی عمر میں اس نے بہت کچھ پڑھ لیا تھا، اس وجہ سے امام صاحب کو اس سے انتہائی محبت تھی۔ دل ودماغ پر اس کا اثر تھا جس سے ایسا تخیل قائم ہو گیا اور کوئی بات نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم. عبدالعزیز عفی عنہ، صدر المدرسین مدرسہ دار العلوم اشرفیہ

۲۰ر جمادی الاخریٰ ۱۳۷۶ھ

یزید کو امیر المومنین کہنے والے کا کیا حکم ہے؟

از: مشرف حسین قادری، کیر آف سید نوال شاہ قادری، کلکتہ۔

مسئلہ ایک مولوی صاحب نے جنھیں اپنے علم پر ناز ہے، ان کا یہ قول ہے کہ یزید امیر المومنین اور اولی الامر تھا اور اس کی اطاعت واجب تھی۔ اب علماے اہلِ سنت کیا فرماتے ہیں کہ یزید کو امیر المومنین کہنا اور اس کو اولی الامر جاننا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان کی اطاعت مسلمانوں پر واجب تھی یا نہیں۔ امید ہے کہ دلائل قاطعہ وبراہینِ ساطعہ سے اس کا جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب

جن مولوی صاحب کا ذکر آپ نے سوال میں کیا انھیں اپنے علم پر تو نہیں اپنے جہل پر ضرور ناز ہو سکتا ہے اور گم راہی پر گھمنڈ ورنہ علماے ملتِ اسلامیہ میں تو یزید کے مسلمان ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے کہ وہ مسلمان بھی

تھا یا نہیں۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک اس باب میں توقف ہے، چہ جائے کہ اس کا اولی الامر اور امیر المومنین ہونا۔ وہ ظالم وجابر بادشاہ اور نہایت ہی سفاک انسان اور غاصبِ خلافت تھا۔ شرح عقائد نسفی میں ہے:

إنما اختلفوا في يزيد بن معاوية ذكر في الخلاصة وغيرها إنه لا ينفي اللعن عليه وعلى الحجاج لأن النبي ﷺ نهي عن لعن المصلين و من كان من أهل الكلية و ما تضل عن النبي عليه السلام من اللعن بعض أهل القبلة فلما أنه يعلم من أحوال الناس لا يعلمه غيره وبعضهم أطلق اللعن عليه لما اله كفر حين أمر بقتل الحسين وإتقوا على جواز اللعن على من قتله أو أمر بن وأجازه و رضا به والحق إن رضاء يزيد بقتل الحسين و استيثاره بذلك وإهانه أهل بيت النبي عليه السلام مما تواتر معناه وإن كان تفاصيلة أحاد فنحن لا نتوقف في شانه بل في إيمانه لعنة الله عليه و على أنصاره و مواله . والله تعالىٰ أعلم

عبد المنان اعظمی، ٤ جمادی الاولیٰ ١٣٧٧ھ الجواب صحیح: عبد العزیز عفی عنہ

☆☆☆☆☆

کتاب الطہارات

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ. (المائدة:٦)

"اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی رکھے بلکہ وہ تو تمھیں صاف ستھرا کرنا چاہتا ہے۔

الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ. (مسلم)

پاکیزگی نصف ایمان ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالتِ جماع میں ملبوس کپڑے پاک ہیں یا ناپاک؟

مسئلہ آمدہ از: ڈاک خانہ مہنداول، محلہ بنری ٹولہ، ضلع بستی، یاد علی وارثی۔ ۱۲ر محرم ۱۳۶۹ھ

مسئلہ بہ وقت جماع جو کپڑا بدن پر رہتا ہے، مثلاً کرتا قمیص، تہبند، پاجامہ، بہ وقت غسل ان سب کپڑوں کا دھونا ضروری ہے یا صرف تہبند یا پاجامہ۔ ہمارے یہاں عموماً یہ رائج ہے کہ صرف پاجامہ یا تہبند دھوتے ہیں، اور کرتا، قمیص، واسکوٹ، صدری، یا کوٹ نہیں دھوتے، یہ کیسا ہے؟

الجواب

جماع کے وقت جو لباس جسم پر ہوتا ہے وہ پاک ہے، جس کپڑے کو نجاست لگ گئی وہی ناپاک ہوگا اور اتنا ہی ناپاک ہوگا جتنے کپڑے پر نجاست لگی، باقی حصہ اس کپڑے کا بھی پاک ہے۔ لہٰذا صرف کپڑے کے اس حصے کو دھونے کا حکم ہے جس میں نجاست لگی۔ اب اگر وہ نجاست انگریزی دَور کے سکے کے برابر ہے تو اسے دھونا واجب اور اس سے زیادہ ہے تو اسے دھونا فرض ہے۔

بے وضو شخص کے جھوٹے پانی کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے وضو کے لیے لوٹے میں پانی رکھا بکر کو پیاس معلوم ہوئی اس نے اس پانی کو جو وضو کے لیے رکھا تھا منہ لگا کر پی لیا، اس پر زید برافروختہ ہو کر کہنے لگا کہ اس پانی سے اب وضو نہیں ہوگا اس کو گرا کر دوسرا پانی لیا اور اس سے وضو کیا۔ اس پر بکر نے پوچھا کہ کوئی ایسی صورت ہے جس سے وہ پانی سے پیاس بھی بجھالے اور وضو بھی کرلے؟ تو اس نے کہا، ہاں! بجائے گردن سے اگر ٹوٹی سے پانی پی لے تو وضو ہو جاتا ہے۔ اب جواب طلب امر یہ ہے کہ گردن کے ذریعہ سے پانی پینے سے وضو ہوتا ہے کہ نہیں؟

الجواب

بے وضو شخص جس کا منہ دھلا نہ ہو لوٹے سے منہ لگا کر پانی پیے اور ہونٹ پانی میں نہ ڈوب جائے جیسا کہ عادۃً ہوتا ہے تو پانی قابل وضو نہ رہے گا، البتہ ٹوٹی سے پینے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ بچا ہوا پانی دونوں صورت میں پاک ہے، مگر پہلی صورت میں عادۃً مستعمل ہو جاتا ہے، اس لیے اس سے وضو جائز نہیں۔ اور ثانی صورت میں مستعمل نہیں ہوتا، اس لیے وضو جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے وضو شخص کے وہ اعضا جن کا وضو میں دھونا فرض ہے جیسے منہ، ہاتھ وغیرہ ان میں سے کوئی عضو یا اس کا کوئی حصہ تھوڑے پانی میں ڈوب جائے جس کی مقدار ماء کثیر سے کم ہو تو وہ پانی مستعمل ہو جاتا ہے، جیسے دھلے بغیر انگلی کا یا اس کا کوئی حصہ پڑ جائے تو وہ پانی مستعمل ہو جاتا ہے اور حاجت غسل والے کے تمام جسم کا یہی حکم ہے کہ جسم کا کوئی حصہ پانی میں ڈوب جائے تو پانی مستعمل ہو جائے گا۔ کذا فی عالمگیری۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ لوٹے کے گلے سے منہ لگا کر پانی پینے میں اوپر کا ہونٹ جس کا دھونا وضو میں فرض ہے، عادۃً پانی میں ڈوب جاتا ہے اس لیے پانی مستعمل ہو جاتا ہے، لہٰذا اس سے وضو نہ ہوگا اور اگر ٹونٹی سے پیا تو جسم کا کوئی حصہ جس کا وضو میں دھونا فرض ہے پانی میں نہیں ڈوبا کیوں کہ ہونٹ ٹوٹی کے اوپر رہتے ہیں، اس لیے باقی پانی مستعمل نہیں ہوا لہٰذا اس سے وضو جائز ہے، البتہ اگر لوٹے کے گلے سے منہ لگا کر بہ تکلف ایسی احتیاط سے پانی پیا کہ اوپر کا ہونٹ پانی سے بچا رہا تو ایسی صورت میں پانی مستعمل نہ ہوا لہٰذا اس سے وضو جائز ہے مگر یہ صورت نادر اور خلاف عادت ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب الصلاۃ

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ
کِتَابًا مَّوْقُوْتًا. (النساء)

بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے

بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے

إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ
عَمَلِهٖ صَلٰوتُهٗ. (ترمذی)

بے شک قیامت کے روز بندے کے عمل میں سب سے
پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقامت اور صف بندی کے احکام

مسئلہ آمدہ از: محمد ندیم، مسجد چھاؤنی، ناگپور، سی۔پی۔ ۵/ نومبر ۱۹۴۸ء بروز جمعہ

مسئلہ بخدمت جناب مولانا مولوی مفتی صاحب دام ظلکم۔ السلام علیکم۔

واضح ہو کہ مجھے امید ہے اور یقینِ محکم ہے کہ جناب مندرجہ ذیل استفسار کے جوابات حسبِ مسائلِ شرعیہ روانہ فرمائیں گے۔

① مکبر کو تکبیر کب کہنی چاہیے، آیا قبل از درستیِ صفوف یا بعد از قیامِ صفوف؟

② اگر مکبر تکبیر (اقامت) کہہ رہا ہو تو امام کو اپنا منہ کب قبلہ کی طرف کرنا چاہیے، آیا قبل از اقامت یا دورانِ اقامت، یا بعد از اقامت؟

③ اگر امام، جب کہ اقامت کہی جارہی ہو اور وہ اپنا منہ بجائے قبلہ کے مقتدیوں کی طرف برائے درستیِ صفوف کیے ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

④ اگر مکبر اقامت شروع کردے قبل اس کے کہ امام مصلیٰ پر موجود ہو تو اس کا مسئلہ کیا ہے، آیا درست ہے یا غیر درست؟

⑤ تکبیرِ تحریمہ سے کون سی تکبیر مراد ہے؟ اقامت یا وہ تکبیر جو امام نماز شروع کرنے کے لیے کہتا ہے؟

⑥ امام کو نماز شروع کرنے والی تکبیر کب کہنی چاہیے؟

⑦ امام کو نماز کب شروع کرنا چاہیے؟

⑧ اگر جماعت کثیر ہو کہ امام اپنے مصلّے پر سے صفِ اول کے سوا دیگر صفوف کو دیکھ نہیں سکتا اور ایسی حالت میں جب کہ تکبیر (اقامت) کہی جارہی ہو تو امام اپنی جگہ سے ہٹ کر پچھلی صفوں کو دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ اسے یقین نہ ہو کہ صفیں درست نہیں ہیں گو کہ اس کے متعلق وہ زبان سے تنبیہ کر چکا ہو۔

الجواب

① صف درست ہونے سے پہلے مکبر کو تکبیر کہنی چاہیے۔ کھڑے ہونے اور صف درست کرنے کا وقت تکبیر سے پہلے نہیں ہے، بلکہ جس وقت مکبر حی علی الفلاح کہے، اس وقت کھڑے ہوں اور صف درست

کریں۔ بہ حالتِ قیام تکبیر کا انتظار کرنا، یوں ہی ابتداے اقامت میں کھڑے ہوجانا مکروہ ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی تکبیر ہوتے میں آیا اسے بھی بیٹھ جانا چاہیے۔ جب مکبر حی علی الفلاح کہے، اس وقت کھڑا ہو۔ عالم گیری میں ہے:

"یقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن حیَّ علی الفلاح عند علمائنا الثلاثة و هو الصحیح."[1]

اور ایسا ہی کنز و نور الایضاح و الاصلاح و ظہیریہ و بدائع و غیرہا بلکہ کثیر کتب میں ہے۔ اور طحطاوی علی مراقی الفلاح و جامع المضمرات و عالمگیری و رد المحتار میں ہے: (واللفظ للطحطاوی)

وإذا أخذ المؤذن فی الإقامة و دخل رجل المسجد فانه یقعد ولا ینتظر قائما فانه مکروه کما فی المضمرات. قهستانی. و یفهم منه کراهة القیام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون."[2]

یہ اس وقت ہے جب کہ امام بھی مسجد میں موجود ہو۔ مراقی الفلاح میں ہے:

"(القیام) ای قیام القوم والامام ان کان حاضرا بقرب المحراب (حین قیل) أی وقت قول المقیم (حی علی الفلاح) لانه امر به فیجاب."[3]

اور اگر امام وہاں موجود نہ ہو تو مکبّر جب تک اسے آتا نہ دیکھ لے تکبیر نہ شروع کرے حدیث میں ہے:

"المؤذن املك بالأذان و الامام املك بالإقامة."[4]

اور سنن ابو داؤد میں جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

"قال کان بلال یوذن ثم یمهل فاذا رأی النبی ﷺ قد خرج أقام الصلوٰة."[5]

اور اگر شروع کر دیا تو قوم اس وقت تک نہ کھڑی ہو جب تک امام نہ آئے، اگرچہ تکبیر ختم ہو جائے۔ لقوله ﷺ:

إذا أقیمت الصلوٰة فلا تقوموا حتی ترونی قد خرجت.[6] رواه البخاری و مسلم و النسائی و ابو داؤد عن ابی قتاده."

---

(۱) عالمگیری، کتاب الصلاة، ج:۱، ص:۶۳، ۶۴، الباب الثاني فی الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والاقامة و كيفتهما، دار الكتب العلمية، بيروت

(۲) مراقی الفلاح فصل فی آداب الصلاة، ص:۱۵۱

(۳) طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، ص:۱۵۱

(۴) ترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء أن الإمام أحق بالإقامة، مجلس البركات، أشرفيه، مبارك فور، ص:۲۸

(۵) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب فی المؤذن ينتظر الإمام، ص:۷۹

(۶) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب فی الصلاة تقام ولم يات الإمام ينتظرونه قعودا، ص:۸۰

پھر جب امام آئے تو اس وقت دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: اگر صفوں کی طرف سے داخلِ مسجد ہو تو جس صف سے گزرتا جائے وہی صف کھڑی ہوتی جائے۔

دوسری صورت: اور اگر سامنے سے آئے تو دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں۔ اور اگر خود امام ہی تکبیر کہے تو جب تک پوری تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے مقتدی اصلاً نہ کھڑے ہوں بلکہ اس نے اگر مسجد سے باہر تکبیر کہی تو ختم ہونے پر بھی نہ کھڑے ہوں جب وہ مسجد میں داخل ہو اس وقت کھڑے ہوں۔ عالم گیری میں ہے:

"فاما اذا كان الامام خارج المسجد فان دخل المسجد من قبل الصفوف فكلما جاوز صفا قام ذلك الصف و اليه مال شمس الأئمة الحلوائى والسرخسى و شيخ الاسلام خواهر زاده و ان كان الامام دخل المسجد من قد امهم يقومون كما رأوا الامام.

و ان كان المؤذن والامام واحدا فان اقام فى المسجد فالقوم لا يقومون ما لم يفرغ من الاقامة و ان اقام خارج المسجد فمشايخنا اتفقوا على انهم لا يقومون ما لم يد خل الامام المسجد ويكبر الامام قبيل قوله « قد قامت الصلوٰة » قال الشيخ الامام شمس الأئمة الحلوائى : و هو الصحيح هٰكذا فى المحيط."[1]

(۲) استقبالِ قبلہ نماز کے لیے شرط ہے۔ نہ تکبیر سننے اور اس کے انتظار کے لیے کہ لازم ہو کہ تکبیر سے پہلے صف بندی ہو لے اور امام صاحب بھی رو بہ قبلہ کھڑے ہوں تو پھر تکبیر کا آغاز ہو۔ حکم وہی ہے جو سوال اول کے جواب میں گزرا کہ اگر امام مسجد میں موجود ہے تو امام اور قوم حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں گے اور قد قامت الصلوٰۃ پر امام نماز شروع کر سکتا ہے، لہذا اس شروع سے کچھ پہلے ہی اپنا منہ قبلہ کی طرف کرے گا۔ لیکن قد قامت الصلوٰۃ پر شروع کرنا ضروری نہیں۔ تکبیر ختم ہونے پر بھی شروع کرنا جائز ہے۔ بہر حال جب شروع کرے گا اس وقت استقبالِ قبلہ ضروری ہے۔ اس سے قبل امام کو اجازت ہے کہ وہ اور کسی طرف متوجہ ہو۔

(۳) متوجہ ہونے کا حکم سوال نمبر (۲) کے جواب سے معلوم ہوا۔ رہا صفوں کا درست کرنا تو امام کو اس کا خیال کرنا چاہیے در مختار میں ہے:

"يصفهم الامام بان يامرهم بذلك."[2] یعنی امام مقتدیوں کو ہدایت کرے گا کہ وہ صف درست رکھیں۔

---

(۱) عالمگیری، کتاب الصلاۃ، ج:۱، ص:۶۴، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني فى كلمات الأذان والاقامة و كيفيتهما ، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) در مختار ، كتاب الصلوٰة، ج:۲ ،ص:۳۰۹

اور امام سے زیادہ مقتدیوں کو خیال رکھنا ضروری ہے۔ انھیں کے حق میں وعید آئی ہے اور حضور نے فرمایا:

"عباد الله لَتَسَوُّنَّ صفوفكم أو لَيُخَالفنّ الله بين وجوهكم."(۱)

اے اللہ کے بندو تم صفوں کو درست کرو نہیں تو اللہ تمھارے درمیان اختلاف اور پھوٹ ڈال دے گا۔

نبی ﷺ اقامت کے بعد صفوں کو درست کرایا کرتے تھے اور اس کی سخت تاکید فرمایا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

"قال أقيمت الصلوٰة فأقبل علينا رسول الله ﷺ بوجهه فقال أقيموا صفوفكم وتراصوا فإني أراكم من وراء ظهري."(۲)

کہا: انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کے لیے اقامت کہی گئی تو ہماری طرف رسول اللہ ﷺ نے متوجہ ہو کر فرمایا اپنی صفوں کو سیدھی کرو اور خوب مل کر کھڑے ہو، اس لیے کہ میں تمھیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھا کرتا ہوں۔

④ اس کا جواب نمبر ا کے سوال میں گزر چکا۔

⑤ تکبیرِ تحریمہ اس تکبیر کا نام ہے جس سے نماز شروع ہوتی ہے، اقامت کا نام تکبیرِ تحریمہ نہیں۔

⑥ ⑦ سوال ششم و ہفتم کا حاصل ایک ہے۔ قد قامت الصلوٰة پر امام کو نماز شروع کرنے کا اختیار ہے لیکن اصح ہے کہ تکبیر ختم ہونے پر شروع کرے۔ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے:

"قال ابو يوسف: يشرع إذا فرغ من الاقامة."(۳)

طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے: "أي بدون فصل و به قالت الأئمة الثلاثة."(٤)

شرح المجمع میں ہے: "وهو اعدل المذاهب."

قہستانی میں خلاصہ سے ہے: "وهو الأصح."

نہر میں ہے: "وهو الحق." واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) مسلم شريف، ج:۱، ص:۱۸۲، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف و اقامتها و فضل الأول فالأول، مجلس البركات، أشرفيه، مبارك فور

(۲) صحيح بخاری، ج:۱، ص:۱۰۰، كتاب الأذان، باب اقبال الإمام على الناس عند تسوية الصفوف، مجلس البركات، اشرفيه، مبارك فور.

(۳) طحطاوی حاشیه مراقی الفلاح، ص:۱۵۱

(٤) طحطاوی حاشیه مراقی الفلاح، ص:۱۵۱

(۸) سوال نمبر (۱) کا جواب ملاحظہ ہو۔ اس میں عباراتِ فقہیہ واحادیثِ نبویہ نے اظہر من الشمس کر دیا ہے کہ بہ حالتِ قیام اقامت کا انتظار کرنا مکروہ ہے، تو اقامت سے قبل اور اقامت کے درمیان صف بندی کرنی اور کرانی کراہت سے خالی نہیں۔ اب امام کو چاہیے کہ جب حی علی الفلاح پر کھڑا ہو، مقتدی صف بندی کریں۔ اس وقت ہدایت کرے۔ اگر زبانی تعلیم وہدایت سے بھی نہ سمجھ سکیں تو امام ان کے قریب جاکر بتا سکتا ہے۔

سنن ابوداؤد میں براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

"قال كان رسول الله ﷺ يتخلل الصف من ناحية إلى ناحية يمسح صدورنا و مناكبنا و يقول لا تختلفوا فيختلف قلوبكم." (۱)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک صفوں میں داخل ہوتے اور ہمارے سینے یا مونڈھے صف سے آگے یا پیچھے ہوتے تو برابر فرما دیتے اور اس کے ساتھ فرماتے جاتے، اختلاف نہ رکھو کہ اس سے کہیں تمھارے دل مختلف نہ ہوجائیں۔

اور اس صورت میں اگرچہ اقامت اور نماز کے شروع کرنے میں کچھ تاخیر ہوگی لیکن اس میں کوئی حرج نہیں۔

صحیح بخاری وسنن ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

"قال أقيمت الصلوٰة فعرض للنبي ﷺ رجل فحبسه بعد ما أقيمت الصلوٰة."(۲) زاد هشام في روايته: حتى نعس بعض القوم."

یعنی اقامت کہی گئی تو ایک مرد حضور کے سامنے آیا اور اپنی کوئی حاجت پیش کی اور حضور کو دیر تک روکے رکھا، یہاں تک کہ بعض لوگ اونگھنے لگے۔

سنن ابوداؤد میں سالم ابن ابی النضر و مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"قال كان رسول الله ﷺ حين تقام الصلوٰة في المسجد إذا رأهم قليلا جلس لم يصل و اذا رأهم جماعة صلى."(۳)

یعنی جب مسجد میں اقامت کہی جاتی تو حضور اگر لوگوں کو قلیل محسوس فرماتے تو بیٹھ جاتے اور جب ان کو زیادہ دیکھتے تو نماز پڑھتے۔

والله أعلم بالصواب

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، ص:۹۷.

(۲) صحيح بخاري، كتاب الأذان، ج:۱، ص:۸۹، باب الكلام إذا أقيمت الصلاة، مجلس البركات، اشرفيه، مبارك فور،

(۳) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في الصلاة تقام ولم يات الإمام ينتظرونه قعودًا، ص:۸۰.

اذان ثانی کا حکم

مسئلہ آمدہ از: محمد احمد، شفیع آباد، کانپور، ۴ر اگست ۱۹۴۹ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسائلِ ذیل میں:

① بوقتِ خطبۂ جمعہ امام کی پشت کعبہ شریف کو اور منہ سامعین کی جانب ہو یا ترچھا بیٹھے؟

② بوقت خطبۂ جمعہ امام منبر پر بیٹھے جو کہ مغربی نمبر پانچ میں واقع ہے اور اسی کے مقابل نمبر پانچ مشرق میں موذن اذانِ ثانی دے تو یہ اذان خطیب کے سامنے ممبر کے آگے امام کے مواجہہ درو برو ہونا مانی جائے گی یا نمبر پانچ کے علاوہ تین، چار، یا چھ، سات میں موذن اذان دے تو یہ بھی محاذی خطیب کے سامنے ممبر کے آگے مواجہہ و روبرو مانا جائے گا؟

③ زاویہ قائمہ اور حادہ منفرجہ جو بنے گا منبر پانچ کے آگے بنے گا یا ترچھا یعنی پانچ نمبر مغربی و پانچ نمبر مشرقی کے اندر بنے گا۔ یا پانچ نمبر مشرقی سمت چھوڑ کر مشرقی ایک دو، اور سات، آٹھ کی طرف بنے گا؟

④ اگر خطیب و موذن کے درمیان دیوار حائل ہو تو اپنے بائیں یعنی بجائے نمبر پانچ کے ایک، دو اور سات، آٹھ جس طرف چاہے موذن کھڑا ہو بین یدیہ اذان مانی جائے گی یا نہیں؟

⑤ اذان ثانی جمعہ کا خطیب کے سامنے و نیز منبر کے آگے امام کے مواجہہ یعنی روبرو محاذات میں ہونا صحیح ہے یا بغیر منہ پھیرے موذن پر نظر پڑے گو دور ہونے میں کتنی ہی نظر چوڑی ہو چوڑان میں ہو ترچھا اور محاذات منبر و خطیب کے خلاف ہو صحیح مانی جائے گی۔ از روے شرع شریف جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب

جمعہ کے دن اذانِ خطبہ خطیب کے روبرو خارج مسجد ہونا سنت ہے۔ ابوداؤد شریف میں ہے:

عن السائب بن يزيد قال كان يؤذن بين يدي رسول الله ﷺ إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد و أبي بكر و عمر.(1)

یعنی جب رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی تھی اور یہی طریقہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں تھا۔

اور مسجد کا دروازہ منبر شریف کے روبرو تھا، جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

دخل رجل يوم الجمعة من

یعنی ایک شخص جمعہ کے دن اس دروازے سے

---

(1) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الندا يوم الجمعة، ص: ١٥٥.

باب کان و جاه المنبر و رسول الله ﷺ قائم یخطب.(۱) — داخل ہوا جو منبر کے روبرو تھا اور رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے خطبہ پڑھ رہے تھے۔

منبر شریف لکڑی کا تھا، یہ بھی بخاری شریف میں ہے۔ دروازے سے اس کی محاذات، اس امر پر دلیل ہے کہ منبر شریف اور دروازہ مسجد میں دیوار وغیرہ حائل نہ تھی، لہذا ثابت ہوا کہ اذانِ خطبہ مسجد سے خارج خطیب کے روبرو سنت ہے۔ سوال کے نقشہ سے ظاہر ہے کہ منبر کے سامنے سمت مشرق خارج مسجد نمبر پانچ تک دیوار حائل نہیں، لہٰذا موذن نمبر پانچ پر کھڑا ہو کر اذان کہے تو یہ اذان بطریق مسنون ادا ہوگی اور اگر بالفرض کوئی دیوار حائل ہے تو منبر ہی کو ایسے مقام پر رکھا جائے جس سے موذن خطیب کے روبرو کھڑا ہو سکے۔ نہ کہ خطیب ترچھا ہو کر موذن کو جھانک جھانک کر محاذات پیدا کرے اور اگر منبر اینٹ پتھر وغیرہ کا بنا ہوا ہے کہ ہٹ نہیں سکتا تو لکڑی کا منبر بنایا جائے کہ لکڑی کا منبر سنت بھی ہے اور حسبِ ضرورت ہٹایا جا سکتا ہے۔ اس میں پانچوں نمبروں کے جوابات آ گئے۔ و هو تعالیٰ اعلم

کتبہ: عبد العزیز عفی عنہ

خطبۂ جمعہ کے درمیان اردو اشعار وغیرہ پڑھنا خلافِ سنت ہے۔

مسئلہ آمدہ از ڈاک خانہ مہنداول، محلہ بنری ٹولہ، ضلع بستی، یاد علی وارثی۔ ۱۲ر محرم ۱۳۶۹ھ

مسئلہ ① خطبۂ جمعہ کے درمیان امام کا بطور نصیحت کچھ کہنا یا کوئی شعر پڑھنا، زید کہتا ہے خلافِ سنت ہے، اس لیے ناجائز ہے، عمرو کہتا ہے جائز ہے کیوں کہ صدہا کام خلافِ سنت ہیں لیکن علمائے احناف انھیں جائز و مستحسن فرماتے ہیں، مثلاً فاتحہ، قیام، عرس، قرآن شریف کا اردو ترجمہ۔ کس کا قول صحیح ہے۔

② بوڑھی عورتوں کا مسجد میں جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے، اگرچہ سب سے پیچھے بوڑھی عورتوں کی صف ہو۔

الجواب

① خطبۂ جمعہ عربی میں سنت ہے۔ خطبہ کے درمیان اردو اشعار خواہ اردو تقریر مکروہ ہے۔ زید کا ناجائز کہنا بھی غلط ہے اور عمرو کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ صدہا کام خلافِ سنت ہیں اور علمائے احناف انھیں جائز و مستحسن فرماتے ہیں، مثلاً فاتحہ، قیام، عرس وغیرہ۔ صحیح یہ ہے کہ یہ امور ہرگز خلاف سنت نہیں، ان کی اصل سنت سے ثابت ہے۔

② اس زمانہ میں بوڑھی عورتوں کو بھی مسجد میں جماعت میں شریک ہونا منع ہے۔ و هو تعالیٰ اعلم.

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۱۳۷، كتاب الجمعة، أبواب الاستسقاء، باب الاستسقاء في المسجد، مجلس البركات، اشرفيه، مبارك فور،

اقامت میں "قد قامت الصلوٰۃ" پڑھنے کا صحیح طریقہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مسئلۂ ذیل میں کہ:

کلماتِ اقامت میں جو دو مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہا جاتا ہے، اس میں پہلی دفعہ صلوٰۃ کے آخر حرف کو مضموم پڑھنا اور دوسری دفعہ میں حرفِ مذکور پر وقف کر کے (ہا) پڑھنا کیسا ہے۔ زید کہتا ہے کہ اس طرح پڑھنا ضروری ہے اور عمرو کہتا ہے کہ دونوں مرتبہ (ہا) پڑھنا ضروری ہے اور بکر کہتا ہے کہ دونوں صورتیں درست ہیں۔ بکر کے قول کے مطابق دونوں صورتیں جائز ہیں تو اولیٰ اور بہتر کون ہے؟ جواب بالدلیل مع حوالہ کتب عنایت فرمائیں۔

الجواب

اذان و اقامت کے تمام کلمات کے آخر حرف پر سکون اور وقف ہے، مگر اذان و اقامت میں فرق یہ ہے کہ اذان میں حقیقۃً وقف ہے یعنی کلماتِ اذان میں سکون کے ساتھ سانس توڑ کر ٹھہر جائے اور کلماتِ اقامت میں سکون پڑھے اور وقف کی نیت کرے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"و یسکن کلماتهما علی الوقف لکن فی الأذان حقیقة و فی الأقامة ینوی الوقف." (۱)

لہٰذا دونوں مرتبہ لفظ قد قامت الصلوٰۃ کے آخری حرف ۃ کو ساکن کر کے ہْ پڑھا جائے۔ پہلی مرتبہ وقف ترک کر کے ۃ کو متحرک و مضموم پڑھنا یہ حرکت مذموم بدعت و خلافِ سنت ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے:

"و یسکن کلمات الأذان و الأقامة فی الاذان حقیقة و ینوی الوقف فی الأقامة لقوله ﷺ الاذان جزم والأقامة جزم و التکبیر جزم."(۲)

اس کے حاشیہ طحطاوی شریف میں ہے:

"یعنی للوقف والاولی ذکره."(۳)

---

(۱) فتاویٰ عالگیری، ج:۱، ص:۶۲، کتاب الصلوٰۃ، الباب الثاني فی الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) مراق الفلاح، ص:۱۰۵

(۳) حاشیه طحطاوی، ص:۱۰۵

یعنی اذان واقامت کے تمام کلمات کے آخر میں سکون پر وقف کرے۔ اذان میں حقیقۃً یعنی سانس توڑ کر ٹھہر بھی جائے اور اقامت میں سکون و جزم پڑھے اور وقف کی نیت کرے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اذان واقامت اور تکبیر میں جزم ہے جب کہ صاحب شریعت مختار کل محمد رسول اللہ ﷺ نے اقامت کے جزم کی تصریح فرمائی جو بالخصوص قد قامت الصلوٰۃ بالنص شامل ہے تو حرف "ۃ" کا سکون و جزم ترک کر کے اس کو متحرک و مضموم پڑھنا بلا شبہہ مذموم ورافعِ سنت ہے اور ارشادِ نبوی کی مخالفت ہے اور ثابت ہوا کہ زید اور بکر دونوں کا قول غلط ہے۔ فقہ حنفی وار شادِ نبوی کے خلاف ہے اور ثابت ہوا کہ اقامت میں دونوں مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ پر سکون و جزم کر کے پڑھا جائے گا۔ واللہ اعلم.

اذان خطبہ داخلِ مسجد مکروہ ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے خطبہ کی اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب

خطبہ کی اذان منبر کے سامنے مسجد سے خارج سنت ہے۔ مسجد کے اندر خطبہ کی اذان بھی مکروہ ہے، اس لیے کہ خطبہ کی اذان بھی اذان ہی ہے بلکہ اذان زمانہ اقدس حضور سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم اور زمانہ صدیقِ اکبر وفاروق اعظم رضی المولیٰ تعالیٰ عنہما میں یہی تھی۔ پہلی اذان امیر المومنین عثمان غنی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ نے زیادہ فرمائی۔ کما فی الصحیحین۔ اور اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے، جس پر فقہائے کرام کی تصریحات شاہد ہیں۔ علامہ سید احمد مصری نے فرمایا:

"یکرہ أن یوذن فی المسجد کما فی القهستانی."(۱)

لہٰذا جب کہ خطبہ کی اذان بھی بلا شبہہ اذان ہی ہے اور اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے تو خطبہ کی اذان بھی مسجد کے اندر مکروہ ہی ہوئی۔ وھُوَ تعالیٰ اعلم. کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

اذان خطبہ داخلِ مسجد سنت ہے یا خارج مسجد؟

مسئلہ آمدہ از: فقیر ابو سعید عبد الوحید فریدی الفاروقی، خانقاہ عالیہ رشیدیہ، شکر تالاب ڈاک خانہ، کینٹ بنارس

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ:

اذانِ ثانی جو خطبہ کے وقت ہوتی ہے، دروازہ پر کہنا سنت ہے یا مسجد کے اندر؟

سنن ابو داؤد شریف جلد اول میں ہے:

---

(۱) طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۱۰۷

عن السائب بن يزيد رضي الله تعالىٰ عنه قال كان يوذن بين يدى رسول الله ﷺ إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد و أبي بكر و عمر.(۱)

یعنی جب رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی اور یہی طریقہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں تھا۔

اس حدیث سے بداہۃً یہی معلوم ہوتا ہے کہ اذانِ ثانی جو خطبہ کے وقت کہی جاتی ہے مسجد کے دروازے پر ہونا چاہیے۔ یہی سنت ہے۔

فتاویٰ عالم گیری جلد اول میں ہے:

"يكره أن يؤذن فى المسجد."(۲)

غنیۃ شرح منیۃ میں ہے:

"والمكان هنا (أى فى الأذان) مختلف ، لأنه ينتقل عن مكان الأذان ، فى الغالب لأنه انما فى المدينة و خارج المسجد و الأقامة فى داخله، اه (۳)

عمدۃ الرعایۃ شرح وقایۃ میں ہے:

"قوله، بين يديه أي مستقبل الإمام فى المسجد كان أو خارجه والمسنون هو الثاني. اه (٤)

ان اقوال کے باوجود بکر اس پر اڑا ہوا ہے کہ خارجِ مسجد اذان ہونا حنفی مسلک کے خلاف ہے۔ اور استدلال میں کفایہ شرح ہدایہ کی عبارت پیش کرتا ہے:

"روى الحسن عن أبى حنيفة رحمه الله ان المعتبر فى وجوب السعى و حرمة البيع الأذان على المنارة لانه لو انتظر الأذان عند المنبر يفوته أداء السنة."(۵)

اور "عند" کا ترجمہ "قریب" کرتا ہے۔ حالاں کہ مولانا قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمۃ مالا بدمنه میں فرماتے ہیں:

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب النداء، يوم الجمعة، ص:۱۵۵.

(۲) فتاویٰ عالمگیری، ج:۱، ص:۵۵، كتاب الصلاة، الباب الثاني فى الأذان.

(۳) غنية المستملى شرح منية المصلى، ص:۳۷۷

(٤) عمدة الرعاية شرح وقاية، ج:اول، ص:۲٤۵

(۵) كفايه شرح هداية، ج:اول، ص:۱۰٤

وچوں امام بر منبر نشیند اذان دوم روبروے او گفتہ شود۔(۱)
یعنی جب امام منبر پر بیٹھے، اذان اس کے سامنے کہی جائے۔

آپ حضرات کی خدمت میں مودبانہ معروض ہوں کہ آپ اپنے قلمِ ہدایت رقم سے اظہارِ حق فرمائیں کہ اذان خارجِ مسجد ہونا سنت ہے یا مسجد کے اندر۔ بینوا و توجروا.

الجواب

مسجد خانۂ خدا ہے، دربارِ الٰہی ہے۔ بادشاہ اور حاکم کے دربار کی حاضری کا بلاوا دربار کے باہر ہی سے ہوتا ہے، دربار کے اندر سے پکارنا بے ادبی ہے۔ اس لیے اذان مسجد کے باہر مشروع ہوئی، لہذا اذانِ ثانی ہو یا اول، جمعہ کی ہو یا دوسرے اوقات کی، ہر اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے۔ فتاویٰ عالم گیری، قاضی خان اور شامی وغیرہ فقہ حنفیہ کی تمام کتابوں میں ہے:

"یکره أن یؤذن في المسجد."(۲) مسجد میں اذان مکروہ ہے۔

جمعہ کی اذانِ ثانی جو خطبہ کے وقت ہوتی ہے وہ بھی اذان ہی ہے، لہذا وہ بھی مسجد کے اندر مکروہ ہے۔

اس کی کراہت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ اذان ہے اور ہر اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے۔ لہذا یہ اذان بھی مسجد کے اندر مکروہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور خلفاے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سنت کریمہ کے خلاف ہے۔ لہذا مکروہ ہوئی۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مذکور فی السوال سے حضور ﷺ اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانۂ اقدس میں اذانِ ثانی مسجد کے باہر ہونا ثابت ہے۔ اور کوئی روایت ایسی نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد پاک میں اذانِ ثانی مسجد کے اندر ہوتی تھی۔ لہذا قدیم طریقہ ہی پر بات رہے گی اور یہ ثابت ہو گیا کہ پوری خلافت راشدہ میں اذانِ ثانی مسجد کے باہر ہی ہوتی تھی۔ لہذا اس کے خلاف اندرونِ مسجد ہونا بلا شبہہ مکروہ ہوگا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ کی تخصیص اذانِ اول کے اعتبار سے ہے۔ یعنی اذانِ اول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں نہ تھی بلکہ دورِ عثمانی میں ہوئی، اور یہ اذانِ اول بھی مسجد کے باہر مقامِ زوراء پر ہوتی تھی۔

اور وہ اذان جو حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی، اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت نہیں، لہذا وہ اپنی حالت پر رہی، بغیر ثبوت اسے مسجد کے اندر سمجھنا

(۱) مالا بد منہ، ص:۶۹، ۷۰

(۲) فتاویٰ عالمگیری، ج:۱، ص:۵۵، کتاب الصلاۃ، الباب الثاني في الأذان.

اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بلا ثبوت اس کی نسبت کرنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افترا ہے۔

یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں میں جب سستی دیکھی تو ضرورت محسوس کی اور ضرورۃً اذانِ اول کا اضافہ کیا۔ اس کے اضافے سے وہ ضرورت ختم ہوگئی۔ اذانِ ثانی کو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سنتِ کریمہ کے خلاف مسجد کے اندر لانے کی کون سی ضرورت پیش آئی، بلکہ ضرورت تو دوسری کو بحالہ مسجد کے باہر رکھنا چاہتی ہے۔

کفایہ کی عبارت سے بکر کا استدلال کرنا صحیح نہیں، کفایہ کی عبارت میں اذان سے سعی واجب کی ہے اور بیع حرام کی ہے۔ اس میں یہ دلیل قائم کی ہے کہ اگر اذانِ ثانی کا انتظار کر لیا گیا تو سنت کی ادا فوت ہو جائے گی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اذانِ ثانی اور اول دونوں مسجد سے خارج ہی ہیں۔ دونوں اذانوں کو مسجد کے باہر کے لوگ برابر سنتے ہیں جب ہی تو فرمایا کہ اگر اذان عند المنبر کا انتظار کرے گا تو سنت ترک ہو جائے گی۔ اگر اذانِ ثانی مسجد کے اندر منبر کے قریب ہی ہو تو شہر والے، محلے والے،، بازار والے اس کا انتظار کیسے کریں گے۔ ان کو اس کی آواز کیسے پہنچے گی۔ کفایہ کی عبارت: "لو انتظر الأذان عند المنبر." خود اس پر دلیل ہے کہ اذان عند المنبر بھی مسجد سے خارج ہے مگر عند المنبر اس لیے کہا ہے کہ منبر کے سامنے ہے اور منارہ کی نسبت منبر سے قریب بھی ہے۔ لہٰذا جمعہ کی اذانِ ثانی بھی خارجِ مسجد ہی سنت ہے۔ لیکن منبر کے سامنے ہونا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

عبد العزیز عفی عنہ

اقامت میں "حیّ علی الفلاح" پر کھڑے ہونے کا حکم

از: محمد سلمان عفی عنہ، کیراف شیخ علاء الدین، محلہ سلطان گنج، پٹنہ، ۲۴ر ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

جماعت کی نماز میں امام و مقتدی کو کس وقت کھڑا ہونا چاہیے۔ مذہبِ احناف کیا ہے، مدلل ارشاد فرمائیں۔

الجواب

نمازِ جماعت میں امام اور مقتدیوں کا اقامت کے شروع میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ یہاں تک کہ شروعِ اقامت کے وقت بھی اگر کوئی آئے تو اس کو بیٹھنا چاہیے۔ اس کو بھی کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔

الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

"وإذا أخذ المؤذن فی الأقامة و دخل رجل المسجد فانه یقعد ولا ینتظر قائما فانه مکروه کما فی المضمرات قهستانی و یفهم منه کراهة القیام ابتداء الأقامة والناس عنه

غافلون. انتہیٰ.“[1]

لہٰذا کراہت سے بچنے کے لیے بیٹھ کر اقامت سننا چاہیے۔ اگر امام محراب سے قریب ہے تو امام و مقتدی سب کو ”حی علی الفلاح“ پر کھڑا ہونا مستحب ہے۔ اور اگر امام موجود نہ ہو تو امام کے آنے پر کھڑے ہوں۔

مراقی الفلاح میں ہے:

”(و) من الأدب (القيام) أی قيام القوم والامام ان كان حاضراً بقرب المحراب (حين قيل) ای وقت قول المقيم(حی علی الفلاح) لانه امر به فيجاب و ان لم يكن حاضراً . يقوم كل صف حين ينتهی اليه الامام فی الأظهر.[2]

”ولا الضالین“ کے ”ض“ کو ”ظ“ ”ز“ یا ”دال“ سے بدل کر پڑھنے کا حکم

مسئلہ آمدہ از سکٹھی۔ مبارک پور

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

اکثر لوگ ولا الضالین کو بآوازِ ”ظ“ یا بآوازِ ”ز“ یا بآوازِ ”دال“ ادا کرتے ہیں۔ اس سے نماز فاسد تو نہیں ہوتی، یا معنیٰ تو نہیں بدل جاتے، یا کفر تو لازم نہیں آتا۔ فقہ اور حدیث کی روشنی میں تحریر کیجیے اور قراءت کی رو سے کیا پڑھنا چاہیے۔ بینوا و توجروا.

الجواب

قرآن مجید کی قراءت میں ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کرنا ضروری ہے، کسی حرف کی تبدیلی دوسرے حرف سے جائز نہیں۔

قال الله تعالیٰ:

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً۔[3] قرآن مجید کو ترتیل سے پڑھو۔

ترتیل کے معنیٰ وقف کی رعایت اور ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کرنا ہے۔ ترتیل نماز میں فرض ہے، بغیر

---

(۱) شیخ احمد طحطاوی، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص:۱۵۱

(۲) شیخ حسن بن عمار علی الشرنبلالی، مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، ص:۱۵۱

(۳) قرآن مجید، سورۃ مزمل-پ:۲۹ آیت:٤.

ترتیل کے نماز فاسد ہوتی ہے۔ تفسیر احمدی شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے:

وامرهم بترتيل القرآن واوجبه عليهم وهو ما نقل عن على رضى الله تعالىٰ عنه رعاية الوقوف و اداء المخارج كما صرح به فى الحسينى و الزاهدى و هو فرض فى الصلوٰة تفسد بدونه لانه مامور به ولم يلحقه ناسخ و كتب الفقه مشحونة بذلك.(۱)

قرآن مجید کی قراءت میں ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کرنا ضروری ہے۔ کسی حرف کی تبدیلی دوسرے حرف سے جائز نہیں۔ ولا الضالین کو "ض" کے مخرج سے ادا کر کے ولا الضالین ہی پڑھنا ضروری ہے "ظ" یا "ز" یا "د" سے "ض" کو بدلنا جائز نہیں۔ البتہ اگر یہ تبدیلی خطا کی صورت میں ہے یعنی "ض" ہی پڑھنا چاہتا تھا مگر اتفاقاً زبان بہکی اور "ض" کے بجائے دوسرا حرف نکل گیا اور وہ یہ گمان کرتا ہے کہ "ض" ہی پڑھا تو تیسیراً نماز جائز ہے۔ بعض متاخرین نے اس کو احسن فرمایا ہے۔ یا یہ تبدیلی عجز کی صورت میں ہو کہ "ض" کی ادا پر قادر ہی نہیں تو اس پر بھی سیکھنا فرض ہے۔ سیکھنے اور کوشش کرنے کے بعد بھی صحیح ادا نہ کر سکے تو وہ معذور ہے، اس کی نماز جائز ہے۔ مگر ایک حرف کو دوسرے حرف سے قصداً بدل کر پڑھنا جیسا کہ فی زمانہ بہت سے لوگ قصداً "ض" کے بجائے "ظ" پڑھتے ہیں اور ولا الضالین کے بجائے ولا الظالین پڑھتے ہیں ان کی نماز قطعاً نہیں ہوتی۔ وہ ولا الظالین پڑھنے والے عالم ہوں یا جاہل، قصداً ولا الظالین پڑھنے والوں کی نماز فاسد و باطل ہے۔ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "خزانۃ الاکمل" سے نقل فرماتے ہیں:

اذا قرأ مكان الظاء ضاداً ومكان الضاد الظاء فقال القاضى المحسن: الاحسن ان يقال ان تعمد ذلك تبطل صلا ته عالماً كان اوجاهلاً. اما لو كان مخطأ واراد الصواب فجرى هذا على لسانه أولم يكن ممن يميز بين الحرفين فظن انه ادى الكلمة كما هى فغلط جازت صلوٰته. وهو قول محمد بن مقاتل وبه كان يفتى الشيخ اسمٰعيل الزاهد و هو احسن والله تعالىٰ اعلم.(۲)

۶/ ذوالقعدہ ۱۳۶۵ھ۔

"ولا الضالین" کے "ض" کو "ظا" پڑھنے کا حکم

مسئلہ آمدہ از: محمد حنیف درزی، ضلع مان بھوم، پوسٹ جھالدہ، درزی محلہ

مسئلہ نماز کے اندر "ولا الظالین" پڑھنا کیسا ہے؟ جواب اہل سنت و جماعت کے مطابق ہونا چاہیے۔

---

(۱) ملا احمد جیون، تفسیرات احمدیہ، ص:۹٤.

(۲) طحطاوی بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج:۳ ص:۱۱۳.

الجواب

نماز میں "ولا الضالین" کے "ضاد" کو "ظا" پڑھنا تحریفِ قرآن ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ "ولا الظالین" پڑھنے والے کی امامت درست نہیں۔ اگر وہ قصداً "ضاد" کو "ظ" پڑھتا ہے تو ایسے شخص کو علمائے دین نے کافر کہا ہے۔ محیط برہانی میں ہے:

"سئل الإمام الفضلی عمن یقرا الظاء المعجمة مکان الضاد المعجمة او علی العکس فقال لا یجوز امامته و لو تعمد یکفر."(۱)

حضرت امام فضلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا گیا کہ جو شخص "ظ" بجائے "ض" کے پڑھے یا "ض" بجائے "ظ" کے پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اگر وہ قصداً ایسا کرتا ہے تو کافر ہے۔ "ولا الظالین" پڑھنا وہابیوں کا طریقہ ہے۔ ان کے طریقے سے بچنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

امامت اور اقتدا کے ضروری احکام

مسئلہ علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں:

(۱) اگر امام فرض قراءت کے اندر سہو کرے تو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے کہ نہیں؟

(۲) اگر شافعی مذہب کے دس آدمی ہوں اور حنفی کے آٹھ ہوں تو کس جماعت کا آدمی پیش امام بنایا جائے، جس سے سب کی نماز ہو جائے یا دونوں کی تعداد برابر ہو؟

(۳) اگر غیر مقلد امام ہو تو اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۴) ایک امام اہل حدیث ہے مگر فرض نماز حنفی طریقہ سے ادا کرتا ہے تو حنفی مصلیوں کی نماز ہوگی کہ نہیں؟

(۵) مقتدی امام کی تقلید نہ کرے تو اس مقتدی کی نماز ہوگی کہ نہیں؟

ان سوالوں کا جواب سلیس اور شستہ الفاظ میں تحریر کر کے روانہ فرمائیں۔

الجواب

(۱) مقتدی اپنے امام کو ضرورت پر فرض نماز میں بھی لقمہ دے سکتا ہے۔

(۲) تعداد کم ہو یا زیادہ امام حنفی ہی مقرر کیا جائے، کہ احتیاط اسی میں ہے۔

(۳) غیر مقلد، بد عقیدہ بد مذہب ہیں لہٰذا ان کے پیچھے نماز نہیں ہوگی۔

(۴) اہلِ حدیث غیر مقلد بد عقیدہ ہیں لہٰذا ان کے پیچھے نماز نہیں ہوگی۔

---

(۱) الجام الصاد عن سنن الضاد، ص:۳

⑤ مقتدی پر امام کی اتباع ضروری ہے، رکوع، سجود، تمام ارکان نماز میں امام کی اتباع کرے، کوئی رکن بھی ترک کیا تو نماز نہ ہوگی، قراءت چوں کہ مقتدی کو منع ہے لہٰذا قراءت ہرگز نہیں کر سکتا۔ وھو تعالیٰ اعلم.
کتبہ: عبد العزیز عفی عنہ

(نوٹ: مفصل مدلل جواب منسلک ہے)

① اگر امام کو سہو ہو جائے تو مقتدی کو لقمہ دینا جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:

”و ان فتح علی امامه لم یکن کلاما استحسانا لانه مضطر الی اصلاح صلوته فکان هذا من اعمال صلوته معنی.“(۱)

ہاں اگر امام کو سہو ہوا، پھر اس نے دوسری آیت شروع کردی تو اب مقتدی لقمہ نہ دے۔ اگر امام نے لقمہ لے لیا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی اور مقتدی کی لقمہ دیتے ہی فاسد ہو چکی تھی۔ ہدایہ میں ہے:

”ولو کان الامام انتقل الی أیة اخری تفسد صلاة الفاتح و تفسد صلوة الامام لواخذ بقوله لوجود التلقین و التلقن من غیر ضرورة.“(۲) والله تعالیٰ اعلم.

② کسی حنفی نے اگر شافعی امام کی اقتدا کرنی چاہی تو اس کی تین صورتیں ہیں جو درج ذیل ہیں، ان میں مسئولہ صورت کا مکمل جواب ہو جاتا ہے۔

(الف)---(۱) مذہب حنفی میں کسی زخم سے خون بہ کر اس جگہ پہنچ جانا جسے حکم تطہیر ہو، (۲) منہ بھر کے قے کرنا، (۳) پچھنا لگوانا، وغیرہا امور ناقضِ وضو ہیں، ان سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور مذہب شافعی میں ان چیزوں سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ ہمارے مذہب میں بلا اعادۂ وضو اس صورت میں نماز باطل ہے اور شافعی مذہب میں درست۔ تو اگر حنفی مقتدی کو معلوم ہے کہ یہ امام ان امور میں احتیاط نہیں کرتا یعنی صرف مسلک شافعیت کی پابندی کرتا ہے، یا اس نے اس نماز میں احتیاط نہیں کی تو ایسی صورت میں اس کی اقتدا نہیں کرنی چاہیے، اگر کر لیا تو نماز نہ ہوگی۔ اگر ایک حنفی دس شافعی ہوں جب بھی یہی حکم ہے۔ طرفین کی کمی زیادتی سے اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ حوالہ کے لیے دیکھیے، اسی نمبر کی دفعہ (ب) اور (ج) کی عبارت منقولہ فقہیہ۔ والله تعالیٰ اعلم.

(ب)----اور اگر معلوم ہو کہ کوئی شافعی المشرب مسائل طہارت و نماز میں ہمارے فرائضِ مذہب کی

---

(۱) امام أبو الحسن مرغینانی، هدایه، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، ج:۱، ص:۱۱۶ مطبوعه مجلس البرکات، جامعه اشرفیه، مبارك پور

(۲) امام أبو الحسن مرغینانی، هدایه، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، ج:۱، ص:۱۱۶ مطبوعه مجلس البرکات، جامعه اشرفیه، مبارك پور

رعایت کرتا ہے، یا معلوم ہو کہ اس نماز میں اس نے رعایت کی ہے یعنی اس کی طہارت ایسی نہ ہو کہ حنفیہ کے طور پر وہ طاہر نہ ہو اور اس کی نماز اس قسم کی نہ ہو کہ ہم اس کو فاسد کہیں تو حنفی ایسے شافعی کی اقتدا کر سکتا ہے، مگر اس صورت میں بھی اگر حنفی امام مل سکتا ہو تو افضل یہی ہے کہ حنفی ہی کو امام بنائیں۔ شامی میں ملا علی قاری علیہ الرحمہ سے منقول ہے:

"ذهب عامة مشايخنا الى الجواز اذا كان يحتاط فى موضع الخلاف والا فلا و المعنى انه يجوز فى المراعى بلا كراهة و فى غيره معها ثم المواضع المهمة للمراعاة ان يتوضأ من الفصد والحجامة و القىء و الرعاف و نحوذلك لا فيما هو سنة عنده مكروه عندنا ."(۱)

نیز اسی میں ہے:

"ان الاقتداء بالمخالف المراعى فى الفرائض افضل من الانفراد اذا لم يجد غيره والا فالاقتداء بالموافق افضل."(۲) والله تعالىٰ اعلم.

(ج)---اگر نہ معلوم ہو کہ ہمارے مذہب کی رعایت کرتا ہے اور نہ یہ معلوم ہو کہ اس نماز میں رعایت کی ہے تو اس کی اقتدا مکروہ ہے۔ در مختار میں ہے:

"ان تيقن المراعاة لم يكره او عدمها لم يصح و ان شك كره."(۳)

سائل کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ احکام واقعی شافعی المذہب شخص کے لیے لکھے گئے ہیں، زمانۂ حال کے وہابیہ غیر مقلدین کے لیے نہیں۔ یہ بھی بعض جگہ اپنے کو شافعی کہ گزرتے ہیں، یہ ان کا تقیہ ہے۔ ایسی حالت میں دھوکا نہ کھائیں، ان کے پیچھے کسی صورت میں نماز نہ ہوگی۔ والله تعالىٰ اعلم.

(۳) و (۴)--- غیر مقلدین کے پیچھے نماز نہیں ہوگی۔ یہ لوگ عقائد باطلہ رکھتے ہیں، ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کے اقوال میں رسول اللہ ﷺ کی توہین ہے اور بعض ایسے ہیں جو ان توہینوں کی تصدیق کرتے ہیں اور سب ایسے ہیں کہ اسمٰعیل دہلوی مولف تقویۃ الایمان کو اور دیگر بد مذہبوں کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ ائمۂ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید شخصی کو گم راہی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد باطلہ دیکھنے ہوں تو رسالہ مبارکہ "الکوکبۃ الشہابیہ" کا مطالعہ کیجیے۔ بہر صورت ان کے پیچھے نماز نہ ہوگی۔ ایسے ہی اُس فرقہ کے پیچھے بھی نماز نہ ہوگی جو اہلِ حدیث ہونے کا مدعی ہے۔ یہ فرقہ وہابیہ غیر مقلدین کے علاوہ کسی دوسری جماعت کا نام نہیں ہے۔ یہ لوگ اپنے عقائد باطلہ پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنے کو اہلِ حدیث کہتے ہیں۔ جو کوئی غیر مقلدین کا عقیدہ رکھتا ہو، اگر چہ وہ حنفی طور

(۱) رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ/ باب الامامۃ، ج:۲، ص:۳۰۲-۳۰۳

(۲) رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ/ باب الامامۃ، ج:۲، ص:۳۰۲-۳۰۳

(۳) در مختار، کتاب الصلوٰۃ/ باب الامامۃ، ج:۲، ص:۳۰۲، بیروت

پر نماز پڑھتا ہو، اس کے پیچھے نماز نہ ہوگی۔ حنفی مقتدی کے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ اس کا امام اس کے طور پر نماز پڑھتا ہو بلکہ اس کا صحیح العقیدہ ہونا بھی ضروری ہے۔ تفصیل کے لیے رسالہ «النھی الاکید» کا مطالعہ کرو۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

⑤ سائل کا مقصد کس قسم کی متابعت کو دریافت کرنا ہے، متابعت فی القراءت یا متابعت فی الارکان۔ مقتدی پر پہلی قسم کی متابعت نہیں یعنی جب امام نماز میں قرآن کریم پڑھے تو مقتدی اس میں امام کی متابعت نہ کرے، بلکہ خاموش رہے۔ اگر کوئی قراءت خلف الامام کرے گا تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔

قال اللہ تعالیٰ:

"وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔"(۱)

شامی میں ہے:

"واختلف فی المتابعة فی الرکن القولی و ھو القراءة فعندنا لا یتابع فیھا بل یستمع و ینصت و فیما عدا القراء ة من الاذکار یتابعه." (۲)

اسی میں ہے:

"فلو قرأ خلف امامه کره تحریما." (۳)

اور متابعت فی الارکان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عدم المسابقت۔ یہ فرض ہے، اس کو یوں سمجھو کہ کسی مقتدی نے کسی رکن کو امام سے پہلے ادا کیا پھر اس نے اس رکن کو نہ تو امام کے ساتھ ادا کیا نہ امام کے ادا کرنے کے بعد، اس صورت میں نماز باطل ہوگی۔ مثلاً امام سے پہلے مقتدی نے رکوع یا سجدہ کر لیا اور امام ابھی رکوع یا سجدہ میں آیا بھی نہ تھا کہ اس نے سر اٹھا لیا، اور جب امام رکوع یا سجدہ میں گیا تو اس کے ساتھ رکوع یا سجدہ نہ کیا اور نہ بعد امام کے ادا کرنے کے تو اس کی نماز باطل ہوگئی۔ اور دوسری قسمِ متابعت، وہ یہ کہ امام کے پہلے بھی کوئی رکن ادا نہ کرے اور نہ بعد کو بلکہ ساتھ ساتھ، یہ واجب ہے۔

شامی میں ہے:

"(قوله و متابعته لامامه فی الفروض) ای بان یاتی بھا معه او بعده حتی لورکع امامه و رفع فرکع ھو بعده صح بخلاف مالورکع قبل امامه و رفع ثم رکع امامه ولم یرکع ثانیا مع امامه او بعده بطلت صلاته فالمراد بالمتابعة عدم المسابقة نعم متابعته لامامه بمعنی مشارکته

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الاعراف، آیت: ۲۰۴

(۲) رد المحتار، کتاب الصلوۃ/ باب صفة الصلاۃ، ج:۲، ص:۱۶۵

(۳) رد المحتار، کتاب الصلوۃ/ باب صفة الصلاۃ، ج:۲، ص:۱۶۵

له فی الفرائض معه لا قبله ولا بعده واجبة.(الی قوله) و احترز بالفروض عن الواجبات والسنن فان المتابعة فیها لیست بفرض فلا تفسد الصلاة بترکها."[1] واللہ تعالیٰ اعلم.

غلام الجیلانی الاعظمی عفی عنہ، مدرس مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم

غیر مقلد امام کے پیچھے نماز کا حکم

مسئلہ آمدہ از: ڈاکٹر محمد جلیل۔ مقام وڈاک خانہ زار باری۔ اعظم گڑھ۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلۂ ذیل میں:

ایک مولانا صاحب آئے ہیں، انھوں نے نمازِ جمعہ کی امامت کی اور بعد ختم سورہ فاتحہ آمین بآوازِ بلند کہا اور ہاتھ بھی کانوں تک اٹھائے دونوں رکعت میں، تو اس صورت میں مقتدیانِ اہلِ سنت وجماعت کی نماز کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور ہم مقتدیوں کی نماز ہوگئی یا نہیں اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ تسلی بخش جواب سے مطلع کیا جائے۔

جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء.

نوٹ: جواب بحوالہ کتبِ معتبرہ مع دستخط علمائے کرام جلد از جلد آنا چاہیے تاکہ جمعہ میں سنایا جاسکے۔ بینوا تو جروا.

الجواب

نماز میں پکار پکار کے زور سے آمین آمین کہنا اور بار بار کانوں تک ہاتھ اٹھانا ہندوستان کے غیر مقلدوں کا شعار ہے۔ یہ امام بھی غیر مقلد معلوم ہوتے ہیں، لہٰذا ان کی امامت جائز نہیں۔ ان کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے اس کا اعادہ لازم ہے۔ کیوں کہ ہدایتِ حق جس پر صحابۂ کرام، ائمۂ دین اور اولیائے کاملین قائم رہے وہ مذاہب اربعہ میں ہے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ یہی چاروں مذاہبِ اہلِ سنت وجماعت ہیں۔ ان کے علاوہ تمام فرقے گمراہ، بددین، اہلِ ہوا، بدعتی اور دوزخی ہیں۔ طحطاوی شریف میں ہے:

من کان خارجا عن هذه الاربعة فی هٰذالزمان فهو من اهل البدعة و النار.[2]	جو شخص ان چاروں سے خارج ہے وہ بدعتی اور دوزخی ہے۔

غیر مقلد کسی امام کی پیروی نہیں کرتے بلکہ تقلید کو حرام وشرک کہتے ہیں۔ لہٰذا غیر مقلد اہلِ ہوا، بدعتی، کلاب النار ہوئے اس لیے نہ ان کی امامت درست اور نہ ان کے پیچھے نماز جائز۔

فتح القدیر میں ہے:

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلوة/ باب صفة الصلاة، ج:۲، ص:۱۳۹

(۲) علامه سید احمد طحطاوی، حاشیة الطحطاوی، جلد:٤ ص:۱۵۳

روی محمد عن ابی حنیفة و ابی یوسف رحمهم الله تعالیٰ ان الصلوٰة خلف اهل الهوالا تجوز.اھ.(۱) امام محمد نے امام اعظم و امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ اہل ہوا بدعتی کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

غیر مقلد تقیہ بازی بھی کرتے ہیں۔ کبھی کبھی آمین بالجہر اور رفع یدین سے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آڑ لیتے ہیں قسم قسم کی فریب کاری کرتے ہیں، مگر کچھ بھی ہو۔ احتیاط اسی میں ہے کہ ایسے شخص کو ہرگز ہرگز امام نہ بنانا چاہیے۔ نماز بڑی قیمتی چیز ہے اس میں شک و شبہہ رکھنا مسلمان کی شان نہیں۔ غیر مقلدوں کے لیے یہ احکام تو بہت پرانے ہیں۔ جب سے نجدی فتنے اٹھے، تقویۃ الایمان وغیرہ کتابیں تصنیف ہوئیں۔ اس وقت سے تو غیر مقلدوں نے بڑی ترقی کی ہے۔ انبیاے کرام و اولیاے عظام کی توہین و تنقیص اور شانِ الوہیت میں گستاخیاں و بدعقیدگیاں ان کا ایمان ہوگیا۔ لہٰذا اس وقت کے غیر مقلدوں کے احکام بہت سخت ہیں۔ مسلمانوں کی صلاح و فلاح اسی میں ہے کہ ان سے گریز کریں اور ان کے سائے سے دور بھاگیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

امام کس طرف رخ کر کے دعا مانگے

مسئلہ آمدہ از: غلام ربانی، منکاپور، ضلع گونڈا

محترم حضرت مولانا حافظ عبد العزیز صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن نمازوں میں فرض کے بعد سنت ہے یا نفل ہے ان نمازوں کے بعد مشرق یا شمال و نیز جنوب کی طرف دعا نہیں مانگ سکتا سوائے قبلہ کی طرف رخ کر کے اور جن نمازوں میں فرض کے بعد سنت یا نوافل نہیں ان نمازوں میں شمال، مشرق نیز جنوب کی طرف دعا مانگ سکتا ہے، یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے؟ فقط والسلام۔

الجواب

سلام کے بعد سنت یہ ہے کہ امام داہنے یا بائیں کو انحراف کرے اور داہنی طرف افضل ہے اور مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بھی بیٹھ سکتا ہے جب کہ کوئی مقتدی اس کے سامنے نماز میں نہ ہو اگرچہ وہ کسی پچھلی صف میں نماز پڑھتا ہے، اور جس نماز کے بعد سنت ہے اس میں مختصر دعاؤں پر اکتفا کرے اور جس نماز کے بعد سنت نہیں ہے اس میں اختیار ہے جس قدر اذکار اور ادعیہ پڑھنا چاہے مگر اتنا طول نہ کرے کہ مقتدی گھبرا جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(۱) امام ابن همام فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة، جلد:۱ ص:۳٦۰

صلاة الإمام والقوم كاملة فيما سها الإمام عن القعود الأخير ثم رجع قبل أن يسجد

السائل: احمد النعيمي الأمجدی القادری الرضوی غفرله ۲۴ ذی قعده ۱۳۶۸ھ

حمدا على قوله «فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ» فالحمد لله الذی عرفنا بنبيه الى استفتاء والصلوٰة والسلام على اشرف خلقه رحمة للعالمين العالم لما كان و مايكون وعلى اٰله و صحْبه و فقهاء ملته. اما بعد السلام عليكم ورحمة الله .

ما قولكم دام فضلكم فی رجل امّ قوماً و لما قعد للتشهد الاخيرمن الصلوٰة الرباعية تردد في أنّ الركعة رابعة ام ثالثة و قام على ظن انه الثالثة. قبل قرأته التشهد ولكن لما بلغ حد القيام سمع سبحة بالمقتدى فرجع متيقنا ان هذ القيام خامس زائد و قعد و قرأ التشهد وسلم يميناً ثمّ وسجد للسهو ثم تشهد مع الدعاء و سلم مرتين والماموموں فی هذه الصورة ماشاركوا اما مهم فی القيام الزائد هل انتظر وا امامهم ففی هذه الصورة هل صحت صلوة هذا الشخص الامام و المامومين ام بينهم فرق بينوا بعبارات الكتب الحنفية جزاكم الله تعالىٰ خير الجزاء.

الجواب

فی الصلوة المسئولة صلاة الامام والقوم كاملة فان الرجل اذا سها عن القعدة الاخيرة وقام الى الخامسة فعليه ان يرجع اذا تذكر مالم يقيد تلك الركعة بسجدة . وحالما عمل الامام على هذه المثابة فقد صحت صلاته و اما صلاة القوم فلا فساد لها ايضا فانه كان عليهم ان لا يتابعواامامهم فی هذا القيام و مع ذلك عاد امامهم للقعدة و تشهد و سجد للسهو فانجبر ما انكسر.فی الدر المختار:

لو سها عن القعود الاخير كله أو بعضه عاد ويكفی كون كلا الجلستين قدر التشهد مالم يقيدها بسجدة لان مادون الركعة محل الرفض وسجد للسهو لتاخير القعود و ان قيدها بسجدة عامدا اوناسيا اوساهيا او مخطئا تحول فرضه نفلا.(۱)

فی الفتاوی الهنديه:اربعة اشياء اذا تعمد الامام لا يتابعة المقتدی (منها) قام الى الخامسة ساهيا.(۲)والله تعالىٰ اعلم.

(۱) در مختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ج:۱، ص:۵۵۰-۵۵۱، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) عالمگیری، كتاب الصلاة، ج:۱، ص:۹۰، باب الإمامة، الفصل السادس فيما يتابع الإمام ومالا يتابعه، دار الكتب العلمية، بيروت

وہابیوں کے پیچھے نماز کا حکم

مسئلہ آمدہ از: غلام جیلانی، موضع دھرم پور، اعظم گڑھ، یکم فروری ۱۹۵۴ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

وہابی اور دیوبندی اعتقاد والے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں ہے تو کیوں؟ برائے مہربانی جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

وہابیوں، دیوبندیوں کے عقیدے باطل ہیں جن پر علمائے حرمین طیبین اور دیگر مقامات کے علمائے اہل سنت نے کفر کا فتویٰ دیا ہے، جس کی تفصیل فتاویٰ حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ وغیرہ میں موجود ہے۔ لہٰذا ایسے عقیدے والوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ و ھو تعالیٰ اعلم.

دیوبندی مکتبِ فکر کے امام کی اقتدا کا حکم

مسئلہ آمدہ از: مسلمانان برن پور، ۶/ ربیع الاول شریف ۱۳۷۱ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ دینِ متین مسئلہ ذیل میں کہ:

زید مولوی اشرف علی تھانوی کا مرید اور خلیفہ ہے، نیز دیوبندی عقائد رکھتا ہے، مگر کبھی کبھی میلاد شریف میں شرکت کر کے سلام پڑھ لیتا ہے لیکن ضروری نہیں سمجھتا اور کھانا وغیرہ پر فاتحہ بھی کر لیتا ہے۔ اس کے پیچھے اہلِ سنت و جماعت کی نماز جائز ہے یا نہیں۔ جان بوجھ کر سنیوں کو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ صاف صاف بیان کیجیے۔

الجواب

دیوبندی اپنے عقائدِ خبیثہ کفریہ کی بنا پر اسلام سے خارج ہیں۔ علمائے دیوبند، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ نے نبیِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی شان پاک میں سخت گستاخیاں کی ہیں اس لیے علمائے عرب و عجم نے ان پر کفر و ارتداد کا فتویٰ صادر کیا ہے، جس کی تفصیل "حسام الحرمین" اور "الصوارم الھندیہ" میں مذکور ہے۔

لہٰذا زید مذکور اگر دیوبندی ہے اور علمائے دیوبند کو اپنا پیشوا مانتا ہے تو اس کے پیچھے اہل سنت و جماعت کی نماز نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کیا امام کے لیے مصلیٰ ضروری ہے؟

مسئلہ آمدہ از: خیرادی نظام الدین، چاند محمد جی نائیٹو کی دھالی کے متصل پالی مارواڑ

مسئلہ کیا امام کے لیے مصلیٰ ضروری ہے؟ بینوا و توجروا.
اس سوال کا جواب تفصیل سے تحریر فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب

اگر مصلیٰ سے مراد جائے نماز یعنی نماز پڑھنے کی جگہ ہے تو یہ ہر نمازی کے لیے ضروری ہے۔ امام ہو یا مقتدی یا منفرد۔ اور اگر مصلیٰ سے مراد چٹائی یا دری یا کپڑا وغیرہ ہے جس کو بچھا کر اس کے اوپر نماز پڑھتے ہیں تو یہ کسی کے لیے ضروری نہیں نہ امام کے نہ مقتدی کے نہ منفرد کے، باوجود اس کے سبھی استعمال کرتے ہیں اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں سمجھتے تو اسی طرح مقتدی چٹائی یا دری پر نماز پڑھیں اور امام کے لیے کپڑے وغیرہ کی جانماز ہو تب بھی کوئی حرج نہیں۔ فقط۔

۷/ اگست ۵۵ء

وقف کی زمین پر قابض امام کا حکم

مسئلہ آمدہ از: حافظ محمود، محلہ صوفی پورہ، مبارک پور

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ:
موقوفہ زمین پر زید عرصہ سے قبضہ کیے ہوئے ہے۔ پنچان نے اعتراض کیا تو اعتراف کرتا ہے، باوجود اس کے مقبوضہ زمین کو چھوڑتا نہیں بلکہ اور زیادہ کی کوشش کرتا ہے اور وہ محلہ کا امام ہے، ایسے امام کی امامت کیسی ہے، آیا نماز اہل محلہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں، کوئی شرعی قباحت ہو تو بحوالۂ کتب جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب

موقوفہ زمین پر دیدہ و دانستہ اس طرح قبضہ کرنا کہ باوجود لوگوں کے اصرار و مطالبہ کے بھی نہیں چھوڑتا بڑا گناہ ہے اور بالاعلان ہے لہٰذا فسق ہے اور زید اپنے اس فعل کی بنا پر فاسق معلن ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

"یکرہ تقدیم الفاسق لانہ لا یھتم لامر دینہ." (مختصراً)[1]

---

(۱) امام أبو الحسن مرغینانی، ھدایہ کتاب الصلاۃ باب الامامۃ، جلد:۱،ص:۱۰۱، مطبوعہ مجلس البرکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک فور

لہٰذا زید جب تک اپنے اس قبیح فعل سے تائب نہ ہو اس کی امامت درست نہیں۔ و ھو تعالیٰ اعلم.

کتبہ: محمد یحییٰ، مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، ۵؍ محرم الحرام ۷۰ ۱۳ھ

نکٹے اور داڑھی منڈے امام کی اقتدا کا حکم

مسئلہ آمدہ از: علاء الدین، موضع راؤت پار ضلع گورکھپور۔ ۲؍ ربیع الآخر ۱۳۶۸ھ مطابق یکم فروری ۱۹۴۹ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسائلِ ذیل میں۔

① اگر کسی شخص کی ناک کٹ کر گر گئی ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

② جو شخص داڑھی مونڈتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

① جس شخص کی پوری ناک کٹ کر گر گئی ہو اور اس کی وجہ سے حروف کی ادائیگی میں فرق پڑتا ہو مثلاً جہاں "نون" نہ ہو وہاں "نون" نکلتا ہو، جیسا کہ غالب گمان ہے تو صحیح قول یہ ہے کہ ایسے شخص کی امامت غیر معذورین کے لیے درست نہیں۔ جیسے الثغ (توتلا جو 'ر' کی جگہ 'ی' یا 'ز' بولتا ہو) کی امامت غیر الثغ کے لیے درست نہیں۔ شامی میں ہے:

امامة الالثغ للفصيح فاسدة فى الراجح الصحيح.(۱)

والله تعالىٰ اعلم.

② داڑھی منڈوانا ناجائز ہے، ایسا شخص فاسق معلن ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ رد المحتار حاشیہ در مختار میں ہے:

"واما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بانه لا يهتم لامر دينه وبان فى تقديمه للامامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانته شرعا ولا يخفى انه اذا كان اعلم من غيره لا تزول العلة فانه لا يؤمن ان يصلى بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكره امامته بكل حال بل مشىٰ فى شرح المنية ان كراهة تقديمه كراهة تحريم." والله تعالىٰ اعلم.(۲)

(۱) محمد ابن عابدین شامی، شامی، ج:۲، ص:۳۲۹

(۲) رد المحتار حاشیہ در مختار، ج:۲، ص:۳۹۳، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة

اتفاقیہ خلافِ واقع بات سے توبہ کے بعد امامت درست ہے۔

مسئلہ آمدہ از: عبد الخالق ساکن چنگ پار تحصیل جین پور ضلع اعظم گڑھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین امور ذیل کے متعلق کہ:

زید زبردست عالم متقی پرہیزگار اور امام ہے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ زید کے پاس ایک شخص آتا ہے جو زید کا نزدیکی اور معتبر ہے وہ شخص زید سے کہتا ہے کہ فلاں مدرسے میں اب بجائے عربی کے ہندی اور انگلش کی تعلیم دی جاتی ہے، یا دی جائے گی۔ زید نے یہ بات یعنی فلاں مدرسے میں........ بذریعہ ڈاک روانہ کردی حالانکہ اس مدرسہ میں عربی کی بھی تعلیم ہوتی تھی اور ہوتی ہے۔

اب سوال یہ ہے اس صورت میں زید جھوٹا ہے یا وہ شخص جس نے زید سے کہا؟

پنچایت ہوئی تو زید کو بلایا گیا اور کہا گیا کہ آپ اس تحریر کی وجہ سے جھوٹے ثابت ہوتے ہیں، اس لیے اب لائق امامت نہیں۔ زید نے تمام موجودہ مسلمانوں کے سامنے اس بات سے اور تمام معصیتوں سے توبہ کی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں زید کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہو سکتی ہے یا نہیں اور زید لائق امامت بلا کراہت ہے کہ نہیں؟ فریق مخالف مصر ہے کہ تحریری توبہ نامہ ہو اور وہ اسی شہر میں اس شخص کے پاس بھیجا جائے اس وقت لائق امامت ہونگے حق و صحیح کیا ہے رقم فرمائیں۔

اگر زید کا جھوٹ ثابت نہیں اور وہ لائق امامت ہے پھر بھی فریق مخالف گاؤں گاؤں چرچا کرتا پھر رہا ہے کہ فلاں مولوی صاحب جھوٹے ہیں ان کے پیچھے نماز جائز نہیں اور جو فریق مسلمانوں کو ان سے بدظن کرے اس فریق کا شرعا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا.

الجواب

صورتِ مسئولہ میں زید جھوٹ نہیں بولا بلکہ ایک معتبر شخص کی بات نقل کردی اگرچہ وہ بات جھوٹ تھی لہٰذا اس صورت میں زید جھوٹا نہیں۔

اور اگر زید جھوٹ بولتا اور یہ قول زید ہی کا ہوتا لیکن جب کہ زید نے مجمع عام میں توبہ کرلی تو زید بے قصور ہوگیا، حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

التائب من الذنب كمن لاذنب له، رواه ابن ماجه و البيهقی في شعب الإيمان عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه. (۱)

---

(۱) مشكوٰة المصابيح، باب التوبة والإستغفار، ص:۲۰۶، مجلس البركات، مبارك فور

گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے گناہ کیا ہی نہیں۔

لہٰذا بہر صورت زید کی امامت صحیح ہے اور اس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے، زید کو نہ تحریری توبہ نامہ لکھنے کی ضرورت ہے اور نہ تحریری توبہ نامہ کا اصرار درست۔ مجمع عام میں توبہ بہر صورت کافی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم.

جھوٹے اور قرض نہ ادا کرنے والے شخص کی امامت کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک شخص ہے جس نے آج تک جھوٹ بولا اور جھوٹی شہادتیں عدالت میں دیں اور غیبت و چغلی بھی بہت سی کی اور اس شخص کے پاس بہت سے آدمیوں کا قرضہ بھی ہے اور سو روپے مسجد کے بھی اس کے پاس قرضہ کے ہیں اور دوسری مسجد کے آدمی اس شخص کو امام بنانا چاہتے ہیں۔ مگر یہ شخص اور کاموں سے توبہ کرتا ہے لیکن دیگر آدمیوں کا قرضہ دینے کا اقرار اور نہ مسجد کے روپے دینے کا وعدہ کرتا ہے اور نہ قرض خواہ اس کو معاف کرتے ہیں تو ایسی صورت میں اس شخص کے پیچھے نماز درست ہو سکتی ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

اگر وہ قرضہ ادا کرنے پر قادر ہے، مگر باوجود اس کے بلا عذر شرعی ادا نہیں کرتا تو اس کا یہ فعل سخت گناہ کا باعث ہے جو سبب فسق ہے۔ یوں ہی اگر مسجد کا روپیہ اس کے پاس تھا اور صرف کر ڈالا ہے اور نہیں دیتا تو یہ صورت بھی اس کے خائن اور فاسق ہونے کے لیے کافی ہے۔ اور جب اس کی اس حرکت کا ظہور ہوا، پھر بھی وہ بے باک بنا ہوا ہے اور باز نہیں آتا تو اس کے فاسق معلن ہونے میں کیا شبہہ۔ ایسی صورت میں اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ اس کو امام نہ بنایا جائے۔ شامی میں ہے:

”وأما الفاسق فقد علّلوا كراهة تقديمه بأنّه لا يهتمّ لأمر دينه و بأن فى تقديمه للإمامة تعظيمه و قد وجب عليهم اهانته شرعاً.“ (۱) واللہ تعالیٰ اعلم.

ہر فرض نماز کے بعد دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

مسئلہ آمدہ از: خادم قوم سید شاہ قادر بادشاہ چشتی نظامی سجادہ کرنال

مسئلہ (۱) ہر فرض نماز کے بعد دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ہر نفل و سنت کے بعد فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب الامامۃ، ج:۲، ص:۲۹۹، مطبوعہ بیروت لبنان.

الجواب

ہر فرض نماز کے بعد دعا مانگنا سنت ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے:

"كان رسول الله ﷺ إذا انصرف من صلوٰته استغفر ثلاثا و قال اللهم انت السلام و منك السلام تباركت ذو الجلال والاكرام." (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی اس قسم کی روایت ہے۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ حضور نماز سے فارغ ہونے کے بعد:

لا اِلٰه الا الله وحده لا شريك لهٗ له الملك و له الحمد و هو علىٰ كلِّ شئٍ قدير. اللّٰهم لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد. (۲)

فرماتے۔ والله تعالىٰ اعلم.

(۲) فاتحہ سے کیا مراد، سورہ فاتحہ، یا دعا؟ بہر صورت دونوں جائز ہے۔ والله تعالىٰ اعلم.

چند مسائلِ نماز

مسئلہ آمدہ از: حکیم الدین، محمد آباد گوہنہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل میں:

(۱) جمعہ کے دن محراب میں امام کے دائیں یا بائیں بغرض خوشبو لوگ اگر بتی جلا دیتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آئندہ رواج ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ کیا فرماتے ہیں، جلایا جائے یا منع کر دیا جائے؟

(۲) نمازِ فجر کا وقت ہو گیا اور ابھی جماعت میں دیر ہے۔ اس وقت نماز مثل قضائے عمری کو پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) جس جگہ فرض نماز امام یا مقتدی پڑھ چکا ہو اس جگہ سنتیں پڑھنا کیسا ہے؟

(۴) جنازے کی نماز کے وضو سے فرض نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) خوشبو اللہ کے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو محبوب ہے، اگر اس کا رواج بھی ہو تو کیا جرم

(۱) صحيح مسلم، ج:۱، ص:۲۱۸، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة و بيان صفته، مجلس البركات، اشرفيه، مبارك فور.

(۲) مصدر سابق.

ہے۔ اگر بتی یا لوبان مسجد یا محراب میں سلگانے میں کوئی حرج نہیں، البتہ ایسی احتیاط سے سلگائیں کہ اس کا دھواں نمازی کے منہ میں نہ آئے۔ (اور مسجد کے باہر سے سلگا کر اندر لائیں کیوں کہ ماچس جلانے سے بدبو پھیلتی ہے اور مسجد میں بدبو پھیلانا ناجائز و گناہ۔ مرتب)

(۲) قضا نماز پڑھ سکتا ہے۔

(۳) جہاں فرض پڑھا ہے اس جگہ سے ہٹ کر سنتیں پڑھے تو بہتر ہے۔

(۴) اس وضو سے فرض نماز پڑھ سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

جماعت قائم ہو جانے کے بعد سنت فجر پڑھنے کی تحقیق۔

مسئلہ آمدہ از: (مولوی حکیم) عبد الغفور بھوجپور ضلع مراد آباد

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

نماز فجر کی جماعت قائم ہونے کے بعد فجر کی سنت پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا چاہیے جیسا کہ ہم حنفیوں کا طریقہ ہے یا بغیر سنت پڑھے فوراً جماعت میں شامل ہونا ضروری ہے؟ ایک شخص نے پیپل سانہ کے مسلمانوں سے یہ اعتراض کیا کہ تم لوگ قرآن و حدیث کے خلاف سنت فجر پڑھنے کھڑے ہو جاتے ہو۔ حالانکہ حدیث مسلم و بخاری میں یہ ہے۔

" اذا اقیمت الصلوة فلا صلوة الا المکتوبة" (۱)

اور یہ کہتا ہے کہ میرے اس قول کے خلاف قرآن و حدیث لاؤ۔ فقہ میں کسی کا قول نہیں مانتا لہٰذا اس کا جواب کسی حدیث سے لکھیے۔

الجواب

نحمدهٗ و نصلی علیٰ حبیبه الکریم.

فجر کی جماعت قائم ہونے کے بعد اگر غالب گمان ہے کہ سنت پڑھ کر جماعت میں شریک ہو جائے گا تو جماعت سے الگ دوسری جگہ پہلے سنت فجر پڑھ لے اس کے بعد جماعت میں شریک ہو جائے اور اگر سنت پڑھنے میں جماعت ترک ہونے کا اندیشہ ہے یا دوسری کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں سنت پڑھے تو سنت نہ پڑھے جماعت

---

(۱) بخاری، کتاب الأذان، ج:۱، ص:۹۱، باب إذا أقیمت الصلاة فلا صلاة إلا المکتوبة، مجلس البرکات، اشرفیه، مبارك فور،

میں شریک ہو جائے۔احادیث کریمہ سے یہی ثابت ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اسی پر عمل ہے کوئی حدیث اس کے خلاف نہیں۔ مگر بد مذہب مسلمانوں میں اختلاف و افتراق پیدا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اسی میں اپنی کامیابی جانتے ہیں قرآن و حدیث کو نہ بد مذہب مانتے ہیں نہ جانتے ہیں۔ فہم قرآن ہر نتھو خیرا بدھو جمن کا کام نہیں۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَمَا يَعْقِلُهَا اِلاَّ الْعَالِمُون۔ (۱) ان کہاوتوں کو صرف علما ہی جانتے ہیں۔

اسی لیے ارشاد فرمایا:

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِاِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (۲) اگر نہیں جانتے تو جاننے والوں سے دریافت کرو۔

حدیث دانی کے متعلق تو امام اجل حضرت سفیان ابن علیہ جو امام شافعی اور امام احمد کے استاذ ہیں اور امام بخاری کے استاذ کے استاذ ہیں فرماتے: "الحدیث مضلة الا للفقھا" حدیث سخت پھسلانے والی ہے مگر فقہا کو۔ لہٰذا اگر حدیث پر عمل کرنا ہے تو پہلے فقہا کا دامن پکڑے۔

یہ کہنا کہ قرآن و حدیث سے جواب دو، میں فقہ میں کسی کا قول نہیں مانتا۔ یہ اس غیر مقلد کی سخت جہالت ہے وہ فقہ کو جانتا ہی نہیں وہ اپنی جہالت سے فقہ کو قرآن و حدیث کے خلاف سمجھتا ہے۔ حالاں کہ فقہ ہی قرآن و حدیث کا صحیح مطلب ہے۔ خصوصاً فقہ حنفی، حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصول ہے کہ حدیث کے خلاف قیاس ہرگز قابل اعتبار نہیں مثلاً قہقہہ فی الصلوۃ ناقض وضو ہے۔ یہ حدیث سے ثابت ہے اور قیاس چاہتا ہے کہ قہقہہ سے وضو نہ ٹوٹے اس لیے کہ قہقہہ کوئی نجاست نہیں ہے جو طہارت کے منافی ہو پھر اس سے وضو کیوں کر ٹوٹے گا؟ اسی لیے خارج نماز قہقہہ ناقض وضو نہیں مگر چوں کہ حدیث میں آیا ہے کہ " نماز میں قہقہہ ناقض وضو ہے " لہٰذا حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور قیاس کو ترک کر دیا۔ فقہ حنفی کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں جو حدیث کے خلاف ہو اور کسی حدیث سے بھی فقہ حنفی پر اعتراض کیا جا سکے۔ وجہ اعتراض صرف معترض کی جہالت یا تعصب ہے۔

حدیث: " اذا اقیمت الصلوۃ فلاصلوۃ الا المکتوبة"(۳) سے مسلک حنفیہ پر اعتراض بھی جہالت ہی پر مبنی ہے جو شخص مسئلہ ادائے سنت فجر سے واقف ہو اور حدیث مذکور کا مطلب جانتا ہو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عمل سے باخبر ہو اس پر آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ فجر کی جماعت قائم ہونے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ عنکبوت، آیت: ۴۳

(۲) قرآن مجید، سورۃ نحل، آیت: ۴۳

(۳) بخاری، کتاب الأذان، باب إذا أقیمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة، ج:۱، ص:۹۱، مجلس البرکات، اشرفیه، مبارك فور،

کے بعد سنت فجر حنفیہ کے مذہب کے مطابق ادا کر کے جماعت میں شریک ہونا ہی حق ہے۔ حدیث کا یہی حکم ہے اس پر اعتراض سراسر جہالت وحماقت ہے یا تعصب وعداوت ہے۔

لہٰذا پہلے مسئلہ ادائے سنت فجر بیان کیا جاتا ہے اس کے بعد حدیث مذکور کا مطلب اس کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تعامل بیان کیا جائے گا۔

مسئلہ ادائے سنت فجر: فجر کی سنتیں تمام سنتوں سے زیادہ قوی سب سے زیادہ موکد ہیں حضور ﷺ نے ان کو کبھی کسی جگہ ترک نہیں کیا۔ نہ سفر میں نہ حضر میں ہمارے لیے ارشاد فرمایا ہے۔ حدیث:

قال ﷺ لاتدعو هما وان طردتكم الخيل.(۱) یعنی فجر کی سنتوں کو نہ چھوڑو اگرچہ تمہیں گھوڑے کچل ڈالیں۔

دوسری حدیث:

قال ﷺ ركعتا الفجر أحب إلي من الدنيا و مافيها.(۲) حضور نے فرمایا فجر کی سنتیں مجھے ساری دنیا اور دنیا کی ساری کائنات سے زیادہ محبوب ہیں۔

جب کہ فجر کی سنتیں حضور اقدس ﷺ کو ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں اور ہمیں ہر حال میں ان کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور خود ان کو ہمیشہ پڑھا ہے کبھی کسی حال میں ان کو ترک نہیں فرمایا تو حتی الامکان ان سنتوں کا ادا کرنا ضروری ہوا اور جماعت بھی ضروری ہے اس کی بھی شدید تاکید فرمائی ہے اس لیے سنت کی ادا میں یہ لحاظ ضروری ہے کہ جماعت ترک نہ ہونے پائے اور ایسی جگہ ادا کرے کہ افتراق جماعت لازم نہ آئے یعنی نہ تو صف کے برابر ہو کر پڑھے نہ صف کے قریب کہ یہ مکروہ ہے بلکہ جس مکان میں جماعت ہو رہی ہے اس سے دوسرے مقام میں علیحدہ پڑھے اور سنت پڑھ کر جماعت میں شریک ہو جائے تاکہ دونوں فضیلت حاصل کر لے اور اگر سنت پڑھنے میں جماعت جانے کا خوف ہو تو سنت نہ پڑھے بلکہ جماعت ہی میں شریک ہو جائے تاکہ جماعت ترک نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ جماعت قائم ہونے کے بعد ادائے سنت دو شرطوں پر موقوف ہے اول جماعت ملنے کا غالب گمان ہو۔ دوم جس جگہ جماعت ہو رہی ہو اس سے علیحدہ دوسرے مقام میں پڑھنا۔

در مختار میں ہے:

و إذا خاف فوت ركعتي یعنی جب فجر کی سنتیں پڑھنے میں جماعت جانے کا خوف ہو تو

---

(۱) سنن ابی داؤد، باب تفریع ابواب التطوع ص ۹۷۱

(۲) مسلم شریف، ج:۱، ص:۲۵۱، کتاب الصلاۃ المسافرین وقصرھا، باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر والحث علیھما، مجلس البرکات، اشرفیہ، مبارک فور

الفجر لاشتغاله بسنتها تركها؛ لكون الجماعة اكمل. و الا لايتركها بل ليصليها عند باب المسجد ان وجد مكانا. و الا تركها لان ترك المكروه مقدم على فعل السنة .(۱)

سنت ترک کرے اور جماعت میں شامل ہو جائے کیونکہ جماعت زیادہ اہم اور اکمل ہے اور اگر جماعت جانے کا خوف نہ ہو تو سنتیں نہ چھوڑے بلکہ ضرور پڑھے اگر جماعت سے علیحدہ مسجد کے دروازے کے قریب پڑھے۔ اور اگر علیحدہ جگہ نہ ہو تو بھی سنت ترک کرے کیونکہ جماعت کے قریب اسی مکان میں سنت پڑھنا مکروہ ہے اور مکروہ فعل کا ترک سنت پر مقدم ہے۔

معنی حدیث: حنفیہ کے اس مسلک پر حدیث " اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة" سے ہرگز اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ حدیث کے یہ معنی ہیں کہ جس مکان میں جماعت قائم ہے اس مکان میں سوائے اس فرض نماز کے دوسری نماز نہیں، اس مکان میں دوسری نماز پڑھنا مکروہ ہے اس لیے کہ اس میں انتشارِ جماعت اور افتراق جماعت لازم آتا ہے۔ نیز سنت اور فرض کا خلط لازم آتا ہے جس سے حدیث میں ممانعت فرمائی ہے۔ لہٰذا اسی مکان میں جس میں جماعت فجر ہو رہی ہے سنت فجر پڑھنا مکروہ ہے اور حدیث میں اسی مکان میں سنت فجر کی ممانعت ہوئی لہٰذا دوسرے مکان میں دوسری جگہ سنت فجر پڑھنا حدیث سے ممنوع نہیں اس لیے یہ حدیث مسلک حنفیہ کے ہرگز خلاف نہیں۔

اور اگر حدیث کے یہ معنی ہوں کہ جب جماعت قائم ہو جائے تو دوسرے مکان میں دوسری جگہ بھی سنت فجر پڑھنا منع ہے تو لازم آتا ہے کہ کثیر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا عمل اس حدیث کے خلاف ہو اور وہ صحابہ کرام اس حکم رسول اللہ ﷺ کے تارک ہوں کیوں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سنتِ فجر ادا کرتے تھے، جماعت ہوتی رہتی تھی اور سنتِ فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت حذیفہ حضرت ابو موسی حضرت ابو الدرداء وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے یہی عمل ہے۔ جماعت ہوتی رہتی تھی مگر یہ حضرات جماعت سے الگ دوسرے مقام میں اول سنت فجر ادا کرتے تھے، اس کے بعد جماعت میں شریک ہوتے تھے اس کے ثبوت میں کثیر احادیث کریمہ وارد ہیں حضرت عبد اللہ بن ابو موسی اپنے باپ حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعید ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ، حضرت حذیفہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم

---

(۱) در مختار، ج:۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، دار الكتب العلمية.

اجمعین کو نماز فجر سے قبل بلایا۔ یہ حضرات جب واپس آئے تو نماز فجر کی جماعت قائم ہوگئی تھی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کے ستون کی آڑ میں بیٹھ گئے اور سنت فجر ادا کی اور اس کے بعد جماعت میں شامل ہوئے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنت فجر ادا کی اور حضرت ابو موسیٰ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کو منع نہ کیا۔ یہ دلیل ہے کہ انہوں نے بھی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موافقت فرمائی ان کے نزدیک بھی فجر کی جماعت شروع ہو جانے کے بعد سنت فجر کا ادا کرنا جائز ہے اور سنت فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا درست ہے۔"(۱)

حضرت ابو مجلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ میں فجر کی نماز کو حضرت عبد اللہ ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہمراہ مسجد میں داخل ہوا۔ جماعت ہو رہی تھی حضرت عبد اللہ بن عمر جماعت میں شریک ہوگئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنت فجر ادا کی اس کے بعد جماعت میں شامل ہوئے۔"(۲)

اس حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب جماعت قائم ہو جانے کے بعد سنت فجر ادا کی اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس سے اتفاق کیا کیوں کہ ان کو منع نہیں فرمایا۔

حضرت محمد بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مکان سے چلے اور فجر کی جماعت قائم ہوئی آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے راستہ میں دو رکعت نماز پڑھی پھر مسجد میں داخل ہوئے اور جماعت سے نماز ادا کی۔" (۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جانتے ہوئے کہ جماعت ہو رہی ہے مسجد سے باہر سنت فجر ادا کی، اس کے بعد جماعت میں شریک ہوئے۔

حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز فجر کے لیے جگایا اور جماعت قائم ہو چکی تھی آپ کھڑے ہوئے اور پہلے سنت فجر ادا کی۔

حضرت ابو عبید اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں آتے تھے اور فجر کی جماعت ہوتی رہتی تھی، پہلے آپ سنت فجر ادا کرتے اس کے بعد جماعت میں شریک ہوتے تھے۔" (۴)

حضرت ابو عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت فجر کی روایت کی ہے یعنی جس طرح حضرت ابو درداء پہلے سنت فجر ادا کرتے تھے اس کے بعد شریک جماعت ہوتے تھے۔ اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل تھا۔

---

(۱) امام ابو جعفر طحاوی، شرح معانی الآثار، ص: ۲۱۹
(۲) امام ابو جعفر طحاوی، شرح معانی الآثار، ص: ۲۱۹
(۳) امام ابو جعفر طحاوی، شرح معانی الآثار، ص: ۲۲۰
(٤) امام ابو جعفر طحاوی، شرح معانی الآثار، ص: ۲۲۰

ان تمام احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جماعت قائم ہونے کے بعد سنت فجر پڑھتے تھے اور سنت فجر پڑھنے کے بعد جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ کثرت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عمل دلیل ہے کہ خیر القرون میں سنت فجر ادا کرنے کا یہی طریقہ تھا اور یہی تعامل تھا۔

چنانچہ حضرت ابو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ہم بغیر سنت فجر پڑھے آتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز فجر پڑھاتے ہوتے تھے ہم پہلے مسجد کے اخیر حصہ میں سنت فجر پڑھتے تھے اس کے بعد جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ دوسری حدیث میں فرمایا۔ ہم آتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز فجر پڑھاتے ہوتے تھے تو پہلے ہم سنت فجر پڑھتے تھے اس کے بعد جماعت میں شریک ہوتے تھے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ جماعت قائم ہونے کے بعد سنت فجر کی ادا کا یہی طریقہ تھا کہ جماعت سے علیحدہ دوسری جگہ پہلے سنت فجر ادا کرتے تھے اس کے بعد شریک جماعت ہوتے تھے۔ دور فاروقی میں صحابہ اور تابعین کا یہی تعامل تھا، یہی حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک ہے۔

احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین کرام نے حدیث "اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ" کا یہی مطلب سمجھا کہ جس مکان میں جماعت ہو رہی ہے اس مکان میں اسی جگہ اس فرض نماز کے علاوہ دوسری نماز کی ممانعت ہے۔ دوسرے مکان میں دوسری جگہ ممانعت نہیں ہے۔ حدیث کا یہی مطلب حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لیا ہے۔ وہی صحابۂ کرام کا مسلک اور حضرت امام اعظم کا مذہب ہے۔ حضرت امام اعظم اور ان کے مسلک پر طعن صحابۂ کرام پر طعن ہے۔ غیر مقلد آنکھیں کھولیں۔

جو غیر مقلد اس حدیث کو مذہب حنفی کے خلاف بتاتا ہے اور حدیث کے یہ معنی لیتا ہے کہ دوسرے مکان اور دوسری جگہ بھی سنت فجر پڑھنا منع ہے۔ وہ ان تمام صحابہ کرام کا مخالف ہے، سب کے خلاف حدیث کا مطلب بتاتا ہے، ان سب کے تعامل کا مخالف ہے۔ یہ اس کی جہالت ہے غیر مقلدوں کی حدیث دانی ایسی ہی ہوتی ہے۔ اسی پر حدیث حدیث چیخا کرتے ہیں۔ اسی جہالت کے نشہ میں کود کود کر اچھل اچھل کر فقہائے کرام پر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ خصوصاً حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بڑے زور و شور سے تبرا کرتے ہیں۔ ان کا یہی مذہب ہے ان کا یہی کام ہے۔ یہ ان کی روحانی غذا ہے۔ ان سے کیا شکایت۔ شکایت تو سنی مسلمانوں سے ہے۔ غیر مقلد اعلان کر رہا ہے۔ اور اپنی بد دینی کو پکار کر بتا رہا ہے کہ فقہ میں کسی کا قول نہیں مانتا یعنی میں ائمہ دین میں سے کسی امام کو نہیں مانتا باوجود اس کے کہ سنی مسلمان اس کی بات سنتے ہیں اس کو منہ لگاتے ہیں۔ مذہب حنفی پر اس جاہل کندہ ناتراش کے اعتراض کو قابل جواب سمجھتے ہیں۔ اس کا صاف و صحیح جواب یہ تھا کہ جب تو کسی امام کو نہیں مانتا تو ہم تجھے کیوں مانیں جب تو ائمہ دین کا فرمان نہیں سنتا تو ہم تیری بات کیوں سنیں۔ مسلمانو! ہوش میں آؤ اور غور سے سنو! بد دینوں سے حدیث کیا قرآن مجید

بھی سننا منع ہے۔

حضرت امام ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک خارجی آیا اور کہا کہ میں آپ کو قرآن مجید سنانا چاہتا ہوں حضرت نے فرمایا میں نہیں سنتا اس نے پھر کہا آپ نے پھر انکار فرمایا اور اجازت نہ دی۔ جب وہ چلا گیا تو حاضرین نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے قرآن سننے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا تمہیں معلوم نہیں وہ خارجی تھا لوگوں نے عرض کیا کہ خارجی تھا تو کیا، وہ تو قرآن مجید سناتا تھا؟ قرآن مجید سننے میں کیا حرج تھا؟ حضرت امام ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ قرآن مجید سناتا اس کے بعد اپنے مذہب کے موافق اس کا مطلب بیان کرتا۔ ممکن تھا کہ میں گمراہ ہو جاتا اس لیے میں نے دروازہ ہی بند کر دیا۔

حضرت ابن سیرین کبار تابعین میں سے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دیکھنے والے ہیں۔ وہ تو بدمذہب سے قرآن مجید نہیں سنتے اور گمراہی کا خوف کرتے ہیں مگر آج سنی مسلمان ہر بدمذہب غیر مقلد وہابی، دیوبندی، قادیانی، نیچری وغیرہ کی ہر بات سننے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے گمراہی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ مسلمان اگر اس اصول پر عمل کرتے کہ وہ بدمذہب کی کوئی بات ہی نہ سنتے حتیٰ کہ قرآن مجید بھی ان سے نہ سنتے تو مسلمانوں کا دین و ایمان محفوظ رہتا اور یہ گمراہ فرقے ترقی نہ کرتے۔ مسلمانو! تمہیں لازم ہے کہ نہایت مضبوطی سے اپنے مذہب اہل سنت و جماعت پر قائم رہو اور ہرگز ہرگز کسی بدمذہب کی کوئی بات نہ سنو۔ اسی میں تمہارے دین و ایمان کی حفاظت ہے اسی میں سلامتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا وتر کے بعد کی دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے؟

مسئلہ آمدہ از: عبد الرشید قصبہ بھوج پور، ضلع مراد آباد

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین زادکم اللہ تعالیٰ شرفاً و تعظیماً مسئلۂ ذیل میں کہ:

وتر کے بعد کی جو دو نفل پڑھے جاتے ہیں، ان کو بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہو کر پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے؟ کیوں کہ ہمارے اس اطراف میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض اشخاص یہ کہتے ہیں کہ حضور نے یہ نفل بیٹھ کر پڑھی ہے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول پیش کرتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی کتابوں میں بھی بیٹھ کر پڑھنا لکھا ہے۔ لہٰذا بحوالہ حدیث تحقیقی جواب دیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نفل نماز میں کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنے کی قدرت ہو جب بھی بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔ مگر کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے۔ حدیث میں فرمایا: "صلوٰۃ الرجل قاعداً نصف الصلوٰۃ." بیٹھ کر پڑھنے والے کی

نماز کھڑے ہوکر پڑھنے والے کی نصف ہے۔ یعنی آدھا ثواب ہے۔ اور عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھے تو ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔ وتر کے بعد جو دو رکعت نفل پڑھے جاتے ہیں، ان کا بھی یہی حکم ہے کہ کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے، اور اس میں حدیث سے دلیل لانا کہ حضور اقدس ﷺ نے وتر کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھے ہیں صحیح نہیں، کیوں کہ یہ حضور کی خصوصیت میں سے ہے۔

چناں چہ صحیح مسلم شریف کی حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

مجھے خبر پہنچی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھی ہے۔ اس کے بعد میں حاضر خدمت ہوا تو حضور کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ سرِ اقدس پر میں نے ہاتھ رکھا (کہ بیمار تو نہیں ہیں) ارشاد فرمایا، کہ کیا ہوا عبداللہ؟ عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ حضور نے تو ایسا فرمایا ہے اور حضور بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا، ہاں، لیکن میں تم جیسا نہیں ہوں۔ حدیث کے مبارک الفاظ یہ ہیں:

”عن عبد الله بن عمر و قال حدثت أن رسول الله ﷺ قال صلوٰة الرجل قاعداً نصف الصلوٰة قال فاتيتة فوجدته يصلى جالساً فوضعت يدى على رأسه فقال مالك يا عبد الله بن عمرو! قلت: حدثت يا رسول الله إنك قلت صلوٰة الرجل قاعداً علىٰ نصف الصلوٰة و أنت تصلى قاعداً؟ قال: اجل و لكنى لست كاحد منكم.“ (۱)

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

”قوله ﷺ مع القدرة على القيام كنا فلته قائماً تشريفا له كما خص باشياء معروفة.“

یعنی حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ میں تم جیسا نہیں وہ حضور کے خصائص میں سے ہے۔ لہٰذا حضور کی نفل نماز بیٹھ کر باوجود قدرت کے کھڑے ہونے پر ایسے ہی ہے جیسے حضور کھڑے ہوکر نماز پڑھتے۔

امام ابراہیم حلبی و صاحب در مختار و صاحب رد المحتار نے فرمایا کہ یہ حکم حضور کے خصائص میں سے ہے۔ اور اسی حدیث سے استدلال فرمایا۔

”اما النبی ﷺ فمن خصائصه ان نافلته قاعداً مع القدرة على القيام كنا فلته قائماً ففى صحيح مسلم عن عبد الله بن عمر و حدثت يا رسول الله انك قلت صلوة الرجل قاعداً على نصف الصلوٰة و انك تصلى قاعداً قال اجل و لكنى لست كاحد منكم.“ (۲)

جب بیٹھ کر نفل پڑھنے میں ثواب کم نہ ہونا حضور ﷺ کے خصوصیات سے ہوا تو دوسرے کسی شخص کے

---

(۱) مسلم شریف، ج:۱، ص:۲۵۳، کتاب الصلاۃ المسافرین وقصرھا، باب جواز النافلة قائما و قاعدا و فعل بعض الركعة قائما و بعضها قاعدا، مجلس البركات، اشرفيه، مبارك فور

(۲) محمد ابن عابدین شامی، رد المحتار، ج:۱، ص:۴۸۹، دار الكتب العلمية، بيروت

لیے یہ حکم نہیں ہو سکتا۔ دوسرا شخص بلا عذر کوئی نفل بھی بیٹھ کر پڑھے گا تو اس کا ثواب آدھا ہی پائے گا، جو احکام حضور کے ساتھ خاص ہیں، ان میں دوسروں کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ مثلاً صومِ وصال پے در پے بلا افطار روزہ رکھنا حضور کی خصوصیات میں سے ہے۔ لہٰذا دوسروں کے لیے مکروہ ہے۔ یہ استدلال کرنا غلط ہے کہ چوں کہ حضور ﷺ نے صومِ وصال رکھا ہے لہٰذا ہمارے لیے بھی صومِ وصال افضل ہے۔ اسی طرح یہ استدلال کہ چوں کہ حضور ﷺ نے وتر کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھے ہیں، لہٰذا ہمارے لیے بھی بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے، قطعاً غلط ہے۔ کیوں کہ یہ حضور کی خصوصیت ہے کہ حضور کے ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

عبد العزیز

صدر المدرسین دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور، ۳ر ربیع الاول شریف ۱۳۷۵ھ،

الجواب صحیح، عبد الرؤف

جمعہ کے خطبۂ ثانی میں درود شریف بآواز بلند پڑھیں یا آہستہ؟

مسئلہ جمعہ کے خطبۂ ثانی میں درود شریف بہ آواز پڑھی جائے یا آہستہ، تشریح کی ضرورت ہے۔

الجواب

درود شریف اس وقت سرّاً دل میں پڑھے جب کہ خطیب "صلوا علیه الآیه" پڑھے ورنہ خاموش رہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

جمعہ کی اذانِ ثانی کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے اہلِ سنت مسئلۂ ذیل میں:

ایک جماعت احناف کی جو اذانِ خطبہ کو خارج مسجد کہلانے سے منع نہیں کرتی ہے اور منبر کے پاس سے کرنے پر اقرار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مذہب ہے، لہٰذا جماعتِ مذکور کا منع کرنا اور اقرار کرنا موافقِ سنت اور مذہبِ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے یا نہیں اور جماعتِ مذکورہ اہلِ سنت ہے یا نہیں؟

حضور ﷺ کے زمانۂ اقدس میں اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں اذانِ خطبہ کہاں سے ہوتی تھی اور اذانِ خطبہ کے بارے میں ہمارے فقہائے کرام کا کیا مسلک ہے؟

الجواب

مسجد خانۂ خدا ہے، دربارِ الٰہی ہے، بادشاہ اور حاکم کے دربار کی حاضری کا بلاز دربار کے باہر ہی ہوتا ہے، زدر

سے پکارنا بے ادبی ہے، اسی لیے اذان مسجد کے باہر مشروع ہوئی۔ اذانِ ثانی ہو یا اول، جمعہ کی ہو یا دوسرے اوقات کی، ہر اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے۔ فتاویٰ عالم گیری، قاضی خان، بحرالرائق وغیرہ کتبِ حنفیہ میں ہے:

"یکره أن یؤذن في المسجد." یعنی مسجد میں اذان مکروہ ہے۔

جمعہ کی اذانِ ثانی جو جمعہ کے وقت ہوتی ہے وہ بھی اذان ہی ہے، لہٰذا وہ بھی مسجد کے اندر مکروہ ہے، احناف کا یہی مسلک ہے۔ اس کی کراہت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ اذان ہے اور اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے، لہٰذا یہ اذان بھی مسجد کے اندر مکروہ ہے۔ دوسری وجہِ کراہت یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اور خلفائے راشدین کی سنتِ کریمہ کے خلاف ہے، لہٰذا مکروہ ہوئی۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے:

"عن سائب بن یزید رضي الله تعالیٰ عنه، قال کان یؤذن بین یدی رسول الله ﷺ إذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علیٰ باب المسجد و أبي بکر و عمر."

(أبو داؤد شریف)

یعنی جب رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں تھا۔

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ اور شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانۂ اقدس میں اذانِ ثانی کا مسجد سے خارج ہونا ثابت ہے اور کوئی روایت ایسی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہدِ پاک میں اذانِ ثانی مسجد کے اندر ہوئی ہو، لہٰذا ان حضرات کے دَور میں بھی قدیم طریقہ پر ہی مانی جائے گی اور یہی ثابت ہو گا کہ پوری خلافتِ راشدہ میں اذانِ ثانی مسجد سے خارج ہی ہوتی رہی، لہٰذا اس کے خلاف اندرونِ مسجد ہونا بلا شبہہ مکروہ ہوگا۔ اس حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ اور شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ کی تخصیص اذانِ اول کے اعتبار سے ہے، یعنی اذانِ اول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک نہ تھی، بلکہ دورِ عثمانی میں ہوئی، اور یہ اذانِ اول مسجد سے باہر مقامِ زورا پر ہوتی تھی۔ وہ اذان جو حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی، اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت نہیں لہٰذا وہ اپنی حالت پر رہی، بغیر ثبوت اس کو مسجد کے اندر سمجھنا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس کی نسبت کرنا یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افترا ہے۔ یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مسلمانوں میں سستی دیکھی تو ضرورۃً اذانِ اول کا اضافہ کیا، اس اضافہ سے وہ ضرورت ختم ہوگئی۔ اذانِ ثانی کو حضور اقدس ﷺ کی سنت کے خلاف مسجد کے اندر لانے کی کون سی ضرورت پیش آئی تھی، بلکہ ضرورت تو اس کو بحالہ مسجد کے باہر ہی رکھنا چاہتی ہے، مسلمانوں میں سستی اس کی داعی ہے۔

سوال کے ساتھ ایک اشتہار بھی ہے، جس کی سرخی ہے "جمعہ کی اذانِ ثانی کے متعلق شرعی فتویٰ"۔ اس میں

اذانِ ثانی کو مسجد کے اندر منبر کے پاس ہونا حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب بتایا ہے۔ ان مفتیوں نے کفایہ کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے:

"روی الحسن عن أبي حنيفة رحمه اللهان المعتبر في وجوب السعی و حرمة البيع الأذان على الضارة لانه لا انتظر الأذان عند المنبر يفوته ازاء السنة"

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حسن نے روایت کی کہ سعی کے واجب ہونے پر اور خرید و فروخت حرام ہونے میں منارہ کی اذان کا اعتبار ہے، اس لیے کہ اگر اذان عند المنبر کا انتظار کیا جائے گا تو سنت کی ادا فوت ہو جائے گی۔

اس عبارت سے اذانِ ثانی کے مسجد کے اندر منبر سے قریب ہونے پر استدلال ہرگز صحیح نہیں، کیوں کہ اس میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذانِ اول سے سعی واجب اور بیع حرام کی ہے، اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ اگر نمازی اذانِ ثانی کا انتظار کرے گا تو سنت ترک ہو جائے گی، لہٰذا اذانِ اول ہی کو سن کر نمازِ جمعہ کے لیے چلا آئے، اذانِ ثانی کا انتظار نہ کرے، ورنہ سنت ترک ہو جائے گی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اذانِ ثانی بھی مسجد سے خارج ہی ہے، کیوں کہ اگر اذانِ ثانی مسجد کے اندر ہو اور منبر سے متصل ہو تو شہر والوں، محلہ والوں، بازار والوں کو اس کی آواز کیسے پہنچے گی، وہ تو اذانِ ثانی کا انتظار کریں گے، حالاں کہ حضرت امام اعظم منع فرماتے ہیں کہ اذانِ ثانی کا انتظار نہ کرو اور انتظار تب کیا جا سکتا ہے جب آواز پہنچے اور آواز جبھی پہنچے گی جب مسجد سے باہر ہو، لہٰذا اسی روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اذانِ ثانی مسجد سے باہر ہے۔ عند المنبر اس لیے کہا کہ منبر کے سامنے ہوتی ہے اور منارہ کی نسبت منبر سے قریب بھی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ اذانِ ثانی مسجد سے باہر ہی سنت ہے اور حضرت امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مسلک ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
عبد المنان اعظمی	عبد الرؤف غفرلہ	عبد العزیز
دار العلوم اشرفیہ	مدرس دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور	صدر المدرسین دار العلوم اشرفیہ
۸؍ جمادی الاخریٰ ۷۶ ۱۳ھ		مبارک پور، اعظم گڑھ

کتاب الجنائز

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ. (آلِ عمران)

ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

لا يتمنين احدكم الموت من ضر اصابه فإن كان لابد فاعلا فليقل: اللهم أحيني ماكانت الحيوٰة خيرًا لي و توفني إذا كانت الوفاة خيراً لي.
(جامع الترمذي، ج:١، ص:١٩١)

تم میں سے کوئی کسی مصیبت پر موت کی آرزو نہ کرے (کہ اس کی ممانعت آئی ہے) اور ناچار کرنی ہی ہے تو یوں کہے: الٰہی مجھے زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لیے خیر ہو اور موت دے جب میرے لیے بہتر ہو۔

أكثروا ذكرها ذم اللذات الموت. (مشكوٰة: ١٤٠)
لذتوں کو توڑ دینے والی موت کو کثرت سے یاد کرو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مال داروں کو میت کا کھانا کھانے کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسائلِ مندرجہ ذیل میں:

(۱) مردہ کو ثواب پہنچانے کے لیے جو کھانا کھلایا جاتا ہے وہ کھانا مال دار صاحبِ نصاب کو کھلایا جائے تو مردہ کو ثواب پہنچے گا یا نہیں؟

(۲) مردہ کو ثواب پہنچانے کے لیے صرف ان لوگوں کو کھانا کھلانا، جنھوں نے قرآن مجید پڑھا ہے، حالاں کہ وہ قرآن پڑھنے والے مال دار صاحبِ نصاب ہیں، باعثِ ثواب ہے یا نہیں؟

(۳) جناب رسولِ کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے کھانے کی دعوت قبول فرمائی ہے اور دعوت قبول کرنا سنت ہے تو کیا سود خور، ناچنے گانے والوں کے یہاں بھی آں حضرت ﷺ نے کھانا کھایا ہے اور سود خور ناچنے گانے والوں کی دعوت قبول کرنا بھی سنت ہے؟ اور اگر سود خوروں، ناچنے گانے والوں کی دعوت قبول فرمائی ہے تو واقعہ مع حوالۂ کتاب تحریر کیا جائے۔

(۴) کسی مجمع میں بلند آواز سے زیادہ آدمیوں کا قرآن مجید پڑھنا جائز اور باعثِ ثواب ہے یا نہیں؟

(۵) کتاب بہارِ شریعت مصنفہ مولانا امجد علی صاحب کے مسئلے صحیح ہیں یا نہیں، اور وہ وہابی تھے یا سنی جماعت، حنفی تھے اور ان کے مسائل پر عمل کیا جائے یا نہیں؟

(۶) اگر میت کے وارثان اپنی خوشی سے قرآن خوانوں کو دعوت دیں جس میں اکثر مال دار صاحبِ نصاب ہوتے ہیں تو اس روز ان کی دعوت منظور کرے یا نہیں؟ اگر منظور کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۷) اگر قرآن خوانی کے دن اپنے عزیزوں کو بھی دعوت دیں تو ان کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

مستفتی: عبد الرشید

الجواب

میت مسلمان کے لیے ایصالِ ثواب جائز اور باعثِ اجر و ثواب ہے۔ ہر عمل خیر کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ عبادت خواہ بدنی ہو یا مالی، منفرداً مجتمعاً ہر طرح ایصالِ ثواب جائز ہے۔ تلاوتِ قرآن مجید ہو یا کھانا، دونوں ایک ساتھ

ہوں، یا علاحدہ علاحدہ ہر طرح ثواب پہنچتا ہے اور بلا شبہہ جائز و درست ہے۔ احادیثِ کریمہ و اقوالِ ائمہ سے ثابت ہے، یہی صراطِ مستقیم ہے۔ افراط و تفریط دونوں ناجائز ہیں، تیجہ، دسویں وغیرہ کی مجالس، ایصالِ ثواب یا قرآن خوانی یا ذکرِ الٰہی، کلمۂ طیبہ وغیرہ پڑھنا، یا ان ایام میں میت کے ایصال ثواب کے لیے کھانا کھلانا جائز و مستحسن ہے۔

منکرین اس کو مطلقاً منع کرتے ہیں، حرام و ناجائز بتاتے ہیں۔ یہ گم راہی، دین کے اندر خود درائی ہے۔

بعض جگہ عوام ان مجالس و امورِ خیر میں ریا و نمودِ دنیوی شامل کر لیتے ہیں۔ مثلاً شادی کی طرح اغنیا کو دعوت دینا اور مال داروں کو کھلانا اور غربا و فقرا کو روکنا، یہ ناجائز ہے۔

ایک مجلس میں چند آدمیوں کا بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کرنا یہ ناجائز ہے اور جہالت پر مبنی ہے، اس کی اصلاح کرنی چاہیے، یہ بتانا چاہیے کہ کھانا فقرا کو کھلائیں اور قرآن مجید کی تلاوت آہستہ کریں، یہ نہیں کہ ان مجالسِ خیر اور ان امورِ خیر ہی کو شرک و بدعت کی تہمت لگا کر یکایک قلم روک دیا جائے۔ سوالات کے جوابات تو اسی میں آ گئے مگر تسہیلاً نمبر وار بھی ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱) میت کے ایصالِ ثواب کا کھانا فقرا و مساکین کو کھلانا چاہیے، مال دار اس سے پرہیز کریں (تو اَولیٰ و بہتر ہے۔ مرتب)۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲) جن لوگوں نے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن مجید یا کلمۂ طیبہ پڑھا ہے، ان کو بطور اجرت کھانا کھلانا منع ہے اور اگر وہ مال دار ہیں تو ان کو خود ہی پرہیز کرنا چاہیے اور اگر وہ قرآن خواں غربا ہیں اور اجرتِ معاوضہ مقصود نہیں تو ان کو کھلا سکتے ہیں، کیوں کہ قرآن خوانی کوئی جرم تو ہے نہیں کہ قرآن خوانی کے بعد وہ شخص اس قابل بھی نہیں رہتا کہ اس کو کھانا کھلا سکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۳) دعوت قبول کرنا بلا شبہہ سنت ہے، البتہ اگر دعوت میں ممنوعاتِ شرعیہ شامل ہوں تو اس سے پرہیز و گریز ضروری ہے، اس میں سود خور اور ناچنے گانے والے ہی کی کیا تخصیص ہے، اس سے زیادہ سخت حکم تو وہابی، دیوبندی، غیر مقلد، ہر بدمذہب، بددین کا ہے کہ ان سے پرہیز و گریز لازمی و ضروری ہے۔ حدیث میں فرمایا کہ:

إياكم و إياهم لا يضلونكم ولا يفتنونكم.(۱)	تم ان سے دور رہو، ان کو اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تمھیں گم راہ نہ کر دیں، کہیں وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(۱) الشيخ ولى الدين بن محمد عبد الله خطيب تبريزى، ، مشكاة، الفصل الأول من باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص:۲۸، مجلس البركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور/ وصحيح مسلم شريف، ج:۱، ص:۱۰، باب النهي عن الرواية عن الضعفاء والإحتياط في تحملها.

(۴) جب ایک مجلس میں بیک وقت چند آدمی قرآن مجید کی تلاوت کریں تو ان پر آہستہ پڑھنا لازم ہے، زور سے پڑھنا منع ہے، مگر اس حیلہ سے مجلسِ قرآن خوانی ہی کو ناجائز کہنا گم راہی ہے، جو خرابی ہے صرف اسے دور کیا جائے، نفسِ فعل جو حسن و مندوب ہے اس کو حرام و ناجائز ہرگز نہیں کہا جا سکتا، جیسے اگر اکیلا ہی شخص قرآن مجید غلط پڑھے تو اس غلطی کو دور کیا جائے گا، یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن مجید پڑھنا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۵) کتاب بہارِ شریعت مصنفہ علامۂ زمن، خاتم الفقہا، حضرت صدر الشریعہ دامت برکاتہم کے سبھی مسئلے صحیح ہیں، ضرور قابلِ عمل ہیں۔ حضرت ممدوح سنی حنفی بلکہ مقتدائے اہلِ سنت، عمادِ ملت اور قاطعِ شرِ نجدیت ہیں۔ بہارِ شریعت کے پہلے حصے میں قادیانی، وہابی، دیوبندی، غیر مقلد سب کے کفریات بیان کیے ہیں اور ان پر یہ حکمِ شرع بیان فرمایا ہے کہ یہ گم راہ فرقے اپنے کفریات کی بنا پر کافر و مرتد ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو ان بد دینوں سے اجتناب و انقطاع اور پرہیز و گریز لازم ہے۔ بہارِ شریعت کے پہلے حصے کو ماننا پہلے ضروری ہے تاکہ پہلے عقیدہ درست ہو جائے، اس کے بعد پوری بہارِ شریعت اس کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ حضرت ممدوح نے بہارِ شریعت میں تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں سب کو جائز و باعثِ اجر و ثواب لکھا ہے اور ان امورِ خیر سے منع کرنے والے کو وہابی لکھا ہے، البتہ ان امورِ خیر کا طریقہ وہی بیان فرمایا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۶) اغنیا کو میت کے کھانے سے پرہیز کرنا چاہیے، فقرا کو کھلانا چاہیے (کہ فقرا کو کھلانے میں ثواب زیادہ ہے اور جس کام پر ثواب زیادہ ملے وہی اولیٰ ہوتا ہے۔ مرتب)۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۷) یہ قرآن خوانی اگر تیجہ، دسویں کی ہے تو وہی تفصیل ہے جو اوپر گزری یعنی اگر وہ عزیز غربا ہیں تو جائز ہے اور اگر مال دار ہیں تو (اچھا۔ مرتب) نہیں اور قرآن خوانی علاوہ تیجہ، دسویں وغیرہ کے ہے اور اجرت و معاوضہ مقصود نہیں تو مال داروں کو بھی کھانا جائز ہے، ان کو دعوت بھی دے سکتے ہیں۔ و ھو تعالیٰ اعلم. کتبہ: عبد العزیز عفی عنہ

قبرستان میں نماز پڑھنے کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل مسائل ہیں:

(۱) قبرستان میں ایسی جگہ نماز پڑھنا از روئے شریعت اسلامیہ جائز ہے یا نہیں جہاں قبروں اور نمازیوں کے درمیان دیوار یا کوئی چیز حائل ہو اور قبروں کا سامنا نہ پڑتا ہو۔

(۲) عید گاہ میں جمعہ کی نماز جائز ہے یا نہیں۔

مہر و دستخط سے مزین فرما کر جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب

① قبرستان میں جس جگہ قبریں نہیں ہیں وہاں نماز پڑھنا جائز ہے اور جب کہ قبروں اور نمازیوں کے درمیان دیوار بھی حائل ہے تو کوئی کراہت بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

② عید گاہ میں جمعہ کی نماز جائز ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم. کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

میت کے ایصالِ ثواب کے لیے نابالغ بچوں سے قرآن خوانی کرانے کا حکم

مسئلہ آمدہ از پورہ صوفی سائل عبدالواحد ۷؍شعبان ۵۷ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں:

فاتحہ کے لیے جو قرآن خوانی ہوتی ہے، اس میں نابالغ بچے بھی شرکت کرتے ہیں تو آیا نابالغ بچے کا پڑھا میت کو ایصال ثواب کرنا چاہیے کہ نہیں۔بینوا توجروا.

الجواب

نابالغ بچوں کے خود پڑھے ہوئے کا ثواب اگر نہ پہنچے تو بھی بچوں سے پڑھوانا ناجائز اور بے فائدہ نہیں ہو سکتا بلکہ میت کو ثواب اور فائدہ پہنچے گا اس لیے کہ ایک تو بچے کا پڑھنا ہے اور دوسرا بچوں کو پڑھوانا ہے۔جس طرح کار خیر سے ثواب ہوتا ہے اسی طرح نیک کام کرانے کا ثواب ہوتا ہے۔حدیث میں ارشاد فرمایا:

الدالّ علی الخیر کفاعله . نیک کام کرانے والا مثل کرنے والے کے ہے۔

لہذا جس شخص نے بچوں سے قرآن مجید پڑھوایا ہے اس شخص کو مثل پڑھنے والے کے ثواب ملاوہ ثواب میت کو ملے گا اور بچوں سے فاتحہ میں قرآن مجید پڑھانا بے فائدہ نہ ہوگا کیوں کہ اتنے ہی قرآن مجید پڑھنے کا ثواب حدیث کے بموجب ملے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم .

بزرگانِ دین کی قبروں پر چادر ڈالنے کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

مزارات پر چادر چڑھانا جائز ہے کہ نہیں، حضور سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

إنّ الله لم یامرنا أن نکسوا الحجارة رب عزیز نے ہمیں حکم نہ دیا کہ پتھر اور مٹی کو کپڑے پہنائیں۔

والطین.[۱]

اس سے معلوم ہوا کہ قبروں پر چادر یا غلاف چڑھانا حرام ہے کہ وہاں پتھر اور مٹی ہی ہے اور اگر جائز ہے تو قرآن وحدیث کے حوالے سے تفصیل کے ساتھ بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا.

الجواب

بزرگانِ دین کی قبروں پر اس لیے چادر چڑھائی کہ عوام کے دل میں صاحب قبر کی عظمت پیدا ہو، تو یہ جائز، بلکہ ایک امرِ مستحسن ہے۔ شامی میں ہے:

كره بعض الفقهاء وضع الستور والعمائم والثياب علىٰ قبور الصالحين والأولياء قال في فتاوىٰ الحجة: و تكره الستور على القبور. ولكن نحن نقول الآن إذا قصدبه التعظيم في عيون العامة حتى لا يحتقروا صاحب القبر ويجلب الخشوع والأدب للغافلين الزائرين فهو جائز لأن الأعمال بالنيات و إن كان بدعة. فهو كقولهم بعد طواف الوداع يرجع القهقرىٰ حتى يخرج من المسجد إجلالاً للبيت حتى قال فى منهاج السالكين : إنه ليس فيه سنة مروية ولا أثر محكى و قد فعله أصحابنا . الخ ، كذا في كشف النور

بعض فقہانے پردے، عمامے اور کپڑے صالحین اور اولیا کی قبروں پر ڈالنے کو مکروہ کہا ہے۔ فتاوی الحجہ میں ہے کہ قبروں پر چادر ڈالنی مکروہ ہے، انتہی۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر آج کل اس سے مقصود عام لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنی ہے کہ لوگ صاحبِ قبر کو حقیر نہ سمجھیں اور یہ نیت ہو کہ غافلین زائرین کے دلوں میں خشوع اور ادب حاصل ہو تو جائز ہے اس لیے اعمال کی اچھائی برائی نیتوں سے ہوتی ہے، اگرچہ یہ ایک نئی بات ہے یہ مسئلہ فقہا کے ایک قول سے ملتا جلتا ہے، وہ یہ ہے کہ حاجی کو چاہیے کہ جب طواف وداع سے فارغ ہو تو الٹے قدم چلے، یہاں تک کہ مسجد سے باہر ہو جائے۔ یہ فعل بیت اللہ شریف کی تعظیم کے لیے ہے۔ منہاج السالکین میں ہے کہ (الٹے قدم لوٹنے کے متعلق) کوئی حدیث و اثر منقول نہیں ہے۔ مگر بایں ہمہ ہمارے اصحاب نے اسے کیا ہے۔ ایسا ہی "کشف النور عن

(۱) الشیخ ولی الدین بن محمد عبد الله خطیب تبریزی، مشکاۃ المصابیح ، الفصل الأول من باب التصاویر، ص:۳۸۵.

عن أصحاب القبور.(۱) | أصحاب القبور" میں ہے۔

مستفتی کا دعویٰ کہ پتھروں پر چادر چڑھانی حرام ہے اور حدیث: إنّ الله لم یامرنا أن نکسوا الحجارة والطین۔ سے استدلال صحیح نہیں کہ اس میں امر کی نفی ہے۔ امر کے معنی وجوب ہیں تو "نفیِ امر" سے نفی وجوب ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ فعل واجب نہیں ہے۔

وجوب کی نفی سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، پھر نفی وجوب ہمارے دعوائے استحسان کے منافی بھی نہیں ہے۔

"نفیِ امر" کا لفظ حدیث شریف میں ایک دوسرے موقع پر بھی استعمال ہوا ہے: ما أمرت بتشييد المساجد (مجھ کو مسجدوں کو چونا اور گچ سے پختہ بنانے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔) مگر اس کے باوجود مسجد کی تعظیم کے لیے اس کو پختہ بنانا، نقوش اور دیگر تکلفات سے اس کو سجانا علما نے جائز رکھا، کسی عالم دین نے اس کو حرام نہیں کہا۔ حالاں کہ سائل کے طریقۂ استدلال "نفیِ امر" سے یہ نتیجہ نکلنا چاہیے تھا۔

تو معلوم ہوا کہ مستفتی نے اپنی پیش کردہ حدیث کا مطلب غلط سمجھا، سائل کی حدیث مستدل ذیل میں درج کی جاتی ہے تاکہ اس کا صحیح مطلب واضح ہو جائے:

و عنها [عائشة] أن النبي ﷺ خرج في غزاة فأخذت نمطاً فسترته على الباب فلما قدم فرأى النمط فجذبه حتى هتكه ثم قال: إن الله تعالىٰ لم یامرنا أن نکسوا الحجارة والطین.(۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے تو میں نے نمط (ایک قسم کا باریک کپڑا) لیا اور اس کو دروازہ پر لٹکا دیا۔ آپ نے واپسی پر اس کو کھینچا حتیٰ کہ پھاڑ دیا، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم نہیں دیا کہ پتھر اور مٹی کو کپڑا پہنائیں۔

اشعۃ اللمعات میں ہے:

نمط بفتح نون و میم از بسا ے لطیف است کہ ریشہاے باریک دارد۔(۳)

نمط بفتحتین ایک قسم کا باریک کپڑا ہے جو باریک سوت سے تیار ہوتا ہے۔

اس کے معنی معلوم ہو جانے کے بعد یہ ظاہر ہو گیا کہ باریک شان دار کپڑے، رئیسانہ ٹھاٹھ اہلِ بیت نبی ﷺ کے تقویٰ و پرہیز گاری کے مناسب نہ تھے، اس لیے حضور ﷺ نے اسے کھینچ کر پھاڑا، اسے ناجائز و حرام

(۱) علامہ ابن عابدین شامی، شامی، ج:۱۷، ص:۵۲۲، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) الشيخ ولی الدين بن محمد عبد الله خطيب تبريزی، مشكاة المصابيح ، الفصل الأول من باب التصاوير، ص:۳۸۵.

(۳) شیخ عبد الحق محدث دهلوی، أشعة اللمعات، ج:۳، ص:۶۳۳، ۶۳۴، کتاب اللباس، باب التصوير

نہیں فرمایا، بلکہ "لم یامرنا" فرمایا کہ خداے تعالیٰ نے ایسے پردے آویزاں کرنے ہم پر فرض نہیں کیے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل بیت کے لیے یہ فعل خلافِ اولیٰ تھا نہ کہ حرام۔

اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کی شرح میں ہے:

طیبی گفتہ کہ کراہت تنزیہی است نہ تحریمی چہ عدم امر الٰہی بداں دلالت بر نہی کند باوجود آں تغییر داد و غضب نمود۔(۱)	طیبی نے کہا (ایسے کپڑے کا استعمال) مکروہِ تنزیہی (خلاف اولیٰ) ہے نہ کہ مکروہ تحریمی۔ اس لیے خداے تعالیٰ کا اس کے بارے میں حکم نہ فرمانا اس کے حرام ہونے کو ثابت نہیں کرتا، مگر اس کے باوجود حضور نے اس کو ہٹایا اور پھاڑ دیا اور ناراض ہوئے۔

یہ محض اہل بیت کے تقویٰ اور پرہیز گاری کے لیے ہے۔ مستفتی کو چاہیے کہ بغرضِ انصاف اشعۃ اللمعات کی اس عبارت کو دیکھے کہ شارحین حدیث تصریح فرماتے ہیں "لم یأمرنا" کا لفظ نہی پر دال نہیں پھر اس نے کہاں سے نتیجہ نکالا کہ قبروں پر چادر ڈالنا حرام ہے۔

نمازِ جنازہ میں ہاتھ کب چھوڑے جائیں؟

مسئلہ آمدہ از: حافظ محمد صدیق ولد بھولے انصاری قصبہ بھوج پور، ضلع مراد آباد

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں:

نمازِ جنازہ میں چوتھی تکبیر کہنے کے بعد داہنی طرف سلام پھیرا تو داہنا ہاتھ چھوڑ دیا، یعنی ترتیب وار ہاتھ چھوڑنے سے نماز میں کچھ قصور تو نہیں آیا؟ زید اس پر اعتراض کرتا ہے کہ یہ غیر مقلدوں کا طریقہ ہے، ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟ جو حکم ہو تحریر فرمائیے اور کتب کا حوالہ بھی دیجیے۔

الجواب

نمازِ جنازہ میں دعا ختم کر کے چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہاتھ کھول کر سلام پھیرے، کیوں کہ چوتھی تکبیر کے بعد کوئی دعا وغیرہ پڑھنی نہیں، پھر ہاتھ باندھنے کی کیا ضرورت ہے۔ بہار شریعت میں ہے۔ "چوتھی تکبیر کے بعد بغیر کوئی دعا پڑھے ہاتھ کھول کر سلام پھیر دے۔" (۲) اس پر زید کا اعتراض صحیح نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) شیخ عبد الحق محدث دهلوی، أشعة اللمعات، ج:۳، ص: ٦٣٤، کتاب اللباس، باب التصویر، فصل:۱.

(۲) بهارِ شریعت، حصه چهارم، ص:۱۳۷، بحواله در مختار، رد المحتار وغیرهما ج:۱، ص:۸۱۷، مطبوعه المجمع المصباحی، مبارك پور

بدمذہب کی نمازِ جنازہ کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین صورتِ مسئولہ میں:
کیا اہلِ تشیع کے جنازے کی نماز اہلِ سنت و جماعت کو پڑھنا چاہیے۔ جواب بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمایا جاوے۔ بینو توجروا.

الجواب

رافضی، دیوبندی، وہابی وغیرہ بددین، بدمذہب کے جنازہ میں شرکت جائز نہیں، نہ ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت جائز ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ.(۱) اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نمازِ جنازہ نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔

حدیث میں فرمایا:

ولا تصلوا معهم ولا تصلوا عليهم .(۲) نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو اور نہ ان پر نماز پڑھو۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبدالعزیز عفی عنہ

تجہیز و تکفین کے بعد اذان دینے کا حکم

مسئلہ قبر کے پاس بعدِ تجہیز و تکفین، اذان دینا شرعاً کیسا ہے؟ براہِ کرم مع عبارات و حوالۂ کتب ارقام فرمائیں۔
فقط۔ کاظم الدین عفی عنہ

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب۔ بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنت فرمایا ہے اور بعض نے اختلاف بھی کیا ہے۔ چناں چہ ردالمحتار باب الاذان میں ہے:

قيل: وعند إنزال الميت القبر قياسا على أول خروجه یعنی بعض علما نے فرمایا کہ میت کو قبر میں اتارنے کے وقت اذان سنت ہے، یہ قیاس کرتے ہوئے کہ میت کی پیدائش کے وقت

---

(۱) قرآن حکیم، سورة التوبة، آیت: ۸٤

(۲) المستدرك للحاكم، ۳/ ٦۳۲

للدنیا لکن رده ابن الحجر في شرح العباب .(۱) | اذان مسنون ہے۔ لیکن علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے شرح العباب میں اس کارد کیا ہے۔

علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے اگر چہ اس میں اختلاف کیا ہے، مگر دوسرے علمائے محققین و مفتیانِ دین نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ قبر پر بہ وقت دفن اذان کا جواز یقینی ہے کیوں کہ شریعتِ مطہرہ میں اس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں اور کوئی امر بلا شرع کی ممانعت کے ممنوع نہیں ہو سکتا۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ عنا نے اذان کے اثبات میں ایک رسالہ بنام "إيذان الأجر في أذان القبر" تصنیف فرمایا ہے، اور بزرگانِ دین نے اس اذان کے بہت سے فوائد بھی بیان فرمائے ہیں۔ من جملہ ان کے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ بعد دفن سوالِ نکیرین کے وقت شیطان میت کو بہکاتا ہے۔ چناں چہ روایت ہے:

إذا سئل الميت "من ربك" يرىٰ له الشيطان في صورة فيشير إلى نفسه أي أنا ربك . (۲) | یعنی جب مردہ سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تو شیطان ظاہر ہوتا ہے اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔

اور اذان کے فضائل میں یہ حدیث مروی ہے کہ:

"إذا اذّن المؤذن أدبر الشيطان وله حُصاص." (۳) | یعنی موذن جب اذان پکارتا ہے تو شیطان گوز لگاتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ چھتیس میل دور بھاگ جاتا ہے۔ پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ سوالِ نکیرین کے وقت شیطان بہکاتا ہے اور دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ تو بہ وقت دفن قبر پر اذان پکار دینے میں بلا شبہہ اپنے میت بھائی کو شیطان کے شر سے بچانا اور نیز اس کو جوابِ صحیح یاد دلانا اور اس کی وحشت و غم کو دور کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ایسے عظیم الشان فوائد و مبارک مقاصد ہیں جن کی خوبیوں سے قرآن و حدیث مالامال ہیں، لہٰذا ان مبارک مقاصد کے لیے اگر کوئی شخص بہ وقت دفن قبر پر اذان پکار دے تو بلا شبہہ جائز بلکہ

(۱) علامہ محمد بن عابدین شامی، رد المحتار، کتاب الصلاۃ باب الأذان، ج:۲، ص:۵۰، مطبوعہ بیروت، لبنان

(۲) نوادر الاصول فی معرفة أحاديث الرسول، ج:۲، ص: ۳۶۳ مطبع دار الديان للتراث.

(۳) امام مسلم بن حجاج قشیری رحمه الله، صحیح مسلم، ج:۱، ص:۱۶۷، کتاب الصلاة، باب فضل الأذان و هرب الشيطان عند سماعه، مجلس بر کات، جامعه اشرفیه، مبارك پور

باعث اجر عظیم ہے۔فقط۔واللہ تعالیٰ أعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم.

کتبہ: فقیر مجددی عبد المصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ خادم الطلبہ دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور

الجواب ھو الحق والصواب و المجیب العلام مصیب و مثاب

عبد العزیز عفی عنہ، صدر المدرسین دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور

دفن کرنے کے بعد مردہ کو اکھاڑنا درست نہیں

مسئلہ ہمارے آبا و اجداد کو یہاں پر دس بیس، پچاس، سو، دو سو برس کا عرصہ گزرا، ان کو یہاں سے نکال کر دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں؟

الجواب

دفن کرنے کے بعد مردہ کو اکھاڑنا درست نہیں جب کہ ارضِ غیر میں نہ ہو۔واللہ تعالیٰ اعلم.

کتاب الزّکات

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ. (التوبۃ:۱۰۳)

اے محبوب! ان کے مال میں سے زکاۃ وصول کیجیے جس سے تم انھیں ستھرا اور پاکیزہ کرو اور ان کے حق میں دعاے خیر فرمادیا کیجیے۔

اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ
وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ. (ترمذي)
یقیناً غضبِ الٰہی کے فرو کرنے اور بری موت
سے بچنے کا ذریعہ صدقہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معلم کو مالِ زکاۃ دینے کا حکم

مسئلہ آمدہ از: رجب علی و انجمن ہدایت الاسلام، تلسی پور، ضلع گونڈہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض دیہات میں لوگ مکتب قائم کر کے اپنے بچوں کو اردو اور کلامِ پاک ناظرہ کی تعلیم دلاتے ہیں اور مالِ زکاۃ جمع کر کے اس سے معلم کی تنخواہ دیتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

ایسی صورت میں ان گاؤں والوں کی زکاۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

اور مالِ زکاۃ اس مکتب پر صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب

زکاۃ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مال کی طہارت کے لیے فرض کی ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی مسلمان فقیر کو مالِ زکاۃ کا مالک کر دیا جائے اور یہ زکاۃ محض اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لیے ادا کی جائے۔ مالِ زکاۃ اجرت و تنخواہِ معلم میں نہیں خرچ کر سکتے۔ مصارفِ زکاۃ • فقیر • مسکین • مکاتب • ابن سبیل • فی سبیل اللہ • عامل اور • قرض دار ہیں۔

مکاتب آج کل ہمارے دیار میں نہیں ہوتا، اسی طرح عامل بھی نہیں۔ مصارفِ زکاۃ میں سے جس مصرف میں چاہیں زکاۃ دے سکتے ہیں اور سب مصارف میں صرف کریں یہ بھی جائز ہے۔ طالب علم کہ علمِ دین پڑھتا ہے، یا پڑھنا چاہتا ہے، اس کو زکاۃ دینا بھی راہِ خدا میں دینا ہے، بلکہ طالب علم سوال کر کے بھی مالِ زکاۃ لے سکتا ہے، اگرچہ کسب پر قادر ہو۔ ہر نیک کام میں زکاۃ خرچ کرنا فی سبیل اللہ ہے جب کہ بطورِ تملیک ہو کہ بغیر تملیک زکاۃ ادا نہیں ہوتی۔ درِ مختار و رد المحتار میں ہے:

”و فی سبیل اللہ و هو منقطع الغزاة. و قیل: الحاج. و قیل: طلبة العلم، كذا في الظهيرية ولمرغيناني ... قال في الشرنبلالية : لأن طلب العلم ليس إلا استفادة الأحكام و هل يبلغ طالب رتبة من لازم صحبة النبي ﷺ لتلقي الأحكام عنه كأصحاب الصفة فالتفسير بطالب العلم وجيه خصوصا و قد قال في البدائع: ”في سبيل الله“ جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله و سبيل الخيرات إذا كان محتاجاً. اه“ [1]

(۱) در مختار و رد المحتار، ج:۲، ص:۳۶۵، ۳۶۶، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، مکتبہ دار الفکر، بیروت

بہارِ شریعت میں ہے:

”بہت سے لوگ مالِ زکاۃ اسلامی مدارس میں بھیج دیتے ہیں، ان کو چاہیے کہ متولیِ مدرسہ کو اطلاع کر دیں کہ یہ مالِ زکاۃ ہے، تاکہ متولی اس مال کو جدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور غریب طلبہ پر صرف کرے، کسی کام کی اجرت میں نہ دے ورنہ زکاۃ ادا نہ ہوگی۔“ [1] واللہ تعالیٰ اعلم.

چالیسواں کا غلہ جو کسان مدرسہ میں دیتے ہیں، اس کی قیمت سے تنخواہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ آمدہ از: عبد العزیز، صدر مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم، قصبہ بندکی، ضلع فتح پور، یو۔ پی۔

مسئلہ چالیسواں کا غلہ جو کسان مدرسہ میں دیتے ہیں، اس کی قیمت سے تنخواہ دے سکتے ہیں یا نہیں حالاں کہ زکاۃ کا روپیہ مدرسہ میں خرچ کیا جاتا ہے۔ اگر نا جائز ہو تو جائز ہونے کی جو شکل ہو تحریر کی جائے، بینوا توجروا

الجواب

زمین کی پیداوار میں دسواں اور بیسواں حصہ عُشر ہے مگر بہت سے مقامات پر کاشت کار صرف چالیسواں ہی ادا کرتے ہیں۔ یہ ادا کرنے والوں کی غلطی ہے، لیکن وہ غلہ عشر ہی کے حکم میں ہے، جیسے کوئی شخص زکاۃ پوری ادا نہ کرے، نصف ہی زکاۃ دے تو یہ نصف زکاۃ بھی زکاۃ ہی کے مصرف میں صرف کی جائے گی۔ اسی طرح یہ چالیسواں عشر کے ہی مصرف میں صرف ہوگا اور عشر کے مصارف مصارفِ زکاۃ ہیں، یعنی فقرا و مساکین وغیرہ۔ نیز زکاۃ کی طرح عشر میں بھی تملیک شرط ہے۔ یعنی فقرا و مساکین کو عشر و زکاۃ کے مال کا مالک بنا دیا جائے۔ لہٰذا مالِ زکاۃ یا عشر سے نہ مدرسین کی تنخواہ دے سکتے ہیں نہ اس مال سے (مکتب کی تعمیر ہو سکتی ہے۔ مرتب) واللہ تعالیٰ اعلم.

زکاۃ اور مصارفِ زکوٰۃ

مسئلہ آمدہ از: محمد اسلام خاں، پہاڑ پور، ضلع گورکھ پور، ۳/ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زمین غیر عشری اور غیر خراجی ہے، اس میں سے غلہ کتنا نکالنا چاہیے؟

(۲) اور یہ کہ زکوٰۃ، صدقہ اور عشر وغیرہ کے مصارف کون کون ہیں، وضاحت سے بیان فرمائیں اور افضل

(۱) صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، بہارِ شریعت، حصہ پنجم، ص:۴۹، مطبوعہ المجمع المصباحی، مبارک پور

مصرف بھی ذکر کریں۔

③ بعض مسلمانوں کو سوال کرنے کی لت پڑگئی ہے اور عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ تو ہمارے باپ دادا سے ہوتا آیا ہے۔ حالاں کہ یہ لوگ تندرست ہیں۔ کیا ایسے لوگوں کو دینا جائز ہے، کیا شرع شریف میں کوئی ممانعت نہیں ہے؟ بینوا توجروا.

الجواب

① جو زمین غیر عشری اور غیر خراجی ہے، اس کا حکم بھی عشری زمین کا ہے، یعنی اس کی پیداوار میں سے عشر (دسواں حصہ) نکالنا واجب ہے مثلاً پہاڑ اور جنگل کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی، اس سے شہد حاصل ہو تو اس میں سے دسواں حصہ دیا جائے گا۔

درِ مختار میں ہے:

"(ویجب) العشر (في عسل) وإن قل (أرض غیر الخراج) ولو غیر عشریة کجبل و مفازة." [1]

شامی میں ہے:

"قوله(أرض غیر الخراج) أشار إلی أن المانع من وجوبه کون الأرض خراجیة لأنه لا یجتمع العشر والخراج فشمل العشریة، وما لیست بعشریة ولا خراجیة کالجبل والمفازة." [2]

یہ حکم جب ہے کہ بادشاہِ اسلام نے اس کی ڈاکوؤں اور باغیوں سے حفاظت کی ہو۔

درِ مختار میں ہے:

"ویجب العشر في ثمرة جبلٍ أو مفازة إن حماه الإمام." [3] واللہ تعالیٰ اعلم

② **زکاۃ کے مصارف یہ ہیں:**

• فقرا۔ • مساکین۔

• عمال یعنی وہ لوگ جنھیں بادشاہِ اسلام نے زکاۃ اور عشر وصول کرنے کے لیے مقرر کیا ہے۔

• مکاتب غلام کہ وہ اس مال سے بدل کتابت ادا کرے اور نصاب باقی نہ رہے۔

• فی سبیل اللہ یعنی راہِ خدا میں مثلاً کوئی حج کو جانا چاہتا ہے، اس کے پاس مال نہیں ہے، یا کوئی طالب علم ہے کہ علمِ دین پڑھنا چاہتا ہے، اسے دے سکتے ہیں۔ یہ بھی راہِ خدا میں دینا ہے۔

---

(۱) در مختار، ج:۲، ص:۳۵۵، کتاب الزکاۃ، باب العشر، مکتبہ دار الفکر، بیروت

(۲) رد المحتار، ج:۲، ص:۳۵۵، کتاب الزکاۃ، باب العشر، مکتبہ دار الفکر، بیروت

(۳) در مختار، ج:۲، ص:۳۵۵، کتاب الزکاۃ، باب العشر، مکتبہ دار الفکر، بیروت

• ابن سبیل یعنی مسافر جس کے پاس مال نہ رہا، اسے بھی دے سکتے ہیں، اگرچہ اس کے گھر پر مال موجود ہو، مگر اسی قدر جس سے اس کی حاجت پوری ہو جائے، اس سے زیادہ نہیں۔

• مؤلفۃ القلوب کی زکاۃ منسوخ ہے، اتنا خیال رہے کہ ہاشمی کو مالِ زکاۃ نہ دیا جائے۔ جو مصارف زکاۃ کے ہیں وہ صدقۂ فطر اور عشر کے بھی مصارف ہیں۔ صدقۂ نفل اغنیا کو بھی دے سکتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ۝۶۰ [(۱)]

صدقات فقرا و مساکین کے لیے ہیں اور ان کے لیے جو اس کام پر مقرر ہیں اور وہ جن کے قلوب کی تالیف مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لیے یہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

شامی میں ہے:

"(أي مصرف الزكوٰة والعشر) ... و هو مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذٰلك من الصدقات الواجبة كما في القهستاني." [(۲)]

زکاۃ وغیرہ صدقات میں افضل یہ ہے کہ پہلے اپنے بھائیوں بہنوں کو دے، پھر ان کی اولاد کو دے، پھر چچا اور پھوپھیوں کو، پھر ان کی اولاد کو، پھر ماموں اور خالہ کو پھر ان کی اولاد کو، پھر ذوی الارحام یعنی رشتہ داروں کو پھر پڑوسیوں کو پھر اپنے پیشہ والوں کو، پھر اپنے شہر یا گاؤں کے رہنے والوں کو۔

اور زکاۃ دینے والے کو یہ بھی چاہیے کہ زیادہ حاجت مند اور زیادہ مستحقِ اعانت کو دیکھے اور سوچے کہ کہاں مالِ زکاۃ صرف کیا جائے گا تو مسلمانوں کے حق میں زیادہ مفید ہوگا۔ جو زیادہ نفع بخش مصرف ہو وہاں دے، نادار طالب علموں کا بھی خیال رکھے، جاہل فقیر کو دینے سے عالم فقیر کو دینا افضل ہے۔

عالم گیری میں ہے:

"والأفضل في الزكوٰة والفطر والنذور الصرف أولاً إلى الأخوة والأخوات ثم إلىٰ أولادهم ثم إلىٰ الأعمام والعمات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأخوال و الخالات ثم إلىٰ أولادهم ثم إلىٰ ذوى الأرحام ثم إلى الجيران ثم إلى أهل حرفته ثم إلىٰ أهل مصره أو قريته كذا في السراج الوهاج." [(۳)]

در مختار میں ہے:

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ التوبۃ، آیت: ۶۰

(۲) رد المحتار، ج:۲، ص:۳۷۱، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، مکتبہ دار الفکر، بیروت

(۳) جوہرہ عالم گیری، ج:۱، ص:۱۹۰۔

"وکره نقلها إلا إلى قرابة." [1] یعنی دوسرے شہر کو زکاۃ بھیجنا مکروہ ہے مگر جب کہ وہاں اس کے رشتہ والے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) پیشہ اور نام کے فقیر جو روزی کما سکتے ہیں، گھر سے آسودہ حال ہیں ان کو دینا منع ہے کہ یہ اعانت علی المعصیۃ ہے۔ فقیر کہ جس کے پاس کچھ ہو مگر نہ اتنا کہ نصاب تک پہنچے، یا بقدرِ نصاب ہو مگر اس کی حاجتِ اصلیہ میں مستغرق ہو اسے بھی بغیر ضرورت و مجبوری سوال کرنا ناجائز ہے۔ اگرچہ اس کو زکاۃ دے سکتے ہیں۔

مسکین جس کے پاس کچھ نہیں ہے، یہاں تک کہ کھانے اور بدن چھپانے تک کے لیے نہیں ہے، اسے کھانے اور بدن چھپانے کے لیے سوال کرنا حلال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

عشر، چرم قربانی اور صدقۂ فطر ایسے انگریزی اسکولوں میں دینا جس میں برائے نام دینیات کی کتاب پڑھائی جاتی ہوں

مسئلہ (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ:

زید کے پاس کچھ زمین ہے، اور اس زمین میں سیلاب یا بارش سے فصل پیدا ہوتی ہے اور اس کا خراج زمیں دار کو دینا پڑتا ہے، تو زید اس تشویش میں ہے کہ کیا اس غلہ کا عشر یا زکاۃ دینا ہوگا۔ اگر دینا ہوگا تو کس حساب سے اور کتنی مدت کے بعد؟ مع سند کے جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) چرم قربانی یا صدقۂ فطر مسجد یا انگریزی اسکول میں جس میں دینیات کی کتابیں برائے نام نصاب میں داخل ہوتی ہیں، دے سکتے ہیں یا نہیں؟ مع سند کے جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا.

الجواب

(۱) جو زمین زراعت کے لیے نقدی پر دی جاتی ہے اس کا عشر امام اعظم کے نزدیک زمیں دار پر ہے اور صاحبین کے نزدیک کاشت کار پر، مگر علامہ شامی کی تحقیق یہ ہے کہ حالتِ زمانہ کے اعتبار سے اب عمل صاحبین کے قول پر ہے یعنی عشر کاشت کار پر ہے۔ [2]

جس زمین کی فصل سیلاب یا بارش کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے اس کی پوری پیداوار کا دسواں حصہ نکالا جائے گا۔

ہدایہ میں ہے: "قال أبو حنيفة : في قليل ما أخرجته الأرض و كثيره العشر، سواء سقى سيحا أو سقته السّماء." [3]

---

(۱) در مختار، ج:۲، ص:۳۸۷، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، مکتبہ دار الفکر، بیروت

(۲) رد المحتار علی در المختار، ج:۲، ص:۳۶۳، کتاب الزکاۃ، باب العشر، دار الفکر، بیروت

(۳) امام ابو الحسن علی مرغینانی، ہدایہ، ج:۱، ص:۱۸۱، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور.

عالم گیری میں ہے: "یجب العشر عند أبي حنیفة في كل ما تخرجه الأرض قل أو كثر سواء یسقی بماء السماء أو سیحا." [1]

اسی طرح عشر کے لیے سال گزرنا بھی نہیں بلکہ اگر سال میں چند بار ایک کھیت میں زراعت ہوئی ہو تو ہر بار عشر واجب ہے۔

(۲) صدقۂ فطر بدونِ حیلۂ شرعی مسجد پر دینا جائز نہیں۔ چرم قربانی مسجد پر صرف ہو سکتا ہے۔ اسکول کے لیے الگ چندہ کریں۔ واللہ اعلم بالصواب.

کیا اولاد میں بھی زکاۃ واجب ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلۂ ذیل میں:

ایک شخص جس کی پہلی بیوی سے سولہ اولادیں پیدا ہوئیں اور ان میں سے کوئی اولاد فوت نہیں ہوئی تو کیا بطریقِ نصابِ مال ان اولاد میں سے بھی زکاۃ دینا واجب ہو گا؟

مستفتی: منشی مسعود علی (ملایا)

الجواب

اولاد کی زکاۃ نہیں ہے۔ اس لیے کہ زکاۃ مال کی نکالی جاتی ہے۔ خواہ سونا ہو یا چاندی، یا مالِ تجارت اور اولاد مال نہیں ہے کہ اس کو زکاۃ میں نکالے، ہاں نابالغ اولاد کی طرف سے صاحبِ مال باپ صدقۂ فطر ادا کرے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۱ر فروری ۱۹۶۰ء

فطرہ اور زکاۃ کے چند مسائل

مسئلہ آمدہ از: محمد اسلام اللہ خان، پہاڑ پور، ضلع گورکھ پور

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلۂ ذیل میں:

(۱) زید کسی اہم ضرورت کے مدنظر ۶۰ر تولہ چاندی اپنے پاس رکھے ہوئے ہے، لیکن غربت کی یہ حالت ہے کہ سال بھر کے اندر کبھی کبھی فاقہ کی نوبت آجاتی ہے اور اس کے گھر کی معاشی حالت نہایت عسرت اور تنگی سے گزرتی ہے۔ شرعاً زید صاحب نصاب ہے کہ نہیں اور اس کو زکاۃ کا مال دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) بکر کے پاس دس بارہ بیگہہ زمین ہے اور کاشت کرنے کے لیے اس کے پاس دو بیل بھی ہیں اور اس کی معاشی حالت اوسط درجہ کی ہے۔ از روے شرع شریف اس پر فطرہ واجب ہے یا نہیں؟ وضاحت سے تحریر فرمائیں۔

(۳) زکاۃ واجب ہونے کے لیے موجودہ روپیہ کا کتنا نصاب ہونا چاہیے؟

---

(۱) عالمگیری، ج:۱، ص:۲۰٤، دار الکتب العلمیة، بیروت.

الجواب

(۱) جب کہ زید ۶۰ر تولے چاندی کا مالک ہے اور وہ اس کی حاجت اصلیہ سے فارغ ہے تو وہ صاحب نصاب یعنی غنی ہے، اس کو زکاۃ نہیں دے سکتے۔ خود اس پر زکاۃ فرض ہے۔

شامی میں ہے:

"ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا سواء كان من النقود أو السوائم." (۱)

ہاں اگر زید اتنے کا مقروض ہو کہ قرضہ ادا کرنے کے بعد ساڑھے باون تولے چاندی اس کی ملکیت میں نہیں باقی رہتی نہ حوائج اصلیہ سے فارغ اتنے کا کوئی اور مال رہتا ہے تو وہ صاحب نصاب نہیں ہے، اس کو زکاۃ دے سکتے ہیں (بہ شرطے کہ وہ ہاشمی نہ ہو)۔

شامی میں ہے: "(وفسره ابن ملك) أي فسر المشغول بالحاجة الأصلية و هي ما يدفع الهلاك عن الإنسان تحقيقا كالنفقة والدور السكنیٰ أو تقديرا كالدين فإن المديون محتاج إلى قضائه بما في يده من النصاب دفعا عن نفسه الحبس الذي هو كالهلاك فإذا كان له دراهم مستحقة بصرفها إلى تلك الحوائج صارت كالمعدومة، كما أن الماء المستحق بصرفه إلى العطش كان كالمعدوم وجاز عنده التيمم (إنتهیٰ ملخصاً)." (۲) واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲) جس کی معاشی حالت اوسط درجہ کی ہوتی ہے اس کے پاس نصاب زکاۃ سے کہیں زائد حوائج اصلیہ سے فارغ مال ہوتا ہے بلکہ مقدار نصاب تک چاندی کے زیورات تو عام طور پر ان لوگوں کے پاس بھی ہوتے ہیں جو لوگوں میں تنگ دست اور مفلوک الحال شمار ہوتے ہیں بکر تو متوسط الحال ہے اوسط درجہ پر گزر کرنے والے کے پاس تو کم و بیش ہزار روپیہ نقد بھی موجود رہتا ہے۔ ایسے شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ اس کے وجوب کے لیے حوائج اصلیہ سے فارغ مالِ نصاب کا مالک ہونا ضروری ہے۔ اس میں نامی ہونے کی بھی شرط نہیں۔

عالمگیری میں ہے:

"وهی واجبة على الحر المسلم المالك لمقدار النصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية كذا في الاختيار شرح المختار ولا يعتبر فيه وصف النماء." (۳) واللہ تعالیٰ اعلم.

(۳) موجودہ روپیہ نہ تو خالص چاندی کا ہے نہ اس میں چاندی غالب، لہٰذا اس کے قدر نصاب کا اندازہ یوں ہی لگایا جاسکتا ہے کہ جتنے روپیوں میں ساڑھے باون تولے چاندی ملتی ہو اتنے مقدارِ نصاب ہیں آپ بازار سے بھاؤ معلوم کر کے اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(۱) رد المحتار، ج:۲، ص:۳۸۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، دار الفكر، بيروت.

(۲) رد المحتار، ج:۲، ص:۲۸٤، أوائل كتاب الزكاة، دار الفكر، بيروت.

(۳) عالمگیری، ج:۱، ص:۱۹۱، دار الكتب العلمية، بيروت.

کتاب الصوم

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾ (البقرۃ:۸۳)

”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تا کہ تم متقی بن جاؤ۔“

اَلصِّیَامُ لِیْ وَأَنَا اَجْزِیْ بِہٖ.

(صحيح بخاري، باب فضل الصوم)

روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بحالت روزہ غرغرہ سے متعلق چند مسائل

مسئلہ آمدہ از: عبدالباری پسر ضیاء اللہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) ۲۹ر شعبان المعظم کو چاند نظر نہیں آیا لیکن عام جنتریوں میں ۲۹ر شعبان ہی کو رویت ہلال موجود تھی اس خیال کے پیش نظر کہ کہیں مضافات سے ثبوت شرعی رویت ہلال شاید مل جائے لوگوں نے ضحوۂ کبری تک نہ کھانے اور نہ پینے کا ارادہ کرلیا۔ حسنِ اتفاق سے صبح بروقت بہت باشرع لوگوں نے آکر رویت ہلال کا شرعی ثبوت پیش کیا مگر ایک صاحب نے منادی کرائی کہ جن لوگوں نے صبح کے وقت غرغرہ، غسل یا وضو میں کرلیا ہو وہ روزہ نہیں رکھ سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے یہ نہ کیا ہو وہ روزہ رکھیں۔ کیا ایسا کرنا صحیح ہے اور بعد ثبوت رویت ہلال رمضان شریف یکم رمضان کو اگر کسی وجہ سے روزہ رکھنے سے رہ گیا ہو تو اس کو تنہا روزہ داروں میں کھانا کھانے یا پانی پینے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور بہر صورت کیا ہے؟

(۲) ایک شخص بحالت روزہ تنہا سو رہا تھا، اتفاق سے وہ محتلم ہوگیا، دریافت امر یہ ہے کہ غسل میں اسے غرغرہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ کیوں کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ غرغرہ کرنے سے قطعاً روزہ ٹوٹ جاتا ہے لہذا رمضان شریف بھر بغیر غرغرہ غسل کرنا چاہیئے اور اس قسم کا غسل درست ہے یا نہیں؟

(۳) غرغرہ کی شرعی تعریف کیا ہے مفصل تحریر فرمائیں چوں کہ رمضان کا مہینہ ہے ان چیزوں کی سخت ضرورت ہے، جواب جلد روانہ فرمائیں۔

الجواب

(۱) غرغرہ میں پانی حلق سے نیچے اترنا لازم وضروری نہیں ہے البتہ حلق سے نیچے پانی اترنے کا احتمال ہے اس لیے روزہ کی حالت میں غرغرہ مکروہ ہے۔ در مختار میں ہے۔

والمبالغة فيهما بالغرغرة لغير الصائم لاحتمال الفساد .[1]

(۱) در مختار، ج:۲، ص:۳۵۵، کتاب الطهارة، مطلب فی منافع السواك.

لہٰذا جب تک پانی حلق سے نیچے اترنے کا یقین نہ ہو جائے صرف احتمال سے روزہ کے فاسد ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا لہٰذا مطلقاً یہ اعلان صحیح نہیں ہے کہ جن لوگوں نے صبح کے وقت غسل یا وضو میں غرغرہ کرلیا ہے وہ روزہ نہیں رکھ سکتے۔ اس کے ساتھ یہ قید ضروری تھی کہ اگر غرغرہ کرنے میں پانی حلق سے نیچے اتر گیا تو روزہ نہ ہوگا۔

اگر کسی عذر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا تب بھی رمضان کا احترام ضروری ہے کھلے بندوں کھانے پینے سے احتراز کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲) غسل میں غرغرہ سنت ہے اور کلی کرنا فرض ہے کہ حلق کی جڑ تک منہ کے ہر حصہ ہر پرزہ اور تالو اور دانتوں، داڑھوں، زبان کے اوپر نیچے سب جگہ پانی پہنچ جائے۔

مگر روزہ کی حالت میں غرغرہ نہ چاہیے۔

بہارِ شریعت میں ہے: "روزہ دار نہ ہو تو غرغرہ کرے۔"[(۱)]

نیز اسی میں ہے:

"روزہ دار کے لیے کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے۔"[(۲)] (مرتب)

(۳) غرغرہ حلق میں پانی گھمانے کو کہتے ہیں منتہی الارب میں ہے آب در گلو گردانیدہ۔

تنبیہ: روزہ حلق سے نیچے پانی وغیرہ اترنے سے فاسد ہو جاتا ہے حلق میں جاکر واپس آنے سے فاسد نہیں ہوتا۔ چوں کہ غرغرہ میں حلق کے اندر کے پانی کو باہر نکالا جاتا ہے اس لیے صرف غرغرہ سے روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ حلق سے پانی نیچے اتر گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالعزیز عفی عنہ

شعبان کا تنہا ایک روزہ رکھنے کا حکم

مسئلہ آمدہ از: محمد شاہد احمد۔ موضع رسول پور ڈاکخانہ پیتھاپور غازی پور۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ:

نفل کا تنہا ایک روزہ رکھنا کیسا ہے، مکروہ یا ناجائز اور اگر مکروہ ہے تو تحریمی یا تنزیہی؟ بہت سے لوگ شعبان المعظم کی پندرہ تاریخ کا روزہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دن کو ایک روزہ رکھنا اور رات کو عبادت کرنا حدیث سے ثابت ہے، اس لیے دوسرے دن کا روزہ رکھنا کوئی ضروری نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نفل کا ایک روزہ رکھنا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں تنہا جمعہ یا تنہا شنبہ کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ حدیث

---

(۱) بہارِ شریعت، ۲۹۵/ ۲، وضو کا بیان.

(۲) بہارِ شریعت، ۹۹۸/ ۵، روزہ کے مکروہات.

شریف میں ہے:

لا يصوم أحدكم يوم الجمعة إلا أن يصوم قبله أو يصوم بعده. (١)

دوسری حدیث میں ہے:

لا تصوموا يوم السبت إلا فيما افترض عليكم. (٢)

امام ترمذی ارشاد فرماتے ہیں:

ومعنى الكراهة في هذا أن يختص الرجل يوم السبت بصيام لأن اليهود يعظمون يوم السبت. (٣)

بعض نفل روزے تنہا مستحب ہیں یوم عرفہ، یوں ہی شش عید کے روزے کہ ان کی تفریق مستحب۔ خود سرورِ عالم ﷺ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے۔

حدیث میں ہے:

أن رسول الله ﷺ قال: تعرض الأعمال يوم الإثنين والخميس فأحب أن يعرض عملي وأنا صائم. (٤)

دوسری حدیث میں ہے:

وصيام يوم عرفة إني أحتسب على الله أن يكفر السنة التي بعده، والسنة التي قبله. (٥)

وصيام يوم عاشوراء إني أحتسب على الله أن يكفر السنة التي قبله. (٦)

---

(١) امام ابو عیسیٰ ترمذی، ترمذی شریف، ج:١، ص:٩٣، کتاب الصوم، باب ماجاء فی کراهية صوم يوم الجمعة وحده، مطبوعہ مجلس البرکات، اشرفیہ، مبارک پور

(٢) امام ابو عیسیٰ ترمذی، ترمذی شریف، ج:١، ص:٩٣، کتاب الصوم، باب ماجاء فی کراهية صوم يوم الجمعة وحده، مطبوعہ مجلس البرکات، اشرفیہ، مبارک پور

(٣) امام ابو عیسیٰ ترمذی، ترمذی شریف، ج:١، ص:٩٣، کتاب الصوم، باب ماجاء فی کراهية صوم يوم الجمعة وحده، مطبوعہ مجلس البرکات، اشرفیہ، مبارک پور

(٤) امام ابو عیسیٰ ترمذی، ترمذی شریف، ج:١، ص:٩٣، کتاب الصوم، باب ماجاء فی صوم يوم الاثنين والخميس، مطبوعہ مجلس البرکات، اشرفیہ، مبارک پور

(٥) امام ابو عیسیٰ ترمذی، ترمذی شریف، ج:١، ص:٩٣، کتاب الصوم، باب ماجاء فی فضل صوم يوم عرفة، مطبوعہ مجلس البرکات، اشرفیہ، مبارک پور

(٦) امام ابو عیسیٰ ترمذی، ترمذی شریف، ج:١، ص:٩٤، کتاب الصوم، باب ماجاء فی الحث علی صوم يوم عاشوراء، مطبوعہ مجلس البرکات، اشرفیہ، مبارک پور

ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن روزہ نہ رکھنے کو حضور نے اعدل الصیام فرمایا ہے۔ اور فرمایا کہ:

لا أفضل من ذلك.[۱] اس سے کوئی افضل نہیں ہے۔

درِ مختار میں ہے:

وندب تفريق صوم الست من شوال.[۲] شوال کے چھ روزوں کو جدا جدا رکھنا مستحب ہے۔

لیلۃ النصف من شعبان کے فضائل بہت مذکور ہیں اور دن میں روزہ رکھنا حدیث سے ثابت ہے۔ اس کے ساتھ ایک دن اور ملانا کسی حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ یہ روزہ بلا کراہت جائز بلکہ مستحب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الفقیر: عبد المصطفیٰ الازہری

رویتِ ہلال میں ریڈیو یا ٹیلی فون وغیرہ کی خبر لائقِ اعتبار نہیں

مسئلہ آمدہ از: خادمِ قوم سید شاہ قادر بادشاہ چشتی نظامی، سجادہ کرنال

مسئلہ عیدین کے ہلال کے متعلق ریڈیو یا ٹیلی فون وغیرہ سے معلوم کر کے خطبۂ عیدین کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

تار، ٹیلی فون، ریڈیو کی خبر لائقِ اعتبار نہیں۔ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:

"صوموا لرويته و أفطروا لروية فان أغمى عليكم فأكملوا العدد."[۳]

وفي رواية: "فإن غم عليكم فأكملوا العدة ثلاثين."[٤]

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ."[۵] واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(۱) محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری شریف، ج:۱، ص:۲۶۵، کتاب الصوم، باب صوم الدهر، مطبوعه مجلس البرکات، اشرفیه، مبارك پور

(۲) درمختار فوق رد المحتار، ج:۲، ص:۴۷۸، کتاب الصوم، دار الفکر، بیروت

(۳) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، ج:۱، ص:۳۴۷، کتاب الصوم، باب وجوب صوم رمضان لروية الهلال، مجلس البرکات، اشرفیه، مبارك پور

(٤) محمد اسماعیل بخاری، صحیح بخاری شریف، ج:۱، ص:۲۵٦، کتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ إذا رأيتم الهلال فصوموا، مجلس البرکات، اشرفیه، مبارك پور

(۵) قرآن مجید، سورة البقرة، آیت:۱۸۵

کتاب الحج

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا .

(آلِ عمران:۹۷)

”اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس کے گھر کا حج کرنا فرض ہے جو طاقت رکھتا ہے وہاں تک پہنچنے کی۔“

اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ.

(مسلم)

حجِ مبرور کی جزا جنت ہی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا مال حرام سے حج ہو سکتا ہے؟

مسئلہ آمدہ از: بیچو میاں۔ مورخہ ۱۳ رجب ۷۱ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید اپنے دینی اور اسلامی اعتقاد کے مطابق حج کرنا چاہتا ہے۔ مگر اس کا مال ایسا ہے کہ اس میں سود و بیاج وغیرہ کا مال مشترک ہے اور جتنے مویشی موجود ہیں وہ سب اسی سے بڑھے ہیں اور اب وہ توبہ کرتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ حلال، پاک اور طیب مال سے حج ادا کرے۔ اب اس توبہ کے بعد جو زمین حاصل کردہ ہے اسی پیسے سے ہے۔ کیا وہ اس زمین سے کاشت وغیرہ کر کے اب جو پیسے حاصل کرے وہ حلال وطیب ہوں گے یا نہیں؟ نیز مال موجود مشترک ہے اس سے حج کرنا چاہتا ہے یا اپنے دیگر تصرف میں لانا چاہتا ہے تو اس کے پاک وطیب ہونے کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو وہ مال مشترک اور مشکوک کو کیا کرے؟ بینوا توجروا

الجواب

حج ادا کرنے کے لیے اور اس کے مقبول ہونے کے لیے مال طیب کا ہونا ضروری ہے۔ بہار شریعت میں ہے:

”جن کے مال ناحق لیے ہوں واپس کر دے یا معاف کرائے اور پتہ نہ چلے تو اتنا مال فقیروں کو دے دے۔“ (۱)

اب جب کہ زید توبہ کر چکا ہے اور حج کرنا چاہتا ہے لیکن اس کا مال مخلوط ہے یعنی اس میں حلال و حرام دونوں قسم کا مال ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ حتی الامکان کوشش کر کے جہاں تک یادداشت کام کرے جن جن لوگوں سے سود لیا ہے ان کو واپس کر دے یا ان سے معاف کرائے اور اگر پتہ نہ چلے تو اتنا مال فقرا کو دے دے، اور اگر ان صورتوں کو عمل میں لانے کے بعد بھی زید کو شبہ رہ جائے تو غایت احتیاط یہ ہے کہ قرض لے کر حج کو جائے اور اپنے مال سے قرض کی ادائگی کرے۔

بہار شریعت میں ہے:

---

(۱) صدر الشریعہ، علامہ امجد علی قدس سرہ، بہارِ شریعت، ج:۱، حصہ:۶، ص:۱۸، المجمع المصباحی، مبارک پور

"توشہ مال حلال سے لے ورنہ قبول حج کی امید نہیں اگرچہ فرض اتر جائے گا۔ اگر اپنے مال میں شبہ ہو تو قرض لے کر حج کو جائے اور قرض اپنے مال سے ادا کر دے۔"[1]

اور جو زمیں اسی مخلوط مال سے خریدی ہے اس کے بچنے کی بھی یہی صورت ہے کہ تحری اور اندازہ کر کے سودی مال واپس کر دے یا صدقہ کر دے زمین پاک ہو جائے گی اور اس سے جو کچھ پیداوار ہوگی حلال و طیب ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: عبد العزیز عفی عنہ   سبحان اللہ قادری عفی عنہ؛ دار العلوم اشرفیہ مبارکپور

(۱) صدر الشریعہ، علامہ امجد علی قدس سرہ، بہارِ شریعت، ج:۱، حصہ:٦، ص:۱۹، المجمع المصباحی، مبارک پور

کتاب النکاح

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ.

(النور: ۳۲)

”اور نکاح کردو جو تم میں سے بے نکاح ہیں“

النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ فَمَنْ لَمْ يَعْمَل بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي. (ابن ماجه)

نکاح میری سنت ہے، جس شخص نے میری سنت پر عمل نہ کیا، وہ میرے طریقہ پر نہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا غیر مطلقہ عورت کا نکاحِ ثانی درست ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید کی عورت شادی شدہ زید کے گھر کچھ دنوں تک رہ کر پھر اپنے باپ کے ساتھ میکہ آکر کچھ دن رہی، پھر زید کی عورت دوسرے کے ساتھ ناجائز تعلق رکھ کر، رہی اور زید کے ساتھ جانے کے لیے کسی بھی طرح تیار نہ ہوئی۔ آخر کار زید مجبور ہو کر واپس ہوا اور اب تک طلاق نہیں دی۔ لیکن زید کی عورت نے جس کے ساتھ ناجائز تعلق رکھا تھا اسی کے ساتھ اس کے ماں باپ نے نکاح پڑھا دیا جس کو عرصہ کئی برس کا ہو گیا۔ عورت اسی کے ساتھ رہتی ہے۔ یہ جو دوبارہ نکاح ہوا ہے جائز ہے یا نہیں؟ از روے کرم سوالوں کا جواب دے کر ممنون کیجیے۔

الجواب

زید کی زوجہ کا دوسرے شخص سے ناجائز تعلق قطعاً حرام ہے، گناہِ کبیرہ ہے، لیکن اس سے وہ زید کے نکاح سے نہیں نکلی بلکہ بدستور زید کی زوجہ ہے، لہذا یہ دوسرا نکاح جائز نہیں، حرام اور اشد حرام ہے۔ قرآن مجید کا فرمان ہے:

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ.[1] یعنی شوہر والی عورتیں بھی تمھارے لیے حرام ہیں، مگر وہ جن کے تم مالک ہو جاؤ۔

زید کی زوجہ اور اس دوسرے شخص پر لازم و ضروری ہے کہ فوراً علاحدہ ہو جائیں اور ندامت کے ساتھ گناہ سے توبہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

چچا زاد بھائی کی لڑکی سے نکاح کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ:

زید کے چچا زاد برادر کی شادی اس کی پھوپھی کی لڑکی سے ہوئی جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ اب زید کی شادی اس لڑکی سے ہو سکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا.

مستفتی: محمد ہارون

الجواب

زید کی شادی اس لڑکی سے ہو سکتی ہے اس لیے کہ یہ اس کے اصل قریب کی فرع نہیں ہے اور نہ اصل بعید کی بلاواسطہ فرع ہے بلکہ بالواسطہ۔

(۱) قرآن حکیم، سورۃ النساء، آیت: ۲٤.

شرح وقایہ میں ہے:

وحرم على المرء أصله وفرعه وفرع أصله القريب وصلبية أصله البعيد. إلىٰ قوله والأصل البعيد الأجداد والجدات فتحرم بنات هولاء الصلبية أي العمات والخالات. إلىٰ قوله لكن بنات هولاء إن لم تكن صلبية لاتحرم. ملخصاً.[1] والله تعالىٰ اعلم.

ایجاب وقبول میں شوہر کی تبدیلی کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

عورت کے دوجگہ کے پیغام ہوئے ایک محمد حسین دوسرا احمد حسن لہٰذا محمد حسین کے لیے یہ پیغام قائم ہوگیا وقت نکاح ہر دو شخص مجلس نکاح میں موجود تھے نکاح احمد حسن کے ساتھ ہوگیا۔ بعد نکاح منکوحہ کو معلوم ہوا کہ تیرا نکاح احمد حسن کے ساتھ ہوا، اس نے انکار کیا کہ میرا نکاح محمد حسین کے ساتھ ہوا۔ اس قصہ میں چار ماہ گزر گئے اور آمد ورفت کا سلسلہ بھی بالکل منقطع رہا۔ آخر بڑی منت سماجت کے بعد وہ وہاں گئی کچھ عرصہ تک رہی اور اس سے اولاد بھی ہوئی۔ خانگی جنگ میں احمد حسن مذکور نے اپنے چھوٹے سالے کو گھر پر بلایا اور کہا کہ یہ تمھاری بہن ہے، اس کا تمہیں ہر طرح کا اختیار ہے، اس کا کھانا پینا تم بھرنا، میں باہر جارہا ہوں چاہے کچھ ہو۔ اس کے سالے نے جواب میں کہا کہ تمھارے کنبہ قبیلے والے اس میں دخل انداز تو نہ ہوں گے۔ آخر کچھ عرصہ تک لاپتہ رہا۔ سال دو سال کے بعد پتہ لگا کہ ممبئی میں ہے۔ اس نے اس کے پاس خبر بھیجی کہ میری بہن کو آزاد کردو اس نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا اور بہت سے ذریعہ اس سے پیدا کیے کہ وہ طلاق دے دے مگر اس نے طلاق نہیں دی، بلکہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں نہیں جانتا۔ طلاق کے نام چڑھتا ہے اور لاپتہ ہوجاتا ہے۔ اب اس عورت کے لیے کیا حکم ہے؟ حالاں کہ وہ اس وقت ایک دوسرے شخص کے یہاں رہتی ہے، اور اولاد بھی ہوئی اس کا معاملہ کس طرح صاف کیا جائے۔

مذکورہ بالا نکاح ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو اولاد اس کی حرامی ہوئی اور اب تک ہورہی ہے اور نکاح ثانی کے واسطے کیا حکم ہے؟ جواب بالصواب مرحمت فرمائیے۔ بینوا توجروا.

الجواب

پیغام محمد حسین کے ساتھ طے ہونا اور احمد حسن کے ساتھ نکاح کی اطلاع پاکر عورت کا انکار کرنا پھر اس پر اصرار کرنا اور یہ کہنا کہ میرا نکاح محمد حسین کے ساتھ ہوا ہے، یہ باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ عورت کو یہ علم تھا کہ میرا نکاح محمد حسین کے ساتھ ہے اور بوقت نکاح محمد حسین ہی کے لیے عورت کی طرف سے ایجاب ہوا لیکن عورت کے ساتھ دھوکہ کیا گیا کہ احمد حسن نے قبول کرلیا اور محمد حسین نے قبول نہ کیا۔ لہٰذا یہ نکاح نہ احمد حسن کے ساتھ ہوا نہ محمد حسین کے

---

(۱) شرح وقایہ، ج:۲، بیان المحرمات ممن النساء، ص:۱۵، ۱۶، مطبوعہ مجلس البرکات، مبارک پور

کیوں کہ نکاح کے لیے ایجاب وقبول دونوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

در مختار میں ہے:

و ينعقد متلبسا بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر.(۱) یعنی نکاح جب منعقد ہوتا ہے کہ ایک کی طرف سے ایجاب پایا جائے اور دوسرے کی طرف سے قبول۔

اور صورت مسئولہ میں ایجاب وقبول نہ پایا گیا کیوں کہ محمد حسین کے لیے ایجاب تھا اس نے قبول نہ کیا، احمد حسن نے قبول کیا اس کے لیے ایجاب نہ تھا لہٰذا کسی کے ساتھ بھی نکاح نہ ہوا۔ چار مہینہ بعد عورت احمد حسن کے یہاں چلی گئی اس وقت نکاح ہوا نہیں احمد حسن کا پہلا ایجاب اور عورت کا چار مہینہ بعد قبول بھی معتبر نہیں کیوں کہ ایجاب و قبول دونوں ایک مجلس میں ہونا ضروری ہے چہ جائے کہ چار مہینے کے بعد۔

در مختار میں ہے:

و من شرائط الإيجاب و القبول اتحاد المجلس.(۲) یعنی اگر مرد و عورت حاضر ہوں تو ایجاب و قبول کی شرط یہ ہے کہ دونوں ایک مجلس میں ہوں۔

لہٰذا یہ عورت اب تک بے نکاح ہے اس کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبد العزیز عفی عنہ۔ مدرس مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور

کیا طلاق کے بغیر عورت کا دوسرا نکاح ہو سکتا ہے؟

جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسئلہ ہمارے گاؤں میں ایک شادی ہوئی تو وہ شادی نابالغی میں ہوئی تھی۔ جب لڑکی بالغ ہوئی تب اس کا گونا ہوا اور وہ لڑکی یہاں رہ چکی ہے۔ اب وہ دوسرے شخص کو لے کر چلی گئی، عرصہ دو سال کا ہوتا ہے۔ اب اصل شوہر سے طلاق مانگی جاتی ہے تو وہ جواب دیتا ہے، اب اس کا بیان سنیے:

اس کی نانی کے گھر لڑکے نہیں ہیں اس نے اپنے ناتیوں کے نام اپنی کھیتی کر دیا ہے۔ ایک ناتی وہ ہے جس سے پہلے شادی ہوئی تھی اور ایک ناتی اس کا ایک لڑکا ہے جس کی لڑکی ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ کھیت جو ہماری اور تمھاری نانی نے ہمارے اور تمھارے نام کر دیا ہے وہ کھیت تم ہمارے نام تنہا کرا دو تب ہم طلاق دیں گے، اور اس میں کئی لڑکے ہیں اس لیے وہ کھیت بھی نہیں ہو سکتا۔ اب مسئلہ کیا کہتا ہے اس کا جواب لکھ کر دیجیے گا۔ فقط۔

---

(۱) الدر المختار شرح تنوير الابصار، كتاب النكاح، ج:۳،ص:٦، دار الفكر، بيروت، ١٣٨٦ھ

(۲) الدر المختار شرح تنوير الابصار، كتاب النكاح، ج:۳،ص:١٤، دار الفكر، بيروت، ١٣٨٦ھ

الجواب

جب تک شوہر طلاق نہ دے دوسرے کے ساتھ نکاح ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ عورت اور مرد جس سے اس کا ناجائز تعلق ہے دونوں سخت مجرم ہیں ۔ دونوں کو فوراً علاحدہ ہوجانا اور اپنے اس فعل حرام سے توبہ کرنا لازم ہے۔ قوم کے ذمہ داران کو توبہ کرنے اور علاحدہ ہونے پر مجبور کریں اور شوہر سے طلاق دلاکر بعد عدت نکاح کرادیں۔
و هو تعالیٰ اعلم.

غیر مطلقہ سے دوسرا نکاح ہو گا یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل میں:

زید نے اپنی لڑکی مسماۃ ہندہ کی شادی بکر سے کردی۔ چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ بکر بدمعاش و بدچلن آدمی ہے اور اس کے اوپر گرفتاری کا وارنٹ بھی ہے اور وہ ہمیشہ مفرور رہا کرتا ہے۔ پس جب کہ زید نے دیکھا بکر اپنے گھر میں نہیں رہتا ہے تو بذریعہ مقدمہ بازی اس لڑکی مسماۃ ہندہ کو رخصت کرالایا اور اب جب کہ بکر اپنے گھر آگیا تو اپنی بیوی کو رخصت کردینے کو کہا تو زید نے انکار کردیا اور کہا کہ تم بدمعاش آدمی ہو، ہم اپنی لڑکی کو تمھارے یہاں رخصت نہیں کریں گے۔ مگر بکر نے طلاق دینے سے انکار کردیا اور اس کے بعد چلا گیا۔ اب زید نے اپنی لڑکی مسماۃ ہندہ کی نسبت دوسری جگہ ٹھہرائی ہے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے لیے شریعتِ مطہرہ میں کیا حکم ہے؟ عوام کو اس شادی میں شریک ہونا اور خورد و نوش کرنا کیسا ہے؟ یہ واضح رہے کہ ابھی بکر نے طلاق نہیں دی ہے۔ فقط بینوا توجروا.

الجواب

صورتِ مسئولہ میں اس عورت کا نکاح دوسری جگہ نہیں ہوسکتا، جب تک زوجِ اول طلاق نہ دے دے (پھر عدت نہ گزر جائے۔ مرتب)۔ ایسے نکاح میں شریک ہونا اور خورد و نوش کرنا سب حرام ہے۔ اس (محفل۔ مرتب) کا بانی سخت گنہ گار ہے۔ کذا فی الکتب العامة.

فقیر محمد سلیمان غفرلہ، مدرس مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم

بے شک ایسی شادی میں لوگوں کو جان کر شرکت کرنا حرام ہے اور زید از روے شرع شریف سخت شدید گنہ گار اور زنا کا دلال ہوگا۔

فقیر محمد ثناء اللہ اعظمی غفرلہ، مدرس مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم۔

الجواب صحیح: ابوالفضل علی احمد غفرلہ الصمد

شوہر کی زندگی میں طلاق کے بغیر عورت دوسرا نکاح ہرگز نہیں کرسکتی۔

مسئلہ آمدہ از: مسماۃ شفیقن زوجہ ولید یٖن۔ ساکن بستی، تھانہ سرائے میر۔

علمائے دین! السلام علیکم۔

مسئلہ عرض یہ ہے کہ میری شادی جمن ولید ین ولد رمضان ساکن جگل پور پرگنہ سگڑی سے عرصہ بارہ سال کا

ہوا کہ ہوئی۔ رات کو نکاح ہوا اور اسی صبح کو میرے بھائی وغیرہ اور بارات و میرے سسر اور شوہر وغیرہ سے تکرار ہوگئی اور ہم لوگوں کے اور ان لوگوں کے تعلقات اسی وقت سے خراب ہوگئے۔ میرا شوہر اسی وقت مجھ کو جواب دینے کو تیار تھا کسی طرح مان گیا اور اسی وقت یعنی عرصہ ۱۲ر سال کا ہوا کہ میرا شوہر ممبئی چلا گیا، تعلقات زن وشوہر سے سائلہ اب تک محروم ہے۔ میرا شوہر ممبئی میں جاکر موالی اور غنڈئی کرنے لگا اور اس طرح اپنی عمر جیل خانہ اور غنڈئی میں گزار رہا ہے اور میری کسی طرح سے خبر ۱۲ر سال سے نہیں لیا نہ خرچہ اور نہ کبھی کوئی خط وغیرہ بھیجا۔

سائلہ کا بھائی عبدالشکور مجبور ہوکر پار سال ممبئی گیا اور میرے شوہر سے ملا اور میرے متعلق سوال کیا کہ میری بہن کا کیسے گزارہ ہوگا اس کو لاکر رکھو اور گزر کرو۔ اس نے جواب دیا میں اس کو یہاں نہیں رکھ سکتا اور مجھ کو ملک جانا نہیں ہے، تو میں کیسے گزارہ کر سکتا ہوں، مجھ سے جواب لے لو۔ میرے بھائی نے کہا تحریری جواب دے دو ملک میں دکھانے کے لیے، تو اس نے کہا تم بیٹھے رہو ہم طلاق نامہ تحریر کرنے کے لیے آدمی بلالائیں۔ اس درمیان کسی نے خبر اڑادی کہ ولیدین بدمعاشوں کو لینے گیا ہے تم کو مارے گا۔ میرا بھائی جان بچاکر بھاگ آیا ورنہ اس کو ہلاک کر ڈالتا۔ میری سسرال میں میرے شوہر کے ماں باپ اور بھائی ہیں، وہ لوگ سائلہ کو ایک مرتبہ ۱۵ر دن اور دوسری مرتبہ ایک ماہ اور تیسری مرتبہ ڈیڑھ ماہ تک اپنے یہاں رکھے لیکن زمانہ چار سال کا ہوا وہ لوگ بھی مجھ کو میرے بھائی کے حوالے کرکے جواب دے گئے کہ میرا لڑکا موالی وغنڈہ ہوگیا ہے وہ کسی طرح نہ یہاں آنے کو تیار ہے اور نہ اس کو لے جانے کو تیار ہے تو ہم لوگ کس پر اور کیسے رکھیں؟

اب میری استدعا ہے کہ علمائے دین اور مفتیان شرع میرے لیے کیا اجازت دیتے ہیں کہ بوجوہات بالا میرا نکاح قائم ہے؟ یا ایسی صورت میں کہ میرا شوہر نہ لے جاتا ہے اور نہ جواب دیتا ہے تو اگر میں دوسرا نکاح کرنا چاہوں تو کر سکتی ہوں یا نہیں؟ یا شرع میرے لیے جو اجازت دے میرے حق میں تحریر فرمائی جاوے۔

میں صاحب داد خان ساکن شاہ گڑھ تصدیق کرتا ہوں کہ مسماۃ شفیقن اور اس کی ماں کے سامنے جیسا کہ ان لوگوں نے بیان میں کہا تحریر کیا گیا، واقعات مندرجہ بالا بالکل صحیح اور سچ ہیں۔ مناسب فتویٰ دیا جائے۔

الجواب

نکاح ہوجانے کے بعد جب تک کہ شوہر طلاق نہ دے یا مر نہ جائے اس وقت تک نکاح باقی رہتا ہے لہٰذا جبکہ سائلہ کا شوہر زندہ ہے اور طلاق نہیں دی تو اس کا نکاح باقی ہے۔ ایسی صورت میں دوسرا نکاح ہرگز جائز نہیں ہوسکتا۔ سائلہ کے بھائی سے جب کہ اس کے شوہر نے کہا تھا کہ مجھ سے جواب لے لو تو زبانی ہی طلاق لے لینا چاہیے تھا، زبانی طلاق کافی تھی، تحریر کی ضرورت نہ تھی۔ اب پھر وہ اگر کسی طرح زبانی ہی طلاق دے دے خواہ کسی دباؤ سے کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، تو طلاق ہوجائے گی۔ غنڈوں سے زبانی طلاق لے لینا بہت آسان ہے۔ ان ہی جیسوں سے مل کر صرف یہ کہلا دینا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی خواہ جس طرح بھی ہو جس حالت میں بھی ہو طلاق ہوجائے گی۔

اگر زن و شوہر کے تعلقات نہیں ہوئے یعنی نہ صحبت ہوئی نہ خلوت صحیحہ تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ طلاق کے بعد عدت کی ضرورت نہیں فوراً دوسرے شخص سے نکاح ہو سکتا ہے لیکن جب تک وہ طلاق نہ دے دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم. کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

نومسلم کی لڑکی سے نکاح جائز ہے۔

مسئلہ آمدہ از: موضع ڈھکوا ضلع اعظم گڑھ، یوپی

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید قوم راج پوت سے ہے دو، تین پشت سے مسلمان ہے زید کی لڑکی سے مسلمان کا عقد جائز ہے، یا نہیں؟

بینوا توجروا.

الجواب

نومسلمہ کی اولاد سے نکاح جائز ہے زید جب کہ تین پشت سے مسلمان ہے تو اس کی لڑکی سے نکاح بلا کراہت درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کیا حملِ حرام میں نکاح جائز ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

محمد یعقوب نے اپنی چچیری بہن سے زنا کیا اور وہ حاملہ ہے۔ اور اس کو رکھے ہوئے ہے اور نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب

زنا حرام اور اشد حرام ہے۔ ان دونوں پر ندامت کے ساتھ توبہ فرض ہے۔ اول توبہ کریں، اس کے بعد نکاح کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ حرام کے حمل میں نکاح جائز ہے۔

درِ مختار میں ہے:

صح نكاح حبلىٰ من زنا لا حبلىٰ من غيره.[1] واللہ تعالیٰ اعلم.

یعنی حرام کے حمل میں نکاح درست ہے، حلال کے حمل میں نکاح جائز نہیں۔

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

(۱) الدرالمختار شرح تنوير الابصار، المطبوع مع رد المحتار، كتاب النكاح، ج:٤، ص:١٤١، دار الكتب العلمية، بيروت.

عورت کو بھگا کر لے جانے کے بعد نکاح کا حکم

مسئلہ آمدہ از: حبیب اللہ کوثری، محمد آباد

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین حسب احکام شرع شریف اس مسئلہ میں کہ:

مسماۃ نصیبہ زوجہ منکوحہ شبراتی کی تھی۔ اس کو ناجائز طور پر رمضان لے کر مفرور ہو گیا اور سات ماہ بعد آیا۔ اسی دوران شبراتی نے مسماۃ نصیبہ کو تین طلاق بروئے گواہان معتبر دے دیا، جس کی عدت بھی پوری ہو چکی ہے۔ پس مسماۃ نصیبہ مسلسل ناجائز طور پر رمضان کے ساتھ ہے۔ اب رمضان اور نصیبہ آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہیں، تو نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

نصیبہ اور رمضان، دونوں کو اپنے اس فعلِ حرام سے توبہ لازم ہے۔ طلاق کی عدت تین حیض ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ. (۱)

لہٰذا اگر طلاق کے بعد تین حیض پورے ہو چکے ہوں تو نصیبہ نکاح کر سکتی ہے۔ اور رمضان و نصیبہ کا نکاح جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۔کتبہ: عبد العزیز عفی عنہ

بدلا پر شادی اور طلاق کا مسئلہ

مسئلہ ایک لڑکی کی شادی بدلا پر ہوئی تھی، دونوں کو طلاق ہو گئی، پھر دوسری شادی بدلا پر ہوئی پھر لڑکی پہلی سسرال چلی گئی۔ جب دوسرے شوہر کو پتہ چلا تو اس نے پنچایت بلائی، اس کے سسر نے کہا میرا زیور دے دو مجھے لڑکی کی ضرورت نہیں ہے، اس کے سسر نے کہا شوہر نے نہیں کہا۔ جب وہ پہلی سسرال گئی تب اس کا پہلا شوہر مر گیا تب اس کی تیسری شادی ہوئی یوسف نے نکاح پڑھایا، اور جلیل، اسد اللہ گواہ بنے۔ یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ پنچ نے لکھایا ہے، اس کا فتویٰ نکال دیجیے۔

الجواب

جب کہ شوہرِ ثانی نے طلاق نہیں دی تو یہ نکاح جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(ظاہر یہ ہے کہ پہلے شوہر سے طلاق کے بعد عدت گزر چکی تھی پھر دوسرے سے نکاح ہوا تو یہ نکاح بلا شبہ صحیح ہے۔ اب جب تک عورت کا یہ نکاح باقی ہے تیسرے کے ساتھ اس کا نکاح حلال نہ ہوگا۔ مرتب)

واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ البقرۃ ۲، آیت: ۲۲۸.

بن باپ کی لڑکی کے نکاح کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک لڑکی حرامی ہے اور وہ بالغ ہے اور نکاح کرنا ضروری ہے، آیا نکاح کس طرح کیا جاوے؟

الجواب

اس لڑکی کا نکاح جائز ہے، لڑکی کے اذن واجازت سے نکاح ہو جائے گا۔ چوں کہ لڑکی بالغہ ہے اس لیے وہ خود مختار ہے، اگر باپ ہوتا تب بھی بغیر لڑکی کی اجازت اور رضامندی سے نکاح نہ ہوتا۔ لہٰذا لڑکی کی طرف سے اس کی رضا مندی سے ایجاب یا قبول ہو تو نکاح ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کیا غیر مطلقہ کا نکاح شوہر کی وفات کے بعد ہو سکتا ہے؟

مسئلہ آمدہ از: حاجی پور، ضلع اعظم گڑھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور سسرال آئی۔ اس کے تین بچے پیدا ہوئے۔ اس وقت ایک ہی بچہ حیات ہے۔ دس برس کے بعد اب تقریبًا دو ماہ ہوا کہ معلوم ہوا کہ ہندہ کا نکاح بچپن میں ایک دوسرے لڑکے سے ہو گیا تھا اور اس نے طلاق نہیں دیا تھا۔ آج آٹھ برس ہوا کہ وہ لڑکا جس کا ہندہ سے بچپن میں نکاح ہوا تھا، مر گیا۔ مگر نکاح کی بات دو ماہ سے معلوم ہوئی ہے۔ اب زید کو ہندہ کے ساتھ پھر دوبارہ عقد پڑھانے کی ضرورت ہے یا وہی پہلا عقد شرعًا جائز ہے؟

الجواب

زید کا ہندہ سے نکاح نہیں ہوا، کیوں کہ پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی۔ لیکن چوں کہ شوہر کے انتقال کو آٹھ برس گزرے، لہٰذا، اب ہندہ کا نکاح زید سے ہونا چاہیے۔ (دونوں کو بغیر نکاح ایک ساتھ رہنا حرام ہے۔ مرتب)

واللہ تعالیٰ اعلم.

خط کے ذریعہ وکیلِ نکاح مقرر کرنے کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک مقدمہ بجرم دفعہ ۴۹۸ تعزیرات ہند بعدالت جناب مجسٹریٹ بہادر بمقام چریاکوٹ دائر ہے، جس کو ملزمان جھوٹا کہتے ہیں۔ فریقین اہل سنت و جماعت حنفی ہیں۔ عدالت موصوف کی منشا پر کہ (حافظ ملت) شاہ عبد العزیز صاحب مبارک پوری جیسا فیصلہ مطابق شرع شریف فرمادیں گے، اس کے مطابق عدالت فیصلہ کرے گی۔ صورت یہ

ہے کہ (ا) ولی محمد دعوے دار ہے کہ اس کا نکاح ساتھ بشیرن دختر ثناء اللہ کے بحالتِ نابالغی ہر دو ہوا اور یہ نکاح بوکالت حافظ خیر اللہ ذریعہ ایک چٹھی منجانب پدر نابالغہ کہا جاتا ہے ہوا تھا۔ خیر اللہ مذکور ثناء اللہ کی بیوہ ماں کا شوہر ثانی ہے اور کوئی رشتہ نسبی وعصباتی نہیں ہے۔

سوال اول یہ ہے کہ موقوف علیہ نکاح وکالت خیر اللہ ہے اور خیر اللہ کو وکالت اور نکاح ہر دو سے انکار محض ہے اور کوئی گواہ وکیل کرنا پدر نابالغہ کا خیر اللہ کو واسطے نکاح کے ساتھ ولی محمد کے بیان نہیں کرتا۔ دو گواہ نصاب شہادت شرعاً ہیں۔ جب یہ نہیں ہے، کیوں کر مثبت وکالت کہ مدار نکاح صورت مسئولہ عنہا میں ہے ہو سکتا ہے۔ اس بارے میں فتویٰ کیا ہے۔ مطابق آیتِ کریمہ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ.[1]

سوال دوم:- مدعی وکالت لاکھ گواہ پیش کرے اوپر اثبات وکالت کے اور دو ان میں سے یہ نہ بیان کریں کہ ہمارے سامنے پدر نابالغہ نے خیر اللہ کو وکیلِ نکاح کیا، وکالت کیوں کر قبول شرعاً ہوگی؟ اس بارے میں فتویٰ کیا ہے؟

سوال سوم:- یہ ہے کہ ایک گواہ نے صرف عقد کا ہونا بوکالت خیر اللہ بیان کیا، اس قدر بیان سے کیوں کر وکالت ثابت ہوگی، جب تک یہ بیان نہ کریں کہ ہمارے سامنے پدرِ نابالغہ نے خیر اللہ کو وکیل کیا تھا، اس بارے میں فتویٰ کیا ہے؟

سوال چہارم:- یہ ہے کہ وکالت خیر اللہ گواہوں سے ثابت نہیں ہے علاوہ ازیں مشہود علیہا یعنی بشیرن کی تعریف نہیں کی بلکہ اس کا نام تک اور لفظ دختر تک اس کاغذ میں تحریر نہیں کیا اور ایجاب کسی نے منجانب وکیل بیان نہیں کیا اور قبول صرف ولی محمد کی زبان سے جو بروقت نکاح نابالغ تھا، کہا جاتا ہے۔ اندریں حالات نکاح کیوں کر صحیح ہوگا۔ اس بارے میں فتویٰ کیا ہے؟

سوال پنجم:- ہر گاہ خیر اللہ وکالت اور عقد دونوں سے منکر ہے، وکالت کے واسطے دو گواہ ضرور ہیں۔

بحر الرائق میں ہے:

"ولغيرها رجلان أو رجل و امرأتان للآية. أطلقه فشمل المال وغيره كالنكاح والطلاق والوكالة والوصية والعتاق والنسب."[2]

اس بارے میں فتویٰ کیا ہے؟

سوال ششم:- وکالت ان الفاظ سے منعقد ہوتی ہے۔ وکیل کیا میں نے تجھ کو اس بیع میں یا اس مقدمہ میں، چناں چہ بیچ عالم گیری کے ہے:

---

(۱) قرآن حكيم، سورة البقرة ۲، آيت: ۲۸۲.

(۲) بحر الرائق، كتاب الشهادة، ص: ۱۰٤، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ۱٤۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء.

”وأما ركنها فالألفاظ التي تثبت بها الوكالة من قوله وكلتك ببيع هذا العبد أو شرائه كذا فى السراج الوهاج.“[1]

اس بارے میں فتویٰ کیا ہے؟

سوال ہفتم:۔ یہ ہے کہ شہادت عبدالحق نکاح خواں معتبر نہیں، اس وجہ سے کہ وہ مباشر فعل ہے اور مباشر فعل کی شہادت جب وہ عین شہادت میں مباشرت فعل کا ذکر کرے غیر معتبر ہوگی، باعتبار عبارت فتاویٰ قاضی خان:

”رجل تولىٰ تزويج امرأةمن رجل ثم مات الزوج فانكرت ورثته نكاحها يجوز للذى تولى العقد ان يشهد بالنكاح يشهد ان فلانا تزوج فلانة بمهر كذا ولا يذكر انه باشر العقد.“

اور بموجب آیتِ کریمہ: ” وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ.“[2]

یعنی اپنے معاملات پر گواہ کرلیا کرو، نہ یہ کہ خود اپنے قول وفعل پر گواہ ہو جایا کرو، پس اس سے معلوم ہوا کہ اصل شہادت گواہی اوپر فعل دوسرے کا نام ہے۔ اس بارے میں فتویٰ کیا ہے؟

سوال ہشتم:۔ یہ ہے کہ بربنائے وجوہِ مذکورہ نکاح ہوا یا نہیں، اگر ہوا تو شرعاً ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ثابت ہوتا تو اس کے تعصب یا جہالت کے سبب بموجب حکم شرع اسلام ایسی عورت نابالغہ کو جس کا نکاح ثابت نہیں مدعی کو حوالہ کرنے کا حکم داخلِ گناہِ عظیم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب

ولی محمد کا یہ دعویٰ کہ اس کا نکاح بوکالت حافظ خیر اللہ مسماۃ بشیرن بنت ثناء اللہ کے ساتھ بحالت نابالغی ہر دو ہوا اور حافظ خیر اللہ کی وکالت بذریعہ چٹھی منجانب پدر نابالغہ ثناء اللہ قرار پائی، بوجوہ ثابت نہیں۔

اول یہ کہ خیر اللہ کی وکالت ہی ثابت نہیں، کیوں کہ خیر اللہ کی وکالت کا مدار مدعی نے صرف چٹھی قرار دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ چٹھی بذریعہ ڈاک آئی ہوگی اور اس کے متعلق دو معتبر شخص یہ شہادت دے ہی نہیں سکتے کہ یہ ثناء اللہ نے ہمارے سامنے خود لکھی یا کسی سے لکھائی ہے اور یہ وہی چٹھی ہے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا تھا جب کہ وہ شاہد خود چٹھی لے کر آتے اور وہ چٹھی ان سے جدا نہ ہوتی۔ ڈاک سے آئی ہوئی چٹھی کے متعلق شرعاً یہ وثوق واعتماد نہیں ہو سکتا کہ یہ ثناء اللہ ہی کی ہے، کیوں کہ: الخط يشبه الخط۔ فقہ کا مشہور مسئلہ ہے اور جعلی خطوط کے صدہا واقعات اس پر شاہد ہیں۔ نیز اس تقدیر پر کہ یہ خط ثناء اللہ کا فرض بھی کیا جائے تب بھی بشیرن نابالغہ دختر ثناء اللہ کے نکاح کی وکالت خیر اللہ کے لیے ثابت نہ ہوگی۔ کیوں کہ چٹھی میں بشیرن کا نام تک نہیں، نہ تصریح توکیل جیسا کہ سوال چہارم سے ظاہر ہے۔ مزید برآں

---

(۱) فتاویٰ ہندیہ، کتاب الوکالۃ، الباب الأول في بيان معناها شرعًا، ج:۳، ص:۵۰۷، دار الفكر، بیروت.

(۲) قرآن حکیم، سورۃ البقرۃ۲، آیت:۲۸۲

خیر اللہ نکاح، وکالت دونوں سے انکار کرتا ہے اور عبد الحق نکاح خواں کا یہ قول کہ "میں نے نکاح پڑھایا" عقد نکاح کی شہادت نہیں کیوں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ توکیل در توکیل ہے، یعنی خیر اللہ کی اجازت سے نکاح پڑھایا اور خیر اللہ کو جب خود ہی وکالت حاصل نہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور سوالات سے بھی ظاہر ہے تو خیر اللہ کو عبد الحق کے وکیل بنانے کا کیا حق ہے۔ لہٰذا اس میں عبد الحق شاہد نہیں، بلکہ نکاحِ فضولی کا مدعی ہے۔ دوسرے یہ کہ عقد نکاح کا گواہ صرف ایک ہے اور ایک گواہ سے صرف شبہۂ شہادت ہوتا ہے نہ کہ شہادت، لہٰذا ثبوتِ نکاح نہیں ہوا۔ تیسرے یہ کہ عقدِ نکاح کے لیے ایجاب وقبول دونوں ضروری ہیں اور جب کہ گواہ ایجاب بیان ہی نہیں کرتا تو صرف ولی محمد نابالغ کے قبول سے نکاح کیسے منعقد ہوسکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مستفسرہ میں کسی تقدیر پر بھی ثبوتِ نکاح نہیں اور فریق ثانی ولی محمد کے دعوے کی تکذیب کر رہا ہے، لہٰذا اس صورت میں بشیرن نابالغہ دختر ثناء اللہ کو ولی محمد دعوے دار کے حوالے کر دینا شرعاً ناجائز اور گناہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

پہلے شوہر کی لڑکی کا دوسرے شوہر کے لڑکے سے نکاح کا حکم

مسئلہ آمدہ از: اسلام اللہ خاں، ساکن پہاڑ پور۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے اپنی ممانی ہندہ سے نکاح کیا۔ ہندہ کی ایک لڑکی اس کے پہلے شوہر سے ہے اور زید کا ایک لڑکا زید کی پہلی بیوی سے ہے۔ زید کے اس لڑکے کا نکاح ہندہ کی اس لڑکی سے جو اس کے پہلے شوہر سے ہے، ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں نکاح ہوسکتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ .[1]

عالم گیری میں ہے:

لا بأس بأن يتزوج الرجل امرءة ويتزوج ابنه ابنتها.[2] واللہ اعلم بالصواب

(۱) قرآن حکیم، سورۃ النساء ٤، آیت: ٢٤

(۲) عالمگیری، کتاب النکاح، الباب الثالث فی بیان المحرمات، القسم الثانی المحرمات بالصهرية، ج:۱، ص:۲۷۷، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء.

بیوی کی ماں سے زنا کیا تو بیوی کا حکم کیا ہوگا؟

مسئلہ آمدہ از: ہدایت حسین، مدرس مدرسہ اسلامیہ نظامیہ، قصبہ اوہرا، ڈاک خانہ اوہرا، ضلع گیا۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

علی حسین نے ایک لڑکی سے شادی کی۔ اس کے بعد لڑکی کی ماں سے زنا کیا اور وہ حاملہ ہوگئی اور لڑکا تولد بھی ہو گیا اور بستی کے لوگوں کو معلوم ہوا تو جس لڑکی سے شادی ہوئی تھی اس کو طلاق دلوایا اور اس کی ماں سے نکاح کروانا چاہتے ہیں تو نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب

علی حسین نے جس لڑکی سے شادی کی اس لڑکی کی ماں علی حسین پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی۔

قرآن مجید میں فرمایا:

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ۔[1] اور تمھاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام ہیں۔

لڑکی کی ماں سے زنا کرنے سے وہ لڑکی بھی اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی۔ کسی طرح بھی نہ لڑکی اس کے نکاح میں آسکتی ہے نہ لڑکی کی ماں۔ علی حسین اور لڑکی کی ماں دونوں بدترین مجرم ہیں۔ اسلامی حکومت ہوتی تو دونوں پر حد قائم کی جاتی۔ ان دونوں پر توبہ فرض ہے اور دونوں کو فوراً علاحدہ ہو جانا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[2] کتبہ عبدالعزیز عفی عنہ، ۱۸ر صفر ۷۵ھ

---

(۱) قرآن حکیم، سورة النساء ٤، آیت: ۲۳

(۲) جب علی حسین نے اپنی بیوی کی ماں سے زنا کیا تو اس کی بیوی کا نکاح فاسد ہوگیا اس لیے اس پر اس عورت سے متارکہ واجب ہوگیا۔ متارکہ یہ ہے کہ وہ کہے: "میں نے اپنی عورت کو چھوڑ دیا۔" یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میں نے اسے طلاق دی" مگر یہ فی الواقع طلاق نہیں جب تک کہ یہ متارکہ نہ ہو عورت نکاح سے باہر نہ ہوگی۔ اس مسئلے کی پوری تحقیق اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے رسالہ "هبة النساء فی تحقق المصاهرة بالزنا" میں ہے۔ ہم اس مسئلے کی مزید وضاحت کے لیے یہاں اسی رسالے کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں یہاں بعض احادیث اپنے مذہب کی مؤیدات ذکر فرمائیں، ازاں جملہ،

قال رجل یا رسول الله انی زنیت بامرأة فی الجاهلیة افانکح ابنتها قال لااری ذلك ولایصح ان تنکح امرأة تطلع من ابنتها علی ماتطلع علیه منها.

ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک عورت سے زنا کیا تھا کیا اس کی بیٹی سے نکاح کرلوں، فرمایا: میری رائے نہیں اور نہ ایسا نکاح جائز ہے کہ تو بیٹی کی اس چیز پر مطلع ہو جس چیز پر اس کی ماں کی طرف سے مطلع تھا۔

اقول نیز اس کے مؤید ہے وہ حدیث کہ غایہ سمعانیہ میں حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: من نظر الی فرج امرأة بشهوة حرمت علیه امها وبنتها.

جو کسی عورت کی فرج کو شہوت سے دیکھے اس پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائیں گی۔

جس عورت سے زنا کیا اس کی لڑکی سے نکاح کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:
زید نے ایک بیوہ عورت سے تعلق پیدا کیا اور وہ حاملہ ہوگئی۔ تین ماہ کی حاملہ ہونے کے بعد بیوہ عورت نے اپنی نابالغ لڑکی سے زید کی شادی کر دی۔ زید نے اس سے کوئی تعلق نہیں رکھا، صرف شادی ہوگئی۔ حمل کے آٹھویں مہینے میں اس لڑکی کو طلاق دلوائی گئی۔ جس سے ناجائز تعلق ہو گیا تھا، اس کو لڑکا تولد ہوگیا۔ اب زید کی خواہش ہے کہ اس بیوہ عورت سے نکاح کرلے تو نکاح کر سکتا ہے کہ نہیں؟ جواب سے مطلع فرمائے۔ بینوا توجروا.

دوسری حدیث میں ہے: ملعون من نظر الی فرج امرأة وبنتها.
ملعون ہے وہ جو کسی عورت اور اس کی بیٹی دونوں کی فرج دیکھے۔
عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:
من نظر الی فرج امرأة وبنتها لم ینظر الله الیه یوم القیامة.
جو کسی عورت اور اس کی دختر دونوں کی فرج دیکھے اللہ تعالیٰ روز قیامت اس پر نظر رحمت نہ کرے۔
نیز مصنف حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: فی الذی یزنی بام امرأته قال حرمتا علیه. والله تعالیٰ اعلم.
یعنی اپنی ساس سے زنا کرنے والے کی نسبت فرمایا کہ اس پر ساس اور عورت دونوں حرام ہوگئیں۔

اس حرمت کے پیدا ہونے سے مرد وزن کو جدا ہو جانا اور اس نکاح فاسد شدہ کا فسخ کر دینا فرض ہو جاتا ہے مگر خود بخود نکاح زائل نہیں ہو جاتا، یہاں تک کہ شوہر جب تک متارکہ نہ کرے اور بعد متارکہ عدت نہ گزرے عورت کو روا نہیں کہ دوسرے سے نکاح کرے، اور قبل متارکہ شوہر کا اس سے وطی کرنا حرام ہوتا ہے مگر زنا نہیں کہ نکاح باقی ہے، ولہٰذا اس وطی سے جو اولاد پیدا ہوئی ہو صحیح النسب ہے ایسے نکاح کے ازالہ کو جو الفاظ کہے جائیں طلاق نہیں بلکہ متارکہ کہلاتے ہیں اگرچہ بلفظ طلاق ہوں یہاں تک کہ ان سے عدد طلاق کم نہیں ہوتا۔ درمختار میں ہے: بحرمة المصاهرة لایرتفع النکاح حتی لایحل لها التزوج بآخر الابعد المتارکة وانقضاء العدة والوطیٔ بها لایکون زنا. ردالمحتار میں ہے: قال فی الذخیرة ذکر محمد فی نکاح الاصل ان النکاح لایرتفع بحرمة المصاهرة والرضاع بل یفسد حتی لووطئها الزوج قبل التفریق لایجب علیه الحد اشتبه علیه اولم یشتبه علیه. اسی میں ہے: قال فی الحاوی والوطئی فیها لایکون زنا لانه مختلف فیه وعلیه مهرالمثل بوطئها بعدالحرمة ولاحد علیه ویثبت النسب. اسی میں ہے: فی البزازیه المتارکة فی الفاسد بعد الدخول لاتکون الابالقول کخلیت سبیلك اوترکتك ومجرد انکار النکاح لایکون متارکة اما لو انکر وقال ایضا اذهبی وتزوجی کان متارکة والطلاق فیه متارکة لکن لاینقص به عدد الطلاق.

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ اس حالت میں اگر شوہر نے نہ چھوڑا اور ناجائز طور پر ہندہ سے وطی کرتا رہا اور اولاد ہوئی تو وہ اولاد اپنے ماں باپ دونوں کی وارث ہے، ماں کی وراثت تو ظاہر کہ اولاد زنا بھی اپنی ماں کی میراث پاتی ہے کما نصوا علیه والمسألة فی الدر وغیره (جیسا کہ فقہائے کرام نے اس پر نص کی ہے اور یہ مسئلہ در وغیرہ میں ہے۔ ت) اور باپ کی وراثت یوں کہ ابھی منقول ہو چکا کہ ایسی حالت کی اولاد ولد الزنا نہیں صحیح النسب ہے، ہاں زن وشوہر آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔ وا لله سبحنه وتعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم.

الجواب

سوال میں یہ ظاہر کیا ہے کہ حمل کے تین مہینہ بعد لڑکی سے نکاح کیا ہے۔ اور لڑکی نابالغ ہے اور لڑکی سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔ اگر واقعہ ایسا ہی ہے تو اس بیوہ عورت سے زید کا نکاح ہو سکتا ہے، کیوں کہ زید نے جب اس بیوہ عورت سے زنا کیا تو اس کی لڑکی زید پر حرام ہو گئی۔ لہٰذا اس صورت میں لڑکی سے نکاح ہوا ہی نہیں اور لڑکی سے کوئی تعلق بھی نہیں رکھا یعنی لڑکی سے صحبت و مجامعت نہیں کی، نہ شہوت کے ساتھ لڑکی کو چھوا، نہ بوسہ لیا وغیرہ۔ لہٰذا حرمت مصاہرت نہیں پائی گئی۔ اس لیے اس بیوہ سے زید کا نکاح درست ہے۔ اگر اس حرام سے پہلے لڑکی سے نکاح کیا ہے، یا لڑکی سے مجامعت و صحبت کی ہے، شہوت کے ساتھ لڑکی کو چھوا ہے یا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا۔ اگر لڑکی مشتہاۃ ہے تو ان صورتوں میں حرمتِ مصاہرت پائی گئی۔ لہٰذا ایسی صورت میں یہ بیوہ بھی زید پر حرام ہو گئی۔ زید اس سے بھی نکاح نہیں کر سکتا، نہ اس کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے، وہ بھی زید پر حرام ہو گئی۔ ایسی صورت میں زید کو اس بیوہ عورت سے فوراً علاحدہ کر دینا لازم ہے اور دونوں پر توبہ بہر صورت فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح احقر علی احمد، خادم دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ، ۲۴ر ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور ۲۴ر ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید کے دو لڑکے تھے عمرو بکر ان دونوں بھائیوں کی شادی دو سگی بہنوں سے طے پائی۔ چناں چہ عمر کی شادی بڑی بہن سے ہو گئی، لیکن بکر شادی کے بعد مر گیا۔ اب بکر کی بیوی کہتی ہے کہ ہم اپنے بہنوئی یعنی عمر کے پاس رہیں گے، ورنہ کسی غیر مسلم کے ساتھ چلی جائیں گی، مگر مسلمان کے یہاں نہ جائیں گی۔ تمام پنچ سمجھا کر ہار گئے مگر وہ نہیں مانتی اور اس بات پر ضد کیے ہوئے ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس کا اس صورت میں جب کہ اس لڑکی کا اسلام سے خارج ہونے کا خوف ہے، تو اس کا بہنوئی یعنی عمر اس کو بھی رکھ سکتا ہے یا نہیں، باوجودے کہ اس کی ایک بہن سگی اس کے نکاح میں ہے۔ اگر کوئی صورت نکل سکتی ہو تو ضرور تحریر فرمائیں ورنہ وہ لڑکی غیر مسلم کے ساتھ چلی جائے گی۔

الجواب

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام قطعی ہے۔ اس لیے عمر اپنی سالی کو اس کی بہن کے نکاح میں رہتے ہوئے اپنے نکاح میں نہیں لا سکتا، البتہ اس کی بہن کو طلاق دے دے اور عدت ختم ہو جائے تو نکاح کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کیا ممانی سے نکاح جائز ہے؟

مسئلہ: ایک شخص نے اپنی ممانی کو رکھ لیا ہے اس کا نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب

ممانی حرام نہیں، اگر اس کے علاوہ (اگر اس کے ممانی ہونے کے علاوہ، مثلاً ماموں کے نکاح میں ہونا۔ مرتب) اور کوئی وجہ حرمت کی نہیں ہے تو اس سے نکاح ہو سکتا ہے۔

(ارشادِ باری ہے: "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ"[1]. مرتب) واللہ تعالیٰ اعلم.

منکوحہ کی بہن سے نکاح کا حکم

مسئلہ آمدہ از: مولوی قطب الدین بھویت پور ڈاک خانہ ہری ہر پور، لال گڑھ سارن، مورخہ ۲۵/ دسمبر ۱۹۵۱ء

مسئلہ: بخدمت حضرت مولانا روشن ضمیر دامت فیوضکم۔ گزارش خدمت یہ ہے کہ:

ہمارے موضع میں ایک آدمی ہے جو پہلے نکاح کر چکا تھا، پہلی بیوی بھی موجود ہے، پھر اس کے بعد پہلی بیوی کی بہن سے زنا کیا، اس سے بچہ پیدا ہوا ہے۔ اب وہ مرد پہلی بیوی کی بہن کو بھی نکاح میں لانا چاہتا ہے۔

لہٰذا اس کے بارے میں مسئلہ کے اصول سے آپ کیا اجازت فرماتے ہیں، اس سے کس طرح نکاح کرایا جائے، نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی حضور اس مسئلہ کو حل کریں اور مہر و دستخط کے ساتھ تحریر فرمائیں۔ عین مہربانی ہوگی۔

الجواب

زنا حرام اور اشد حرام ہے، گناہِ کبیرہ ہے۔ ان دونوں مرد و عورت پر توبہ فرض ہے اور جلد سے جلد علاحدہ ہو جانا ضروری ہے، بیوی کی موجودگی میں اس کی بہن سے نکاح حرام ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ.[2] یعنی بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے۔

لہٰذا نہ ایسا نکاح کرنا جائز، نہ ایسا نکاح پڑھانا جائز، نہ ایسے نکاح میں شرکت جائز۔ ایسا نکاح کرنے والا اور پڑھانے والا اور شرکت کرنے والے سب گنہ گار اور سخت گنہ گار ہوں گے۔ مسلمان خدا سے ڈریں اور ایسے نکاح کو روکیں، ہرگز نہ ہونے دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم. کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

صدر المدرسین دار العلوم اہل سنت مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ (یو۔ پی۔)

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ النساء ٤، آیت: ٢٤

(۲) قرآن حکیم، سورۃ النساء ٤، آیت: ۲۳

کسی بھی مجبوری میں دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا درست نہیں

مسئلہ آمدہ از: محمد معین الدین، مشین شاپ ٹول روم ٹیس کو جمشید پور ٹاٹا

مسئلہ بحضور مولانا مفتی اعظم دام فیوضکم۔ السلام علیکم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

میری بیوی عرصہ تیس سال سے مرض دق میں مبتلا ہے اور میں اپنی کل جائداد اس کے نام کر چکا۔ باوجود انتہائی کوشش وعلاج کے بظاہر اس کی زندگی کی امید نہیں ۔ چناں چہ میری بیوی کا مجھ سے یہ کہنا ہے کہ میری دلی خواہش ہے کہ میری زندگی میں میرے سامنے میری سگی بہن (جو کہ میرا ساتھ بیماری میں تین سال سے دے رہی ہے بالغہ ہے عمر ١٨/ سال ہے) عقد کرلو تاکہ میرے مرنے کے بعد میرے بچوں کی خرابی نہ ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں تمھاری دی ہوئی جائداد کل اپنی اس بہن کے نام کردوں گی پھر اگر ہمارے والد نے ہماری اس بہن کا نکاح کسی اور سے کردیا تو یہ کل جائداد تمھارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اور بچوں کی الگ خرابی ہوگی لہٰذا میرے کہنے پر عمل کرو اور انکار کرکے اپنی جائداد اور بچوں کی خرابی کا سبب نہ بنو۔

چناں چہ اس کے جواب میں میں نے کہا کہ شریعت میں دو بہنوں کو اکٹھا کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اگر تم ایسا ہی کرنا چاہتی ہو تو مجھ سے تم طلاق لے لو پھر میں تمھارے سامنے ہی تمھاری بہن سے عقد کرلوں گا، اس پر اس کا یہ کہنا ہے کہ میں طلاق نہیں چاہتی بلکہ سہاگن مرنا چاہتی ہوں اور یہ کہتی ہے کہ اگر شریعت میں دو بہنوں کا اکٹھا کرنا ناجائز ہے تو میں اور تم دونوں آپس میں نہ ملنے نہ مجامعت کرنے نہ ایک جگہ رہنے کا عہد کرلیں، اور باقاعدہ قسم کھاکر ہمیشہ کے لیے علاحدہ رہنے لگیں اس کے بعد تم میری بہن سے میرے سامنے ہی یعنی میری زندگی میں عقد کرکے بیوی بنا کر رکھ لو۔ مگر مجھے طلاق نہ دو اور سہاگن مرنے دو اور میری یہ آخری تمنا میری زندگی میں ہی پوری کردو، لہٰذا اس نازک صورت حال میں اگر کوئی صورت جواز کی ہو تو از راہ ثواب کوشش کرکے فتویٰ صادر فرماکر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب

دو بہنوں کا اجتماع بطور نکاح ہو یا بطور جماع ہر طرح حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ .(١) یعنی دو بہنوں کا جمع کرنا مطلقاً حرام ہے۔

خواہ نکاح میں جمع کرنے خواہ وطی میں، لہٰذا زوجہ کے نکاح میں رہتے ہوئے اس کی بہن سے نکاح قطعاً حرام ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد العزیز عفی عنہ

---

(١) قرآن حکیم، سورۃ النساء ٤، آیت: ٢٣

دو بہنوں کو بہ یک وقت نکاح میں جمع کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ آمدہ از: محمد بشیر بقلم خود، عظمت گڑھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلۂ ذیل میں کہ:

شعبان نے مسماۃ کلثوم سے نکاح کیا اور کلثوم ان کے نکاح میں ابھی موجود ہے، زندہ ہے۔ اور کلثوم کی ایک حقیقی بہن ہے، شعبان اس کی حقیقی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا یہ نکاح جائز ہے۔ فقط

الجواب

دونوں بہنوں کا اجتماع بطور نکاح ہو یا بطور جماع ہر طرح حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ.[1] یعنی دو بہنوں کا جمع کرنا مطلقاً حرام ہے۔

خواہ نکاح میں جمع کرے، خواہ وطی میں[2]، لہٰذا کلثوم کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی بہن سے نکاح قطعاً حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کیا خسر اپنی بہو سے نکاح کر سکتا ہے؟

مسئلہ آمدہ از: عبدالروف موضع کیکوڑھا، عبدالجلیل معرفت اقبال سلطان احمد، قصبہ سکندر پور، محلہ گزرہی، ضلع بلیا، یوپی

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

زید کا لڑکا بکر اپنے باپ زید کی موجودگی میں انتقال کر گیا، چھوڑا منکوحہ مسماۃ رحیمہ کو، بعد چند سال کے مسماۃ رحیمہ اور زید میں ناجائز تعلق ہو گیا۔ زید کے نطفہ سے بی بی رحیمہ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس وقت سے آج تک بھائی برادری کے ساتھ مل کر کھانا پینا رہنا سہنا سب بند کر دیا۔ اس لڑکے کی عمر آج بائیس سال ہو گئی اور زید کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب بی بی رحیمہ کا لڑکا بھائی برادری کے ساتھ مل کر رہنا سہنا کھانا پینا چاہتا ہے۔

سوال: رحیمہ پر کفارہ لازم آتا ہے یا نہیں اور اس لڑکے پر بھی کفارہ لازم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنا؟ کس طریقہ

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ النساء ٤، آیت: ۲۳

(۲) دو بہنوں میں سے ایک نکاح میں ہو اور ایک باندی اور وہ دونوں سے جماع کرے تو یہ (جمع بین الاختین) حرام ہے، اور حرام ہونے کی وجہ صرف وہی جمع اور اجتماع ہے، کیوں کہ الگ الگ ہر بہن حلال ہے، ایک منکوحہ ہونے کی وجہ سے اور دوسری باندی ہونے کی وجہ سے، مگر آج کے زمانے میں باندی نہیں ہے، ہر عورت آزاد ہے تو اب کسی بھی بہن سے جماع نکاح کی وجہ سے ہی حلال ہوگا اور اگر ایک بہن نکاح میں اور دوسری نہیں تو دوسری سے وطی زنا ہونے کی وجہ سے حرام ہے، یہاں حرمت کی وجہ جمع بین الاختین نہیں، مگر صورۃً دو بہنوں کا اجتماع ہے، اس حیثیت سے فتوے میں اجتماع کا لفظ آیا۔ دوسرے فتاویٰ میں بھی گفتگو اسی طرح ہے۔ مرتب غفرلہ

سے کفارہ دینا ہوگا۔ بعد کفارہ ادا کرنے کے دونوں ایک ساتھ رہیں گے یا الگ الگ رہیں گے؟

علمائے کرام سے استدعا ہے کہ مفصل اس مسئلہ کو حل کر کے تحریر فرمایا جائے، کیوں کہ یہ بالکل دیہات ہے، جاہل مسلمان ہیں، بہت مشکل ہے بات کو سمجھتے نہیں ہیں۔

الجواب

زید اور رحیمہ کا یہ فعل سخت حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا باعث ہے۔ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو ان دونوں کو سنگ سار کیا جاتا۔ زید اور رحیمہ دونوں مجرم ہیں، سخت ترین گنہ گار ہیں۔ لڑکے کا یہ جرم نہیں ہے۔ برادری نے بہت اچھا کیا جوان کو برادری سے خارج کر دیا۔ رحیمہ اور اس کا لڑکا اگر برادری میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو رحیمہ اپنے اس گناہ سے ندامت کے ساتھ توبہ کرے، بعد توبہ کے برادری میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

زوجہ کی سوتیلی ماں سے نکاح جائز ہے۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

اپنی زوجہ کی سوتیلی ماں سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ کتاب "غایۃ الاوطار" ترجمہ اردو "در المختار" کے صفحہ ۱۲؍ پر عبارت مرقوم ہے:

وام زوجته وجداتها مطلقاً بمجرد العقد الصحيح و إن لم توطا الزوجة.

یعنی حرام ہے اپنی زوجہ کی ماں اور دادیاں اور نانیاں ہر طرح سے سگی ہوں یا سوتیلی، حرمت ثابت ہوتی ہے۔ بمجرد نکاح صحیح کے، اگرچہ زوجہ سے جماع نہ کیا ہو۔

اور کتاب مذکور بالا کا ترجمہ ایسا ہی مولوی خرم علی بلھوری و مولوی محمد احسن صاحب صدیقی نانوتوی نے ترجمہ میں لکھا ہے اور جناب نواب کلب علی صاحب مرحوم والی رام پور کے اہتمام سے ترجمہ ہوا ہے، آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ مدلل مع حوالہ جات کے جواب مرحمت فرمائیے گا۔

الجواب

زید کا یہ قول غلط ہے کہ زوجہ کی سوتیلی ماں سے نکاح حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ.(۱)

یعنی جو عورتیں اوپر کی آیت: "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ"(۲) میں بیان کی گئیں، ان کے علاوہ تمہارے لیے

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ النساء ٤، آیت: ٢٤

(۲) قرآن حکیم، سورۃ النساء ٤، آیت: ٢٣

حلال ہیں اور زوجہ کی سوتیلی ماں آیت حرمت میں بیان نہیں کی، بلکہ زوجہ کی ماں کو بیان کیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ۔[1] اور تمھاری بیبیوں کی مائیں حرام ہیں۔

ماں چونکہ دادی نانی کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا زوجہ کی ماں، دادی، نانی، پر دادی، پر نانی، وغیرہ جس قدر اصول اوپر تک جائیں سب حرام ہیں۔ زوجہ سے خواہ وطی کی ہو، یا نہ کی ہو، یہی معنی ہیں در مختار کے لفظ مطلقا کے۔ در مختار کی اوپر کی عبارت یہ ہے:

وحرم المصاهرة بنت زوجته الموطوءة.[2]

یعنی رشتہ دامادی سے اس منکوحہ کی لڑکی حرام ہے جس سے وطی کی ہو اور جس سے وطی نہ کی اس کی لڑکی حرام نہیں۔ اس کے بعد یہ عبارت ہے:

وأم زوجته وجداتها مطلقا.[3] اور زوجہ کی ماں اور دادیاں مطلقاً حرام ہیں۔

اوپر کی عبارت صاف بتا رہی ہے کہ مطلقاً کی تعمیم زوجہ سے وطی کرنے نہ کرنے میں ہے۔ ماں کے حقیقی اور سوتیلی ہونے میں نہیں۔ اسی کی تفصیل بمجرد العقد الصحيح و ان لم توطا الزوجة. سے کی۔ ترجمہ کرنے والے نے غالباً لفظ "مطلقا" سے دھوکا کھایا ہے کہ زوجہ کی سوتیلی ماں کو بھی حرام کر دیا ہے، یہ غلطی ہے۔ امہات سوتیلی ماں کو ہرگز شامل نہیں۔ کیوں کہ اگر لفظ امہات سوتیلی ماں کو شامل ہوتا، تو قرآن مجید میں " وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ۔ " سوتیلی ماں کو شامل ہوتا اور الگ سے " وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ " نہ فرمایا جاتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امہات میں سوتیلی ماں داخل نہیں، لہٰذا امہات نساء کم میں بھی زوجہ کی سوتیلی ماں داخل نہیں، پھر وہ حرام کیسے ہوگی۔ اصل یہ ہے کہ ساس کی حرمت اس وجہ سے نہیں کہ وہ خسر کی زوجہ ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ زوجہ کی ماں ہے اور سوتیلی ساس زوجہ کی ماں نہیں، لہٰذا اس کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اس سے نکاح جائز ہے۔[4] واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ النساء ٤، آیت: ۲۳

(۲) تنویر الابصار و در مختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ج:۳، ص:۳۰، دار الفکر بیروت ۱۳۸٦ھ

(۳) تنویر الابصار و در مختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ج:۳، ص:۳۰، دار الفکر بیروت ۱۳۸٦ھ

(٤) اسلام میں کچھ خواتین رشتے کے لحاظ سے بہت ہی مقدس اور محترم و معظم ہیں، جیسے ماں اور بیٹی وغیرہ، ان کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے اور ان کے سوا بقیہ عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے، کیوں کہ وہ عورتیں اجنبیہ ہیں۔

قسم اول کی عورتوں کو محرمات کہا جاتا ہے، ان کی تفصیل قرآن پاک کی ان آیات میں بیان کی گئی ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ

خسر نے بہو سے زنا کیا تو وہ اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی

مسئلہ آمدہ از: محمد حسین، موضع ابرا، ضلع پلاموں، مورخہ ۹ر ربیع الاول شریف ۱۳۵۲ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک شخص مسمی دکھی میاں نے اپنے لڑکے کی بیوی کے ساتھ زنا بالجبر کیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ وہ عورت یعنی دکھی میاں کی بہو دکھی میاں کے لڑکے کے نکاح میں رہی یا نہیں؟ اگر اس عورت نے دوسرا نکاح کر لیا تو یہ جائز ہو گا یا نہیں؟ بینوا توجروا.

اَصْلَابِکُمْ [قرآن حکیم، سورة النساء ٤، آیت: ٢٢]

حرام ہوئیں تم پر تمھاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمھاری مائیں جنہوں نے دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں اور عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمھاری گود میں ہیں اُن بی بیوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو، تو پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں حرج نہیں اور تمھاری نسلی بیٹوں کی بیبیاں۔

تفسیر: اب اس کے بعد جس قدر عورتیں حرام ہیں ان کا بیان فرماتا ہے۔ ان میں سات تو نسب سے حرام ہیں اور ہر عورت جس کی طرف باپ یا ماں کے ذریعہ سے نسب رجوع کرتا ہو، یعنی دادیاں و نانیاں خواہ قریب کی ہوں یا دور کی، سب مائیں ہیں اور اپنی والدہ کے حکم میں داخل ہیں۔ پوتیاں اور نواسیاں کسی درجہ کی ہوں بیٹیوں میں داخل ہیں۔ یہ سب سگی ہوں یا سوتیلی ان کے بعد ان عورتوں کا بیان کیا جاتا ہے، جو سبب سے حرام ہیں۔

دودھ کے رشتے شیر خواری کی مدت میں قلیل دودھ پیا جائے یا کثیر اس کے ساتھ حرمت متعلق ہوتی ہے۔ شیر خواری کی مدت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک تیس ماہ اور صاحبین کے نزدیک دو سال ہیں۔ شیر خواری کی مدت کے بعد جو دودھ پیا جائے اس سے حرمت متعلق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے رضاعت (شیر خواری) کو نسب کے قائم مقام کیا ہے اور دودھ پلانے والی شیر خوار کی ماں اور اس کی لڑکی کو شیر خوار کی بہن فرمایا۔ اس طرح دودھ پلائی کا شوہر شیر خوار کا باپ اور اس کا باپ شیر خوار کا دادا اور اس کی بہن، اس کی پھوپھی اور اس کا ہر بچہ جو دودھ پلائی کے سوا اور کسی عورت سے بھی ہو، خواہ وہ قبل شیر خواری کے پیدا ہوا یا اس کے بعد وہ سب اس کے سوتیلے بھائی بہن ہیں اور دودھ پلائی کی ماں شیر خوار کی نانی اور اس کی بہن، اس کی خالہ اور اس شوہر سے اس کے جو بچے پیدا ہوں وہ شیر خوار کے رضائی بھائی بہن اور اس شوہر کے علاوہ دوسرے شوہر سے جو ہوں وہ اس کے سوتیلے بھائی بہن، اس میں اصل یہ حدیث ہے کہ رضاع سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں، جو نسب سے حرام ہیں اس لیے شیر خوار پر اس کے رضائی ماں باپ اور ان کے نسبی و رضائی اصول و فروع سب حرام ہیں۔

یہاں سے محرمات بالصہریۃ کا بیان ہے وہ تین ذکر فرمائی گئیں۔ بیبیوں کی مائیں، بیبیوں کی بیٹیاں اور بیٹوں کی بیبیاں، بیبیوں کی مائیں صرف عقد نکاح سے حرام ہو جاتی ہیں، خواہ وہ بیبیاں مدخولہ ہوں یا غیر مدخولہ (یعنی ان سے صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو)

گود میں ہونا غالب حال کا بیان ہے، حرمت کے لیے شرط نہیں۔

ان کی ماؤں سے طلاق یا موت وغیرہ کے ذریعہ سے قبل صحبت جدا ہونے کی صورت میں ان کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

[مرتب غفرلہ]

الجواب

دکھی میاں کے اس فعلِ اشد حرام سے عورت مذکور فی السوال دکھی میاں کے بیٹے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی۔ کیوں کہ باپ کی موطوءہ خواہ اس کی منکوحہ ہو یا مملوکہ یا مزنیہ، بیٹے پر قطعاً حرام ہے۔

قرآن مجید کا حکم ہے:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ .(۱)

لفظ نکاح کے حقیقی معنی وطی ہیں، اگر چہ عرفاً وشرعاً عقد میں مستعمل ہے، لہذا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جن عورتوں سے تمھارے باپوں نے وطی کی، تم ان سے وطی نہ کرو۔ چناں چہ تفسیرِ مدارک شریف میں اس آیت کی یہ تفسیر مذکور ہے:

"وقيل المراد بالنكاح الوطء أي لا تطؤا ما وطي آبائكم و فيه تحريم وطء موطوء ة الأب بنكاح أو بملك يمين أو بزنا كما هو مذهبنا و عليه كثير من المفسرين."(۲)

لہٰذا وہ عورت دکھی میاں کے بیٹے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی۔ اس پر لازم ہے کہ وہ بیوی سے متارکہ کرے۔ (یعنی اس سے کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ مرتب) پھر بعد عدت وہ جس سے چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: عبد العزیز

صدر المدرسین مدرسہ مصباح العلوم، مبارک پور

الجواب صحیح ابوالفضل علی احمد غفرلہ الصمد

دوسرے کی بیوی سے تعلقات رکھنے کا حکم

مسئلہ آمدہ از: محمد آباد گوہنہ، اعظم گڑھ، مسئولہ منشی امیر الدین صاحب

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے بکر کی بیوی کو دو سال سے بلا نکاح رکھ لیا ہے، بعد میں بکر نے ہندہ کو طلاق دے دیا۔ زید نے عدت کی مدت تک ہندہ کو اپنے مکان میں رکھا، علاحدہ نہیں کیا۔ اس کے تعلقات پہلے ہی کی طرح بہ دستور ہیں۔ ایسی صورت میں ہندہ کا نکاح زید مذکور کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس شرط پر درست ہے اور زید نے ہندہ سے عرصہ آٹھ نو ماہ کا ہوا کہ نکاح بھی کر لیا ہے اور عدت کی مدت میں زید نے ہندہ کو اپنے مکان سے علاحدہ نہیں کیا۔ ۸/ جولائی ۱۹۴۹ء

(۱) قرآن حکیم، سورۃ النساء ٤، آیت: ۲۲

(۲) ابو البرکات احمد بن محمود نسفی، تفسیر النسفی، ج: ۱، ص: ۲۱۰، دار النفائس، بیروت ۲۰۰۵ء

الجواب

زید نے بکر کی بیوی کو بلا طلاق دیے اپنے مکان میں رکھا اور ناجائز تعلقات رکھے، یہ قطعاً حرام اور اشد حرام ہے۔ بعد طلاق بھی جب تک اس قسم کے تعلقات قبل نکاح رہے، یہ بھی حرام اور سخت حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ .[(۱)] شوہر والی عورتیں تم پر حرام ہیں۔

لہٰذا زید مرتکبِ حرام، مرتکبِ گناہِ کبیرہ، مستحقِ سزا ہے۔ زید پر لازم ہے کہ اپنے فعلِ حرام سے توبہ کرے اور ہندہ بھی اسی طرح سخت گنہ گار اور مجرم ہے، اس پر بھی توبہ لازم ہے۔ بکر کے طلاق دینے کے بعد اگر عدتِ طلاق گزرنے کے بعد زید نے ہندہ سے نکاح کیا ہے تو نکاح صحیح ہے، کیوں کہ عدت گزر گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: عبد العزیز، صدر مدرس دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور

بھتیجی سے نکاح کا حکم

مسئلہ آمدہ از: سونا میاں، ڈومار بازار، ڈاک خانہ ڈومار، ضلع رنگ پور، مشرقی پاکستان

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسئلۂ ہذا میں کہ:

زید کے دو لڑکے جن کا سلسلہ اوپر سے نیچے کی طرف یوں چلتا ہے:



اس نسبت کے لحاظ سے رضیہ بیگم مقبول حسین کی بھتیجی شمار کی جاتی ہے، اب دونوں کی شادی جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو مع حوالۂ کتب تحریر فرمائیں۔

مہربانی فرما کر حضور اس فتوے کا جواب بہت جلد عنایت فرمائیں، چوں کہ جھگڑا لگا ہوا ہے اور اطراف و جوانب میں کوئی ایسی ہستی نہیں کہ معتبر جواب سے آگاہ کر سکے۔ فقط۔ آپ کا خادم

الجواب

حقیقی بھتیجی اور حقیقی بھانجی حرام ہے یعنی حقیقی بھائی بہن کی لڑکی، علاتی بھائی بہن کی لڑکی، اخیافی بھائی بہن کی لڑکی

(۱) قرآن حکیم، سورۃ النساء ٤، آیت: ۲٤

حرام ہے۔ چچیرے ممیرے بھائی بہن کی لڑکی، حرام نہیں کیوں کہ نکاح کی حرمت میں جو رشتہ معتبر ہے وہ حقیقی رشتہ ہے۔ مراتب کے وہ بعید رشتے جو عرفاً بھائی بہن، بھتیجا بھتیجی کہلاتے ہیں، وہ معتبر نہیں، حرام نہیں۔

تفسیر احمدی شریف میں ہے:

وبنات الاخ و بنات الاخت کل هٰؤلاء اعم من ان تکون لاب و ام جمیعا اولاب فقط اولام فقط.[1]

شجرۂ مذکورہ میں سلطان مقبول کا نہ عینی بھائی ہے نہ علاتی نہ اخیافی؛ بلکہ چار واسطوں سے چچازاد بھائی ہے، لہٰذا رضیہ بیگم کا نکاح مقبول سے جائز ہے۔ چچازاد بھائی کی لڑکی سے تو مطلقاً نکاح جائز ہے، یعنی اگر ایک واسطہ بھی نہ ہو تب بھی جائز ہے۔ حضرت شیرِ خدا علی مرتضیٰ و حضرت سیدۃ النسا فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد ہوا۔ لہٰذا رضیہ بیگم سے مقبول احمد کا نکاح بلاشبہہ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ایک شوہر کی زوجیت میں رہتے ہوئے دوسرے نکاح کی اجازت نہیں

مسئلہ آمدہ از: مبارک پور، آئمہ بانس گاؤں، ضلع گورکھپور

گرامی خدمت فیض درجت محترم المقام مدرسہ اشرفیہ مبارک پور کے علمائے کرام دام ظلکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج شریف! دریافت طلب حسب ذیل ہے کہ:

مسئلہ زید نے اپنی دخترِ نابالغہ ہندہ کا نکاح کچھ روپیہ لے کر بکر کے ساتھ کیا۔ بوقت نکاح بکر کی عمر پچپن ۵۵ چھپن ۵۶ سال تھی۔ بعد نکاح جب بکر نے اپنی نابالغہ بی بی ہندہ کو پایا اور دیکھا تو اس سے اور کرانے والے لوگوں پر رنج کا اظہار کیا۔ بعدہ وہ اسی ماہ اپنی ملازمت پر ڈئی سماٹرا، اکتوبر ۱۹۳۱ء کو چلا گیا، جہاں آمد و رفت میں اس شادی سے قبل اپنی دو بیبیوں سترہ سترہ سال انتظار میں ایک کو موت کے گھاٹ اتارا اور دوسری نے عاجز آکر دوسرا نکاح کر لیا، گویا کہ بکر کی یہ قدیم عادت میں داخل ہے۔ ہندہ نابالغہ سے نکاح کر کے جانے کے بعد بکر نے ایک خط اور کرایہ کا جو روپیہ لے گیا تھا، اپنے بھتیجے کے نام ۱۹۳۶ء میں بھیجا تھا۔ اس خط میں اپنی نابالغہ بی بی کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا، پھر اس کے بعد آج تک خط خطوط نہ آئے۔ یہاں سے تار، رجسٹری، خط تمام عزیز و اقارب اور ورثا جواب سے محروم ہو کر خاموش ہو گئے، البتہ قرب و جوار کے رہنے والوں کے خط سے یہ پتا چلا کہ بکر ڈئی سماٹرا میں موجود ہے اور اپنے بی بی بچوں کے ساتھ ہے اور اس قدر ضعیف و کم زور ہو گیا ہے کہ آنکھ سے بھی معلوم نہیں ہوتا ہے اور مکان پر جانے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ بکر کے مکان پر محلِ اولیٰ (پہلی زوجہ) کی ایک بیوہ لڑکی تین نابالغ ناتی رہتے ہیں، انھیں کے ساتھ ہندہ بھی جوان در جوان ہو کر طرح طرح کے مرض و

---

(۱) شیخ احمد ملا جیون جونفوری، تفسیرات احمدیہ، ص: ۱۷۰

مصیبت میں مبتلا ہو کر تلخ زندگی گزارتی ہے۔ بکر کی مختصر کھیتی باڑی پر دوسروں کا قبضہ ہے۔ ہندہ کے میکے والے جاہل خود غرض ہیں۔ ہندہ کی مدد امداد آج تک نہ کیا نہ کرسکتے ہیں اور نہ اتنی صلاحیت ہے کہ بکر کی جائداد الگ کرا کے ہندہ کے نام کرا دیں۔ آج کل گرانی نے اخلاص و محبت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ ہندہ کی بری حالت ہے، اگر کوئی سسرال میں ہندہ کی مدد کرنا بھی چاہتا ہے تو بدنیت ہے، ہندہ کا باپ شرابی کبابی ننگا ہے۔ شادی کیا تو خاندان والے ناخوش ہوئے اور اب تک ہیں۔ پوشیدہ جا کر نکاح کیا تھا، ہندہ شرما حضوری میں رہی، ادب سے کھل کر نہ کہہ سکی۔ اس کو دھوکا دے کر آج تک رکھا گیا کہ اب آتے ہیں تب آتے ہیں اور بکر کے آنے کی کوئی بھی امید نہیں، اس لیے ہندہ اپنا دوسرا عقد کرنا چاہتی ہے۔ علمائے کرام اس کے لیے کیا حکم فرماتے ہیں؟ بکر کے موضع میں اس کا ایک عزیز بہت بااثر شخص تھا جس نے کوشش کر کے شادی کرایا تھا اور بکر کے عیب اس کے ڈر سے افشا نہ ہو سکے، اس لیے شادی ہو گئی جو کہ ہندہ کے ساتھ بہت بڑا ظلم کیا گیا۔ علمائے کرام ہندہ کو مناسب حکم سے کامیاب فرما کر ثواب کے مستحق ہوں۔ فقط۔ ناچیز کم ترین محمد اسفندیار خاں بقلم خود، ۴/اگست ۱۹۴۹ء

الجواب

ہندہ کا موجودہ شوہر اگر ہندہ کو طلاق دے دے یا اس کا انتقال ہو جائے تو عدت گزرنے کے بعد عقد ثانی کر سکتی ہے، ورنہ نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ:

بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ.[(۱)] نکاح کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں ہے۔

اس کو سمجھ دار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ ایک عورت کے دو شوہر بیک وقت نہیں ہو سکتے۔ سائل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا شوہر زندہ ہے۔ اب اگر عقدِ ثانی کی اجازت دے دی تو بیک وقت دو شوہر ہونا لازم آئے گا، جس کی اجازت شریعتِ مطہرہ میں نہیں ہے۔ ہاں اگر اس کی زندگی دو بھر ہو گئی ہو تو اس کے اعزہ و اقارب کو اس کی مدد کرنی چاہیے۔ اگر وہ اعانت نہ کریں تو محلہ کے مسلمانوں سے جو کچھ ہو سکے امداد کریں۔ اس میں ان کے لیے اجرِ عظیم ہوگا اور اگر ہندہ خود محنت مزدوری کر کے اپنا گزر کرے تو اور بہتر ہے۔[(۲)] واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ البقرۃ: ۲، آیت: ۲۳۷

(۲) یہ اصل حکم ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا تھا، بعد میں حالاتِ زمانہ کے بدل جانے کے باعث یہ اجازت دے دی گئی، شوہر اسے بے سہارا چھوڑ کر غائب ہو جائے یا کہیں چلا جائے اور بیوی کے گزارے کے لیے مسلسل کوئی انتظام نہ کرے تو وہ قاضیِ شریعت کے یہاں مقدمہ دائر کرے اور قاضیِ شریعت "تعسرِ نفقہ" کی تحقیق کے بعد اس کا نکاح فسخ کر دے۔ رسالہ "قضاۃ کے فرائض و مسائل" میں اس کی تفصیل موجود ہے جس کی تصدیق کئی ایک اجلہ علما کے ساتھ حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ نے بھی فرمائی ہے۔ یہ رسالہ کتاب "مجلسِ شرعی کے فیصلے" جلد اول کے مقدمے میں شاملِ اشاعت ہے۔ (مرتب)

کیا والد کی اجازت کے بغیر نانا لڑکی کا نکاح کرا سکتا ہے؟

مسئلہ آمدہ از: زید، موضع چنداپار ڈاکخانہ بازار گوشائیں، ضلع اعظم گڑھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

مسماۃ حبیب النسا کی شادی اس کی رضامندی سے بعمر ۱۵ر سال اس کے نانا بہاء اللہ نے مسمیٰ بہ عبدالجلیل کے ساتھ کردی، جس کی اطلاع تک حبیب النساء کے باپ کو نہ دی گئی، لیکن بعد میں جب باپ کو اطلاع ملی تو وہ راضی ہوگیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ حبیب النساء کا نکاح ہوگیا یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورہ میں حبیب النساء کا نکاح صحیح ودرست ہے، کیونکہ حبیب النسا کی عمر بوقت نکاح پندرہ سال تھی لہٰذا اس کی رضامندی سے نکاح درست ہوا اور اگر بالفرض حبیب النسا کی عمر پندرہ سال سے کم بھی ہو اور بوقت نکاح وہ نابالغہ بھی ہو تو جب اس کے باپ نے نکاح کی اطلاع پاکر اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو یہ نکاح جائز وثابت ہوگیا، اس لیے حبیب النساء وقت نکاح بالغہ ہو یا نابالغہ بہرحال نکاح صحیح ودرست ہے۔ واللہ تعالی اعلم.

کتبہ عبدالعزیز عفی عنہ۔

الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

کیا والد کی اجازت کے بغیر لڑکی کا نکاح جائز ہے؟

مسئلہ آمدہ از: عبدالمجید قصبہ بھوج پور، ضلع مرادآباد، مورخہ ۲۴ر ۱۲ر ۱۹۵۶ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلۂ ذیل میں:

ایک شخص اپنے بچوں کے ساتھ اپنے شہر سے ایک گاؤں میں تیجہ میں شرکت کے لیے گیا اور رسومات کے بعد آدمی تو اپنے بچوں کو چھوڑ کر اپنے گھر چلا آیا۔ اس کی ایک لڑکی تھی جس کی عمر گیارہ بارہ سال کی تھی، وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ اسی گاؤں میں رہ گئی تھی۔ وہاں کے لوگوں نے اس لڑکی کی ماں کو بہلا پھسلا کر اور ناجائز دباؤ ڈال کر یا کوئی لالچ دے کر کسی شخص کے ساتھ اس کا نکاح کرادیا اور باپ کو کچھ خبر نہ کی۔ جب اس واقعہ کا پتہ اس کے باپ کو ہوا تو وہ لکھنؤ سے آیا اور اس گاؤں میں پہنچا جہاں کہ لڑکی کا نکاح لوگوں نے جبراً کرادیا تھا۔ اس نے کافی کوشش کے ساتھ اپنی لڑکی کو وہاں سے حاصل کرلیا۔ اس کے بعد اس نے آج تک وہاں نہیں بھیجا ہے۔ اس کو عرصہ چار سال کا ہوا اور نہ وہ لڑکی وہاں جانا چاہتی ہے۔

اس حالت میں باپ کی موجودگی ہوتے ہوئے اور تحریر ہذا پر غور کرتے ہوئے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر حیض وغیرہ بلوغ کی علامتیں پائی جاتی ہیں تو گیارہ بارہ سال کی لڑکی بھی بالغ ہو سکتی ہے۔ اگر اس وقت وہ بالغ تھی تو وہ خود مختار تھی۔ اس کی رضامندی سے نکاح ہوگا اور اس کو مجبور کرنے کا حق کسی کو نہیں، نہ ماں باپ کو، نہ کسی اور کو۔ لہٰذا اگر اس نکاح سے وہ لڑکی راضی تھی یا نکاح کے بعد راضی ہوگئی اور اپنے کو شوہر کے سپرد کر دیا تو نکاح ہو گیا۔ اس صورت میں جب تک پہلا شوہر طلاق نہ دے دوسرا نکاح جائز نہیں۔

اور اگر نکاح کے وقت لڑکی نابالغ تھی اور ماں کی اجازت سے نکاح ہوا تو یہ نکاحِ فضولی ہوا۔ کیوں کہ باپ کی موجودگی میں ماں کو حقِ ولایت حاصل نہیں۔ لہٰذا باپ کی اجازت پر موقوف تھا۔

ہدایہ میں ہے:

کل عقد صدر من الفضولی وله مجیز انعقد موقوفاً علی الاجازة.[1]

اگر باپ اجازت دیتا تو درست ہوتا، مگر جب کہ باپ نے اجازت نہیں دی، بلکہ اپنی ناراضگی کا اظہار کر دیا، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو یہ نکاح باطل ہوا۔ اس صورت میں لڑکی آزاد ہے، جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

عبدالعزیز

صدر المدرسین دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور

الجواب صحیح

عبدالرؤف عفی عنہ مدرس دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور

نابالغہ کا نکاح اگر ماموں نے کیا تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ آمدہ از: اشرف پور، مورخہ ۲۳ر محرم ۵۶ھ

مسئلہ علمائے کرام اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ:

مسماۃ زیتون کی شادی نابالغی میں ہوئی، جس کی اجازت ماموں نے دی، باوجودیکہ چچیرے چچا موجود تھے اور ایک بھائی جو دوسرے باپ سے ہے، موجود ہے۔ اب مسماۃ بالغ ہوئی اور وہاں جانے سے انکار کرتی ہے۔ ایسی حالت میں مسماۃ کا نکاح ہوا یا نہیں اور ایک بھائی بھی مسماۃ زیتون کا ہے، اس کی بھی شادی انھیں ماموں کی اجازت سے ہوئی،

---

(۱) هدایه، کتاب النکاح، باب فی الاولیاء والاکفاء، فصل فی الوکالة بالنکاح، ج:۲، ص:۳۰۲، مجلس برکات، مبارك پور ۱٤۲۲ھ/ ۲۰۰۲ء

اس کا نکاح صحیح رہا یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں زیتون نابالغہ اور اس کے بھائی نابالغ کا نکاح اس کے چچا کی اجازت پر موقوف تھا۔ بعد اطلاع اگر انکار کرتا یا اپنی ناراضگی ظاہر کرتا تو یہ نکاح رد ہو جاتا۔ لیکن سائل سے معلوم ہوا کہ بعد اطلاع چچا اور بھائی نے رد نہیں کیا؛ بلکہ اس سے متفق ہوئے۔ لہٰذا زیتون اور اس کے بھائی دونوں کے نکاح صحیح ہوئے۔ البتہ زیتون اور اس کے بھائی دونوں کو خیارِ بلوغ حاصل ہے۔

ہدایہ میں ہے:

وإن زوّجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخ...... ويشترط فيه القضاء. (١)

جب زیتون نے بالغ ہو کر انکار کر دیا تو اس کی طرف سے فسخ ہو گیا۔ لیکن ثبوتِ فسخ کے لیے اس کا انکار کافی نہیں ہے، بلکہ قضاے قاضی شرط ہے۔

حاشیہ ہدایہ میں ہے:

يعني لا يكفي قولها فسخت، بل لابد أن يرفع النزاع إلى القاضي حتى يحكم بانتهاء النكاح. (٢)

قاضی نہ ہونے کی صورت میں علما قاضی کے قائم مقام ہیں، وہ فسخ کر سکتے ہیں۔ علما کی طرف رجوع کریں،

حدیقہ ندیہ میں ہے:

اذا خلا الزمان من سلطان ذی كفاية فالأمور مؤكلة إلى العلماء ويلزم الامة الرجوع إليهم ويصيرون ولاة. (٣)

خلاصہ یہ کہ نکاح درست تھا، مگر جب بالغ ہونے پر انکار کر دیا اور علاحدگی چاہتی ہے تو اس کے لیے قضاے قاضی شرط ہے۔ جب قاضی نہیں تو مقامی علما میں سے بڑے عالم کے پاس یہ معاملہ پیش کریں، وہ قاضی کے قائم مقام ہیں۔ ان کی تفریق سے علاحدگی ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(١) هداية، كتاب النكاح، باب فی الاولياء والاكفاء، ج:٢، ص:٢٩٧، مجلس بركات، مبارك پور، ١٤٢٢ھ/٢٠٠١ء

(٢) علامه عبد الحی لكهنوی، حاشية الهداية، ص:٢٩٧، حاشيه نمبر:٤، مجلس بركات، مبارك پور، ١٤٢٢ھ/٢٠٠١ء

(٣) بحواله فتاویٰ رضويه، ج:٣، ص:٢٠٦، رضا اکیڈمی، ممبئی، ١٤١٥ھ/١٩٩٤ء

کیا نابالغ لڑکی کا نکاح ماں کر سکتی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ہندہ کی شادی بولایت مادر، زید سے ہوئی۔ بوقت شادی پدر ہندہ کہیں باہر تھے۔ بعد شادی وہ وہیں سے بیمار ہو کر آئے اور اظہار ناراضگی بھی کیا، لیکن چوں کہ بیمار تھے دو چار مہینہ کے بعد انتقال بھی کر گئے جس کی وجہ سے کچھ نہ کر سکے۔ چوں کہ زید لڑکپن سے ہی مبتلا جنون دوری تھا جس کی وجہ سے کبھی اچھا اور کبھی مجنوں ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن بوقت شادی کوئی شکایت ظاہر طور سے نہ تھی۔ اس درمیان میں خلوت صحیحہ بھی ہوئی؛ لیکن زید پھر مجنون ہوا اور تین سال تک متواتر مجنون رہا اور اسی حالت میں کئی ایک مرتبہ کنویں میں کود پڑا۔ یہ حالت دیکھ کر کہ زید ایک مجنون دائم المرض اور محض بیکار شخص ہے جس کا نہ تو کوئی ذریعہ معاش ہے اور نہ کوئی وراثت پدری ہے، اس کے ساتھ گزر ہونا مشکل ہے اور ہندہ مکانِ زید پر جانے سے منحرف ہوگئی۔ مجبوراً زید اور والد زید نے دعویٰ رخصتی رجوع عدالت کیا؛ لیکن ہندہ اب یہ کہتی ہے کہ اگر جبراً وقہراً مجھے زید کے پاس بھیجا گیا تو میں خودکشی کر لوں گی۔ اور ہندہ اپنے وعدہ کی بہت پختہ ہے۔ اغلب گمان ہے کہ وہ ضرور ایسا کر لے گی۔ لہٰذا ازروے شرع زید کے لیے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا.

الجواب

ولایت نکاح، عصبہ کو بترتیب ارث ہے۔ ہاں! اگر عصبہ نہ ہوں تو ولایت نکاح ماں کو ہے۔

كمافى الهدايه والكنز وغيرهما ، الولاية للعصبة بترتيب الارث و ان لم تكن عصبة فالولاية للام.(۱)

لہٰذا باپ کی موجودگی میں حق ولایت ماں کو نہیں، پھر جب کہ ماں نے ہندہ نابالغہ کی شادی کر دی تو یہ نکاح فضولی ہوا باپ کی اجازت پر موقوف تھا۔

كما فى الهدايه وغيرها: كل عقد صدر من الفضولى وَلَهٗ مجيزٌ انعقد موقوفاً على الاجازة.(۲)

اور چوں کہ باپ نے ہندہ نابالغہ کے نکاح کو اظہار ناراضگی کر کے رد کر دیا جیسا کہ سائل کا بیان ہے تو نکاح رد ہو گیا۔ لہٰذا ایسی صورت میں جو بھی اس اثنا میں خلوت ہوئی، وہ محض ناجائز و حرام ہوئی۔ زید کو کوئی حق نہیں کہ وہ اسے اپنی بیوی بنائے، زید اور ہندہ دونوں اجنبی اور اجنبیہ ہیں۔ لہٰذا ان دونوں میں وہ تعلقات جو کہ مابین الزوجین جائز و

---

(۱) كنزالدقائق مع البحر الرائق، ج:۳، ص:۲۱۱، دار الكتب العلمية، بيروت، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء

(۲) الهدايه، كتاب النكاح ، باب فى الاولياء والاكفاء، فصل فى الوكالة بالنكاح ، ج:۲، ص:۳۰۲، مجلس بركات، مبارك پور، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء

حلال ہیں، یقیناً ناجائز و حرام ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم فقیر محمد ثناء اللہ اعظمی۔ ۲۲؍ محرم الحرام ۵۶ھ۔

الجواب صحیح

عبدالعزیز

صدر مدرس مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم

عاقلہ بالغہ کو اس کا ولی مجبور نہیں کر سکتا

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ:

ہندہ بعض وجوہات سے اپنے شوہر کے یہاں رہنا نہیں چاہتی تھی، آخر کار اس کا شوہر مجبور ہو کر یہ کہتا تھا کہ اگر وہ عمرو سے شادی نہ کرے گی تو میں اس کو طلاق دے دوں گا۔ جب ہندہ کے بھائی کو معلوم ہوا تو اس نے ہندہ کے شوہر سے اقرار کیا کہ عمرو سے شادی نہ کرے گی، میں اس کو سمجھا دوں گا، اس پر وہ راضی ہو گیا اور اس لیے چند آدمیوں کو مہر معاف کرانے کے لیے ہندہ کے پاس بھیجا۔ ہندہ کو بھی اپنے بھائی کے اقرار کی اطلاع ہو چکی تھی تو اس نے مہر معاف کرنے سے انکار کیا تو اس پر لوگوں نے کہا کہ کوئی اقرار نہیں جہاں چاہے شادی کر سکتی ہے تو اس پر ہندہ نے معاف کر دیا اور اس کے بعد اس کے شوہر نے ہندہ کو طلاق دے دیا اور طلاق دیتے وقت اس کے شوہر نے کوئی شرط نہیں لگائی تھی۔ (یہ سب شرط طلاق و اقرار زبانی ہے)

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں ہندہ پر ہندہ کے بھائی کا اقرار نافذ ہو گا کہ نہیں اور ہندہ عمرو سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا یوم الحساب.

الجواب

صورت مسئولہ میں ہندہ کے شوہر کا یہ کہنا کہ اگر وہ عمرو سے شادی نہ کرے گی تو میں اس کو طلاق دیدوں گا اور ہندہ کے بھائی کا یہ اقرار کرنا کہ وہ عمرو سے شادی نہ کرے گی۔ میں اس کو سمجھا دوں گا، لغو و بیکار محض، جہالت ہے۔ اس سے ہندہ مقید و مجبور نہیں ہو سکتی، جب کہ اس نے ہندہ کو طلاق دیدیا اور بوقت طلاق کوئی شرط بھی نہ لگائی جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو وہ مطلقہ ہو گئی۔ اس پر طلاق واقع ہو گئی، ہندہ بالغہ خود مالک و مختار ہے۔ بعد ختم عدت عمرو یا جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ بھائی اس کو مجبور نہیں کر سکتا۔

حدیث شریف میں ہے:

الأَیِّم احقّ بنفسها من ولیها.[1]

اور ہدایہ میں ہے:

لا یجوز للولی اجبار البکر البالغة علی النکاح.[2]

اور اسی میں ہے:

انها حرة فلایکون للغیر علیه ولایة الاجبار.[3] والله اعلم بالصواب.

باپ کی موجودگی میں دادا کی اجازت سے نکاح ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کے باپ کے رہتے ہوئے دادا کی ولایت اور اجازت سے ہوا، لڑکی سن بلوغ کو پہونچ کر قبل خلوت صحیحہ کے نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب

ولایت نکاح اسی ترتیب سے ہے۔ جیسے کہ ترتیبِ وراثت ہے کہ ابعد وارث محجوب ہوتا ہے اقرب وارث کے ہوتے ہوئے اور اقرب ولی نابالغہ لڑکی کا باپ ہے پھر دادا، الخ۔ اور نکاح ولی ابعد کا، ولی اقرب کی موجودگی میں ولی اقرب پر موقوف ہوتا ہے۔ اگر ولی اقرب کی اجازت ہے تو نکاح لازم ہو گیا اور اگر اجازت نہیں ہے؟ بلکہ اس نے انکار کر دیا تو نکاح رد ہو گیا۔

ہدایہ میں ہے:

والترتیب فی العصبات فی ولایة ا لنکاح کالترتیب فی الارث والابعد محجوب بالأقرب[4]

اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استیذان ان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت، ج:٤، ص:١٤١، حدیث:٣٥٤١، دار الجیل، بیروت

(۲) هدایه ، کتاب النکاح، باب فی الاولیاء والاکفاء، ج:۲، ص:٢٩٤، مجلس البرکات، مبارك فور، ١٤٢٢ھ/ ٢٠٠١ء

(۳) هدایه ، کتاب النکاح، باب فی الاولیاء والاکفاء، ج:۲، ص:٢٩٤، مجلس البرکات، مبارك فور، ١٤٢٢ھ/ ٢٠٠١ء

(٤) هدایه ،ج:۲،کتاب النکاح،ص:٢٩٦، مجلس البرکات، مبارکفور، ١٤٢٢ھ/ ٢٠٠١ء

و أقرب العصبات الی الصغیر والصغیرة الاب ثم الجد أبوالاب و إن علا.[1]

اور فتاوی ہندیہ میں ہے:

وان زوج الصغیر و الصغیرة أبعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضراً وهو من اهل الولایة توقف نکاح الابعد علی اجازته.[2]

لہٰذا باپ کی موجودگی میں جو دادا نے لڑکی نابالغہ کا نکاح پڑھایا تو اگر باپ نے اس وقت نکاح سے بیزاری ظاہر کردی یا اور کسی طرح صراحۃً یا ضمناً اس سے انکار معلوم ہوا تو نکاح اسی وقت رد ہوگیا۔ اور قرینۂ قیاس یہ ہے کہ باپ کی بھی اجازت تھی کہ اس دیار میں رائج ہے کہ لڑکے اپنے باپ کی موجودگی میں اپنے لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح کا معاملہ عموماً اپنے باپ کی طرف سپرد کرتے ہیں کہ وہ جہاں چاہیں نکاح کردیں، لڑکے اس پر راضی رہتے ہیں۔ جب ایسی صورت ہے تو نکاح لازم ہوگیا، لڑکی کو خیار بلوغ نہیں، نکاح فسخ نہیں کرسکتی۔

ہدایہ میں ہے:

فإن زوجهما الأب أو الجد فلا خیار لهما بعد بلوغهما.[3] واللہ تعالیٰ اعلم

کیا بالغہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر کیا جاسکتا ہے؟

مسئلہ آمدہ از: نثار احمد قصبہ مئوناتھ بھنجن، ضلع اعظم گڑھ، ۱۰؍ صفر ۶۰ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک لڑکی کی شادی کی بات چیت چار سال تک رہی۔ اس مدت کے اندر لڑکی والوں نے تین بار سرو سامان کیا، مگر لڑکے والوں نے برابر اس کو دھوکا دیا، لڑکی والوں نے تنگ آکر ایک تاریخ مقرر کردی اور کہا کہ اگر تم اس تاریخ پر نہ آئے تو ہم اپنی لڑکی دوسری جگہ کردیں گے۔ تو اس تاریخ پر بھی لڑکے والے نہ آئے۔ دس روز کے بعد لڑکے کی والدہ آئی۔ جب پوچھا گیا تو اس نے یہ کہا کہ تم اپنی لڑکی کا کام دوسری جگہ کرلو، ہم نہیں کریں گے۔ پھر دو چار روز کے بعد لڑکے کی ہم شیرہ آئی تو اس سے بھی پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ لڑکے کو اس کے بڑے بھائی نے مار کر گھر سے باہر نکال دیا، وہ نہیں کریں گے، تم دوسری جگہ کرلو۔ اس بات کے دو چار گواہ بھی ہیں۔ تب لڑکی والے نے دوسری جگہ سے جو بات آئی تو اس کو زبان دے دیا اور عقد کا دن مقرر ہوگیا تو پہلی جگہ کے لڑکے والے نے یہ کہا کہ ہم نکاح کریں گے۔ خیر لڑکی والے نے کچھ انکار کے بعد پھر اقرار کرلیا اور دولہا کو کپڑے پہنانے کی اجازت بھی دے دیا اور لڑکی کے پاس کپڑے بھی بھیج دیے۔ مگر لڑکی نے کپڑا پھینک دیا اور عقد

(۱) فتاویٰ قاضی خان، بر حاشیہ فتاویٰ هندیه، فصل فی الاولیاء، ج:۱، ص:۳۵٤

(۲) فتاویٰ هندیه، ج:۱، ص:۲۸۵

(۳) هدایه، ج:۲، کتاب النکاح، ص:۲۹۷، مجلس البرکات، مبارکفور، ۱٤۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء

سے انکار کیا اور لڑکی بالغ ہے اور کچھ تعلیم یافتہ بھی ہے۔ تو قوم کے چودھری اور نائی اور دو چار آدمی یہ کہتے ہیں کہ لڑکی انکار کرتی ہے تو کرنے دو، مگر شادی وہاں ہوگی جہاں پہلے لڑکی کے باپ نے زبان دی ہے اور اگر نہ ہوگی تو ہم لوگ لڑکی کے باپ کو سزا دیں گے۔ اور لڑکی بار بار انکار کرتی ہے، لڑکی راضی نہیں ہوتی۔ اب علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟ لڑکی کا عقد کہاں جائز ہے؟ جہاں لڑکی راضی ہے وہاں جائز ہے یا جہاں چودھری اور نائی چاہتے ہیں وہاں جائز ہے؟

الجواب

عاقلہ بالغہ عورت اپنے نکاح کی خود مختار ہے، اپنے کفو میں جس سے چاہے نکاح کرے، وہ نکاح صحیح ہے، اگرچہ ولی نے اجازت نہ دی ہو۔

ہدایہ میں ہے:

وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضائها و إن لم يعقد عليها ولىّ بكرا كانت أو ثيبا.(۱)

صورتِ مسئولہ میں اگرچہ باپ نے پہلی جگہ کے لیے اقرار کر لیا اور راضی ہو گیا لیکن جب لڑکی نے کپڑے پھینک دیے اور عقد سے انکار کر دیا تو باپ کا اقرار اور رضامندی قطعاً بے کار ہے، جب کہ لڑکی راضی نہیں تو باپ کو اس پر جبر کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، کیوں کہ عاقلہ بالغہ پر ولایت اجبار نہیں۔

ہدایہ میں ہے:

لا يجوز للولى اجبار البكر البالغة على النكاح.(۲)

قوم کے چودھری وغیرہ کا یہ کہنا کہ لڑکی انکار کرتی ہے تو کرنے دو مگر شادی وہاں ہوگی جہاں پہلے لڑکی کے باپ نے زبان دی ہے، محض بے جا ہے، کیوں کہ عورت عاقلہ بالغہ کا نکاح بغیر اس کی اجازت اور رضامندی کے کوئی بھی نہیں کر سکتا، اس کا باپ چودھری تو کیا بادشاہ بھی نہیں کر سکتا۔

عالم گیری میں ہے:

لا يجوز نكاح احد على بالغة صحيحة العقل من اب أو سلطان بغير اذنها بكرا كانت او ثيبا.(۳)

لہٰذا لڑکی کا عقد وہیں ہوگا جہاں لڑکی راضی ہے اور جب کہ اس صورت میں لڑکی کے باپ کو لڑکی کی مرضی کے بغیر نکاح کا اختیار ہی نہیں وہ شرعاً بے قصور ہے۔ ایسی صورت میں اسے سزا دینا ظلم اور خلافِ شرع ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) ہدایہ، ج:۲، کتاب النکاح، ص:۲۹۳، مجلس البرکات، مبارکفور، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء

(۲) ہدایہ، ج:۲، کتاب النکاح، ص:۲۹۳، مجلس البرکات، مبارکفور، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء

(۳) فتاویٰ ہندیہ، کتاب النکاح، ج:۱، ص:۲۷۸

کیا بالغہ کے نکاح کے لیے ولی کی ضرورت ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید کی عورت ناخوش ہو کر شوہر کے مکان سے دوسری جگہ چلی گئی اور دس ماہ تک شوہر کے مکان پر نہیں آئی اور نہ اس مدت میں کبھی بیوی اور شوہر میں مجامعت کا موقع ہوا۔ بعد دس ماہ کے جب شوہر کے مکان پر آئی تو آنے کے تقریباً چار پانچ ماہ بعد لڑکی پیدا ہوئی اور ناجائز لڑکی کا نام ہندہ پڑا۔ اب ہندہ بالغہ ہو چکی ہے۔ اس کے نکاح کے لیے کسی ولی کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور اگر ضرورت ہے تو کون ولی ہو سکتا ہے، اس لیے کہ باپ لا معلوم ہے اور بعدِ نکاح ہندہ کے بطن سے جو بچے پیدا ہوں گے وہ کیسے سمجھے جائیں گے؟

الجواب

ہندہ جب عاقلہ و بالغہ ہے تو اپنے نکاح کی خود مختار ہے، عقد نکاح کے لیے صرف اس کی رضامندی ہی کافی ہے کسی ولی کی ضرورت نہیں۔

ہدایہ میں ہے:

وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضائها و ان لم یعقد علیها ولیّ بکرا کانت أو ثیبا.[1]

چوں کہ ہندہ کی اجازت اور رضامندی سے نکاح صحیح ہے اور نکاح صحیح سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ حلالی اور صحیح النسب ہوتی ہے، لہٰذا اس نکاح سے ہندہ کی جو اولاد ہوگی وہ حلالی اور صحیح النسب ہوگی۔ ہندہ کے باپ وہی ہیں جس کے نکاح میں ہندہ کی ماں اس وقت تھی، جب کہ ہندہ پیدا ہوئی تھی۔ اس لیے کہ ہندہ کی ماں کے دوسری جگہ چلی جانے کے چودہ، پندرہ مہینے کے بعد ہندہ پیدا ہوئی۔ لہٰذا ہندہ کی ولادت مدت حمل کے اندر ہوئی، کیوں کہ حمل کی انتہائی مدت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک دو سال ہے۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے:

الولد لا یبقی فی البطن اکثر من سنتین و لو بظل مغزل.[2]

لہٰذا ہندہ کا نسب اس کی ماں کے شوہر سے ثابت ہوا اور وہی اس کا باپ قرار پایا۔ واللہ اعلم بالصواب.

---

(۱) ہدایہ، ج:۲، باب فی الاولیاء والاکفاء، ص:۲۹۳، مجلس البرکات، مبارکفور، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء

(۲) دار قطنی، بحوالہ ہدایہ، ج:۲، ص:۴۱۳، باب ثبوت النسب، مجلس البرکات، مبارکفور، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء

ولی عصبہ کی غیر موجودگی میں ماں ولی ہوگی

مسئلہ آمدہ از: نوادہ، مبارک پور

مسئلہ ہندہ نابالغہ کا کوئی ولی عصبہ باپ دادا چچا بھائی وغیرہ نہیں، اس کی ماں موجود ہے۔ ماں کی اجازت سے ہندہ کا نکاح زید بالغ سے ہوا۔ اس صورت میں نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورۃ الصدر میں جب کہ ہندہ نابالغہ کا کوئی ولی عصبہ موجود نہیں تو ہندہ نابالغہ کے نکاح کی ولایت اس کی ماں کو ہے۔ لہٰذا جب ہندہ نابالغہ کی ماں کی اجازت سے نکاح ہوا تو نکاح درست ہے:

و عند عدم العصبة يملك تزويج الصغير والصغيرة عند أبي حنيفة الام ملخصا كذا في فتاویٰ قاضي خان.[1] والله تعالىٰ أعلم و علمه أتم و أحكم.

كتبه محمد ثناء الله

ہندوستان میں کون کس کا کفو ہوتا ہے؟

مسئلہ آمدہ از: محمد عبد الحمید، اعظم گڑھ۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

ایک عورت نے دعوت اسلام قبول کر کے ہمارے اہل برادری کے ایک شخص یعنی نور باف سے شادی کرلی۔ اس سے تین لڑکیاں پیدا ہوئیں، اس نے اسی برادری میں ایک لڑکی کی شادی کر دی، اس کو اور شوہر کو برادری و عزیز و اقارب بخوشی اب تک اس کی نیک چلنی وغیرہ پر مشتمل اپنے خاص برادری کے چلتے آئے مگر کچھ لوگ اس کی لڑکی سے شادی کرنے میں یوں گریز کرتے ہیں کہ نسل خراب ہو جائے گی و کفویت برباد ہو جائے گی تو اس میں چند امور دریافت طلب ہیں:

اول نسب باپ سے شمار ہوتا ہے یا ماں سے؟

دوسرے شرعاً ہندوستان میں کون کس کا کفو ہوتا ہے یعنی شرع نے کس کو کس کا کفو اعتبار کیا ہے۔

تیسرے محض زبانی اپنے کو اہل برادری شمار کرتے ہیں، بجز اس کے دو تین پشت کا حال خود بیان کر سکتے ہیں یا لوگ جانتے ہیں۔ آگے کا کوئی پتہ نہیں۔ جب ایسی حالت نسب کی ہو تو ایسی لڑکی جس کے باپ اپنے عزیز و اقارب سے ہیں، صرف ماں نو مسلمہ ہے وہ بھی نہایت نیک پارسا پابند شریعت ہم پیشہ ایسی لڑکی سے پرہیز کرنا اور معیوب جاننا اور

---

(۱) فتاویٰ قاضی خان، بر حاشیہ فتاویٰ ہندیہ، ج:۱، ص:۳۵۵

ہٹ کر کے ترک کرنا کیسا ہے؟ اگر کوئی شخص محض اخوان فی الدین، وہم پیشہ ہونے کی کوشش کرے تو جو رسم خلاف شریعت ہو وہ مٹ جائے۔ شریعت جس کو خدا اور رسول نے فرمایا اس پر عمل کرے تو عند اللہ مستحق ثواب و اجر ہوگا یا نہیں؟ خلاصہ یہ ہے کہ جب نسب کا تحقیقی حال معلوم نہیں محض رسمی طور پر کہتے ہیں کہ ہم فلاں قوم ہیں اس حالت میں ہم پیشہ کفو کہلایا جائے گا یا نسب خراب ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب

① اولاد باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے اولاد کا نسب باپ سے شمار ہوتا ہے ماں سے نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ. (۱)

تفسیر احمدی شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے:

انما ذكر هذا دونهما ليعلم ان الوالدات انما ولدن لاجلهم اذ الاولاد للآباء والنسب اليهم لا اليهن. (۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

② کفو میں چھ چیزوں کا اعتبار ہے اول نسب، دوسرے اسلام، تیسرے پیشہ، چوتھے حریت، پانچویں دیانت، چھٹے مال۔

قریش کے جتنے خاندان ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ قریش کے علاوہ عرب کے تمام قبائل و خاندان ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ غیر عربی، عربی کا کفو نہیں۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

فقريش بعضهم اكفاء بعض وبقية العرب بعضهم اكفاء بعض. (۳)

اسی میں ہے:

العجمي لا يكون كفوا للعربية. (٤)

غیر عرب خواہ ہندوستانی ہو یا کسی دوسرے ملک کا رہنے والا ہو کفو ہونے نہ ہونے میں اس کے قدیم الاسلام و جدید الاسلام ہونے کو بھی دخل ہے، یعنی جو شخص خود مسلمان ہوا، اس کے باپ دادا مسلمان نہ تھے وہ اس کا کفو نہیں

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ البقرۃ، ۲، آیت: ۲۳۲

(۲) شیخ احمد ملا جیون جونفوری، تفسیرات احمدیہ، البقرۃ: ص: ۱۰۲

(۳) تنویر الأبصار ودر مختار المطبوع مع رد المحتار، باب الكفاءة، ج: ٤، ص: ۲۰۹، ۲۱۰، دار الكتب العلميه، بيروت

(٤) تنویر الأبصار ودر مختار المطبوع مع رد المحتار، باب الكفاءة، ج: ٤، ص ۲۱۷، دار الكتب العلميه، بيروت

جس کا باپ مسلمان ہو۔ اور جس کا صرف باپ مسلمان ہو وہ اس کا کفو نہیں جس کا دادا بھی مسلمان ہو۔ اور باپ دادا دو پشت سے صاحبِ اسلام ہوں تو دوسری طرف اگرچہ زیادہ پشتوں سے صاحبِ اسلام ہوں، کفو ہیں۔

شرح وقایہ میں ہے:

و فی العجم اسلاما فذ و ابوین فی الاسلام کفو لذی آباءٍ فیه و مسلم بنفسه غیر کفو لذی اب فیه ولاذو اب فیه لذی ابوین فیه .(۱)

کفاءت کا مدار چوں کہ عرف پر ہے لہٰذا ہندوستان میں جو قومیں جن قوموں کی کفو سمجھی جاتی ہیں اور مناکحت یعنی شادی بیاہ رائج ہے۔ وہ ایک دوسرے کی کفو ہیں اور جو قومیں دوسری قوموں سے شادی بیاہ کو ننگ وعار سمجھتی ہیں وہ ان کی کفو نہیں کما صرح به کتاب۔ اگرچہ حقیقی فضیلت اور دینی شرافت جو عند اللہ معتبر ہے وہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ خواہ کسی طبقہ یا کسی قوم کا ہو مگر جبکہ وہ تقویٰ وطہارت سے آراستہ ہے تو اللہ کے نزدیک بزرگ ہے

قال الله تعالیٰ: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ.(۲)

لیکن مسئلہ کفو کا مدار عرف دنیوی ہے اس لیے جہاں جیسا عرف جاری ہے اسی پر مسئلہ دائر ہے۔

والله تعالیٰ اعلم .

(۳) جو شخص جس نسب کے ساتھ معروف ومشہور ہے اسی میں شمار ہے۔ دو تین پشت کا نسب بیان کر دینا کافی ہے، باپ اور دادا کا نسب بیان کر دینے سے نسب پورا ہو جاتا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

لان تمام النسب بالاب والجد .(۳)

تنبیہ: کفو کے معنی یہ ہیں کہ مرد عورت سے نسب وغیرہ میں اتنا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح عورت کے اولیا کے لیے باعث ننگ وعار ہو

کفاءت صرف مرد کی جانب سے ہے عورت اگرچہ کم درجہ کی ہو اس کا اعتبار نہیں۔

ہدایہ میں ہے:

بخلاف جانبها لان الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش.(٤)

---

(۱) شرح وقایہ، ج:۲، باب الکفاء، ص:۳۲، مجلس البرکات، مبارکفور ۱٤۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء

(۲) قرآن حکیم، سورۃ الحجرات، آیت:۱۳

(۳) ہدایہ، ج:۲، ص:۳۰۰، مجلس البرکات، مبارکفور، ۱٤۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء

(٤) ہدایہ، ج:۲، ص:۳۰۰، مجلس البرکات، مبارکفور، ۱٤۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء

در مختار میں ہے:

ولذا لا تعتبر من جانبها ؛ لان الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش وهذا عند الكل في الصحيح .(۱)

لہٰذا صورت مسئولہ میں ان لڑکیوں کے ساتھ ان کے باپ کے ہم پیشہ اور اہل برادری کو نکاح کرنا بوجوہ نہ خلاف کفو نہ باعث ننگ و عار۔ اول یہ کہ اگرچہ ان لڑکیوں کی ماں نو مسلمہ ہے لیکن باپ قدیم الاسلام ہے اور باپ ہی سے نسبت قائم ہوتی ہے جیسا کہ نمبر (ا) میں بحوالہ تفسیر احمدی گزرا۔ لہٰذا لڑکیاں قدیم الاسلام کی اولاد ہوئیں پھر کسی قدیم الاسلام کو بھی ان کے نسب پر کیا اعتراض۔ دوسرے اگر بالفرض ماں کے نو مسلمہ ہونے سے لڑکیاں کم درجہ بھی قرار دی جائیں تب بھی چوں کہ کفو میں عورت کی طرف سے مساوات معتبر نہیں جیسا کہ تنبیہ میں ہدایہ کے حوالے سے مذکور ہوا پھر کفاءت پر کیوں کر دھبہ آئے گا جب کہ لڑکیاں اور ان کی ماں نیک چلن اور پابند شرع ہیں۔ برادری کے اکثر لوگوں کو ان کی نیک بختی کا صحیح اندازہ ہے تو پھر یہ کہنا کہ نسل خراب ہو جائے گی خیال باطل اور گمان فاسد ہے۔ مسلمانوں کو ایسے خیالات کو اپنے دل سے دور کرنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ ان لڑکیوں کے ساتھ شادی کرنے سے ان کے باپ کے اہل برادری کو محض اس وجہ سے گریز و پرہیز کرنا کہ ان کی ماں نو مسلمہ ہے، کسی طرح مناسب نہیں ان سے نکاح کو معیوب جاننا اور (ضدو) ہٹ کرنا سخت نادانی ہے اور خلاف شرع ہے۔ بلکہ برادری والوں کو ان کے ساتھ نکاح کر لینا ہی مناسب ہے۔ مسئلہ کفو کے خلاف نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم واحکم

عبدالعزیز

خادم الطلبہ دار العلوم اہل سنت و جماعت مصباح العلوم

قصبہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ یوپی

دادا اور دادی کی موجودگی میں ماموں کی ولایت صحیح ہے یا نہیں؟

از: عبدالوحید، خانقاہ شکر تالاب، ڈاک خانہ کینٹ،، بنارس۔ ۲۷؍ جنوری ۱۹۵۷ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل میں:

زید کی دو لڑکیاں ہیں ایک بالغہ اور ایک نابالغہ، جس کی عمر چھ سال ہے اور بکر کے دو لڑکے ایک بالغ اور ایک نابالغ، جس کی عمر آٹھ سال ہے، بکر کا انتقال ہو گیا اور بکر کے والد موجود ہیں، مگر بکر کا سالا یعنی لڑکے کے ماموں نے اپنی

(۱) تنویر الابصار و در مختار المطبوع مع رد المحتار، باب الکفاءة، ج: ٤، ص: ۲۰۷، دار الکتب العلمیه، بیروت

ولایت کے ذریعہ دونوں لڑکوں کی شادی لڑکوں کے دادا اور والدہ کی موجودگی میں زید کی دونوں لڑکیوں سے کردیا۔ اب جب کہ لڑکے اور لڑکی بالغ ہوئے ہیں، دونوں رضامند نہیں ہیں، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ دادا اور والد کی موجودگی میں ماموں کی ولایت صحیح ہے یا نہیں اور نکاح منعقد ہوگا یا نہیں اور اب لڑکے اور لڑکی کی ناراضگی سے نکاح باقی رہا یا نہیں۔ جواب باصواب عطا فرمائیں۔ ممنون و مشکور ہوں گا۔

الجواب

ماموں ولی نہیں، ماموں نے جو نابالغ لڑکے کا نکاح کیا، وہ نکاح فضولی ہوا، وہ دادا کی اجازت پر موقوف تھا، اگر دادا نے جائز رکھا، جائز ہوگیا اور اس صورت میں خیارِ بلوغ نہیں کہ اب یہ نکاح دادا ہی کا کیا ہوا مانا جائے گا، اور اگر رد کردیا گیا تھا تو رد ہوگیا، اب وہ نکاح ہی نہیں، لڑکے لڑکی دونوں آزاد ہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

طلاق دیے ہوئے لمبا عرصہ گزر جائے تب بھی مہر ساقط نہ ہوگا

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین:

عرض یہ ہے کہ زید نے اپنی زوجہ کو بوجہ زناکار ہونے کے عرصہ بیس سال سے زیادہ ہوتا ہے تین طلاق دے دیا ہے اور اس وقت سے آج تک زوجہ مطلقہ سے کوئی طرح کا لگاؤ نہیں رکھا۔ اب بیس برس سے زیادہ عرصہ گزرنے پر وہ عورت کہتی ہے کہ ہم کو طلاق نہیں دی ہے۔ زید کا اقرار ہے کہ پانچ آدمیوں کے سامنے میں نے طلاق دی ہے۔

دریافت طلب بات یہ ہے کہ زناکاری کی صورت میں طلاق پانے پر وہ عورت عرصہ بیس سال کے بعد اپنے دین مہر کی حق دار ہوسکتی ہے یا نہیں؟

نوٹ: پانچ گواہ جب تک موجود تھے تب تک کسی طرح کا اس نے سوال نہیں کیا، جب وہ پانچوں گواہ دنیا سے رخصت ہوگئے تب وہ عورت طلاق سے انکار کرتی ہے۔ حضور اس سوال کا جواب سند و مہر کے ساتھ بھیجیں، بندہ حضور کا تہِ دل سے شکر گزار ہوگا۔ فقط

دستخط شیخ احمد بمقام کانٹاڈیہ، شیخ محمد خوش حال بمقام کانٹاڈیہ جہالدہ، محمد حنیف درزی مقیم جہالدہ،

پتہ۔ خاک سار و گنہ گار آپ کا خادم قاضی احمد حنیف معلم مکتب کانٹاڈیہ جہالدہ ڈاک خانہ جہالدہ ضلع مان بھوم۔

المرقوم ۳ر ستمبر ۱۹۴۷ء

الجواب

وباللہ التوفیق

صورتِ مسئولہ میں طلاق واقع ہوگئی۔ اب اگر زید نے اپنی زوجہ سے وطی یا خلوت صحیحہ کرنے کے بعد کسی وجہ سے بھی طلاق دی ہے تو زید کے ذمہ کل مہر موکد ہوجائے گا کہ جو مہر مقرر تھا، اس میں کمی نہیں ہوسکتی۔ زید کو کل مہر

ادا کرنا ضروری ہے، چاہے جب بھی ادا کرے۔ بیس سال کے بعد یا اس سے بھی زیادہ۔ بغیر ادا کیے زید کے ذمہ سے مہر ساقط نہ ہوگا۔ ہاں اگر زوجہ نے کل یا جز معاف کر دیا تو معاف ہو جائے گا۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

المهر يتأكد بأحد معان ثلثة الدخول والخلوة الصحيحة و موت أحد الزوجين سواء كان مسمى او مهر المثل حتى لا يسقط منه شي بعد ذلك الا بالإبراء من صاحب الحق.[۱]

یعنی مہر تین باتوں میں سے ایک کے ہونے پر موکد ہو جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وطی، خلوت صحیحہ، شوہر یا زوجہ کا مرجانا، یہاں تک کہ بعد اس کے مہر میں سے کچھ ساقط نہیں ہوگا مگر صاحب حق کے معاف کرنے سے

اگر زید نے وطی یا خلوت صحیحہ نہیں کی اور اس کی زوجہ سے ایسے شخص نے زنا کیا ہے جس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے، جیسے زید کا باپ یا بیٹا تو اب زید کے طلاق دینے سے زید کے ذمہ نصف مہر لازم ہوگا اور اگر اس کی زوجہ نے ایسے شخص سے زنا کیا ہے جس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور زید نے ابھی تک خلوتِ صحیحہ یا وطی نہیں کی ہے تو اب اس صورت میں مہر نہیں۔

إذا كانت الفرقة قبل الدخول من قبلها عاد اليه الكل.[۲]

اگر خلوتِ صحیحہ یا دخول سے قبل عورت کی طرف سے فرقت ہو تو شوہر کل مہر واپس لے لے گا۔

وھو تعالیٰ اعلم.

کتبہ: محمد خادم رسول قادری غفرلہ الباری، مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور

الجواب صحیح: عبد العزیز عفی عنہ — صح الجواب: عبد المصطفیٰ الازہری غفرلہ

الجواب صحیح: عبد الرؤف، مدرسہ دار العلوم اشرفیہ — الجواب صحیح محمد یحییٰ الاعظمی مدرس دار العلوم اشرفیہ

۵ ر محرم الحرام ۱۳۶۷ھ

رخصتی سے قبل طلاق کی صورت میں کتنا مہر ادا کیا جائے گا؟

مسئلہ آمدہ از: گھبڑا، ۲ ر ذی قعدہ، ۱۳۶۹ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

منظور شاہ اپنی عورت مسماۃ حدیث النسا کو طلاق دینا چاہتے ہیں اور حدیث النسا نابالغہ ہے، کبھی رخصت نہیں

---

(۱) فتاویٰ عالم گیری، ج:۱، ص:۳۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۲) رد المحتار، ج:٤، ص:۲۳٦، دار الکتب العلمیہ، بیروت

ہوئی ہے۔ اس صورت میں منظور شاہ کو دین مہر کس قدر ادا کرنے ہوں گے۔ ایک سو ایک دین مہر پر نکاح ہوا تھا اور حدیث النسا کو کچھ خرچہ عدت کا ملے گا یا نہیں۔

الجواب

بلا وجہ شرعی طلاق دینا سخت منع ہے۔ اس سے پرہیز لازم اور اگر طلاق دینا ہی ضروری ہو تو صورتِ مسئولہ میں طلاق کے بعد نصف مہر یعنی پچاس روپے آٹھ آنے حدیث النسا کو ملیں گے اور حدیث النسا پر عدت نہیں ہوگی۔ اس لیے عدت کا خرچہ نہیں ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

رُخصتی سے قبل زوجہ کے انتقال کی صورت میں کتنا مہر واجب الادا ہے؟

از: حافظ کلیم الدین، محلہ رسول پور قصبہ محمد آباد، ضلع اعظم گڑھ، ۹/ اکتوبر ۱۹۴۹ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین صورت مسئولہ میں کہ:

ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ بعوض دین مہر مبلغ اکیاون روپیہ عرصہ تخمیناً چار سال کا ہوا کہ بحالت نابالغی بہ ولایت پدر ہوا۔ ہندہ سن بلوغ کو پہنچی تھی کہ مبتلائے مرض ہو کر فوت ہوگئی، رخصتی کی نوبت نہیں آئی اور نہ زن و شوہر یکجا ہو سکے۔ ایسی صورت میں مہر کا مطالبہ کس قدر واجب الادا ہے۔ ہندہ نے اپنے انتقال کے وقت والدین کو اور ایک بھائی، تین بہنیں نابالغ اور دادا دادی کو چھوڑا۔ اگر کوئی مطالبہ مہر کا زید پر واجب الادا ہو تو اس کی معافی ورثائے متذکرہ بالا میں کون دے سکتا ہے۔ زید اس وقت تک زندہ موجود ہے۔ فقط۔

الجواب

مہر شوہر کے ذمہ قرض ہوتا ہے اور زوجین میں سے کسی ایک کے بھی انتقال سے مہر موکد ہو جاتا ہے یعنی پورا مہر واجب الادا ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر شوہر کا پہلے انتقال ہوا تو بی بی کو شوہر کے مال سے پورا مہر وصول کرنے کا حق ہے۔ اسی طرح اگر بی بی کا پہلے انتقال ہو گیا تب بھی مہر موکد ہو گیا، لیکن یہ مہر ترکہ میں شمار ہوگا، اور اس میں بھی وراثت جاری ہوگی اور شوہر بھی اپنے حصے کے مطابق مستحق ہوگا۔ اگر بی بی کی اولاد نہیں ہے تو نصف مہر شوہر کا حق ساقط ہو جائے گا اور نصف مہر شوہر پر واجب الادا ہوگا۔

ہدایہ میں ہے:

فلان المسمى دين فى ذمته وقد تاكد بالموت فيقضى من تركته الا اذا علم انها ماتت اولا فيسقط نصيبه من ذلك.(۱)

---

(۱) هدايه كتاب النكاح، ج:۲، ص:۳۱۷، مجلسِ البركات، جامعه اشرفيه، مباركفور، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء

لہٰذا صورت مسئولہ میں زید پر پچیس روپیہ آٹھ آنہ واجب الادا ہے کہ ہندہ کے والدین کو دے اور پچیس روپیہ آٹھ آنہ زید کے حصہ میں منہا ہو جائے گا اور اگر ہندہ کے والدین معاف کر دیں تو معاف ہو جائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

وطی اور خلوت سے قبل طلاق پر کتنا مہر دینا ہوگا؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا اور اس سلسلہ میں زید کی جانب سے ہندہ کو کچھ زیورات دیے گئے، جس کے لیے ہبہ یا عاریت کی تصریح نہیں کی گئی اور اب تک دونوں میں خلوت نہیں ہوئی ہے۔ اس صورت میں اگر زید ہندہ کو طلاق دے تو مہر کتنا دینا ہوگا اور زیورات کا مالک و مستحق کون ہے؟

الجواب

زید اگر اپنی منکوحہ کو وطی اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دے دے تو آدھا مہر شوہر کو دینا ہوگا۔

تنویر الابصار باب المہر میں ہے:

ویجب نصفه (أی نصف المهر المذكور) بطلاق قبل وطی او خلوة اه.[1]

جو زیورات زید کی جانب سے ہندہ کو دیے گئے ہیں اگر ان کے ہبہ کی تصریح نہیں کی گئی تو ایسی صورت میں یہاں کے عرف کے اعتبار سے وہ عاریت سمجھے جائیں گے لہٰذا عاریت ہی رہیں گے، شوہر انھیں واپس لے سکتا ہے۔

لان المعروف كالمشروط.[2] واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

طلاق کے بعد جہیز واپس لینے کا حکم

مسئلہ جناب عالی! کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

سائل نے عقد کیا اپنی لڑکی کا، جس کو عرصہ تخمیناً ۱۲ سال کا ہوتا ہے۔ لڑکی برابر اپنے شوہر کے ساتھ رہتی چلی آئی ہے۔ ایک مرتبہ لڑکی کی زبانی معلوم ہوا کہ مجھ کو میرے شوہر نے چھوڑ دیا ہے، لہٰذا میں نے فوراً دو آدمیوں کو لڑکی کے شوہر

---

(۱) تنویر الابصار ودر مختار المطبوع مع رد المحتار، باب المهر، ج:۳،ص:۲۳۵، ۲۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۲) فتاوی شامی، جلد :۲، ص: ۳۷۳

کے پاس بھیج کر معلوم کیا تو شوہر کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ میں نے چھوڑا نہیں ہے بلکہ غصہ میں آکر مکان سے نکال دیا ہے۔ توان دونوں آدمیوں نے مجھ کو اور لڑکی کو سمجھا بجھا کر ملا دیا اور میں نے لڑکی کو جانے دیا، جب سے پھر لڑکی برابر اپنے شوہر کے ساتھ رہتی رہی، لہٰذا پرسوں ایک عورت میری لڑکی کو میرے مکان پر لوا کر آئی اور لڑکی کی والدہ سے کہا کہ اس کو اس کے شوہر نے طلاق دے دیا ہے، میرے روبرو اور مجھ سے کہا کہ اس کو اس کے والد کے مکان پہنچادو، لہٰذا لڑکی میرے پاس ہے اور اس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں، ان کو منگا لیا اور میری لڑکی میرے مکان پر ہے، لہٰذا اس مسئلہ میں علمائے دین فرمائیں کہ مجھ کو ان سے کیا کیا چیز لینے کا حق ہے؟ یعنی میں نے لڑکی کے سلسلے میں دان جہیز اور برتن اور زیورات جو کچھ میں نے دیا ہے وہ مجھ کو لینے کا حق ہے یا نہیں؟ اور اس کے سسرال سے جو زیورات چڑھاوا آیا تھا اور جو پہنایا تھا لڑکی کو وہ مجھے ملنے کا حق ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی معلوم ہو کہ لڑکی حمل سے بھی ہے، تخمیناً ۵ر مہینہ سے، لہٰذا ان سب باتوں کا خیال فرماتے ہوئے علمائے دین اس مسئلہ کو صاف صاف حل کر کے جواب لکھوادیں اور یہ لڑکی جب تک نکاح کرنے کے لائق نہ ہوگی اس کے خرچ وغیرہ کے ذمے دار لڑکی کے والدین ہوں گے یا شوہر ہوگا؟ لہٰذا گستاخی معاف فرماتے ہوئے اس مسئلے کے جواب سے آگاہ فرمادیں۔

دستخط حاجی محمد نذیر حسین، بقلم خود

مورخہ ۱۷ر جمادی الآخرہ۔

الجواب

جہیز میں جو کچھ زیورات برتن وغیرہ لڑکی کو دیے گئے وہ سب لڑکی کی ملکیت ہیں ان کو عورت اپنے شوہر سے واپس لے سکتی ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

کل احد یعلم أن الجهاز ملك المرأة و انه اذا طلقها تاخذه كلّه و اذا مات يورث عنها ولا يختص بشئ منه.[1] والله تعالىٰ اعلم.

لڑکی کے سسرال سے جو زیورات پہننے کے لیے ملے اس وقت شوہر کی طرف سے کیا کہہ کر دیے گئے، کیا یہ کہا گیا تھا کہ ہم ان زیورات کا مالک لڑکی کو بناتے ہیں، اگر ایسا کہا گیا تو اب شوہر واپس نہیں لے سکتا۔ اگر کچھ نہیں کہا گیا تو وہاں کا رواج دیکھا جائے گا۔ اگر رواج یہ ہے کہ ایسی چیزوں کا شوہر عورت کو مالک نہیں بناتا، بلکہ اسے برتنے اور پہننے کے لیے دیتا ہے۔ طلاق کے بعد دستور کے مطابق اسے واپس لے لیتا ہے تو ایسی صورت میں شوہر ان زیورات کو لڑکی سے واپس لے سکتا ہے۔ فان المعهود عرفا كالمشروط نصاً. والله تعالىٰ اعلم.

اگر یہ طلاق شرعی شہادت یا اقرار سے ثابت ہو جائے تو اس کو مطلقہ مانا جائے گا۔ اگر یہ حاملہ ہے تو اس کی عدت

---

(۱) در مختار المطبوع مع رد المحتار، کتاب الطلاق، ج:۳، ص۶۴۲، دار الفكر، بيروت

کا زمانہ وضعِ حمل (بچہ پیدا ہونے تک) ہے۔

قال تعالیٰ: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. (۱)

اس وقت تک کا کھانا کپڑا شوہر سے پانے کی مستحق ہے اور بچہ پیدا ہونے کے بعد اس بچہ کی پرورش کا خرچہ شوہر سے وہ لے سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

بعد طلاق اپنی نابالغہ بچی کا جہیز باپ واپس لے گا

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی نابالغہ بچی کا عقد عمرو کے نابالغ بچے سے کیا۔ چوں کہ بچی نابالغہ تھی اور ہے۔ اس لیے زید نے جہیز کا سامان عمرو کے واسطے سے بچی کو دیا۔ کچھ مدت کے بعد عمرو کے لڑکے نے بحالتِ بلوغ طلاق دے دی۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ سامانِ جہیز زید واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عرض ہے کہ بچی کا حق دین مہر اب تک باقی ہے۔ اس کے متعلق ملتِ اسلامیہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا.

الجواب

زید نے جو کچھ جہیز اپنی لڑکی کے لیے عمرو کو دیا، وہ زید کی لڑکی ہی کی ملک قرار پائے گا۔ اس لیے کہ عرف یہی ہے کہ جہیز لڑکی کے سسرال والوں ہی کے سپرد کیا جاتا ہے اور مقصود لڑکی کو دینا ہوتا ہے۔ خسر یا شوہر کو جہیز کا مالک نہیں بنایا جاتا ہے۔ چوں کہ سائل مظہر ہے کہ زید کی لڑکی اب بھی نابالغہ ہے لہٰذا اس صورت میں زید لڑکی کے شوہر سے لڑکی کا جہیز واپس لے گا۔ اگر لڑکی بالغہ ہوتی تو وہ خود جہیز کا مطالبہ کرتی، یا کسی کو وکیل بناتی۔ عالم گیری میں ہے:

لوجهز ابنته و سلمه اليها ليس له فى الاستحسان استرداده منها. (۲)

چوں کہ یہ طلاق قبل دخول ہوئی لہٰذا نصف مہر لڑکی کو ملے گا، یہ مہر شوہر پر دین ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ. (۳) واللہ تعالیٰ اعلم

کیا رافضی سے سنی لڑکی کا نکاح ہو جائے گا؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ الطلاق، آیت: ٤

(۲) فتاویٰ عالم گیری، ج:۱، ص: ۳۲۷

(۳) قرآن حکیم، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۲۷

ایک شخص نے اپنی لڑکی کا بخوشی ایک رافضی کے ساتھ نکاح کر دیا اور لڑکی نابالغ تھی، جب لڑکی بالغ ہوئی تو اس کو معلوم ہوا اور اپنی والدہ سے دریافت کیا اب لڑکی کہتی ہے کہ میں رافضی کے گھر نہ جاؤں گی۔

الجواب

سنی لڑکی کا نکاح رافضی سے ہرگز جائز نہیں، کیوں کہ اس زمانے کے رافضی تبرائی ہیں، تبرا کا اعلان کر چکے ہیں، قرآن مجید کو ناقص مانتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انبیاے سابقین سے افضل مانتے ہیں۔ رافضیوں کے ایسے کفریہ عقیدے بہت ہیں جن کی تفصیل "رد الرفضہ" مصنفہ اعلیٰ حضرت علامۂ زمن مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان میں مذکور ہے۔ لہٰذا صورت مذکورہ میں نکاح ناجائز و حرام ہے۔ سنی مسلمان لڑکی کو رافضی کے ساتھ رخصت کرنا قطعاً حرام و زنا خالص ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد العزیز عفی عنہ

بدمذہبوں سے نکاح کا حکم

از: حاجی جلال الدین اثیر الدین، مسجد ہٹیہ، مدنپورہ بنارس

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے اہلسنت و جماعت اس مسئلہ میں:

مرد یا عورت کا نکاح قادیانی، تبرائی، شیعہ، وہابی مقلد و غیر مقلد کے ساتھ صحیح ہوتا ہے یا نہیں اور اگر ایسے نکاح منعقد ہو چکے ہوں تو شرعاً ان کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

فِرَق [1] مسئولہ کے عقائد خبیثہ ملعونہ کفریہ کی تفسیر و طوالت باعث ملالت ہے پھر بھی جواب کی تنقیح کے لیے مختصر اظہار ضروری ہے:

قادیانی، مرزا غلام احمد قادیانی کے متبع ہیں اس نے کبھی نبوت اور کبھی مسیحیت کا دعویٰ کیا اور عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا منکر ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو عاجز بتایا اور اپنی کتاب "ازالۃ الاوھام" میں عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے معجزات کو مسمریزم لہو و لعب وغیرہ بتایا۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ مانا جو قرآن مجید فرقان حمید کی صریح آیتوں کا انکار ہے اور اس کی تکذیب ہے۔

قرآن کا ارشاد ہے:

---

(۱) فِرَق، فرقہ کی جمع ہے۔

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ.(۱)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا.(۲) علی هذا القیاس.

رافضی تبرائی قرآن مجید میں تحریف کمی زیادتی کے قائل اور ان کا یہ عقیدہ کہ اصل میں وحی حضرت مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر بحکم خدا آئی تھی۔ مگر جبریل علیہ السلام سے بھول ہوگئی کہ وہ وحی نبی کریم ﷺ کے پاس لائے۔ وغیر ذالك (شامی)

ان کے عقائد واہیہ تباہیہ سے بھی قرآن مجید فرقان حمید کی آیتوں کی نفی، صاف انکار اور اس کی تکذیب ہے۔

ارشاد باری تبارک وتعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ.(۳)

اور جبریل علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق ارشاد ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ . ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ. مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ.(۴)

تفسیر جلالین میں ہے:

امین ای علی الوحی.(۵)

یہ بات ثابت کہ یہ فرقہ ملعونہ خبیثہ قرآن پاک کے منکر اور اس کی آیتوں کی تکذیب کرنے والے اور اس میں ریب وشک کو دخل دینے والے ہیں۔ ایسے واہیہ تباہیہ عقیدہ رکھنے والے کو علما نے بالاجماع کافر بتایا ہے۔

شفا شریف میں ہے:

من استخف بالقرآن او بشئ منه او جحده او كذب بشئ منه او أثبت مانفاه أو نفىٰ ماأثبته على علم منه او شك فى شئ من ذالك فهو كافر عند اهل العلم

جو شخص قرآن مجید یا اس کے کسی حرف سے گستاخی یا اس کا انکار یا اس کی کسی بات کی تکذیب یا جس بات کی قرآن نے نفی کی اس کا اثبات یا جس کا اثبات فرمایا اس کی نفی کرے دانستہ یا اس میں کسی طرح کا شک

(۱) قرآن حکیم، سورۃ الاحزاب، آیت: ۴۰

(۲) قرآن حکیم، سورۃ النسآء، آیت ۱۵۷، ۱۵۸

(۳) قرآن حکیم، سورۃ الحجر، آیت: ۹

(۴) قرآن حکیم، سورۃ التکویر، آیت: ۱۹ - ۲۱.

(۵) جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی، جلالین، تکویر، ص: ۵۰۳، مکتبہ ریاض الحدیث بالریاض

باجماع.[1] لائے۔اس پر تمام علما کا اجماع ہے کہ وہ کافر ہے۔

اسی طرح وہابی خالص یا نام نہاد مدعی تقلید یہ سب ابن عبد الوہاب نجدی کی طرف منسوب اور اس کے متبع ہیں۔ ابن عبد الوہاب ان کا معلم اول تھا اس نے «کتاب التوحید » لکھی، جس میں اپنے فرقہ رذیلہ، خبیثہ کے سوا تمام اہل اسلام کو کھلم کھلا کافر و مشرک بنایا اور حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا و تکریما پر چڑھائی کر کے کوئی دقیقہ گستاخی و بے ادبی و شرارت و ظلم و قتل و غارت کا اٹھا نہ رکھا۔ یہ بھی اپنے کو مقلد یعنی حنبلی کہتے تھے۔ «تقویۃ الایمان» اس کتاب التوحید کا ترجمہ ہے اس کا پورا حال «سیف الجبار» کے مطالعہ سے کھلتا ہے بلکہ «رد المحتار» سے بھی یہی صاف ظاہر ہے کہ یہ فرقہ حادثہ وہابیہ گروہ خوارج کی ایک شاخ ہے اس گروہ کا ہمیشہ کا مذہب رہا کہ دنیا میں صرف وہی موحد و مسلم ہیں، باقی سب معاذ اللہ مشرک و کافر ہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

(و يكفرون اصحاب نبينا صلى الله عليه وسلم) علمت ان هذا غير شرط فى مسمىٰ الخوارج بل هو بيان لمن خرجوا علىٰ سيدنا على رضى الله عنه والا فيكفى فيهم اعتقادهم كفر من خرجوا عليه، كما وقع فى زماننا فى اتباع (ابن) عبد الوهاب الذين قدخرجوا من نجد و تغلبوا على الحرمين و كانواينتحلون مذهب الحنابلة ولكنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون و ان من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا بذلك قتل اهل السنة و قتل علمائهم حتى كسر الله تعالىٰ شوكتهم و خرب بلادهم وظفربهم عساكر المسلمين.عام ثلاث و ثلثين و مأتين و الف.[2]

اور بزازیہ میں ہے:

يجب اكفار الخوارج فى اكفارهم جميع الامة سواهم.[3]

اور انہیں وہابیوں کے متعلق حضرت خاتم المحدثین علامہ سید شریف احمد زینی دحلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب «الدرر السنيه فى الرد على الوهابيه» میں خاص طور پر جو کہ انہیں گمراہوں کے رد میں ہے فرمایا:

هولاء الملحدة المكفرة للمسلمين۔[4] یعنی یہ ملحد کافر بے دین لوگ مسلمانوں کو کافر کہنے والے ہیں۔

---

(۱) شفا شریف، ج:۲، ص:۳۰٤، مرکز اهل سنت، برکات رضا، پور بندر، گجرات.

(۲) علامه ابن عابدین شامی، رد المحتار جلد ٤ ص:۲٦۳ مطبوعه دار الفكر بيروت.

(۳) امام ابن البزار عردری، فتاوی بزازیه بر فتاوی عالمگیری ج:٦ . ص:۳۱۸

(٤) الدرر السنية فى الرد على الوهابية، ص:۳۸ مطبوعه استانبول ترکیه

ایسے عقیدہ خبیثہ کفریہ ملعونہ رکھنے والے یقیناً مذہب اہل سنت و جماعت سے خارج اور کافر و مشرک ہیں۔
لہٰذا سنی مسلمان صحیح العقیدہ کا نکاح کافر و مشرک مرتد چاہے قادیانی، وہابی، رافضی، نجدی نام نہاد مقلد یا غیر مقلد کے ساتھ قطعاً باطل و حرام ہے۔ اگر کوئی نکاح کرے یا کرائے تو مرتکب حرام زنا کا دلال لائق غضب ذوالجلال واجب التفریق فی الحال ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم.

کیا گستاخِ رسول سے نکاح جائز ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

ہندہ کے والد کے انتقال کے بعد اس کی والدہ نے نابالغی میں ہندہ کا عقد ایک دیوبندی خاندان کے لڑکے سے کر دیا۔ مگر ان لوگوں نے عقد کے بعد سے ہندہ یا ہندہ کے وارثوں سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ یعنی رواج کے لحاظ سے کبھی یہ نہ سمجھا کہ کوئی رشتہ اس گھر کے لوگوں سے بھی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد لڑکے نے بمبئی سے بذریعہ خط طلاق دے دیا۔ اس خط کو لے کر ہندہ کی طرف سے بعض لوگ لڑکے کے والدین وغیرہ کے پاس گئے۔ اتفاق سے لڑکا بھی آگیا تھا۔ اس نے انکار کر دیا کہ خط میرا نہیں ہے، نہ میں نے طلاق دیا ہے۔ ہندہ بالغ ہو چکی ہے۔ اس کی رخصتی لڑکے کے والدین چاہتے ہیں مگر ہندہ کسی طرح رخصتی پر راضی نہیں ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اس نے ضرور طلاق دے دیا اور وہ خط جو تھا پھاڑ کر پھینک دیا گیا اسی کا تھا، اس کا انکار کرنا غلط ہے۔ وہ جھوٹ بولتا ہے، اس کے مذہب میں جھوٹ بولنا جائز ہے بلکہ ان لوگوں کو اپنا پیشوا مانتے ہیں جن کا خدا جھوٹ بولتا ہے اور حلال کو حرام اور حرام کو حلال جانتے ہیں۔ میں اپنی جان ضائع کر دوں گی مگر دیوبندی خاندان کے لڑکے کے قابو میں اپنے کو نہیں دوں گی۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ مذکورہ بالا واقعات سے طلاق ہوگئی یا بوجہ مذہبی خرابی ہندہ اپنے کو روک کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟ بینوا و توجروا.

مورخہ ۱۱/ رجب ۱۳۶۵ھ

الجواب

دیوبندی اپنے عقائدِ خبیثہ کفریہ کی بنا پر اسلام سے خارج ہیں۔ علمائے دیوبند، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ نے نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان پاک میں سخت سخت گستاخیاں کی ہیں، اس لیے علمائے عرب و عجم نے ان پر کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا ہے، جس کی تفصیل حسام الحرمین شریف میں مذکور ہے۔ لہٰذا لڑکا مذکور فی السوال اگر دیوبندی ہے اور علمائے دیوبند کو اپنا پیشوا مانتا ہے تو اس کے ساتھ ہندہ کا نکاح ناجائز اور باطل ہے۔ ہندہ آزاد و مختار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

عبدالعزیز عفی عنہ
صدر المدرسین، دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم
مبارک پور، اعظم گڑھ

کتاب الرضاع

وَ اُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ وَ اَخَوٰتُکُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ.

(النساء: ٤ : ٢٤)

اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا،

اور دودھ کی بہنیں (تم پر حرام ہیں)۔

يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب.

(نصب الراية)

رضاعت سے وہ عورتیں حرام ہوجاتی ہیں

جو نسب سے حرام ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ثبوتِ رضاعت اور رضاعی چچا کا بھتیجی سے نکاح کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

"عابد" بی بی فہیمہ کے شوہر کے بھائی کا لڑکا ہے۔ عابد کی والدہ کے مرنے کے بعد تقریباً آٹھ یا نوماہ کی عمر سے بی بی موصوفہ نے اس بچہ کی پرورش شروع کی۔ عابد کی پیدائش ۱۳۴۷ھ بمطابق ۱۹۲۸ء میں ہوئی تھی۔ ۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے کہ اس بستی کی بہت سی عورتیں بستی چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں ایک ہی آنگن میں چھ ماہ تک رہیں۔ اسی دوران بہت سی عورتوں نے بی بی فہیمہ کو عابد کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھا جن کا تذکرہ مندرجہ ذیل ہے۔ بی بی فہیماً کہتی ہے کہ ہم نے عابد کو کبھی دودھ نہیں پلایا۔ اب تھن سے لگانے کا بھی انکار ہے۔ بی بی موصوفہ اپنی پوتی سے عابد مذکور کا نکاح کرنا چاہتی ہیں، آیا شرعاً یہ نکاح جائز ہے یا نہیں اور اس تقریب میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۱) بی بی نعیمہ گواہ کہتی ہیں کہ ہم نے دودھ پلاتے ہوئے اس وقت دیکھا جب کہ عابد کی عمر تقریباً سات ماہ کی تھی۔ اس کے کئی سال کے بعد ہماری بچی کو چند عورتوں نے جہاں ہم لوگ ایک ہی آنگن میں تھے، بی بی فہیما کی گود میں مذاقاً ڈال دیا، انھوں نے بچی کو تھن سے لگایا۔ جب میں ان کے قریب پہنچی تو بچی کو دودھ پیتے ہوئے پایا۔ دریافت کیا کہ آپ نے بچی کو کیوں دودھ پلایا؟ انھوں نے کہا کہ دودھ ہم کو نہیں ہوتا ہے، لیکن بچی کے لب میں ہم نے دودھ لگا ہوا پایا۔

(۲) بی بی آسمہ گواہ کہتی ہیں کہ جب بچی کو رات میں دودھ پلایا تب صبح کو ان کے انکار پر ہم لوگوں نے دودھ جانچا، جس پر دونوں تھن سے دودھ نکلا اور عابد کو اکثر دودھ پیتے ہوئے دیکھا، عابد کی عمر مجھے خبر نہیں۔

(۳) بی بی نسیمہ گواہ کہتی ہیں کہ ہماری بہن کی نیند آزمانے کے لیے بی بی فہیما کی گود میں ان کی بچی کو دے دیا گیا، جب میری بہن جگیں تو اپنی بچی کی تلاش میں ان کے قریب جا کر دیکھا کہ دودھ پلا رہی ہیں۔ دریافت کرنے پر انھوں نے دودھ سے انکار کیا۔ صبح کو ہم لوگوں نے ان کے تھن سے دودھ گار کر دیکھا دودھ نکلا، اور عابد کو اکثر ہم نے دودھ پیتے ہوئے دیکھا۔

(۴) بی بی معصومہ گواہ کہتی ہیں کہ ہم نے عابد کو فہیمہ کے تھن سے اکثر لگا ہوا دیکھا۔ دریافت کرنے پر انھوں

نے کہاکہ دودھ نہیں ہوتا ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کو دودھ ہوتا تھا، شاید انھوں نے کوئی دوا استعمال کر کے دودھ پیدا کیا۔ اس کی عمر تقریباً دو سال کی تھی۔

⑤ بی بی شفیقہ گواہ کہتی ہیں کہ ہم نے اکثر دودھ پلاتے دیکھا، لیکن دودھ نہیں دیکھا، اس وقت اس کی عمر تقریباً چار سال کی ہوگی۔

⑥ کنیز فاطمہ گواہ کہتی ہیں کہ ہم نے دودھ پلاتے ہوئے ایک مرتبہ اس طرح دیکھا کہ بی بی فہیمہ چت لیٹی ہوئی تھیں اور عابد تھن سے لگا ہوا تھا۔ عابد کے لب پر تری تھی۔ نہیں کہہ سکتی ہوں کہ دودھ کی تری تھی یا رال کی، عابد کی عمر تقریباً تین سال کی ہوگی۔

⑦ حافظ سید شہاب اشرف گواہ، سید بشیر اشرف و حکیم سید مجیب اشرف و سید جلیل اشرف صاحبان کے سامنے انھوں نے اقرار کیا کہ ہم نے عابد کو دودھ پیتے ہوئے بچپن میں دیکھا۔ لیکن ایک عام مجلس میں جب ان سے دریافت کیا گیا تو وہ بالکل خاموش ہوگئے۔ اس پر حکیم مجیب اشرف نے شہاب اشرف کی گواہی کا اقرار کیا اور سید بشیر اشرف نے کہاکہ مجھے خیال نہیں۔ سید سلام اشرف نے ان کی گواہی کا اقرار کیا، لیکن سید مرتضیٰ اشرف نے کہاکہ مجھے خیال نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب.

ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے بشرطے کہ سب عادل ہوں، رضاعت کا شرعی ثبوت ہوجاتا ہے اور فقط عورتوں کی شہادت سے بھی احتیاطاً ثبوت رضاعت مان کر نکاح روک دیا جائے گا (جوہرہ)۔ صورت مسئولہ میں اگر حسب شرائط مرد سید شہاب اشرف اور چند عورتوں کی شہادت موجود تو رضاعت کا ثبوت یقینی ہے۔ لہٰذا عابد کا نکاح بی بی فہیما کی پوتی سے درست نہیں کہ عابد اس صورت میں بی بی فہیما کی پوتی کا رضاعی چچا ہے اور چچا بھتیجی میں نکاح حرام ہے۔

قال تعالیٰ: وَبَنَاتُ الْاَخِ.[1]

وقال عليه الصلاة والسلام: "إن الله حرم من الرضاع ما حرم من النسب."[2]

اور ناجائز مجلسِ عقد میں برادری کی شرکت بھی حرام وباعث گناہ ہے۔

(۱) قرآن حکیم، سورۃ النسآء، آیت: ۲۳، پ: ٤.

(۲) جامع الترمذی، للإمام ابی عیسیٰ بن سَوْرَہ الترمذی، کتاب الرضاعۃ، ص: ۱۳٦، مطبوعہ مجلس البرکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکفور

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. (۱)

واللہ تعالیٰ أعلم و علمہ جل مجدہ أتم و أحکم

کتبہ: فقیر مجددی عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

خادم الطلبہ دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور

الجواب صحیح - عبدالعزیز عفی عنہ

دودھ کے رشتے کا حکم

از: محمد عظیم عزیزی، بلرامپور، ضلع گونڈہ۔ ۲۸ر فروری ۱۹۷۴ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ عظام مسئلہ ذیل میں کہ:

دو بھائی حقیقی ہیں، دو بہن حقیقی، دونوں عورتیں دونوں بھائی کے نکاح میں ہیں۔ ایک عورت کی گود میں لڑکا ہے اور دوسری عورت کی گود میں لڑکی۔ عورت جس کی گود میں لڑکا ہے وہ گھر میں گئی اور بھول کر بجائے لڑکا کے لڑکی کو اٹھالائی۔ دونوں بچے ایک جگہ پر سوئے تھے جب دودھ پلاچکی اور غور کرکے دیکھا تو بجائے لڑکا کے لڑکی ہے۔

اس مسئلہ میں کیا حکم ہے شریعت کا کہ وہ لڑکی اپنے دوسرے لڑکا کے ساتھ نکاح میں آسکتی ہے اور جس نے دودھ پلایا ہے اس کے تین لڑکے ہیں لہٰذا وہ کسی لڑکا کے ساتھ نکاح میں آسکتی ہے۔

الجواب

یہ لڑکی جس کو اس عورت نے دودھ پلادیا تو یہ اس کی لڑکی اور وہ عورت اس لڑکی کی رضاعی ماں ہوگئی، اس لیے اس عورت کے کسی لڑکے سے بھی اس لڑکی کا نکاح نہیں ہوسکتا، کیوں کہ وہ لڑکا اس لڑکی کا رضاعی بھائی ہوگیا اور رضاعی بھائی کا نکاح رضاعی بہن سے حرام ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا:

وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ. (۲) اور رضاعی بہن حرام ہیں۔

لہٰذا اس عورت کے تینوں لڑکوں میں کسی کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ الانعام، آیت:۶۸، پ:۷

(۲) قرآن حکیم، سورۃ النسآء، آیت:۲۳، پ:۴.

سوتی ہوئی عورت کا دودھ بچے نے پی لیا تو؟

از: عبد العزیز، معرفت مولوی کاظم علی، خطیب جامع مسجد اترولہ، گونڈہ۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

ہندہ سورہی تھی اور اس کے ساتھ ایک دوسری عورت بھی اپنے شیر خوار بچہ کے ساتھ سورہی تھی۔ سوتے وقت شیر خوار بچے نے ہندہ کو ماں سمجھ کر بجائے اپنی ماں کے اس کا دودھ پینا شروع کیا۔ اچانک ہندہ کی آنکھ کھلی اور اس نے بچہ کو اپنا دودھ پیتے ہوئے دیکھ کر بچہ کی ماں کو بیدار کر کے بچہ کو اپنی چھاتی سے الگ کیا اور بچہ کو ماں کی گود میں دے دیا۔ کیا حکم رضاعت کا ثبوت ہوا یا نہیں؟

الجواب

صورتِ مسئولہ میں حرمتِ رضاعت ثابت ہوگئی۔

ہدایہ میں ہے کہ:

"قليل الرضاع و كثيره سواء إذا حصل في مدة الرضاع يتعلق به التحريم."[1]

واللہ تعالیٰ اعلم.

رضاعی بھائی سے نکاح کا حکم؟

از: عبد الستار خاں اشرفی، ناگ پور

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

زید و عمرو حقیقی بھائی ہیں اور ان کی بیویاں بھی حقیقی بہنیں ہیں۔ زید کے تین لڑکے ہیں الف۔ ب۔ ج۔ اور عمرو کی صرف ایک لڑکی ہے۔ عمرو کی مذکورہ لڑکی نے زید کی بیوی کا "ب"، کی پیدائش کے بعد ایام رضاعت میں دودھ پیا ہے۔ اب زید اپنے پہلے لڑکے "الف"، سے عمرو کی لڑکی بیاہنا چاہتا ہے۔ کیا یہ از روے احکام خدا و رسول جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

عمرو کی لڑکی نے جب کہ زید کی بیوی کا دودھ مدت رضاعت کے اندر پیا ہے۔ تو زید کی بیوی عمرو کی لڑکی کی

(۱) هدايه لشيخ الإسلام بُرهان الدّين ابى الحسن على بن ابى بكر الفرغانى المرغينانى رحمة الله عليه، ج:۲، ص:۳۳۰، كتاب الرضاع، مجلس البركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور

رضائی ماں ہوئی۔ اور اس کے تینوں لڑکے الف۔ب۔ج۔ اس لڑکی کے رضاعی بھائی ہوگئے۔ تینوں اس پر حرام ہیں، کسی ایک کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں۔

قال الله تعالیٰ:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ.[1] تم پر تمھاری رضاعی مائیں اور رضاعی بہنیں حرام ہیں۔

والله تعالی أعلم۔ عبدالعزیز عفی عنہ

رِضاعت کی مدت کتنی ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید کی عمر تین سال کی تھی، اس وقت اس نے ہندہ کے سینے میں منہ لگا کر دودھ پیا، ہندہ اس وقت عالم غنودگی میں تھی، زید کے دودھ پینے کے بعد ہوشیار ہوگئی اور زید سے دودھ تھوک دینے کو کہا، چناں چہ زید نے دودھ تھوک دیا۔اب ہندہ کی چھوٹی لڑکی سے زید کا رشتہ ہو رہا ہے، اب یہ رشتہ ہو گا یا نہیں؟ شرعی جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

بینوا توجروا۔ ۳/اپریل ۱۹۵۱ء

الجواب

مدت رضاعت کے اندر دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔اور مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد پینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ مدت رضاعت حضرت امام اعظم کے نزدیک ڈھائی سال ہے اور صاحبین کے نزدیک دو سال ہے۔

ہدایہ میں ہے:

وإذا مضت مدة الرضاع لم يتعلق بالرضاع تحريم لقوله صلى الله عليه وسلم لارضاع بعد الفصال.[2]

لہٰذا زید کا نکاح ہندہ کی لڑکی سے درست ہے۔ والله تعالى أعلم.

عبدالعزیز عفی عنہ

---

(۱) قرآن حکیم، سورة النساء ،آیت:۲۳، پ:٤

(۲) هدایه ،ج:۲، ص: ۳۳۰ ،کتاب الرضاع، مطبوعه مجلس البرکات مبارکفور.

رضاعی بہن سے نکاح کرنا کیسا ہے؟

از: منصور عالم مدرسہ عین العلوم، گیوال بیگہ، گیا، بہار

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ:
مسماۃ نعیمہ کا لڑکا الیاس جب شیر خوار تھا اس وقت ایک دوسرا لڑکا اسرائیل نے نعیمہ کا دودھ پیا تو الیاس اور اسرائیل یہ دونوں رضاعی بھائی ہوئے۔ اب الیاس کی بہن فہیمہ جو الیاس کے بعد پیدا ہوئی، اس سے اور اسرائیل سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مع حوالہ جواب تحریر کریں۔ بینو توجروا۔

الجواب

اسرائیل نے اگر اپنی دو سال کی عمر کے اندر نعیمہ کا دودھ پیا ہے تو اسرائیل نعیمہ کا رضاعی بیٹا ہوا اور نعیمہ کی لڑکی فہیمہ اسرائیل کی رضاعی بہن ہوئی۔ رضاعی ماں اور بہن دونوں حرام ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ.[1] — اور تمھاری مائیں جنھوں نے دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں۔ (کنزالایمان)

لہٰذا فہیمہ کا نکاح اسرائیل سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ واللہ تعالی اعلم۔ عبدالعزیز عفی عنہ

رضاعی ماں کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:
زید کا انتقال ہو گیا۔ زید کی بیوی ہندہ حاملہ تھی، بعد مدت حمل کے لڑکا پیدا ہوا۔ ہندہ نے اپنی بھتیجی کو دودھ پلایا، جو زید کی وطی سے تھا۔ کچھ زمانہ کے بعد ہندہ نے عمرو سے نکاح کیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عمرو پر یہ لڑکی جس کو ہندہ نے دودھ پلایا ہے کیا حکم رکھتی ہے۔ آیا بہ شہوت بدن پر ہاتھ پڑنے یا زنا واقع ہونے سے عمرو پر ہندہ حرام ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

شہوت کے ساتھ عورت کو ہاتھ لگانا یا زنا کرنا دونوں کا حنفیہ کے نزدیک ایک ہی حکم ہے۔[2]

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ النسآء، آیت: ۲۳، پ: ٤

(۲) "دونوں کا ایک حکم" اس بات میں ہے کہ دونوں کی وجہ سے عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائیں گی، ورنہ چھونے اور زنا کے احکام میں بڑا فرق ہے، زنا پر حد واجب ہوتی ہے، چھونے پر نہیں۔ ۱۲ مرتب غفرلہ

كذا قال في التفسير الأحمدي : واللمس و نحوه يقوم مقام الدخول عندنا.[1]

لہٰذا اگر وہ لڑکی ۹؍ سال یا زیادہ عمر کی ہے تو اس کو بشہوت چھونا اور زنا کرنا ایک ہی حکم رکھتا ہے۔ یعنی دونوں صورتوں میں ہندہ عمرو پر بالکل حرام ہوگئی۔

ہدایہ میں ہے:

ومن زنا بامرأة حرمت عليه أمها و بنتها و من مسته امراءة بشهوة حرمت عليه أمها و بنتها.[2]

یعنی مرد نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس عورت کی ماں اور بیٹی اس مرد پر حرام ہوگئیں۔ یوں ہی مرد کو کسی عورت نے شہوت کے ساتھ چھو لیا تو اس عورت کی ماں بیٹی اس مرد پر حرام ہوگئیں۔

صورتِ مسئولہ میں اگرچہ ہندہ اس لڑکی کی رضاعی ماں ہے مگر حرمت میں رضاعی ماں اور نسبی ماں دونوں ایک ہی حکم رکھتی ہیں۔

نبیِ کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا ارشاد ہے:

إن الله حرم من الرضاعة ما حرم من النسب.[3]

یعنی جو نسب سے حرام ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہے۔

لہٰذا جس طرح سے اس لڑکی کی نسبی ماں عمرو پر حرام ہوئی، اسی طرح ہندہ رضاعی ماں بھی حرام ہوگئی۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

کیا رضاعت کے ثبوت کے لیے پستان منہ میں لینا کافی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

زید کی نانی نے زید کے منہ میں اپنا پستان لگا دیا اس وجہ سے کہ زید رو رہا تھا تاکہ چپ ہو جائے۔ زید کی نانی کا دودھ خشک ہو چکا تھا۔ دودھ بالکل نہ تھا اور زید کی نانی کا لڑکا سات برس کا ہو چکا تھا۔ زید کا نکاح اس کی خالہ کی لڑکی ہندہ سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس میں رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا.

---

(۱) تفسیرات احمدیه للعلامة الشيخ احمد ملا جيون جونفوری، نساء، ص:۱۷۲

(۲) هدایه اولین، ص:۲۸۹، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات، مطبوعه، مجلس البرکات، مبارکفور

(۳) مشکوٰة المصابیح، ص:۲۷۳، باب المحرمات، مطبوعه مجلس البرکات، مبارکفور.

الجواب

اس صورت میں کہ نانی کا دودھ خشک ہو چکا تھا صرف بہلانے کے لیے زید کے منہ میں پستان ڈال دیا تھا اور دودھ کچھ نہیں اترا تو رضاعت ثابت نہ ہوگی اور جب رضاعت ثابت نہ ہوگی تو خالہ کی لڑکی سے زید کا نکاح ہو سکتا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

رضاعی بہن کی بیٹی سے نکاح کا حکم

از: سید محمد قاسم جیلانی، سریا پہاڑی، اعظم گڑھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلۂ ہذا میں کہ:

ہندہ کی دو لڑکیاں شاکرہ و ساجدہ ہیں۔ شاکرہ کا لڑکا بکر اور ساجدہ کی لڑکی زاہدہ۔ بکر نے ہندہ کا دودھ پیا تو اب بکر کی شادی زاہدہ سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب

بکر نے اگر مدت رضاعت کے کسی حصہ میں اپنی نانی ہندہ کا دودھ پیا ہو تو اس کی شادی زاہدہ سے (جو ہندہ کی نواسی ہے) نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ یہ اس کی رضاعی بہن کی نسبی بیٹی ہے۔

عالم گیری میں ہے:

”قليل الرضاع وكثيره إذا حصل في مدة الرضاع تعلق به التحريم(إلى قوله) ووقت الرضاع فی قول أبي حنيفة مقدر بثلثين شهرا.“ (۱)

نیز اسی میں ہے:

”يحرم على الرضيع ابواه من الرضاع وأصولها و فروعها من النسب والرضاع.“ (۲)

واللہ تعالیٰ اعلم.

غلام جیلانی اعظمی غفرلہ

مدرس دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور

---

(۱) عالمگیری، ج:۱، ص:۳۴۲، کتاب الرضاع، پاکستان

(۲) عالمگیری، ج:۱، ص:۳۴۳، کتاب الرضاع، پاکستان

کتاب الطلاق

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ
فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ

طلاق (رجعی) دوبار ہے، پھر یا تو روک لینا چاہیے بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دینا ہے احسان کے ساتھ... پھر اگر اسے تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں، یہاں تک کہ اور خاوند کے ساتھ نکاح کرلے۔

اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ الطَّلَاقُ.

(الحدیث)

حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک

سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا نابالغہ بالغہ ہونے کے بعد نکاح فسخ کرسکتی ہے؟

از: محمد ظہور، ساکن موضع بلریا، ضلع اعظم گڑھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ہندہ نابالغہ کا عقد اس کے بھائی نے کردیا اور ہندہ کا باپ رضامند نہیں تھا۔ نکاح کے بعد ہندہ حالتِ نابالغی میں اپنی سسرال گئی اور پھر میکہ واپس آکر بالغہ ہونے کے ایک سال بعد اس نکاح سے اس نے انکار کردیا کہ میں اس سے راضی نہیں اور میرا نکاح اس سے جائز نہیں۔ چناں چہ اس نے اپنی ماں اور بھائی کی رضامندی سے دوسرا عقد کرلیا۔ اب دوسری شادی سے ہندہ کے بچے بھی ہیں۔ عدالت موجودہ میں شوہر اول نے مقدمہ دائر کیا اور اس میں ہزیمت بھی ہوئی۔ فیصلہ کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد شوہر اول کا انتقال ہوگیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کا نکاحِ ثانیہ اس کے لیے درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا.

الجواب

اگر پہلے نکاح کی اطلاع پاکر ہندہ کے باپ نے اس نکاح کو رد کردیا تھا تو رد ہوگیا۔ اس صورت میں یہ دوسرا نکاح صحیح و درست ہے۔ اور اگر رد نہیں کیا تھا جیسا کہ ہندہ کے سسرال جانے (پھر بالغہ ہونے کے) ایک سال بعد انکار اور اظہارِ ناراضگی کرنے سے معلوم ہوتا ہے تو اس صورت میں یہ دوسرا نکاح درست نہیں[1]۔ بیانِ سائل سے معلوم ہوا کہ شوہر

---

(۱) کیوں کہ قرائن سے ظاہر یہ ہے کہ نابالغہ کو اس کے باپ نے یا اس کی مرضی یا اجازت سے اس کے لڑکے نے رخصت کیا اور یہ باپ کی طرف سے نکاح کی اجازت ہے۔ علاوہ ازیں نابالغہ کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار بالغہ ہونے کے فوراً بعد ملتا ہے اور یہاں اس نے بالغہ ہونے کے ایک سال بعد نکاح سے انکار و اظہارِ ناراضگی کیا ہے، چناں چہ بہارِ شریعت میں درِ مختار اور رد المحتار کے حوالے سے ہے۔
(ج:۷، ص:۴۶)

ولی اقرب غائب ہے، اس وقت دور والے نکاح کردیا تو صحیح ہے اور اگر اس کی موجودگی میں نکاح کیا تو اس کی اجازت پر موقوف ہے، محض اس کا سکوت کافی نہیں، بلکہ صراحۃً یا دلالۃً اجازت کی ضرورت ہے، یہاں تک کہ اگر ولی اقرب مجلس میں موجود ہو تو یہ بھی اجازت نہیں۔ [مکتبۃ المدینہ]

دوسری جگہ بزازیہ کے حوالے سے ہے:

1/27

اول کے انتقال کو سات مہینے گزر گئے، لہٰذا عدت ختم ہوگئی۔ اب ہندہ کا نکاح کر دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.
کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

گواہوں کے سامنے ایک، دو یا تین طلاق دینے کا حکم

از: علاء الدین، موضع راوت پار، ضلع گورکھپور۔ ۲ رربیع الآخر ۱۳۶۸ھ مطابق یکم فروری ۱۹۴۹ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسائلِ ذیل میں:
اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تم کو دو گواہوں کے سامنے طلاق دی تو ایسی صورت میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ اور اگر اس نے دو بار یا تین بار کہا تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا.

الجواب

اگر کسی شخص نے اپنی ایسی زوجہ سے جس سے خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہے، کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دیا اور یہ کلمہ صرف ایک مرتبہ کہا تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، اور دو مرتبہ کہا تو دو طلاق رجعی۔ طلاقِ رجعی کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر اندر بغیر جدید نکاح کیے اس کو زوجیت میں واپس لے سکتا ہے۔ اور اگر تین مرتبہ کہا تو اب طلاق مغلظہ ہوگئی، اب بغیر حلالہ کیے اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ وقال تعالیٰ:

" اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (الی قوله تعالیٰ) فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ."[1]

اور اگر وہ عورت ایسی ہے جس کے ساتھ اس کے شوہر نے خلوتِ صحیحہ نہیں کی ہے اور دو یا تین بار جدا جدا مذکورہ بالا کلمات طلاق کہے تو صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگی باقی طلاق لغو ہو جائے گی۔ اس صورت میں اگر عورت راضی ہو تو شوہر اس سے نکاح کر سکتا ہے بغیر نکاح جدید اس کی زوجیت میں نہیں آسکتی۔ ہدایہ میں غیر مدخولہ عورت کے بارے میں ہے:

"فان فرق الطلاق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانية والثالثة."[2] واللہ تعالیٰ اعلم.

عورت جس وقت بالغہ ہوئی اسی وقت کسی کو گواہ بنائے کہ میں ابھی بالغ ہوئی اور اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں اور رات میں اگر اس کو حیض آیا تو اسی وقت اپنے نفس کو اختیار کرے اور صبح کو گواہوں کے سامنے بالغ ہونا اور اختیار کرنا بیان کرے مگر یہ نہ کہے کہ میں رات میں بالغ ہوئی، بلکہ یہ کہ میں اس وقت بالغ ہوئی اور اپنے نفس کو اختیار کیا اور اس لفظ سے مراد لے کہ میں اس وقت بالغ ہوں، تاکہ جھوٹ نہ ہو۔ [ص:۵۲، ج:۷] "(از مرتب)

(۱) قرآن حکیم البقرة، آیت: ۲۲۹-۲۳۰

(۲) برهان الدین علی حسن علی فرغانی، هدایه ،ج: ۲، ص: ۳۵۱، کتاب الطلاق، مجلس برکات، مبارک فور

تین طلاق بذریعہ خط واقع ہوں گی یا نہیں؟

از: محلہ کریم الدین پور، گھوسی، مورخہ ۲۱ر محرم الحرام ۱۳۵۶ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:
طیب نے اپنی بیوی سکینہ کو طلاق دی۔ طلاق نامہ نشانی انگوٹھا اور تین گواہوں کے دستخط کے ساتھ سکینہ کو ملا۔
اس تحریر کی نقل حسب ذیل ہے:

نقل طلاق نامہ بلفظہ

تاریخ دوسری ماہ ذیقعدہ بروز شنبہ ۱۳۵۹ھ میں اپنی خوشی سے بلا جبر و تشدد کسی کے امان اللہ کی لڑکی بی بی سکینہ کو تین طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مذکورہ بالا میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟
راقم مرزا عبد الرحمن --- گواہ محمد عیسیٰ بقلم خود، گواہ ہدایت اللہ بقلم خود، گواہ محمد یوسف بقلم خود

الجواب

صورتِ مسئولہ میں اگر طیب عاقل و بالغ ہے تو بلا شبہہ واقع ہوئی کیوں کہ ہر عاقل و بالغ کی طلاق واقع ہوتی ہے۔
چناں چہ ہدایہ میں ہے:
”ویقع طلاق کل زوج اذا کان عاقلا و بالغا۔“ (۱)
اور جب تحریر اس کی شاہد موجود ہے تو نافذ بھی ہوگئی اور سکینہ اس کے نکاح سے نکل گئی، کیوں کہ تین مرتبہ طلاق دی اس لیے یہ طلاق مغلظہ واقع ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

عبد العزیز عفی عنہ

نکاح فسخ کرانے کے طریقے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:
شوہروں کے گم ہو جانے یا نامرد و مجنون ہو جانے، یا ظالمانہ برتاؤ اور سنگ دلی کی وجہ سے عورتوں اور ان کے پورے گھرانے کے لیے سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔ کوئی نہ ٹھکانے سے رکھتا ہے، اور نہ طلاق دیتا ہے، نہ خرچ دیتا ہے، ان مشکلات کا حل موجودہ زمانے میں علمانے دو صورتوں سے نکالا ہے۔
ایک تو یہ کہ مسلمان حاکم سے فسخ کرالیا جائے اس کے لیے بعض علما انہیں قیود و شرائط کا لحاظ کرتے ہیں جو قاضی شرع

(۱) برهان الدين على حسن على فرغانی، هدايه، ج:۲، ص:۳۳۸، مجلس برکات، مبارك فور

کے نزدیک معتبر ہوں، بعض علما صرف مسلم حاکم ہونا کافی جانتے ہیں، جو فسخ کرنے میں قوانین شرعیہ کا لحاظ نہیں کرتے۔
اور بعض علمائے اہل حدیث نے تو اتنی وسعت دی ہے کہ وہ مسلم اور غیر مسلم کی کوئی قید ہی نہیں لگاتے، ہر حاکم کے فسخ کو معتبر جانتے ہیں۔

ان صورتوں میں بعض جگہ یہ صورت اختیار کی گئی ہے کہ حکام عدالت کے فسخ کرنے کے بعد یہ لوگ اپنے طور پر پنچایتی نظام کے ذریعہ سے جس میں دیندار لوگ اور بعض علما بھی شریک ہوتے ہیں۔ یہ لوگ فسخ کو نافذ کرتے ہیں۔

لہٰذا سوال ① یہ ہے کہ فسخِ حکام کے بعد پنچایتی نظام مذکور میں از سر نو پوری کاروائی کرنی پڑے گی، یا صرف فسخ کو نافذ کر دینا کافی ہوگا۔؟

② بعض عورتیں شوہروں کے مفقود الخبر ہونے کے تین چار سال کے بعد ہی حکام سے فسخ کرا لیتی ہیں اور بعض دوسری صورت میں شوہر کے عدم حاضری کی وجہ سے بھی عورت کو ڈگری مل جاتی ہے کیا ان صورتوں میں فسخ حکام جائز ہوگا یا نہیں۔؟

③ مسلم یا غیر مسلم حاکم کے فسخ کرنے کے بعد شرعی پنچایت جس میں علما بھی شریک ہیں اگر ان میں اختلاف رائے ہو جائے تو اکثریت کا فسخ نافذ ہوگا یا نہیں۔؟

④ اگر فسخِ حکام کے بعد شرعی پنچایت کا انعقاد ہوا اور اس کے بلانے پر اہل معاملہ اور ان کے گواہان جن کے بیان پر تحقیقِ معاملہ موقوف ہے نہ آئیں تو اس مجبوری کی صورت میں پوری کاروائی شرعی قاعدے سے کیوں کر انجام دی جائے؟

الجواب

ان سوالوں کا مقصد یہ ہے کہ شوہروں کے مظالم سے بچنے کے لیے کوئی ایسا شرعی طریقہ ہونا چاہیے کہ جس پر عمل کر کے عورتیں اپنی حفاظت کر سکیں اور ان ظالم شوہروں سے طلاق حاصل کرنے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں وہ ختم ہو جائیں اور آسانی سے طلاق حاصل ہو جائے، اس کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ شوہروں کو ایسے شرائط سے پابند کر دیا جائے جن سے ان مظالم کا سدّباب ہو جائے، یا عورتیں بلا کسی دشواری کے نجات حاصل کر سکیں۔ یہ شرائط اس قسم کی ہونی چاہئیں جو ان خطرات کو کما حقہ ختم کرتی ہوں مثلاً یہ شرط ہو کہ اگر شوہر نے اتنے دنوں تک نان ونفقہ نہیں دیا تو طلاق، یا اتنے دنوں تک غائب رہا اور خبر گیری نہیں کی تو طلاق، یا اس حد تک مارا تو طلاق یا اس قسم کے دیگر شرائط بیان کر دیے جائیں جس سے عورتیں محفوظ رہ سکیں۔ جب کبھی اس قسم کی باتیں پیش آئیں گی حسب شرائط طلاق پڑ جائے گی۔ اور شوہروں سے طلاق حاصل کرنے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں وہ نہیں آئیں گی۔

یہ شرائط تحریری ہوں تو بہتر ہے تاکہ انکار کا موقع نہ ملے اور گواہان کے نام بھی درج کر لیے جائیں اور شوہروں سے

دستخط لے لیے جائیں ۔ قاضی نامہ میں طلاق کے بائن یا مغلظہ ہونے کی تصریح کردی جائے، یوں ہی شرائط صاف اور صریح ہوں، مبہم یا محتمل الفاظ نہ ہوں جن کی طرح طرح کی تاویلیں کرکے ان ظالموں کو ظلم کرنے کا موقع ملے مثلاً یوں نہ لکھا جائے کہ یہ بات ہوئی تو تصور کیا جائے، یا سمجھا جائے بلکہ یوں لکھا جائے کہ یہ بات ہوئی تو طلاق ہوجائے گی یا پڑجائے گی، غرض کہ ہر طریقہ سے اطمینان کرلیا جائے۔

اس طریقہ مذکور پر عمل کرنے کے بعد کسی مزید کاروائی کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ واللہ تعالی اعلم

طلاق بذریعہ ڈاک

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے اپنی بیوی کو طلاق لکھ کر اپنے تین عزیزوں کے نام ڈاک سے روانہ کردیا۔ زید کی بیوی کو اس کا علم ہوا تو زید کے پاس چلی آئی اور زید نے اسے رکھ لیا۔ کیا حکم ہے زوجین کے لیے بحوالۂ کتبِ شرع تحریر فرمائیں۔

الجواب

طلاق کی تین قسمیں ہیں رجعی، بائن، مغلظہ۔ ہر ایک کا حکم علاحدہ ہے۔ اگر زید نے طلاق رجعی دی تھی تو لوٹانے کا حق تھا ایسی صورت میں بیوی کو رکھ لینا درست ہے۔ اور اگر طلاق بائن دی تھی تو لوٹانے کا حق نہیں، بغیر دوبارہ نکاح کئے رکھنا جائز نہیں البتہ نکاح کرسکتا ہے، اور اگر طلاق مغلظہ دی تھی تو بغیر حلالہ نکاح بھی نہیں کرسکتا، و ھو تعالیٰ اعلم۔

تین طلاق کا حکم

از: محمد خلیل، موضع پاکبار، ڈاکخانہ چتیا، ضلع بستی

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو یہ الفاظ کہے کہ میں نے طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا، تین طلاق رجعی۔ ایسی صورت میں ہندہ پر کون سی طلاق واقع ہوئی؟ یہ تین طلاق رجعی ۱۷ر ستمبر ۱۹۵۳ء بروز جمعہ کو دیا ہے، اس کے بعد سے زید نے ہندہ سے کسی قسم کی خلوت نہیں کی۔ ہندہ بال بچے والی ہے۔ بینوا و توجروا۔ پتہ حسب ذیل پر روانہ فرمائیے۔

الجواب

زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو جب تین طلاقیں دیں تو یہ طلاق مغلظہ واقع ہوئی، ہندہ زید پر قطعاً حرام ہوگئی۔ دو طلاق صریح تک رجعت کا حق ہے اس کے بعد جب کہ تیسری طلاق دی تو نہ رجعت کا حق رہا نہ نکاح کا حق رہا۔

قرآن مجید کا حکم ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ [1]

اگر دو طلاق دینے کے بعد تیسری طلاق دی تو اس کے بعد وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں تاوقتیکہ حلالہ نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگر شوہر گھر آنا پسند نہ کرے تو عورت کیا کرے؟

از: محمد نظیر خاں چپراسی، تحصیل مہراج گنج، ضلع گورکھپور ۱۴ر ستمبر ۵۵ء

مکرمی جناب صدر صاحب دام اجلالکم۔ السلام علیکم۔ آں جناب کی خدمت میں حسب ذیل باتیں پیش کرتا ہوں کہ شرع و حدیث کے مطابق فتویٰ دیجئے اور اس کار خیر میں حصہ لے کر ثواب عظیم کے مستحق بنیں۔

مسئلہ ایک جوان عورت ہے، جس کا شوہر عرصہ ۶ر سال سے پردیس میں ہے، گھر نہیں آیا۔ ایک آدھ خط کا جواب دیا مگر اپنی بیوی سے متعلق کوئی بات چیت نہیں کرتا ہے اس معاملہ میں خاموش ہے۔ ایک مرتبہ اس کو لکھا گیا کہ تم آکر طلاق دے دو تو اس نے جواب دیا کہ لڑکی کو روک کر بیوی کو چھوڑ دو۔ جب پھر لکھا گیا کہ خود آکر طلاق دے دو، دوسرے کو حق نہیں ہے تو رجسٹری خط واپس آیا کہ اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہے، یہاں عورت کا یہ حال ہے وہ گھر میں ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں ٹھہر رہی ہے، وہ کہتی ہے کہ اگر آپ لوگ ہی میرا دوسرا انتظام نہیں کریں گے تو ہم خود دوسرا شوہر کر لیں گے، بلکہ ایک آدمی نے اس کے واسطے کرنے کی کوشش شروع کر دیا۔ وہ کہتی ہے کہ ہم ڈوب کر کنوئیں میں جان دے دیں گے یا تو لامذہب آدمی کو رکھ لیں گے، بہت سمجھانے پر تو اس نے دانا پانی کھانا شروع کر دیا ہے، دس دن کے لیے اس سے سفارش کیا گیا ہے تمھارا دوسرا انتظام جلد از جلد کر دیا جائے گا۔ اس لیے آپ سے دست بستہ عرض ہے فوراً جہاں تک جلد ممکن ہو اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب

جب کہ شوہر کو لکھا گیا کہ تم آکر اپنی بیوی کو طلاق دے دو اس کے جواب میں شوہر نے لکھا کہ لڑکی کو روک کر بیوی کو چھوڑ دو، اس جواب کا مطلب یہ تھا کہ شوہر نے جس کو یہ جواب دیا ہے اس کو طلاق میں اپنا وکیل بنا دیا ہے، وہ طلاق دیتا تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ یہ جہالت کہ اس کے جواب میں شوہر کو لکھا گیا ہے کہ فوراً آکر طلاق دے دو، دوسرے کو حق نہیں ہے، اگر یہ اسی شخص نے لکھا ہے جس کو شوہر نے طلاق دینے کو لکھا تھا اس کا حق ختم ہو گیا اب وہ

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۰۔

طلاق نہیں دے سکتا اور اگر کسی دوسرے شخص نے لکھا ہے اور اس شخص نے انکار نہیں کیا تو وہ طلاق دے سکتا ہے وہ شوہر کا وکیل ہے طلاق ہو جائے گی۔

بہر حال جب تک طلاق نہیں ہوگی پھر عدت ختم نہ ہوگی دوسرا نکاح جائز نہیں ۔ و ھو تعالیٰ اعلم.

کیا کورٹ کا فیصلہ طلاق جائز ہے؟

از: محمد جلیل احمد، معرفت قدرت انقلابی، مشرقی اقبال پور، مالیگاؤں، ناسک

محترمی و معظمی حضرت مولانا مفتی صاحب مد ظلہ العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسئلہ جناب والا سے گزارش کی جاتی ہے کہ مندرجہ ذیل واقعات کو پڑھ کر لکھے ہوئے کا شرعی جواب دیں، ہاجرہ کی شادی محمد یوسف کے ساتھ آج سے تقریباً بیس برس پہلے ہوئی۔ نکاح کے کچھ عرصہ بعد دونوں میاں بیوی میں ناچاقی پیدا ہوگئی سبب یہ کہ محمد یوسف ہاجرہ کو زد و کوب کرتا رہتا تھا اس وجہ سے ہاجرہ ناراض ہو کر اپنے والدین کے گھر چلی گئی، دو تین بار ایسا معاملہ ہوا لیکن پنچوں نے دونوں میں میل ملاپ کرا دیا۔ اس درمیان ہاجرہ کو محمد یوسف سے ایک بچہ بھی تولد ہوا جو کہ ابھی تک زندہ ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر دونوں میں جھگڑا ہوا تو اس مرتبہ سرکاری کورٹ میں مقدمہ چلا جس میں عدالت نے محمد یوسف کی غیر موجودگی میں (محمد یوسف عدالت کے فیصلہ کے دن ممبئی میں تھا) ہاجرہ کو عدالتی قانون کی رو سے طلاق دے دی لیکن محمد یوسف نے شرعی طور سے ہاجرہ کو طلاق نہیں دی۔ عدالت کے فیصلہ کے بعد سات سال ہاجرہ اپنے والدین کے پاس رہی، ان سات برسوں میں محمد یوسف نے کئی دفعہ ہاجرہ کو حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کے بعد ہاجرہ کے والدین نے اپنی ذمہ داری پر (ہاجرہ راضی نہیں تھی کیونکہ محمد یوسف نے شرع کے مطابق طلاق نہیں دی تھی) ہاجرہ کی دوسری شادی زید سے کر دی۔ زید کے پاس ہاجرہ پانچ برس رہی اور زید سے ہاجرہ کو دو بچیاں پیدا ہوئیں۔ جب ہاجرہ کی شادی زید سے ہوئی تو محمد یوسف نے کوشش کی کہ ایسا نہ ہونے پائے اور ہاجرہ دوبارہ اس کے پاس رہنے لگے۔ لیکن ہاجرہ کے والدین کی وجہ سے محمد یوسف ناکام رہا۔ زید کے گھر پانچ برس گزارنے کے بعد (حالاں کہ زید ہاجرہ کی کبھی نہیں نبھی) ہاجرہ زید سے لڑ جھگڑ کر بچوں کو لیکر علاحدہ رہنے لگی جس کو آج تقریباً پانچ برس ہو رہے ہیں۔ زید سے الگ ہونے کے بعد زید نے ہاجرہ کی کسی بھی قسم کی امداد نہیں کی۔ اور نہ ہی خرچ کے لیے کچھ دیا۔ حالاں کہ محمد یوسف ہاجرہ کے علاحدہ ہونے کے بعد سے آج تک امداد یا خرچہ دیتا رہتا ہے۔ ان واقعات کو سامنے رکھ کر آپ سے گزارش کی جاتی ہے کہ مندرجہ ذیل سوالات کا شرعی جواب دیں۔

سوالات: (۱) عدالتی فیصلہ کے بعد جب کہ محمد یوسف نے شرعی طلاق نہیں دی، کیا محمد یوسف اور ہاجرہ کے

درمیان طلاق ہوگئی؟

② زید اور ہاجرہ کا نکاح جائز ہوا یا ناجائز، اگر ناجائز ہوا تو زید سے ہاجرہ کو جو دو بچیاں پیدا ہوئیں ان دونوں کے متعلق شرعی طور سے کیا کیا جائے؟

③ اب ہاجرہ چاہتی ہے کہ وہ دوبارہ محمد یوسف کے ساتھ رہے تو کیا اسے دوبارہ نکاح محمد یوسف سے پڑھوانا ہوگا یا پہلا ہی نکاح درست ہے یا اب شرع کے مطابق کوئی راستہ بتائیں کہ ہاجرہ اور محمد یوسف دونوں ایک ہوجائیں۔ فقط والسلام

الجواب

کورٹ کا فیصلۂ طلاق جائز نہیں۔ مزید براں محمد یوسف کی غیر حاضری میں یہ "قضا علی الغائب" ہے اور یہ ناجائز ہے جب کہ محمد یوسف نے ہاجرہ کو طلاق نہیں دی تو ہاجرہ ابھی تک بدستور محمد یوسف کی بیوی ہے۔ زید سے تو ہاجرہ کا نکاح ہی نہیں ہوا۔ یہ جو کچھ بھی ہوا حرام ہوا۔ دونوں بچیاں بے قصور ہیں، خطا و قصور تو زید اور ہاجرہ کا ہے۔ یہی دونوں مجرم ہیں، ان دونوں پر ندامت کے ساتھ توبہ فرض ہے۔ محمد یوسف کو اختیار ہے ہاجرہ کو رکھ سکتا ہے مگر پہلے ہاجرہ سے توبہ کرائے اور حقوقِ زوجیت ادا کرے، پہلے کی طرح مارپیٹ سے باز آئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

طلاق کی جھوٹی خبر پر تصدیق کے بعد شرعی حکم

از: عبدالرؤف مسحروفی ۳/ ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ:

عبدالمعید نے بطور مذاق یہ خبر اڑائی عبداللطیف سے کہا کہ "حمید اللہ نے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا ہے" تو عبداللطیف نے جواب دیا کہ تمہارا کوئی اعتبار نہیں تو عبدالمعید نے کہا کہ حمید اللہ سے پوچھ لو! عبداللطیف نے حمید اللہ سے پوچھا تو حمید اللہ نے صرف سر کو ہلایا اور کوئی جواب نہیں دیا پھر عبداللطیف نے پوچھا تب حمید اللہ نے تو سر ہلایا اور "ہاں" کہا اور ہاں کہنا زوج حمید اللہ کی طرف سے پایا گیا اور لفظ "چھوڑنا" دوسری جانب سے پایا گیا اور حمید اللہ کی طرف سے "ہاں" اور یہ لفظ کنائی ہے اور کنائی میں نیت ضروری ہے اور حمید اللہ کی نیت طلاق کی نہ تھی۔ اتنا کہ کر حمید اللہ و عبدالمعید چلے گئے۔
اس کے بعد عبدالمعید دوبارہ لوٹ کر تنہا آیا، اس درمیان میں عبداللطیف اور محمد بشیر موجود تھے ایک ہی جگہ۔
پھر وہی بات عبدالمعید نے لوٹائی جو عبداللطیف سے کہا تھا محمد بشیر سے کہا اور یہ زیادہ کر کے اور کہا تین کا غذ لکھا گیا تو بشیر نے کہا تین کاغذ لکھنے کی کیا ضرورت تھی تمہارا کوئی اعتبار نہیں عبدالمعید قسم کھا کر کہنے لگا کہ لیس نے مجھ کو بلایا تھا جب میں گیا تو لڑکی کے والد موجود تھے تو میرے اور لڑکی کے والد کے سامنے لیس نے تین کاغذ لکھا اور لیس کو جذبہ آگیا اور حمید

اللہ سے کہاکہ ایک سوتیس روپیہ اپنی چچی سے مانگ لاؤ، حمید اللہ گیااور روپیہ لاکر لیس کو دیااور لیس نے لڑکی کے والد کو دیا اس نے لینے سے انکار کیااور کہا کل ہم مقبول کو لیکر آئیں گے تو روپیہ لے جائیں گے یہ بیان عبداللطیف کے گھر پر عبدالمعید نے آکر دیا تھا۔

بعد میں حمید اللہ آیا اس کے بعد فیض اللہ آیا اور بشیر پہلے سے موجود تھے، اس جگہ بشیر نے حمید اللہ سے پوچھا کہ تو نے چھوڑ دیا یہ لفظ صرف بشیر نے کہا تو حمید اللہ نے کہا کہ چھڑانے میں پڑ گیا بشیر اور فیض اللہ نے یہ لفظ سنا اور عبداللطیف نے سنا کہ چھڑانے پڑے تو بشیر نے حمید اللہ سے پوچھا ایک کہ تینوں تو حمید اللہ نے کہا ہاں صرف ہاں کہا تو فیض اللہ نے دوسرے روز لیس سے پوچھا کہ یہ واقعہ صحیح ہے یا کہ غلط تو لیس نے بحلف کہا کہ میں کچھ نہیں جانتا پھر ایک شبہ میں لیس نے محمد بشیر و فیض اللہ و عبداللطیف و حمید اللہ و عبدالرؤف عبدالاحد، عبدالمعید اور مولوی عبدالحنان وغیرہ کو جمع کیا اپنی صفائی کیا کہ میں کچھ نہیں جانتا تو پھر یہ الزام میرے اوپر کیوں لگایا گیا تو عبدالاحد نے عبدالمعید سے پوچھا کہ یہ بات تم نے کیوں کہی عبدالمعید نے جواب دیا کہ حمید اللہ نے کہا تھا اور حمید اللہ نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتا اور نہ میں نے کچھ کہا ہے اس پر عبدالاحد نے عبدالحمید سے کہا کہ ایسی بیہودہ بات کبھی نہ کرنا تمھاری بہت شکایت ہوتی ہے۔ تمھارا فعل برا ہے خبر دار ایسا کبھی نہ کرنا اس پر عبدالمعید شرمندہ ہوا اور متصل شاہد فیض اللہ، محمد بشیر اور عبداللطیف نہیں۔ آیا طلاق ہوئی یا نہیں اگر طلاق ہوئی کون رجعی۔ یا بائن یا مغلظہ؟ بینوا بالکتاب و توجروا بالحساب

الجواب

عبدالمعید نے محض جھوٹی خبر اڑادی اور حقیقت میں حمید اللہ نے طلاق نہیں دی تو اب عبداللطیف کے جواب میں "ہاں" کہنے سے ایک طلاق رجعی ہوگئی، کیوں کہ لفظ چھوڑنا باب طلاق میں صریح ہے۔ (جیسا کہ بہار شریعت باب طلاق میں ہے)۔[(۱)]

اور صریح کی تصدیق ہاں سے کی ہے، لہٰذا طلاق رجعی ہوگئی۔

در مختار میں ہے:

ولو قيل له طلقت امرأتك؟ فقال نعم او بلى طلقت واحدة رجعية.[(۲)]

ردالمحتار میں ہے:

قوله طلقت اي بلانية.[(۳)]

---

(۱) بہار شریعت حصہ ششم ص ۱۱.

(۲) در مختار علی ہامش رد المحتار، جلد سوم ص ۲۴۹

(۳) ردالمحتار جلد سوم ص ۹۴۲.

اور اگر حقیقت میں حمید اللہ نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے اور عبد اللطیف کے جواب میں ہاں کہ کر اپنی دی ہوئی طلاق کی صرف تصدیق کرنا مقصود ہے تو اس سے صرف اتنا معلوم ہوگا کہ طلاق دینے کا واقعہ جس کی اطلاع عبد اللہ نے دی تھی صحیح ہے اور اس صورت میں اس کی تفصیل معلوم ہونی چاہیے کہ حمید اللہ نے کن الفاظ سے طلاق دی، اس کے معلوم ہونے کے بعد ہی طلاق رجعی یا بائن ہونے کا حکم دیا جاسکتا ہے۔

محمد بشیر کا حمید اللہ سے یہ سوال کہ ایک یا تینوں اور حمید اللہ کا جواب "ہاں" اس سے صاف طور پر معلوم نہیں ہو پاتا کہ ایک کی تصدیق کرتا ہے یا تینوں کی جس پر کوئی حکم دیا جائے البتہ طلاق دینے کی تصدیق ہوتی ہے۔

بہرحال تفصیل آنے کے بعد ہی طلاق کے رجعی یا بائن ہونے کا حکم ہوگا مذکورہ بالا سوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کاغذ کے لکھانے والا واقعہ غلط ہے اور جہاں تک عبد اللطیف اور محمد بشیر اور حمید اللہ کے درمیان سوال و جواب کا تعلق ہے یہ صحیح ہے اس بنا پر یہ جواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

نکاح کے سات ماہ بعد مولود بچے اور دو طلاق کے بعد رجعت کا حکم

از: عبد الرحمن، موضع بڈیہ، ڈاک خانہ نبی نگر، ضلع گیا۔

مکرمی و محترمی بحضور جناب مولانا صاحب دام اقبالہ بعد آداب و تسلیمات دست بستہ السلام علیکم

مسئلہ گزارش یہ ہے کہ ایک مسلمان عورت کو سات ماہ پر لڑکا پیدا ہوا۔ اس پر بستی والوں نے کہا کہ بچہ تمھارے شوہر کا نہیں ہے۔ اس پر اس کے شوہر نے کہا کہ یہ میرا بچہ ہے اور بیوی نے بھی کہا کہ میرے شوہر کا ہے۔ بستی والے نہیں مانے۔ بہت اصرار کرنے پر کہ تم کو کچھ نہ کریں گے۔ تب اس عورت نے اقرار کیا کہ دوسرے کا ہے۔ تب اس کے شوہر سے پوچھا گیا کہ تم رکھوگے یا نہیں؟ تو شوہر نے کہا کہ رکھیں گے۔ پھر اس کی عورت کے پاس آدمی بھیجا گیا کہ اس میں اور کوئی تھا، تو اس نے دو عورتوں کا نام لیا، ان میں ایک بالکل ضعیفہ تھی اور ایک تین بچے کی ماں تھی۔ ان دونوں نے فریب دے کر پھنسا دیا تھا، لیکن ان دونوں کی بدچلنی ثابت نہیں۔ بستی والوں نے دونوں کے شوہروں کو بلا کر کہا کہ تم لوگوں کو اپنی اپنی بیویوں کو طلاق دینا ہوگا۔ ایک عورت تو بیوہ تھی لہٰذا دوسے کہا گیا۔ ان لوگوں کا ارادہ نہیں تھا لیکن کہنے پر اقرار کیا اور نمبر ایک عورت کو بلایا گیا۔ اس کے شوہر نے کہا کہ تم کو طلاق دیتے ہیں، اسی طریقے سے دوبار کہا۔ اس کے بعد نمبر دو عورت کو بلایا گیا جو نہیں آتی تھی۔ تب شوہر کا چچازاد بھائی اسے مکان سے گھسیٹ کر لایا اور ایک بانس کی چھڑی سے مارا اور زیور اتار لیا اور جہاں پر آدمی اور شوہر جمع تھے، لایا گیا۔ اس وقت عورت رو رہی تھی۔ روتے ہوئے اس نے اپنے شوہر کا نام پکار کر کہا کہ تم کو جادو سے مروادیں گے۔ جس پر شوہر کے چچا بولے کہ طلاق ہوگئی۔ تم بھی کہ دو کہ تم ماں ہم بیٹا۔ جس

پر اس کا شوہر بولا کہ تم ماں ہم بیٹا۔ اور بیوی کا نام لے کر کہا کہ تم کو طلاق دیتے ہیں، تم کو طلاق دیتے ہیں۔ اسی طریقے سے دو بار کہا۔ اس وقت وہ عورت رو رہی تھی۔ بعد میں دونوں عورتیں نکال دی گئیں اور اپنے اپنے ماں باپ کے یہاں چلی گئیں۔ پھر نمبر ایک عورت کا شوہر دس دن کے بعد بیوی کو لے آیا۔ اپنے قاضی سے پوچھ کر کہ یہ عورت جائز ہے، طلاق نہیں ہوئی۔ بعد میں نمبر دو عورت بھی راضی ہے کہ اسی شوہر کے یہاں جائے گی اور شوہر بھی راضی ہے کہ ہم وہی عورت چاہتے ہیں تو اس کا فتویٰ کیا ہوتا ہے۔ شوہر اور کچھ گواہ اور شوہر کا باپ کہتا ہے کہ دو بار طلاق کا نام لیا ہے۔ لیکن ایک دو شخص کہتے ہیں کہ تین بار کہا ہے اور طلاق کی نسبت شوہر کے ماں باپ نے کچھ نہیں کہا کہ تم چھوڑ دو اور نمبر دو عورت کہہ رہی ہے کہ میں رو رہی تھی۔ میں نے طلاق کا نام تک نہیں سنا ہے۔ صرف ماں بیٹا سنا ہے۔ اس کا فتویٰ جلد از جلد دیں گے کہ عورت جائز ہو سکتی ہے یا نہیں اور دونوں شوہر بیوی کو چاہتے ہیں۔ زیادہ حد ادب۔

یہ واقعہ نبی نگر کے پاس سوراج پور کا ہے۔

الجواب

و باللہ التوفیق۔ بستی والوں نے جو عورت کو اقرارِ زنا پر مجبور کیا، یہ شدید گناہ ہے اور مسلمانوں میں فاحشہ کی اشاعت ہے۔ شریعتِ مطہرہ کا حکم ہے کہ حتی الوسع گناہوں کو شائع نہ کیا جائے۔ حدیث میں ہے:

"لو سترته بثوبك لكان خيرًا لك."[1] — اگر تو اپنے کپڑے سے پردہ ڈال دیتا تو بہتر تھا۔

دوسری حدیث شریف میں ہے:

"من ستر مسلما ستره الله يوم القيامة."[2] — جس نے کسی مسلمان کے عیب کو چھپایا، اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو قیامت میں چھپائے گا۔

ان بستی والوں نے یہ بہت برا کام کیا، پھر سات مہینہ میں بچہ ہونے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، خصوصاً جب کہ شوہر خود اقرار کرتا ہے کہ یہ میرا بچہ ہے۔

در مختار میں ہے:

"لاكثر مدة الحمل سنتان و اقلها ستة اشهر اجماعاً."[3] — اکثر مدت حمل دو سال ہے اور کم سے کم چھ مہینے اور اس پر اجماع ہے۔

ہدایہ میں ہے:

---

(۱) سنن أبو داؤد، كتاب الحدود، ص: ۶۰۱

(۲) صحيح بخاری، ابواب المظالم والقصاص، ص: ۳۳۰، مجلس البركات، مبارك فور

(۳) در مختار على هامش رد المحتار، ج: ۵، ص: ۲۳۰

"لانها لما جاء ت بالولد لستة اشهر من وقت النكاح فقد جاء ت به لاقل منها." (۱)

اب یہ بچہ اسی شوہر کا ہے:

"الولد للفراش وللعاهر الحجر." (۲)

نمبر ایک عورت پر دو طلاقیں واقع ہوگئیں۔ مگر شوہر رجعت کر سکتا ہے، یعنی عورت سے یہ کہے کہ میں نے اس کو اپنی عورت بنالیا، یا اس قسم کا کوئی فعل پایا جائے جو میاں بیوی میں ہوتا ہے تو وہ عورت ہو جائے گی۔ اس کے لیے نئے نکاح کی ضرورت نہیں۔

ہدایہ میں ہے:

"اذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطلقتين فله أن يراجعها في العدة رضيت بذلك أو لم ترض لقوله تعالیٰ فامسكوهن بمعروف والرجعة ان يقول راجعتك او راجعت امرأتي أو يطأها أو يقبلها أو يلمسها بشهوة أو ينظر إلى فرجها بشهوة." (۳)

شوہر کا یہ سمجھنا کہ یہ طلاق نہیں، غلط ہے۔ اسی طرح کسی قاضی کا یہ کہنا کہ یہ طلاق نہیں، غلط ہے۔ یہ طلاق ہے مگر رجعت کر سکتا ہے اور اس کا واپس لے آنا رجعت کے حکم میں ہے۔

عورت نمبر دو کو جو اس نے ماں کہا اور اپنے کو بیٹا بنایا، یہ غلط اور جھوٹ اور تبرا ہے، اس سے توبہ کرلے۔ رہا یہ کہ عورت نمبر دو کا شوہر اسے اپنے یہاں رکھ سکتا ہے یا نہیں تو واقعۃً "تم کو طلاق دیتے ہیں" دو مرتبہ کہا ہے تو دو طلاقیں ہوئیں اور عدت میں رجعت کر سکتا ہے۔ اگر واقعۃً اور حقیقۃً تین دفعہ "تم کو طلاق دیتے ہیں" اپنی عورت سے کہا تو اس وقت تین طلاقیں واقع ہوئیں۔

"فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ" (٤)

تو جب تک یہ عورت کسی دوسرے شخص سے بعد عدت نکاح نہ کرلے اور وہ بعدِ جماع طلاق نہ دے دے اور عورت عدت نہ گزار لے، نکاح نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) ہدایہ اولین، ص: ٤١٠، مجلس البرکات، مبارک فور

(۲) سنن أبو داؤد، کتاب الطلاق، ص: ۳۱۰

(۳) ہدایہ اولین، ص: ۳۷۵، کتاب الطلاق

(٤) قرآن حکیم، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۰

غصے کی حالت میں طلاق کا حکم

مسئلہ کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں:

زید نے ہندہ کو حالتِ غیض میں تین طلاقیں دے دیں۔ یعنی ہندہ سے کہاکہ تمھیں "طلاق طلاق طلاق دی" ایسی صورت میں زید ہندہ سے پھر رجوع کر سکتا ہے یانہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب

غصہ میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، لہٰذا ہندہ پر تین طلاق واقع ہوگئی، اور زید کو رجوع کرنے کا حق نہیں رہا۔ ہندہ زید پر حرام ہوگئی، تاوقتیکہ ہندہ بعدِ عدت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اور وہ شوہر بعدِ وطی طلاق نہ دے اور عدت نہ گزارے۔ زید کا نکاح ہندہ سے نہیں ہو سکتا۔

قال الله تعالیٰ:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.(۱) والله تعالیٰ اعلم.

نشے کی حالت میں طلاق کا حکم

از: محمد صدیق، مالے گاؤں، اسلام پورہ، ذی قعدہ، مورخہ ۳ر بدھ

مسئلہ کیافرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ:

زید نے ہندہ کو بحالتِ نشہ طلاق دی مغلظہ اور ہندہ نے پھر زید مذکور کے پاس چھ شخصوں سے اپیل کی کہ میں زید سے راضی ہوں اور رہوں گی، میرے لیے جو شرعی قانون سے ہواس پر عمل کر کے مجھے پھر میرے شوہر سے ملادو۔ لہٰذا اس کے کہنے پر لوگوں نے مناسب خیال کیا اور بہ وجہ پختگی جانبین سے تحریر لے لی گئی۔ وہ حضرات یہ ہیں۔ محمد صدیق ،محمد حسین، محمد متین، مولوی شاہ محمد۔ لہٰذا عرض یہ ہے کہ آپ بمطابق شرع شریف جو حق ہو۔ بینوا توجروا فقط الله الموقف بالحق والصواب.

الجواب

بحالتِ نشہ طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

ہدایہ میں ہے:

(۱) قرآن حکیم، سورة البقرة، آیت: ۲۳۰

"وطلاق السکران واقع." (۱)

چوں کہ یہ طلاق مغلظہ ہے اور طلاقِ مغلظہ میں نکاح نہیں ہو سکتا، تا وقتے کہ حلالہ نہ ہو۔ اگر ہندہ بعد عدت گزارنے کے کسی اور سے نکاح کرے اور شوہر ثانی بعد وطی کے طلاق دے تو بعد عدت کے زید سے نکاح کر سکتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (۲) واللہ تعالیٰ اعلم.

۲۰/ ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ

پاگل کی طلاق کا حکم

از: قربان علی و بھیکو و غلام، مقام حسین پامیہ، ڈاکخانہ جالدہ، ضلع مان بھوم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں :

(۱) قاضی صاحب نے طلاق والی عدت میں نکاح پڑھادیا یہ جائز ہے یا نہیں اور نکاح پڑھانے والا گنہگار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر از روے شرع گنہ گار ہوں تو کیا تعزیر ہونی چاہیے؟

(۲) قاضی صاحب کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

(۳) قاضی صاحب نے اس عورت سے پوچھا تمھارا شوہر ہے یا نہیں تب اس عورت نے اپنی زبان سے گواہوں کے سامنے کہا کہ میرا شوہر ابھی موجود ہے لیکن پگلا ہے اور پاگل پن کی حالت میں طلاق دیا ہے۔

(۴) اور اس کا شوہر جس کو پگلا کہا ہے، وہ اس کے گھر والے یہ کہتے ہیں کہ طلاق نہیں دیا ہے۔

دیگر احوال: قاضی صاحب نے جب اس طلاق والی عورت کا نکاح پڑھایا، کئی ایک روز کے بعد مسجد کے کل نمازیوں نے سنا تو قاضی صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیا۔ دو مہینہ کے بعد قاضی صاحب نے جماعت کو توڑ کر ایک علاحدہ پٹی بنا کر زبردستی سے پھر نماز پڑھنا شروع کیا۔ اس لیے جماعت میں دو پٹی ہو گئے ہیں ایک پٹی قاضی صاحب کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ، اور ایک پٹی نہیں پڑھتے ہیں۔ حضور والا برائے کرم سوال کا جواب جلد روانہ کریں آئندہ حضور اس بارے میں حاکم و مالکار ہیں حد زیادہ۔ السلام علیکم۔

الجواب

پاگل و دیوانہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(۱) ھدایہ، ص:۳۳۸، کتاب الطلاق، مجلس البرکات، مبارک فور.

(۲) قرآن حکیم، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۰

در مختار میں ہے:

لا يقع طلاق المولىٰ على امراة عبده والمجنون۔[1]

نہیں واقع ہوتی ہے طلاق مولیٰ کی اپنے غلام کی بیوی پر اور نہ مجنون کی۔

اور شوہر کے پاگل ہونے اور اسی حالت میں طلاق دینے کا عورت نے گواہوں کے سامنے اقرار کیا تو اگر مان بھی لیا جائے کہ شوہر نے طلاق دی تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی اور یہ عورت بدستور اسی مجنون کے نکاح میں ہے، دوسرا نکاح ہرگز ہرگز نہیں ہوا۔ اس عورت کا دوسرے مرد سے فوراً علاحدہ ہونا لازم ہے، یہ مرد اس کے لیے حرام ہے۔

قاضی صاحب کو جب کہ عورت سے معلوم ہو گیا کہ شوہر پاگل ہے، اسی حالت میں طلاق دی ہے باوجود اس کے پھر قاضی صاحب نے نکاح پڑھا دیا لہٰذا قاضی صاحب گنہ گار مرتکب حرام ہوئے ان کا یہی حکم تھا جس پر مسلمان نے عمل کیا یعنی ان کے پیچھے نماز چھوڑ دی۔ قاضی صاحب اس فعل سے سخت گنہ گار ہوئے، ان پر باعلان توبہ و تجدید نکاح لازم ہے، جب تک توبہ نہ کریں انہیں ہرگز امام نہ بنایا جائے۔

قاضی صاحب کا یہ دوسرا جرم ہے مسلمانوں میں تفرقہ ڈال کر جماعت توڑ کر زبردستی امامت شروع کر دی۔ قاضی صاحب پر لازم کہ وہ جلد از جلد توبہ کریں اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ جب تک قاضی صاحب توبہ نہ کریں ان کو ہرگز امام نہ بنائیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالعزیز عفی عنہ، صدر مدرس مدرسہ مصباح العلوم مبارک پور

طلاق اگر پوشیدہ رکھی جائے تو واقع ہوگی یا نہیں

از: عبدالرشید، اہل سنت و جماعت، مدن پورہ، بنارس --- المرقوم: ۱۵ر دسمبر ۱۹۵۶ء

بخدمت حافظ ملت حضرت مولانا مولوی حافظ عبدالعزیز صدر مدرس دار العلوم اشرفیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل صورت حال کے بارے میں:

زید نے آج اپنی بیوی کو طلاق دی۔ لیکن عمرو نے اس کے بعد یہ بتایا کہ میں نے زید سے اس کی بیوی کے حق میں ایک سال پیش تر بھی دو شہادتوں کے ساتھ طلاق حاصل کر لی تھی، مگر زید، عمرو اور ہر دو گواہان نے خود عمرو کے ایما سے طلاق کی کارروائی کو صیغۂ راز میں رکھا اور اس ناروا رازداری کے باعث دو صحیح العقیدہ سنیوں کے مابین بلا وجہ دوری اور نزاع کی بنیاد پڑ گئی، متعدد دوستوں کے باہمی تعلقات نہایت مذموم طور پر کشیدہ ہو گئے، نیز بیش تر مسلمانوں کے درمیان میل و محبت کی جگہ نفرت و عداوت کے جذبات مشتعل ہوئے اور ہیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ عمرو کی ریشہ دوانیوں کے سبب

(۱) در مختار علی هامش رد المحتار، ج:٤، ص: ٤٥٠، دار الكتب العلمية، بيروت.

اس سلسلہ میں درمیانی بزرگوں کو ایک طویل زحمت سے دوچار ہونا پڑا۔

یہ بھی واضح رہے کہ عمرو کے بیان کے مطابق زید نے اپنی بیوی کو آج سے ایک سال قبل طلاق دی، لیکن ابھی چند مہینے گزرے ہوں گے کہ زید نے برادری کی پنچایت میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وعدہ کیا اور اس کے بعد زید کے بزرگوں نے زوردار طریقہ پر یہ سفارش بھی کی کہ لڑکی کی رخصتی کرادی جائے۔ پس خدانخواستہ زید کی بیوی رخصت ہوجاتی تو عمرو کی متذکرہ رازدارانہ کارروائی کی وجہ سے معاذ اللہ حرام کاری کا دروازہ بند ہوجاتا۔ ان حالات میں فقہ حنفیہ کی روشنی میں جواب مطلوب ہے کہ:

① زید کی بیوی پر عدت آج طلاق کے وقت سے وارد سمجھی جائے گی یا عمرو کے بیان کردہ طلاق سے زمانۂ عدت کا شمار ہوگا؟ اگر ایسا ہی ہوگا تو زمانۂ عدت میں نادانستگی کے سبب عورت کے گھر سے باہر نکلنے اور آنے جانے کے غیر شرعی فعل کا مواخذہ کس سے ہوگا؟

② آج کی طلاق کے ساتھ یہ شرط مربوط ہے کہ عورت کے مطالبۂ طلاق کی بنا پر طلاق دی گئی ہے، لہٰذا عورت رقم، مہر و خرچہ پانے کی مستحق نہیں، لیکن عمرو کی بیان کردہ طلاق ہی شرع کے نزدیک قابلِ تسلیم ہے۔ تو اس صورت میں زید کی رقم مہر و خرچہ پانے کی حق دار ہے یا نہیں؟ جب کہ ظاہر ہے کہ سابقہ طلاق کے وقت عورت کے مطالبۂ طلاق کا کوئی سوال نہ تھا۔

③ ایک سال پہلے والی طلاق کو چھپانے کی بنا پر عمرو نے جو عام فتنہ برپا کیا اور سنی مسلمانوں کے دلوں میں باہمی نفرت کی آگ بھڑکائی اور اس مذموم کارروائی میں دو گواہوں اور خود زید نے عمرو کا ساتھ دیا، لہٰذا شرع الٰہیہ کے نزدیک عمرو و زید اور دونوں گواہوں کے لیے کیا حکم ہے، آیا ان کی حرکت غیر ایمانی اور شیطانی ہے یا نہیں۔

④ طلاق کو چھپانے کے باعث اگر زید کی بیوی کی رخصتی ہوجاتی تو طلاق کے بعد میاں بیوی کے اختلاط کے ذریعہ ہونے والی حرام کاری کا ذمہ دار کون ہوتا؟ ساتھ ہی یہ بھی وضاحت فرمائیے کہ اس حرام کاری کے ذرائع پیدا کرنے والوں کے لیے خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟

⑤ اگر طلاق راز میں نہ رکھی جاتی تو اب تک غالباً زید کی بیوی زمانۂ عدت گزار کر نکاحِ ثانی کر چکی ہوتی، لیکن عمرو وغیرہ کی اس حرکت کی وجہ سے ایک عورت کو بلاوجہ تا دیر مجرد زندگی گزارنی پڑتی۔ کیا یہ حق دار کا حق غصب کرنے اور بے گناہ پر ظلم کرنے کے مترادف نہیں ہے۔ اگر ہے تو اس ظلم کرنے والے کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

امید کہ حضورِ عالی استفتا پیش نظر کا تفصیلی جواب عطا فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

الجواب

زید نے ایک سال قبل اپنی زوجہ کو عمرو کے بیان کے مطابق طلاق دی۔ اگر اس کے دو گواہ شرعی ہیں اور شہادت

دیتے ہیں تو وہ طلاق واقع اور ثابت ہے، کیوں کہ طلاق واقع ہونے کے لیے شوہر کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے۔ طلاق کا اعلان یا ظاہر کرنا یا عورت کو بتانا شرط نہیں، لہٰذا وہ طلاق واقع ہوگئی، اگرچہ اس کو صیغۂ راز میں رکھا گیا۔ طلاق کے ظاہر کرنے میں اگر شدید فتنہ کا خوف نہ ہوتا تو صیغۂ راز میں رکھنا کس طرح مناسب تھا۔ لیکن جب پوشیدہ رکھنے کی وجہ سے مسلمانوں میں نفاق و شقاق اور عداوت پیدا ہوگئی، نیز مطلقہ کا حق بھی فوت ہوا تو ایسی صورت میں زید، عمرو اور دونوں گواہوں کو طلاق ظاہر کرنا لازم تھا۔ پوشیدہ رکھنے سے یہ سب گنہ گار ہوئے۔ ان سب پر توبہ لازم ہے۔ عورت بالکل بے قصور ہے۔

اگر طلاق کے بعد تین حیض پورے ہوگئے تو عدت ختم ہوگئی، عدت کا نفقہ چوں کہ عدت ہی کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا جب عدت ختم ہوگئی تو نفقہ بھی ختم ہوگیا۔ البتہ مہر واجب الادا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم. عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح۔ عبدالرؤف، غفرلہ

مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور، ۱۱ر جمادی الآخرہ ۱۳۷۶ھ

تین طلاق کے بعد شوہر سابق سے نکاح کیسے ہو؟

از: سلامت اللہ، گبر ڈور، ڈاک خانہ مہراج گنج، ضلع گور کھپور

مسئلہ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی ہے اب وہ دونوں آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہیں تو اس کا نکاح ہوگا یا نہیں۔ یعنی تین طلاقیں ہو چکی ہیں۔

الجواب

تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے نکاح نہیں ہو سکتا، یعنی اگر عدت کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کیا اور صحبت بھی ہوئی اس کے بعد اس دوسرے شخص نے طلاق دے دی تو پھر عدت گزرنے کے بعد پہلے شخص سے نکاح ہو سکتا ہے، ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

طلاق اور زیورات

از: محمد خلیل، کمال اسٹیٹ مسجد ۲/۲۰، کلکتہ ۱۶--- ۲۶ر دسمبر ۱۹۵۳ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے کرام اس مسئلہ میں کہ:

① زید اور ہندہ کے درمیان خانگی معاملات میں کچھ ایسی باتیں ہوگئیں کہ زید نے ایک روز حالت نشہ میں بذریعہ خط لکھ کر دیا کہ تم کو ہم نے متعدد بار سمجھایا مگر تم اپنی حرکت سے باز نہ آئی، اس سے ہم نے تم کو طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق اب تم سے ہم الگ ہوگئے، لہٰذا جس قدر میرے زیورات تمھارے پاس ہیں اس کی قیمت سو روپیہ سے زائد ہے لہٰذا

دین مہر مبلغ سو روپیہ تم وضع کرکے باقی زیورات واپس کردو۔

(۲) زید کہتا ہے کہ جب نشہ ٹوٹ گیا تو ہم نے عورت کے پاس معافی کا خط لکھا، چناں چہ اس نے معاف کردیا۔ بعدہ آٹھ ماہ تک بیوی کا خرچہ بذریعہ منی آرڈر ماہ بہ ماہ دیتے رہے۔ پھر عورت نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ آپ مجھے اپنے پاس بلا لیجیے، چناں چہ سفر خرچ مبلغ پچیس روپے اور بھیج دیے۔ عورت اپنے عزیز کے ہم راہ کلکتہ چلی آئی۔ اس وقت عورت اپنے عزیز ہی کے پاس ہے۔ یہاں علما کے پاس یہ مسئلہ رکھا گیا تو یہ جواب ملا کہ عورت زید کی ملک سے نکل گئی، زید دریافت کرتا ہے کہ طلاق کے بعد جو رقم زید نے بیوی کے پاس روانہ کی اس کے واپس لینے کا حق رکھتا ہے یا نہیں اور وہ رقم نفقہ و دین مہر میں وضع کی جاسکتی ہے یا نہیں اور جو زیورات بیوی کے پاس ہیں وہ زید واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) ہندہ پر تین طلاق پڑگئی اور وہ زید پر قطعاً حرام ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ[1]

اور ہدایہ میں ہے:

"طلاق السکران واقع."[2]

(۲) جو رقم خرچہ کے لیے بطور خود دی نہ اس کی واپسی ہوگی نہ مہر میں وضع۔ ہاں عدت کے نفقہ کے لیے مزید دینے کی ضرورت نہیں، بشرطے کہ عدت یعنی طلاق دینے کے بعد سے تین حیض ختم ہو چکے ہوں۔

ردالمحتار میں ہے:

"ولو کان النکاح صحیحا من حیث الظاھر ففرض القاضي لها النفقة و اخذتها شهرا ثم ظهر فساد النکاح بان شهدوا انها اخته رضاعا و فرق بینهما رجع علیها بما اخذت ولو انفق بلا فرض القاضی لم یرجع بشئ."[3]

اور زیورات جو شوہر کی جانب سے محض پہننے کے لیے دیے جاتے ہیں جس میں عورت کو مالک بنانا مقصود نہیں ہوتا، شوہر کو واپس ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۰

(۲) امام ابو الحسن فرغانی، ھدایہ، ص:۳۳۸، کتاب الطلاق، مجلس البرکات، مبارک فور.

(۳) محمد ابن عابدین شامی، رد المحتار، ج:۵، ص:۲۸۱

طلاق میں شوہر کا قول معتبر ہوگا یا عورت اور اس کے رشتہ داروں کا؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

خدیجۃ النسا کی شادی منیر احمد کے ساتھ ہوئی تھی مگر خدیجۃ النسا کو نان و نفقہ کی تکلیف ہے۔ ایک بار خدیجۃ النسا کی والدہ، چچی اور چچا خدیجۃ النسا کے سسرال گئے اور منیر احمد سے خدیجۃ النسا کے گزر اوقات کے متعلق گفتگو کرنے لگے، منیر احمد کو ان لوگوں کی باتیں ناگوار معلوم ہوئیں۔ اس نے غصے میں یہ الفاظ کہنا شروع کیا کہ میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا۔ زائد الفاظ کہتا ہوا مکان سے باہر نکل آیا۔ اس وقت منیر احمد کے یہ الفاظ ہندہ کی والدہ، چچی و چچا اور ہندہ نے بھی خوب اچھی طرح سے سنے اور ایک شخص محلہ کا ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ ایک مرتبہ میں نے صرف لفظ طلاق سنا حالاں کہ یہ شخص پہلے سے اس جگہ موجود نہ تھا۔ اب منیر احمد زبانی طلاق دینے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں قرآن اٹھا کر پنچایت میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے یہ کہا تھا کہ ہندہ کی والدہ کہیں تو ہم طلاق دیں اور بلکہ پنچایت میں کلام پاک لے کر کھڑا تھا یہی الفاظ کہنے کے لیے اور خدیجۃ النسا کی والدہ، چچی اور چچا اور ہندہ بھی قرآن پاک اٹھانے کے لیے تیار ہیں کہ منیر احمد نے تین مرتبہ سے بھی زیادہ کہا کہ میں نے طلاق دیا، جواب درکار ہے۔

الجواب

جو لوگ طلاق کے گواہ ہیں ان کی گواہی خدیجہ کے حق میں معتبر نہیں، ان لوگوں کے ذریعہ طلاق ثابت نہیں ہوگی، جب کہ شوہر منکر ہے لہٰذا اس سے قسم لی جائے کہ میں نے خدیجہ کو تین طلاق یا بائن طلاق نہیں دی۔ اگر منیر احمد قسم کھا لیتا ہے تو طلاق ثابت نہیں ہوگی۔ خدیجہ کو اپنے ہاں لے جاسکتا ہے، ہاں خدیجہ نے اپنے کانوں سے طلاق سنی ہے اور منیر احمد نے جھوٹی قسم کھائی ہے تو خدیجہ منیر احمد کے پاس جانے سے ہر ممکن پرہیز کرے۔ اگر نہ بچ سکے تو مجبور ہے۔ سب بار منیر احمد پر ہوگا اور سخت گنہ گار ہوگا۔ منیر احمد اس کو خوب سمجھ لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا منسلک اقرار نامہ کی صورت میں طلاق ہوجائے گی؟

از: احمد محسن، محلہ گیوال بیگہ، گیا، بہار، ۱۱/ اپریل ۱۹۵۰ء

مسئلہ علمائے دین و شرع متین سے دست بستہ یہ التماس ہے کہ منسلک اقرار نامہ اور معاہدہ کی رو سے بجائے ایک ماہ کے سات مہینہ گزر گیا لیکن قدرتی میاں نے کنیز فاطمہ کی کسی طرح بھی کچھ بھی کھوج خبر نہ لی، ایسی حالت میں طلاق عائد ہوگئی یا نہیں اور یہ گزری ہوئی سات مہینے کی مدت عدت میں لی جاسکتی ہے یا نہیں۔ ایک جوان غریب پردہ نشین عورت بے گناہ بے بسی ماری جاتی ہے۔ اس کا علمائے دین شرع متین کے مطابق جو حق فیصلہ ہو جلد صادر فرما کر مستحق ثواب

ہوں اور مدعیہ کو بھی شکریہ کا موقع دیں۔ خدا حافظ۔

الجواب

منسلک اقرار نامہ کا مقصد چوں کہ یہی ہے کہ اگر قدرتی میاں اپنی بی بی کنیز فاطمہ کا نان نفقہ بند کردے اور ایک ماہ تک اس کی خبر گیری نہ کرے تو اس کی بی بی کو طلاق۔ اگرچہ اقرار نامہ میں جہالت سے "طلاق نامہ تصور کریں" لکھا ہے۔ لیکن یہ جہالت فی زمانہ عام ہوگئی ہے اور عام تحریروں میں اسی طرح لکھتے ہیں۔ لہٰذا مقصد اقرار نامہ کی رو سے طلاق واقع ہوگی۔ اقرار نامہ کی تاریخ سے ایک ماہ بعد چوں کہ شرط پائی گئی، لہٰذا طلاق واقع ہوگئی اور جب سے طلاق واقع ہوئی اسی وقت سے عدت شمار کی جائے گی۔ طلاق کی عدت تین حیض ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:

" وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ "[1]

لہٰذا طلاق واقع ہونے کے بعد سے تین حیض پورے ہونے پر عدت ختم ہوجائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

کیا نشے کی حالت میں طلاق واقع ہوجائے گی؟

مسئلہ اس مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں:

ہم نے نشے کی حالت میں اپنی بیوی کے متعلق یہ جملہ لکھ دیا جو کہ ذیل میں تحریر کیا ہوں:

"میں اپنی بیوی بتول کو طلاق طلاق طلاق لکھتا ہوں۔"

بقلم خود محمد عمر۔ اور یہ واقعہ آج سے چار دن پہلے کا ہے۔ ۵/مارچ ۱۹۵۰ء

الجواب

بیانِ سائل سے معلوم ہوا تھا کہ اس نے گانجا استعمال کیا تھا، اس کے نشے میں تین طلاق دی ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوجائے گی اور وہ بھی مغلظہ کہ بغیر حلالہ کے اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔

شامی میں ہے:

"وبين فى التحرير حكمه انه ان كان سكره بطريق محرم لا يبطل تكليفه فتلزمه الأحكام و تصح عباراته من الطلاق و العتاق و البيع والاقرار."[2]

(۱) قرآن حکیم، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۲۸

(۲) ردالمحتار، ج:۳، ص:۲۳۹، دار الفکر، بیروت

ہدایہ میں ہے:

"وطلاق السکران واقع." (۱)

در مختار میں ہے:

"(او سکران) ولو بنبیذٍ او حشیش او أفیون أو بنج زجراً به یفتی تصحیح القدوری." (۲)

قال اللہ تعالیٰ:

"فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ" (۳) واللہ تعالیٰ اعلم.

کیا صرف عزمِ طلاق سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

از: محمد سعید مبارک پوری، ضلع اعظم گڑھ

مسئلہ مسئلۂ ذیل میں کتاب وسنت کی روشنی میں میری رہ نمائی فرمائی جائے۔

میرے اور اہلیہ کے مابین وقتی شکر رنجی اور حالت غضب میں بات بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئی کہ میں نے عزم کر لیا کہ اپنی زوجۂ منکوحہ کو بعد از فراہمیِ مہر اپنی قیدِ نکاح سے علاحدہ کر دوں گا۔ پھر چند مخلص رفقا اور گھر کے ذمہ داران حضرات کے سمجھانے بجھانے سے باز آ گیا۔ کیا فقط ارادہ اور عزم سے زوجہ پر طلاق واقع ہوگی، مدلل بیان فرمایا جائے۔

الجواب

سائل کی زوجہ بدستور اس کی زوجہ ہے، صرف عزم اور ارادہ سے طلاق نہیں پڑتی۔ طلاق باللسان کے لیے ایسے کلام کی ضرورت ہے جو سنے جانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

در مختار میں ہے:

"و ادنی المخالفته، اسماع نفسه (الی قوله) و یجری ذالك المذکور فی کل ما یتعلق بالنطق کتسمیة علی ذبیحة ووجوب سجدة تلاوة و عتاق و طلاق و استثناء وغیرها فلو طلق او استثنیٰ ولم یسمع نفسه لم یصح فی الاصح." (٤) واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) امام برہان الدین ابو الحسن فرغانی، هدایه، ص:۳۳۸، کتاب الطلاق، مجلس البرکات، مبارک فور.

(۲) در مختار علیٰ هامش رد المحتار، ج:۳، ص:۲۳۹-۴۰، دار الفکر، بیروت

(۳) قرآن حکیم، سورة البقرة، آیت:۲۳۰

(٤) در مختار علیٰ هامش رد المحتار، فصل فی القراءة، ج:۱، ص:۳۹۵

کیا طلاق دینے کے لیے تحریری صورت میں "طلاق" لکھنا ضروری ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

آج بتاریخ ۲ر جنوری ۱۹۵۹ء بروز اتوار بمقام احاطہ مڑواڈیہ ایک پنچایت منعقد ہوئی، جس میں محمد یوسف ولد رحمت علی عرف متولی ساکن موضع پنڈت پور تھانہ روہنیہ ضلع بنارس اور اس کی بیوی مسماۃ قمر النسا دختر عبد الرحمن ساکن موضع تہار تھانہ کینٹ ضلع بنارس موجود تھے۔

پنچایت مذکور میں شوہر و بیوی کے باہمی تعلقات کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ مسماۃ قمر النسا مذکور نے روبرو پنچایت میں بیان دیا کہ اپنے شوہر مسمیٰ محمد یوسف مذکور کے ساتھ نہیں رہ سکتی، میں طلاق چاہتی ہوں، مجھے اپنے شوہر کے ساتھ زندگی گزارنے میں بہت تکلیف ہے، مجھے عیب ناجائز لگا دیا ہے۔ لڑکی مذکور کے بیان ختم ہونے کے بعد مسمیٰ محمد یوسف مذکور نے اپنا بیان روبرو پنچایت حسب ذیل الفاظ میں دیا کہ میں اپنی بیوی مسماۃ قمر النسا کو نہیں رکھ سکتا ہوں اور قمر النسا بنت عبد الرحمن کو طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔ روبرو پنچایت صرف زبانی طلاق دیا، تحریر نہیں ہے۔

جس وقت لڑکے نے طلاق دیا اسی وقت پنچایت میں دو فریق ہو گئے۔ ایک فریق کہتا ہے کہ طلاق ہو گئی، دوسرا فریق کہتا ہے طلاق زبانی ہم لوگ نہیں مانتے بلکہ تحریر چاہتے ہیں۔ دونوں فریق میں اتنا جھگڑا ہوا کہ نتیجہ خراب ہو گیا۔ لڑکا طلاق دے کر اب انکار کرتا ہے کہ جب تک مبلغ پانچ سو روپے نہیں ملے گا، اس وقت تک تحریری طلاق نامہ نہیں لکھوں گا، صرف زبانی ہے۔ بعد اس کے مجلس برخاست ہو گئی۔

اب لڑکے نے دوسرا نکاح کر لیا ہے اور لڑکی نے بھی دوسرا عقد اپنا کر لیا ہے۔ دونوں صاحبِ اولاد ہیں۔ جس جگہ قمر النساء نے دوسری شادی کر لی ہے، اس کے شوہر اور والدین کو پریشان کرنے کے لیے فریقِ ثانی کہتا ہے کہ تم لوگوں نے بغیر طلاق عورت سے نکاح کیا ہے، اس لیے برادری سے الگ ہو جاؤ اور تمھارا حقہ اور کھانا پینا برادری سے الگ کیا جاتا ہے اور تم لوگوں کو کسی معاملہ میں شریک نہیں کیا جائے گا، جب تک تم لوگ توبہ نہ کرو اور مسماۃ قمر النسا کو علاحدہ نہ کرو گے، اس وقت تک برادرانہ تعلقات ختم ہیں، یا اس کا فتویٰ منگا کر اپنا معاملہ صاف کر لو۔ اس لیے لڑکی کا دوسرا شوہر اور گھر کے لوگ پریشانی میں ہیں۔ ان سب وجہوں سے مسماۃ قمر النسا کی طلاق ہوئی یا نہیں اور اس کا نکاحِ ثانی صحیح ہے یا نہیں، اس کا فتویٰ طلب ہے۔

الجواب

صورت مسئولہ میں محمد یوسف کی زوجہ قمر النساء پر تین طلاق واقع ہوئیں، اور یہ طلاق مغلظہ ہو گی۔ قمر النسا ہمیشہ کے لیے محمد یوسف کی زوجیت سے خارج ہو گئی۔ پنچوں کا یہ کہنا کہ ہم زبانی طلاق نہیں مانتے، قطعاً غلط ہے، زبانی طلاق

شرعاً معتبر ہے۔ اگر قمر النسا نے طلاق کی عدت تین حیض گزارنے کے بعد دوسرا نکاح کیا ہے تو وہ نکاح درست ہے۔ ایسی صورت میں برادری کو قمر النسا اور اس کے شوہر ثانی اور ان کے والدین وغیرہ سے مقاطعہ کا حق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

شوہر کے انکار پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ:

طلاق نامہ مسماۃ ہندہ کا بذریعہ رجسٹری ملا اور کاتب فی الوقت انتقال کر گیا ہے۔ کاتب کی موت کے بعد پنچایت میں لڑکے (زید) نے اپنے دستخط سے انکار کیا۔ گواہ اول نے بتایا کہ کاتب میرے پاس آیا اور گواہ کے طور پر دستخط کرنے کے لیے کہا، دریافت کرنے پر کہا زید ہندہ کو طلاق دے رہا ہے، میں نے دستخط کر دیا، زید سے کچھ نہیں سنا۔ گواہ دوم نے کہا کہ کاتب آئے اور مجھ سے اس کاغذ پر دستخط کرنے کے لیے کہا، میں نے دستخط ثبت کر دیا اور میں کچھ نہیں جانتا۔ کاغذ کی تحریر کا علم دو تین دن کے بعد ہوا۔ ہندہ کو رجسٹری ملنے کے بعد ہندہ کے ایک عزیز کاتب سے ملے اور سوال کیا کہ یہ آپ نے کیا کیا، کاتب نے جواباً کہا کہ ہم نے جو کچھ کیا سب ٹھیک کیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ موجودہ صورت میں کیا طلاق ہوگی؟

الجواب

طلاق کے ثبوت کے لیے دو صورتیں تھیں، دو گواہوں کی گواہی ہوتی یا شوہر اقرار کرتا۔ صورت مذکورہ میں طلاق کے گواہ بھی نہیں اور شوہر انکار کرتا ہے، لہٰذا طلاق ثابت نہیں، اگر زوجہ طلاق کی مدعی ہو اور (شوہر سے طلاق چاہے) تو شوہر پر قسم عائد ہوگی۔ قسم کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا زوجہ کی غیر موجودگی میں طلاق واقع ہو جائے گی؟

از: عبدالشکور عفی عنہ، مقام چیتروان، ڈاک خانہ سکندر پور، ضلع بلیا۔ ۵/ دسمبر ۱۹۵۵ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں جو درج ذیل ہے:

زید کی شادی مطابق شریعتِ محمدی ﷺ قریب ۱۵/ ۱۶/ سال ہوئے مسماۃ رقیہ سے ہوئی اور زید کے نطفے سے رقیہ کے بطن سے چار اولادیں تین لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی، جو زندہ ہیں لیکن رقیہ کو کافی تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، کیوں کہ زید بالکل ہی اس کے خورد و نوش کا خیال نہیں کرتا تھا۔ تاہم رقیہ اس کے گھر صبر سے پڑی رہی اور کچھ دنوں کے بعد قریب آٹھ نو سال ہوئے کہ اس نے اپنے باپ سے اپنی تکلیف کا اظہار کیا۔ رقیہ کے باپ بہ رضامندی زید رقیہ کو اپنے گھر لے آئے، جب سے ان کے پاس ہے۔ نو برس کے درمیان میں زید چار بار آیا۔ دو مرتبہ لڑکوں کو

پندرہ دن کے لیے بھیجا تھا، اس کے بعد کچھ کھوج خبر نہیں لیا۔ اس کے بعد رقیہ کے کہنے پر (اپنے میں پرورش کی طاقت نہ پاکر) رقیہ کے والد زید کے وہاں گئے اور یہ بات کہی کہ ہم کب تک یہ بار برداشت کریں گے، یا تم طلاق دے دو یا اس کی اور اپنے بچوں کی پرورش کا انتظام کرو۔ زید برابر حیلہ وحوالہ کرتا رہا اور یہ کہتا رہا کہ جب ہم کو کوئی آمدنی ہوگی تو لاویں گے اور نو برس کے درمیان میں کوئی اولاد نہیں ہوئی، کیوں کہ بالکل علاحدگی رہی اور چھوٹا لڑکا رقیہ کے میکے میں چھ مہینے کا ہوا۔ رقیہ اور اس کے والد بضد ہوئے اس پر زید نے ایک تحریر مورخہ ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو بطور طلاق نامہ لکھ دیا اور تین طلاق دیا، لیکن رقیہ وہاں موجود نہیں تھی، اور زید کا کہنا ہے کہ ہم نے غصہ میں طلاق لکھا اور تین طلاق دیا اور رقیہ کے والد کے ذریعہ طلاق نامہ رقیہ کو ملا اور ان کی زبانی طلاق دینے کا حال اسی روز معلوم ہو گیا۔ بعد میں تاریخ ۲۳؍ جنوری ۱۹۵۵ء ایک تحریر رقیہ کے نام اپنے لڑکے کے ذریعہ جو نابالغ ہے بھیجا جو اتفاقاً اپنے نانا کے ساتھ زید کے گاؤں میں چلا گیا تھا کہ میں محی الدین (زید) پسر نور الحسن ساکن سکندر پور محبوب النسا رقیہ کو مطلع کرتا ہوں کہ ہم نے تمھاری طرف شرعی طور سے رجوع کیا۔ بہتر ہے کہ تم میرے گھر چلی آؤ۔ اس کے گواہان عبد المعید اور بشیر الدین ہیں۔ بقلم خود، مورخہ ۲۳؍ جنوری۔ لیکن اس لڑکے نے اپنی نانی کو وہ تحریر دی۔ نانی جھنجھلا گئی۔ جب رقیہ کے پاس خط گیا تو لینے سے انکار کر دیا، اس کی تحریر پڑھوا کر نہیں سنا۔ اب سوال یہ ہے کہ:

① مورخہ ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۵۴ء کی تحریر کے مطابق محبوب النسا رقیہ کی طلاق ہوئی کہ نہیں؟

② اگر طلاق رجعی ہو تو ۲۳؍ جنوری ۱۹۵۵ء کی تحریر کے مطابق رجعت ہوئی یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ طلاق رجعی ہوئی۔

③ کیا رقیہ بحالت سابق نکاحِ سابق پر جا سکتی ہے اور زید کی زوجیت میں رہ سکتی ہے؟

④ کیا زید لڑکے لڑکیاں لے سکتا ہے، جب کہ لڑکے جانے پر راضی نہ ہوں اور ان لڑکوں کا خرچہ بحالت لینے لڑکوں کے زید پر ضروری ہے یا نہیں، بلا خرچہ ادا کیے زید لڑکوں کو لے سکتا ہے؟

برائے کرم مندرجہ بالا سوالوں کے جواب بروے شرع جلد از جلد اس پتہ پر روانہ فرمائیں تاکہ ایک بہت بڑا فتنہ و نزاع ختم ہو۔

الجواب

غصہ میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، جب کہ تین طلاقیں دیں تو یہ طلاق مغلظہ ہوئی، رقیہ سے زید کا تعلق قطعاً نہ رہا، رجعت تو کیا نکاح کا بھی حق نہ رہا۔ اس صورت میں بغیر حلالہ زید کا نکاح رقیہ سے ہرگز جائز نہیں۔

اگر طلاق رجعی ہوتی تو رجعت کا حق عدت کے اندر ہوتا۔ ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو طلاق نامہ لکھا اور ۲۳؍ جنوری ۱۹۵۵ء کو رجعت کی تحریر بھیجی۔ قمری حساب سے تین ماہ گزر گئے۔ اگر عادت کے مطابق رقیہ کو طلاق کے بعد اس مدت میں تین

حیض آگئے تو عدت ختم ہوگئی۔ لہٰذا اگر طلاق رجعی بھی ہوتی تو نکاح کا حق نہ ہوتا، حالاں کہ زید نے طلاق مغلظہ دی ہے، جس میں قطعاً کوئی حق باقی نہ رہا۔ سات سال تک بچے کی پرورش کا حق ماں کو رہتا ہے، اس کے بعد بچے کو باپ لے سکتا ہے۔ بچوں کے اخراجات و مصارف باپ کے ذمہ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۲۱ / ربیع الآخر ۱۳۷۵ھ، ۶ / دسمبر ۱۹۵۵ء

طلاق کے بعد نکاح میں لانے کا طریقہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہے پھر اب اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے تو کس طرح لا سکتا اور نکاح کر سکتا ہے۔

الجواب

زید نے اگر ایک یا دو طلاق صریح دی تو عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ[1]

اور اگر زید نے تین طلاقیں دی ہیں ۔ تو اب نکاح نہیں کر سکتا یہاں تک کہ وہ مطلقہ دوسرے سے نکاح کر لے اور وہ اس کے ساتھ وطی بھی کر لے۔

کما قال اللہ تعالیٰ :

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ ؕ[2]

لہٰذا اگر زید نے تین طلاقیں دیں تو اس کی زوجہ مطلقہ اس کے لیے حرام ہوگئی یہاں تک کہ وہ دوسرے سے نکاح کر لے اور وہ اس کے ساتھ جماع کرے، اور وہ دوسرا شوہر طلاق دے، لہٰذا دوسرے شوہر کی طلاق دینے اور عدت گزارنے کے بعد زید نکاح کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بیوی کو طلاق دینے کے بعد دوبارہ رکھ لینے پر سختی کرنے کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد پھر اسے رکھ لیا، جس کو بہت عرصہ ہو رہا ہے۔ اس کی طلاق سے

---

(۱) قرآن کریم، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۲۹

(۲) قرآن کریم، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۰

پہلے بھی اولادیں ہیں اور بعدِ طلاق پھر چند اولادیں ہیں ۔یہاں کا دستور ہے کہ ہر نکاح کے واسطے جماعت سے اجازت نامہ کا پروانہ حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔اب صورتِ مسئولہ میں جماعت ان لڑکوں کے نکاح کے واسطے پروانہ دے یا نہ دے، یعنی نکاح میں رکاوٹ پیدا کرے اس خیال سے کہ شاید اس سختی سے بھی اپنے ناجائز فعل سے رک جائے۔ جماعت کا خیال ہے کہ لڑکا اگر اپنی والدہ اور والد سے الگ ہو جائے تو نکاح کا پروانہ (چھٹی) دیا جائے گا۔جماعت کا یہ خیال شریعت مطہرہ سے درست ہے یا غلط؟ بینوا و توجروا.

الجواب

طلاق کی تین قسمیں ہیں، رجعی، بائن، مغلظہ اور ہر ایک کا حکم جدا گانہ ہے۔طلاقِ رجعی میں عدت کے اندر رجعت جائز ہے اور بعد عدت نکاح کر سکتا ہے۔طلاق بائن میں رجعت جائز نہیں لیکن نکاح کر سکتا ہے۔طلاقِ مغلظہ میں بغیر حلالہ نکاح بھی نہیں کر سکتا۔(عامہ کتب)

لہٰذا اس شخص نے اگر طلاقِ رجعی دی تھی اور عدت کے اندر رجعت کر لی تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں اور اگر طلاقِ بائن دی تھی یا رجعی میں بعد عدت بغیر نکاح اس مطلقہ کو رکھ لیا تو یہ حرام ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اس سے نکاح کر لینا چاہیے۔اور اگر طلاقِ مغلظہ دی تھی تو اس کو رکھنا بھی حرام اور بغیر حلالہ نکاح بھی حرام ہے۔مذکورہ بالا صورتوں میں سے جو صورت ارتکاب حرام کی ہو اس سے اجتناب ہر شخص پر فرض ہے اور اس معصیت پر توبہ لازم ہے۔ اگر توبہ نہ کرے تو مسلمان اس سے علاحدگی اختیار کریں ،اس کی اولاد و دیگر اعزہ واحباب کو بھی اس شخص سے اجتناب کرنا چاہیے کیوں کہ حرام کی نحوست کا بڑا وبال ہے۔جماعت کا یہ خیال کہ لڑکا والدین کے اس فعلِ حرام سے متنفر ہو کر ان سے علاحدگی اختیار کر لے،درست ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ:عبدالعزیز عفی عنہ،

صح الجواب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب عبدالمصطفیٰ الازہری غفرلہ

الجواب صحیح:شمس الحق عفی عنہ

طلاق کے وعدے سے طلاق نہیں ہوگی

مسئلہ آمدہ از:شاہ پور تحصیل جین پور ضلع اعظم گڑھ یوپی

مسئلہ کلو جب اپنی بیوی کی رخصتی کرانے اپنی سسرال گیا، کلو کی ساس نے کلو سے کہا کہ تمہارے ساتھ ہماری لڑکی کا گزر نہیں ہوگا میں آنچل پھیلاتی ہوں جواب دے دو، تب کلو نے کہا جواب لے لو۔جواب لے لو۔

مستفتی۔محمد کلو

الجواب

صورت مسئولہ میں کلو کی ساس کا یہ کہنا کہ تمھارے ساتھ ہماری لڑکی کا گزر نہیں ہوگا، میں آنچل پھیلاتی ہوں جواب دے دو اور پھر کلو کا جواب میں یہ کہنا کہ "چار آدمی کو بلاؤ جواب لے لو، جواب لے لو" جیسا کہ سائل مظہر ہے۔

تو یہ طلاق کا وعدہ کرنا ہے طلاق دینا نہیں اور اس کو کلو کی ساس بھی سمجھتی ہے کہ کلو نے طلاق نہیں دی ہے بلکہ وعدہ کیا ہے یہی وجہ تو ہے کہ وہ اس کے بعد اپنی لڑکی کو کلو کے یہاں رخصت کرتی ہے اور طلاق کا وعدہ کرنے سے طلاق نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم. واللہ تعالیٰ اعلم.

اہلیہ کی والدہ کو طلاق دینا لغو ہے

از: احقر ادریس ۲۴؍ جولائی ۱۹۴۶ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے اپنی اہلیہ کو دو مرتبہ طلاق دیا۔ اور تیسری مرتبہ بوجہ غصہ اہلیہ کی والدہ کو طلاق دیا۔ چونکہ زید بہت بے چین ہے اور پریشان ہے اور چاہتا ہے کہ پھر اپنی اہلیہ کو رکھوں تو رکھنے کا کون سا طریقہ ہوگا اور طلاق دیے قریب قریب تین ماہ کا عرصہ ہوا ہے۔ زید کی اہلیہ بھی رہنے پر راضی ہے اور اس کے والدین بھی راضی ہیں۔

الجواب

اہلیہ کی والدہ کو طلاق دینا لغو و باطل ہے۔ اہلیہ کو اگر صرف دو ہی طلاق صریح دیں تو یہ طلاقِ رجعی ہے، عدت کے اندر رجعت کا حق ہے اور بعدِ عدت نکاح کر سکتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۖ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ"(۱)

طلاق کی عدت تین حیض ہے اور اگر عورت حاملہ ہے تو وضعِ حمل عدت ہے۔ لہٰذا اگر حاملہ ہے اور وضعِ حمل نہیں ہوا یا حمل نہیں ہے اور تین حیض نہیں آئے تو رجعت کر سکتا ہے ورنہ نکاح کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

طلاق نامہ کا حکم

مسئلہ میرے شوہر نے مورخہ ۹؍ یا ۱۲؍ دسمبر ۵۰ء کو آکر طلاق دیا اور اس طرح سے لکھا جو کہ حسب ذیل مندرج ہے: میں کہ صابر علی ولد امانت علی شاہ موضع بشن پورہ، ٹنٹنوا تھانہ پچپڑوا ضلع گونڈہ کا ہوں جو کہ آج بتاریخ ۹؍ یا

---

(۱) قرآن کریم، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۲۹

۱۲ر دسمبر ۵۰ء اپنی عورت عجیب النسا کو جو کہ لال محمد شاہ موضع کبد گورا تھانہ بچھپڑوا، ضلع گونڈہ کی لڑکی ہے اپنی خوشی، رضا مندی و درستی عقل سے طلاق دیتا ہوں اور یہ اقرار کرتا ہوں کہ مسماۃ سے مجھے کوئی واسطہ نہیں اور جو کچھ زیور وغیرہ تھا وصول پاکر اقرار نامہ بطور رسید لکھ دیا کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام دے۔

اسی طرح سے لکھا اور زیور واپس لیا۔ زیور جب لے لیا تو ایک تیسرا آدمی طلاق نامہ نوچ کر پھینک دیا اور چلے گئے تو طلاق ہوگئی کہ نہیں اور بچپن میں صرف رسم ادا کرنے شوہر کے گھر گئی تھی، عدت کیا ہے اور مہر کا کیا حق ہے۔ اس کا فتویٰ جلد از جلد بھیجا جائے؟ میں غریب لڑکی از حد پریشان ہوں۔ آپ لوگ مہربانی کریں، خدا آپ لوگوں کا درجہ بلند فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ گواہان جو زیور دیا محمد یاسین خاں، یاسین ولد محمد، فتح نجار، حسن رضا فقیر، شبیر و دیگر مسلمان مسماۃ عجیب النساء دختر لال محمد شاہ موضع کبد گورا، بچھپڑوا ضلع گونڈہ۔

الجواب

جب کہ صابر علی نے اپنی بی بی عجیب النسا کو طلاق نامہ میں لکھ دیا کہ میں تمھیں طلاق دیتا ہوں اور زیور وغیرہ وصول پاکر اقرار نامہ لکھ دیا تو طلاق واقع ہوگئی۔ اس کے بعد طلاق نامہ کو پھاڑ کر پھینک دینے سے طلاق واپس نہیں آتی۔ طلاق نامہ صرف ثبوت کے لیے تھا۔ مگر جب کہ گواہان موجود ہیں تو طلاق ثابت بھی ہے۔ صحبت یا خلوت صحیحہ سے عدت واجب ہوتی ہے، جب کہ بچپن میں صرف رسمار خصتی ہوئی تھی اس کے بعد نہ صحبت ہوئی نہ خلوت صحیحہ تو عدت نہیں۔ عجیب النسا فوراً اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ اس صورت میں صابر علی پر آدھا مہر ادا کرنا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

اقرار نامہ کے ذریعہ طلاق کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

جس کا شوہر اقرار کر چکا ہو بلکہ اقرار نامہ لکھ دیا ہے کہ اپنی عورت کے ساتھ کوئی بیجا حرکت کرے تو پنچوں کو اختیار ہے جو چاہیں کریں پھر اس نے اپنی عورت کے ساتھ بہت بڑی بیجا حرکت کی کہ اس کا ناک ہاتھ چاقو سے کاٹ دیا اور سرکار کی طرف سے اس کو پانچ سو روپیہ جرمانہ اور دو سال کی سخت سزا ہوئی۔ ایسی حالت میں کیا عورت اپنا ثانی نکاح کر سکتی ہے؟ جو احکام شرعی ہوں اس کو فرمائیں۔

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ مسماۃ بدر النسا کا شوہر جس کے متعلق سوال ہے، بہت ہی بد مزاج اور ظالم ہے اس کے ساتھ نباہ ناممکن ہے۔ اس کے ظلم سے تنگ آکر یہ اقرار نامہ لکھایا تھا، جس سے مقصد یہ تھا کہ اگر اس کے بعد شوہر اپنا ردیہ

تبدیل نہ کرے اور ظلم وستم کرے تو بدر النسا کو طلاق ہو جائے۔ لیکن کاتب نے اپنی جہالت یا خیانت سے اقرار نامہ میں یہ نہیں لکھا کہ اگر میں آئندہ ایسی حرکت کروں تو میری زوجہ بدر النسا کو طلاق ہے، یا پنچان کو حق ہوگا کہ وہ میری وکالت میں بدر النسا کو طلاق دے دیں اور بدر النسا کو حق تفویض ہے کہ وہ اپنے کو طلاق دے لے۔ بلکہ یہ لکھا کہ زوجہ اور پنچان کو اختیار حاصل ہوگا کہ ہم مقراور ہم مقر کے گھر والوں کے ساتھ مناسب کارروائی عمل میں لاویں۔ اگر چہ یہ الفاظ بہت ہلکے ہیں لیکن جب کہ شوہر کا ظلم یہاں تک پہنچا کہ ناک اور ہاتھ تک کاٹ دیا تو ایسی صورت میں مناسب کارروائی طلاق ہی میں منحصر ہے۔ لہٰذا مقصد اقرار نامہ کے مطابق پنچان شوہر کی توکیل میں بدر النسا کو طلاق دیدیں اور بدر النسا حق تفویض میں اپنے کو طلاق دے لے اور عدت گزارنے کے بعد دوسرا نکاح کرلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

ڈرا دھمکا کر طلاق لینے کا حکم

مستدعیان: محمد عبداللہ خان و محمد عباس خاں حنفی قادری مجددی ساکنان موضع مکندپور، ڈاک خانہ، نظام آباد، اعظم گڑھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں ہادیان دین، رہبرانِ راہِ متین اہل سنت وجماعت بابت اس امر کے کہ:

ایک شوہر نے اپنی جائداد کے خراب اور اکثر سامان خانہ داری کو فروخت کر کے اپنی نوعمر بیوی مع ایک بچہ کے مکان میں چھوڑ کر آوارہ گردی اختیار کرلی۔ جب عورت کے نان ونفقہ کی صورت نہ رہ گئی تو وہ اپنے میکے جا کر بسر اوقات کرنے لگی۔ چار سال تک انتظار کرنے کے بعد جب شوہر کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو عورت اس شوہر سے طلاق کی طلب گار ہوئی مگر شوہر نے طلاق دینے سے انکار کیا۔ عورت نے موضع کے چند مسلمانوں کو اکٹھا کیا، اس میں بھی شوہر حاضر ہونے سے انکاری ہوا۔ شوہر کی کج خلقی، آوارگی اور بربادیِ جائداد وغیرہ کے سبب عورت کسی صورت شوہر کے یہاں جانے کے لیے رضامند نہ ہوئی۔ عورت کی عصمت دری کا اندیشہ دیکھ کر عورت کے والدین اور چند دیگر اشخاص نے شوہر سے جبراً وقہراً طلاق نامہ لکھوا کر بعد گزرنے عدت کے عورت کا عقد ثانی کر دیا۔ پس

(۱) یہ طلاق وعقد ثانی جائز ہوا یا نہیں؟

(۲) اگر جائز نہیں ہوا تو دوسری صورت کیا ہے؟

(۳) ایسے نکاح پڑھانے والے پر کیا حکم ہے۔ بحوالہ کتب اہل سنت مع دستخط ومہر جواب ارسال فرمائیں۔

الجواب

اگر معمولی طور پر ڈرا دھمکا کر طلاق نامہ لکھوایا ہے جو شرعاً اکراہ ملجی نہیں یا اکراہ ملجی تھا مگر زبانی بھی شوہر نے طلاق دی تو ان دونوں صورتوں میں طلاق ہوگئی اور نکاحِ ثانی صحیح ہوگیا۔ نکاح پڑھانے والے پر کوئی الزام نہیں۔ اور اگر وہ شوہر شرعاً مجبور تھا یعنی اس پر ایسا جبر کیا گیا کہ اسے جان جانے یا ہاتھ پیر توڑنے یا کسی گھر میں قید کیے جانے کا گمان غالب ہوا اور اس

نے الفاظ سے طلاق نہ دی بلکہ صرف لکھا ہو تو اس صورت میں طلاق نہیں پڑی اور دوسرا نکاح باطل ہوا۔ عورت اس صورت میں اس دوسرے شخص کے پاس نہ رہے۔ اس کا اصلی شوہر اگر اسے نہ رکھنا چاہے یا اس کے حقوق زوجیت کو پورا نہ کرتا ہو تو اس صورت میں اس سے طلاق لے لینی چاہیے اور شوہر پر بھی لازم ہے کہ اسے رکھے تو اس کے حقوق کو پورا کرے ورنہ چھوڑ دے، یوں ہی لٹکائے رکھنا سخت گناہ کا باعث ہے۔ دوسری صورت میں عقد ثانی کا پڑھانے والا اگر اصل حال سے واقف تھا تو اس کو توبہ کرنی چاہیے۔

عالم گیری میں ہے:

"رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فکتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته كذا فی فتاوىٰ قاضی خان."[1]

نیز اسی میں ہے:

"لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیرہ وکذالك المعتدة."[2] واللہ تعالیٰ اعلم.

غلام جیلانی اعظمی عفی عنہ

مدرس دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، ۲۷ر محرم الحرام ۱۳۷۰ھ

کیا نابالغ طلاق دے سکتا ہے؟

مسئلہ آمدہ از: محمد آباد، محلہ برئی پور۔ ۲۹ر شوال ۱۳۶۸ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

خاتون نابالغ لڑکی ہے، جس کا نکاح اس کی ماں کی اجازت سے ہوا تھا، آیا درست ہے یا ناجائز ہے۔ اگر درست ہے تو زید اس سے دست بردار ہونا چاہتا ہے جو نابالغ ہے۔ خاتون عرصہ تین برس سے سسرال میں رہتی ہے۔ عدت ومہر کا کتنا خرچہ زید پر عائد ہوتا ہے؟

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ خاتون نابالغہ کا شوہر بھی نابالغ ہے، جس کو سوال میں زید نے ظاہر کیا ہے۔ لہٰذا زید جب تک بالغ نہ ہو طلاق نہیں دے سکتا۔ بالغ ہونے پر زید مختار ہے چاہے تو طلاق دے سکتا ہے۔ اگر قبل وطی طلاق دے گا تو نصف مہر لازم آئے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(۱) فتاویٰ، عالمگیری، ج:اول، ص:۳۷۹، کتاب الطلاق، مطبوعہ بیروت، لبنان

(۲) فتاویٰ، عالمگیری، ج:اول، ص:۲۸۰، کتاب النکاح، الباب الثالث في بیان المحرمات، مطبوعہ بیروت، لبنان

تین طلاق کا مسئلہ

مسئلہ علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں۔

حفیظ اللہ نے اپنی بیوی سے ناشتہ مانگا، اس نے کہا کہ ناشتہ نہیں ہے، اسی میں آپس میں گستاخی اور بے ادبی کے ساتھ بات چیت ہوئی۔ حفیظ اللہ محلہ کے تین آدمیوں کو بلا لائے، عظیم اللہ، لقمان سردار، لال محمد۔ ان لوگوں کے سامنے حفیظ اللہ نے اپنی بیوی کو طلاق دیا، طلاق دیا، جب تیسری مرتبہ طلاق دینا چاہا تو لقمان سردار نے اٹھ کر زور سے منہ بند کر دیا۔ شوہر کچھ بول رہا تھا مگر آواز صاف نہیں نکلی۔ پھر لقمان سردار نے منہ سے ہاتھ ہٹا لیا تو حفیظ اللہ نے کہا کہ جو کچھ ہمیں کہنا تھا کہہ دیا، اب اس کو اس کے میکے پہنچا دو۔ بیوی کے والد کے ساتھ زیور وغیرہ اتار کر رخصت کر دیا۔ پھر چار ماہ سات روز کے بعد حفیظ اللہ نے اپنی بیوی کو لا کر رکھ لیا تو پنچ لوگوں نے حفیظ اللہ کو بلا کر پوچھا کہ تیسری مرتبہ کیا کہہ رہے تھے تو حفیظ اللہ نے کہا کہ ہم وہی کہہ رہے تھے جو پہلے دو مرتبہ کہہ چکے ہیں۔ اور گواہ لقمان سردار سے پنچ لوگوں نے پوچھا کہ تمہارے نزدیک طلاق ہوئی تھی یا نہیں۔ گواہ لقمان سردار نے کہا کہ میرے نزدیک طلاق ہو گئی تھی۔ ازروئے شرع اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب

صورت مسئولہ میں دو طلاق صریح واقع ہوئیں اور تیسری طلاق کے وقت اگرچہ منہ بند تھا لیکن بول رہا تھا، البتہ آواز صاف نہیں تھی کہ سننے والے پہلی دو طلاقوں کی طرح اس کو بھی صاف سنتے، مگر جب کہ حفیظ اللہ نے پنچوں کے دریافت کرنے پر بیان کر دیا کہ ہم وہی کہہ رہے تھے جو دو مرتبہ کہہ چکے ہیں تو یہ تیسری طلاق بھی واقع ہو گئی۔ اس لیے کہ لفظ طلاق میں کوئی حرف شفوی نہیں کہ منہ بند ہونے کی صورت میں ادا نہ ہو سکے۔ بلکہ طلاق کے حروف منہ بند ہونے کی صورت میں بھی ادا ہو سکتے ہیں اور قائل آواز سن کر سمجھ بھی سکتا ہے اور حفیظ اللہ کی آواز بھی نکلی کہ جس کو دوسرے لوگوں نے بھی سنا البتہ صاف نہ ہونے کی وجہ سے دوسروں کی سمجھ میں نہ آئی مگر حفیظ اللہ نے خود سمجھا، اسی لیے اس نے کہا ہمیں جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا، اب اسے میکے پہنچا دو۔ لہٰذا یہ تیسری طلاق بھی واقع ہو گئی اور یہ طلاق مغلظہ ہو گئی اور حفیظ اللہ کی بی بی اس پر حرام ہو گئی۔

قال اللہ تعالیٰ: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ[1] وھو تعالیٰ اعلم.

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح: محمد یحییٰ اعظمی

مدرس اشرفیہ ۲۷ر محرم الحرام ۱۳۶۹ھ

---

(۱) قرآن کریم، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۰

"تم میری نظر سے دور ہو جاؤ" کے جملے سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

سائل: محمد گلزار قادری، گیوال بیگہ، سول لائن، شہر گیا، بہار۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ

اگر زید نے اپنی بیوی سے کہا تم ہماری ماں ہو اور ہم تمھارے بیٹا ہیں اور زید نے بارہا اس جملہ کو استعمال کیا اور کہا ہم تمہیں نہیں چاہتے ہیں، تم میری نظر سے دور ہو جاؤ کہ ہم تمھارے شکم کی پیدا ہیں اور زید نے اپنی بیوی کی پستان سے منہ لگا کر دودھ زبردستی پیا، اس کی بیوی دودھ پیتے وقت بولی آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو زید نے جواب دیا کہ مجھے ماں کا دودھ پینے کی عادت ہے، اس لیے میں پیتا ہوں اور اپنی بیوی کے بولنے کی وجہ سے بری طرح اسے مارا ہے۔ وہ عورت کہتی ہے اور بستی والے بھی اس واقعہ سے واقف ہیں۔ اور زید تین برس چھ ماہ سے فرار ہے اور اس کی بیوی ساڑھے تین برس سے مزدوری کر کے اپنی پرورش کر رہی ہے۔ اب وہ دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے۔ لہٰذا اب دوسرے شخص سے اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

زید کے اقوال مذکورہ میں سے ایک قول یعنی "تم میری نظر سے دور ہو جاؤ" الفاظ طلاق کنایہ کی ان قسموں میں سے ہے جو جواب اور رد دونوں کا احتمال رکھتے ہیں لہٰذا اگر زید نے خوشی کی حالت میں اس جملے کو کہا یا زوجہ نے اس سے طلاق کا مطالبہ کیا تھا اس کے جواب میں اس نے کہا تھا اور بہر صورت اس سے طلاق کی نیت کی تھی تو اس پر طلاق بائن واقع ہو گئی۔ اور اگر طلاق کی نیت نہیں کی تھی تو کچھ نہیں اگر شوہر کی نیت معلوم ہو چکی ہو مثلاً یوں کہا اور اس نے کسی سے اپنی مراد ظاہر کر دی ہو کہ اس نے بقصد طلاق اس جملے کو کہا ہے تو عدت گزرنے کے بعد عورت عقد ثانی کر سکتی ہے۔ اور اگر اب تک شوہر کی نیت کا پتہ نہیں چلا تو اس سے مل کر معلوم کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

شرح وقایہ میں ہے:

و نحو اخرجی و اذهبی و قومی یحتمل ردا.(۱)

عالمگیری میں ہے:

و مایصلح جواباً ورداً لا غیر اخرجی اذهبی اعزبی، قومی، تقنعی، استتری، تخمری الی قوله ففی حالة الرضا لایقع الطلاق فی الالفاظ کلها الابالنیة و القول قول الزوج فی ترک النیة مع الیمین و فی حالة مذاکرة الطلاق یقع الطلاق فی سائر الاقسام قضاء الا فیما یصلح جواباً

(۱) شرح وقایہ ثانی، ص: ۹۲، مجلس البرکات، مبارک پور

ورداً فانه يجعل طلاقاً كذا في الكافي.[1]

زید کا یہ کہنا کہ تم ہماری ماں ہو،ہم تمھارے بیٹے ہیں یا ہم تمھارے شکم سے پیدا ہیں اس سے گناہ کے سوا کچھ نہیں۔

" عالمگیری جلد ثانی باب الظهار" میں ہے:

ولو قال لها انت امي لا يكون مظاهرا وينبغي ان يكون مكروهاً.[2]

زید کا اپنی زوجہ کا دودھ پینا حرام ضرور ہے مگر اس عمر میں اس فعل حرام سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

در مختار میں ہے:

(ويثبت التحريم)في المدة فقط.[3]

نیز اسی میں ہے:

و ليم يبح الارضاع بعد مدته لانه جزء الآدمي والانتفاع بجزء الادمي حرام على الصحيح.[4]

شوہر کا یہ جملہ کہ ہم تمہیں نہیں چاہتے طلاق کنایہ نہیں،[بہار شریعت بحوالہ فتاویٰ رضویہ]۔والله تعالى اعلم.

لفظ "ہم نے تمھیں چھوڑ دیا" سے کون سی طلاق پڑے گی؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اور مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ زید اور زوجۂ زید میں کسی لا یعنی بات پر گفت وشنید بڑھی،یہاں تک کہ زید نے طیش میں آکر ہندہ سے کہا کہ ہم تمھیں طلاق دیا۔اس کے بعد زید لیٹ گیا۔ہندہ نے اپنی بک بک جاری رکھی۔اس بنا پر زید نے جھنجھلا کر کہا کہ اب کیا بک بک کرتی ہے،ہم تو تمھیں چھوڑ دیا۔بعد ازاں ہندہ نے اپنی ماں کو بلایا۔ماں نے آکر جب سنا کہ طلاق دیا ہے،والدۂ ہندہ واپس چلی گئیں۔اور دو آدمیوں کو بھیجا،ان دو آدمیوں نے آکر پوچھا کیا معاملہ ہے؟ تو زید نے کہا ہاں ان کو چھوڑ دیا ہے اور لے جاؤ،تو ان دونوں نے کہا کہ تین دفعہ طلاق دیا ہے،زید نے کہا کہ ہاں۔تو وہ آدمی لے کر چلے گئے۔اس کے بعد مولوی صاحب سے پوچھا کہ ہم اپنی بیوی کو چھوڑ دیا ہے،اب اس کو رکھ سکتے ہیں،تو کہنے لگے کہ نہیں۔دوسرے مولوی صاحب کے پاس گئے تو انھوں نے کہا جس سے بھی

---

(۱) الفتاویٰ الهنديه،ج:۱،ص:۳۷۴-۳۷۵، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات

(۲) الفتاویٰ الهنديه،ج:۱،ص:۵۰۷، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات

(۳) در مختار على هامش رد المحتار،ج:۳، ص:۲۱۱، دار الفكر بيروت، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء

(٤) در مختار على هامش رد المحتار،ج:۳، ص:۲۱۱، دار الفكر بيروت، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء

تم نے کہا ہے کہ ہم نے چھوڑ دیا وہ طلاق میں شمار کیا جائے گا۔ عمرو یہ کہتا ہے کہ "ہم نے چھوڑ دیا ہے" کھلا اقرار اس کو اپنے فعل کا ہے، کیا کسی جرم کے اقرار کو جرمِ ثانی قرار دینا جہالت ہے؟ لہٰذا از روے شرع شریف جواب دیا جائے۔

الجواب

زید کا ہندہ سے یہ کہنا کہ ہم تو تمھیں چھوڑ دیا اور پھر ان دو آدمیوں سے جو ہندہ کو لینے آئے تھے یہ کہنا کہ "ہاں ان کو چھوڑ دیا ہے" ان دونوں میں دو احتمال ہیں، ایک اخبار یعنی پہلے طلاق کا اعادہ اور دوسرا انشا یعنی پہلے طلاق کے علاوہ دوسری جدید طلاق دینا۔ اگر دونوں جگہ اخبار مراد ہے تو ایک طلاق ہوئی اور اگر انشا مراد ہے تو تین طلاقیں ہوئیں۔ زید نے پہلا قول جو ہندہ سے کہا ہے اس میں اخبار و انشا دونوں مساوی معلوم ہوتے ہیں البتہ قولِ ثانی میں ظاہر اخبار ہے۔ ان دونوں قولوں کی توجیہ یہ ہوئی۔ پھر جب کہ ان دونوں آدمیوں نے زید سے دریافت کیا "تین دفعہ طلاق دیا ہے؟" تو زید نے جواب میں کہا "ہاں" تو تین طلاق کا اقرار ہے، اس لیے تین طلاقیں ہوئیں اور اس جواب سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں قول میں انشا مراد لیا ہے۔ اور اگر ان دو جگہوں پر اخبار مراد لیا ہو تو یہ جواب ہی تین طلاق کے لیے کافی ہے۔ مثلاً کسی نے دوسرے سے کہا "تم نے اپنی بیوی کو طلاق دیا" اور جواب میں ہاں کہے تو طلاق پڑ جاتی ہے۔ یوں ہی جب کہ تین طلاق کے سوال کے جواب میں ہاں کہے تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔

در مختار میں ہے:

ولو قيل له طلقت امراتك؟ فقال نعم او بلى بالهجاء طلقت.[1]

اور زید کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے یہ جواب تین طلاق کی تصدیق کے لیے دیا ہے، انکار کے لیے نہیں۔ لہٰذا ہندہ پر تین طلاقیں مغلظہ پڑ گئیں اور زید پر ہندہ حرام ہو گئی، بغیر حلالہ کے نکاح جائز نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

طلاق نامہ کا نفاذ مفاہمت نہ ہونے پر موقوف تھا اور مفاہمت ہو گئی

از: وسیم مالے گانوی، بدر کا باڑہ، مالیگانو، ضلع ناسک

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ:

میری دو بیویاں ہیں۔ ایک شب دوسری بیوی نے کہا کہ مجھے سوکن (سوتن) کا ساتھ برداشت نہیں ہوتا، بہتر ہے کہ تم مجھ کو چھوڑ دو۔ میں نے کہا اپنے طرف سے ایسا ہرگز کرنے کو تیار نہیں اور نہ دنیا کی کوئی طاقت مجھ سے ایسا کرا سکتی ہے، ہاں اگر تمھاری مرضی یہی ہے تو اس پر غور کروں گا۔

---

(۱) در مختار علی هامش رد المحتار، ج: ٤، ص: ٤٦٠، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان.

دوسرے دن ایک مسودہ اس خیال سے تیار کرلیا گیا کہ اگر کل تک آپس میں کوئی مفاہمت نہیں ہوئی تو طلاق نامہ نافذ کردوں گا اور چوں کہ مفاہمت کی امید تھی، اسی وجہ سے اس طلاق نامہ پر میں نے آنے والے کل کی تاریخ ڈالی تھی اور اپنے دستخط بھی اس پر نہیں کیے تھے، اس کے میرے پاس گواہ ہیں اور نہ میں نے اس تحریر کو اپنی بیوی کو دکھایا تھا۔ پھر اس دن میں نے ایک شخص کو بھیج کر معلوم کرنا چاہا کہ اب ان کی کیا رائے ہے۔ میرے بھیجے ہوئے آدمی نے میری بیوی سے گفتگو کرکے آکر مجھے اطلاع دی کہ اب تمھاری بیوی کے خیالات تبدیل ہوگئے ہیں اور وہ طلاق نہیں چاہتی، اس لیے میں نے خاموشی سے موجودہ طلاق نامہ نذر آتش کردیا۔

کیا ایسی حالت میں از روئے شرع میری بیوی مجھ سے علاحدہ ہوگئی، جب کہ طلاق اس کی مرضی پر تھی اور نفاذ سے پہلے ہی اس نے لینے سے انکار کردیا اور اس انکار کے بعد میں نے خاموشی سے اپنی بیوی کو کسی قسم کی اطلاع کے بغیر وہ طلاق نامہ جو نامکمل اور موقت تھا یعنی کہ جس پر میں نے اپنے دستخط نہیں کیے تھے اور جس پر آنے والے کل کی تاریخ تھی، نذر آتش کردیا۔ بینوا وتوجروا

الجواب

چوں کہ طلاق نامہ کا نفاذ مفاہمت نہ ہونے پر موقوف تھا، نیز نافذ کرنے کا ارادہ ہی تھا اور مفاہمت ہوگئی، لہٰذا طلاق نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مشروط طلاق کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

عزیز اللہ کے سالے نے نیز اس کی زوجہ نے طلاق کے لیے کہا۔ عزیز اللہ نے کہا کس لیے طلاق دوں پھر اس کے سالے نے جواب دیا کہ تم بیچنے چلے جاتے ہو جس کی وجہ سے ہماری ہمشیرہ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس پر اس کے شوہر یعنی عزیز اللہ نے کہا میں بیچنے نہ جاؤں گا اور کہیں مکان تلاش کرکے رہوں گا، وہیں لے چلوں گا اور اپنے پاس رکھوں گا۔ اس پر اس کے سالے نے کہا اس پر کوئی شرط لکھ کر مکان تلاش کرنے جاؤ تمھارا کیا اعتبار ہے، اس کے بعد عزیز اللہ نے کہا دو ماہ کے لیے۔ ان لوگوں نے اس کو منظور نہیں کیا اور کہا کہ ایک ہفتہ کے لیے لکھو۔ اگر میں ایک ہفتہ میں مکان تلاش کرکے نہ آؤں تو طلاق ہے۔ اس کے بعد عزیز اللہ کہیں چار ماہ تک نہیں گیا اور اس کی بیوی اس کے ہمراہ رہتی تھی بعد چار ماہ کے مال لے کر وہ پھر بیچنے گیا اور جب باہر آنے جانے لگا تو کوئی شرط نامہ نہیں لکھا گیا، برابر آتا جاتا رہا، بیس بائیس دن میں آتا تھا مگر ایک مرتبہ زیادہ دیر ہوگئی چار مہینہ میں آیا۔ اس اثنا میں یعنی عزیز اللہ کے باہر جانے کے تین ماہ بعد اس کی بیوی نے دوسرا عقد کرلیا۔ عزیز اللہ جب جاتا تھا تو اس کی رضامندی سے جاتا تھا پس ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور عقد ثانی درست ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب

یہ شرط کہ "اگر میں ایک ہفتہ میں مکان تلاش کر کے نہ آؤں تو طلاق ہے" قرینہ سے ظاہر ہے کہ اس سے مقصود عزیز اللہ کا اس وقت جلد واپس آنا ہے، لہٰذا اس کے نہ جانے اور مکان نہ تلاش کرنے سے طلاق واقع نہ ہوئی، ہاں اگر جاتا اور ایک ہفتہ میں واپس نہ آتا تو طلاق ہو جاتی لیکن جب گیا ہی نہیں تو طلاق واقع نہ ہوئی۔ چنانچہ عزیز اللہ کے نہ جانے پر اس کی بیوی کا چار مہینہ تک اس کے ساتھ رہنا اس کی تائید کرتا ہے" اس کے بعد کوئی دوسری شرط نہیں پھر جانے لگا اور پھر بیس بائیس روز میں آتا تھا اور یہ جانا آنا بیوی کی رضامندی سے تھا اس سے بھی ظاہر ہے کہ وہ ایک ہفتہ کی شرط اسی وقت کے لیے شرط تھی۔ لہٰذا شرط سے اِس وقت کے جانے اور دیر تک نہ آنے سے طلاق واقع نہ ہوئی اور عقد ثانی درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کیا شرط پائے جانے کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی

سائلہ: زینب النساد ختر مصلح الدین ساکن گول پور، تحصیل اکبر پور، ضلع فیض آباد

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

میرا شوہر احمد ولد اسماعیل عرصہ سے تاڑی شراب وغیرہ پیتا تھا اور جوا وغیرہ کھیلتا تھا اور میری خبر گیری نہیں کرتا تھا، یہاں تک کہ میرا زیور بیچ کر انھیں کاموں میں صرف کر دیا اور مجھے کھانے پینے کی بھی تکلیف ہونے لگی، اسی وجہ سے میں اپنے میکے چلی آئی تو کچھ روز کے بعد میرا شوہر سید آل حسن صاحب اور اپنے والد اور ایک ہندو ماتا پرشاد کو لے کر میرے والد کے مکان پر آیا اور برادری کے کئی آدمی کو جمع کر کے اپنی غلطیوں کا اقرار کیا اور کہا کہ ہم آئندہ ایسا نہیں کریں گے۔ اگر ہم آئندہ تاڑی شراب پئیں یا جوا کھیلیں تو ہماری بیوی کو طلاق اور طلاق کا لفظ تین مرتبہ کہا اور اس کے متعلق ایک تحریر لکھ کر میرے والد کو دے دیا تو اس کے بعد میں اپنے شوہر کے مکان پر چلی آئی۔

دو مہینے تک اس کی حالت اچھی رہی، لیکن اس کے بعد ایک روز پی کر آیا اور جھک بک کرنے لگا اور اس کے منہ سے بدبو آتی تھی اور اسی حالت میں اپنے کپڑے وغیرہ لپیٹ کر اپنی والدہ سے کہنے لگا میری خطا قصور معاف کرو، اب میں جاتا ہوں اور اب میں نظام الدین پور میں نہیں آؤں گا۔

پھر اس کے بعد ایک روز دوپہر کو روپیہ لے کر بازار سودا لانے گیا تو شام کو آیا اور اس کے منہ سے بدبو آ رہی تھی، اسی حالت میں مجھے گالیاں دینے لگا اور اپنے بدن کا کپڑا پھاڑ کر کھپرے پر پھینک دیا اور اس کی ماں بھاوج کہنے لگیں کہ بدبو اس کے پینے کی آتی ہے، پھر اس کے بعد ایک روز اپنی بھاوج اور باپ کے سامنے مجھے کہا کہ تو اب جا میں نے تجھے طلاق دیا۔

مندرجہ بالا تمام باتیں صحیح ہیں اور میں ان تمام باتوں کو حلف کے ساتھ بیان کر سکتی ہوں، لہٰذا سوال یہ ہے کہ اس صورت میں مجھے طلاق ہوئی یا نہیں اور کس قسم کی طلاق ہوئی از روے شرع جو حکم ہو اُسے بیان فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں مشروط دی تھیں، لہٰذا شرط پائے جانے کے بعد یعنی شراب پی لینے کے بعد تین طلاقیں مغلظہ پڑ گئیں۔

هدایه باب الایمان فی الطلاق میں ہے:

"إذا اضافه الی شرط وقع عقیب الشرط."(۱)

اور اگر اس سے قطع نظر کر لیا جائے تو بھی نشے کی حالت میں چار بار طلاقیں دی ہیں اس سے بھی تین طلاقیں پڑ گئیں کیوں کہ نشے کی حالت میں بھی طلاق پڑتی ہے۔

ہدایہ میں ہے:

"وطلاق السکران واقع."(۲)

بہر حال اس کی عورت پر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی اور وہ اپنے شوہر پر حرام ہو گئی۔ والله تعالیٰ اعلم.

غیر شرعی امر پر طلاق کی تعلیق کا حکم

از: نظام الدین اشرف، مقام حسین آباد، ڈاکخانہ جیلا ضلع پلاموں، بہار۔ ۱۳/ اکتوبر ۵۲ء/ ۲۲/ محرم الحرام ۷۲ھ بروز دوشنبہ۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ:

زید اپنے مکان کے باہر دروازہ پر چاندنی رات میں بیٹھا تھا اس کی پردہ نشیں بیوی دروازہ پر آئی، ایک اجنبی شخص کو گزرتے پاکر زید نے پردہ کرنے کو اسے (زوجہ کو) اشارہ کیا مگر نہ رکی بلکہ بول اٹھی کہ فلاں تو ہے (حالانکہ اجنبی کی عمر تقریباً ۳۵ سال ہے) زید نے طنزاً کہا کہ "تو گودی لے لو" تب غصہ سے بڑبڑانے لگی اور اندر جا کر پردہ نیز حکم پردہ پر آئی اور زید کو فحش گالی بکنے لگی۔ زید غصہ ہو کر اس سے بولا۔ جب پردہ ناپسند ہے اور کھولنے کا شوق ہے تو کل صبح بعدِ طلوع آفتاب ندی سے (جو کہ قریب ہے) ایک گھڑا پانی تم کو خود لانا پڑے گا ورنہ تین طلاق، تین طلاق، تین طلاق۔ زوجہ نے حسب حکم پانی لا دیا۔ اب دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ دریں صورت طلاق واقع ہو گئی کہ نہیں؟ عمر کہتا ہے طلاق ہو گئی کیوں کہ خلاف شرع

(۱) هدایه أولین، باب الأیمان في الطلاق، ص: ۳٦٥، مجلس البرکات، مبارك فور.

(۲) امام أبو الحسن علی فرغانی، الجزأن الأولان من الهدایة، باب طلاق السنة ص: ۳۳۸، مجلس البرکات، مبارك فور.

امر کی شرط باطل ہے۔ بکر کہتا ہے کہ کلیہ یہ ہے کہ اذا فات الشرط فات المشروط اس سے طلاق واقع نہ ہونا ظاہر۔ زید کی زوجہ پر اس کی سخت کلامی خصوصاً حکم پردہ پر کہ منصوص ہے منہ آنا اور دیگر فحش گوئی کے باعث توبہ لازم ہے۔

صحیح جواب سے مستفیض فرما کر اجر دارین حاصل کریں تادم تحریر فریقین قربت سے مُجتنِب ہیں۔

الجواب

صورت مسولہ میں زید کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی، بکر کا قول صحیح اور عمر کا قول غلط ہے، خلاف شرع امر کی قسم اگرچہ ناجائز ہے مگر اس امر کا باطل ہونا الگ بات ہے اور اس سے دوسری شے کا ثبوت یہ امر دیگر ہے فعل حرام ضرور حرام ہے لیکن اس سے دوسری شی کا ثبوت بھی نہ ہوا ایسا نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولو قال ان شربت الخمر فانت طالق فشهد على شرب الخمر رجل و امرأتان لاتقبل في حق الحد ولا في حق الطلاق و قيل تقبل في حق الطلاق و هو المختار للفتوى كذا في خزانة المفتين.[1]

یعنی کسی شخص نے کہا اگر میں شراب پیوں تو میری بیوی پر طلاق۔ پھر اس کے شراب پینے کی ایک مرد اور دو عورتوں نے شہادت دی تو یہ شہادت حد اور طلاق دونوں میں مقبول نہیں مگر قول مختار پر یہ شہادت طلاق کے حق میں مانی جائے گی یعنی واقع ہو جائے گی۔

فتویٰ میں شہادت مقبول ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ صرف اسی قول مشروط پر طلاق نہیں ہوئی جب شرط پائی گئی اور شہادت سے ثابت ہوئی تب وقوعِ طلاق کا حکم دیا گیا یعنی اگر شراب نہ پیتا تو طلاق واقع نہ ہوتی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ اگر زید نے خلاف شرع امر پر تعلیق کی تب بھی تعلیق صحیح ہے۔ لیکن جب کہ شرط نہیں پائی گئی تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔

یہ وہ صورت ہے کہ ندی سے پانی لانے میں بے پردگی کی قید ہو مگر سوال میں یہ نہیں ہے کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ بے پردہ ہو کر ندی سے پانی لا بلکہ یہ کہا" بعد طلوع آفتاب ندی سے ایک گھڑا پانی تم کو خود لانا پڑے گا ورنہ تین طلاق" زید کی بیوی ندی سے پانی پردہ کر کے لاسکتی ہے۔ لہٰذا یہ شرط خلاف شرع بھی نہیں ہے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں تعلیق صحیح ہے اور جب شرط نہیں پائی گئی تو طلاق نہیں ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم. عبدالعزیز عفی عنہ

(۱) فتاویٰ عالم گیری، جلد: ۲، ص: ۱۰

اگر کسی نے اپنی بیوی کو بہن سمجھا تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے زینب سے نکاح کیا، جس کو تین سال گزرے، ہندہ جبھی سے زید کے مکان پر ہے مگر زید اس کے ساتھ بہن کا برتاؤ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں زینب کو بہن سمجھتا ہوں، اس کو نکاح میں نہیں رکھوں گا۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے اس برتاؤ اور اس قول سے کیا طلاق ہوگئی اور زینب زید کے نکاح سے نکل گئی یا اگر طلاق ہوگئی تو زینب بغیر عدت گزارے نکاحِ ثانی کر سکتی ہے، یا عدت کی ضرورت ہے، اور اگر طلاق نہیں ہوئی تو طلاق دینے کے بعد عدت کی ضرورت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب

ان الفاظ سے جو زید نے کہے نہ طلاق واقع ہوئی نہ ظہار ہوا۔ ہاں اگر زید طلاق دے دے اور وطی یا خلوت صحیحہ ہونے کے بعد طلاق ہو تو عدت کی ضرورت ہے، ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

نامرد شخص سے خلاصی اور حالتِ حمل میں طلاق کا حکم

از: محمد خلیل خاں، موضع اگیا، ضلع بستی، ڈاک خانہ دودھارہ۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں:

(۱) زید کم عقل ہے اور نامرد بھی ہے تو ایسی صورت میں شریعتِ مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟

(۲) ایک عورت ہے جس کے حمل ہے اور اس کا زوج اس کو طلاق دینا چاہتا ہے تو زوج طلاق دے سکتا ہے کہ نہیں حالتِ حمل میں؟

(۳) ایک عورت ہندہ ہے، اس کے زوج نے اس کو حالتِ حمل میں طلاق دے دیا تو ہندہ عدتِ حمل گزارے یا عدتِ طلاق، یا وہ فوراً نکاح کر سکتی ہے؟ بینوا توجروا.

الجواب

(۱) نامرد ہونے کی صورت میں بہتر ہے کہ شوہر عورت کی خواہش پر طلاق دے دے۔ اگر شوہر طلاق نہ دیتا ہو تو خلاصی کی صورت یہ ہے کہ عورت قاضی کے سامنے اپنی درخواست پیش کرے اور قاضی شوہر کو بلا کر دریافت کرے۔ اگر شوہر نے اقرار کر لیا تو ایک سال کی مدت مقرر کر دے اور کہہ دے اگر سال بھر کے اندر اندر کامیاب ہوئے تو بہتر ورنہ

طلاق دینا ہوگا۔ شوہر کامیاب ہو گیا تو بہتر ورنہ طلاق دے۔ شوہر طلاق نہ دیتا ہو تو خود قاضی تفریق کر دے، اس سے نکاح ختم ہو جائے گا۔ اگر خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہے تو پورا مہر بھی پائے گی اور عدت کے بعد نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔ چوں کہ اس زمانے میں قاضی نہیں ہیں لہٰذا کسی بڑے عالم متدین اور متشرع کو پنچ مان کر تصفیہ کرالے۔

ہدایہ میں ہے:

"واذا كان الزوج عنينا اجله الحاكم سنة فان وصل اليها فبها والا فرق بينهما اذا طلبت المرأة ذالك و تلك الفرقة تطليقة بائنة."(۱)

اسی میں ہے:

" ولها كمال مهرها ان كان خلا بها فان خلوة العنين صحيحة ويجب العدة."(۲)

فتاویٰ خیریہ میں ہے:

يصح التحكيم فى مسئلة العنين لانه ليس بحدٍ ولا قودٍ ولا ديةٍ على العاقلة ولهم ان يفرقوا بطلب الزوجة."(۳) والله تعالىٰ اعلم.

(۲)(۳) بلا وجہِ شرعی طلاق دینا شریعتِ مطہرہ کے نزدیک نہایت شنیع و قبیح ہے۔ حدیث شریف میں اس کو مبغوض فرمایا گیا ہے۔ طلاق دینے سے پہلے خوب غور کر لینا چاہیے کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار ہے یا نہیں۔ جب تک کوئی بھی شکل نباہ کی ہو سکتی ہے تو اسی پر عمل کرے اور حتی الوسع طلاق سے پرہیز کرے۔ اگر واقعی طلاق کی ضرورت حالتِ حمل میں پیش آئے تو طلاق دے سکتا ہے اور عدت وضعِ حمل ہوگی۔ وضعِ حمل کے بعد نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: "وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ "(٤) والله تعالىٰ اعلم.

نامرد شخص سے نکاح کے فسخ کا حکم

از: نور محمد، گیوال بیگہ، شہر گیا ۲۳؍ ربیع الآخر ۱۳۶۸ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے اہلِ سنت و مفتیانِ شریعت مسئلہ مندرجہ ذیل میں:

---

(۱) امام ابو الحسن على فرغانى، هدايه، كتاب الطلاق، ج:۲، ص: ٤٠٠، ٤٠١، مجلس البركات، مبارك فور

(۲) امام ابو الحسن على فرغانى، هدايه، كتاب الطلاق، ج:۲، ص: ٤٠١، مجلس البركات، مبارك فور

(۳) فتاوىٰ خيريه، ج:۲، ص:۲۷

(٤) قرآن حكيم، سورة الطلاق، آيت ٤

زید نے اپنی لڑکی مسماۃ خالدہ کا نکاح بکر کے ساتھ کردیا، جس کو قریب سات برس کا زمانہ ہوتا ہے۔ اب سات برس کے بعد جب خالدہ اپنے میکہ آئی تو وہ کہتی ہے کہ آج تک بکر نے میرے ساتھ وہ تعلق جو زن وشوہر کے لیے مخصوص ہے، کبھی نہ کیا اور نہ اس کے کرنے پر وہ قادر ہے۔ میں نے شرم وحجاب کی وجہ سے اب تک اس کو ظاہر نہ کیا۔ مگر اب جب کہ میں بالکل مجبور ہو چکی ہوں اور اپنے انجام کو دیکھتی ہوں تو میں سمجھتی ہوں کہ میری زندگی تباہ و برباد ہو جائے گی، لہٰذا اب میں نے ظاہر کیا۔ اب بکر کے ساتھ میرا رہنا کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ خالدہ اور بکر میں تفریق جائز ہے یا نہیں؟ تو اس صورت میں از روے شرع شریف کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا.

نوٹ: عوام میں بھی یہ بات مشہور ہے کہ بکر عنین ہے یعنی عورت کے قابل نہیں۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں بکر واقعی عنین ہے تو بکر کو چاہیے کہ طلاق دے اور طلاق نہ دے تو عورت اپنے اس معاملہ کو قاضی کے سامنے پیش کرے اور قاضی کے دریافتِ حال کے بعد اگر شوہر نے عنین ہونے کا اقرار کرلیا تو ایک سال کی مدت مقرر کردے۔ اس مدتِ معینہ میں اگر بکر کامیاب ہوا تو فبہا ورنہ طلاق دے اور اگر طلاق سے رکے تو خود قاضی ان کے درمیان تفریق کردے۔ اس سے نکاح ختم ہو جائے گا اور اگر خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہے تو پورا مہر پائے گی اور نکاح کرنا چاہے تو عدت کے بعد کرسکتی ہے۔ چوں کہ اس زمانے میں قاضی نہیں ہے لہٰذا کسی بڑے عالم متدین و متشرع کو پنچ مان کر تصفیہ کرالے۔

ہدایہ میں ہے:

"واذا كان الزوج عنّينا اجلّه الحاكم سنة فان وصل اليها فبها والا فرق بينهما وتلك الفرقة تطليقة بائنة ."(۱)

اسی میں ہے:

"ولها كمال المهر ان كان خلا بها فان خلوة العنين صحيحة و يجب العدة ."(۲)

فتاویٰ خیریہ میں ہے:

"ويصح التحكم فى مسئلة العنين لانه ليس بحد ولا قود ولا دية على العاقلة ولهم ان يفرقوا بطلب الزوجة."(۳) والله اعلم.

---

(۱) امام ابو الحسن علی فرغانی، هدايه، كتاب الطلاق، ج:۲، ص: ۴۰۰، ۴۰۱، مجلس البركات، مبارك فور

(۲) امام ابو الحسن علی فرغانی، هدايه، كتاب الطلاق، ج:۲، ص: ۴۰۱، مجلس البركات، مبارك فور

(۳) فتاویٰ خيريه، ج:۲، ص:۲۷

جذام کے سبب عورت فسخ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

سائل: رسول بخش

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

زید نے اپنی لڑکی کی شادی کم سنی میں کر دی، مگر شادی کے بعد معلوم ہوا کہ بکر کو جذام کا عارضہ ہے۔ لڑکی جس وقت بالغ ہوئی اس نے اس وقت اعلانیہ نکاح فسخ کر دیا وہ نکاح فسخ ہوا یا نہیں ؟

الجواب

شوہر کے صرف جذامی ہونے کی صورت میں منکوحہ کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں۔ للہذا یہ نکاح فسخ نہیں ہوا۔

ہدایہ میں ہے:

"وان كان بالزوج جنون او برص او جذام فلا خيار لها."[1] والله تعالىٰ اعلم.

مذکورہ بالا حکم تو فسخ کے بارے میں ہے مگر جب کہ زید کے جذامی ہونے کی صورت میں اس کی زوجہ کو اس سے نفرت ہے اور وہ اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو زید کو چاہیے کہ اپنی عورت کو طلاق دے دے۔ والله تعالىٰ اعلم.

مطلقہ عورت کی عدت

مکرمی و معظمی السلام علیکم

مسئلہ بعد سلام مسنون کے معلوم ہو کہ ہم لوگوں کے یہاں ایک مسئلہ در پیش ہے، جس میں کئی ایک علما کا اختلاف ہے سب لوگ پریشان ہیں لہذا اس خط کو دستیاب ہوتے ہی فورا مسئلہ سے آگاہ کیا جائے۔

زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں زید اور اس کی بیوی میں ایک سال سے نا اتفاقی چل رہی تھی اور اس سال کے درمیان میں زید اور اس کی بیوی ایک جگہ نہ ہوئے تھے کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا تو اب یہاں کے لوگوں میں یہ جھگڑا پڑا ہوا ہے کہ زید میں اور اس کی بیوی میں ایک سال سے کوئی تعلق نہیں رہا اور زید نے طلاق دے دیا تو اس عورت کے لیے کوئی عدت نہیں ہے۔ اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس عورت کو عدت میں رہنا ہوگا۔

دوسرا مسئلہ یہ در پیش ہے۔ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیا اس حال میں کہ نہ تو زید اپنی سسرال آیا اور نہ اس کی بیوی زید کے وہاں گئی بلکہ دونوں اپنے اپنے مکان پر تھے، بلکہ جب لڑکی کا نکاح زید سے ہوا تو اس وقت لڑکی بالغ تھی اور صرف نکاح ہوا تھا اور نکاح ہوئے آج ایک سال کا زمانہ گزر رہا ہے مگر زید اور اس کی بیوی میں کوئی تعلق نہیں رہا. اب زید

---

(۱) امام ابو الحسن علی فرغانی، هدایه، کتاب الطلاق، ج:۲، ص: ۴۰۲، مجلس برکات، مبارک پور

نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیدی تو اس عورت کے لیے عدت ہے یا کہ نہیں ؟ فقط والسلام

جواب اس پتہ پر روانہ کیا جائے : رکن انصاری کو ملے ڈاکخانہ پیرانج مقام سمتی پور مڑلا ضلع گورکھپور۔

الجواب

① زید اور اس کی بیوی میں جب کہ زن و شوہر کے تعلقات قائم ہو چکے مجامعت ہو چکی تو عدت ضروری ہے طلاق کے بعد تین حیض جب تک پورے نہ ہو جائیں دوسرا نکاح جائز نہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ [1]

اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک۔ واللہ تعالیٰ اعلم

② چوں کہ زید اور اس کی بیوی میں مجامعت نہیں ہوئی قبل مجامعت زید نے طلاق دے دی اس لیے عدت نہیں، فوراً نکاح ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید کا فرمان ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ [2]

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انھیں بے ہاتھ لگائے چھوڑ دو تو تمھارے لیے کچھ عدت نہیں جسے گنو۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

عدت کے اندر نکاح باطل ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

سلطان خاں نے ہندہ متوفی عنہا زوجہا سے تین ماہ دس دن گزرنے پر عقد کر لیا اور سات ماہ گزرتے ہی بچہ پیدا ہوا۔ اب معلوم ہوا کہ چار ماہ دس دن عدت ہونی چاہیے تھی۔ ایک سال گزر چکا ہے، دوسرا عقد نہیں ہوا اور زوجیت کے تعلقات قائم ہیں۔ آیا بچہ صحیح النسل مستحق وراثت ہوگا یا نہیں، اور جائز شرعی صورت کے لیے اب کیا کرنا چاہیے۔

بینوا توجروا.

الجواب

عدت کے اندر نکاح باطل ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ نکاح نہ ہوا۔ دونوں پر واجب ہے کہ فوراً جدا ہو جائیں ۔ زوجیت کے

(۱) قرآن مجید، سورۃ البقرۃ، آیت:۲۲۸

(۲) قرآن مجید، سورۃ الاحزاب، آیت:۴۹

تعلقات باقی رکھنا حرام، سخت حرام ہے۔ بچہ کا نسب ہندہ کے فوت شدہ شوہر سے ثابت ہوگا اور حقِ وراثت حاصل ہوگا۔
عالم گیری میں ہے:

"فان النسب یثبت من الاول ان امکن اثباته بان جاء ت به لاقل من سنتین منذ طلقها الاول أومات أو لستة اشهر فصاعدامنذ تزوجها الثانی لان نکاح الثانی فاسدو مهما امکن احالة النسب الی الفراش الصحیح کان اولیٰ." (۱) والله تعالیٰ اعلم و علمه احکم."

عبدالرؤف

خلوت صحیحہ نہیں تو عدت نہیں

از: صاحب علی، موضع چکیا۔ ۱۸؍رجب ۱۳۶۸ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

ہاجرہ بنت صاحب علی کا نکاح بابوعلی ولد خیراتی سے ہوا۔ وقتِ نکاح دونوں نابالغ تھے۔ بعد میں بالغ ہونے پر بابو علی بدچلن ہوگیا جس کی وجہ سے بڑوں نے ۳۱؍مارچ ۱۹۴۹ء کو طلاق لے لی۔ ہاجرہ وبابوعلی کبھی اکٹھا نہیں ہوئے۔ اب ہاجرہ کی شادی کی فکر ہے، لہٰذا ازروے شرع کب نکاح ہوسکتا ہے؟ طرفین اہلِ سنت وجماعت ہیں۔

الجواب

مسماۃ ہاجرہ اور بابوعلی کی جب خلوتِ صحیحہ نہیں ہوئی تو طلاق کی عدت نہیں ہے، وہ طلاق کے فوراً بعد نکاح کرسکتی ہے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا (۲)	اے ایمان والو جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انھیں بے ہاتھ لگائے چھوڑ دو تو تمھارے لیے کچھ عدت نہیں جسے گنو۔

والله تعالیٰ اعلم.

(۱) فتاویٰ عالمگیری، ج:۱، ص:۵۳۸
(۲) قرآن مجید، سورۃ الاحزاب، آیت:۴۹

حمل کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

عمرو پردیس چلا گیا۔ ۱۷ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ بی بی اس کی کہتی ہے کہ میرے پاس آئے تھے اور شوہر بھی کہتا ہے مگر آنے کا ثبوت نہیں۔ اب لڑکے کے متعلق کیا حکم ہے، آیا وہ حمل جائز صحیح النسل ہے کہ نہیں؟

الجواب

حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

"انها قالت لا يكون الحمل اكثر من سنتين. رواه الدار قطنى و البيهقى فى سننهما"۔(۱)

یعنی مدت حمل دو سال سے زیادہ نہیں۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مذہب ہے۔

سراجی میں ہے:

"اكثر مدة الحمل سنتان عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ."(۲)

حمل کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک۔

صورتِ مسئولہ میں جب کہ عمرو کے پردیس جانے کے سترہ مہینہ بعد بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ چوں کہ مدتِ حمل کے اندر پیدا ہوا ہے، لہٰذا ثابت النسب ہے اور عمرو کا بچہ ہے۔ در آں حالے کہ عمرو اور اس کی زوجہ درمیان میں آنے کا دعویٰ کرتے ہیں اگرچہ آنا ثابت نہیں۔ عدم ثبوت تو کیا، اگر یہ مان لیا جائے کہ عمرو درمیان میں نہیں آیا تب بھی بچہ عمرو ہی کا ہے کیوں کہ مدتِ حمل کے اندر پیدا ہوا ہے۔(۳) وهو تعالىٰ اعلم.

کتبہ: عبد العزیز عفی عنہ

---

(۱) سنن الدار قطنی، ج:۳، ص:۳۲۲، مکتبة دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

(۲) الشیخ سراج الدین سجاوندی، السراجی فی المیراث، ص:۸۳

(۳) یہ فتویٰ صرف سوال کے پیشِ نظر ہے، سوال میں چوں کہ سترہ مہینے کی بات کی گئی ہے، اس لیے جواب میں بھی اس کا ذکر ہوا ورنہ حق یہ ہے کہ نکاح کے بعد کبھی بھی بچہ پیدا ہو وہ شوہر کا ہی قرار پائے گا۔ حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الولد للفراش وللعاهر الحجر " بچے شوہر کا ہے اور زانی کے لیے پتھر۔ اس مسئلہ کی مکمل تحقیق "امام احمد رضا پر اعتراضات کا ایک جائزہ" میں ہے۔ ۱۲ مرتب غفرلہ

زمانۂ عدت ختم ہونے کے بعد نفقہ کا حکم

مسئلہ آمدہ از کٹرہ محمد سمیع صاحب ۹ر مئی ۱۹۴۹ء۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ہندہ اپنے میکے میں تھی کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو دو ماہ ہوتے ہیں بہ ذریعہ تحریر طلاق نامہ بھیجا اور اس طلاق نامہ پر دو ماہ پہلے ہی کی تاریخ مرقوم ہے اور مہر ونفقہ باوجود تقاضا کرنے کے اب تک ادا نہیں کیا ہے۔ اور اب طلاق نامہ کی تاریخ کے حساب سے عدت کا زمانہ ختم ہو گیا اور نفقہ ومہر زید نے ادا نہیں کیا، تو کیا ہندہ اب از روے شرع نفقہ لینے کی مستحق ہے کہ نہیں؟

الجواب

مطلقہ کی عدت کا نفقہ وضروری مصارف شوہر پر واجب ہے۔ مطلقہ کی عدت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے۔

قال تعالیٰ: ” وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ“[1]

حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور اگر حاملہ نہیں اور حیض آتا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے۔

قال تعالیٰ:

وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ[2]

طلاق والی عورتیں اپنے نفسوں کو تین حیض تک روکیں۔

اور اگر حیض نہیں آتا خواہ بچپن کی وجہ سے خواہ بڑھاپے کی وجہ سے، یا سن بلوغ کو پہنچ گئی ہے مگر حیض آتا ہی نہیں تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:

وَ الّٰٓـِٔىْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓـِٔىْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ[3]

یعنی جو عورتیں حیض سے ناامید ہوں ان کی مدت تین ماہ ہے اور وہ جن کو حیض نہیں آتا ان کی عدت بھی وہی تین ماہ ہے۔

لہٰذا اگر ہندہ حاملہ ہے تو اس کی عدت بچہ پیدا ہونے پر ختم ہوگی۔ جب تک بچہ پیدا نہ ہوگا عدت باقی رہے گی اور اگر

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الطلاق، آیت: ٤

(۲) قرآن مجید، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۲۸

(۳) قرآن مجید، سورۃ الطلاق، آیت: ٤

حاملہ نہیں تو تین حیض پورے ہونے پر عدت ختم ہوگی جب تک تین حیض ختم نہ ہوں گے عدت باقی رہے گی، اگرچہ مدت طویل ہو جائے مہینوں سے شمار ہرگز نہ ہوگی۔ اس مدت تک زید پر ہندہ کا نفقہ واجب ہے۔ اور اگر ہندہ کو بعدِ طلاق تین حیض آ گئے تو عدت ختم ہوگئی، اب نفقہ نہیں کیوں کہ نفقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ عدت کے اندر تو شوہر پر واجب ہے، دعویٰ کر کے بھی وصول کر سکتی ہے، لیکن اگر عورت نے دعویٰ نہیں کیا، نہ قاضی نے مقرر کیا اور اسی طرح عدت گزر گئی تو نفقہ ساقط ہو گیا۔ (بہارِ شریعت) واللہ تعالیٰ اعلم.

خلوت صحیحہ سے قبل طلاق مغلظہ کا حکم

مستفتی: محمد عمر، ساکن بھیرا، ۱۷ر جمادی الثانی ۱۴۱۷ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

زید نے ہندہ کو قبل از رخصتی (یعنی خلوت صحیحہ) طلاق مغلظہ دے دیا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کے لیے عدت ہے یا نہیں اور زید کو کتنا مہر دینا پڑے گا اور اگر عدت نہیں ہے تو علاوہ مہر کے زید کے ذمہ اور بھی کچھ واجب الادا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنا، اور یہ بھی صاف فرما دیا جائے کہ خلوت صحیحہ سے قبل طلاق ہونے پر عورت کے بالغ ہونے اور نابالغ ہونے میں عدت پر کیا اثر پڑے گا۔ بالغ عورت کو خلوت سے قبل عدت گزارنی پڑے گی یا نہیں؟

الجواب

قبل وطی یا خلوت صحیحہ طلاق دینے کی صورت میں اس مطلقہ پر عدت نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۖ(۱)

اور قبل وطی یا خلوت صحیحہ کے طلاق دینے کی صورت میں مہر مقرر شدہ کا نصف ہے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ. (۲)

لہٰذا صورت مسئولہ میں ہندہ پر عدت نہیں، اس میں بالغہ یا نابالغہ کی کوئی تخصیص نہیں، جب عدت نہیں تو زید کے ذمہ میں عدت کا خرچ بھی نہیں۔ زید کے ذمہ میں ہندہ کا نصف مہر واجب الادا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الاحزاب، آیت: ۴۹

(۲) قرآن مجید، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۷

قبل وطی نابالغہ مطلقہ پر عدت کا کیا حکم ہے؟

مستفتی: محمد ادریس، سمند پور، ضلع اعظم گڑھ۔ ۱۲؍ جولائی ۱۹۵۲

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کے مسئلہ میں کہ:

زید کی بیوی مسماۃ زینب ابھی نابالغہ ہے اور اپنے شوہر کے پاس ۶۔۷۔ ماہ رہ چکی ہے زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں اور ابھی تک زینب کے بیان کے مطابق زید نے اس کے ساتھ وطی نہیں کی ہے ایسی صورت میں زینب پر عدت کے ایام پورے کرنے ضروری ہیں یا نہیں؟ اور عدت کے اندر ہی اس کا نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے تحریر فرمایا جائے۔ بینوا و توجروا.

الجواب

لڑکی اگر قابل جماع ہے تو شوہر کے پاس رہنے سے خلوت صحیحہ ہوگئی، اگرچہ جماع نہ کیا ہو تب بھی خلوت صحیحہ چونکہ ہوگئی لہٰذا اس پر عدت گزارنا ضروری ہے، اگر ابھی حیض نہیں آتا ہے تو طلاق کی عدت تین مہینہ ہے وقت طلاق سے تین ماہ گزرنے پر نکاح ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

کیا نکاحِ ثانی کے لیے عدت گزارنا ضروری ہے؟

مسئلہ قبلہ حضور مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ رب تعالیٰ حضور کا سایۂ عاطفت کو مسلمانوں کے سروں پر مدت مدید تک قائم رکھے۔ آمین بحق سید المرسلین علیہ الصلاۃ والسلام وعلی آلہ الکرام، برائے کرم جواب مرحمت فرمائیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کہ ایک لڑکی مسماۃ بشیرن، اس کی ۱۷؍ سال کی عمر میں شادی ہوگئی اور لڑکی ایک ماہ تک شوہر کے یہاں سسرال میں رہ کر پھر ماں باپ کے یہاں پہنچی اور اس مدت سکونت میں بر مکان شوہر نہ وطی ہوئی، نہ خلوت ہوئی، پھر دو سال اپنے ماں باپ کے یہاں رہنے کے بعد طلاق حاصل کی یعنی شوہر نے اس کو تین طلاق دی اور بعد طلاق ہفتہ عشرہ گزار کر اس لڑکی کو دوسرے شوہر سے اس کے والدین نے عقد نکاح منعقد کر دیا اور لڑکی رضا مند اور خوش بھی ہے اور باقاعدہ استیذان کے بعد ہی شوہر ثانی سے نکاح ہوا ہے۔ اسی حالت میں یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ شوہر سے بعد طلاق عدت پوری کرنے سے پہلے نکاح کیا ہے۔ اسی بنا پر شوہر ثانی کو لوگوں نے امامت سے الگ کر دیا ہے، اور اب شوہر ثانی سے بشیرن حاملہ بھی ہے اور حمل کی مدت سات ماہ ہو چکی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب شوہر ثانی

پر شرعاً بلحاظ زمانہ و قانون کیا کیا عاید ہوتا ہے۔ اگر لوگوں کا اعتراض بجا ہے تو پھر وہ (شوہر ثانی) قابل بنانے کی صورت شرعاً کیا ہے۔ اور اگر اس کا یہ فعل گناہِ کبیرہ ہے تو شرعی توبہ کیا ہے۔ بینوا وتوجروا مستفتی: محمد قاسم

الجواب

اگر یہ واقعہ صحیح ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے کہ شوہر اول سے وطی اور خلوت صحیحہ نہیں ہوئی تو اس صورت میں طلاق کی عدت نہیں ہے۔ طلاق کے بعد نکاح صحیح و درست ہے۔ شوہر ثانی بے گناہ ہے۔ اور اگر شوہر اول سے وطی یا خلوت صحیحہ ہوئی ہے تو بعد طلاق عدت ضروری ہے۔ ایسی صورت میں یہ نکاح جائز نہیں ہے، جو لوگ باوجود علم کے اس نکاح میں شریک ہوئے وہ سب گنہ گار ہوئے۔ ان سب پر توبہ فرض ہے اور تجدید نکاح بھی، یہی حکم امام صاحب کا ہے، وہ بھی بالاعلان توبہ کریں اور بشیرن سے فوراً علاحدہ ہو جائیں۔ اگر طلاق کی عدت ختم ہو گئی ہے یعنی طلاق کے بعد تین حیض آچکے ہیں تو اس سے نکاح کر لیں، ورنہ عدت ختم ہونے کا انتظار کریں۔ توبہ کے بعد امامت کر سکتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم. کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

کیا رخصتی سے قبل طلاق دینے پر عدت ہے؟

مستفتی: حافظ فصیح اللہ ولید پوری، تحصیل محمد آباد، اعظم گڑھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے کرام اس مسئلہ میں کہ:

زید کا نکاح ہندہ سے نابالغی کی حالت میں ہوا اور بالغ ہونے پر زید نے ہندہ کو طلاق دے دی۔ نکاح کے بعد سے طلاق تک رخصتی وغیرہ کچھ نہیں ہوئی۔ کیا ہندہ پر اس طلاق کی عدت گزارنا واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب

صورت مسئولہ میں ہندہ پر عدت نہیں کیوں کہ قبل صحبت کرنے یا خلوت صحیحہ کے طلاق دینے کی صورت میں عدت نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا[1]

اے ایمان والو جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انھیں بے ہاتھ لگائے چھوڑ دو تو تمھارے لیے کچھ عدت نہیں جسے گنو۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

(۱) قرآن مجید، سورۃ الاحزاب، آیت: ۴۹

طلاق کی عدت کتنی ہے؟

از: مبارک پور، پورہ خضر، سائل حافظ بقر عیدو، نعمت اللہ و نور محمد، ۲۵ ربیع الاول ۵۷ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

ہندہ کی طلاق ہوئے تین مہینہ پانچ روز ہوا اور دریافت کیا گیا ہندہ سے کہ ماہواری بھی اس کو تین مرتبہ ہو چکی ہے۔ ہندہ کہتی ہے کہ ہر مہینہ ۱۰ تاریخ کو ہوتی تھی۔ چند اشخاص گواہ بھی ہیں، تو شرع متین سے نکاح ہندہ کا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

طلاق کی عدت تین حیض ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ[1] وہ عورتیں جن کو طلاق دی گئی تین حیض تک رکی رہیں۔

صورت مستفسرہ میں جب کہ ہندہ کو تین حیض ہو گئے تو طلاق کی عدت ختم ہو گئی لہٰذا ہندہ اپنا نکاح کر سکتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبدالعزیز عفی عنہ

کیا مطلقہ تین حیض کے بعد نکاح کر سکتی ہے؟

مسماۃ مسلمہ بی بی، حیدر آباد، مبارک پور، ۱۶ ر ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ

مسئلہ علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ:

مجھ کو میرے شوہر نے رمضان کی ۱۱ ر تاریخ کو طلاق بائن بلا جبر و اکراہ دے دیا۔ اور مجھ کو تین مہینہ ماہواری آ چکی ہے۔ اب میں نکاح کر سکتی ہوں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

طلاق کی مدت تین حیض ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ[2] یعنی مطلقہ عورتیں تین حیض تک ٹھہریں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۲۸

(۲) قرآن مجید، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۲۸

لہٰذا جب کہ تین حیض پورے ہوگئے، عدت ختم ہوگئی، نکاح کرسکتی ہے۔
(ہاں اگر عورت حمل سے ہوتو اس کی عدت وضعِ حمل ہے، یعنی بچہ پیدا ہوجائے)۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

نومسلم کس برادری میں شامل ہو؟

مستفتی: جلیل احمد اشرفی

مسئلہ کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:
ایک ہندو راجپوت اسلام قبول کرنے کے بعد ایک شیخ مسلمان کی لڑکی سے شادی کیا اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جب لڑکی بڑی ہوئی تو ایک ہندو ٹھاکر لڑکا اسلام قبول کر کے مسلمان ہوا تھا، اب اس نومسلم لڑکے کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح کر دیا گیا ان لڑکی اور لڑکے سے کئی اولادیں ہیں جو کہ بڑے پابند شریعت اور مذہب اہلِ سنت وجماعت پر قائم ہیں مگر ان لڑکوں نے ابھی تک کوئی خاص پیشہ اختیار نہیں، کیا اب قومی حساب سے یہ کیا کہے جائیں گے جیسا کہ ہندوستان میں بین الاقوام شادیاں ہوتی ہیں، سید، شیخ، مغل، پٹھان، انصاری، درزی، نائی، دھوبی، وغیرہ اب یہ لڑکے شیخ کہے جائیں گے یا پٹھان یا کس برادری میں شامل ہوسکتے ہیں؟ ازروے شرع شریف بصورت فتویٰ مع مہر ودستخط تحریر فرمائیں۔ فقط

الجواب

صورت مسئلہ میں اولاد باپ کی طرف منسوب ہوگی باپ جس قوم یا برادری سے ہوگا وہی قوم اور برادری اولاد کی بھی سمجھی جائے گی چنانچہ باری تعالیٰ کے ارشاد گرامی "وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ" میں اس کی طرف اشارہ ہے کما فی نور الانوار۔ اور باپ مسلمانوں کی اس مروجہ برادری سے شمار ہوگا جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہے۔ کما فی الفتاویٰ الرضویہ .واللہ اعلم

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ
صدر المدرسین دارالعلوم اشرفیہ، صح الجواب بعون الملک الوہاب،
الجواب صحیح: عبدالروف غفرلہ، مدرس دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور یکم شعبان ۷۵ھ
احقر علی احمد مدرس دارالعلوم اشرفیہ

کیا خلع کے بعد فاجرہ عورت بچے کی پرورش کرسکتی ہے؟

مسئلہ حضرت قبلہ مولانا مفتی اعظم عبدالعزیز صاحب — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

ہندہ نے زید سے خلع طلب کیا اور طرفین سے علاحدگی واقع ہوگئی۔ زید کا ایک نوماہ کا بچہ جو ہندہ کے بطن سے ہے علاحدگی کے وقت ہندہ نے اپنی اور اپنے اولیا کی رضامندی سے اس بچہ کی پرورش کا حق زید کو منتقل کر دیا۔ ایسی صورت میں ہندہ پھر اس بچہ کی پرورش کا مطالبہ کرے تو قابل قبول ہوگا یا نہیں، جب کہ زید کو اس کا بھی یقینی علم ہے کہ ہندہ غیر اسلامی زندگی گزارنے کی عادی ہے۔

نوٹ - مثلاً سنیما دیکھنا، کرم بورڈ کھیلنا، غیر محرم کے ساتھ کھیل تماشہ میں شریک ہونا وغیرہ۔

نیاز کیش - بشیر اناوی

الجواب

ہندہ جب کہ کھیل تماشوں میں غیر محرم کے ساتھ شریک ہوتی ہے، سنیما دیکھتی ہے تو وہ فاسقہ، فاجرہ ہے ایسی صورت میں بچہ کو ہندہ کی پرورش میں نہ دینا چاہیے۔

در مختار میں ہے:

(او فاجرة) فجوراً يضيع الولد به، كزنا و غناء و سرقة و نياحة. [1] والله تعالىٰ اعلم

کتبہ عبدالعزیز عفی عنہ،

الجواب صحیح - عبدالرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور، ۲۴ر صفر ۱۳۷۵ھ

الجواب صحیح: احقر علی احمد غفرلہ خادم دار العلوم اشرفیہ مبارک پور، ۲۴ر ربیع الاول ۱۳۷۵ھ

طلاق کے بعد بچوں کی پرورش کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

محمد ایوب نے اپنی زوجہ مسماۃ فاطمہ کو طلاق دی، دین مہر کو ادا کر دیا، اس کے علاوہ نفقہ اور وہ چیزیں جو جہیز میں ملی تھیں مسماۃ کو سپرد کر دیا۔ محمد ایوب کی تین لڑکیاں ہیں جو فاطمہ کے بطن سے ہیں۔ ایک کی عمر نو سال، دوسری لڑکی کی سات سال اور تیسری کی عمر چار سال تقریباً ہے۔ ان لڑکیوں کے متعلق پنچ نے فیصلہ کیا کہ لڑکیاں اپنے باپ محمد ایوب کے یہاں رہیں۔ فاطمہ ان لڑکیوں کو نہیں رکھ سکتی اور نہ لے جا سکتی ہے۔ فاطمہ نے پنچ کے سامنے یہی اقرار کیا اور ایک اقرار نامہ پر دستخط کر دیے مگر اب مسماۃ مذکورہ اور اس کے والدین چاہتے ہیں کہ لڑکیوں کو محمد ایوب کے یہاں

---

(۱) در مختار علی هامش رد المحتار، باب الحضانه، ج:۵، ص:۲۵۳، دار الکتب العلمية، بيروت

سے لے جائیں۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں فاطمہ اور اس کے باپ کو محمد ایوب کی لڑکیوں کو لے جانے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب

نو برس کی عمر تک لڑکیوں کی پرورش کرنے کا حق ماں کو ہے اور کبھی اس سے انکار کر دے تو رجوع کرنے کا اختیار رہتا ہے، لہٰذا جب ماں مطالبہ کر رہی ہے تو جن لڑکیوں کی عمریں نو برس سے کم ہیں ان کو اس کی پرورش میں دیا جائے اور جب نو برس کی ہو جائیں تو باپ واپس لے لے اور اگر ماں فسق و فجور میں مبتلا ہے، جس کی وجہ سے تربیت میں فرق آئے یا بے نمازی ہو اور لڑکیاں سمجھ دار ہو گئی ہوں جس سے ان کی بھی عادت کے خراب ہو جانے کا خطرہ ہے تو ماں کو نہ دیا جائے۔

ہدایہ میں ہے:

واذا وقعت الفرقة بين الزوجين فالام احق.[1]

در مختار و ردالمحتار میں ہے:

الام احق بالولد ولو سئية السيرة معروفة بالفجور ما لم يعقل ذالك اى ما لم يعقل الولد حالها.[2]

ردالمحتار میں ہے:

ان هذا الاسقاط لا يدوم فلها الرجوع لان حقها يثبت شيئاً فشيئنا فسقط الكائن لا المستقبل.[3] والله تعالىٰ اعلم.

بغیر طلاق نکاحِ ثانی کا کیا حکم ہے؟

از: محمد سلمان عفی عنہ مقام پھلواری، خورد، ڈاک خانہ ہری ہر گنج، سگاراں ضلع گیا، بہار۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

زید کا عقد ہندہ سے ہوا، بعد میں زید کا دماغ خراب ہو گیا اور آج عقد کا زمانہ تقریباً دس برس کا ہوا، لیکن زید ہندہ

---

(۱) امام ابو الحسن فرغاني، الهدايه اولين، ص:٤١٤، باب حضانة الولد و من هو احق به، مجلس البركات، مبارك فور

(۲) در مختار المطبوع مع رد المحتار، ج:٥، ص:٢٥٤. دار الكتب العلمية، بيروت.

(۳) محمد ابن عابدين شامی، رد المحتار، ج:٥، ص:٢٥٨، دار الكتب العلميه، بيروت

کی طرف رغبت نہیں کرتا ہے اور اس دس برس کی مدت میں بعد شادی کے چھ مرتبہ زید ہندہ کو اپنے گھر لے گیا، مگر ہندہ کی طرف کسی بات اور کسی شے سے خیال نہ کیا، بعد میں ہندہ اپنے باپ کے گھر چلی آئی اور زید کا دماغ ابھی تک خراب ہے، کبھی گھر اور کبھی کہیں رہتا ہے۔ اور ہندہ بوقت شادی ہی بالغ تھی مگر زید کی بے توجہی کے باعث ہندہ زید کے یہاں جانے سے سخت انکار کر رہی ہے اور یہ بھی نہیں کہ زید لے جانے کو تیار ہے بلکہ اس کے خویش واقربا تیار ہیں اور طلاق کی بات چیت اگر کی جاتی ہے تو زید کے بھائی وغیرہ انکار کرتے ہیں، اب کیا کیا جائے؟

الجواب

صورتِ مسئولہ میں قوم کے سرداروں اور سربرآوردہ حضرات اور پنچ لوگوں پر لازم اور ضروری ہے کہ وہ جس طرح بھی ہو زید سے ہندہ کو طلاق دلائیں۔ اگر بالفرض وہ راضی وخوشی سے طلاق نہ دے تو اس پر قومی اور پنچایتی دباؤ ڈالیں۔ بہر حال ہندہ کو زید سے آزاد کرادیں، بغیر طلاق کے ہندہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔

کتبہ - عبد العزیز عفی عنہ

نابالغ کی طلاق اور نکاح درست ہے یا نہیں؟

مستفتی: محمد علی حسین بنارس، از: مدرسہ فاروقیہ، ۹۶/۱۶، پانڈے حویلی

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

زید اور خالدہ کا نکاح حالتِ نابالغی میں دونوں کے ولی نے کر دیا اور اسی نابالغی کی حالت میں زید کے ولی نے زید سے خالدہ کو تین طلاقیں دلوادیں۔ اب زید اور خالدہ دونوں بالغ ہو چکے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پھر زید اور خالدہ کا نکاح ہو جائے تو دریافت طلب ہے کہ اب پھر دوبارہ زید اور خالدہ میں نکاح صحیح ہو سکتا ہے یا نہیں۔ از روے مذہب حنفی جواب عطا فرمایا جائے۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں زید اور خالدہ کا نکاح بدستور باقی ہے، لہٰذا جدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ نابالغ کے طلاق دینے سے طلاق نہیں ہوتی، خود طلاق دے یا ولی کی اجازت سے دے۔

ہدایہ میں ہے:

"ولا يقع طلاق الصبي."

تنویر الابصار میں ہے:

"وإن ضارا كالطلاق والعتاق لا وإن أذن به وليهما." والله تعالیٰ أعلم

اگر شوہر اپنی بیوی کو نان ونفقہ نہ دے تو عورت کیا کرے؟

مستفتی: شیخ محمد صالح محمد، جوناگڑھ

مسئلہ حسب ذیل سوالات کے جوابات شریعت کے موافق عطا کیجیے:

مریم کو اس کے شوہر عبد اللہ نے عرصۂ دراز سے اپنے گھر سے باہر نکال دیا ہے، مریم کو نان ونفقہ نہیں دیتا، مریم بیس سال کے اندر کی جوان عورت ہے، اس کو شوہر کی حاجت ہے۔ مریم کو اپنے گزران کے لیے نوکری وغیرہ کام کے لیے باہر جانا ضروری ہوتا ہے، اس کو کھلانے پلانے اور سنبھالنے والا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ اس زمانۂ پر فتن میں مریم کے لیے اپنی عصمت کی حفاظت بہت ہی دشوار ہے، گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

عبد اللہ اس کا شوہر کہتا ہے منہ میں سفید دانت ہیں ویسے ہی سر میں سفید بال ہو جائیں گے مگر طلاق نہیں دوں گا، اور کہتا ہے کہ اب اگر وہ میرے گھر آئی تو ضرور اس کی ناک کاٹ لوں گا۔ ان دشواریوں سے مجبور ہو کر ممکن ہے کہ مریم خودکشی کر لے۔ مذکورہ بالا دشواریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اب آپ فرمائیے کہ مریم کیا کرے؟ کیا مریم عبد اللہ کے طلاق دینے سے پہلے دوسرے شوہر سے کسی طرح نکاح کر سکتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں مریم کا شوہر عبد اللہ ظالم ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اپنے ظلم سے باز آئے، مریم کو اپنی زوجیت میں رکھے اور حقوقِ زوجیت ادا کرے ورنہ اس کو فوراً طلاق دے دے، اس طرح لٹکانا ظلم ہے اور سخت ظلم ہے۔ قرآن مجید میں اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ اگر بالفرض عبد اللہ اس کے لیے تیار نہ ہو تو برادری پر لازم ہے کہ عبد اللہ پر پورا دباؤ دے اور اس کو مجبور کر کے طلاق دلائے، اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو حکومت سے چارہ جوئی کی جائے کہ عبد اللہ کو طلاق پر مجبور کرے، بہر حال جس طرح ہو طلاق حاصل کی جائے، بغیر طلاق کے مریم دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ مریم کی مدد کریں۔ کسی دشواری سے بھی خودکشی کرنا حرام ہے۔ خداوند کریم توفیق خیر دے۔ (۱)

وھو تعالیٰ اعلم. کتبہ: عبد العزیز

امت سے خارج ہونے کی قسم

(۱) یہ فتویٰ پہلے کا ہے بعد میں حضرت علیہ الرحمہ نے تعسرِ نفقہ کی بنا پر عورت کو قاضی کے یہاں استغاثہ کرنے اور قاضی کو بعدِ تحقیق اس کا نکاح فسخ کر دینے کی اجازت دی، تفصیل کتاب "قضاۃ کے فضائل ومسائل" مشمولہ "مجلسِ شرعی کے فیصلے" جلد اول میں ہے۔ ۱۲ مرتب غفرلہ

مسئلہ: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے اپنی زوجہ کے متعلق کہا کہ اگر امسال میکے والے نہ آنے دیں گے تو میں طلاق دے دوں گا اور اگر طلاق نہ دوں تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی امت سے خارج۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جس سال کہا تھا وہ گزر گیا اور زید کی زوجہ نہیں آئی تو زید کسی گناہ کا مرتکب ہوا کہ نہیں، اگر ہوا تو اس کا کفارہ کیا ہوگا، نیز زوجہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

بینوا توجروا.

الجواب

صورت مسئولہ میں طلاق نہیں ہوئی لیکن قسم منعقد ہوگئی، اگر طلاق نہ دے گا قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ لازم ہوگا۔

عالمگیری میں ہے:

ولو قال ان فعل كذا فهو برى من الاسلام فهو يمين استحسانا كذا فى البدائع حتى لو فعل ذالك الفعل تلزمه الكفارة. انتهى ملخصا.(۱)

مگر یہ الفاظ بہت سخت ہیں۔ اس کا قائل شدید گنہ گار، قہر قہار و غضب جبار کا سزاوار ہے۔ لہٰذا توبہ و استغفار لازم ہے۔ ایسی قسموں سے پرہیز نہایت ضروری ہے۔ اب زید کو چاہیے کہ اپنی قسم اس طرح پوری کرے کہ بیوی کو ایک طلاق رجعی دے کر رجعت کر لے۔(۲) والله اعلم بالصواب.

رجعت کب اور کیسے کریں؟

مسئلہ: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

حالِ رقعہ نے اپنی بیوی کو بمبئی سے بذریعہ خط اس مضمون کے ساتھ طلاق دی (اور سنو آج سے تمھارا خرچہ بند اور ہم تم کو طلاق دے رہے ہیں، جب ہم آئیں گے تو ہم سے تم سمجھ لینا) آج سے نوروز پہلے بمبئی سے واپس آیا اور محلے والوں سے کہا کہ میرے ذمہ جو کچھ مسماۃ کا مطالبہ ہے، دینے کو تیار ہوں۔

---

(۱) فتاویٰ عالمگیری، ج:۲، ص:۶۰، كتاب الأيمان والنذور الباب الثانى فيما يكون يمينا وما لا يكون يمينا، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ زید کی بیوی کو اس کے میکے والوں نے نہ آنے دیا ہو، یعنی اسے سسرال آنے سے روکے رکھا ہو اور اگر انھوں نے اسے سسرال جانے کی اجازت دے دی اور وہ خود کسی وجہ سے نہ گئی تو قسم منعقد نہ ہوگی، کیوں کہ شرط ہے "میکے والوں کا نہ آنے دینا" وہ یہاں نہ پائی گئی۔ (مرتب غفرلہ)

اس پر مسماۃ نے محلہ والوں کو جمع کر کے مہر طلب کیا اور مجمعِ عام میں حاملِ رقعہ نے تسلیم کیا کہ میں نے طلاق دی۔ اس پر محلہ والوں نے مہر کی قسط مقرر کر دی جو فریقین کی رضامندی سے مقرر ہوئی اور خرچ تا ادائے مطالبہ بیس روپیہ ماہوار دینا منظور کیا۔ اس کے بعد فریقین (میاں بیوی کے طور پر رہنے پر راضی ہیں۔ مرتب غفرلہ) راضی ہیں، کیا صورت ہو سکتی ہے، نیز یہ کہ عورت حاملہ ہے۔ خادم، منیر احمد

الجواب

صورتِ مسئولہ میں شوہر کے الفاظ سے کہ "ہم تم کو طلاق دے رہے ہیں" طلاق رجعی واقع ہوئی، جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر شوہر کو رجعت کا حق ہے اور جب کہ عورت حاملہ ہے تو وضع حمل سے پہلے رجعت کر سکتا ہے۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

طلاق کے چند مسائل

از: عبد الرشید اہلسنت و جماعت، مدن پورہ، بنارس، المرقوم: ۱۵ر دسمبر ۱۹۵۶ء۔

بخدمت محافظ ملت حضرت مولانا مولوی حافظ عبد العزیز صدر مدرس دار العلوم اشرفیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل صورتِ حال کے بارے میں:

زید نے آج اپنی بیوی کو طلاق دی لیکن عمرو نے اس کے بعد یہ بتایا کہ میں نے زید سے اس کی بیوی کے حق میں ایک سال بیش تر ہی دو شہادتوں کے ساتھ طلاق حاصل کر لی تھی، مگر زید عمرو اور ہر دو گواہان نے خود عمرو کے ایما سے طلاق کی کارروائی کو صیغۂ راز میں رکھا اور اس ناروا رازداری کے باعث صحیح العقیدہ سنیوں کے مابین بلا وجہ دوامی نزاع کی بنیاد پڑ گئی۔ متعدد دوستوں کے باہمی تعلقات نہایت مذموم طور پر کشیدہ ہو گئے۔ نیز بیش تر مسلمانوں کے درمیان میل محبت کی جگہ نفرت و عداوت کے جذبات مشتعل ہوئے اور ہمیں اس کے ساتھ ہی ساتھ عمرو کی ریشہ دوانیوں کے سبب اس سلسلے میں درمیانی بزرگوں کو ایک طویل زحمت سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ بھی واضح رہے کہ عمرو کے بیان کے مطابق زید نے اپنی بیوی کو آج سے ایک سال قبل طلاق دی لیکن ابھی چند مہینے گزرے ہوں گے کہ زید نے برادری کی پنچایت میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وعدہ کیا اور اس کے بعد زید کے بزرگ نے زوردار طریقہ پر یہ سفارش بھی کی کہ

---

(۱) رجعت قول سے بھی ہوتی ہے اور فعل سے بھی۔ شوہر عورت کو واپس لینے کی نیت سے اس کے ساتھ بوس و کنار یا جماع کرے تو یہ رجعت فعل سے ہوئی، لیکن مسنون طریقہ یہ ہے کہ دو دین دار مسلمانوں کے سامنے عورت سے کہے: میں نے تم سے رجعت کیا، یا یہ کہے کہ میں نے تم کو واپس لیا۔ یہ رجعت قولی ہے۔ ۱۲ مرتب غفرلہ

لڑکی کی رخصتی کرادی جائے، لیکن خدانخواستہ اگر زید کی بیوی رخصت ہوجاتی تو عمرو کی متذکرہ رازدارانہ کارروائی کی وجہ سے معاذاللہ حرام کاری کا دروازہ باز ہوجاتا۔

ان حالات میں فقہ حنفیہ کی روشنی میں جواب مطلوب ہے کہ:

① زید کی بیوی پر عدت آج کے طلاق کے وقت سے وارد سمجھی جائے گی یا عمرو کے بیان کردہ طلاق سے زمانہ عدت کا شمار ہوگا؟ اگر ایسا ہی ہوگا تو زمانۂ عدت میں نادانستگی کے سبب عورت کے گھر سے باہر نکلنے اور آنے جانے کے غیر شرعی فعل کا مواخذہ کس سے ہوگا؟

② آج کی طلاق کے ساتھ یہ شرط مربوط ہے کہ عورت کے مطالبۂ طلاق کی بنا پر طلاق دی گئی ہے، لہٰذا عورت رقم مہر و خرچہ عدت پانے کی مستحق نہیں، لیکن عمرو کی بیان کردہ طلاق بھی شرع کے نزدیک قابلِ تسلیم ہے تو اس صورت میں زید کی رقم مہر و خرچہ پانے کی حق دار ہے یا نہیں۔ جب کہ ظاہر ہے کہ سابقہ طلاق کے وقت عورت کے مطالبۂ طلاق کا کوئی سوال نہ تھا۔

③ ایک سال پہلے والی طلاق کو چھپانے کی بنا پر عمرو نے جو عام فتنہ برپا کیا اور سنی مسلمانوں کے دلوں میں باہمی تنفر کی آگ بھڑکائی اور اس مذموم کارروائی میں دو گواہوں اور خود زید نے عمرو کا ساتھ دیا، لہٰذا شرع الٰہیہ کے نزدیک عمرو، زید اور دونوں گواہوں کے لیے کیا حکم ہے؟ آیا ان کی حرکت غیر ایمانی اور شیطانی ہے یا نہیں؟

④ طلاق کو چھپانے کے باعث اگر زید کی بیوی کی رخصتی ہوجاتی تو طلاق کے بعد میاں بیوی کے اختلاط کے ذریعہ ہونے والی حرام کاری کا ذمہ دار کون ہوتا۔ ساتھ یہ بھی وضاحت فرمائیے کہ اس حرام کاری کے ذرائع پیدا کرنے والوں کے لیے خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟

⑤ اگر طلاق راز میں نہ رکھی جاتی تو اب تک غالباً زید کی بیوی زمانۂ عدت گزار کر نکاحِ ثانی کر چکی ہوتی، لیکن عمرو وغیرہ کی اس حرکت نے ایک عورت کو بلاوجہ تادیر مجرد زندگی گزارنی پڑی، کیا یہ حق دار کا حق غصب کرنے اور بے گناہ پر ظلم کرنے کے مترادف نہیں؟ اگر ہے تو اس ظلم کرنے والے کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

امید کہ حضور عالی استفتائے پیشِ نظر کا تفصیلی جواب عطا فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

فقط آپ کا مخلص

الجواب

زید نے جو ایک سال قبل اپنی زوجہ کو عمرو کے بیان کے مطابق طلاق دی، اگر اس کے دو گواہ شرعی ہیں اور شہادت دیتے ہیں تو وہ طلاق واقع اور ثابت ہے، کیوں کہ طلاق واقع ہونے کے لیے شوہر کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے۔ طلاق کا اعلان یا ظاہر کرنا یا عورت کو بتانا شرط نہیں، لہٰذا وہ طلاق واقع ہوگئی، اگرچہ اس کو صیغۂ راز میں رکھا گیا۔ طلاق

کے ظاہر کرنے میں اگر شدید فتنہ کا خوف نہ ہوتا تو صیغۂ راز میں رکھنا کس طرح مناسب تھا، لیکن جب پوشیدہ رکھنے کی وجہ سے مسلمانوں میں نفاق و شقاق اور عداوت پیدا ہو گئی، نیز مطلقہ کا حق بھی فوت ہوا، تو اس صورت میں زید و عمرو اور دونوں گواہوں کو طلاق ظاہر کرنا لازم تھا، پوشیدہ رکھنے سے یہ سب گنہگار ہوئے۔ ان سب پر توبہ لازم ہے، عورت بالکل بے قصور ہے۔ اگر طلاق کے بعد تین حیض پورے ہو گئے تو عدت ختم ہو گئی۔ عدت کا نفقہ چوں کہ عدت ہی کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا جب عدت ختم ہو گئی تو نفقہ بھی ختم ہو گیا، البتہ مہر واجب الادا ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم.

الجواب صحیح۔ عبدالرؤف غفرلہ — کتبہ

مدرس دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور — عبدالعزیز عفی عنہ

۱۱ر جمادی الاخریٰ ۱۳۷۶ھ

زوجین میں ناچاقی ہو تو لڑکے کو کس کی ولایت میں دیا جائے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

مسمیٰ اقبال حسین و مسماۃ دلوری بیگم آپس میں شوہر و بیوی ہیں لیکن کسی وجہ سے زوجین میں ناچاقی ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے مسماۃ دلوری بیگم عرصہ ڈیڑھ سال سے اپنے والد کے مکان پر چلی گئی ہے۔ مسماۃ دلوری بیگم کے بطن سے ایک لڑکا بعمر ۵ر سال مسمیٰ آفتاب احمد ہے، مسمیٰ آفتاب احمد کو مسمیٰ اقبال حسین یہ چاہتا ہے کہ وہ میری ولایت میں رہے اور دلوری بیگم یہ چاہتی ہے کہ وہ لڑکا میری ولایت میں رہے اس جھگڑے کی وجہ سے مسماۃ شہزادی بیگم جو کہ لڑکے آفتاب احمد کی دادی ہوتی ہے، اسے اندیشہ ہے کہ فریقین میں کوئی بھی لڑکے کی ٹھیک پرورش نہیں کر سکتا، ایسی حالت میں لڑکے کو میری ولایت میں دے دیا جائے، دیگر یہ کہ مسماۃ دلوری بیگم کی طرف سے یہ بھی اندیشہ ہے کہ وہ اپنا نکاح فسخ کرائے ایسی حالت میں لڑکے کی پرورش میں خلل پیدا ہونے کا احتمال ہے، لہٰذا شرعاً لڑکے کو کس کی ولایت میں دیا جائے؟

الجواب

سات سال تک ماں کو پرورش کا حق حاصل ہے، آفتاب احمد کی عمر جب کہ ۵ر سال ہے تو ۲ر سال تک اس کی والدہ کو حق پرورش حاصل ہے، جب تک اقبال حسین اپنی زوجہ دلوری بیگم کو طلاق نہ دے گا وہ بدستور اس کے نکاح میں رہے گی۔ نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

۱۶/ ذی قعدہ ۱۳۷۷ھ

حالتِ جنون میں طلاق کا حکم

مستفتی: حکیم خلیل احمد، بانی شبینہ مدرسہ چراغ العلوم، مالیگاؤں

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ:

زید کے ایک نامکمل اور ناموقت طلاق نامہ پر طلاق ہونے نہ ہونے کے بارے میں لوگوں میں کچھ ہلچل مچی، زید کو اس کی خبر ہوئی اور وہ اس حالت میں پنچایت میں بلوایا گیا، پنچوں نے طلاق مان کر زید پر عدت اور مہر کی رقم واجب الادا کردی، لیکن اس وقت مرعوب ہو کر زید نے پنچوں کی باتوں پر کوئی اعتراض نہ کیا، بعد میں اس نے باہر سے فتوے منگوائے، فتوے اس کی موافقت میں آئے، لیکن فتویٰ آنے سے پہلے ہی زید پنچایت میں بلوایا گیا، چوں کہ اس وقت تک فتوے اس کو حاصل نہ ہو سکے تھے، اس لیے وہ پنچایت میں حاضر نہ ہو سکا۔ اس پر لوگ مشتعل ہوئے، لوگوں نے زید کی ملامتیں کرنی شروع کیں، محلہ کی پارٹیوں میں تنازع پیدا ہو گیا، زید کو اس کی سرکاری ملازمت کی دھمکیاں دی جانے لگیں، کچھ مخالفین نے افسر بالا کی طرف اس کے خلاف رپورٹ کرنے کی تیاریاں کرنی شروع کردیں۔ زید سے اس کے اپنے پرائے سبھوں نے اظہارِ ناراضگی کرنا شروع کر دیا۔ بعض دوستوں نے فضا کو ہموار کرنے کا مطالبہ کیا، کیوں کہ زید پہلے ہی حساس طبیعت، غیر مستقل مزاج اور بزدل واقع ہوا ہے، اس لیے ان تمام باتوں کا اس کے دل و دماغ پر برا اثر پڑا۔ اس نے اپنا دماغی توازن کھو دیا، اس کے اپنے بھلے برے کی تمیز نہ رہی اور حالتِ جنون میں اس نے اپنی بیوی ہندہ کو تحریری تین طلاقیں دی دیں، تو کیا از روئے شرع زید کی بیوی ہندہ اس سے علاحدہ ہو گئی، جب کہ زید انتہائی رنج وغم اور پریشانی کے دور میں اپنا دماغی توازن کھو بیٹھنے کا مریض ہے۔ بظاہر احساس نہیں ہوتا لیکن ڈاکٹر زید کی اس دماغی کمزوری کو تسلیم کرتا ہے۔ زید سے حالتِ جنون میں بعض اوقات ایسے ہی تعجب خیز واقعات سرزد ہو جایا کرتے ہیں، جس پر لوگوں کو اور بذاتِ خود اس کو ایسے ناشدنی واقعات کے ہونے پر سخت تعجب ہوتا ہے۔ بینو توجروا

الجواب

بلا شبہ حالتِ جنون میں طلاق واقع نہیں ہوتی، مجنون سے حکمِ شریعت اٹھا ہوا ہے، لیکن سوال سے زید کا مجنون ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ زید نے اپنے خلاف فضا سے متاثر ہو کر فضا کو ہموار کرنے کے لیے دانستہ طلاق دی ہے، زید کو مجنون ثابت کرنے کی دلیل میں اس کو بزدل، حساس طبیعت، کمزور دماغ بتایا گیا ہے اور یہ کہ وہ اس وقت انتہائی رنج وغم میں تھا، ان سب چیزوں میں کوئی بھی چیز جنون کی دلیل نہیں۔ یہ سب اس پر دلیل ہیں کہ زید اپنے

خلاف فضا سے متاثر ہو گیا تھا اس وقت اس نے اپنی بیوی کو طلاق دینا ہی مناسب سمجھا، لہٰذا طلاق واقع ہو گئی اور یہ طلاق مغلظہ ہوئی اور ہندہ زید پر حرام ہو گئی۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: حافظ عبدالعزیز۔ شیخ الحدیث مدرسہ ہٰذا ۔۔۔ ۲؍ جمادی الآخرہ ۷۶ء ۱۳ھ

طلاق کا ایک مسئلہ

مستفتی: محمد سلطان، شاہ پور، دھوریاپار، گورکھ پور

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے اپنی مسجد کے مصلیان سے کہا کہ آپ لوگ چلیں میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں کیوں کہ مجھ سے راضی نہیں رہتی۔ لہٰذا مصلیان میں سے کچھ لوگوں کو لواکر ان کے سامنے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ اور حاجی جھبوں کے دریافت پر کہ کیا تم نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا ہے، کہا کہ ہاں چوں کہ وہ مجھ سے رضامند نہیں تھی اس لیے طلاق دے دیا۔ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی کہ نہیں۔ واضح ہو کہ اس موقع کے گواہ بھی موجود ہیں اور طلاق نامہ پر دستخط بھی زید کا ہے۔ بینوا توجروا.

الجواب

صورتِ مسئولہ میں طلاق واقع ہو گئی۔ واللہ اعلم.

کتبہ عبدالعزیز عفی عنہ۔ ۔۔۔ ۶؍ جمادی الاخریٰ ۷۷ء ۱۳ھ

کیا وعدۂ طلاق انشائے طلاق ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین صورتِ مسئلہ ذیل میں:

مسمی یٰسین نے بصورت لڑائی و جھگڑا اپنی بیوی کو بایں الفاظ طلاق دی کہ زیادہ بولتی جاؤگی تو تمھارا طلاق۔ اور پھر یہ کہا کہ زیادہ بولوگی تو تم کو طلاق دیونگے، یہ کہنا شوہر کا ہے۔ بیوی کا کہنا ہے کہ میں نے شوہر کو طلاق دیتے کچھ نہیں سنا، یہاں گواہ مسماۃ شافیہ جو وہاں موجود تھی کہتی ہے کہ یٰسین نے کہا کہ تم کو طلاق دیتا ہوں، تم کو طلاق طلاق۔ اس واقعہ کے بعد تین روز تک بیوی شوہر کے مکان پر تھی، پھر میکے چلی گئی۔ اور عرصہ تقریباً ڈیڑھ ماہ تک، رہ کر شوہر کے مکان پر چلی آئی اور رہنے لگی۔ اب سوال یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ میں طلاق ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو رجعی ہوئی یا بائن اور حلالہ کی ضرورت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

مہربانی فرما کر جواب بعجلتِ ممکنہ مرحمت فرمائی، عین نوازش ہوگی۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں شوہر کے دوسرے کلام سے طلاق نہیں پڑے گی کیوں کہ یہ وعدۂ طلاق ہے اور وعدۂ طلاق انشاے طلاق نہیں۔ اور پہلے کلام میں طلاق کو زیادہ بولنے پر معلق کیا ہے۔ اس قول کے بعد اگر عورت زیادہ نہ بولی تو طلاق نہ پڑے گی اور بولی تو ایک طلاق رجعی پڑے گی اور چوں کہ دونوں عدت میں پھر میاں بیوی کی طرح رہنے لگے اس لیے رجعت ہو گئی، شافیہ کا قول مفید نہیں۔ واللہ اعلم.

الجواب صحیح۔ عبد المنان اعظمی

وقوعِ طلاق کے لیے معنوی اضافت بھی کافی ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک صاحب کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا۔ صاحب نے طیش میں آکر اپنی بیوی کو دو چار گالیاں دیں اور دو چار ہاتھ مارا بھی۔ صاحب کی خوش دامن موجود تھیں، انھیں بھی طیش آیا، دوڑ پڑیں۔ بیوی تو گھر میں چلی گئی، اور ساس نے صاحب کے پاس کھڑے ہو کر کہا کہ چلو جی گھر چلو، جب ہوتا ہے یہ مارتے پیٹتے رہتے ہیں، تو صاحب نے ساس سے کہا کہ ایسے کیسے جاؤ گی، اگر جاتی ہو تو کچھ لیتی جاؤ، ساس نے کہا کیا لیتی جائیں تو صاحب نے کہا طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ بیوی کمرے کے اندر ہے اور صاحب برآمدہ میں ساس سے گفتگو کر رہے ہیں تو ایسی صورت میں بیوی کو طلاق ہو سکتی ہے یا نہیں، کیوں کہ اضافت و خطاب نہیں پایا جاتا ہے اور مخاطبہ ساس سے ہے۔ جواب باصواب سے سرفراز فرمائیں۔ مولا تعالیٰ اجر عطا فرمائے گا۔ بینوا توجروا

الجواب

وقوعِ طلاق کے لیے اضافت تو ضروری ہے لیکن لفظی اضافت ضروری نہیں معنوی اضافت بھی کافی ہے، صورتِ مسئولہ میں معنوی اضافت ہے، کیوں کہ جب ساس نے صاحب کی بی بی کہا چلو جی گھر چلو، اس کے جواب میں صاحب نے کہا یہ لیتی جاؤ طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا۔ اس کے جواب میں یہ کہنا بی بی کی طرف معنوی اضافت ہے لہٰذا طلاق ہو گئی اور مغلظہ ہوئی۔ وهو تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح۔ عبد الرؤف غفرلہ
مدرس دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

کتبہ: عبد العزیز عفی عنہ
صدر المدرسین دار العلوم اشرفیہ
مبارک پور، اعظم گڑھ
۵؍ رجب المرجب ۷۶ ۱۳ھ

کتاب الحدود والتعزیر

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَئًا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ

اِلٰى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا. (النساء: ۹۲)

اور جس نے کسی مسلمان کو بلا قصد قتل کر دیا، تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کر دے، مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں۔

من قتل متعمدا دفع إلى أولياء المقتول فإن شاؤا قتلوا وإن شاؤا أخذوا الدية. (ترمذی، باب ماجاء في الدية كم هي)

”جو شخص قصداً (ناحق) قتل کرے اس کا معاملہ مقتول کے وارثوں کے سپرد کیا جائے، چاہیں تو اسے قتل کے بدلے قتل کر دیں اور چاہیں خون بہا وصول کر لیں۔“

أول ما يقضى بين الناس يوم القيامة في الدماء.

(صحيح مسلم، باب المجازاة بالدماء في الآخرة)

"قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے
خونِ ناحق کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔"

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ
وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۱۱

(الحجرات: ۱۱)

کتنا ہی برا نام ہے ایمان کے بعد فاسق کہلانا اور جو لوگ (اس روش سے) باز نہیں آئیں گے تو وہی ظلم کرنے والے ہیں۔

مَنْ رَّأٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ. (الحدیث)

”تم میں سے جو کوئی برا کام دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر یہ طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے اور اگر یہ طاقت بھی نہ ہو تو اپنے دل کے ساتھ (بدلنے کی خواہش رکھے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ط

(البقرۃ:۱۷۸)

اے ایمان والو! فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص (بدلہ)،
ان لوگوں کے خون کا، جو (ناحق) قتل کیے جائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زانیہ کا بائیکاٹ

از: شاہ محمد عباس۔ پت بڑا گاؤں، ضلع بلیا

مسئلہ مجرم عورت کے متعلق جواب دیں جس کی مدد سے اس کی لڑکی زنا کی مرتکب ہوئی، اب برادری کے لوگوں نے ان کا بائیکاٹ کر دیا ہے۔ ان کو شریک کس طرح کیا جا سکتا ہے کچھ کفارہ لگایا جائے گا؟

الجواب

جس عورت نے معاذ اللہ اپنی لڑکی سے زنا کرایا وہ اشد حرام کی مرتکب سخت ترین مجرم ہے۔ لڑکی زنا کی مرتکب ہے اور سخت ترین مجرم ہے، اسلام میں زانی اور زانیہ کے لیے بڑی سزا رکھی ہے۔ غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑے اور شادی شدہ کے لیے سنگ سار۔ اسلامی حکومت ہوتی تو ان کو ضرور سزا دی جاتی لیکن دور حاضر میں ایسے مجرموں کا کم از کم مقاطعہ (بائیکاٹ) کر دینا ضروری ہے جیسا کہ برادری نے کیا۔

اب اگر وہ عورت اور لڑکی جرم پر نادم ہوں اور آئندہ کے لیے صحیح توبہ کریں تو برادری ان کو واپس لے سکتی ہے۔ زنا کی حد ہے، کفارہ نہیں ہے۔ البتہ توبہ کے ساتھ بطور صدقہ فقرا اور مساکین کو حسب استطاعت کھانے وغیرہ سے امداد کر دیں (جس سے قبول توبہ کی امید ہے) برادری کے لوگ اس کی حیثیت کے موافق تجویز کر دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد العزیز عفی عنہ

بقلم عبد المنان اعظمی ۸؍ محرم ۱۳۳۷ھ

زانیہ کی توبہ

مسئلہ علمائے کرام کیا فرماتے ہیں:

ایک شخص نے اپنی بہو کو بغیر نکاح کے رکھ لیا تھا۔ تقریباً آٹھ سال ہوئے اور اس کے بطن سے تین بچے بھی پیدا ہوئے۔ بالا مذکور مرد و زن کو اہل محلہ نے اپنی جماعت سے خارج کر دیا تھا اور اب وہ مذکور شخص فوت کیا، اب وہ عورت

چاہتی ہے میں اپنی جماعت میں شامل ہو جاؤں۔ کیا اب اس کو جماعت مسلم میں شامل کیا جاسکتا ہے؟ نظام الدین خاں

الجواب

یہ عورت بھی سخت مجرم ہے، اشد حرام کی مرتکب ہے۔ اگر یہ عورت اپنے فعل حرام پر نادم ہو کر علانیہ توبہ کرے اور معافی چاہے اور آئندہ کے لیے فعل حرام سے باز رہنے کا عہد کرے تو اس کے بعد جماعت اور برادری میں شامل کر سکتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

التائب من الذنب کمن لا ذنب له .[1] واللہ تعالی اعلم.

ایک آدمی کا حلفیہ بیان زنا کے ثبوت کے لیے کافی نہیں

مستفتی: سخاوت علی انصاری، قصبہ مگہر، محلہ شیر پور، ضلع بستی

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے بیان کیا کہ میں نے رات میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ خالد نے ہندہ کے ساتھ زنا کیا اور اس میں کوئی شبہہ نہیں ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ خالد نے ہندہ کے ساتھ ایسا کیا اور میں حلف لینے کو تیار ہوں۔ ہندہ اور خالد اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا نہیں کیا۔ خالد اور ہندہ حلف لینے کو تیار ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم قرآن ہاتھ میں لے کر کہنے کو تیار ہیں کہ ہم دونوں نے ایسا نہیں کیا، یہ ہم پر افترا ہے۔ نیز عمرو کا بیان ہے کہ جس رات خالد اور ہندہ کے درمیان یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے، اس رات میں پوری رات خالد میرے ساتھ رہا۔ ہاں پوری رات میں بیس منٹ یا اس سے کچھ زیادہ ہم خالد سے جدا رہے۔ اس بیس منٹ یا کچھ زیادہ کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں گیا اور اس نے کیا کیا؟ جتنی مدت کہ وہ مجھ سے پوری رات میں جدا رہا یعنی ۲۰؍ منٹ یا کچھ زیادہ اس کے علاوہ ساری رات وہ میرے ساتھ رہا اور جب تک وہ میرے ساتھ رہا اتنی دیر خالد نے ہندہ کے ساتھ ایسا فعل نہیں کیا یعنی زنا نہیں کیا اور اس کو میں حلفیہ بیان کر سکتا ہوں۔ یہ بھی واضح رہے کہ زید و خالد و عمرو یہ تینوں داڑھی منڈے ہیں۔

اب عرض یہ ہے کہ زید کے حلفیہ بیان سے خالد اور ہندہ پر زنا کا حکم ثابت ہوگا یا نہیں؟ اگر ثابت ہوگا تو کیوں؟ خالد اور ہندہ اپنی صفائی میں حلف لینے کو تیار ہیں۔ اور خالد اور ہندہ کی طرف سے عمرو بھی ان کی صفائی میں حلفیہ بیان دینے کو تیار ہے۔ اگر حلف ہی زنا کے جرم کی مثبت ہو تو یہی حلف زنا کے جرم کی نافی کیوں نہ ہوگی؟ بہر کیف جب کہ

---

(۱) سنن ابن ماجه ، باب ذكر التوبة، ص: ۳۲۳

خالد اور ہندہ کے درمیان زنا کا جرم شرعاً ثابت ہو جائے تو ہندہ کا شوہر بکر، ہندہ سے توبہ لینے کے بعد ہندہ کو اپنے پاس رکھے یا طلاق دے دے۔ اگر رکھے تو زانیہ عورت کو کیسے رکھ سکتا ہے جب کہ اس کے زنا کا اعلان ہو چکا ہے اور بہت سے لوگ جانتے ہیں۔ اور اگر بکر ہندہ کو اپنے پاس رکھنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ کیا ہندہ سے صرف اس جرم کی توبہ لی جائے یا اس کے ساتھ ہندہ کو کوئی اور بھی سزا دی جائے؟ اجرائے حدِ شرعی کا زمانہ تو نہیں ہے۔ کیا بکر ہندہ کی طرف سے اس جرم کی تلافی میں توبہ کے علاوہ کسی قِسم کا کفارہ دے یا برادری کو کھانا کھلائے، ایسا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی بیان فرمایا جائے کہ جب کہ بکر ہندہ سے توبہ لینے کے بعد ہندہ کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے تو ہندہ سے کتنے لوگوں کے روبرو توبہ کرائی جائے؟ نیز ہندہ سے توبۂ شرعی لینے کے بعد ہندہ اور بکر کے مکان پر کھانا وغیرہ کھا پی سکتے ہیں یا نہیں اور میل ملاپ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہندہ اس جرمِ زنا سے سچی توبہ کرے تو اس وقت بھی بکر ہندہ کو طلاق دے دے، تو کیا ایک مرتبہ زنا کا جرم انسان کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ اس کو اپنے سے علاحدہ کر دیا جائے اور طلاق دے دی جائے؟ باوجودے کہ مجرم نے اس جرم سے سچی توبہ کر لی ہے، علاوہ بریں بکر ہندہ سے سچی توبہ لینے کے بعد اس کو طلاق دینے کا مستحق کب ہو سکتا ہے جب کہ پروردگار عالم نے تمام روئے زمین پر طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ چیز نہیں پیدا کی اور طلاق بلا وجہ شرعی اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہے اور جو جرم کہ طلاق دینے کا باعث ہوتا ہے مجرم اس جرم سے ہمیشہ کے لیے سچی توبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اب میں کبھی ایسا کام نہیں کروں گا۔ جو حکم شرعی اس مسئلے میں ہو دلیل کے ساتھ بہ حوالۂ کتبِ معتبرہ بیان فرمایا جائے، بہت سخت ضرورت ہے۔ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب.

الجواب

زنا قطعی حرام ہے، غضبِ الٰہی کا باعث ہے۔ اگر بالفرض ہندہ و خالد نے ایسا کیا تو ان پر توبہ لازم ہے۔ ایک تو زنا کا وجود واقعہ میں ہے کہ زانی و زانیہ نے زنا کیا، خواہ کسی انسان کو اطلاع ہو یا نہ ہو، مگر وہ عند اللہ ثابت ہے اور سزائے آخرت کا موجب ہے، اس کا علاج صرف توبہ ہے۔ دوسرے زنا کا ثبوت عند الناس ہے یعنی لوگوں کے نزدیک زنا ثابت ہو۔ یہ ثبوت جب ہوتا ہے کہ زانی یا زانیہ چار مرتبہ اقرار کریں یا کم از کم چار شخص جن کی شہادت شرعاً معتبر ہے وہ عینی شہادت دیں۔ جب زنا ثابت ہو گا تب اس پر حد زنا قائم کی جائے گی۔ صورت مسئلہ میں جب کہ خالد اور ہندہ اپنے زنا کے منکر ہیں اور زید تنہا شہادت دیتا ہے۔ زید کی تنہا شہادت ہرگز زنا کے ثبوت کے لیے کافی نہیں۔ ایک شخص تو کیا دو تین شخصوں کی شہادت بھی ناکافی ہے۔ زنا کے ثبوت کے لیے چار معتبر اشخاص کی عینی شہادت درکار ہے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے:

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَأُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ	(ترجمہ) اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے (کہ ثبوت ہوتا) تو جب کہ وہ چار گواہ نہ لا سکے تو وہی لوگ

الْكٰذِبُوْنَ.[1] اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔

لہٰذا زید کا حلف لینا اور شہادت دینا قطعًا بے کار ہے، اس سے زنا کا ثبوت ہرگز نہ ہوگا بلکہ زید خود حد قذف کا مجرم ہے۔ اس صورت میں بکر ہندہ کو طلاق نہ دے، اس لیے کہ زنا ثابت نہیں اور ثبوت زنا کے بعد بھی اگر طلاق نہ دے، ہوسکتا ہے۔ زنا کے ثبوت کے بعد طلاق دینا ضروری نہیں۔ زوجہ پھر بھی زوجہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کافر کے ساتھ فرار ہونے والی لڑکی کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ ہمارے گاؤں میں ایک ہندو ایک مسلمان کی لڑکی کو لے کر بھاگ گیا۔ کچھ دن کے بعد وہ آیا، لوگ غیر حکومت کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے۔ اب اس سے کئی لڑکے ہوگئے اور سب لوگ اس کو کھلاتے ہیں اور اس کا چھوا ہوا کھاتے ہیں۔ نہ وہ کافر مسلمان ہوا، نہ وہ لڑکی توبہ کرکے مسلمان ہوئی، کبھی کبھی وہ کافر جمعہ پڑھتا ہے، تو اب بتائیے کہ اس کا کھانا یا کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مسلمان کی لڑکی مسلمان ہی ہے جب تک اسلام کا انکار یا کفر کا اقرار نہ کرے مسلمان ہی رہے گی۔ یہ کافر کا ظلم ہے کہ اس کو لے بھاگا اور اس لڑکی کا بھی جرم ہے کہ اس کے ساتھ بھاگی۔ لڑکی مجرم ہے اس کو فوراً علاحدہ ہوجانا اور اپنے فعلِ حرام سے توبہ کرنا لازم ہے۔

نمازِ جمعہ پڑھنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کافر مسلمان ہوگیا ہے، لہٰذا اسی سے دریافت کیا جائے کہ اگر وہ مسلمان ہوگیا ہے تو اس کا اقرار کرے یا اب مسلمان ہوجائے تو دونوں کا نکاح کردیا جائے۔ اور اگر اسلام کا انکار کرے تو لڑکی کو علاحدہ کردینا ضروری ہے۔ اگر بالفرض لڑکی علاحدہ نہ ہو تو مسلمان اس سے مقاطعہ کرلیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

سوتیلی ماں کے ساتھ زنا کرنے پر شریعت کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل میں کہ:

زید نے اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ زنا کیا، جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ بستی کے مسلمانوں نے اس کو برادری سے جدا کردیا۔ چند دنوں کے بعد چند مسلمانوں نے اس پر پانچ فقیر کفارہ لگا کر برادری میں شامل کرلیا۔ زید نے اپنی سوتیلی ماں

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ النور، آیت:۱۳

کے ساتھ تعلق بدستور جاری رکھا ہے۔ زید کے باپ اور زید کی سوتیلی ماں کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور بستی کے جن مسلمانوں نے پانچ فقیر کفارہ لگا کر برادری میں شامل کر لیا ہے ان کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ یہ چند مسلمانوں کا فیصلہ از روے شریعت جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ناجائز ہے تو شریعت کا کیا حکم ہے؟ بحوالہ کتبِ معتبرہ تحریر فرمائیں۔

الجواب

زنا حرام اور اشد حرام ہے، خواہ کسی سے ہو۔ بدنصیب زید کا سوتیلی ماں کے ساتھ زنا کرنا تو بہت ہی شدید ترین حرام اور غضب الٰہی کا باعث ہے۔ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو دونوں کو وہ عبرت ناک سزا دی جاتی جس سے دیکھنے والے لرزتے اور کانپ اٹھتے۔ اسلامی حکومت نہ ہونے سے مجبوری ہے۔ مگر مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ ایسے بد نصیب سے پورا مقاطعہ [بائیکاٹ] کریں اور اسے برادری سے خارج کر دیں۔ چناں چہ مسلمانوں نے اس کو برادری سے خارج کر دیا۔ اس کے بعد اگر زید نے اپنی اس بدکاری سے نادم ہو کر توبہ کر لی تھی اور توبہ کے بعد بستی کے مسلمانوں نے اس کو پانچ فقیر کھلوا کر برادری میں شامل کر لیا تو ٹھیک ہے اور اگر بغیر توبہ کیے برادری میں شامل کر لیا ہے تو شامل کرنے والے بھی گنہ گار ہیں، سب کو توبہ کرنا چاہیے اور زید سے بھی توبہ کرائیں اور اگر زید نادم ہو کر توبہ کر لے تو زید کو برادری میں شامل کر سکتے ہیں، ورنہ نہیں۔ زید کے باپ پر یہ زانیہ عورت ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی، جیسا کہ زید پر وہ عورت ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔

لہٰذا زید کے باپ پر فرض ہے کہ وہ فوراً ہی اس عورت سے علاحدہ ہو جائے اور توبہ کرے۔[1] جب تک زید کا باپ اس عورت کو علاحدہ نہ کر دے اور توبہ نہ کر لے مسلمان اس سے مقاطعہ کریں اور اپنے سے علاحدہ رکھیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) اس مسئلے کی پوری تحقیق اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے رسالے حبۃ النساء مشمولہ فتاویٰ رضویہ جلد ۵، میں ہے۔ ۱۲ مرتب غفرلہ

کتاب الایمان والنذور

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (البقرۃ:۲۲۴)

اور اللہ کو اپنی قسم کا نشانہ نہ بناؤ کہ احسان اور پرہیز گاری اور لوگوں میں صلح کرنے کی قسم کرلو اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

قال رسول الله ﷺ: لا تحلفوا بالطواغي ولا لأبائكم. (مسلم، ۲/ ۳٦)

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بتوں کی اور اپنے باپ دادا کی قسم نہ کھاؤ۔

قال من حلف علی یمین فرأی خیراً منها
فلیکفر عن یمینه ولیفعل. (مسلم، ۲/۴۸)

”جو شخص قسم کھائے اور دوسری چیز اس سے بہتر پائے
تو اپنی قسم کا کفارہ دے اور کام کو کرے۔“

أنه أدرك عمر بن الخطاب في ركب و عمر يحلف بأبيه فناداهم رسول الله ﷺ ألا إن الله ينهاكم أن تحلفوا بأبائكم فمن كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت. (مسلم، ٢/ ٤٦)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم کو باپ کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے جو شخص قسم کھائے تو اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا شوہر کی ملک میں بیوی منت مان سکتی ہے؟

از: یاد علی وارثی محلہ بھٹریں ٹولہ ڈاکخانہ قصبہ مہنداول، ضلع بستی، یوپی۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

زید ایک غریب اور قرض دار آدمی ہے، زید کے پاس ایک بکرا ہے جسے بیچ کر وہ قرض ادا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اتفاقاً بکرا بیمار پڑ گیا اور زید کی بیوی نے زید کی نادانستگی میں منت مان لی کہ اگر بکرا اچھا ہو گیا تو امسال اس بکرے کی قربانی کراؤں گی۔ بفضلہ تعالیٰ بکرا اچھا ہو گیا، ایک دن زید نے اپنی بیوی رضیہ سے بکرا بیچنے کے لیے مشورہ کیا تو رضیہ نے زید سے کہا کہ میں نے بکرے کی منت مان لی ہے امسال قربانی کراؤں گی، اب زید اپنی غریبی اور قرض کے باعث بکرا بیچنا چاہتا ہے، رضیہ منع کرتی ہے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ زید بکرا بیچ کر قرض ادا کرے یا قربانی کرے؟ بکرے کا گوشت زید اور رضیہ کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب جلد مرحمت فرمائیں۔ فقط والسلام

الجواب

بکرا زید کی ملک ہے، رضیہ اس کی مالک نہیں تو بغیر زید کی اجازت کے منت صحیح نہیں ہے، تو بکرا بیچ کر قرض ادا کیا جائے۔ وھو تعالیٰ اعلم.

عبد العزیز عفی عنہ، ۶؍ ذی قعدہ ۱۳۷۴ھ

اولیا کے نام پر نذر کیے ہوئے جانوروں کے ذبیحہ کا حکم

از: محمد صابر بھیروی

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

کسی پیر یا شہید یا ولی کے نام سے بکرا نامزد کر دیا گیا، اس کے بعد اللہ کے نام سے ذبح کر دیا گیا۔ آیا اس کا گوشت کھانا حلال ہوا یا حرام؟ بہ فرمان شریعت مطلع فرمایا جائے۔ اور مفسرین کا کیا اختلاف ہے اس پر اجماع ہوا ہے یا نہیں اور

اگر ہوا تو کیا طے ہوا ہے۔ فقط والسلام

الجواب

بعون الملك الوهاب۔ کسی پیر یا نبی یا شہید یا کسی اور انسان کے نام سے کسی بکرے یا گائے یا بھینس کو نام زد کر دینے سے اگر یہ مراد ہے کہ یہ زید کی بکری ہے یا عمرو کی گائے ہے یا یہ قصاب کی بھینس ہے اور پھر بعد میں بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کیا گیا تو اس کے حلال وطیب ہونے میں کیا شک ہے۔ یقیناً جائز و حلال ہے اس کو شرک و حرام بتانا سارے مسلمانوں کو مشرک و حرام خور بنانا اور خود بھی مشرک و حرام خور بننا ہے۔

اور اگر یہ مراد ہو کہ لڑکے کے عقیقہ یا دوست کی ضیافت یا کسی بزرگ کے ایصال ثواب کے لیے یا کسی نبی یا مردہ کی قربانی کے لیے کوئی جانور خریدنا اور یہ کہنا کہ یہ خالد کے عقیقہ کا بکرا ہے یا یہ میرے دوست کی مہمانی کا مرغا ہے یا یہ کہ یہ ولی یا شہید کے نذر کا جانور ہے یا یہ حضور ﷺ کی قربانی کی گائے ہے۔

یا یہ کہنا کہ اس خصی کی قربانی عمرو کے نام سے ہوگی، جیسا کہ ان اطراف میں رواج ہے کہ کوئی قربانی کا جانور خریدتا ہے لوگ یا ذبح کرنے والا پوچھتا ہے کہ کس کے نام سے قربانی ہوگی تو لوگ یہی جواب دیتے ہیں کہ ہندہ کے نام سے یا بکر وغیرہ کے نام سے۔ یہ کوئی نہیں کہتا ہے کہ ذبح و قربانی تو اللہ کے نام سے کرنا اور اس کے گوشت پوست کا ثواب فلاں کی روح کو پہنچانا ہے بلکہ اس قسم کے الفاظ سے نام زد کر دینے سے یہی مطلب ہوتا ہے اور مسلمان یہی کرتا ہے اگر کسی جانور کو کسی کے نام زد کرتا ہے مگر پھر بھی بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر ذبح یا قربانی کرتا ہے۔

اس کو حرام و شرک کہنا دنیا کے تمام مسلمانوں کو حرام خور اور مشرک بتانا اور اپنی جہالت و حماقت سے حلال شے کو حرام بنانا اور سارے مسلمانوں کو حرام کھلانا اور خود کھانا ہے۔

مسلمانوں کو مشرک و حرام خور بنانے والے اور اپنی نادانی سے حلال شے کو حرام بتانے والے اور خود اس کے مصداق بننے والے زمانہ حاضرہ کے وہابیہ، دیوبندیہ اپنے پیشواؤں کی اندھا دھند ماننے والے ہیں۔ دیوبندیوں کا مایہ ناز مولوی عاشق الٰہی "ما اھل بہ لغیر اللہ" پر فائدہ کی رف لکھ کر تحریر کرتا ہے۔

"**فائدہ:** یعنی جس جانور پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہے۔ اسی حکم میں وہ جانور ہے جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام زد کر دیا جائے جیسے پیران پیر کا بکرا وغیرہ، خواہ اس کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لے کر اور بسم اللہ پڑھ کر کیوں نہ ذبح کریں لیکن پھر بھی اس کا کھانا حرام ہے، انتہیٰ بلفظہ"۔[1]

اور ایسے ہی مصنف تقویۃ الایمان نے جہاں بے چارے کمزور مسلمانوں پر شرک کی توپیں چلانا شروع کی ہیں،

---

(۱) ترجمہ قرآن مجید، مطبوعہ ریاض الهند واقع علی گڑھ، ص:۲۷

ایک گولہ اس نام کا بھی مسلمانوں پر چلایا۔[1]

دیکھاان لوگوں نے کیسی دریدہ دہنی سے حلال شے کو حرام بتاکر مسلمانوں کو حرام خور بنایا، مشرک بنایا، خلاف شرع فتویٰ بتایااور تمام مفسرین کرام کی مخالفت کر کے اپنے گھر سے ایک نیا حکم نکالا تمام مفسرین کرام تو یوں تفسیر فرمائیں۔

"وما أهل به لغيرالله" معناه: بأن ذبح على اسم غير الله بأن قال باسم اللات أو العزىٰ وغير ذلك. ملخصا من التفسير البيضاوي والصاوي والجلالين والكمالين والتفسير الأحمدي لملاجيون رحمة الله عليه.[2]

یعنی ان تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ و ما اهل به لغير الله کے یہ معنی ہیں کہ ذبح کے وقت اللہ کے سوا کسی اور کا نام لے کر ذبح کرنا مثلاً بجائے بسم الله، الله اكبر کے یہ کہے باسم اللات یاباسم العزىٰ یا باسم پیر فلاں وغیرہ وغیرہ تو اس کا کھانا یقیناً حرام ہے۔ اور اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ذبح یا قربانی کرتے وقت بسم الله الله اكبر پڑھ کر ذبح کیا، اگرچہ اس کے پہلے اس جانور کو کسی کے نام سے نام زد کر دیا ہو، اس کا گوشت کھانا حلال و طیب ہے کہ اس نے وقت ذبح غیر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا بلکہ ذبح کے وقت اللہ کا نام پڑھ کر ذبح کیا۔

حضرت عالمگیر کے استاذ فاضل حضرت مولانا ملا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر احمدی میں وما اهل به لغير الله کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

" ومن ههنا علم أن البقرة المنذورة للأولياء كما هو الرسم في زماننا حلال طيب لأنه لم يذكر اسم غير الله عليها وقت الذبح وإن كانوا ينذرونها له."[3]

یہیں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جو گائے کہ اولیاء اللہ کے نام لوگ نام زد کرتے ہیں جیسا کہ ہمارے زمانے میں اس کا رواج ہے (یعنی عالمگیر کے زمانے میں) اس کا کھانا حلال و طیب ہے، اس لیے کہ غیر اللہ کا نام وقت ذبح جانور پر ذکر نہیں کیا گیا۔

لہٰذا جو بکرا کسی پیر یا ولی کے نام منسوب کر دیا گیا نام زد کر دیا گیا ہو اور وقت ذبح جانور پر بسم الله، الله اكبر پڑھ کر ذبح کیا گیا ہو تو اس کا گوشت کھانا حلال و طیب ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم.

---

(۱) مولوی اسماعیل دھلوی، تقوية الإيمان، ص:۸

(۲) ملا احمد جیون، تفسیرات احمدیہ، ص:۴۱، ۴۲

(۳) ملا احمد جیون، تفسیرات احمدیہ، ص: ۴۲

کتاب المفقود

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لاپتہ بیٹے کی بیوی کو خسر طلاق یا نکاح ثانی کی اجازت دے سکتا ہے یا نہیں؟

مستفتی: محمد نصیر، قصبہ و پوسٹ: مگہر، محلہ شیر پور ضلع بستی۔ مورخہ ۱۱ر اگست ۵۷ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ:

ایک لڑکی جس کا نام مریم ہے، اس کے والدین نے اس کی شادی کر دی۔ شادی کے بعد رخصت ہو کر مریم اپنے شوہر کے یہاں گئی پھر رخصت ہو کر اپنے میکے آئی، عرصہ ایک سال اپنے والدین کے پاس رہی۔ دوسری مرتبہ ایک سال کے بعد اپنے شوہر کے یہاں گئی تو اس کا شوہر لاپتہ ہو گیا۔ آج عرصہ ڈھائی سال کا ہوا کوئی پتہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ اب مریم کو شوہر کی طرف سے سسرال کی طرف سے کوئی نان ونفقہ نہیں ملتا ہے اور نہ اس لڑکی کے والدین اس کا بار برداشت کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں مریم عقد ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟

لڑکی کے خسر کا تحریری بیان حسب ذیل ہے مع گواہان اور اس کی اصل تحریر لڑکی کے باپ کے پاس موجود ہے۔

بیان۔ میں کہ سبحان ولد ولی اللہ ساکن براول بازار منڈیروا ضلع بستی کا ہوں۔ میرا لڑکا سراج الدین تھا جس کی شادی میں نے ضیاء اللہ کی لڑکی مریم موضع کنشہرہ تھانہ کھجنی کے ساتھ کر دیا تھا۔ میرا لڑکا قریب دو سال ہوا لاپتہ ہو گیا، کہاں چلا گیا زندہ ہے یا مر گیا۔ میری بہو مریم بالغ ہے، مجھ کو اندیشہ ہے کہ اگر میں نے اس کو عقد ثانی کی اجازت نہ دی تو اپنی عزت کو برباد کر دے گی۔ اس لیے بخوشی ورضامندی بلا جبر واکراہ تمام پنچوں کے سامنے اپنی بہو مریم کو اپنے لڑکے کی طرف سے جواب دیتا ہوں کہ وہ اپنی مرضی یا اپنے والدین کی مرضی کے مطابق دوسری شادی کر لے اور جو زیورات ہم نے بوقت شادی دیا تھا پنچوں کے سامنے واپس لے لیا۔ اب مریم اور اس کے والدین کے ذمہ میرا کوئی خرچ باقی نہیں ہے اور جو لڑکی کا مہر دین میرے لڑکے سراج الدین کے ذمہ ہے لڑکی سے دریافت کر کے معاف کرا لیا، لڑکی نے بخوشی ورضامندی مع اپنے باپ کے معاف کر دیا اور یہ پنچ نامہ لکھ دیا کہ وقت پر کام آئے۔

گواہان

غلام محمد انصاری۔ رسول میاں انصاری۔ عظیم اللہ انصاری عباس علی وغیرہ۔

الجواب

سوال کے پنچ نامہ کو پڑھ کر سخت افسوس ہوا۔ پنچوں نے لڑکی کے خسر سے جو تحریر لی ہے وہ قطعاً بے کار ہے

کیوں کہ خسر کو نہ طلاق دینے کا حق ہے نہ دوسرے نکاح کی اجازت کا حق ہے۔ پنچوں نے لڑکی سے مہر بھی معاف کرالیا اور زیور بھی واپس دلا دیا، یہ بالکل بے سود سوائے نقصان کے فائدہ نہیں۔ شوہر پر مریم کا نان ونفقہ واجب تھا وہ زیور سے ہی کچھ وصول کر سکتی تھی لیکن پنچوں نے زیور واپس دلاکر مہر معاف کرا کے لڑکی کو اس سے محروم کرایا، اس کی ذمہ داری پنچوں پر ہے پنچ واپس دلائیں۔ مریم کا شوہر مفقود الخبر ہے لہذا مریم کا نفقہ شوہر سے دلایا جائے اور جب تک شوہر کی موت کا یقین نہ ہو جائے مریم دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ (۱)

ہدایہ میں ہے:

وينفق على زوجه و أولاده من ماله ولا يفرق بينه وبين امرأته. (۲)

یعنی مفقود الخبر کے مال سے اس کی بیوی اور اس کی اولاد پر خرچ کیا جائے، مفقود الخبر اور اس کی زوجہ میں تفریق نہیں کی جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ روزہ، نماز کی پابندی کرے۔ خدا ترسی کی زندگی گزارے۔ مریم کی ضروریات اس کے شوہر کے مال سے پوری کی جائیں۔ اگر بالفرض شوہر کا مال جائداد کچھ نہ ہو اور مریم کے والدین بھی کفالت نہ کر سکیں تو پڑوسی اور بستی والے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مریم کی ضروریات کا انتظام کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

عبد العزیز عفی عنہ

مفقود الخبر شوہر کا حکم

از: مرتضیٰ حسین، گولہ بازار، خلیل آباد، بستی

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

---

(۱) یہ حکم اصل مذہبِ حنفی پر ہے اور اب ضرورتِ شرعیہ کی بنیاد پر فتویٰ بر مذہب امام مالک ہے کہ مفقود الخبر کی عورت قاضی شرع کے حضور دعویٰ پیش کرے۔ قاضی بعد ثبوت مفقودی اپنے حکم سے چار برس کی مدت (مہلت انتظار) مقرر فرمائے گا۔ اس مدت میں بھی اگر پتہ نہ چلے تو پھر عورت قاضی کے حضور مستغیثہ ہو، قاضی بعد تحقیق شوہر کی موت کا حکم سنائے گا۔ اب عورت عدتِ وفات چار ماہ دس دن گزار کر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ بغیر تفریق قاضی اگر عورت بیسوں برس بیٹھی رہے، اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ علامہ زرقانی مالکی شرح موطاے امام مالک میں فرماتے ہیں۔ لو قامت عشرين سنة ثم رفعت ليستانف لها الأجل. قول مالك ايضاً: تستانف الأربع من بعد الياس و إنها من يوم الرفع۔ یہ حکم اس وقت ہے جب شوہر نے گھر پر بیوی کے اخراجات کے لیے کچھ مال چھوڑا ہو اور اگر کچھ بھی مال نہ چھوڑا تو قاضی تعسر نفقہ کی تحقیق کے بعد اس کا نکاح فسخ کر دے گا، اس کی پوری تفصیل "مجلسِ شرعی کے فیصلے"، ج:۱، "صحیفہ مجلس شرعی" ج:۳ میں ہے۔ ۱۲۔ مرتب غفرلہ

(۲) علامہ برهان الدين مرغيناني، هدايه، جلد دوم، ص: ٦٢١. مجلس البركات، مباركفور

ایک لڑکی کی شادی عرصہ بیس سال ہوا ہوئی ہے، لیکن تقریباً عرصہ چھ سات سال سے شوہر مفقود الخبر ہے، غائب ہونے سے پہلے اس نے کہا کہ میں تو تجھے نہ رکھوں گا، نہ چھوڑوں گا، اسی طرح سے پریشان کروں گا۔ اب لڑکی دوسری شادی کرنے کے لیے اپنے ماں باپ سے اصرار کر رہی ہے۔ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ دوسری شادی کرلے۔

① اب شرع متین کے حکم سے وہ دوسری شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟

② "نہ رکھوں گا، نہ چھوڑوں گا، اسی طرح سے پریشان کروں گا" سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

③ لڑکی سنی ہے شافعی مذہب کی رو سے شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟

④ اگر لڑکی ۹۰؍ برس انتظار کرے تو وہ ناقابلِ برداشت ہے، اس لیے کوئی ایسی صورت ہے جس سے لڑکی شادی کر سکتی ہو، یا نہیں؟

⑤ اگر شافعی مذہب کی رو سے شادی نہیں کر سکتی تو سنی مذہب میں انتظار کی کم سے کم مدت کیا ہے؟

الجواب

جب شوہر نے لڑکی سے کہا تھا کہ میں نہ چھوڑوں گا، نہ رکھوں گا، اسی طرح پریشان کروں گا، اسی وقت قوم کے ذمہ داروں اور سرداروں کا یہ فرض تھا کہ شوہر کو مجبور کر کے طلاق دلا دیتے، اب جب کہ شوہر مفقود الخبر ہے تو کچھ نہیں ہو سکتا، کیوں کہ جب تک شوہر مر نہ جائے، یا طلاق نہ دے دے اس وقت تک پہلا نکاح باقی ہے، ایسی صورت میں دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مذہب ہے۔ البتہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مفقود الخبر کی بی بی قاضی کے پاس دعویٰ کرے۔ قاضی چار سال کی مدت مقرر کرے، اگر چار سال تک بھی پتہ نہ چلے تو عورت پھر دعوا کرے، قاضی تفریق کر دے۔ اس کے بعد عورت چار مہینہ دس دن عدت گزارے، اس کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔ قاضی نہ ہونے کی صورت میں مقامی بڑا عالم قاضی کے قائم مقام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ: عبد العزیز عفی عنہ

(واضح ہو کہ اب بوجہِ ضرورت عورت و قاضی کو مذہب امام مالک پر عمل کی اجازت ہے۔ مرتب)

کیا مفقود الخبر شوہر کی بیوی دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟

مسئلہ علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں؟

ایک لڑکی حسب النسا بنت ڈھونڈے موضع سکرولی تحصیل خلیل آباد ضلع بستی کی ہے۔ حسب النسا کی شادی نابالغی میں گھورے خان ولد تعلق خان ساکن دھوسیان تحصیل خلیل آباد ضلع بستی ہوئی تھی۔ قریب دس سال کا عرصہ ہوا اب تک اس کے شوہر کا پتہ نہیں ہے اور لڑکی بالکل بالغ ہے اور کبھی اپنے شوہر کے یہاں نہیں گئی ہے اور نہ تو لڑکی اپنے

شوہر کے یہاں جانے کے لیے راضی ہے۔ ہر طرح سے لڑکی کو سمجھایا جاتا ہے کہ اگر تمہارا شوہر کسی وجہ سے سال دو سال کے اندر آجائے، تمہارا شوہر تم کو لے جانا چاہے تو تم اپنے شوہر کے یہاں جا سکتی ہو یا نہیں۔ لڑکی کا کہنا ہے کہ سال دو سال کو کون کہے اگر میرا شوہر اس وقت آئے اور مجھ کو لے جانا چاہے تو میں کسی بھی صورت میں نہیں جا سکتی۔ چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے اور میں اپنی شادی اپنی پسند سے کروں گی۔

اس میں علمائے دین کیا رائے دیتے ہیں، واپسی ڈاک سے جواب دیں۔

الجواب

حسب النسا کا شوہر جب تک طلاق نہ دے دے یا اس کی موت کا جب تک یقین نہ ہو جائے، حسب النسا بدستور اس کی بیوی ہے، دوسرا نکاح جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بیوی لاپتہ شوہر کا کتنا انتظار کرے؟

مستفتی: ماسٹر محمد عمر، بانی جوٹ مل اسکول، ہوڑہ، ۱۶ر فروری ۱۹۵۰ء

مسئلہ علمائے دین شرع متین اس کے متعلق از روئے شریعت کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

کرامت اللہ انصاری کی لڑکی جس کی عمر ۲۴ر سال کے قریب ہے۔ کچھ روز تک ایامِ بلوغت میں اپنے شوہر کے پاس رہ چکی ہے، مگر تین سال سے اس کا شوہر لاپتہ ہو گیا ہے۔ حالاں کہ اس کے شوہر کا پتہ ہندستان و پاکستان دونوں مقامات پر دریافت کیا گیا، مگر کسی جگہ نہیں چلا، اور جو کچھ بھی ذرائع پتہ لگانے کے ملے اس سے بھی دیگر جگہوں پر تلاش کیا گیا مگر لاحاصل۔ لہٰذا ایسی صورت میں کرامت انصاری کی لڑکی دوبارہ نکاح کر سکتی ہے کہ نہیں، اور دوبارہ نکاح کرنے کے لیے کن کن شرائط کو پورا کرنا ہوگا؟

الجواب

مفقود اور اس کی زوجہ میں تفریق اس وقت کی جائے گی جب ظن غالب ہو جائے کہ وہ مر گیا ہوگا، اور اس کی مقدار یہ ہے کہ اس کی عمر سے ستر برس گزر جائیں۔ اب قاضی اس کی موت کا حکم دے گا۔ اور عورت عدت وفات گزار کر نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب تک کہ شوہر کی عمر ستر برس نہ ہو وہ بدستور اس کی بیوی ہے، اس پر شوہر کا انتظار ضروری ہے، نکاح نہیں کر سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ:— اب اس کا حل دار القضا سے ایک دوسرے طریقے پر ہو سکتا ہے۔ وقت ضرورت کسی معتبر دار القضا سے رجوع کریں۔ (مرتب)

کتاب الوقف

إذ مات الإنسان انقطع عمله إلا من ثلثة أشياء من صدقة جارية أو علم ينتنفع به أو ولد صالح يدعوله. (صحيح البخاری، ۲/ ۴۱)

"جب انسان مرجاتا ہے اس کے عمل ختم ہوجاتے ہیں مگر تین چیزوں سے (کہ مرنے کے بعد ان کے ثواب اعمال نامہ میں درج ہوتے رہتے ہیں)

[۱] صدقہ جاریہ، (مثلاً مسجد بنادی یا مدرسہ بنایا کہ اس کا ثواب برابر ملتا رہے گا)۔

[۲] یا علم جس سے اس کے مرنے کے بعد لوگوں کو نفع پہنچتا رہتا ہے۔

[۳] یا نیک اولاد چھوڑ جائے جو مرنے کے بعد اپنے والدین کے لیے دعا کرتی رہے۔"

عن سعد بن عبادة بن صامت أنه قال : يا رسول الله ! إن أم سعد ماتت فأي صدقة أفضل؟ قال: الماء. قال: فحفر بيرا و قال: هذه لأم سعد. (ابو داؤد، ۱/ ۲۳۶)

سعد بن عبادہ سے روایت ہے انھوں نے عرض کی، یارسول اللہ! سعد کی والدہ کا انتقال ہو گیا (میں ایصالِ ثواب کے لیے کچھ صدقہ کرنا چاہتا ہوں) تو کون سا صدقہ افضل ہے؟ تو ارشاد فرمایا: پانی۔ انھوں نے ایک کنواں کھودوادیا اور کہہ دیا کہ یہ سعد کی ماں کے لیے ہے (یعنی اس کا ثواب میری ماں کو پہنچے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عید گاہ اور مسجد کا فرق

مسئلہ آمدہ از پالی، مارواڑ، مسئولہ، غلام محی الدین ہنر

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام صورت ذیل میں کہ:

① عید گاہ میں سقف پختہ کے متعلق زید کہتا ہے کہ اگر عید گاہ پر سقف ڈلوائی گئی تو وہ مسجد ہو جائے گی اور پھر اس میں صلوات خمسہ پڑھنا اور روشنی کرنا ضروری ہو جائے گا، کیوں کہ چھت پڑنے سے مسجد کا حکم ہو جاتا ہے۔ زید کا یہ کہنا صحیح ہے یا غلط؟ جواب مع حوالۂ کتب مرحمت فرمائیں۔

② مسجد کی صحیح تعریف کیا ہے اور کیا بنائے مسجد کے لیے نیت ہونا ضروری ہے، یا بغیر نیت کے بھی کسی مکان کو قبلہ رخ مثل مسجد کے بنایا تو وہ مسجد ہو جائے گا؟

③ عید گاہ میں اور مسجد میں کیا فرق ہے؟ بینوا توجروا.

الجواب

① عید گاہ کی اگر چھت بنوادی گئی تو وہ «مسجد مطلق» نہیں ہوگئی، جیسے اگر کسی مسجد کی چھت گر جائے اور کنارے کنارے کی دیواریں رہ جائیں تو وہ عید گاہ نہیں ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ چھت کے رہنے نہ رہنے سے حکم مسجد نہیں بدلتا ہے بلکہ واقف کے وقف پر ہے۔ اگر کسی نے نماز پنج گانہ کے لیے وقف کیا تو وہ مسجد ہے اور عیدین کے لیے تو عید گاہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

② مسجد وہ زمین مع عمارت یا صرف زمین ہے جس کے متعلق اس کے واقف یا واقفین نے کوئی ایسی بات کہی یا ایسا فعل کیا جس سے معلوم ہوتا ہو کہ اس نے ہمیشہ کے لیے اس میں نماز پنج گانہ کے لیے لوگوں کو اذن عام دے دیا ہے اور اپنا حق ملکیت بالکل ختم کر دیا ہے۔ مثلاً اس نے کہا کہ میں نے اس مکان کو مسجد کر دیا۔ یا مسجد بنائی اور اس میں اذان و اقامت سے با جماعت نماز پڑھوادی، یا اپنی کسی خالی زمین کے متعلق کہا کہ تم لوگ اس جگہ پر ہمیشہ نماز پڑھا کرو۔ ان صورتوں میں (وہ مکان، عمارت، زمین۔ مرتب) مسجد ہوگئی اس کی نیت ہو یا نہ ہو۔ ہاں اگر کسی خالی زمین کے متعلق کہا کہ

تم لوگ یہاں نماز پڑھا کرو اور ہمیشہ کا لفظ نہیں کہا مگر نیت یہی ہے تو (وہ زمین بھی۔ مرتب) مسجد ہو جائے گی۔

در مختار میں ہے:

"ویزول ملکه عن المسجد والمصلیٰ بالفعل وبقوله : جعلته مسجدا." (۱)

شامی میں ہے:

"قوله (بالفعل) أي بالصلاة فيه ففي شرح الملتقي أنه يصير مسجدا بلا خلاف." (۲)

نیز اسی میں ہے:

"جعل وسط داره مسجدا وأذن للناس بالدخول والصلاة فيه إن شرط معه الطريق صار مسجدا." (۳)

عالمگیری میں ہے:

"رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قوما أن يصلوا فيها بجماعة فهذا على ثلثة أوجه **أحدها** إما أمرهم بالصلاة فيها أبدا نصا، بأن قال : صلوا فيها أبدا. أو **أمرهم** بالصلاة مطلقا و نوى الأبد، ففي هذين الوجهين صارت الساحة مسجدا." (٤)

کسی مکان کو قبلہ رخ بنایا یا مسجد کی سی کوئی عمارت بنادی، صرف اس سے وہ مسجد نہیں ہوئی۔

عالمگیری میں ہے:

"من بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلوٰة فيه." (٥)

والله تعالیٰ اعلم.

(۳) عید گاہ «مسجد مطلق» نہیں ہے، ہاں اقتدا کے مسائل میں مسجد کے حکم میں ہے، یعنی امام و مقتدی کے درمیان اگرچہ کتنی صفوں کا فاصلہ ہو اقتدا صحیح ہے۔ اس کے علاوہ اور احکام میں عید گاہ مسجد کے حکم میں نہیں، مثلاً مسجد میں

---

(۱) در مختار کتاب الوقف، ج:٦، ص:٥٤٤-٥٤٥، مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) محمد امين ابن عابدين شامی (متوفی:١٢٥٢ھ)، شامی، كتاب الوقف، ج:٦، ص:٥٤٥، مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۳) محمد امين ابن عابدين شامی (متوفی:١٢٥٢ھ)، شامی، كتاب الوقف، ج:٦، ص:٥٤٥، مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(٤) عالمگیری، ج:٢، ص:٤٥٥، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، مطبوعه بيروت، لبنان

(٥) عالمگیری، ج:٢، ص:٤٥٤، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، مطبوعه بيروت، لبنان

کچی پیاز اور لہسن کھاکر آنا جب کہ بو باقی ہو یا اپنے لیے سوال کرنا، ماے مستعمل کی چھینٹیں فرش پر گرانا سخت منع ہے۔ مگر عید گاہ میں یہ امور احتیاطًا منع ہیں۔

شامی میں ہے:

"أما مصلّى العيد لا يكون مسجدا مطلقا و إنما يعطي له حكم المسجد في صحة الإقتداء بالإمام، و إن كان منفصلا عن الصفوف و فيما سوى ذلك فليس له حكم المسجد(إلى قوله) و يجنب هذا المكان عما تجنب عنه المساجد احتياطاً." [1]

والله تعالیٰ اعلم.

غلام جیلانی اعظمی عفی عنہ

مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور، ۲۴/ ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ

مسجد کی زمین پر غاصبانہ کاشت کا حکم

مستفتی: محمد لیسین خاں، موضع کٹھی، مبارک پور

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

زید ساڑھے پانچ بسوا آراضی پر مدت سولہ سال سے غاصبانہ کاشت کرتا چلا آرہا ہے، اور یہ آراضی مسجد پر وقف ہے مگر اب تک زید نے نہ غلہ دیا، نہ لگان، اور اب زید بخوف آخرت دینا چاہتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں زید لگان دے یا غلہ اور دونوں چیزوں میں سے دے تو کس حساب سے؟ بينوا توجروا.

الجواب

زید توبہ و استغفار کرے اور زمین مسجد کے متولی کو فوراً حوالے کردے اور زمانۂ غصب کی آراضی کی لگان یعنی وہ لگان جو اس حیثیت کے کھیتوں کی عام طور پر ہوا کرتی ہے ادا کرے۔ والله تعالی اعلم.

عبدالرؤف غفرلہ

(۱) محمد امین ابن عابدین شامی (متوفی:۱۲۵۲ھ)، شامی، کتاب الوقف، ج:۶، ص:۵۴۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان.

قدیم قبرستان جس میں دفن کا سلسلہ بند ہے، اس میں مدرسے کی بنا ہوسکتی ہے؟

مسئلہ کسی زمانہ میں زمین گورستان تھی، اب عرصہ سے دفن کا سلسلہ بند ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اس مقام پر مدرسے کی بنا ہوسکتی ہے۔ بالفرض قبر ظاہر ہوجائے تو اس کی کیا صورت کی جائے؟

الجواب

اس زمین میں مدرسے کی عمارت نہیں بنا سکتے کیوں کہ جو زمین قبرستان قرار پا گئی اور اس میں مسلمان دفن ہو گئے وہ ہمیشہ قبرستان ہی رہے گی، اگرچہ بعد میں دفن کا سلسلہ بند ہوجائے، قبروں کے نشان بھی مٹ جائیں، مردوں اور مردوں کی ہڈیوں کا نشان بھی نہ رہے۔ اس زمین پر زراعت جائز ہے نہ تعمیر مکان اور نہ کسی مصرف میں لانا جائز ہے، اس زمین کا حکم مقبرہ ہی کا حکم ہے۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

سُئل هو أيضا(أي القاضي الإمام شمس الأئمه) عن المقبرة في القرىٰ إذا اندرست و لم يبق فيها أثر الموتىٰ لا العظمُ ولا غيره هل يجوز زرعها و استغلا لها؟ قال : لا ، ولها حكم المقبرة كذا في المحيط.[1] والله تعالىٰ اعلم.

مالِ حرام سے مسجد کی تعمیر کا حکم

مستفتی: عبد الستار، پیش امام سنی مسجد، گیوال، شہر گیا۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ہذا میں کہ:

زید کی معیشت کے چند تجارتی شعبہ ہیں جس میں کچھ دُکانیں افیون اور شراب کی ہیں جس کسب کو شریعتِ مطہرہ نے حرام فرمایا ہے اور کچھ دوسری دُکانیں اور تیل کی مِل وغیرہ ہیں جس کسب کو شریعتِ مطہرہ نے حلال فرمایا ہے۔ زید یہ چاہتا ہے کہ مسجد کا حوض یا کنواں اُس پیسے سے تعمیر کرائے جس کو شریعتِ مطہرہ نے حلال فرمایا ہے، اس سے اس کارِ خیر میں خرچ کرے۔ بعض لوگ معترض ہیں کہ کسب حلال بھی ہے، حرام بھی ہے۔ نہ معلوم وہ پیسہ جس سے حوض یا کنواں وغیرہ تعمیر کرانا چاہتا ہے، وہ مخلوط ہے یا مخلوط نہیں تو ہوسکتا ہے کہ کسبِ حلال کی صورتیں بعد میں

---

(۱) الفتاوى الهندية، ج:۲، ص:٤٧، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، دار الكتب العلمية، بيروت

کسب حرام کی پونجی سے پیدا ہوئی ہوں اور دوسری دُکانیں یا مِل کھولا ہو، لہٰذا وہ روپے مشکوک ہیں۔ زید کی دلی خواہش ہے کہ کسبِ حلال سے یہ کارِ خیر اسی پیسے سے انجام دے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ بینوا تو جروا.

الجواب

کسبِ حرام، حرام ہے، شراب کی تجارت قطعاً حرام و اشد حرام ہے، شریعت مطہرہ میں اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ زید کو چاہیے کہ اس تجارت سے باز آئے اور فوراً توبہ کرے۔ دنیا بالکل بے ثبات ہے، اس کی ہر چیز ناپائیدار ہے، مدتِ عمر کا پتہ نہیں، موت کا وقت معلوم نہیں، وقت پر جانا ضروری ہے۔ مسجد یا حوض وغیرہ کارِ خیر میں مالِ حرام صرف کرنا جائز نہیں، بارگاہِ خداوندی میں حرام مردود ہے اور حلال ہی مقبول ہے۔

حدیث میں ارشاد فرمایا:

"إن الله طيّب لا يقبل إلا طيّبا."[1]

زید کی جو تجارت حلال ہے، اگر اس کا حساب علاحدہ ہی رہتا ہے اور دوسری تجارتِ حرام سے روپیہ پیسہ مخلوط نہیں ہوتا تو وہ مال حلال و پاک ہے، اور محض اس شبہہ سے کہ ہو سکتا ہے کہ کسبِ حلال کی صورتیں بعد میں کسبِ حرام کی پونجی سے پیدا ہوئی ہوں، یہ تجارت حرام نہ ہوگی اور ہر مال حرام نہ ہوگا۔ (خاص کر اس صورت میں کہ خرید و فروخت میں عموماً عقد و نقد جمع نہیں ہوتے۔ مرتب) اس مال سے تعمیرِ مسجد وغیرہ جائز ہے، تاہم احتیاط یہ ہے کہ زید کسی شخص سے مالِ حلال قرضِ حسن لے کر تعمیرِ مسجد میں صرف کرے اور اس قرض کو اپنے کسبِ حلال سے ادا کر دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح۔ عبدالمصطفیٰ عفی عنہ الجواب صحیح۔ عبدالرؤف عفی عنہ الجواب صحیح۔ شمس الحق عفی عنہ

سابق مالک سے خرید کر وقف کی گئی زمین کا حکم

مسئلہ علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں:

ایک زمین پرتی تھی جس کو زید نے سمجھا تھا کہ میری زمین ہے۔ اس زمین پر احاطہ یا مکان بنانے کے لیے اس نے ٹاؤن ایریا میں درخواست دی، وہ درخواست منظور ہوگئی۔ عمرو نے اس کو جانچا کہ یہ زمین کس کی ہے تو وہ زمین دوسرے کی تھی۔ جس کی زمین تھی عمرو نے اس سے خرید لیا۔ زید کو عمرو کے خریدنے کا پتہ چلا تو اس کے کئی روز کے بعد زید نے انھیں سے خریدا اور مسجد پر وقف کر دیا۔ اب علمائے دین اس میں کیا فرماتے ہیں؟ بینوا تو جروا.

---

(۱) مسلم شریف، کتاب الزکاۃ، ج:۱، ص:۳۲۶، کتاب الزکاۃ/ باب الحث علی الصدقة، مجلس البرکات، مبارك پور

الجواب

زمینِ مذکورہ، عمرو کی ہے۔ زید کا وقف لغو اور ناجائز ہے، کیوں کہ مالکِ زمین سے جب کہ عمرو نے خرید لی تو عمرو اس زمین کا مالک ہو گیا۔ اس کے بعد جب زید نے سابق مالک سے خریدی تو وہ اس وقت زمین کا مالک ہی نہیں، نہ اس کو بیچنے کا حق، تو زید کی بیع ہی جائز نہیں۔ لہٰذا زید کا اس زمین کو وقف کرنا بھی جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کیا مسافر خانہ مقامی لوگ استعمال کر سکتے ہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

مسجد کے اندر فرش سے ملا ہوا ایک مسافر خانہ ہے جو برادری کی پنچایت میں اور کھانا کھلانے میں برابر مستعمل ہوتا تھا حتی کہ محلہ کے آدمیوں نے اس میں ثرید پکایا اور کھایا بھی تھا کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوا۔

کل کا واقعہ ہے کہ محلہ میں ایک شخص کے یہاں ختنہ کی تقریب تھی بسبب قلت جگہ اس نے اپنے مہمانوں کو بھی اسی مسافر خانہ مذکور میں بٹھا کر کھانا کھلایا کھانا کھلانے کے دوران میں ایک شخص آیا (جس کے خاندان کی بنوائی ہوئی مسجد ہے) اور کہا کہ ہم اس میں کھانا نہیں کھلانے دیں گے۔ اس نے دعوی کیا کہ مسجد ہمارے خاندان کی ہے اس پر ایک غیر خاندانی شخص نے کہا مرمت کے لیے تو کوئی نہیں آتا اتنا سن کر ایک دوسرے شخص نے کہا کہ آج تو مسافر خانہ میں ہمیں کھانا کھانے سے روکا جاتا ہے کل نماز جمعہ پڑھنے سے روک دیں گے اس لیے کہ ان کے خاندان کی بنوائی ہوئی مسجد ہے اس پر ایک تیسرے شخص نے کہا کہ جس کا جی چاہے وہ آئے اور جس کا جی چاہے نہ آئے یہ سن کر ایک چوتھے شخص نے کہا ہم لوگ اب مسجد میں نماز جمعہ پڑھیں گے اس پر بھی دوسرے خاندانی شخص نے کہا کہ اگر ہمیں پہلے سے معلوم ہوتا کہ اس مسافر خانہ میں آج کھانا کھلایا جائے گا تو میں ہرگز ہرگز کھانا کھلانے نہیں دیتا اس پر ایک غیر خاندانی شخص نے کہا کہ اس کے کچھ دن پہلے بھی انھوں نے ایک مرتبہ کہا تھا اگر فلاں شخص آئے گا اور نماز پڑھنا چاہے گا تو میں روک دوں گا اور اسے مسجد سے نکال دوں گا (- یہ اشارہ خاندانی شخص کی طرف تھا) اس پر اس خاندان کے دوسرے شخص نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو ابھی لاکر ان سے اس مسجد میں نماز پڑھوا دوں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ مسجد میں نماز جائز ہوگی کہ نہیں اگر نماز مسجد مذکور میں جائز ہے تو وہ اشخاص جو اس مسجد میں نماز جمعہ پڑھنا چاہتے ہیں تو ان کی نماز عند اللہ کیسی ہوگی؟ بینوا بالدلیل و توجروا عند الله .

الجواب

یہ مسافر خانہ اگر محض ضروریات مسجد اور آنے والے مسافروں کے قیام کے لیے تعمیر کیا گیا ہے، تو مقامی لوگوں کو عام پنچایتی کام میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

اور اگر مسافر خانہ کی تعمیر سے یہ بھی مقصود ہے کہ مقامی لوگ بھی اپنی ضرورتوں کے وقت کام میں لائیں تو مقامی

لوگوں کو بھی حق حاصل ہے، کیوں کہ ایسی عمارتیں جن اغراض و مقاصد کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں انھیں کاموں میں کام آتی ہیں لہٰذا مسافر خانہ مذکور فی السوال اگر ایسی صورت رکھتا ہے تو متولی مسجد اور اس کے خاندانی لوگوں کو مقامی لوگوں کو روکنے کا حق حاصل ہے اور اگر ثانی صورت ہے تو روکنے کا حق نہیں مسافر خانہ کی دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت ہو مگر مسجد میں نماز پڑھنے سے چوں کہ نہیں روکا ہے، اس لیے مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں اگر مصلیان مسجد کو مسجد سے روک دیا جاتا نماز کے وقت نمازیوں کے لیے مسجد کے دروازے بند کر دیے جاتے تو البتہ اس میں نماز جمعہ جائز نہ ہوتی کیوں کہ نماز جمعہ کی ادا کی شرطوں میں سے ایک شرط اذن عام بھی ہے، اس لیے جمعہ جائز نہ ہوتا۔

كما في الدر المختار : والسابع الإذن العام من الإمام، و هو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين.[1]

نماز جمعہ اس شہر میں اور بھی ہو سکتی ہے اسی پر فتویٰ ہے۔

در مختار میں ہے:

و تودى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا على المذهب وعليه الفتوىٰ .[2]

لہٰذا دوسری مسجد میں بھی نماز جمعہ ہو جائے گی مگر بلا وجہ شرعی افتراق جماعت ممنوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد کے در طاق یا جفت؟

مستفتی: چودھری عبدل، ڈاک خانہ ڈھکیا، مراد آباد

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

مسجد کے در طاق رکھنا چاہیے یا جفت۔ اگر جفت ہوں تو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

مسجد وہ مکان ہے جس کو مسلمانوں نے نماز پنج گانہ کے لیے تعمیر کیا ہو۔ اس کے در خواہ جفت ہوں یا طاق وہ بہر حال مسجد ہے، اس میں بہر صورت نماز جائز ہے، لیکن مسجد کے در طاق ہونا بہتر و افضل ہے۔

حدیث میں وارد ہے:

الله وتر و يحب الوتر.[3]

اس لیے مسجد کے در بعدد طاق رکھنے کا طریقہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(۱) در مختار المطبوع مع رد المحتار، ج:۳، ص:۲۵

(۲) در مختار المطبوع مع رد المحتار، ج:۳، ص:۱۵

(۳) مسند أحمد بن حنبل، ج:۱، ص:۱۴۳

مسجد میں استعمال شدہ پرانی اشیا کو بیچا جا سکتا ہے یا نہیں؟

از: مصلیان جامع مسجد، شہر اعظم گڑھ، ۱۲ر جولائی ۱۹۵۵ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

جامع مسجد شہر اعظم گڑھ میں بجلی کے پنکھے کئی سال سے لگے ہوئے ہیں، جن کو وہاں کے اشخاص نے وقف کیا ہے۔ حال ہی میں بجلی کا نیا انتظام ہو گیا ہے، جس کے سبب وہ پنکھے کام کے نہیں، اس لیے مصلیوں اور وقف کرنے والوں کی خواہش ہے کہ اس کو فروخت کر کے دوسرے پنکھے لائے جائیں۔ اس مسئلہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا موجودہ صورت میں مسجد کے وہ پنکھے فروخت کیے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

جب مسجد کو پنکھوں کی ضرورت نہیں تو بیچ دیے جائیں اور ان کے دام سے دوسرے پنکھے ضرورت کے لائق خرید لیے جائیں، جیسے قندیل وغیرہ مسجد میں ہوں اور ضرورت باقی نہ رہے تو بیچ کر دوسرے خریدے جاسکتے ہیں۔

فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ:

بسط من ماله حصيرا في المسجد فخرب المسجد... فإن ذلك يكون له إن كان حيا و لورثته إن كان ميتا و إن بلى ذلك كان له أن يبيع و يشتري بثمنها حصيرا آخر و كذا لو اشترىٰ حشيشا أو قنديلا للمسجد.[(۱)] والله تعالىٰ اعلم.

مسجد کے فنڈ سے تواضع کرنے کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک مسجد کا چندہ ہوا تھا، چندہ میں کچھ چنا ملا تھا۔ اب اس مسجد کا کام شروع ہو گیا، اس کی چھت کی باری آئی۔ مہتمم نے اعلان کیا کہ تمام محلوں کے لوگ آکر کام کریں۔ مسجد کی رقم سے چائے بنایا اور مذکورہ بالا چنا بھنا کر تقسیم کیا، اس غرض سے کہ مسجد کا پیسہ بچ جائے گا، کیوں کہ محلے کے لوگوں کو مزدوری کا پیسہ نہیں دینا پڑے گا۔ زید کہتا ہے کہ مسجد کی رقم سے کھانا کھلانا ناجائز ہے، بکر کہتا ہے کہ ہم نے کام کیا ہے اس سلسلے میں مزدوری نہیں لی ہے تو کوئی حرج نہیں۔ خالد کہتا ہے کہ تمھارے ثواب میں کمی ہوگی، محلے کے لوگوں کو ثواب ملے گا یا نہیں۔ زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا۔

---

(۱) الفتاوى الخانية الموضوع بهامش الجزء الثالث من الفتاوىٰ الهنديه، ج:۳، ص:۲۹۳.

① آیا مسجد کا چندہ جو لوگ وصول کرتے ہیں، ان کا کھانا مسجد کی رقم سے یعنی چائے پانی جائز ہے یا نہیں؟

② آیا مدرسہ کا چندہ وصول کرنے والے مدرسہ کی رقم میں سے اسی دوران چائے پانی پیا تو درست ہے یا نہیں؟

بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب

الجواب

جب محلے والوں سے کام کرانے کا مقصد مسجد کو فائدہ پہنچانا ہے اور کام کرنے والوں کو اس خیال سے کہ یہ لوگ کام کرتے کرتے اکتا نہ جائیں، یا ناشتہ کے لیے جائیں گے تو گھنٹہ دو گھنٹہ کی دیر ہو جائے گی، پھر ان کو اکٹھا کرنا مشکل ہو جائے گا، یا کچھ آ جائیں گے اور کچھ نہیں آئیں گے یا آنے والے بددل ہو جائیں گے، یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے نہ آنے کا خطرہ ہو جس سے مسجد کے کام میں رکاوٹ یا دیر ہو جائے گی، اس لیے مہتمم نے مسجد کے پیسہ سے ناشتہ کا انتظام کر دیا تاکہ لوگ جمع رہیں اور منتشر نہ ہونے پائیں اور تھوڑے سے وقت میں مسجد کا زیادہ سے زیادہ کام ہو جائے تو ظاہر ہے مسجد کا فائدہ ہی پیش نظر ہے اور اسی کے تحت مسجد کی طرف سے ناشتہ کا انتظام ہے۔ اس طرح کا خرچ جس میں مسجد کا فائدہ ہو جائز ہے البتہ پر تکلف ناشتہ جس میں پیسہ زیادہ خرچ ہو جائے اور محلے والوں سے جو کام لینے کا مقصد تھا وہ فوت ہو جائے جائز نہیں۔ اس صورت میں مہتمم خائن ہوگا۔ سوال میں جو ناشتہ مذکور ہے وہ معمولی ناشتہ ہے اس سے مہتمم خائن نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کام کرنے والے اس ناشتہ کو معاوضہ سمجھتے ہیں تو ثواب نہیں ملے گا اور اگر اس کو معاوضہ نہیں سمجھتے بلکہ مسجد کی جانب سے ایک تواضع ہے اور ثواب کی امید خدائے تعالیٰ سے رکھتے ہیں تو ثواب کے مستحق ہوں گے۔

یوں ہی مسجد یا مدرسہ کے چندہ کی وصولی کے دوران نعت خواں یا ایسے حضرات جن کی موجودگی سے چندہ زیادہ ہو اگر نعت خواں کی خاطر تواضع نہ کی جائے تو بددل ہو جائیں گے یا جن حضرات کی موجودگی ضروری ہے وہ شامل نہ ہوں گے تو چندہ ختم ہو جائے گا یا کم ہوگا، مسجد یا مدرسہ کے فائدہ کے مدنظر پان، چائے پر خرچ کرنا جائز ہے۔ چوں کہ مسجد یا مدرسہ کے فائدہ کے مدنظر اس قسم کا خرچ کرنا جائز ہے۔

لہٰذا اتنا خرچ نہیں ہونا چاہیے کہ مقصد فوت ہو جائے، نیت خیر ہونی چاہیے۔ نیت ہی پر دار و مدار ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کی نیتوں سے خوب واقف ہے اور مصلح و مفسد کو خوب جانتا ہے۔ ہاں محلے والے، چندہ وصول کرنے والے پوری دل چسپی سے کام کریں اور خرچ کرنے کی نوبت نہ آنے دیں تو سب سے بہتر اور عمدہ ہے اور اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

مسجد فتح پوری بھوج پور کی تعمیر کا قضیہ

مستفتی: حافظ عبد الرشید، صوفی نذیر احمد، مولانا بشیر احمد، منشی اللہ بخش، قصبہ بھوج پور، ضلع مراد آباد

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ:

ہمارے قصبہ میں ایک مسجد زمین داروں کی ہے جس کے متولی زمیں دار ہی ہیں۔ کچھ غریب انصاری بھی اس میں نماز پڑھتے تھے جنھوں نے زمین داروں کے ظلم سے تنگ آکر اپنی مسجد علاحدہ بنالی۔ اس نئی مسجد کے متعلق سوال ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مومن انصار زمیں داروں کے بازار میں کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ کچھ عرصہ سے اس پر زمین داروں نے ان پر بے جا سختیاں شروع کر دی تھیں اور نا قابلِ برداشت بازاری ٹیکس نافذ کیا تھا، جس سے تنگ آکر انصاریوں نے زمیں داروں کا بازار چھوڑ دیا اور اپنا بازار علاحدہ قائم کر لیا۔ اس سے زمین داروں کی آتشِ عناد بھڑک اٹھی۔ چناں چہ زمین داروں نے مع اپنے گروہ کے بندوق، تلوار اور لاٹھیوں سے مسلح ہو کر انصاریوں کے بازار پر چڑھائی کی اور ان کو بندوقوں کا نشانہ بنایا اور تلواروں سے گھائل کیا، جس سے پانچ انصاری شہید اور چودہ سخت مجروح ہوئے۔ ایک زمین دار بھی مارا گیا۔ خون کا بدلہ خون ہی ہوتا ہے، اس لیے قانوناً اور انصافاً ان قاتلوں کو مراد آباد جج سے سزائے موت ہوئی مگر الہ آباد اپیل میں اس انصاف کا خون کر دیا گیا اور ان قاتلوں کو بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا۔ قصبہ کے جن جن مسلمانوں نے مقتولین و مجروحین کی اعانت میں حصہ لیا تھا اور مقدمات کی پیروی کی تھی ان سے زمین داروں نے عداوت ٹھان لی اور ان کے درپے آزار ہو گئے۔ اسی زد میں امام مسجد زمین داران بھی آ گئے۔ ان پر سختیاں شروع کر دیں اور بلا وجہ شرعی امامت سے معزول کر دیا اور کہا کہ تمھارے پیچھے نماز جائز نہیں اور کہا کہ ہماری مسجد میں آؤ گے تو خطرہ پاؤ گے۔ ہم غربا زمین داروں کا ظلم دیکھ ہی چکے تھے اور اب انھوں نے خطرے کی گھنٹی بجادی۔ لہٰذا یہ خوف ہوا کہ اگر ان ظالموں نے مسجد ہی میں فتنہ برپا کیا تو خانۂ خدا کی بے حرمتی ہوگی اور ہماری جانیں بھی جائیں گی کیوں کہ زمین داروں کی مسجد کا ماحول بھی ایسا ہے کہ ہر طرف قرب و جوار میں زمین داروں ہی کے مکانات ہیں۔ ہمارے مکانات بہت فاصلے پر ہیں، لہٰذا ہم غریب مسلمانوں نے زمین داروں کے اس ظلم کو دیکھ کر مجبوراً ان کی مسجد چھوڑ دی اور اپنے محلہ میں نماز با جماعت ادا کرنے لگے۔ کئی مہینہ اسی طرح نماز ادا کرتے رہے۔ اس کے بعد دو مسلمانوں نے اپنے ذاتی دو مکان خام جن کے وہ مع ان کی زمین کی تحتی کے قابض تھے مسجد کے لیے وقف کر دیا اور ان کو ہموار کرا کر نماز با جماعت ادا کرنے کی اجازت دے دی۔

مسلمانوں نے جائے موقوفہ پر پختہ فرش لگایا، اوپر چھپر رکھا، غسل خانہ و استنجا خانہ وغیرہ بنالیا اور تقریباً دو سال

سے اس مسجد میں مع اذان نماز با جماعت ادا ہوتی ہے۔ اس مسجد کا زمین داروں کی مسجد سے کافی فاصلہ ہے، نیز اس مسجد سے زمین داروں کی مسجد کے ویران ہونے کا کوئی خطرہ نہیں کیوں کہ اس سے متعلق اب بھی کافی مسلمان ہیں کہ اگر وہ سب نماز پڑھیں تو اس مسجد میں گنجائش بھی نہ رہے۔ نیز اس مسجد پر کافی جائداد وقف ہے، امام و موذن تنخواہ دار مقرر ہیں، پنج گانہ اذان و نماز با جماعت ادا ہوتی ہے۔ اس جدید مسجد میں بھی پانچوں وقت نماز با جماعت ادا ہوتی ہے اس سے متعلق بھی کافی مسلمان ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں امور ذیل دریافت طلب ہیں:

(۱) یہ نئی مسجد غریب مسلمانوں کی جس کا فرش پختہ اور اوپر پھونس کا چھپر ہے، جائز ہے یا نہیں اور اس میں نماز درست ہے یا نہیں؟

(۲) یہ نئی مسجد اپنی موجودہ تشکیل میں مسجد ہی کا حکم رکھتی ہے یا نہیں؟ اس کا احترام واجب ہے یا نہیں؟ خدا نخواستہ اگر کوئی اس کی بے حرمتی کرے یا اس کو منہدم کرے تو مسلمانوں پر اس کی حفاظت ضروری ہے یا نہیں؟

(۳) مسلمانوں نے اپنے وہ خام مکان جن کے عملے اور زمین تحتی کے وہ پورے طور پر مالک و قابض تھے اس مسجد کے لیے وقف کر کے نماز با جماعت کی اجازت دے دی اور تقریباً دو سال سے برابر نماز با جماعت اور اذان ہو رہی ہے۔ ان مسلمانوں کا یہ وقف صحیح اور تام ہے یا ناجائز اور ناقص ہے؟ بینوا توجروا.

الجواب

اگر زمین دار مومن انصار کے بازار پر چڑھ گئے اور انصاریوں کے بازار میں ان کو قتل کیا اور مجروح کیا تو شدید ظلم کیا۔ اس میں جو انصاری قتل ہوئے وہ شہید ہوئے۔

حدیث میں ارشاد فرمایا:

من قتل دون ماله فهو شهيد.[1] جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔

حدیث میں ارشاد فرمایا:

من قتل دون عرضه فهو شهيد.[2] جو شخص اپنی عزت کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو زمین دار سخت ظالم ہیں اور مقتولین و مجروحین مظلوم ہیں اور ان کی امداد و اعانت باعث اجر و ثواب ہے۔ یہ زمین داروں کا ظلم بالائے ظلم ہے کہ جن لوگوں نے مظلوموں کی امداد و اعانت کی ان کے دشمن ہو گئے۔ امام

---

(۱) الشيخ محمد بن اسماعيل البخاري، الجامع الصحيح للبخاري، ج:۱، ص:۳۳۷

(۲) صحيح مسلم، ج:۱، ص:۸۱، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من قصد أخذ مال غيره، مجلس بركات، مبارك پور

مسجد کو بلاوجہ شرعی امامت سے معزول کرنا بھی امام پر ظلم ہے، پھر یہ کہنا کہ ہماری مسجد میں آؤ گے تو خطرہ پاؤ گے، مسجد سے روک دینا ہے۔ واقعات ماسبق اگر صحیح ہیں تو اس قول کے بعد مسجد چھوڑنا مجبوری ہی سے ہے اور جن لوگوں نے مسجد چھوڑی وہ معذور ہیں کیوں کہ اس میں تفریق زمین داروں کی طرف سے ہے۔ نئی مسجد چوں کہ اس تفریق کے بعد بنائی گئی ہے اس لیے یہ مسجد باعث تفریق ہرگز نہیں ہو سکتی۔ مسجد شرعی مسجد ہے، اس میں نماز درست ہے، اس میں نماز کا اجر و ثواب مسجد ہی کا اجر و ثواب ہے، اس کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہے۔

① یہ مسجد اپنی جدید صورت میں مسجد ہے، مسجد کے لیے پختہ ہونا شرط نہیں اور مسجد کی کوئی خاص شکل شریعت نے مقرر نہیں کی ہے۔ یہ مسجد جائز اور اس میں نماز درست۔ اس صورت میں اس مسجد کے لیے مسجد ضرار کا حکم نہیں۔

تفسیر کبیر میں ہے:

لأن المسجد عبارة عن الموضع الذي يعبد الله فيه.

ہدایہ میں ہے:

من اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه لأنه يحرز عن حق العباد وصار خالصا لله وهذا لأن الأشياء كلها لله تعالىٰ وإذا أسقط العبد ماثبت من الحق رجع إلى أصله فانقطع تصرفه عنه كما في الإعتاق.[1]

خود مسجد نبوی ابتدا میں چھپر ہی کی طرح تھی۔ بخاری شریف میں ہے:

إِنَّ الْمَسْجِدَ كَانَ عَلَىٰ عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِيًّا بِاللَّبِنِ وَسَقَفُهُ الْجَرِيْدُ وَعُمُدُهُ خشب النَّخْلِ.[2]

مسجد نبوی زمانِ رسول ﷺ میں کچی اینٹوں سے بنی تھی اور اس کی چھت شاخ خرما کی تھی اور اس کے ستون کھجور کی لکڑیاں تھیں۔

② یہ مسجد اپنی موجودہ صورت میں مسجد ہی ہے اور اس کا احترام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کوئی اس کی بے حرمتی کرے یا اس کو منہدم کرنے کی کوشش کرے وہ ظالم ہے، اس کا روکنا مسلمانوں پر ضروری ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس مسجد میں نماز پڑھنا اس محلہ والوں کے لیے افضل ہے۔

---

(١) شیخ الاسلام برهان الدين ابو الحسن علي بن أبي بكر فرغاني، هدايه اولين، ص ٦٢٥، مجلس بركات، مباركفور

(٢) الشيخ محمد بن اسماعيل البخاري، الجامع الصحيح للبخاري، ج:٢، ص:٦٤

درمختار میں ہے:

ومسجد حيه أفضل من الجامع.[۱]

(۳) جب کہ مالکان مکان نے اپنا مکان مسجد کے لیے وقف کر دیا اور اس میں نماز باجماعت ہو گئی تو اس کے لیے حکم مسجد ثابت ہو گیا اور یہ زمین واقفین کی ملک سے نکل کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملک ہو گئی۔

ردالمحتار میں ہے:

اعلم أن وقف المسجد يخالف سائر الأوقاف في عدم اشتراط التسليم إلى المتولي فيه عند محمد وفي منع الشيوع عند أبي يوسف وفي خروجه عن ملك الواقف عند الإمام وإن لم يحكم به حاكم.[۲]

درمختار میں ہے:

ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل وبقوله جعلته مسجدا عند الثاني وشرط محمد والإمام الصلاة فيه بجماعة.[۳]

نیز اسی میں ہے:

وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف حتى أنه إذا بنى مسجدا وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة فانه يصير مسجدا.[٤] والله تعالىٰ اعلم

الجواب صحیح. والله تعالىٰ اعلم
فقیر امجد علی اعظمی عفی عنہ

الجواب صحیح
عبد المصطفیٰ الازہری غفرلہ
مدرس دار العلوم اہل سنت مصباح العلوم

اپنے محلہ میں مسجد بنانے کا حکم

مستفتی: میاں جی خدا بخش انصاری۔ ضلع مراد آباد

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلۂ ذیل میں کہ:

---

(۱) درمختار المطبوع مع رد المحتار، ج: ۲، ص: ٤٣٣

(۲) محمد امین بن عابدین شامی، رد المحتار، ج: ٦، ص: ٥٤٤

(۳) الدر المختار شرح تنویر الأبصار المطبوع مع رد المحتار، ج: ٦، ص: ٥٤٤، ٥٤٥

(٤) محمد امین بن عابدین شامی، رد المحتار، ج: ٦، ص: ٥٤٥

ہمارے موضع میں چار ساڑھے چار ہزار مسلمانوں کی آبادی ہے اور تین مسجدیں ہیں لیکن ہمارے محلہ میں مسجد نہیں ہے۔ دوسرے محلہ کا فاصلہ تقریبًا تین سو قدم ہے اور ہم لوگوں کو برسات کے موسم میں مسجد جانے میں سخت تکلیف ہوتی ہے، راستہ میں کیچڑ اور گندگی بے حد ہوتی ہے غرضے کہ راستہ بہت خراب ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے کپڑے خراب ہو جاتے ہیں اور اسی لیے کچھ آدمی نماز کو جاتے ہیں اور کچھ نہیں جاتے، سردی کے موسم میں بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں اپنے محلے میں مسجد تعمیر کرنے کا خیال آیا۔ ان تینوں مسجدوں کے گرد و نواح میں کافی مسلمان ہیں یعنی اس مسجد کی تعمیر سے سابق مسجدوں کے ویران ہونے کا بھی خطرہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اب چوتھی مسجد اس محلہ میں تعمیر کرائی جائے یا نہیں؟ بینوا و توجروا.

الجواب

مسجد خانۂ خدا ہے، اس کی تعمیر میں بڑا اجر و ثواب ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِداً بَنَى اللهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ.(۱) یعنی جس شخص نے رضائے الٰہی کے لیے مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں محل عطا فرمائے گا۔

مسجد میں ایک فرض نماز ستائیس نمازوں کا ثواب رکھتی ہے۔ یعنی اگر مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز پڑھے گا تو ایک نماز کا ثواب ملے گا اور مسجد میں پڑھے گا تو ستائیس نمازوں کا ثواب پائے گا(۲)۔ مسجد کے نمازیوں کو یہ اجر و ثواب مسجد ہی کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ اگر مسجد نہ ہوتی تو وہ اس ثواب سے محروم رہتے۔ اس حصول خیر کا سبب مسجد ہے لہٰذا جب تک مسجد قائم رہے گی برابر بانیان مسجد کو ثواب ملتا رہے گا۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ہر محلہ میں مسجد بنانے کا حکم دیا تاکہ ہر محلہ کے مسلمان مسجد میں نماز کے ثواب اور جماعت کے اجر کو بہ آسانی حاصل کر سکیں اور مسجد میں نماز کے اجر اور جماعت کے ثواب سے محروم نہ رہیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے:

عن عائشة قالت أمر النبي صلى الله عليه وسلم ببناء المساجد في الدور و أن ينظف ويتطيب.(۳) یعنی نبی کریم ﷺ نے ہر محلہ میں مسجد بنانے کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ مسجدوں کو صاف ستھرا رکھا جائے۔

---

(۱) السنن لابن ماجة، باب من بنى لله مسجداً، ج:۱، ص:۵۴

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”مرد کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ گھر میں بازار میں پڑھنے سے ستائیس درجے زائد ہے۔“ (بہار شریعت، ص:۱۳۸، حصہ سوم، بحوالہ صحیح بخاری و مسلم ص:۲۳۴، مجلس برکات۔ (مرتب)

(۳) امام أبو عیسیٰ ترمذی، الجامع الترمذی، باب ما ذکر فی تطیب المساجد، ج:۱، ص:۷۶

حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لمعات شریف میں اس حدیث کی تفسیر میں فرمایا:

إن المراد به ههنا المحلات والقبائل وهذا في غير صورة الضرار فإنه يمنع۔[1]

یعنی الدور سے یہاں مراد محلے اور قبیلے ہیں، یعنی حدیث میں ہر محلہ اور قبیلہ میں مسجد بنانے کا حکم دیا اور یہ حکم ضرار کی صورت میں نہیں ہے کیوں کہ ضرار منع ہے۔

یعنی اگر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے مسجد بنائے یا دوسری مسجد کو ویران کرنے کی غرض سے مسجد بنائے تو جائز نہیں۔

وفي المرقات رأيت ابن حجر ذكر أن المراد به ههنا المحلات وحكمة أمره لأهل كل محلة ببناء مسجد فيها أأنه قد يتعذر أويشق على أهل محلة الذهاب إلى الأخرىٰ فيحرمون أجر المسجد وفضل إقامة الجماعة فأمروا بذلك ليتيسر لأهل كل محلة العبادة في مسجدهم من غير مشقة يلحقهم۔[2]

یعنی علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب شرح مرقات شریف میں فرمایا کہ میں نے علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا کہ انھوں نے فرمایا کہ مراد اس سے یہاں محلے ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو ہر محلہ میں مسجد بنانے کا حکم دیا ہے، اس میں یہ حکمت ہے کہ کبھی دوسرے محلے کی مسجد میں جانا متعذر یا دشوار ہو جاتا ہے تو نمازی مسجد کے اجر و ثواب اور جماعت کی فضیلت سے محروم ہو جاتے ہیں، لہٰذا ہر محلہ میں مسجد بنانے کا حکم دیا تاکہ ہر محلہ والوں پر اپنی مسجد میں عبادت آسان ہو۔

صورت مسئولہ میں جب کہ اس محلہ میں مسجد نہیں ہے بل کہ دوسرے محلہ میں ہے جس کا کافی فاصلہ ہے اور موسم برسات و سرما میں نمازیوں کا اس مسجد میں پہنچنا مشکل ہے، نیز پہلی مسجدوں کے ویران ہونے کا بھی خدشہ نہیں ہے، کیوں کہ جب ان مسجدوں کے گرد و نواح میں کافی مسلمان آباد ہیں تو ان مسلمانوں پر ان مساجد کا آباد رکھنا فرض ہے۔ ان کے ہوتے ہوئے دوسرے محلہ والوں پر یہ ضروری نہیں کہ وہ دور دور سے جاکر ان مسجدوں کو آباد کریں، حالاں کہ ان کو وہاں جانے میں دشواری ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس محلہ کے مسلمانوں کو اپنے محلہ میں مسجد بنانے کا حق حاصل ہے بلکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا حکم ہے کہ وہ اپنے محلہ میں مسجد بنائیں۔ جیسا کہ اوپر حدیث سے ثابت ہوا۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(۱) شیخ عبد الحق محدث دھلوی، لمعات، حاشیہ ترمذی، ج:۱، ص:۷۶

(۲) ملا علی قاری، مرقات، حاشیہ ترمذی، ج:۱، ص:۷۶

وقف کی جائداد دوسری جائداد سے بدلنے کا حکم

مستفتی: حافظ عبد الرزاق، متولی مسجد مدن پورہ، بنارس

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:
ایک جائداد کے شرکا دو بھائی زید و عمرو اور ایک بہن ہندہ ہیں۔ زید و عمرو نے اپنے حصوں کو اپنے نواسے پر ہبہ کر دیا، بعدہٗ ہندہ نے اپنا حصہ ایک مسجد میں وقف کر دیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ کا حصہ موقوفہ کسی ایسی جائداد سے بدلا جا سکتا ہے یا نہیں جس سے مسجد کی آمدنی زیادہ ہو اور اس تبادلہ میں مسجد کا فائدہ ہو۔ بینوا تو جروا.

الجواب

و باللہ التوفیق.

اگر ہندہ نے وقف نامہ میں یہ تحریر کیا ہے کہ اس وقف کو بدلا جا سکتا ہے تو دوسری زمین سے بدل سکتے ہیں اور اس دوسری جائداد کا بھی وہی حکم ہو گا جو پہلی کا ہے۔

عالم گیری میں ہے:

إذا شرط في أصل الوقف أن يستبدل به أرضا أخرى إذا شاء ذلك فتكون وقفا مكانها فالوقف والشرط جائزان عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ و كذا لو شرط أن يبيعها و يستبدل بثمنها مكانها.(۱)

اور اگر واقف نے بدل دینے کی شرط نہ کی تو اس صورت میں صرف اس وقت بدلا جا سکتا ہے کہ یہ وقف قابلِ انتفاع نہ رہا ہو یعنی اتنی بھی آمدنی نہ ہوتی ہو جو وقف کے مصارف کے لیے کافی ہو، مگر اس کے لیے چند شرطیں ہیں:

(۱) غبن فاحش کے ساتھ بیع نہ ہو۔ (۲) تبادلہ کرنے والا قاضی عالمِ باعمل ہو۔ (۳) تبادلہ غیر منقولہ سے ہو، روپے، اشرفی سے نہ ہو۔ (۴) ایسے سے تبادلہ نہ کرے جس کی شہادت اس کے حق میں نامقبول ہو۔ (۵) ایسے شخص سے تبادلہ نہ کرے جس کا اس پر دین ہو۔ (۶) دونوں جائدادیں ایک ہی محلہ میں ہوں یا وہ ایسے محلہ میں ہو کہ اس سے بہتر ہو۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو كان الوقف مرسلا لم يذكر فيه شرط الاستبدال لم يكن له أن يبيعها ويستبدل بها والمعتمد أنه يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الإنتفاع بالكلية و أن لا يكون هناك ريع للوقف

---

(۱) فتاویٰ عالمگیری، کتاب الوقف، ج:۲، ص:۳۹۹

يعمر به و أن لا يكون البيع بغبن فاحش كذا في البحر الرائق و شرط في الأسعاف أن يكون المستبدل قاضى الجنة المفسر بذي العلم والعمل كذا في النهر الفائق .انتهى ملتقطا.[1]

ردالمحتار میں ہے:

وأما الإستبدال ولو للمساكين (بدون الشرط فلا يملكه إلا القاضى) درر و شرط في البحر خروجه عن الإنتفاع بالكلية وكون البدل عقاراً والمستبدل قاضى الجنة المفسر بذي العلم والعمل و يجب أن يزاد آخر في زماننا وهو أن يستبدل بعقار لا بدراهم ودنانير فإنا قد شاهدنا النظار يا كلونها و قل أن يشتري بها بدلا وأفاد في البحر زيادة شرط سادس، و هو أن لا يبيعه ممن لا تقبل شهادته له ولا ممن له عليه دين . انتهى ملتقطا.[2]

وقف اگر قابلِ انتفاع ہے یعنی اس کی آمدنی ایسی ہے کہ مصارف سے بچ رہتی ہے اور اس کے بدلے اتنی زمین ملتی ہے جس کا نفع زیادہ ہے تو جب تک واقف نے تبادلہ کی شرط نہیں کی تبادلہ نہ کریں۔

ردالمحتار میں ہے:

اتفق أنه أمكن أن يوخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعاً به فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ماكان عليه دون زيادة هذا هو الحق و الصواب . انتهى ملتقطاً.[3]

واللہ تعالیٰ اعلم ۱۸ر ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

مسجد کی وقف شدہ زمین بیچ کر اس کی قیمت مسجد پر صَرف کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے کچھ زمین مسجد پر وقف کی ہے تو کیا اس زمین کو فروخت کر کے قیمت اس کی مسجد پر لگ سکتی ہے، یا فروخت ہی نہیں ہو سکتی؟ جو بھی صورت ہو بحوالہ کتبِ احناف تحریر فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں زید نے جو زمین مسجد پر وقف کر دی تو جب تک کہ اس زمین سے آمدنی ہو اور آمدنی کی صلاحیت رکھتی ہو تو متولی مسجد کے لیے اس زمین کا فروخت کرنا جائز نہیں، اس زمین سے جو نفع ہو اس کو مسجد میں

---

(۱) فتاویٰ عالمگیری، کتاب الوقف، ج:۲، ص:۴۰۱

(۲) محمد امین بن عابدین الشامی، رد المحتار، ج:۶، ص:۵۸۵-۵۸۷

(۳) محمد امین بن عابدین الشامی، رد المحتار، ج:۶، ص:۵۸۹

صرف کرے۔

ہدایہ میں ہے:

وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه.[1]

اور اسی میں ہے:

إن له ولاية التصرف فيه بصرف غلاته. إلى مصارفها.[2]

اور وہ زمین موقوفہ بالکل کم زور اور خراب ہو جس میں غلہ وغیرہ بہت کمی کے ساتھ پیدا ہو اور دوسری زمین اس قیمت کی اچھی مل رہی ہو تو ایسی صورت میں متولی کے لیے جائز ہے کہ اس زمین کو فروخت کرے اور اس زمین کو خریدے جو کہ زیادہ نافع ہے اور اس کی آمدنی کو مسجد پر صرف کرے۔ بہرکیف زمین کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد پر صرف کرنا جائز نہیں۔

خانیہ میں ہے:

وإذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الإستغلال والقيم يجد بثمنها أرضا أخرىٰ هي أنفع للفقراء و أكثر ربحا كان له أن يبيع هذه الأرض ويشتري بثمنها أرضا أخرىٰ . جوز رحمه الله تعالىٰ استبدال الأرض بالأرض.[3] والله تعالىٰ أعلم

---

(۱) علامه أبو الحسن علی بن أبي بكر مرغيناني، هدايه أولين، ص: ٦٢٠، مجلس البركات، مباركفور

(۲) ايضاً، ص: ٦٣٧

(۳) علامه حسن بن منصور اوزجندی، فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الجزء الثالث من الفتاویٰ الهندية، ج: ٣، ص: ٣٠٠

کتاب البیوع



اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔

(البقرة: ۲۷۵)

حلال کیا اللہ نے بیع کو اور حرام کیا سود۔

طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة.

(شعب الإيمان، بيهقى باب في حقوق الأولاد والأهلين، ج:٦، ص:٤٢٠)

”حلال روزگار کی تلاش، فرائض کے بعد ایک اہم فریضہ ہے۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقد اور ادھار خرید و فروخت کا حکم

از: (حافظ) محمد صدیق، بقلم خود، ۴؍ اگست ۱۹۵۴ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

ایک شخص سوت بیچنے کا کام کرتا ہے اور وہ ہر میل کے تین بھاؤ رکھتا ہے۔ مثلاً ۲۰؍ کا بھاؤ نقد روپیہ سے ۱۲؍ رکھتا ہے، اور پرچی سے ۱۴؍ بھاؤ رکھتا ہے، جو ادھار لینے آتا ہے اس سے کہتا ہے کہ تم کو ۱۳؍ روپیہ میں ملے گا۔ وہ شخص بطور رضامندی ۱۳؍ میں لے جاتے ہیں تو اس صورت میں یہ بیاج یعنی سود میں شامل ہوا یا نہیں؟ فقط والسلام

الجواب

ہر شخص کو اپنے مال کا اختیار ہے جس قیمت پر چاہے فروخت کرے، اسی طرح ہر خریدار کو اختیار ہے کہ اس قیمت پر راضی ہو تو خریدے، نہ راضی ہو تو نہ خریدے۔ شریعت مطہرہ میں بیع کی حقیقت ہی یہی ہے:

البيع مبادلة المال بالمال بالتراضي۔ [1] یعنی بیع باہمی رضامندی کے ساتھ مال کا مال سے بدلنا ہے۔

بیع کی حقیقت ہی میں بیچنے والے اور خریدنے والے کی رضامندی شامل ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ بیچنے والے کو اپنے مال کا اختیار ہے، جس دام پر چاہے فروخت کرے۔ جس طرح خریدار کو پورا اختیار ہے کہ اس قیمت پر راضی ہو تو خریدے ورنہ نہ خریدے، اس لیے بھاؤ کیا جاتا ہے جو سنت ہے، اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ دونوں ایک دام پر راضی ہو جائیں۔ بیچنے والے کو مال کا پورا اختیار ہے کہ جس قیمت پر چاہے فروخت کرے تو نقد و ادھار میں فرق کرنے کا بھی اختیار ہے، مگر صحیح طریقہ کو اختیار کرے اور غلط طریقہ سے بچے۔

غلط طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی شخص نے ایک ہی بیع میں دو بیع کی اور یوں کہے کہ میں نے تیرے ہاتھ یہ چیز دس روپیہ نقد کو اور گیارہ روپیہ ادھار کو بیچی۔ خریدار کہے کہ میں نے خریدی، یہ منع ہے اور اگر علاحدہ علاحدہ کر کے بیچے کہ وہی چیز نقد دس روپیہ کو بیچے اور وہی چیز دوسری بیع میں گیارہ ادھار کر کے بیچے تو یہ جائز ہے [مثلاً خریدار کے بارے میں

---

(۱) علامہ سید محمد امین بن عابدین شامی، رد المحتار، کتاب البیوع، ج:۷، ص:۳

معلوم ہے کہ یہ نقد لے گا تو اسے اس کا دام دس روپے بتائے اور اگر یہ معلوم ہے کہ خریدار ادھار لے گا تو اسے گیارہ روپے کا دام بتائے، تو یہ ایک عقد میں ایک ہی بیع ہے، نقد یا ادھار مرتب] کوئی حرج نہیں۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن أبي هريرة قال نهىٰ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيعتين في بيعة.... والعمل على هذا عند أهل العلم وقد فسر بعض أهل العلم قالوا: "بيعتين في بيعة" أن يقول أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة و بنسئة بعشرين ولا يفارقه على أحد البيعين، فاذا فارقه على أحدهما فلا باس إذا كانت العقدة على واحد منها.[1]

یعنی حضور ﷺ نے ایک بیع میں دو بیعوں سے منع فرمایا اور عمل اسی پر ہے اہل علم کے نزدیک، بعض اہل علم نے بیعتین فی بیعۃ کی یہ تفسیر فرمائی کہ دونوں کو جمع کر کے یوں کہے کہ میں نے تجھے یہ کپڑا نقد دس روپے میں، اور ادھار بیس میں بیچا اور علاحدہ علاحدہ نہ کہے، یہ صورت منع ہے۔ لیکن جب کہ علاحدہ علاحدہ کر کے ایک ہی پر عقد وارد کرے تو کوئی حرج نہیں، مثلاً جو شخص نقد لیتا ہے اس کو دس کو دے اور جو ادھار لیتا ہے اس کو بیس کو دے، تو یہ بیع علاحدہ علاحدہ ہے، لہٰذا کوئی حرج نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ایک ہی شخص کو ایک ہی بیع میں نقد اور ادھار جمع کر کے بیچنا منع ہے، مثلاً یوں کہے کہ یہ چیز تجھ کو نقد دس روپیہ میں اور ادھار گیارہ میں بیچی، یہ منع ہے اور علاحدہ علاحدہ فرق کر کے نقد دس اور ادھار گیارہ کو بیچنا جائز ہے، کوئی حرج نہیں۔

پرچی اگر رسید یا چیک کے طور پر روپیہ کا کوئی تحریری ثبوت ہے تو اس میں کمی بیشی کا اختیار ہے، حتیٰ کہ نوٹ اور روپیہ میں بھی فرق کر سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ صورت منقولہ میں نرخ کا فرق کرنا تین صورتوں سے جائز ہے: مثلاً ۲۰ ر کا بھاؤ نقد روپیہ سے اٹھارہ روپیہ بارہ آنا اور پرچی اٹھارہ روپیہ چودہ آنہ اور ادھار انیس روپیہ بھاؤ رکھے مگر یہ نرخ ہے۔ لیکن جب بیع کرے علاحدہ علاحدہ کرے، نقد اور ادھار جمع نہ کرے۔ نقد دینے والے سے نقدی کی بیع کرے اور ادھار لینے والے سے ادھار ہی کی اور پرچی لینے والے سے پرچی ہی کی بیع کرے۔ تینوں صورتوں میں قیمت کا تفاوت جائز ہے، کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(۱) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع الترمذی، ج:۱، ص:۱۴۷

محض معاملاتی گفتگو سے بیع کا انعقاد نہیں ہوتا

مسئلہ میں کہ تفضّل حسین ساکن موضع ڈھکواں کا ہوں، میرا ایک قطع مکان بے چھاجن کے ہے جس کو منشی عثمان ساکن ڈھکواں کے مبلغ ۹۰۰؍ روپے کی بات چیت مسجد کے لیے ہوئی تھی، عرصہ ۲؍ سال کا ہوا لیکن ابھی تک روپیہ نہیں دے پایا۔ عرصہ ۲؍ ماہ کا ہوا کہ میرے رشتہ دار عبد القدیر کے ساتھ مکان کی بات چیت ہوئی، کیوں کہ مکان کی ضرورت پھر کل ۲۸؍ مئی ۵۷ء کو موضع کے کچھ لوگ جمع ہو کر ۱۱۵۰؍ روپے پر تعمیر مسجد کے لیے طے کیا ہے۔ لیکن آج ۲۹؍ مئی ۱۹۵۷ء کو تفضّل حسین نے مسجد میں دینے سے انکار کر دیا ہے اور عبد القدیر کے لیے تیار ہیں۔ تعمیر مسجد بنانے والوں اور مکان بنانے والوں سے جھگڑا پیدا ہو گیا ہے۔ آپ لوگوں کے پاس یہ تحریر اس مسئلہ سے بھیجی جاتی ہے کہ آیا مسجد بنانا جائز ہے یا مکان بنانا جائز ہے؟ فقط والسلام۔

نوٹ: اوپر عبد القدیر کے بجائے مصطفیٰ کا نام ہونا چاہیے۔

الجواب

جب کہ ۲۸؍ مئی کو یہ مکان تفضّل حسین نے تعمیر مسجد کے لیے طے کر دیا جس کا مطلب سائل سے یہ معلوم ہوا کہ بیچ دیا تو یہ بیع تام ہو گئی، اس کے بعد ۲۹؍ مئی کو تفضّل حسین کا انکار بیجا ہے ناجائز ہے، یہ مکان مسجد کے لیے بیع ہو چکا، مسجد کی طرف سے قیمت ادا کر دیا جائے اور اس جگہ مسجد تعمیر کی جائے۔

عرفِ ناس شاہد ہے کہ لوگ معاملہ کی گفتگو کے وقت دام اور سامان کی مقدار طے کرتے ہیں، زبانی ایجاب وقبول (میں نے خریدا بیچا) نہیں کرتے، تو یہ بیع بطور تعاطی مبیع یا دام پر قبضے کے بعد تام ہوتی ہے، ہاں عوام میں اپنی زبانی گفتگو یعنی دام وغیرہ طے کر لینے کو بیع سمجھتے ہیں، مگر ان کی سمجھ کا کچھ اعتبار نہیں، اس لیے میری نگاہ میں صورتِ مسئولہ میں بیع کا انعقاد نہ ہوا۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: عبد العزیز

کتاب القرض

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ (البقرة: ۲۸۲)

اے ایمان والو جب تم آپس میں ایک مدت تک قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو۔

إذا قرض أحدكم قرضاً فاهدیٰ إليه أو حمله على الدّابة فلا يركبه ولا يقبلها الا ان برىٰ بينه و بينه قبل ذلك.
(مشکوٰۃ المصابیح)

جب کوئی قرض دے اور اس کے پاس ہدیہ کرے تو قبول نہ کرے اور اپنی سواری پر سوار کرے تو سوار نہ ہو، ہاں اگر پہلے سے ان دونوں میں (ہدیہ وغیرہ) جاری تھا تو اب حرج نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرض خواہ لاپتہ ہو تو قرض کیسے ادا کیا جائے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:
زید بکر کا مقروض ہے، مگر بکر عرصہ سے لاپتہ ہے اور یہاں بکر کا کوئی وارث نہیں۔ اب اس صورت میں زید بکر کے قرض سے کیسے سبک دوش ہو سکتا ہے؟ ازروے شرع جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں اتنا روپیہ صدقہ کرے۔ امید ہے کہ آخرت میں مواخذہ نہ ہو۔ البتہ صدقہ کرنے کے بعد قرض خواہ یا اس کے ورثہ مل گئے تو ادا کرنا پڑے گا۔

تفصیلی جواب

چوں کہ زید کی نیت تو ہے، قرض ادا کرنا چاہتا ہے اس لیے انشاء اللہ زید قرض سے ضرور سبک دوش ہو جائے گا۔

حدیث میں ہے:

ما من مسلم يدان دينا يعلم الله منه أنه يريد أداءه إلا أداه الله عنه في الدنيا.(1)

یعنی کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ قرض لے اور اللہ جانتا ہے وہ اس کو ادا کرنا چاہتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کا وہ قرض دنیا ہی میں ادا کر دے گا۔

اس حدیث میں زید کے لیے خوش خبری ہے کہ زید قرض سے ضرور سبک دوش ہو جائے گا۔ قرض مقروض پر واجب فی الذمہ ہوتا ہے اور قرض خواہ کے مطالبہ پر ادائیگی واجب ہوتی ہے۔ جب کہ بکر مفقود الخبر ہے اور بکر کی طرف سے مطالبہ نہیں تو زید پر ابھی ادا واجب نہیں۔ البتہ اگر بکر کی موت کا ظن غالب ہو گیا ہے، اس طرح کہ بکر کے ہم عمر لوگوں میں اکثر کا انتقال ہو گیا ہے تو اس صورت میں ورثہ مستحق تھے مگر بکر کا کوئی وارث ہی نہیں، لہٰذا ایسی صورت میں اس رقم کو صدقہ کر دیا جائے۔ لیکن اگر بالفرض بکر آ گیا اور اس نے مطالبہ کیا تو زید کو وہ رقم دینا پڑے گی اور

---

(1) سنن ابن ماجه، كتاب الصدقات، ص: ٤٩٥ مكتبه دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان

اگر بکر کی موت کا ظن غالب نہیں تو زید اس قرض سے متعلق معتبر لوگوں کو وصیت کردے اور تاکید کردے کہ میرے بعد میرے مال سے بکر کا یہ قرض ضرور ادا کیا جائے، بکر کی زندگی کی امید تک اس کا انتظار کیا جائے اور اس کی موت کا ظن غالب ہونے پر رقم صدقہ کردی جائے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

ڈپازٹ رکھ کر سود یا نفع لینا جائز ہے یا ناجائز؟

مستفتی: خادم قوم سید شاہ قادر بادشاہ چشتی نظامی سجادہ کرنال

مسئلہ نوکری کے لیے ڈپازٹ رکھا گیا ہے، اگر ڈپازٹ نہ ہو تو ملازمت نہیں ملتی، اس وجہ سے ڈپازٹ رکھ کر سود لینا جائز ہے یا ناجائز اور سود لے کر غربا و مساکین میں تقسیم کردینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سود لینا دینا حرام ہے، اگر کوئی منافع کافروں سے ملے تو وہ مالِ موذی سمجھ کر لے سکتا ہے، یہ سود نہیں۔ بہر صورت ڈپازٹ کا روپیہ حکومت سے لے کر فقرا کو دے دے تو بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتاب الذبائح

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ
الْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ
(المائدۃ: ۳)

حرام کیے گئے ہیں تم پر مُردار، خون، سور کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت
غیر خدا کا نام پکارا جائے اور جو گلا گھونٹنے سے مرا ہو اور جو (لکڑی وغیرہ کی)
چوٹ سے مرا ہو، اوپر سے نیچے گر کر مرا ہو، سینگ لگنے سے مرا ہو
اور جسے کھایا کسی درندے نے مگر جسے تم نے (اللہ کے نام پر) ذبح کر لیا۔

إذا ذبحتم فأحسنوا الذبح.

(رواہ مسلم)

جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجوسی، یہودی، نصرانی اور مشینی ذبیحہ کا حکم

از: (مولانا) محبوب بخش مصباحی، ماریشش

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

گوشت آسٹریلیا میں ذبح کر کے بھیجتے ہیں جو ایک ماہ کا راستہ ہے اور جہاز سے یہاں آتا ہے اور برف میں رکھ کر آتا ہے، پھر ذبح کرنے والے کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمان ہے۔ اس کے پیکنگ میں اس کی تصویر لگی رہتی ہے، اس کے سر پر ٹوپی بھی نہیں، کیا اس صورت میں مانا جا سکتا ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ ہے اور پھر یہ گوشت کفار منگاتے ہیں اور پھر یہ گوشت اور گوشتوں کے ساتھ ملا کر آتا ہے، اس میں خنزیر کا گوشت بھی ساتھ ہی آتا ہے۔

اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ ایک نیا حکم نکلنے والا ہے کہ جانور کو... میں ڈال کر یا کسی صورت سے بے ہوش کر کے ذبح کیا جائے گا۔ کیا یہ جائز ہے؟ اور بہت دنوں سے تو ایسا ہی ذبح ہوتا ہے جیسا کہ کرنے کا حکم ہے۔

ہمیں امید کہ آپ اس کا جلد سے جلد تشفی بخش جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں اور مسلمانوں پر رحم فرمائیں۔

الجواب

مجبوری اور اضطراری حالت [1] میں تو کسی جانور کا گوشت بھی ہو ذبح کیا ہو یا نہ کیا ہو بقدر ضرورت کھانا جائز ہے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے:

"اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ" [2] مگر جب تم اس کی طرف مضطر کیے جاؤ تو بقدر ضرورت کھاؤ۔

---

(۱) یہاں اضطراری حالت سے مراد یہ ہے کہ آدمی مسلسل بھوک کی شدت کی وجہ سے مرنے کے قریب پہنچ جائے اور اسے یہ گمان غالب ہو جائے کہ اگر کچھ نہ کھایا تو مر جائے گا، اسے مردار اور حرام جانور کے گوشت کے سوا کچھ نہ ملے تو حرام گوشت سے جان بچانے کی مقدار کھانا جائز ہے۔ ۱۲ مرتب

(۲) قرآن مجید، سورۃ الانعام، آیت: ۱۱۹

مگر اختیاری صورت میں حلال جانور کا بھی ذبح شرعی ضروری ہے بغیر ذبح شرعی کے حرام ہے۔
قرآن مجید کا ارشاد ہے۔
"وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ"[۱] یعنی اس کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ ذکر کیا گیا ہو۔
یعنی مسلمان یا کتابی حلال جانور کو تسمیہ (بسم الله الله اکبر) پڑھ کر ذبح کرے تب کھاؤ، اور اگر غیر مسلم یا غیر کتابی تسمیہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تب بھی حرام ہے۔ نیز مسلمان اور کتابی ہی ذبح کریں لیکن اگر وہ قصداً تسمیہ ترک کردیں تب بھی حرام ہے۔
ہدایہ میں ہے:
ومن شرطه أن يكون الذابح صاحب ملة التوحيد إما اعتقادا كالمسلم أو دعوىٰ كالكتابي والمسلم والكتابي في ترك التسمية سواء.[۲]
یعنی ذبح کرنے کی شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا دین توحید رکھتا ہو، اعتقاداً جیسے مسلمان یا بطور دعویٰ جیسے کتابی۔ اور مسلمان اور کتابی ترک تسمیہ میں دونوں برابر ہیں۔
یعنی قصداً تسمیہ ترک کردیں تو ان کا ذبیحہ حرام ہے۔ خلاصہ یہ کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا کتابی اور تسمیہ پڑھ کر ذبح کرے تب حلال ورنہ حرام۔
لہٰذا جب تک بہ تحقیق ظن غالب نہ ہو کہ اس جانور کو مسلمان یا کتابی نے تسمیہ پڑھ کر ذبح کیا ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔ صورتِ مسئولہ میں ذبح کرنے والے کے متعلق مسلم یا کتابی ہونے کا نہ یقین نہ ظن غالب بلکہ اشتباہ ہے، اور یہ شک ذبح کرنے والے میں ہے، اور ذبح کرنے والے کا مسلم یا کتابی ہونا شرط ہے تو شک میں وہ شرط نہ پائی گئی۔ لہٰذا جب تک شک رہے گا یہ ذبیحہ جائز نہ ہوگا۔ البتہ اگر کسی ذریعہ یہ شک رفع ہو جائے خواہ خبر سے خواہ تحریر سے ذبح کرنے والے کا مسلم یا کتابی ہونے کا ظن غالب حاصل ہو جائے تو جائز ہوگا۔
مگر اس میں دائر اشتباہ مردار گوشت ساتھ ہونے کا بھی ہے۔ اس کے رفع کی صورت یہ ہے کہ اگر مردار گوشت کم ہے اور حلال گوشت زیادہ تو تحری کرے اور ظن غالب حلال ہونے کا ہے تو جائز ورنہ نہیں۔
ہدایہ میں جامع صغیر سے ہے:
وإذا كان الغنم مذبوحة فيها ميتة فإن كانت الذبيحة أكثر تحري وأكل.[۳]

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الانعام، آیت: ۱۲۱
(۲) الجزءان الاخیران من الهداية، ص: ۴۱۷-۴۱۸، مطبوعہ مجلس البرکات، مبارکفور
(۳) امام أبو الحسن علی فرغانی، ہدایہ، ص: ۷۰۶، ج: ۴، مسائل شتی

ذبح کی ہوئی بکریوں میں مردار بھی ہے تو اگر ذبح کی ہوئی زیادہ ہیں تو تحری کرے اور کھائے۔ یعنی تحری سے مذبوحہ کا ظن غالب ہو تو اس کو کھائے۔

اس پر ان کا پورا قبضہ بھی ہوتا ہے تو مسلمانوں کی حفاظت اور نگرانی میں نہیں رہتا اور گوشت کا حکم بعد قبضہ قابض کی حیثیت سے ہے۔ یعنی قابض اگر صاحب ذبیحہ ہے تو اس کا گوشت کھانا جائز ورنہ نہیں

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

إذا دعاه المجوسي والنصراني إلى طعامه يكره للمسلم أن يأكل و إن قال اشتريت اللحم من السوق لأن المجوسي يبيع المنخنقة والموقوذة والنصراني لا ذبيحة له و إنما ياكل هو ذبيحة المسلم أو يخنق و إن كان الداعي إلى الطعام يهودياً فلا بأس للمسلم أن ياكل طعامه لأن اليهودي لا يأكل إلا من ذبيحة اليهودي أو المسلم.(۱)

یعنی اگر مجوسی اور نصرانی نے مسلمان کو اپنے کھانے کی طرف مدعو کیا تو مسلمان کو وہ کھانا کھانا مکروہ (تحریمی) ہے، اگرچہ وہ کہے کہ یہ گوشت میں نے بازار سے خریدا ہے، کیوں کہ مجوسی گلا گھوٹا ہوا اور لاٹھی سے مارا ہوا کھاتے ہیں، اور نصرانی خود ذبح نہیں کرتے بلکہ جانور کا گلا گھونٹتے ہیں یا مسلمان کا ذبیحہ کھاتے ہیں۔ اور اگر دعوت دینے والا یہودی ہے تو مسلمان کو کھانے میں حرج نہیں کیونکہ یہودی یا تو یہودی کا ذبیحہ کھاتے ہیں یا مسلمان کا۔

اس سے ظاہر ہے کہ گوشت کا حکم قابض کے اعتبار سے ہے اگر قابض صرف یہودی یا مسلمان کا ذبیحہ کھاتا ہے تو اس گوشت کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ورنہ مکروہ تحریمی ہے۔ لہذا یہ تاجر اگر واقعی ذبیحہ ہی کھاتے ہیں تب تو خیر ورنہ یہ گوشت باوجود رفعِ اشتباہِ بالا کے بھی مکروہ تحریمی ہے۔ جس سے مسلمان کو بچنا ہی چاہیے اور پرہیز و گریز ہی کرنا چاہیے۔ وھو تعالیٰ اعلم.

جانور کو بے ہوش کر کے ذبح کرنا اگرچہ خلاف سنت ہے، لیکن بے ہوش جانور حالت بے ہوشی میں اگر زندہ رہا اور زندہ ہی ذبح کیا گیا تو وہ ذبیحہ ناجائز و حرام نہ ہوگا۔ البتہ اگر ایسا بے ہوش ہوا کہ ذبح کرنے سے پہلے ہی روح نکل گئی اور مر گیا تو حرام ہوگا۔ یہ بے ہوشی کی اسکیم غالباً جانور کو تکلیف سے بچانے کی غرض سے پاس کی جا رہی ہے، مگر اسکیم سازوں کو یہ ہوش نہیں کہ ذبح کی تکلیف سے پہلے ہی جانور کو بے ہوشی کی تکلیف دیتے ہیں۔ بے ہوش کرنا بہت بڑی تکلیف ہے جس کے صدمے سے احساسات باطل ہو جاتے ہیں، بلکہ بعض وقت روح بھی نکل جاتی ہے، پھر یہ بے

(۱) فتاویٰ قاضي خان، ص: ٣٦٣، ج: ٤

ہوشی کی تکلیف ذبح کی تکلیف سے زیادہ ہے۔کیوں کہ ذبح کی تکلیف منٹ کے اندر ہی ختم ہو جاتی ہے۔اور بے ہوشی کی تکلیف دیر تک رہے گی جب تک ذبح نہ کیا جائے گا باقی رہے گی اگر چہ اس کا احساس نہ کر سکے۔

کاش ان اسکیم سازوں کو عقل سلیم ہو اور سنت کے مطابق تیز چھری سے جلد از جلد ذبح کریں تا کہ جانور کو تکلیف بھی کم ہو اور ذبیحہ بھی سنت کے مطابق ہو۔وھو تعالی اعلم.

عبد العزیز عفی عنہ
صدر المدرسین دار العلوم اہل سنت اشرفیہ مصباح العلوم
مبارک پور، اعظم گڑھ

كتاب الأضحية

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲

(الکوثر:۲)

پس آپ نماز پڑھیں اور اپنے رب کے لیے قربانی دیں۔

يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِيْ؟
قَالَ: سُنَّةُ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ. (سنن ابن ماجه)

صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! یہ قربانیاں کیا ہیں؟
آپ نے ارشاد فرمایا: یہ تمھارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چرم قربانی سے مدرسہ کی امداد

از: سمیع اللہ۔ بکچی باغ، بنارس۔ ۴؍ جولائی ۱۹۵۵ء

مسئلہ علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ:

ایک امدادی مدرسہ ہے، اس کے لیے مالی سوال بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اگر چرم قربانی سے اس کی مدد کی جائے تو مشکل حل ہو جائے گی۔ تحریر فرمایا جائے کہ کس طرح چرم قربانی سے اس کی مدد کی جائے جو کہ شرعاً جائز ہو۔

الجواب

چرم قربانی میں تملیک فقیر شرط نہیں ہے، اس کو کار خیر میں خرچ کرنا جائز ہے لہٰذا مدرسہ میں صرف کیا جا سکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ناظم مدرسہ کو چمڑا یا دام دے دے اور وہ اس کو ضروریات مدرسہ میں خرچ کرے۔

واللہ تعالی اعلم ۲۱؍ ذی قعدہ ۷۴ ۱۳ھ

فوت شدہ بچوں کے عقیقہ کا حکم

مسئلہ علمائے کرام اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ:

فوت شدہ بچے اور بچیوں کا عقیقہ اگر ان کے والدین کرنا چاہیں تو ہو سکتا ہے یا نہیں۔ جواب بالتحقیق حوالۂ کتب سے عطا فرمائیں۔ فقط والسلام۔

الجواب

عقیقہ زندگی ہی میں ہو سکتا ہے۔ مرنے کے بعد عقیقہ نہیں کیوں کہ عقیقہ اس نعمت (اولاد) کا شکریہ اور بدلہ ہے جیسا کہ عقیقہ کی دعا سے ظاہر ہے اور جب بچہ فوت ہو گیا تو اس پر صبر کی تعلیم ہے۔ صبر کرے اور ایصالِ ثواب کرے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔ ۲۵؍ ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

چرم قربانی کی رقم سے مدرسے کی تعمیر اور اس سے مدرسین کی تنخواہ کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں جو نمبر وار ذیل میں درج ہیں:

① کیا چرم قربانی کی رقم سے مدرسے کی تعمیر ہو سکتی ہے؟

② مدرسین کی تنخواہ بھی دے سکتے ہیں؟

③ عید قرباں کے موقع پر تمام مدارس میں کھال وصول کرتے ہیں تو کس طرح اور کہاں کہاں صرف کر سکتے ہیں تفصیل بیان کی جاوے۔

الجواب

① چرم قربانی کا وہ حکم نہیں جو زکاۃ کا ہے۔ زکاۃ فقرا و مساکین کا حق ہے۔ مالِ زکاۃ صرف انھیں پر خرچ کیا جائے گا، نیز زکاۃ میں تملیک شرط ہے، یعنی مستحق زکاۃ کو زکاۃ کا مالک بنا دینا ضروری ہے ورنہ زکاۃ ادا نہ ہوگی۔ چرم قربانی میں یہ کچھ نہیں۔ چرم قربانی میں قربانی کرنے والوں کو اختیار ہے، چاہے صدقہ کر دے، چاہے چمڑا کو اپنے کام میں لائے۔

ہدایہ میں ہے:

(ويتصدق بجلدها) لأنه جزء منها (أو يعمل منه آلة تستعمل في البيت) كالنطح والجراب والغربال ونحوها لأن الإنتفاع به غير محرم.(۱)

یعنی قربانی کے چمڑے کو صدقہ کر دے، کیوں کہ وہ قربانی کا جز ہے، یا اس کی کوئی ایسی چیز بنا لے جو گھر میں استعمال کی جائے، جیسے دستر خوان اور تھیلی اور چھلنی وغیرہ اس سے انتفاع حرام نہیں۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

لا باس بأن ينتفع باهاب الأضيحه أو يشتري بها الغربال والمنخل.(۲)

یعنی قربانی کے چمڑے سے خود بھی نفع حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اس سے چھلنی وغیرہ خرید سکتا ہے۔

تو مدرسہ کو بھی دے سکتا ہے اور چوں کہ اس میں تملیک شرط نہیں لہٰذا مدرسہ کی ہر ضرورت میں صرف کیا جا سکتا ہے، اس کی رقم سے مدرسہ کی عمارت بھی بنا سکتے ہیں، البتہ قربانی کرنے والا چرم قربانی فروخت کرے تو اس کی رقم اپنے کام میں نہیں لا سکتا، مگر اس رقم سے بھی مدرسہ کی تعمیر ہو سکتی ہے اور وہ رقم مدرسہ کی دوسری ضرورتوں میں صرف ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) علامه برهان الدين أبو الحسن على بن أبي بكر المرغيناني، هدايه، ج:٤، ص:٤٣٤، كتاب الأضحية، مطبوعه مجلس البركات، مباركفور

(۲) فتاویٰ قاضي خان على هامش الجزء الثالث من الفتاوىٰ الهندية، ج:٣، ص:٣٥٤

② قربانی کرنے والا چرم قربانی فروخت کرے تو وہ رقم خود کسی کی تنخواہ میں نہیں دے سکتا، البتہ وہ رقم متولی مدرسہ کو دے دے تو متولی اپنی طرف سے مدرسہ کی ہر ضرورت میں صرف کر سکتا ہے، مدرسین کی تنخواہ بھی دے سکتا ہے۔

③ متولی مدرسہ یا ناظم مدرسہ چرم قربانی یا اس کی قیمت وصول کرتے ہیں، اس کے بعد اپنی طرف سے مدرسہ کی ضروریات میں صرف کرتے ہیں۔ عام مدارس کا یہی طریقہ ہے اور یہ جائز ہے جیسا کہ جواب نمبر ۲ر سے ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

چرم قربانی کے مصارف

مسئلہ مفتیان کرام کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے:

زید کہتا ہے کہ قربانی کی کھال مسجد و مدرسہ میں لگ سکتی ہے۔ بکر کا قول ہے کہ فقیروں اور مسکینوں کو دی جائے کیوں کہ جلد قربانی مثل زکاۃ ہے۔ اور اس کا مصرف قرآن کریم میں بالتصریح موجود ہے کہ زکاۃ غریبوں اور مسکینوں کو دی جائے، یہ چمڑا مسجد و مدرسہ کے صرف میں نہیں آسکتا ہے۔ بینوا توجروا.

الجواب

صورت مسئولہ میں زید کا قول صحیح ہے اور بکر کا قول کہ چرم قربانی زکاۃ کے مثل ہے مسجد و مدرسہ میں صرف نہیں کر سکتے، بالکل غلط ہے۔ کیوں کہ چرم قربانی اور زکاۃ میں فرق ہے، **زکاۃ میں تملیک ضروری ہے اور چرم قربانی میں تملیک ضروری نہیں** ۔ زکاۃ کے مصارف فقرا و مساکین وغیرہ ہیں اور زکاۃ کا ان کو مالک بنانا ضروری ہے اس لیے مال زکاۃ سے مسجد کی تعمیر نہیں ہو سکتی، نہ میت کے کفن میں صرف ہو سکتی ہے۔

ہدایہ میں ہے:

لا يبنى بها مسجد ولا يكفن بها ميت لانعدام التمليك وهو الركن.[1]	یعنی مال کی زکاۃ سے نہ مسجد بنائی جائے نہ میت کا کفن دیا جائے تملیک نہ ہونے کی وجہ سے جب کہ تملیک زکاۃ میں رکن ہے

لہٰذا ثابت ہوا کہ زکاۃ میں تملیک ضروری ہے بغیر تملیک زکاۃ ادا نہیں ہو سکتی۔

چرم قربانی میں تملیک ضروری نہیں ، فقیروں مسکینوں کو بھی دے سکتے ہیں اور دوسرے کار خیر میں بھی خرچ کر سکتے ہیں نیز خود اپنے کام میں بھی لا سکتے ہیں۔

---

(۱) علامہ برہان الدین مرغینانی، ہدایہ اولین، ص: ۱۸۵، مطبوعہ مجلس البرکات، جامعہ اشرفیہ،

در مختار میں ہے:

(ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب) وقربة وسفرة ودلو.[1]

یعنی چرم قربانی کو صدقہ کردے یا اس سے کوئی ایسی چیز بنائے جیسے چلنی، تھیلی، مشکیزہ، دسترخوان اور ڈول۔

عبارت مذکورہ سے زکاۃ اور چرم قربانی کا فرق ظاہر ہوگیا کہ مال زکاۃ میں تملیک ضروری ہے بغیر اس کے زکاۃ ادا نہ ہوگی، اور چرم قربانی میں تملیک ضروری نہیں چرم قربانی خود اپنے کام میں بھی لا سکتے ہیں۔ جب چرم قربانی میں تملیک ضروری نہیں تو مسجد و مدرسہ میں بھی صرف کرنا جائز ہے۔

بکر کو شاید قرآن مجید کی آیت: إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ.[2] کے ترجمہ سے دھوکا لگا ہے۔ یہ سمجھا ہے کہ چرم قربانی بھی اس میں داخل ہے۔ مگر یہ قطعاً غلط ہے کیوں کہ اس آیت میں مصارف زکاۃ کا بیان ہے، صدقات سے مراد زکاۃ ہے۔

تفسیر جلالین شریف میں ہے:

إنما الصدقات الزكوٰت مصروفة للفقراء الخ.[3]

تفسیر احمدی میں ہے:

هذه الآية في بيان مصارف الزكاة.[4]

اسی میں ہے:

لأن المراد من الصدقات المفروضة منها وهي الزكوٰة.[5]

یعنی اس آیت میں صدقات سے صدقہ فرض مراد ہے اور وہ زکاۃ ہے۔

اور چرم قربانی صدقہ فرض نہیں ہے۔ لہٰذا چرم قربانی اس آیت میں ہرگز داخل نہیں، خداوند تعالیٰ بکر کو ہدایت دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(۱) علامہ علاء الدین حصکفی، در مختار شرح تنویر الأبصار المطبوع مع رد المحتار، ج:٦، ص: ٤٤٢، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، لبنان.

(۲) قرآن حکیم، سورۃ التوبہ، پ:١٠، آیت:٦٠.

(۳) علامہ جلال الدین سیوطی، تفسیر جلالین، سورۃ التوبۃ، ص:١٦١، مطبع اصح المطابع، نئی دہلی

(٤) شیخ احمد معروف بہ ملا جیون جون فوری، تفسیرات احمدیہ، ص:٣٠٤

(٥) شیخ احمد معروف بہ ملا جیون جون فوری، تفسیرات احمدیہ، ص:٣٠٤

کیا ملک نہ ہونے کی صورت میں قربانی واجب ہوگی؟

از: محمد ادریس انصاری، نوادہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

باپ نے اپنی ساری ملک اپنے چند لڑکوں میں تقسیم کر دی اور باپ کو ملک سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ کوئی کاروبار کرتے ہیں، صرف لڑکے ان کی پرورش کرتے ہیں، ایسی صورت میں باپ پر قربانی واجب ہے یا لڑکوں پر؟ بینوا توجروا.

الجواب

قربانی صاحب نصاب پر واجب ہے یعنی ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کا مال علاوہ قرض کے جس کے پاس ہے اس پر قربانی واجب ہے۔ باپ نے جب اپنا سارا مال لڑکوں کو دے دیا اور اب وہ مال کا مالک نہیں تو اس پر قربانی واجب نہیں، لڑکے اگر صاحب نصاب ہیں تو ان پر واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کیا بھینس کی قربانی جائز ہے؟

از: محمد اسماعیل، املو، اعظم گڑھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید کہتا ہے کہ بھینس چوں کہ گائے کی ہم جنس ہے اس لیے اس کی قربانی جائز ہے اور عمرو کہتا ہے کہ اس کی قربانی کا ثبوت آنحضور ﷺ اور صحابہ و تابعین سے نہیں ہے اور نہ اس کے متعلق کوئی مرفوع روایت ہے، نہ آثار صحابہ میں سے کوئی لائقِ حجت اثر۔ اس لیے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔ عمرو کی باتوں سے لوگوں میں بھینس کی قربانی کے متعلق شکوک پیدا ہو گئے ہیں، اس لیے سوال ہے کہ اس سلسلے میں کوئی مرفوع روایت یا لائقِ حجت اثر ہو تو تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب

زید کا قول صحیح ہے اور عمرو کا قول غلط ہے کیوں کہ حدیث شریف سے جس طرح گائے کی قربانی ثابت ہے اسی طرح بھینس کی قربانی بھی ثابت ہے۔ بھینس کی قربانی کے ثبوت میں حدیث مرفوع موجود ہے۔

عن جابر بن عبد الله قال نحرنا مع رسول الله ﷺ عام الحديبية البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة.[1]	حضرت جابر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ حدیبیہ کے سال قربانی کی اونٹ کی سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے/بھینس کی سات آدمیوں کی طرف سے۔

حدیث میں لفظ "بقرہ" آیا ہے، عربی زبان میں "بقرہ" کا معنیٰ گائے اور بھینس دونوں ہیں۔

جیساکہ لغت عرب کی معتبر کتاب «المغرب» میں ہے:

الجاموس نوع من البقرة.	بھینس بقر کی ہی ایک قسم ہے

المنجد میں ہے:

الجاموس ضرب من كبار البقر.[2]	بھینس بڑی بقر کی ایک قسم ہے۔

جب حدیث کا لفظ بقر گائے اور بھینس دونوں کو شامل ہے تو جس طرح اس حدیث سے گائے کی قربانی ثابت ہے، اسی طرح بھینس کی قربانی بھی ثابت ہے۔ اسی لیے فقہاے کرام نے فرمایا:

الجواميس والبقر سواء لأن اسم البقر يتناولهما.[3]	یعنی گائے اور بھینس دونوں برابر ہیں اس لیے کہ بقر دونوں کو شامل ہے۔

نیز ہدایہ میں ہے:

و يدخل في البقر الجاموس لأنه من جنسه.[4]	بقر کا لفظ بھینس کو شامل ہے۔ کیوں کہ بھینس اسی کی جنس سے ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

(والجاموس) هو نوع من البقر كما في المغرب فهو مثل البقر في الزكاة والاضحية والربا ويكمل به نصاب البقر.[5]	یعنی گائے بھینس کی قسم ہے جیساکہ المغرب میں ہے پس وہ زکاۃ و قربانی میں مثل گائے کے ہے۔

---

(۱) أبو حسين مسلم بن حجاج، صحيح مسلم، ج:۱، ص:٤٢٤، كتاب الحج، مجلس البركات، مبارك فور

(۲) لويس معلوف المنجد فى اللغة والأدب والعلوم، ص:۹۷، مطبوعه المكتبة الكاثو ليكبة، بيروت

(۳) هدايه، باب الصدقة السوائم، ج:٤، ص:۱۹۰

(٤) هدايه، كتاب الأضيحه، ج:٤، ص:۲٤۹

(۵) علامه سيد محمد امين ابن عابدين شامى، رد المحتار، باب زكوٰة البقر، ج:۲، ص:۳۰٤، دارالفكر، بيروت، لبنان

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

الجاموس كالبقر.[1] اھ بھینس بقر کی جنس سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کیا چرم قربانی یا صدقۂ فطر مسجد یا انگریزی اسکول میں دے سکتے ہیں؟

مسئلہ چرم قربانی یا صدقۂ فطر مسجد یا انگریزی اسکول میں جس میں دینیات کی کتابیں برائے نام نصاب میں داخل ہوتی ہیں، دے سکتے ہیں یا نہیں؟ مع سند کے جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا.

الجواب

صدقۂ فطر بغیر حیلۂ شرعی مسجد پر دینا جائز نہیں۔ چرم قربانی مسجد پر صرف ہو سکتا ہے۔ اسکولوں کے لیے الگ چندہ کریں۔ واللہ اعلم بالصواب.

بٹائی پر دی گئی بکری کے بچے کی قربانی مالک کر سکتا ہے یا نہیں؟

از: شاہ محمد عباس۔ پٹ بڑا گاؤں، ضلع بلیا

مسئلہ بٹائی والی بکری کا بچہ کہ بکری کسی کو چرانے کو دی گئی کہ دو بچوں میں سے ایک مالک کو ملا۔ مالک اس بچہ کی قربانی کر سکتا ہے کہ نہیں اور بکری اس طرح بٹائی پر دینا جائز ہے کہ نہیں؟ ان دونوں سوالات کا جواب ضرور دیجیے۔

الجواب

بکری کسی کو چرانے کے لیے اس شرط پر دینا کہ ایک بچہ چرانے والے کا اور ایک مالک کا اجارہ فاسدہ ہے۔ جیسا کہ مرغی بٹائی پر پالنے کے لیے دینا اجارہ فاسدہ ہے۔[2]

ردالمحتار میں ہے کہ علامہ ملی نے فرمایا:

و قيد بالشجر لأنه لو دفع الغنم والاجاج و دود القز معاملة لا يجوز كما في المجتبیٰ و غيره و كذا دفع بقرة بالعلف ليكون الحارث نصفين.[3]

لہٰذا اس طرح بکری یا کوئی اور جانور بٹائی پر پالنے کو دینا جائز نہیں۔ بکری چرانے کی اجرت مالک پر لازم آئے گی

(۱) فتاویٰ عالم گیری، ج:۱، ص:۱۹٦

(۲) صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، بہار شریعت، حصہ:۱٤، ص:۱٤۰

(۳) رد المحتار، ج:۵، ص:۱۸۱

اور بچہ بہر حال مالک ہی کا ہے، اس لیے مالک بچے کی قربانی کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالعزیز عفی عنہ

بقلم عبدالمنان اعظمی ۸ر محرم ۷۳ھ

قربانی کے کچھ مسائل

مسئلہ آمدہ از: ڈاک خانہ مہنداول، محلہ بنری ٹولہ، ضلع بستی، یاد علی وارثی۔ ۱۲ر محرم ۱۳۶۹ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل میں کہ:

① زید و عمر و دونوں حقیقی برادر صاحبِ نصاب ہیں۔ دونوں کے بیوی بچے بھی ہیں۔ کاروبار، تجارت، کھانا، پینا، مکان وغیرہ سب شرکت میں ہے اور ایامِ قربانی میں دونوں صرف ایک بکرا قربانی کرتے ہیں، اس پر بھی مختلف ناموں سے۔ کسی سال زید کے نام اور کسی سال عمرو کے نام، کسی سال بیوی کے نام، کسی سال بچے کے نام۔ آیا اس طرح قربانی کرنا کیسا ہے؟

② چرم قربانی جو لوگ مدارسِ دینیہ میں دیتے ہیں، اسے فروخت کر کے قیمت مدرس کی تنخواہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر دے سکتے ہیں تو صرف غریب طلبہ ہی کے مصرف میں لائیں یا مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں بھی لگا سکتے ہیں۔

③ ہمارے قصبے میں بلکہ قرب و جوار کے دیہات میں یہ رواج عام ہے کہ قربانی کے جانور میں جو چربی نکلتی ہے اسے گرم کر کے اس میں سے تیل نکال کر رکھ لیتے ہیں اور ماہ دو ماہ تک اپنے صرف میں لاتے ہیں، بعض لوگ چراغ میں جلاتے ہیں، بعض لوگ اس میں روٹی پکوا کر کھاتے ہیں، بعض لوگ دوا وغیرہ کے کام میں لاتے ہیں، ایسا کرنا کیسا ہے؟

④ جس شخص کو تلاش کرنے پر بھی قربانی کا جانور نہ ملا، وہ ایامِ قربانی گزر جانے کے بعد جو روپیہ جانور خریدنے کی نیت سے رکھا تھا اس روپیہ کو مسجد کی مرمت میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

① زید و عمرو کا مال اگر اتنا ہے کہ ہر ایک کا حصہ ساڑھے باون تولے چاندی یا اس سے زائد ہے تو دونوں پر قربانی واجب ہے۔ ہر سال ہر ایک کو اپنے نام سے کم از کم ایک بکری یا بھینس کا ساتواں حصہ قربان کرنا واجب ہے۔ اور اگر اتنا مال ہے کہ ہر ایک کا حصہ ساڑھے باون تولے چاندی سے کم ہے تو کسی پر قربانی واجب نہیں۔ اگر کریں تو ثواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

② چرم قربانی کی قیمت طلبہ پر خرچ کر سکتے ہیں، دینی مدرسہ کی تعمیر میں بھی صرف کر سکتے ہیں۔

وھو تعالیٰ اعلم.

③ قربانی کے جانور کی چربی کھانے کے کام میں لا سکتے ہیں، دو تین ماہ کیا اس سے زائد بھی رکھ سکتے ہیں، لیکن جلانا نہیں چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

④ ایامِ قربانی گزرنے کے بعد اس رقم کا صدقہ کرنا واجب ہے اور صدقاتِ واجبہ مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے۔ پوری تلاش کے بعد اگر قربانی کا جانور میسر نہ آیا تو اب وہ شخص معذور ہے۔ وہ قیمت تعمیر مسجد میں لگا سکتا ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم.

کیا صاحب نصاب پر قربانی ہر سال واجب ہے؟

از: عبداللہ۔ موضع پلیا، ضلع اعظم گڑھ۔ ۳۱/ اگست ۱۹۵۳ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:
زید نے ایک سال اپنے نام سے قربانی کی ہے، دوسرے سال اپنے نام سے نہیں کرنا چاہتا بلکہ اپنے گھر کے کسی اور کے نام سے کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً اپنے لڑکے یا اپنی بیوی وغیرہ کی طرف سے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور قربانی صحیح ہوگی؟

الجواب

زید اگر دوسرے سال صاحب نصاب ہے تو خود اس پر اپنی طرف سے قربانی واجب ہے۔ لہٰذا اس فعل واجب کو ہرگز ترک نہ کرے، دوسرے کی طرف سے قربانی کرے گا تو ہو تو جائے گی، مگر اپنی قربانی چھوڑنے کی وجہ سے گنہ گار ضرور ہوگا۔ اور اگر صاحب نصاب نہیں ہے تو اس پر واجب نہیں ہے۔ اور صرف دوسرے کے نام سے قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

جان کے خطرہ کے وقت قربانی گاؤ اور تعزیہ داری کا حکم

از: اراکین جمہوریت اسلامیہ سنی کانفرنس، باندہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین...
در مسئلہ قربانی گائے موجودہ دور زلازل و پر فتن میں کہ ہمارے ضلع کے مواضعات نیز شہر میں مسلمان بہت کم تعداد میں پہلے ہی سے تھے، پھر ملازمین پاکستان گئے اور کچھ ہجرت بھی کر رہے ہیں نیز کثیر تعداد میں ہندو اور سکھوں کی آمد ہے۔ اہل ہنود مواضعات نیز شہر میں دھمکیاں دے رہے ہیں کہ اگر گائے کی قربانی کی تو ہم جنگ کریں گے۔ ہمارے شہر باندہ میں ایک محلہ بنگالی پورہ ہے جو شہر سے باہر اسٹیشن پار ہے جس میں ہندوؤں کی اکثریت ہے، صرف چار پانچ گھر مسلمانوں کے ہیں۔ وہاں گائے کی قربانی ہوتی چلی آئی ہے، اب زبردست خطرہ ہے۔ اگر اس محلہ میں چڑھائی

کی توان کو روکنے والا بھی بجز خدا کے نہیں، نہ ان کی فریاد کی آواز شہر تک پہنچ سکتی ہے، نہ شہر والوں سے اپنی اقلیت کی بنا پر امداد کی امید ہے۔ بجز اپنے تحفظ کے اور اب حکومت بھی ہندوؤں کی ہے۔ حاکم حکام پولیس سب ان کے، کہیں بھی دادرسی کی امید نہیں۔ ایسی صورت میں ہندوستان غالباً دار الحرب کے حکم میں آجائے گا۔ ان وجوہات کو مد نظر رکھتے ہوئے جب کہ قربانی بکرے کی بھی ہوسکتی ہے توکیا گاے کی قربانی فرض ہے، بغیر اس کے قربانی نہ ہوگی، جان کا زبردست خطرہ ہے۔ یہ مستحب فعل غالباً ہوسکتا ہے مگر جان کا بچانا فرض ہے۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (۱)

گاے کی قربانی کے سلسلے میں اب کیا حکم ہے، نیز دیگر محلہ جات کے لیے اسی طرح کیا حکم ہے اور محرم پر تعزیہ داری میں بھی زبردست خطرہ ہے۔ اگر امسال مصلحتاً نہ کیا جائے توکیا حرج ہے۔ اس حکومت کی اور آئندہ ہم کو فلاح اور قوت اور اجازت عام کا امکان بھی ہے۔ صحابۂ کرام نے بھی مصلحتاً فرائض اور اصولی چیزوں کو خفیہ کیا تواب ہمارے لیے کیا حکم ہے۔ علی الخصوص بنگالی پورہ اور ان مواضعات کے لیے جہاں دو چار ہی گھر مسلمانوں کے ہیں۔ یوں ہی وہ موضع جو چاروں طرف سے ہندو مواضعات سے گھرا ہو تعزیہ داری اور قربانی گاے کے لیے کیا حکم ہے۔

بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب.

نوٹ:- ۱۵ر اکتوبر ہماری قسمت کا آخری فیصلہ ہے، اس لیے جواب جلد آجانا چاہیے۔ بریلی، مراد آباد و مبارک پور استفتا روانہ کیے گئے۔

الجواب

قربانیِ گاؤ شعار اسلام ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ. (۲)

اونٹ اور گاے کو اللہ نے دین کے لیے شعار قرار دیا۔ ایسی صورت میں جب قربانی گاؤ کی ممانعت کی جارہی ہو، اس کا کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ مگر جب کہ حالات ایسے ہیں جن کا ذکر سوال میں کیا گیا اور مسلمان وہاں کے بالکل بے کس اور بے بس ہیں اور اس کے جاری رکھنے میں واقعی اور صحیح طور پر اپنی جانوں کا خطرہ جانتے ہوں توان کو اجازت ہے کہ اپنی جان کی حفاظت کریں۔ رہی تعزیہ داری تو وہ نہ کوئی اسلامی چیز ہے، نہ اس کے کرنے کا کوئی شرعی حکم ہے۔ اس کو تو ہمیشہ سے علماے کرام بدعت و ممنوع بتاتے رہے ہیں۔ اب بھی وہی حکم شرع ہے کہ یہ ممنوع ہے، اس سے باز آجانا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(۱) قرآن حکیم، سورۃ البقرۃ،، آیت: ۱۹۵

(۲) قرآن حکیم، سورۃ الحج، آیت: ۲۶

کتاب الحظر والاباحۃ

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ.

(الحج)

اور اللہ نے تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔

اَلدِّیْنُ یُسْرٌ. (الحدیث)

دین آسان ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عیسائی، یہودی اور ہندو کے یہاں کھانے کا حکم

از: راقم حافظ عبدالمجید انصاری ولد رحیم بخش، قصبہ بھوج پور، ضلع مرادآباد، ۲؍ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

عیسائی اور یہودی کے گھر کا کھانا کیسا ہے جب کہ وہ اہلِ کتاب کہلاتے ہیں۔ علاوہ اس کے ہندو جو مشرک ہے اس کے یہاں کا کھانا کیسا ہے؟ از روے شرع کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا.

الجواب

عیسائی اور یہودی جو اہلِ کتاب ہیں اور اپنے دین پر قائم ہیں ان کے یہاں کا کھانا مطلقاً جائز ہے، جب کہ کسی حرام شے کے ساتھ اس کا تعلق نہ ہو۔ اسی طرح ہندو مشرک کے یہاں کا کھانا سوائے گوشت کے ہر چیز جائز ہے جب کہ کسی حرام کے ساتھ اس کا تعلق نہ ہو۔ ہاں ان لوگوں کے یہاں جا کر ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے کی ممانعت آئی ہے۔ اس سے بچنا لازمی ہے۔ مسئلہ میں بہت تفصیل ہے مگر جو تحریر کیا گیا وہ شافی و کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

بد عقیدہ لوگوں سے ملنے جلنے کا حکم

از: فضل الحق صدیقی، مکان نمبر ۱۰۵/۲۷، چمن گنج، کانپور، یو۔ پی۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت و جماعت و مفتیان شریعت کہ:

جو عالم، مولوی یا پیش امام باوجود واقفیت کے رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ شاہ وارث حسن کوڑا جہان آبادی ثم لکھنوی سے بیعت اور ان کے مرید و نیز مودودی جماعت سے تعلق رکھنے والے افراد سے ملتا ہو، نشست و برخاست، خورد و نوش اور دوستانہ تعلقات رکھتا ہو، آیا وہ عالم قابل تقلید ہے اور ایسے پیش امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟

براے مہربانی قرآن و حدیث و فقہ کے حوالے سے بالتصریح جواب عنایت فرمائیں. بینوا توجروا.

الجواب

سنیت کا دار و مدار "فتاویٰ حسام الحرمین" کی تصدیق پر ہے۔ اگر امام مذکور حسام الحرمین کی تصدیق کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔ وارث حسن کے جال میں بہت سے سنی بھی پھنس گئے، اسی طرح مودودی جماعت کی ظاہری تبلیغ نماز و کلمہ وغیرہ کے جال میں بہت سے سنی بھی آگئے ہیں، جو حقیقتِ حال سے واقف نہیں، ایسے فریب خوردہ لوگوں کا وہ حکم نہیں جو وارث اور مودودی کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

افیون کا شرعی حکم

از: محمد شفیع، چمن گنج، سعید آباد، مکان ۱۳۷/۱۰۵، کان پور

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل میں:

(۱) افیون کا کھانا جائز ہے یا ناجائز، مکروہ ہے تو مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی یا حرام؟

(۲) اور اس کی تجارت کرنا کیسا ہے، حرام ہے یا حلال، جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) افیون کی تجارت سے جو نفع ہوتا ہے اس کو اپنے یا اپنے اہل و عیال یا برادری پر خواہ کسی تقریب کے سلسلے میں صرف کرنا کیسا ہے اور ایسے پیسوں سے خریدی ہوئی کسی قسم کی بھی اشیا ہو استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کھانے پہننے برتنے کے لیے جو چیز بھی ہو۔ جواب کافی و شافی مرحمت فرمائیں ساتھ ثبوت کے، عین نوازش ہوگی۔

الجواب

افیون کھانا حرام ہے اگرچہ اس کی حرمت شراب سے کم ہے۔

در مختار میں ہے:

ویحرم اکل البنج والحشیشة والافیون لکن دون حرمة الخمر.[۱]

جب کہ افیون کا کھانا حرام ہے تو اس کی تجارت بھی جائز نہیں، کیوں کہ تاجر فروخت کرے گا، کھانے والے خریدیں گے، یہ تجارت افیون کھانے پر اعانت ہوگی۔ یہ اعانت علی الاثم ہوگی جس کے لیے قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔[۲] اور گناہ اور ظلم پر اعانت نہ کرو۔

---

(۱) علامه محمد بن علی حصکفی، در مختار المطبوع مع رد المحتار، ج:۱۰، ص:۴۰-۴۱، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، اشاعت: ۱۴۳٤ھ/ ۲۰۰۳ء

(۲) قرآن مجید، سورة المائدة، آیت:۱

جب تجارت ناجائز ہوتی ہے تو اس کی آمدنی بھی ناجائز ہوتی ہے، اگرچہ یہ تجارت اور آمدنی شراب جیسی حرام نہیں، شراب سے کم درجہ ہے تاہم حرام سے بچنا ہی لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح: احقر علی احمد الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ

۲۶ ر ربیع الاول ۷۶ ۱۳ھ

خانگی رنجش میں امام کو معزول کرنے کا حکم

مستفتی: ماسٹر عبدالعزیز، ساکن بر ہل گنج، پوسٹ چریا کوٹ، اعظم گڑھ

مسئلہ ① ایک شخص ایک مسجد میں دس گیارہ سال تک امام تھا مگر مصلیان نے خانگی رنجش کی بنا پر معزول کر دیا، بعد میں صلح ہو گئی مگر مصافحہ نہ ہو سکا تو اس صورت میں اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ اس کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا جائز ہے یا نہیں۔ اگر وہ کسی کی فاتحہ خوانی میں شریک ہو، یا میلاد میں شریک ہو تو اس کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

② امام سابق کی موجودگی میں صرف چند آدمیوں کی اجازت سے نئے امام کا نماز پڑھانا جب کہ پہلا امام بھی مع دیگر مصلیان کے اس نئے امام کی امامت پر رضامند نہ ہو تو نماز ہوگی یا نہیں، ایسا کرنا کیسا ہے؟

③ قرآن خوانی میں کسی شخص کا جو تلاوت قرآن پاک کرتا ہو، اس کو مجلس سے اٹھا دینا کیسا ہے، اور اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔ کیا کفارہ عائد ہوتا ہے؟

الجواب

① بلا وجہ شرعی خانگی رنجش کی بنا پر امام کو معزول کرنا جائز نہیں لیکن جب اس کے بعد مصالحت ہو گئی تو بات ختم ہو گئی، مصافحہ ہونا کوئی ضروری نہ تھا۔ مصافحہ بوقت ملاقات سنت ہے، اب بھی ہو سکتا ہے۔ جب مصالحت ہو گئی تو امام سابق کو بدستور امام رکھنا چاہیے۔

② مسلمانوں کو آپس میں اتفاق سے رہنا چاہیے، مصالحت کے بعد نئے امام کی کیا ضرورت ہے، سابق امام پر سب کو متحد ہو کر نماز با جماعت ادا کرنا چاہیے، البتہ اگر سابق امام میں کوئی شرعی قباحت ہے، تب جدید امام کی ضرورت ہے۔

③ قرآن خوانی کی مجلس سے کسی سنی صحیح العقیدہ مسلمان کو اٹھانا جائز نہیں، جس نے اٹھایا بہت برا کیا، وہ اپنے اس فعل پر نادم ہو اور اس شخص سے معافی مانگے۔ واللہ تعالیٰ اعلم. کتبہ عبدالعزیز عفی عنہ

مصافحہ کے مسائل وفضائل

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

عید کے روز مصافحہ کرنا اور معانقہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ بعض لوگ نمازِ جمعہ اور نمازِ فجر اور نماز عصر کے بعد بھی مصافحہ کرتے ہیں، یہ کیسا ہے؟ حدیث شریف اور فقہ کی روشنی میں حکم شرعی بیان فرمائیں۔

الجواب

مسلمانوں کا محبت واخلاص کے ساتھ باہم مصافحہ ومعانقہ کرنا سنت ہے۔ نبیِ کریم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا طریقہ ہے، باعث اجر وثواب ہے۔ مصافحہ کرنے سے دل کی کدورت وعداوت دور ہوتی ہے۔ محبت وانسیت زیادہ ہوتی ہے، احادیث کریمہ میں یہ فوائد ذکر کیے گئے ہیں۔

حضرت قتادہ سے مروی ہے:

قلت لأنس بن مالك: هل كانت المصافحة في أصحاب رسول الله ﷺ؟ قال: نعم. هذا حديث حسن صحيح.(۱)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا، کیا اصحاب رسول ﷺ میں مصافحہ تھا؟ فرمایا، ہاں۔ یعنی حضور ﷺ کے اصحاب کا یہی طریقہ تھا، آپس میں مصافحہ کیا کرتے تھے۔

قال رسول الله ﷺ: ما من مسلمين يلتقيان فيتصافحان إلا غفر لهما قبل أن يتفرقا.(۲)

کوئی دو مسلمان ایسے نہیں کہ باہم مل کر مصافحہ کریں مگر ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت فرمادی جاتی ہے۔

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عطا خراسانی سے روایت کی:

ان رسول الله ﷺ قال: تصافحوا

رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا، مصافحہ کرو تاکہ

---

(۱) محمد بن عيسىٰ ترمذی، جامع الترمذی، باب ماجاء فی المصافحة، ج:۲، ص:۹۷، مجلس البرکات، الجامعة الاشرفیه، مبارك پور.

(۲). محمد بن عيسىٰ ترمذی، جامع الترمذی، باب ماجاء فی المصافحة، ج:۲، ص:۹۷، مجلس البرکات، الجامعة الاشرفیه، مبارك پور.

يذهب الغل من قلوبكم.[1] کینہ دور ہو۔

احادیث مذکورہ سے مصافحہ کا سنت ہونا ثابت ہوا، مصافحہ کے کثیر فائدے بھی ثابت ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے مصافحہ کی تعلیم دی اور اس کے فائدے بھی بیان فرمائے اور کسی وقت کے ساتھ مصافحہ کو خاص نہیں کیا اور کسی وقت کی ممانعت بھی نہیں فرمائی، لہٰذا جس وقت بھی ادائیگیِ سنت کی نیت سے مصافحہ کیا جائے گا سنت کا ثواب ملے گا، خواہ عید کا دن ہو، نمازِ عید کے بعد ہو یا نمازِ جمعہ کے بعد، عصر کے بعد ہو یا فجر کے بعد، کسی وقت ممانعت نہیں، کوئی مضائقہ نہیں ،کوئی حرج نہیں۔

مجمع البحار میں ہے:

هی سنة مستحبة عند كل لقاء وما اعتادوا بعد صلوة الصبح والعصر لا أصل له في الشرع ولا باس به.[2]

یعنی مصافحہ کرنا ملاقات کے وقت سنت مستحب ہے اور یہ جو لوگوں نے بعد نمازِ فجر اور بعد نمازِ عصر مصافحہ کی عادت ڈال لی ہے، اس عادت کی شرع میں اصل نہیں لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور کوئی حرج بھی نہیں۔

(کیوں کہ اس "عادت" کی اصل اگرچہ نہیں مگر مصافحہ کی اصل تو خود موجود ہے، لہٰذا جب بھی مصافحہ کیا جائے تو اصل شریعت کے مطابق ہی ہوگا۔ م) والله تعالیٰ اعلم. ۱۵ر صفر المظفر ۵۷ھ

غیر نبی کے لیے "علیہ السلام" لکھنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ: حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" کہنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ علیہ السلام انبیا اور ملائکہ کے ساتھ خاص ہے، عمرو اس پر شبہ کرتا ہے کہ حضرت شاہ محدث عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بجائے متعدد مقامات پر علیہ السلام استعمال کیا ہے۔ جواب بحوالہ کتب عنایت فرمائیں۔

الجواب

سلام دو قسم پر ہے ایک سلام بمعنی تحیۃ واکرام، یہ ہر مسلمان کے لیے عام ہے لیکن اس کا استعمال بالمشافہ بصیغہ

---

(۱) امام مالك بن انس، المؤطا لمالك، باب ماجاء فی المهاجرة، رقم الحديث:۱۶۸۵، ص:۵۰۷، ج:۱، المكتبة العصرية، بيروت.

(۲) محمد طاهر صديقى، مجمع بحار الانوار، ج:۳، ص:۳۲۸، مكتبة دار الايمان، المدينة المنورة.

خطاب ہوتا ہے یا بواسطہ نامہ وغیرہ۔

دوسرا سلام بمعنی دعاے طلبِ رحمت بمعنی صلوۃ، اس کا استعمال بصیغہ غائب بھی ہوتا ہے، مثلاً حضرت موسی علیہ السلام۔ حضرت عیسی علیہ السلام۔

اس لیے سلام بصیغہ غائب صلوۃ کے حکم میں ہے۔ جس طرح صلوۃ استقلالاً انبیاو ملائکہ کے ساتھ خاص ہے، علیہ السلام بھی خاص ہے، تبعاً ان کے غیر پر جائز ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

و اما السلام فنقل اللقانی فی شرح جوهرة التوحيدعن الامام الجوينی انه فی معنی الصلوة، فلايستعمل فی الغائب و لايفرد به غير الانبياء، فلايقال : عَلِيٌّ عليه السلام. وسواء فی هذا الاحياء والاموات ، الا فی الحاضر فيقال السلام او سلام عليك او عليكم و هذا مجمع عليه.ه

اقول: و من الحاضر السلام علينا و علی عباد الله الصالحين ، و الظاهر ان العلة فی منع السلام ماقاله النووی فی علة منع الصلوة ان ذلك شعار اهل البدع ، و لان ذلك مخصوص فی لسان السلف بالانبياء عليهم الصلوة والسلام ، كما ان قولنا عزَّ و جل مخصوص بالله تعالیٰ .(1)

لہٰذا زید کا قول صحیح ہے۔ عمرو کو باخبر ہونا چاہیے جب اس کی کراہت پر فقہ کا جزئیہ موجود، کتب فقہ میں اختصاص مذکور تو حضرت خاتم المحدثین مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی محتاط شخصیت سے اس کے خلاف عمل کیوں کر متصور ہوسکتا ہے۔ یہ کاتبوں کی تحریف ہے حضرت موصوف کی تصنیفات نقل درنقل ہوتی رہیں، مختلف مطابع میں طبع ہوتی رہیں کاتب اپنی عادت کے مطابق علیہ السلام لکھتے گئے جیسے علیہ الصلوۃ والسلام کے بجاے "ع۔م۔" بہت سی جگہ لکھا ہے۔ حضرت موصوف کی کتاب تفسیر فتح العزیز مطبع لاہور، مطبوعہ ۱۲۷۷ھ میں صرف سورہ قلم کے شان نزول میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم پاک یا لفظ آں حضرت کے بعد بجاے علیہ الصلوۃ والسلام کے چودہ جگہ "ع۔م۔" لکھا ہے۔ ما انت بنعمة ربك بمجنون کی تفسیر میں بجاے علیہ الصلوۃ والسلام کے تیئیس جگہ۔ "ع۔م۔" ہی لکھا ہے، حالاں کہ یہ رمز واختصار خواہ بصورت "ع۔م۔" ہو یا بصورت "صلعم" ہو، ناجائز ہے، سخت مکروہ و حرام ہے، فتاویٰ تاتارخانیہ میں اس کو تخفیف شان نبوت بتایا۔

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

---

(1) علامه ابن عابدين شامی، رد المحتار،ج:۱۰،ص:۴۸۳-۴۸۴،دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

ویکرہ الرمز بالصلوٰۃ والترضی بالکتابۃ بہ بل یکتب ذلک کلہ بکمالہ .[1]

لہٰذا حضرت ممدوح علیہ الرحمہ سے یہ رمز واختصار ہرگز متصور نہیں بلکہ یہ کاتبوں کی تحریف ہے، یہ استدلال ہرگز نہیں ہوسکتا کہ حضرت شاہ عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب تفسیر عزیزی میں چوں کہ بہت سی جگہ بجائے صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ع۔م۔ لکھا ہے لہٰذا بجائے صلی اللہ علیہ وسلم۔ع۔م۔ لکھنا جائز ہے۔ اسی طرح حضرت موصوف کی کتاب میں انبیاء وملائکہ کے علاوہ کے لیے علیہ السلام سے بھی استدلال نہیں ہوسکتا۔ ہے جب کہ فقہا کی تصریح موجود ہے، فقہ کا جزئیہ موجود ہے، تو اسی پر عمل کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم. کتبہ عبد العزیز عفی عنہ

خادم دار العلوم اہلسنت اشرفیہ، مبارک پور۔ ۱۳ر اکتوبر ۶۵ء

قرآن حکیم کی بے حرمتی

مسئلہ ایک شخص مسلمان ہے اور حنفی مذہب اس کا ہے اور پڑھا لکھا بھی ہے اور اپنی برادری کا چودھری بھی ہے اور پنچایت میں فیصلہ بھی کرتا ہے۔ ایک جگہ پنچایت میں اپنی برادری کے لوگوں کے ساتھ شریک تھا اور مدعی کے بیان کے بعد مدعا علیہ عورت کے بیان کی باری آئی۔ مدعا علیہ نے برادری کے جملہ پنچوں سے استدعا کیا کہ میں حلف یعنی قرآن پاک لے کر صحیح صحیح بیان دوں گی، اس کے بعد جو پنچ کی مرضی ہو۔ چودھری صاحب نے برجستہ یہ کہا کہ تم دو چار گدھا قرآن لے کر کہو گی تو بھی تمہارا اعتبار نہیں اور بقیہ لوگ خاموش رہے اور برادری سے الگ کر دیا مدعا علیہ کو۔ تو ایسا چودھری جس نے قرآن پاک کی توہین کی اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہوتا ہے، اور شریک پنچایت جو لوگ تھے ان پر کیا حکم ہوتا ہے؟ والسلام، جواب طلب۔

الجواب

چودھری صاحب کا مقصد یہ ہے کہ یہ عورت نہایت جھوٹی ہے اور اس کی باتیں قسم کے بعد بھی ناقابل اعتبار ہیں، مگر اس مقصد کا ایسے جملے سے اظہار کیا جو توہین قرآن کی طرف منجر ہے، اس لیے ندامت کے ساتھ توبہ کریں اور آئندہ احتیاط رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

غیر عالم کو تفسیر لکھنے کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ہٰذا میں کہ:

(۱) سید احمد طحطاوی، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، ج:۱، ص:۶

ایک شخص مسمیٰ بہ حاجی محمد جو معمولی فارسی و اردو داں ہیں اور علم عربی سے بالکل ناواقف ہیں، حتی کہ میزان و منشعب بھی نہیں پڑھی ہے۔ جہالت کا یہ عالم ہے کہ اعلیٰ حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ کے فتوی مثلاً مسائلِ نوٹ و حقہ نوشی واذان ثانی وغیرہ کی تحقیق کو محض اپنی جہالت سے غلط و ناصواب بتاتا ہے۔ خود رائی و خود پرستی اور جہالت یہاں تک بڑھی ہوئی ہے کہ مسئلہ مفتی بہ کہ اگر مسافر مسافتِ سفر کو کسی تیز سواری سے کم مدت میں طے کرلے تو جب بھی مسافر ہی ہے، اس مسئلہ کا انکار کرتا ہے اور اپنے اجتہاد کو دخل دیتا ہے، تو کیا ایسا شخص جو اتنا کم علم اور علم دین سے نابلد ہو، وہ قرآن پاک کی تفسیر بزبانِ اردو لکھ سکتا ہے اور اس کا یہ ارادہ صحیح و جائز ہے اور ہم لوگوں کو روپیہ پیسہ تفسیر کے لکھنے کے لیے اس کو بطور اعانت دینا صحیح اور درست ہے؟ بینوا توجروا.

الجواب

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ دلائل شرعیہ قویہ سے منور و مزین ہیں۔ ان کو غلط و ناصواب بتانا، عناد و فساد و بے علمی پر مبنی ہے۔ مسائل فقہیہ کا انکار اپنی جہالت کا اقرار ہے۔

علامہ امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں:

و إن كل من رد قولا من أقوال علمائها و أخرجه عنها فكانه ينادى على نفسه بالجهل.(۱)

یعنی جس شخص نے علمائے کرام کے قول کو رد کیا اور اس کو شریعت سے باہر کیا پس گویا کہ وہ اپنی جہالت کی خود شہادت دے رہا ہے۔

لہٰذا حاجی محمد کا مسائل فقہیہ کو غلط و ناصواب بتانا اپنی جہالت کا اقرار ہے۔ ایسا شخص جو علومِ دینیہ اور فنونِ عربیہ سے ناواقف ہو اور باوجود بے علم ہونے کے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا ارادہ کرے تو یہ اس کی جہالت کا نشہ اور بے علمی کا خمار ہے۔ کیوں کہ قرآن مجید کی تفسیر کا لکھنا نہایت اہم اور دشوار کام ہے۔ اس کے لیے علومِ کثیرہ کی ضرورت ہے۔ بڑے بڑے جلیل القدر فقہا اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہیں اور اس میدان میں قلم اٹھانے کے لیے خوف کرتے رہے ہیں۔ علامہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر حضرات نے اسے اپنی وسعت سے باہر سمجھا۔ قرآن مجید علوم کا دریائے ناپید اکنار ہے۔ جو شخص علومِ دینیہ و فنون عربیہ سے ناواقف ہے وہ تو قرآن مجید کے مطالب سمجھ ہی نہیں سکتا، چہ جائے کہ تفسیر لکھے۔ ایسے شخص کو قرآن مجید کی تفسیر لکھنا ہرگز جائز نہیں۔ نہ عوام کا اس فعل میں اس کی اعانت درست، نہ اس تفسیر کا پڑھنا جائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

---

(۱) امام عبد الوہاب شعرانی، المیزان الکبریٰ الشعرانیۃ، جز اول، ص:۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، سن اشاعت ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء

غیر مسلموں سے معاملات کے شرعی حدود

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں:

① ایک خالص مسلم گاؤں کے اندر ایک غیر مسلم ہندو آباد ہے۔ اتفاقاً اس کے مکان میں شب میں آگ لگ گئی، سوائے مسلمانوں کے اور کوئی آگ بجھانے والا نہیں تھا۔ مسلمانوں نے آگ بجھادی جس سے اس کے جان و مال کو بہت فائدہ پہنچا، آیا شریعت کی رو سے وہ مسلمان گنہ گار ہوئے یا نہیں؟

② مسلمان زمیں دار ہندو مزدور سے کام کراتا ہے اور اس کی شرکت میں کھیتی ہے اور ہندو کی لگان سے پرورش کرتا ہے اور ہر قسم کے مذہبی و دنیوی کام کرتا ہے، آیا جائز ہے یا نہیں؟

③ مسلمان ہندو مہاجنوں سے کاروبار کرتے ہیں، ان کو بابو بابو کہتے ہیں، ان کی شادی بیاہ میں شرکت کرتے ہیں اور کراتے ہیں، جائز ہے یا نہیں؟ خادم قوم

الجواب

بعون الملك الوهاب بسم الله الرحمن الرحيم، نحمده و نصلي على رسوله الكريم.

(۱) جب خالص مسلم گاؤں میں ایک ہندو ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے اوقات زندگی کو نہایت ہی امن و سلامت روی کے ساتھ گزارتا ہوگا، مسلمانوں سے دب کر رہتا ہوگا، ان کی ایذا رسانی کی تیاری نہ کرتا ہوگا، مساجد کے سامنے شرکی، کفری باجے بجا بجا کر مسجدوں اور مسلمانوں کی بے حرمتی ہرگز نہ کرتا ہوگا، گاے ذبیحہ بند کرنے اور مسلمانوں کو مذہبی فرائض سے روکنے کی بے جا کوشش نہ کرتا ہوگا، مسلمانوں کو گاؤں سے نکالنے کی بے جا دھمکیاں نہ دیتا ہوگا، بلکہ اپنی سلامتی کے لیے مسلمانوں سے عاجزانہ برتاؤ کرتا ہوگا، مسکین طبع بن کر رہتا ہوگا، لہٰذا ایسی صورت میں مسلمان اس کے گھر کی آگ بجھا کر، اس کے جان و مال کو بچا کر گنہ گار نہ ہوں گے، مگر اس سے یہ توہم نہ کیا جائے کہ ہندوستان کے موجودہ عام ہندو سے اتحاد و داد بھی جائز ہو گیا۔

کیوں کہ ہندوستان کے ہنود اپنی کثرت پر نازاں، اپنی دولت پر مغرور، مسلمانوں کی جان و مال، دین و مذہب، عزت و آبرو کے دشمن، مسلمانوں کی ایذا رسانی کے خواہاں، ظلم و ستم کے لیے موقع کے جویاں، جہاں قابو پایا مسلمانوں کو دبایا، لوٹا مارا خوب ستایا، یہ ان کا مشغلہ بن گیا ہے، اور کیوں نہ ہو۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّنْ   اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ، وہ تمھاری

---

(۱) یہاں کی تمام اقوام باہم ایک دوسرے کی جان مال کی حفاظت کے لیے دستور ہند کی پابندِ عہد ہیں، اس لحاظ سے غیر مسلم کے گھر میں لگی آگ بجھائی جائے گی، پھر یہ اپنے اوپر سے دفعِ ضرر بھی ہے کہ تیز ہوا وہ آگ مسلم گھروں میں بھی آگ لگا سکتی ہے۔ (مرتب)

دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ[1]

ایذا رسانی میں کمی نہ کریں گے، ان کی آرزو ہے جو تمھیں تکلیف پہنچے، عداوت ان کے منہ سے ظاہر ہوگئی اور جو ان کے سینوں میں ہے، بہت زیادہ ہے۔

اسی لیے ہنود کی منظم جماعتیں اور بڑی بڑی طاقتیں دن رات اسی کوشش میں سرگرداں ہیں کہ مسلمانوں پر اپنا تسلط قائم کریں، ان کے مذہبی کاموں میں رکاوٹیں پیدا کریں، گائے کا ذبیحہ بند کریں، مساجد کے سامنے خوب دھوم سے شرکی کفری باجے بجا بجا کر مسجدوں اور مسلمانوں کی بے حرمتی کریں، البتہ جو گروہ ان میں تعلیم یافتہ کہلاتا ہے، وہ ذرا ترکیب سے کام کرتا ہے، مگر مقصد ایک ہی ہے۔ ہنود نے اس کارکردگی کے لیے بعض نام نہاد مسلمانوں کو بھی ملا لیا ہے، جو اس فساد کا الزام مسلمانوں ہی کے سر تھوپتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسجد کے سامنے باجا بجانے سے مسجد کی توہین نہیں ہوتی، نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔ مصلحتاً ہندو بھائیوں کی خوش نودی کے لیے قربانی گاہ میں گائے کے بجائے بکرے وغیرہ پر ہی اکتفا کیا جائے، یہی لکچر دیتے پھرتے ہیں اور اسی پر زور دیتے ہیں، غرضے کہ ہندو ان مسلمانوں سے اپنا کام کراتے ہیں، جس کے نظائر بکثرت موجود ہیں۔

بارہ بارہ سال سے علی گڑھ والہ آباد وغیرہ میں رام لیلا نہیں اٹھ سکا تھا، انھیں مسلمانوں نے وہاں رام لیلا کے شاندار جلوس نکلوائے، جلوس کے مجمع عام میں مورتیوں پر پھول چڑھائے، مساجد کے سامنے شرکی باجے بجوائے، جہاں کبھی شنکھ نہ بجتا تھا، بجوایا، اور قانوناً کسی طرح اجازت نہ ہو سکتی تھی، انھیں مسلمانوں نے وہاں شنکھ بجوایا۔

مگر یاد رہے کفار کے ساتھ اتحاد مُوالات سم قاتل اور زہر ہلاہل سے کم نہیں، اس لیے قرآن مجید میں سخت ممانعت فرمائی۔

ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ[2]

جس نے ان سے دوستی کی وہ انھیں میں سے ہے۔

اور فرمایا:

يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ[3]

اے ایمان والو! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ۔

کیا ۲۰/۲۱ء کے اتحاد میں کچھ کمی چھوڑ دی تھی اپنے کو مسلمان کہلانے والوں نے؟ گاندھی کی جے پکاری، ماتھے پر

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ آل عمران، آیت: ۱۱۸

(۲) قرآن مجید سورۃ المائدۃ، آیت: ۵۱

(۳) قرآن مجید، سورۃ النساء، آیت: ۱۴۴

قشقہ لگا کر ارتھیاں اٹھائیں، مسجدوں میں منبروں پر مشرکین کو چڑھایا، جمعہ کے خطبہ میں مشرکین کی تعریفیں کیں۔ اس اتحاد سے ہنود کو وہ قوت پہنچی جس کے زہریلے نتائج وثمرات مسلمانوں پر ایسی بلائے بے درماں کی طرح ٹوٹے کہ ہندوستان کی فضا مکدر ہوگئی، آئے دن امن عامہ خطرے میں رہنے لگا۔ بلیا، گورکھ پور، خود اعظم گڑھ کے تازہ واقعات اس سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ ان تلخ تجربوں کے بعد مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مودت و موالات پر اعتماد و وثوق کر کے صلاح وفلاح کے امیدوار ہوں تو اس کے یہ صاف معنی ہیں کہ وہ اپنی مذہبی قومی سیاسی زندگی کو اپنے ہاتھوں فنا کر دینا چاہتے ہیں۔ مولا تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق خیر دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲) ہندوؤں سے زمین جتوانے، مزدوری کرانے میں نہ ان کا اعزاز ہے نہ اکرام، نہ برابری نہ مساوات، لہذا یہ موالات واتحاد کے تحت نہیں آتا، اس لیے جائز ہے۔ جب کہ زمیں دار زمین کا مالک اور لگان وصول کرنے کا حق دار ہے تو اس کو زمین جوتنے والوں سے لگان وصول کرنا اپنا حق وصول کرنا ہے، لہذا اس کو اپنی پرورش و دینی کام میں صرف کرنا جائز ہے۔ مسلمان زمیں دار کا ہندو کی شرکت میں کھیتی کرنے کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہندو زمین جوتیں بوئیں، تیار ہونے پر حسب قرار داد غلہ تقسیم کرلیا جائے۔ اس میں نہ ہندو کاشت کار کو مسلمان پر فوقیت وعزت ہے نہ دوستی ورواداری، لہذا جائز ہے مگر اس کے جائز ہونے سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ کسی ایسی کمیٹی میں بھی شرکت جائز ہوگئی جس کے صدر وسکریٹری ہندو ہوں، جس میں ان کے اعزاز واحترام کا لحاظ کرنا پڑے، انھیں کی اکثریت ہو، انھیں کی بات بالا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۳) مسلمان ہندو مہاجنوں سے اگر سودی قرض لے کر کاروبار کرتے ہیں تو قطعاً حرام اور اگر بلا سود کے مال ادھار لے کر کاروبار کرتے ہیں تو جائز ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:

وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا[1] — اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا۔

مگر مسلمانوں کو حتی الامکان مسلمانوں سے ہی لین دین اور کاروبار کرنا چاہیے، اسی میں بہتری ہے۔

لفظ بابو کا استعمال تعظیم میں ہی مخصوص نہیں بچوں کو بھی بابو کہا جاتا ہے۔ اگر بابو کہنے سے ہندو مہاجنوں کی تعظیم مقصود ہے تو ناجائز ہے۔ شادی بیاہ کی شرکت اگر اس طرح کی ہے کہ ان کے ساتھ کھانا پینا، ان کو عزت واحترام کے ساتھ بلانا بٹھانا ہوتا ہے تو جائز نہیں اور یہی حکم ہر بے دین کا ہے۔

حدیث میں ہے:

ولا تجالسوا هم ولا تواكلوهم ولا تشاربوهم.[2] — واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ البقرۃ، آیت:۲۷۵

(۲) المستدرك للحاكم، ج:۳، ص:۶۳۲

عورتوں کا مرد سے چوڑی پہننے کا حکم

از: عبد الغفور، گیا۔ بہار

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ھذا میں کہ اس اطراف و امصار میں اکثر صاحب پیشہ دوکانداران چوڑی فروش ان غیر محرم عورتوں کو جو ان کی دکانوں پر چوڑی پہننے کی غرض سے جاتی ہیں چوڑی فروشاں انہیں چوڑی پہنایا کرتے ہیں تو کیا دوکان داروں کو ان غیر محرموں کو جن میں پردہ نشین اور غیر پردہ نشین دونوں ہوا کرتی ہیں پہنانا جائز ہے اور کیا اس فعل پر عند اللہ پہنانے والے اور پہننے والی پر کوئی پرسش ہوگی۔؟

زید کہتا ہے کہ ان دوکانداروں کی کوئی پرسش نہیں ہوگی اور یہ فعل جائز ہے اور قیاساً یا تمثیلاً ڈاکٹروں اور حکیموں کا نبض دیکھنا اور دکھانا پیش کرتا ہے کہ جس طرح عام لوگ عورتوں کو دکھلایا کرتے ہیں اور یہ جائز ہے اسی طرح یہ بھی جائز ہے۔ نیز عمرو اس سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ فعل ناجائز ہے اور عند اللہ دونوں ماخوذ ہوں گے اور پرسش ہوگی۔ ڈاکٹروں اور حکیموں کو بھی غیر محرم عورتوں کو دکھلانا منع ہے مگر ضرورتاً کہ کوئی مہلک مرض ہو اور کوئی عورت معالج نہ ملتی ہو کہ اس کا علاج کرے تو اس صورت میں جائز ہے تو آیا زید کا قول صحیح ہے یا عمرو کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں زید کا قول قطعاً غلط اور قیاس فاسد، تمثیل لاحاصل ہے اس کو جائز بتانا سفاہت و جہالت ہے، نصوص شرعیہ کی مخالفت کرنا ہے۔ عمرو کا قول یقیناً صحیح حق بجانب اور شریعت مطہرہ کے مطابق ہے۔

ھدایہ میں ہے:

و لا يحل له ان يمس وجهها و لا كفها و ان كان يأمن الشهوة لقيام المحرم وانعدام الضرورة والبلوىٰ.(1)	یعنی مرد کے لیے حرام ہے کہ وہ کسی اجنبیہ عورت کے چہرے کا مس کرے یا اس کا ہاتھ پکڑے اگرچہ شہوت سے بے خوف ہو کہ یہ حرام ہے اور کوئی ضرورت نہیں۔

اولاً عورت کو چوڑی پہننا ہی ضروری نہیں۔ دوسرے چوڑی پہننے میں مرد کی کیا ضرورت؟ عورتیں خود آپس میں ایک دوسرے کو چوڑی پہنا دیتی ہیں بلکہ عورت خود اپنی چوڑی اپنے ہاتھ پہن لیتی ہے تو ایسی صورت میں جب کہ مرد کی کوئی ضرورت نہیں عورت خواہ مخواہ کے لیے اس کے پاس جائے اور اس سے چوڑی پہنے تو یقیناً دونوں گنہگار، مرتکب حرام، لائق غضب قہار ہیں۔

---

(1) ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی هدایه آخرین، ص:۴۴۲، مجلس البرکات، مبارک پور

حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا:

من مس کف امرأۃ لیس منها بسبیل وضع علی کفه جمرۃ یوم القیامة.[۱]

جو شخص کہ کسی اجنبیہ عورت کو ہاتھ لگائے تو قیامت کے دن اس کے ہاتھ پر دہکتے ہوئے انگارے رکھے جائیں گے۔

بخلاف ڈاکٹروں اور حکیموں کے کہ اگر کوئی عورت معالج نہیں اور مرض کی زیادتی کا اندیشہ ہو تو فقہائے کرام نے ضرورت کی وجہ سے انہیں اجازت دی ہے کہ وہ عورت کے مرض کی جگہ حکیم کو دکھائے اور حتی الامکان حکیم اپنی آنکھ بند رکھے۔

ہدایہ میں ہے:

و یجوز للطبیب ان ینظر الیٰ موضع المرض منها للضرورۃ و ینبغی ان یعلم امرأۃ مداواتها فان لم یقدروا یستر کل عضو منها سوی موضع المرض ثم ینظر و یغض بصره ما استطاع.[۲]

واللہ تعالیٰ اعلم و علمه اتم و احکم.

نابالغ بچوں کا قرآن خوانی میں شریک ہونا

از: پورہ صوفی، سائل: عبدالواحد۔ ۷؍ شعبان ۷۵ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں:

فاتحہ کے لیے جو قرآن خوانی ہوتی ہے، اس میں نابالغ بچے بھی شرکت کرتے ہیں تو آیا نابالغ بچے کا پڑھنا میت کو ایصال ثواب کرنا چاہیے کہ نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب

نابالغ بچوں کے خود پڑھے ہوئے کا ثواب اگر نہ پہنچے تو بچوں سے فاتحہ میں قرآن مجید پڑھوانا ناجائز اور بے فائدہ نہیں ہو سکتا بلکہ میت کو ثواب اور فائدہ پہنچے گا اس لیے کہ ایک تو بچوں کا پڑھنا ہے اور دوسرا بچوں کو پڑھوانا ہے۔ جس طرح کار خیر سے ثواب ہوتا ہے اسی طرح نیک کام کرانے کا ثواب ہوتا ہے، کرانے والا مثل نیک کام کرنے والے کے ثواب پاتا ہے۔

حدیث میں ارشاد فرمایا:

---

(۱) عبد اللہ بن یوسف زیلعی، نصب الرایة لأحادیث الهدایة، کتاب الکراهة، فصل فی الوطی والنظر والمس، ج:٤، ص:٢٤٠،

(۲) ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، هدایه آخرین، ص:٤٤٣، مجلس البرکات، مبارک پور

"الدال علی الخیر کفاعلہ"[۱] نیک کام کرانے والا مثل کرنے والے کے ہے۔

لہٰذا جس شخص نے بچوں سے قرآن مجید پڑھوایا ہے اس شخص کو مثل پڑھنے والوں کے ثواب ملا، وہ ثواب میت کو ملے گا اور بچوں سے فاتحہ میں قرآن مجید پڑھانا بے فائدہ نہ ہوگا بلکہ اتنے ہی قرآن مجید پڑھنے کا ثواب حدیث کے ارشاد کے بموجب میت کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

نعرۂ رسالت اور نعرۂ غوثیت کا شرعی حکم

مستفتی: عبدالرزاق، مقام دیال پور، ضلع چھپرا

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسئلۂ ذیل میں کہ:

نعرۂ رسالت اور نعرۂ غوثیت بلند کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر کسی شخص نے نعرۂ رسالت اور نعرۂ غوثیت بلند کرنے والے کو کافر کہہ دیا تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا.

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

نعرۂ رسالت یعنی یارسول اللہ کہنا اور نعرۂ غوثیت یعنی یا غوث کہنا، اس میں کوئی حرج نہیں، بلاشبہہ جائز بلکہ باعثِ ہزار خیر و برکت ہے۔ انبیا علیہم السلام اور اولیاے کرام مقربانِ بارگاہِ الٰہی سے استعانت اور طلب نصرت نیز بوقت مشکلات و صعوبات ان کو پکارنا اہل سنت کے نزدیک بلاشبہہ جائز و معمول بہ رہا ہے اور اس کا ثبوت صدہا احادیثِ صحیحہ اور اقوال و افعالِ صحابہ و تابعین و تبع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں موجود ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو یہ تعلیم فرمائی کہ اپنی حاجتوں کے لیے مجھے پکارو اور نعرۂ رسالت لگاؤ۔ چناں چہ نسائی شریف، ابنِ ماجہ شریف، و ترمذی شریف وغیرہ کتبِ صحاح میں براویت عثمان ابن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حدیث موجود ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک نابینا صحابی کو ایک دعا تعلیم فرمائی۔ اس میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ:

"یا محمد انی اتوجہ بك الی ربی فی حاجتی ھذہٖ لتقضی لی اللھم فشفعہ فِیَّ"[۲] یعنی یارسول اللہ میں حضور کو وسیلہ بنا کر اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں تاکہ میری حاجت روا ہو، الٰہی انھیں میرا شفیع کر، ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

---

(۱) ابو نعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء و طبقات الأصفیا، ج:٦، ص:٢٦٦، دار الفکر، بیروت، لبنان

(۲) محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع الترمذی، ابواب الدعوات، جلد:۲ ص:۱۹۷، مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارك پور.

اس حدیث میں صاف صاف حاجت کے وقت رسول اللہ ﷺ کو ندا بھی ہے اور حضور اقدس ﷺ سے استعانت والتجا بھی۔ یہ دعا حضور اقدس ﷺ کے وقت سے برابر صحابۂ کرام، تابعین عظام اور اولیاے فخام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہر دور میں اپنے متوسلین کو تعلیم فرماتے رہے۔ چنانچہ خود راوی حدیث عثمان ابن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایک حاجت مند کو یہ دعا تعلیم فرمائی اور اور ان کی حاجت پوری ہوگئی۔ جیسا کہ معجم کبیر طبرانی [(۱)] میں یہ حدیث موجود ہے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے جو اکثر کتب حدیث میں موجود ہے کہ جب کوئی شخص جنگل میں راستہ بھول گیا ہو تو "یا عباد اللہ اعینونی" [(۲)] کہ کر پکارے تو رجال الغیب اس کی امداد کرتے ہیں۔

اس حدیث میں بھی اولیاء اللہ کے نام کا نعرہ لگانے اور پکارنے کا حکم دیا گیا ہے اور مشائخ کرام کا ہمیشہ سے اس پر عمل بھی ہے۔ چنانچہ امام ابوالحسن نورالدین علی ابن جریر لخمی شطنوفی بهجة الاسرار شریف میں اور حضرت ملا علی قاری اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم صلوٰۃ الاسرار کی روایت حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کرتے ہیں [(۳)]۔ اس میں مذکور ہے کہ دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد گیارہ بار یہ کہے،" یا رسول اللہ یا نبی اللہ اغثنی و امددنی الخ" پھر عراق کی جانب گیارہ قدم چلے اور کہے "یا غوث الثقلین الخ" [(٤)]۔

یہ سب نعرۂ رسالت و نعرۂ غوثیت نہیں تو اور کیا ہے۔

فتاویٰ خیریہ میں ہے:

"قولهم یا شیخ عبد القادر الجیلانی نداء فما الموجب لحرمته"

یعنی یا شیخ عبد القادر جیلانی کہنا ایک ندا ہے۔ تو اس کی حرمت کا کیا سبب ہے۔ الغرض انبیاے کرام اور اولیاے عظام کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ جانتے ہوئے اور یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ بغیر حکم الٰہی ذرہ نہیں ہل سکتا اور بغیر خداوند قدوس کی عطا کے ایک حبہ نہیں مل سکتا، اگر کوئی شخص یا رسول اللہ، یا غوث، یا علی کا نعرہ لگائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور بے شک سب مسلمانوں کا یہی اعتقاد ہے، اس کے خلاف ان پر گمان کرنا نری بدگمانی حرام ہے۔ وہابیہ خذلهم الله تعالیٰ کا اہل سنت و جماعت پر افترا ہے کہ اہل سنت انبیاے کرام کو متصرف بالذات سمجھ کر مدد طلب کرتے ہیں لا حول ولا قوة الا باللہ.

---

(۱) امام سلیمان بن احمد طبرانی، المعجم الکبیر للطبرانی، جلد: ۹ ص: ۱۷ مکتبہ فیصلیہ بیروت

(۲) امام سلیمان بن احمد طبرانی، المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: ۲۹۰، جلد: ۱۰ ص: ۱۱۸ مکتبہ فیصلیہ بیروت

(۳) اس روایت کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "زبدۃ الآثار" میں اور حضرت ملا علی قاری نے "نزہۃ الخاطر" میں نقل فرمایا ہے۔ (مرتب)

(٤) امام ابو الحسن نور الدین شطنوفی. بهجة الأسرار، ص: ۱۰۲

نعرۂ غوثیت لگانے والے کو اور نعرۂ رسالت لگانے والے کو جو شخص کافر کہتا ہے وہ سخت جاہل بے لگام ہے، اس پر خود کفر عائد ہوتا ہے کہ وہ ایک مسلمان کو کافر کہتا ہے اس پر توبہ فرض ہے۔ یہ شخص غالی وہابی ہے، وہابیوں سے بھی بڑھ کر دریدہ دہن ہے۔ اس بدنصیب نے اپنی بے باکی سے لاکھوں کروڑوں اعیانِ دین، صحابۂ کرام، تابعین عظام، مشائخ اور مومنین کو کافر کہہ دیا، حد ہو گئی کہ وہابیوں کے طاغوتِ اعظم مولوی رشید احمد نے بھی فتاویٰ رشیدیہ میں "یا شیخ عبد القادر الجیلانی شیئاً للّٰہ" پڑھنے کو جائز بتایا ہے اور مولوی قاسم صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند نے خود نعرۂ رسالت لگایا۔ چنانچہ قصائدِ قاسمیہ میں ہے:

جو انبیا ہیں وہ آگے تیرے نبی   کرے ہیں امتی ہونے کا یا نبی اقرار
کروڑوں جرموں کے آگے یہ نام کا اسلام   کرے گا یا نبی اللہ کیا یہ میری پکار

مگر اس بدلگام جاہل نے اس کو کفر بتا کر تمام امت کی تکفیر کر دی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ منه .

فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۱ / ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ

وعظ اور واعظین کے استہزا کا حکم

مسئلہ آمدہ از: گھوسی، ضلع اعظم گڑھ، مستفتی: وصی احمد

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

مذہبی جلسہ جس میں احکامِ شرعیہ و فضائلِ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا بیان شروع سے اخیر تک ہوا اور متعدد عالموں نے تھوڑا زیادہ وعظ کہا، پھر ان مقررین کو خواہ سب کو یا بعض کو نام۔ لے کر یا بے نام کے مذاق کے طور پر یا بغیر اس کے زید نے یہ کہا کہ ان کو بواسیر فمی و ہیضہ ذہنی ہو جاتا ہے۔ اب پہلے ہی سے وعظ کا پروگرام مرتب کر لینا چاہیے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ قول عند الشرع کیا حکم رکھتا ہے اور قائل پر حکمِ شرعی کیا ہوگا؟ قائل کے لیے تجدیدِ نکاح کی ضرورت ہوگی کہ نہیں۔ بینوا توجروا.

الجواب

مذہبی جلسہ جس میں صرف احکامِ شرعیہ اور فضائلِ سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین بیان ہوئے، اس جلسہ کا پورا بیان علمِ دین ہی ہے۔ ان مقررین کی شان میں الفاظ مذکورہ فی السوال کا استعمال حرام اور اشد حرام ہے اور ان مقررین اور ان کے وعظ و تقریر (علمِ دین) کا تمسخر و استہزا ہے۔ یہ دونوں لفظ استہزا و مذاق میں صریح ہیں اور لفظ صریح کے استعمال میں نیت کا ہرگز اعتبار نہیں، لہٰذا مذاق مقصود ہو یا نہ ہو، بہر حال مذاق ثابت ہے۔ دونوں لفظوں سے مقررین اور ان کے وعظ کی توہین ہوئی۔ فرق اتنا ہے کہ دونوں لفظ مقررین کی توہین میں عبارت النص ہیں اور ان

کے وعظ وتقریر کی توہین میں اشارۃ النص ہیں۔ یا یہ فرق کہ مقررین کی توہین پر مطابقۃ دلالت کرتے ہیں اور وعظ وتقریر کی توہین پر التزاما۔ مگر دونوں کی توہین ان الفاظ کا مدلول ہے۔ علماے دین کی توہین کو ائمۂ دین نے کفر لکھا ہے۔

مجمع الانہر میں ہے:

والاستخفاف بالاشراف والعلماء كفر.(۱)

دین کو داستان بتانا، علما کے وعظ کو ہوا کہنا بھی کفر فرمایا ہے۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

جاہلؒ قال آنہا کہ علم می آموزند داستانہاست کہ می آموزند او قال باداست آں چہ می گویند۔ او قال تزویر است۔ او قال من علم حیلہ را منکرم۔ هذا كله كفر كذا فی المحيط۔(۲)

منہ کی بواسیر اور ہیضہ کہنا تو ہوا اور داستان کہنے سے بڑھ کر ہے۔ اگرچہ زید نے یہ الفاظ انھیں مقررین کے لیے استعمال کیے ہیں جنھوں نے اپنی تقریر کو معیار سے زیادہ دراز کیا ہے، اسی لیے کہا: اب پہلے ہی سے وعظ کا پروگرام مرتب کرلینا چاہیے۔ مقصد یہ ہے کہ پہلے کی طرح تقریر معیار سے زیادہ دراز نہ ہو۔ لیکن مقررین کی تقریر کا وہ حصہ جو دراز کیا گیا ہے وہ بھی احکامِ شرعیہ اور فضائل پر ہی مشتمل ہے، اس لیے اس کی اہانت بھی علم دین کی اہانت ہے، لہٰذا زید پر توبہ فرض ہے احتیاطاً تجدیدِ نکاح بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

علماے دین کا مذاق اڑانا

مسئلہ آمدہ: از گھوسی، مرسلہ جناب مولانا شریف الحق صاحب، ۲ر شوال المکرم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

زید ایک مجمع کے ساتھ عمرو کے مکان پر پہنچا۔ عمرو نے ان لوگوں کو بیٹھایا اور آنے کا سبب دریافت کیا۔ مجمع کے ایک شخص نے جواب دیا کہ مسئلہ دریافت کرنا ہے۔ عمرو نے اجازت دی تو زید نے سوال کیا، اس کے بعد عمرو نے کتاب دیکھ کر اس کا جواب دیا۔ زید نے کہا کہ مولانا یہ دوسری بات ہوئی، سوال یہ نہیں ہے۔ زید ہنسنے لگا اور دوبارہ پھر سوال کیا۔ عمرو نے کہا میں اسی کا جواب دے رہا ہوں، پوری بات سنیے اور غور کیجیے۔ زید نے ہنستے ہوئے کہا، اچھا سنائیے۔ عمرو نے عبارت پڑھی اور اس کا ترجمہ کرکے سنایا۔ زید نے کہا، اس سے کیا ہوا۔ زید کے ہنسنے اور اس کے طرز

---

(۱) محمد بن سلیمان کلیوبی، مجمع الانہر، کتاب السیر والجهاد، ج:۲، ص:۳۳٤، مکتبہ دار التراث العربی، قاهره، مصر

(۲) فتاویٰ عالمگیری، ج:۲، ص:۲۹۱، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، اشاعت ١٤٢١ھ/ ۲۰۰۰ء

کلام سے استہزا کا ظہور ہونے لگا۔ اب عمرو کو کھٹک پیدا ہوئی کہ کیا بات ہے، شاید یہ سمجھنا نہیں چاہتے بلکہ مذاق کرنا چاہتے ہیں، لیکن عمرو نے سنبھل کر بتایا کہ آپ کے سوال میں جو اعتراض کا پہلو ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص دوسری جگہ سے آیا ہے اگرچہ اس نے رمضان کا چاند دیکھا نہیں بلکہ دوسروں سے سن کر ایک روز پہلے سے روزہ رکھتا ہے۔ اگر رویت کا ثبوت اور عید یہاں کی تیس کے حساب سے ہوئی تو اس کے ۳۱/ روزے ہو جائیں گے۔ اور اکتیسواں دن اس کے حساب سے عید کا دن ہے اور عید کے دن روزہ رکھنا منع ہے، تو میں نے جو عبارت پڑھی ہے اس میں اسی کا جواب ہے کہ ایسی صورت میں اس کو اکتیسویں دن جو اس کے حساب سے عید کا دن ہے اس میں روزہ رکھنا منع نہیں ہے۔ رہا یہ کہ اس صورت میں اکتیس روزے ہو جائیں گے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ چناں چہ اس کا ثبوت دوسری عبارت سے مل سکتا ہے۔ عمرو نے وہ عبارت پڑھی، معاً زید نے کہا کہ میری طرف بار بار سر اٹھا کر کیا دیکھتے ہیں پڑھ کر بتائیے، یہ کہا اور مجمع کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔ عمرو کو یقین ہو گیا کہ اس کا مقصود صرف مذاق ہے۔ لہٰذا اس کو خوف ہوا کہ کہیں استہزا بالعلم کے بارِ گناہ سے خود نہ دب جائے۔ کتاب بند کر دی اور کہا، معاف کیجیے آپ کا مقصد مسئلہ دریافت کرنا نہیں بلکہ مذاق کرنا ہے۔ زید نے کہا، یہ خیال غلط ہے۔ مجمع کے ایک آدمی نے زید سے خطاب کرتے ہوئے کہا تو پھر آپ بار بار ہنستے کیوں ہیں؟ آپ کے طرزِ کلام سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ صرف مذاق مقصود ہے۔ زید نے عمرو سے کہا، آپ کو بتانا ہوگا، ہم مذاق کرنے نہیں آئے ہیں۔ عمرو نے کہا، نااہل کو علم سکھانا خنزیر کے گلے میں جواہر کا ہار ڈالنا ہے۔

تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً عمرو کا یہ قول کیسا ہے؟ اور زید کا مذکورہ بالا طریق پر سوال کرنا عندالشرع کیسا ہے۔ ان دونوں پر شریعت کیا حکم لگاتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مسائلِ شرعیہ اللہ عزوجل کے احکام ہیں اور اس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین ہیں کہ حقیقۃً وہ بھی احکامِ الٰہی ہیں۔

ارشادِ باری ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ (۱)

وہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے، وہ جو فرماتے ہیں وحیِ الٰہی ہے۔

اس لیے ارشاد فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ۔ (۲)

جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس

(۱) قرآن مجید، سورۃ النجم (۵۳)، آیت: ۳-۴

(۲) قرآن مجید، سورۃ النسا (۴)، آیت: ۸۰

نے اللہ عزوجل کی اطاعت کی۔

علماے دین انھیں احکامِ الٰہی کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اس لیے نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

العلماء ورثة الانبياء.[۱] علماے دین انبیا علیہم السلام کے وارث و نائب ہیں۔

اور ارشاد فرمایا:

علماء امتی کانبياء بنی اسرائیل.[۲] میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیا کے مثل ہیں۔

اس لیے ارشادِ خداوندی ہے:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔[۳] اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔

اولی الامر میں علما بھی شامل ہیں۔

اسی آیت کے تحت تفسیرِ احمدی شریف میں ہے:

والحق إن المرادبه كل أولى الحكم اماما كان أو أميرا، سلطاناً كان أو حاكما، عالما كان أو مجتهداً، قاضياً كان أو مفتياً.[٤] یعنی اگرچہ اولی الامر کی تفسیر میں اقوال مختلف ہیں مگر حق یہ ہے کہ مراد اس سے ہر صاحبِ حکم ہے، امام ہو یا امیر، بادشاہ ہو یا حاکم، عالم ہو یا مجتہد، قاضی ہو یا مفتی۔

آیتِ پاک اور احادیثِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ علماے دین نائب رسول ہیں، ان کی اطاعت واجب ہے۔ علماے دین جب کہ نائبِ رسول ہیں اور اللہ عزوجل نے ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے تو اس کو لازم ہے کہ علما کا ادب و احترام، ان کی تعظیم و توقیر ضروری قرار دی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ علما کو رسول کا نائب بنایا جائے اور ان کی اطاعت واجب کی جائے اور ان کی تعظیم و توقیر کا حکم نہ دیا جائے۔ اس لیے علماے دین کا تمسخر واستہزا بہ حیثیت علمِ دین کے کفر ہے۔

مجمع الانہر میں ہے:

والإستخفاف بالأشراف والعلماء كفر.[٥] بادشاہِ اسلام، قاضی وغیرہ اور علماے دین کا استہزا کفر ہے۔ العیاذ باللہ۔

---

(۱) كشف الخفاء للعجلونی، ج:۲، ص:۸۳، مکتبہ دار التراث، قاہرہ، مصر،

(۲) ایضاً

(۳) قرآن مجید، سورۃ النسا(٤)، آیت:۵۹

(٤) شیخ احمد معروف بہ ملا جیون، جون پوری، تفسیرات احمدیہ، ص:۱۹۳

(۵) محمد سلیمان کلیوبی، مجمع الانہر، کتاب السیر والجهاد، ج:۲، ص:۳۳٤، مکتبہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

مجلسِ علم میں زید کا ہنسنا سخت بے ادبی ہے اور عمرو کے سمجھانے اور یہ کہنے پر کہ پوری بات سنیے، پھر زید کا ہنسنا اور ہنستے ہوئے کہنا اچھا سنائیے، یہ مزید بے ادبی ہے۔ پھر مسئلہ سمجھانے اور کتاب کی عبارت سنانے پر زید کا عمرو عالمِ دین سے یہ کہنا کہ میری طرف بار بار سر اٹھا کر کیا دیکھتے ہیں، پڑھ کر بتائیے، اور یہ کہ کر مجمع کی طرف دیکھ کر ہنسنا ضرور تمسخر اور مذاق کرنا ہے، جس کا احساس ہجوم کے بعض اشخاص نے کیا اور زید سے کہ دیا کہ آپ کے طرزِ کلام سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ صرف مذاق مقصود ہے۔ ایسی حالت میں عمرو کا کتاب بند کر دینا اور زید کو جواب نہ دینا بالکل حق بہ جانب ہے، کیوں کہ سائل کے مذاق اور استہزا کا احساس کرتے ہوئے مسئلہ کا جواب دینا اس کے مذاق میں شریک ہونا ہے اور مجیب کو بھی اسی جرم کا مرتکب بننا ہے جس جرم کا مرتکب سائل ہے۔

عالم گیری میں ہے:

رجل يجلس على مكان مرتفع ويسئلون منه مسائل بطريق الإستهزاء ثم يضربونه بالوسائد وهم يضحكون يكفرون جميعا و كذا لولم يجلس على المكان المرتفع.(۱)

ایک شخص اونچی جگہ پر بیٹھا ہے، لوگ اس سے بہ طریق استہزا مسائل دریافت کر رہے ہیں اور اس کو تکیہ سے مار رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں، ایسی صورت میں سب کے سب کافر ہیں۔ اگر اونچی جگہ نہ بیٹھا ہو تب بھی یہی حکم ہے۔ انتہی۔

خدانخواستہ اگر عمرو بھی زید کی طرح ہنس ہنس کر جواب دیتا رہتا اور مجمع بھی زید کی طرح تمسخر میں شریک ہو جاتا تو عالمگیری کا پورا جزئیہ زید و عمرو کے ساتھ مجمع پر صادق آتا۔ العیاذ باللہ۔ اس لیے عمرو نے احتیاط برتی اور کتاب بند کر دی اور مسئلہ کا جواب دینے سے سکوت کیا۔ جب کہ زید کی بار بار کی ہنسی اور طرزِ کلام وغیرہ سے ثابت ہے کہ زید نے استہزا کیا اور اس کا مقصد مذاق تھا، جیسا کہ مجمع کے بعض اشخاص نے زید سے کہ بھی دیا تو ایسی صورت میں زید کا یہ قول کہ ہم مذاق کرنے نہیں آئے ہیں، غلط ہے مسئلۂ شرعی دریافت کرنے میں عالمِ دین کا مذاق اور تمسخر کرنے والا یقیناً نااہل ہے۔ عمرو کا یہ قول کہ نااہل کو علم دینا ماننا خنزیر کے گلے میں جواہر کا ہار ڈالنا ہے۔ یہ اس حدیث کا ترجمہ ہے جو ابن ماجہ اور مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہے اور زید نے اپنے قول و فعل سے اسی مجلس میں اپنے کو نااہل ثابت کر دیا اور باوجود اس کے عمرو سے مطالبہ کیا اور کہا کہ آپ کو بتانا ہوگا، اس لیے عمرو نے اپنے سکوت کی دلیل میں یہ حدیث پیش کی، اگرچہ اس موقع پر اس حدیث کے پیش کرنے سے عمرو کا غضب و غصہ ظاہر ہوتا ہے، لیکن شرعی قباحت دیکھ کر غضب کرنا مقتضائے ایمان ہے، عالمِ دین کی یہی شان ہے۔

نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم باوجودے کہ رحمۃ للعالمین ہیں مگر شرعی قباحت دیکھ کر اتنا غضب فرماتے تھے کہ

---

(۱) فتاویٰ عالم گیری، ج:۲، ص:۲۹۱، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، سنِ اشاعت: ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء

آثارِ غضب چہرۂ انور سے آشکارا ہوتے تھے۔ اس قسم کے واقعات احادیثِ کریمہ میں بہ کثرت آئے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صحیح بخاری شریف کتاب العلم میں باب مقرر کیا ہے "باب الغضب فی الموعظة و التعليم اذا رایٔ ما یکرہ" یعنی یہ باب وعظ اور تعلیم میں غضب کرنے کے بارے میں ہے، جب کہ واعظ اور عالم مکروہ چیز دیکھے۔ اس باب میں تین حدیثیں ذکر کی ہیں۔ بہ قدرِ ضرورت نقل کرتا ہوں۔

پہلی حدیث میں ہے:

فما رأيت النبي صلى الله عليه وسلم فی موعظة اشدَّ غضباً من يومئذ.[۱]

راوی حدیث فرماتے ہیں کہ میں نے کسی وعظ میں حضور ﷺ کو اس روز سے زیادہ غضب فرماتے ہوئے نہ دیکھا۔

دوسری حدیث میں ہے:

فغضب حتیٰ أحمرّت و جنتاه.[۲]

پس حضور نے غضب فرمایا، یہاں تک کہ آپ کے رخسارِ مبارک سرخ ہو گئے۔

تیسری حدیث میں ہے:

فلما رأي عمر ما في وجهه قال يا رسول الله: إنا نتوب إلى الله عز و جل.

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کے چہرۂ انور میں آثار غضب دیکھے تو عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم اللہ عزوجل سے توبہ کرتے ہیں۔

تینوں حدیثوں سے ثابت ہے کہ وعظ فرماتے ہوئے اور تعلیم دیتے ہوئے جب حضور کوئی مکروہ چیز دیکھتے تو اتنا غضب فرماتے کہ آثار جلال چہرۂ انور سے ظاہر ہوتے اور حضرت عمر جیسے اَجِلَّۂ صحابہ لرزتے اور توبہ کرتے تھے۔ ان احادیث کریمہ سے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ مسئلہ ثابت کیا کہ واعظ اور عالم جب وعظ اور تعلیم میں کوئی قبیح چیز دیکھے تو اسے غضب کرنے کا حق ہے اور ایسے موقع پر غضب کرنا بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سنت ہے۔ لہٰذا زید کے استہزا کو دیکھ کر عمرو کا غضب کرنا حق ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مستفسرہ میں عمرو حق بہ جانب ہے، عالمِ دین اور محتاط عالم ہے۔ زید خطاکار ہے اور زید کو اپنے اس طرز و طریق سے توبہ لازم ہے۔ و هو تعالیٰ اعلم.

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح: شمس الحق عفی عنہ، مدرس مدرسہ اشرفیہ مبارک پور

---

(۱) محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح البخاری، جلد اول، کتاب العلم، باب الغضب فی الموعظة والتعلیم، ص: ۱۹، مجلس البرکات، الجامعة الاشرفیه، مبارک پور

(۲) محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح البخاری، جلد اول، کتاب العلم، باب الغضب فی الموعظة والتعلیم، ص: ۲۰، مجلس البرکات، الجامعة الاشرفیه، مبارک پور

سالگرہ کا شرعی طریقہ

از: محمد سمیع اللہ، کلکتہ، ۲۱ر ستمبر ۱۹۵۳ء

مسئلہ محترم حضرت مولانا حافظ عبد العزیز صاحب۔ گزارش ہے کہ ایک رسم کے متعلق جاننا چاہتا ہوں کہ یہ رسم کہاں تک جائز ہے اور اس کی ادائیگی کی کون سی صورت ہے؟

سالگرہ کی تقریب بلا تفریق مذہب وملت جس کا جی چاہے مناتا ہے، شرعی طور پر اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے۔ میری ایک بچی ہے جو گزشتہ ہفتہ ۳ر اکتوبر ۱۹۵۲ء جمعہ کی صبح کو پیدا ہوئی ہے، تو یہ پہلی بچی ہے، اس کے پہلے کوئی بچہ نہیں ہے اور نہ بچی ہے۔ میرے خاندان میں یہ رسم کسی نے نہیں منائی، لیکن میری خواہش ہے کہ مناؤں، لہذا میں چاہتا ہوں کہ اس کی صورت شرعی ہو۔ آپ سے گزارش ہے کہ صحیح جواب سے مستفیض فرمائیں۔

الجواب

انسان کی عمر بہت بڑی دولت اور جلیل القدر نعمت ہے۔ سال کیا، مہینہ اور ہفتہ بلکہ ایک ایک دن بیش بہا اور گراں مایہ دولت ہے۔ سال گزرنے پر اس جلیل القدر نعمت کے شکریہ میں کوئی تقریب جو شرعاً جائز ہو کر سکتے ہیں۔

ادائے شکر کی نیت سے محفل میلاد شریف منعقد کرنا مستحب اور باعث ثواب ہے تو اب مجلس میلاد شریف سے سال گرہ کی تقریب منائیں اور اس طرح اپنے رب جلیل کا شکریہ ادا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

"یا شیخ عبد القادر" وظیفہ کا حکم

مستفتی: محمد عظیم اللہ، موضع بارا، ضلع غازی پور

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

اگر کوئی شخص مسلمان اپنا وظیفہ "یا شیخ عبد القادر الجیلانی شیئاً للّٰہ" کرے تو از روے اسلام صحیح ہے یا نہیں، کیوں کہ للہ کے اندر لام کا معنی "لیے" کے آتا ہے۔ گویا ترجمہ اس کا یہ ہوا کہ "یا شیخ عبد القادر جیلانی کچھ دیجیے اللہ کے لیے۔" معلوم ہوا کہ اللہ کو سفارشی قرار دے کر مخلوق سے کچھ مانگا جارہا ہے۔ اور یہ صحیح نہیں ہے کہ خالق کی سفارش مخلوق کے سامنے پیش کی جائے۔ بینوا توجروا.

الجواب

اگر کوئی شخص "یا شیخ عبد القادر الجیلانی شیئاً للّٰہ" پڑھے تو شرعاً یہ وظیفہ درست ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے شیخ عبد القادر جیلانی محض اللہ کی رضا اور خوش نودی کے لیے کچھ عنایت فرمائیے۔ حضرت شاہ

ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں قضائے حاجت کے لیے ایک ختم کی ترکیب یوں نقل فرماتے ہیں:

"اول دو رکعت نفل بعد ازاں یک صد یازدہ بار درود و بعد ازاں یک صد یازدہ بار کلمۂ تمجید و یک صد یازدہ بار شیئاً للہ عبد القادر جیلانی بخواند۔"

سائل کا للہ کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کے سفارشی ہونے کا مطالب نکالنا غلط ہے۔ (لام) اختصاص کے لیے آتا ہے۔ یہاں للہ کا مطلب مختصاً لرضاء اللہ ہے۔ اس معنی کی تائید مشکوٰۃ شریف کی ایک مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

"من أحب لله و أبغض لله و أعطى لله و منع لله فقد استكمل الإيمان."(۱)	جس نے صرف اللہ کے لیے محبت کی کسی سے اور اللہ کے لیے دشمنی کی اور کسی کو صرف اللہ کے لیے کچھ دیا اور کسی سے اللہ کے لیے روکا تو اس نے اپنے ایمان کو کامل بنا لیا۔

دیکھیے اس بات کی تصریح ہے کہ صرف اللہ کے لیے کسی کو کچھ دینا تکمیل ایمان کا ذریعہ ہے۔ اس کی صورت یہی ہے کہ یہ داد و دہش صرف مالک حقیقی کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہو۔ کیا مستفتی اس حدیث پاک میں اپنے طریقۂ استدلال سے یہ بات ثابت کرے گا کہ اس میں خالق کو مخلوق کا سفارشی قرار دیا گیا ہے۔ اور جب یہاں یہ معنی نہیں تو وظیفہ مذکور فی السوال میں بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

میت پر میلاد پڑھنے اور پھول چڑھانے کا حکم

مستفتی: محمد حنیف درزی، ضلع مان بھوم، پوسٹ جھالدہ، درزی محلہ

مسئلہ عرض یہ ہے کہ مندرجہ مسئلہ میں جواب باصواب دے کر ممنون فرمائیں۔

جھالدہ میں اکثر لوگوں کے یہاں دستور ہے کہ میت کے سامنے ثواب کے لیے میلاد شریف پڑھتے ہیں، لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں اور اگر ناجائز ہے تو کیوں، اس کا جواب مع سند جلد روانہ فرمائیں تاکہ ہم لوگوں کو اطمینان ہو، ورنہ عجب نہیں کہ یہاں نزاع ہو جائے، نیز کسی صاحب نے اس طریقے سے میلاد کو بدعت بتایا ہے اور کسی صاحب نے کہا ہے کہ کوئی حرج نہیں۔

جنازہ کے روبرو پھول چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب اہل سنت و جماعت کے مطابق ہونا چاہیے۔

---

(۱) محمد بن عبد الله خطيب تبريزي، مشكوٰة المصابيح، كتاب الإيمان، ص: ١٤، مجلس بركات، الجامعة الاشرفيه، مبارك پور.

الجواب

١ میلاد شریف مستحب اور باعث اجر و ثواب و سبب خوشنودی خدا اور سول ہے، کیوں کہ میلاد شریف محبوب اکرم محمد رسول اللہ ﷺ کا مخصوص ذکر ہے اور حضور کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے انتہائی رفعت و بلندی بخشی ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔[1] اے محبوب! ہم نے آپ کے ذکر کو آپ کے لیے بلند فرمایا۔

اس آیت کی تفسیر شفا شریف میں یہ ہے:

جعلتك ذكرا من ذكري فمن ذكرك ذكرني۔[2] اے محبوب! میں نے آپ کو اپنا ذکر کر دیا، تو جس نے آپ کا ذکر کیا، اس نے میرا ذکر کیا۔

جب حضور ﷺ کے ذکر کی اتنی بلندی ہے کہ آپ کا ذکر اللہ کا ذکر ہے اور میلاد شریف حضور کا ذکر ہے۔ لہذا میلاد شریف باعث ثواب اور خدا کی خوش نودی کا سبب ہے، اسی لیے مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، بیت المقدس وغیرہ تمام اسلامی شہروں میں ہمیشہ سے مسلمانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ ہر خوشی اور غمی میں محفل میلاد شریف منعقد کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو میلاد مبارک سے برکت حاصل کرنی چاہیے اور اپنے مردوں کو اس کا ثواب پہنچانا چاہیے، مگر مردہ کو غسل و کفن دے کر میلاد شریف پڑھیں، اگر محض میلاد شریف کی وجہ سے دفن میں تاخیر ہوتی ہے تو اس وقت نہ پڑھیں کیوں کہ دفن میں جلدی کرنے کا حکم ہے۔

حدیث میں ہے:

إذا مات أحدكم فلا تحبسوه واسرعوا به إلى قبره.[3]

لہٰذا ایسی صورت میں دفن کے بعد جس وقت مناسب سمجھیں میلاد شریف پڑھیں اور اس کا ثواب میت کو بخشیں۔ اللہ عزوجل سے امید ہے کہ اس ذکر پاک کے صدقے میں اس پر اپنا فضل فرمائے گا۔

جنازہ پر پھول خوشبو کی غرض سے رکھنے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ شریعت مطہرہ نے میت کے لیے ہر قسم کی خوشبو استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

---

(١) قرآن مجید، سورۃ الانشراح، آیت: ٤

(٢) قاضی عیاض یحصبی، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، ج:١، ص:٢٠، مرکز اہل سنت، برکاتِ رضا، پور بندر، گجرات

(٣) امام سلیمان بن احمد طبرانی، المعجم الکبیر للطبرانی، ج:١٢، ص:٤٤٤، مکتبہ فیصلیہ، بیروت

و یوضع الحنوط فی راسه ولحیته و سائر جسده کذا فی المحیط ولا باس بسائر الطیب غیر الزعفران والورس فی حق الرجل.(۱)

میت کے سر اور داڑھی اور تمام جسم میں حنوط (ایک خاص قسم کی خوشبو ہے) لگائی جائے اور جس قسم کی خوشبو چاہیں استعمال کریں، کوئی مضائقہ نہیں، مگر مردے کے لیے زعفران اور ورس نہ استعمال کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم

عبدالعزیز

صدر مدرس مدرسہ اہل سنت مصباح العلوم

قصبہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ

والدہ کی گستاخی کا حکم

مسئلہ آمدہ از: گھوسی، محلہ بڑے گاؤں، ۲۰ شوال ۱۳۶۸ھ، سائل: عبدالرشید اعظمی

مسئلہ ایک شخص نے جو مولوی ہے اور بہت حد تک پابندِ صوم و صلاۃ بھی ہے اپنی سگی بیوہ والدہ کو بلا قصور شرعی گالیاں دی ہیں اور گھر میں سے نکال دیا ہے، علاوہ ازیں اپنے بڑے بھائی کو جو ایک سنجیدہ مزاج عالم دین ہیں، بلا قصور شرعی چھری سے حملہ کر کے مضروب کیا ہے تو کیا ایسا شخص فاسق و فاجر قرار دیا جائے گا یا نہیں اور کیا ایسا شخص شرعاً شاہد عادل نیز امام بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

ماں باپ کا احترام فرض ہے، ان کو ایذا دینا گناہ ہے۔

قال تعالیٰ:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا۔(۲) تم ان کو اف بھی مت کہو، نہ ان کو جھڑکو۔

تو اس کے خلاف کرنے والا شاہد عادل کیسے ہوگا۔

یہ تو اس سوال کا جواب ہوا، مگر اس فتوے سے صحیح فائدہ حاصل کرنے کے لیے یہ صورت ٹھیک ہوگی کہ مستفتی مسئول عنہ مولوی کی والدہ سے دریافت کرائے کہ کیا واقعی اس کے لڑکے نے ایسا ہی کیا ہے۔ اس کے ثبوت کے بعد

---

(۱) فتاویٰ عالم گیری، ج:۱، ص:۱۷۷، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، سنِ اشاعت:۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء

(۲) قرآن مجید، سورہ بنی اسرائیل، آیت:۲۳

مذکورہ بالا حکم لگائے۔ اس لیے کہ اس قسم کی شہرت مستفتی کے قریب محلہ میں ایک مولوی کے متعلق ہوئی تھی، میں نے خود اس کی والدہ سے معلوم کیا تو انھوں نے کہا کہ نہ تو انھوں نے مجھے گھر سے نکالا اور نہ گالیاں دیں، ہاں ان کی اہلیہ سے بنتی نہ تھی لہذا میں دوسری جگہ منتقل ہوگئی۔ اگر اسی واقعہ کے متعلق سائل کا سوال ہے تو یہ کسی قدر تحقیق طلب بات ہے۔

قال تعالیٰ:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْماً بِجَهَالَةٍ۔ (۱)

ایسا ہی اس نے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ بدسلوکی کی ہے اگر اس نے بازگشت (یعنی پلٹ کر حملہ نہیں کیا۔ م) اختیار نہیں کیا تو مطعون ہے اور اگر اس نے معافی مانگ لی اور اس کے بڑے بھائی نے معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس پر اس بارے میں کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شریعت کے مقابلے میں پنچایتی فیصلوں کا حکم

سائل: محمد یٰسین ولد محمد سمیع اللہ، محلہ آغا گنج، نمبر مکان ۲۸/۷۹ شہر بنارس

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس صورت میں کہ:

زید مع اپنی بیوی بچوں کے بمبئی رہتا تھا اور میل میں کام کرتا تھا۔ اتفاق سے ریل کا واپسی ٹکٹ اور رضا لے کر مع بیوی بچوں کے بنارس آیا گھر والوں سے ملنے کے لیے۔ بنارس آنے پر بچے کو چیچک نکل آئی۔ اچھے ہونے کے انتظار میں رضا ختم ہوگئی۔ زید کو دونوں کو چھوڑ کر بمبئی جانا پڑا۔ جاتے وقت بیوی نے کہا کہ ہماری بالی سونے کی جو ٹوٹی ہوئی ہے اس غرض سے بمبئی لے جانا چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا زیور بنوا کر پہنیں مگر تم جا رہے ہو، معلوم نہیں ہم کو کب اور کس کے ساتھ آنا پڑے، اس لیے اس کو اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔ زید بیوی کے کہنے کے مطابق بالیوں کو لے کر بمبئی چلا گیا اور اس کو بڑی حفاظت سے ایک چھوٹے بکس میں رکھ کر اس بکس کو ایک بڑے بکس میں تالہ بند کر کے رکھتا تھا اور کمرے میں بھی قفل لگا کر کام کرنے یا اور کام سے آتا جاتا رہتا تھا۔ قریبؔ ایک ماہ لے جانے کے بعد زید ایک روز میل سے آیا تو دیکھا، دروازہ کا قفل ٹوٹا ہوا ہے، دروازہ بند ہے، اندر گیا تو معلوم ہوا کہ بڑے بکس کو بھی کسی ذریعے سے کھول کر وہ چھوٹا بکس، جس میں بالیاں، زید کا نقد ۳۰/ روپیہ، ایک چاندی کا بٹن اور کچھ سامان تاگہ وغیرہ مع بکس غائب ہے۔ زید نے فوراً پولیس میں رپٹ کیا۔ پولیس آئی مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ جب زید کی بیوی بمبئی گئی اور کچھ دنوں کے بعد پھر آئی، اس درمیان میں اس کو چوری ہونے کا حال معلوم ہوگیا۔ زید جس کمرے میں رہتا تھا، اس کے بغل میں ایک آدمی رہتا تھا، یہ اسی کا کام تھا۔ اس کی عورت کے ذریعہ سب حال دوسرے، تیسرے کو معلوم ہوا، کچھ دن بعد اس سے اور یقین قوی

(۱) قرآن مجید، سورۃ الحجرات، آیت: ٦

ہوگیا کہ جو جو چیزیں اس میں تھیں بتلائی نہیں گئی تھیں۔ مگر اس نے سب کچھ بتلایا کہ فلاں فلاں چیزیں تھیں۔ اس کے بعد زید کی بیوی نے دو تین آدمیوں کے درمیان تمام حال بتلا دیا کہ بالیاں ہمارے شوہر اپنے خرچ میں نہیں لائے بلکہ یوں چوری ہوئی ہے۔ ہم کو سب حال معلوم ہوگیا۔ بہر حال چھ سال کے بعد کچھ ایسی صورت آئی کہ زید نے بیوی کو طلاق دے دی تو عورت کے گھر والوں نے اس رقم کو طلب کیا۔ کیا ازروئے شرع محمدی زید پر ان بالیوں کی قیمت دینی واجب ہے یا نہیں۔ اگر ہو تو لکھا جائے بہ حوالہ کتبِ معتبرہ درج فرمایا جائے۔

چوں کہ زیور کا یہ معاملہ پنچوں کے سامنے گیا۔ پنچوں نے عورت کے گھر والوں سے کہا کہ کیا قصہ ہے، بکر نے اپنا زیور طلب کیا۔ پنچوں نے زید سے پوچھا کیا بات ہے۔ زید نے کہا کہ قصہ یوں ہے کہ یہ زیور ہم اپنے خرچ میں نہیں لائے ہیں چوری ہوگیا، کیسے ہوا بیان سے معلوم ہو جائے گا۔ اور دو ڈھائی سال کے پہلے آج سے عورت کا بیان مع گواہان کے سن لو معلوم ہو جائے گا۔ اس کو گم ہوئے عرصہ چھ سال ہوئے اور اس درمیان میں طلاق ہونے کے بعد کیا کیا بات ہوئی، دونوں طرف سے مسئلہ بھی دریافت کیا گیا ہے، مگر اپنے اپنے طور پر۔ بکر کو کیا جواب ملا، معلوم نہیں۔ ہم کو جواب ملا کہ تمھارے بیان سے تمھارے اوپر ان بالیوں کی قیمت دینی یا بالیوں کے بدلے بالیاں دینی واجب نہیں۔ بہر حال دونوں طرف کے بیان کے بعد جو بھی فیصلہ شرعاً اخلاقاً ہوگا ہم کو تسلیم ہے۔ اس پر پنچوں نے بڑی خفگی کا اظہار کیا اور شریعت پر پھبتی کسی کہ لو صاحب اب ہم لوگوں کا کام نہیں، کیا پہلے شریعت نہیں تھی، جو آج شریعت سے فیصلہ ہوگا۔ اب تو ہم لوگوں کو اپنا تمام اصول برادری کے رواج کو ختم کر کے دوسرا اصول بنانے کی ضرورت ہے۔ پہلے اصول بنالیں اس کے بعد یہ فیصلہ کریں، چلو صاحب پہلے مدرسہ میں پڑھ آویں، تب فیصلہ کریں۔ جب شریعت ہی سے فیصلہ کرنا ہے تو یہ کام تو عالم کا ہے۔ ایک پنچ نے تو یہ بھی خیال ظاہر کیا کہ پنچایت کے پہلے کہ یہ رقم ازروئے شرع زید کے اوپر واجب نہیں ہوئی۔ مگر ہم اگر فیصلہ شرعاً کرتے ہیں تو قوم کا رواج بگڑ جاتا ہے، ایسی ایسی باتوں کا اظہار کیا گیا۔ غصہ میں آکر بکر سے پوچھا گیا کہ کیا تم بھی فیصلہ شریعت ہی سے چاہتے ہو۔ بکر نے بھی کہہ دیا کہ شریعت سے کس کو انکار ہے، ہم بھی شریعت کو مانتے ہیں، کون مسلمان ہے جو نہیں مانے گا۔ شریعت سے فیصلہ ہو۔ اب پنچ صاحبان کچھ دیر خاموش رہے کہ ہم لوگ کیا کریں جب تک ہم لوگوں کو نہیں مانا جائے گا کیا کر سکتے ہیں۔ بار بار زید سے کہا کہ پنچایت مان لو۔ زید برابر کہتا رہا کہ فیصلہ شرعاً چاہتے ہیں۔ لوگ بگڑ گئے کہ چلو صاحب ہم لوگ کیا کریں گے، پنچایت ختم کردو۔ اس پر کچھ لوگوں نے زید کو مشورہ دیا کہ پنچ پر چھوڑ دو، دیکھو کیا کرتے ہیں اور پنچوں نے کہا کہ ہم لوگ بیان سن لیں۔ اگر فیصلہ ہمارے قابل ہوگا تو فیصلہ کریں گے۔ زید نے مجبوراً کہہ دیا کہ اچھا تسلیم ہے۔ اب کیا یکے بعد دیگر شروع ہوا، کوئی اختلاف ایسا نہیں ہوا کہ اختلاف سمجھا جائے، پس پنچوں نے کہا کہ یہ فیصلہ ہم کر سکتے ہیں، باوجود دونوں فریق کے شریعت یہ فیصلہ چاہتی ہے کہ فیصلہ کر دیا جائے کہ یہ رقم زید کے یہاں سے گم ہوئی ہے، اب زید کو دینا ہوگا۔ زید نے کہا کہ مطابق شریعت کے ہم پر اس کی قیمت کا

دینا واجب نہیں، آپ لوگ زبردستی دلوار ہے ہیں، ہم دے دیں گے مگر اس کا محاسبہ آپ لوگوں پر ہے۔ اس پر ایک صاحب نے کہا کہ ہاں جو فیصلہ کرتا ہے اس پر ذمہ داری ہوتی ہے، تم کہو گے جیسا یہ تو ہے ہی۔ اب سوال یہ ہے کہ:

① کیا یہ فیصلہ حق ہے اور ماننے کے لائق ہے۔

② ایسے پنچوں کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

③ اور زید نے یہ قیمت جو آج کل کے بازار کے بھاؤ سے لگائی گئی ہے، بدنامی یا ڈر کی وجہ سے دے دی تو کیا حشر میں اس کا کوئی معاوضہ ملے گا جس کو گم ہوئے عرصہ چھ سال کا ہوا۔

الجواب

شریعتِ مطہرہ کے احکام کی پابندی ہی میں مسلمانوں کی صلاح و فلاح منحصر ہے۔ شریعتِ مطہرہ عین مصلحت ہے، کیوں کہ شریعتِ مطہرہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب محمد رسول اللہ کا حکم ہے۔ اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم ہم پر ہمارے ماں باپ، اعزہ و احباب بلکہ خود ہم سے زیادہ مہربان ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ (۱) — اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

اسی کا ارشاد ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (۲) — اے محبوب ہم نے آپ کو کل جہان کے لیے رحمتِ کاملہ بنا کر بھیجا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (۳) — محمد رسول اللہ ﷺ ایمان والوں پر بہت ہی مہربان نہایت ہی رحم فرمانے والے ہیں۔

یہ ہو سکتا ہے کہ ہماری سمجھ میں نہ آئے، ہم اپنی بے سمجھی سے شریعت کے احکام میں اپنا نقصان اور اس کے خلاف میں مصلحت سمجھیں مگر یہ محض ہماری نادانی ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا:

عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ — قریب ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو، حالاں کہ وہ تمھارے

(۱) قرآن مجید، سورہ یوسف، آیت: ٦٤

(۲) قرآن مجید، سورۃ الانبیاء، آیت: ۱۰۷

(۳) قرآن مجید، سورۃ التوبۃ، آیت: ۱۲۸

عَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (۱) لیے مفید ہے اور تم کسی چیز کو پسند کرو حالاں کہ وہ تمھارے لیے مضر ہے اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ پنچایت قانون کو یا قومی اصول جو شریعت کے خلاف ہے وہ ہمارے لیے مضر ہے اور جو شریعت کا حکم ہے وہ ہمارے لیے مفید ہے۔ امانت کی حفاظت کرتے ہوئے اگر امانت ضائع ہو جائے تو امانت دار پر تاوان نہیں، یہ شریعتِ مطہرہ کا حکم ہے۔ اس کے خلاف جو پنچایت کا اصول ہے وہ ہرگز قابلِ تسلیم نہیں۔ زید ان بالیوں کا امین تھا اور حفاظت کرتے ہوئے ضائع ہو گئیں، لہٰذا زید پر ان بالیوں کا تاوان نہیں۔ پنچوں کا اس پر خفگی کا اظہار کرنا، پھبتی کسنا، سخت ترین جہالت، سخت حرام جرم شرعی اور بغاوت ہے اور باوجود مسئلہ جانتے ہوئے اور حکم شرعی اور حکم پر مطلع ہوتے ہوئے زید کا ایسے لوگوں کو پنچ ماننا اور حکم ماننا بھی حرام و جرمِ شرعی ہے۔ ایسی حالت میں لوگوں کا مشورہ دینا کہ پنچ مان لو، یہ بھی حرام و جرمِ شرعی ہے لہٰذا اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو زید اور پنچ اور مشورہ دینے والے سب گنہ گار ہیں، سب مجرم ہیں، سب پر توبہ لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

قبرستان میں مدفون بزرگانِ دین کی قبور پر عرس کرنا جائز ہے

مسئلہ مکرمی عالی جناب مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب مدرس اشرفیہ مبارک پور، دام فیضکم!

گزارش ہے کہ: ہمارے شہر میں ایک بڑا قبرستان ہے جہاں دو چار بزرگانِ نام ور مدفون ہیں، ان قبور کے پاس عرس کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

عرس جائز ہے، اگر اس میں موانعِ شرعیہ ہوں تو ان قبائح کو روکا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قبرستان میں مدامی برقی لائٹ رکھنا جائز ہے یا ناجائز؟

مسئلہ مکرمی عالی جناب مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب مدرس اشرفیہ مبارک پور، دام فیضکم

گزارش ہے کہ: قبرستان میں مدامی برقی لائٹ رکھنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

مدامی سے کیا مراد ہے؟ رات دن یا ہر رات۔ اگر رات دن مراد ہے تو یہ ناجائز ہے، اس لیے کہ دن میں روشنی جلانا ایسی جگہ اسراف ہے۔ رات میں اگر کوئی وہاں رہتا ہے یا لوگ بغرضِ فاتحہ وزیارت آتے ہیں تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۱۶

کیا جمعہ کے دن بعد نماز کھانا کھانا سنت ہے؟

مستفتی: مسلمانان دیو گاؤں، بذریعہ کبیر احمد خاں صاحب مودھا ٹولہ، دیو گاؤں، ضلع اعظم گڑھ

مولانا المحترم! ہدیۂ سلام مسنون

مسئلہ ایک مسئلہ دریافت طلب ہے آپ کے منیر احمد خاں نے جامع مسجد کے منبر پر بیٹھ کر اعلان کیا کہ جمعہ کے دن بعد نماز کھانا کھانا سنت موکدہ ہے۔ ان کا یہ فرمانا جملہ مسلمانوں کے قلوب میں اضطراب پیدا کر دیا اور ان سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا میں نے کہیں کسی کتاب میں نہیں دیکھا ہے، صرف حضرت حافظ صاحب کو عمل کرتے دیکھا ہے۔ اب آپ سے استدعا ہے کہ اس میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں تاکہ صحیح یا غلط کا اعلان کر دیا جائے، کیوں کہ اس مسئلہ پر کسی کو یقین نہیں ہے کہ سنت موکدہ ہے، سنت تک تو کوئی بات نہیں۔

الجواب

محترم زید مجدکم سلام مسنون

جب کہ محترم جناب منیر احمد خاں صاحب نے دریافت کرنے پر کہہ دیا کہ کہیں کسی کتاب میں نہیں دیکھا، میرے متعلق بھی موصوف نے میری کسی تحریر یا قول کا حوالہ نہیں دیا کہ میں نے بعد نمازِ جمعہ کھانے کو سنت موکدہ بتایا ہے، بلکہ یہ کہا کہ حافظ صاحب قبلہ کو عمل کرتے دیکھا ہے تو اسی سے مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے تھا کہ اگر میں نے اس پر عمل کیا بھی تو اس کو سنت موکدہ تو نہیں بتایا، اسی سے بات ختم ہو جاتی۔ اضطراب و پریشانی نہ ہوتی۔ عمل کے متعلق صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا فرمان ہے کہ وہ نماز جمعہ کے بعد کھانا کھاتے تھے اور بعد نمازِ جمعہ قیلولہ کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال کنا فبکر بالجمعة ونقيل بعد الجمعه (البخاری)

فرمایا: ہم جمعہ کی نماز میں جلدی کرتے تھے اور اور بعد نمازِ جمعہ قیلولہ کرتے تھے۔ حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قال ما کناه ولا نتغدی الا بعد الجمعة (بخاری)

فرمایا ہم نہ قیلولہ کرتے تھے اور نہ کھانا کھاتے تھے مگر بعد نمازِ جمعہ۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

عبد العزیز عفی عنہ ۲۶/ ذی قعدہ ۱۳۷۷ھ

کتاب الرھن

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ. (البقرة:۲۸۳)

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو کوئی چیز گروی رکھ لیا کرو اور اس کا قبضہ دے دیا کرو۔

ان النبی ﷺ اشتری طعاما من رجل یہودی الی اجل ورهنه درعا من حدید.

(صحیح بخاری، باب شری النبی ﷺ بالنسیئة)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک یہودی کے پاس اپنی لوہے کی زرہ گروی رکھ کر اس سے ادھار غلہ خریدا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رہن اور اجارہ کا حکم

از: عبدالحمید ولد حاجی اللہ بخش، بھوج پور، ضلع مراد آباد

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ:

ایک شخص نے پانچ بیگہہ زمین ایک سو روپے میں دخلی رہن رکھی، ایک سو روپیہ کاشت کار کو دے دیا اور سرکاری لگان ایک روپیہ بیگہہ اس زمین کا ہے اپنے ذمہ لے لیا۔ کاشت کار کا کہنا ہے کہ تمھارے مبلغ ایک سو روپے ادا کردوں گا اور زمین واپس لے لوں گا۔ اس صورت میں روپیہ دینے والے کو اس زمین کی پیداوار یا اس کا منافع کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ظاہر ہے کہ مرتہن نے زمین مرہون کی سرکاری لگان اپنے ذمہ خود بخود نہیں لے لیا بلکہ راہن نے اس کے ذمہ دیا ہے اور اس سے یہی طے ہے کہ مرتہن لگان ادا کرتا رہے اور اس کے عوض زمین مرہون سے نفع حاصل کرے، لہذا یہ اجارہ ہوا، یہ جائز ہے، اگرچہ دخلی رہن جس میں مرتہن شے مرہون سے نفع حاصل کرے ناجائز ہے، سود ہے، حرام ہے۔ لیکن سوال میں جو صورت بیان کی گئی ہے یہ صورت رہن کی نہیں بلکہ اجارہ کی ہے، لہٰذا نہ سود ہے، نہ حرام، اس لیے کہ رہن دوسرے کی شے کو اپنے حق کے مقابلے میں روکنا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ وصول کر سکے مثلاً قرض کے مقابلے میں مکان یا زمین یا زر یا کپڑا یا تلوار وغیرہ روکنا اپنے قبضہ میں کر لینا رہن ہے۔

ہدایہ میں ہے:

الرهن جعل الشئ محبوساً بحق يمكن استيفاؤهٗ من الرهن كالديون۔[1]

یہ صرف قرض کے وصول کے لیے روکنا ہوتا ہے، اس میں راہن مرتہن پر کچھ واجب نہیں کرتا، نہ اس شے

(۱) علامه ابو الحسن على بن ابى بكر مرغينانى، الهداية، ج:٤، ص:٥٠٠، كتاب الرهن، مجلس البركات، مبارك فور

کا کوئی معاوضہ ہوتا ہے اور نہ معاوضہ طے کیا جاتا ہے۔

رہن صرف عقد تبرع ہے۔

ہدایہ میں ہے:

لأنه عقد تبرع لما إن الراهن لا يستوجب بمقابلة على المرتهن شيئا.[1]

چوں کہ رہن کے مقابلہ میں کوئی معاوضہ نہیں ہوتا، اس لیے مرتہن کا شے مرہون سے انتفاع مقصود نہیں ہوتا۔ سود وہ زیادتی ہے جو عوض سے خالی ہو۔

شامی میں ہے:

لإن الربا هو الفضل الخالي عن العوض.[2]

دخلی رہن میں مرتہن اپنا قرض بھی پورا وصول کرتا ہے اور شے مرہون سے نفع بھی حاصل کرتا ہے تو یہ نفع عوض سے خالی ہوتا ہے، اس لیے سود ہوتا ہے، اور سود کی طرح جائز نہیں ہے۔ راہن اجازت دے یا نہ دے بہر حال ناجائز ہے۔

شامی میں ہے:

لا يحل له أن ينتفع بشئ منه بوجه من الوجوه و إن أذن له الراهن لأنه أذن له في الربا لأنه يستوفي دينه كاملا فتبقي له المنفعة فضلاً فيكون الربا و هذا أمر عظيم.[3]

رہن میں سود کی علت یہی ہے کہ مرتہن چوں کہ اپنا قرض پورے کا پورا وصول کرتا ہے لہذا شے مرہون سے اس کا انتفاع معاوضہ سے خالی ہو کر سود ہو جاتا ہے۔ اور اگر قرض ہی اس کا معاوضہ ہوتا، کلایا جزاً تو سود نہ ہوتا۔ سود کی دلیل میں شامی کی مذکورہ عبارت اس پر دلیل ہے کہ فرمایا: يستوفي دينه كاملا۔ یعنی مرتہن اپنا قرض پورا پورا وصول کرتا ہے، اس لیے سود ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر قرض کا کوئی بھی جزاً انتفاع کے مقابلہ میں ہوتا تو سود نہ ہوتا، جس طرح کلایا جزاء انتفاع کے مقابلے میں ہونے سے سود نہیں ہوتا اسی طرح اگر انتفاع کا مقابلہ کسی دوسری شے سے ہو گا تب بھی سود نہ ہو گا۔ جب زمین مرہون میں کاشت کا معاوضہ قرار پایا، سود ہرگز نہ ہوا، البتہ یہ رہن بھی نہ ہوا، بلکہ اجارہ ہوا، جیسے قرض لینے والا اپنا مکان قرض دینے والے کو رہنے کے لیے دے یا مرتہن شے مرہون کو اجارہ پر لے لے ان صورتوں میں رہن نہیں رہتا بلکہ اجارہ ہو جاتا ہے۔

---

(۱) علامه ابو الحسن على بن ابى بكر مرغينانى، الهداية، ج:٤، ص:٥٠٠، كتاب الرهن، مجلس البركات، مبارك فور

(۲) سيد محمد امين ابن عابدين شامى، رد المحتار، ج:٧، ص:٣٩٩، كتاب البيوع، باب الربوٰ،

(۳) سيد محمد امين ابن عابدين شامى، رد المحتار، ج:٥، ص:٣١٠

شامی میں ہے:

ولو استقرض دراهم وسلم حماره الى المقرض ليستعمله الى شهرين حتى يوفيه دينه او داره ليسكنها فهو بمنزلة الاجارة الفاسدة ان استعمله فعليه اجر مثله ولا يكون رهنا.(۱)

یعنی اگر کسی نے کچھ روپیہ قرض لیا اور اپنا جانور قرض دینے والے کو دے دیا کہ اس جانور کو دو ماہ تک استعمال کرے، یہاں تک کہ وہ اس کا قرض ادا کردے، یا قرض دار نے اپنا مکان قرض خواہ کو رہنے کو دیا بمنزلہ اجارہ فاسدہ کے ہے، اگر قرض خواہ نے استعمال کیا تو اس پر اجرت مثل لازم آئے گی، اور یہ رہن نہیں ہوگا۔

اس صورت میں رہن نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ رہن عقد تبرع ہے، جیسا کہ ہدایہ کے حوالے سے اوپر مذکور ہوا۔ لہذا جب راہن اور مرتہن نے مرہون کا استعمال طے کرلیا تو یہ عقد تبرع نہ رہا، لہذا رہن نہ رہا، اجارہ کے فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ معاوضہ مقرر نہیں کیا اگر معاوضہ مقرر کرلیتا تو اجارہ فاسدہ نہ ہوتا، اور اجرت مثل لازم نہ آتی۔ صورت مسئولہ میں بھی زمین مرہون کا استعمال طے ہوا ہے اور مرتہن نے استعمال بھی کیا ہے، لہذا رہن نہیں رہا بلکہ اجارہ ہوگیا اور اس میں چوں کہ معاوضہ مقرر ہے، اس لیے اجارہ فاسدہ نہ ہوا، بلکہ اجارہ صحیح ہوا۔

کتاب قاضی خاں میں ہے:

واذا ارتهن الرجل دابة بدين له على الراهن و قبضها ثم استاجرها المرتهن صحت الاجارة و بطل الرهن حتى لا يكون للمرتهن ان يعود فى الرهن.(۲)

یعنی مرتہن نے کسی جانور کو اپنے قرض کے بدلے رہن رکھا اور اس جانور پر قبضہ کرلیا، پھر مرتہن نے اس جانور کو اجرت پر لے لیا تو یہ اجارہ صحیح ہے اور رہن باطل ہوگیا، یہاں تک کہ مرتہن کو عقد رہن کے لوٹانے کا حق نہیں رہا۔

جب عقد رہن منعقد ہونے کے بعد بھی اجارہ سے باطل ہوجاتا ہے تو عقد رہن میں اگر اجارہ ہو تو بدرجہ اولی رہن منعقد نہ ہوگا، کیوں کہ بعد تحقق شے اس کا بطلان و زوال اشد و اہم ہے زوال قبل تحقق شے ہے۔ لہذا صورت مسئولہ میں بدرجۂ اولیٰ رہن نہ ہوا اور اجارہ منعقد ہوا، کیوں کہ اجارہ وہ عقد ہے جو منافع بالعوض پر وارد ہو۔

ہدایہ میں ہے:

الاجارة عقد يرد على المنافع بعوض.(۳)

---

(۱) سید محمد امین ابن عابدین شامی، رد المحتار، کتاب الرهن، ج:۵، ص:۳۱۱

(۲) علامه حسن بن منصور اوزجندی، فتاویٰ قاضی خاں، کتاب الرهن، ج:٤، ص:٤٨

(۳) علامه ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، هدایه آخرین، کتاب الإجارة، ص:۲۷۷، مجلس البرکات مبارکفور.

صورت مسئولہ میں زمین مرہون کے منافع کے عوض زرلگان معاوضہ مقرر ہے لہذا اجارہ ہوا، اگر زرلگان زمین مرہون کی اجرت واپسی سے کم ہو تب بھی اجارہ صحیح ہوگا، اس لیے کہ بیع اور اجارہ میں عاقدین کو معاوضہ کی تعیین کا پورا پورا حق ہوتا ہے، جس قدر چاہیں معاوضہ مقرر کریں، ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ ایک روپیہ کی چیز پانچ میں بیچے، اسی طرح اس کو یہ بھی حق ہے کہ پانچ روپیہ کی چیز ایک روپیہ میں بیچے۔ اسی طرح اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے مکان کو جس کا کرایہ ایک روپیہ ہے پانچ روپیہ پر دے، اسی طرح پانچ روپیہ کرایہ کا مکان ایک روپیہ پر دینے کا اختیار ہے۔ یوں ہی اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ مکان یا کھیت پر جو سرکاری ٹیکس یا لگان ہے اسی ٹیکس یا لگان پر ایسے مکان یا کھیت کو کرایہ پر دے دے، لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ مالک زمین نے زرلگان کو زمین کی کاشت کا معاوضہ قرار دیا تو وہی معاوضہ قرار پایا، اگرچہ واجب اجرت سے کم ہو، لہٰذا یہ اجارہ صحیح ہوا، نہ سود ہے، نہ حرام ہے، البتہ اس شبہہ کی بنا پر کہ واجبی اجرت سے کم معاوضہ پر زمین مرہون کو قرض ہی کی وجہ سے دیا ہے، اس سے بچنا چاہیے۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

رہن رکھی ہوئی چیز سے نفع حاصل کرنے کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک دوکان مبلغ پانچ سو روپیہ پر دس برس کے لیے لیا ہے، اس شرط پر کہ یہ دس برس میں روپیہ واپس کر دیں گے، اگر روپیہ نہ واپس کیا تو بیع سمجھی جائے، اور جب تک روپیہ واپس نہ ملے مرمت وغیرہ ذمہ ہندو کے ہے، اور اقرار اس بات کا ہے کہ وہ دُکان چاہے خود رکھو یا کرایہ پر دو، کرایہ دوکان مالک یا ہندو کو نہیں دیا جائے گا، اس کرایہ کا حق دار روپیہ دینے والا ہوگا، دستاویز رجسٹری شدہ ہے۔

الجواب

یہ رہن کی صورت ہے یعنی شے مرہون سے نفع حاصل کرنا، اگر یہ عقد مسلمان سے ہوتا تو جائز نہ تھا، لیکن چوں کہ غیر مسلم سے ہے اس لیے جائز ہے، سود نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتاب الوصایا

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ الْوَصِيَّةُ. (البقرة: ۱۸۰)

تمھارے اوپر فرض کیا گیا ہے، جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے، اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو وصیت کرے۔

لا وصية لوارث.

(مشکوٰة، باب الوصايا، الفصل الثانی)

وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وصیت کا حکم

از: مولوی فقیر اللہ محلہ پورہ دیوان مبارک پور ۲۱ر شوال ۵۶ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

محمد حسن نے چند لوگوں کو جمع کر کے اپنے حقیقی چچا ولی اللہ کو وصیت کیا کہ میرے بعد میرے مکانات کے مالک آپ ہیں، میری بیوی اور بچوں کو مکانات سے کوئی تعلق نہیں، لیکن میری بیوی اور بچوں کی پرورش آپ کے ذمہ ہے۔ چنانچہ محمد حسن کے انتقال کے بعد بموجب وصیت محمد حسن حاجی ولی اللہ مکانات پر قابض رہے اور محمد حسن کی بیوی اور بچوں کی پرورش کرتے رہے، اور حاجی ولی اللہ کی ہی پرورش میں محمد حسن کی بیوی، دو لڑکے اور دو لڑکی کا انتقال ہوا، ایک لڑکی اب تک زندہ ہے جس کی شادی بھی حاجی ولی اللہ نے اپنے خرچ سے کر دی۔ لہذا اس صورت میں محمد حسن کی وصیت صحیح ہے اور مالک مکانات حاجی ولی اللہ ہیں یا وصیت صحیح نہیں اور مکانات محمد حسن کے ورثہ پر تقسیم کئے جائیں گے۔ بینوا توجروا.

الجواب

محمد حسن کا اپنے چچا ولی اللہ کے لیے وصیت کرنا صحیح ہے کیونکہ محمد حسن کے لڑکوں کے ہوتے ہوئے ولی اللہ محمد حسن کے وارث نہیں اور غیر وارث کے لیے وصیت جائز ہے۔ لہذا ولی اللہ کے لیے وصیت جائز ہوئی مگر وصیت صرف ثلث مال میں جاری ہوتی ہے۔ ثلث سے زاید میں نہیں۔

ہدایہ میں ہے:

ولا تجوز بما زاد علی الثلث.[1]

ولی اللہ کا محمد حسن کی بیوی اور بچوں کی پرورش کرنا یہ تبرع اور احسان ہے اس سے وہ تمام مکانات کے مالک نہیں ہو سکتے البتہ مکانات کے علاوہ محمد حسن نے اتنا ترکہ چھوڑا ہو جو مکانات سے دوگنی قیمت کا تھا تو مکانات وصیت میں

(۱) ھدایہ، ج:٤، ص: ٦٣٨، أوائل کتاب الوصایا، مجلس برکات، مبارك پور

ملیں گے ورنہ تمام مکانات کا صرف ثلث ولی اللہ کو وصیت میں ملے گا اور دو ثلث ورثہ پر تقسیم کیا جائے گا ورنہ تو یہ ترکہ کی تقسیم قرض اور وصیت کے بعد ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصِي بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍۗ۔ (۱)

بعد ازاں ولی اللہ کو محمد حسن کے مکانات کا ثلث فرضیت میں دیا جائے بعدہ بقیہ دو ثلث محمد حسن کے ورثہ پر تقسیم کیا جائے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم

مہر میں وصیت کا حکم

مستفتی: بشیر احمد۔ساکن پورہ صوفی۔مبارکپور۔اعظم گڑھ۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسئلۂ ذیل میں کہ:

ہندہ نے مرتے وقت اپنے والدین سے کہا کہ میرا پچیس روپیہ مہر ہے۔وہ مہر لے کر تین مسجدوں میں تقسیم کر دینا۔تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ہندہ کے والدین مہر لے کر تینوں مسجدوں میں برابر تقسیم کر دیں یا کہ بذاتِ خود اپنے مصرف میں استعمال کریں یا شوہر کو دیں یا اس کے بچے کو۔فقط والسلام۔شرعی حیثیت سے جواب عنایت ہو۔

الجواب

مرض الموت کے تصرفات اور وصیت چوں کہ صرف ثلث مال میں جاری ہوتے ہیں۔مہر بھی ترکہ ہے۔اگر مہر کے علاوہ ہندہ نے اور مال بھی چھوڑا ہے تو مہر اور اس مال کے مجموعہ کے ثلث سے بعد تقدیم ما تقدم علی الارث ہندہ کی وصیت پوری کی جائے اور اگر مہر کے علاوہ اور مال نہ چھوڑا ہو تو مہر ہی کا ایک ثلث تینوں مسجدوں کو دیا جائے اور باقی دو ثلث والدین وغیرہ ورثہ پر بحقِ میراث تقسیم کیا جائے۔واللہ اعلم بالصواب.

(۱) قرآن مجید، سورۃ النساء، آیت:۱۲

کتاب الفرائض

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ
ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ
اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ
السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ
نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۱ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ
يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ
دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا
تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ
اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ
وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝۱۲

اللہ تمھیں حکم دیتا ہے تمھاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر ہے پھر اگر نری لڑکیاں ہوں اگر چہ دو سے اوپر تو ان کو ترکہ کی دو تہائی اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا آدھا اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا اگر میت کے اولاد ہو۔ پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی پھر اگر اس کے کئی بہن بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا بعد اس وصیت کے جو کر گیا اور دَین کے تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے تم کیا جانو کہ ان میں کون تمھارے زیادہ کام آئے گا یہ حصہ باندھا ہوا ہے اللہ کی طرف سے بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۟

اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے اور مرد اپنی بہن کا وارث ہوگا اگر بہن کی اولاد نہ ہو پھر اگر دو بہنیں ہوں ترکہ میں ان کا دو تہائی اور اگر بھائی بہن ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر اللہ تمہارے لئے صاف بیان فرماتا ہے کہ کہیں بہک نہ جاؤ اور اللہ ہر چیز جانتا ہے۔

تعلموا الفرائض وعلموا ها الناس فانها نصف العلم.

علم فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، کیوں کہ یہ آدھا علم ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا حق کاشت کاری میں وراثت جاری ہوتی ہے؟

از: محمد اقبال احمد خیر آبادی، ۷؍ شوال المکرم ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

محمد بشیر کا انتقال ہوا اور اس کے پاس کاشت کاری زمینداری ٹوٹنے سے پہلے کی ہے محمد بشیر کے دو لڑکے تھے محمد و مشتاق احمد، محمد کا انتقال محمد بشیر کی موجودگی میں ہوگیا، محمد کا ایک لڑکا اقبال احمد جو محجوب الارث ہے آیا کاشت کاری کا حصہ اقبال احمد کو مل سکتا ہے یا نہیں؟ اور زمین کا مالک کاشت کار ہے یا زمین دار دونوں صورتوں میں یعنی زمین داری ٹوٹنے سے پہلے اور بعد کو شرعاً کاشتکار زمین کا مالک ہے یا نہیں مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب

وراثت ملکیت میں جاری ہوتی ہے کاشت کار زمین دار سے جو کھیت کاشت کے لیے لیتا ہے، وہ اس کا مالک نہیں ہوتا بلکہ اسے صرف حق کاشت حاصل ہوجاتا ہے زمین کا مالک زمین دار ہی رہتا ہے۔

کاشت کاری ایک قسم کا اجارہ ہے اور اجارہ اگر معینہ مدت کے لیے ہو تو مدت ختم ہونے پر ختم ہوجائے گا اور اگر مدت معین نہ ہو تو مجیر یا مستجیر کی موت کے ساتھ ختم ہوجائے گا۔ صورۃ مسئولہ میں چونکہ محمد بشیر کا انتقال ہوچکا ہے اس لیے زمین دار کے ساتھ جو عقد اجارہ تھا وہ باقی نہ رہا اور پھر زمین دار کی طرف لوٹ گیا لہٰذا محمد بشیر کے ورثہ کو اس میں وراثت کا کوئی حق نہیں پہنچتا ایسی صورت میں کسی وارث کے محجوب ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ موجودہ دور میں جب کہ زمینداری ٹوٹ کر حکومت کے ہاتھ میں پہنچ چکی ہے، تو حکومت کے قانون کے مطابق مقررہ رقم ادا کرنے کے بعد اگر کوئی زمین کا مالک ہوجاتا ہے۔ تو یہ حکومت کے ساتھ ایک نیا معاملہ ہے اس میں وارث اور غیر وارث کی کوئی تخصیص نہیں ہے، لہٰذا اگر اقبال احمد نے مقررہ رقم دے کر حکومت سے زمین حاصل کرلی ہے تو وہ زمین کا مالک ہوگیا۔ اس کے محجوب الارث ہونے کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور اگر معاوضہ کی مقررہ رقم ادا نہیں کی ہے اور حکومت سے صرف حق کاشت حاصل کیا ہے تو زمین کا مالک نہیں ہوگا صرف کاشت کار رہے گا۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبد الرؤف۔ ۱۰؍ شوال المکرم ۱۳۹۷ھ

شوہر، ایک بیوی، ایک لڑکی، چار بھائی اور دو بہن چھوڑ کر مرا تو وراثت کی تقسیم

مستفتی: جلیل خان، ساکن نباگ ضلع گورکھپور، ۱۰؍ شعبان ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۸؍ مئی ۱۹۵۰ء

مسئلہ کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ:
وکیل خان نے انتقال کیا، چھوڑا ایک عورت کریمن اور ایک لڑکی نصیبن اور چار بھائی، جلیل خان، جمیل خان، زکریا خان، خلیل خان اور دو بہن مسماۃ سائرہ بی بی وشاکرہ بی بی کو پس ترکہ ان ورثہ پر کس طرح تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ۸/ ۸۰

وکیل خان میت

زوجہ	بنت	اخ	اخ	اخ	اخ	اخت	اخت
کریمن	نصیبن	جلیل	جمیل خان	زکریا خان	خلیل	سائرہ	شاکرہ
۱	۴			۳			
۱۰	۴۰	۶	۶	۶	۶	۳	۳
۲؍ آنہ	۸؍ آنہ	۱؍ ۲ ۲/۵ پائی	۱؍ ۲ ۲/۵ پائی	۱؍ ۲ ۲/۵ پائی	۱؍ ۲ ۲/۵ پائی	۷ ۱/۵ پائی	۷ ۱/۵ پائی

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث وکیل خان کا ترکہ اسّی سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا ان کے نام کے نیچے درج ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

متوفی سے مرض الموت میں پوتوں کے لیے مالِ وراثت کی تقسیم کے بارے میں پوچھا گیا تو تین انگلیاں دکھائیں تو اس سے کیا مراد ہوگا؟

مسئلہ کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلۂ مندرجہ ذیل میں کہ:
حاجی عبدالقادر کے مرضِ موت کے وقت دو لڑکے محمد نعیم وعبدالحمید، ایک لڑکے عبدالکریم متوفی کے لڑکے عبدالشکور۔ دو لڑکیاں رابعہ، شافعہ اور بیوی موجود تھیں۔ حاجی عبدالقادر صاحب کی بیماری میں ان سے پوچھا گیا کہ اپنے لڑکے عبدالکریم کے لڑکے بچوں کے لیے کیا کہتے ہو، عبدالشکور تو محجوب ہیں نہ؟ جواب میں حاجی صاحب نے ہاتھ کی تین انگلیاں دکھائیں۔ پوچھا گیا تینوں برابر؟ تو حاجی صاحب نے کہا کہ ہاں۔ حاجی عبدالقادر صاحب کے مرنے کے بعد

ان کی جائداد اور روپیہ تین حصوں میں ان کی وصیت کے مطابق برابر تقسیم کی گئی۔ ایک حصہ محمد نعیم کو، ایک حصہ عبدالحمید کو اور ایک حصہ عبدالشکور کو دیا گیا اور عبدالشکور نے اسی روپیہ سے کاروبار کیا۔ عبدالشکور کے ساتھ ان کی ماں بہنیں بھی رہتی تھیں اور محمد، حاجی صاحب کے مرنے کے دو ماہ بعد پیدا ہوئے اور عبدالشکور کے یہاں ان کی پرورش ہوئی، بڑے اور کام کرنے کے لائق ہونے کے بعد عبدالشکور کے ساتھ رہ کر کام بھی کرتے رہے۔ اس کاروبار کے منافع سے عبدالشکور نے کئی قطعہ بیع نامے خریدے۔ تین میں عبدالشکور نے اپنے بھائی محمد کا نام بھی لکھایا ہے اور باقی میں جن کی تعداد تقریباً ۸-۹ ہے اپنا یا اپنے بیٹے محمد مصطفی کا نام لکھایا ہے۔ عبدالشکور نے اپنی زندگی کے کچھ سالوں میں باقی کاروبار اپنے لڑکے کے نام رکھا تھا اور ان ایام میں بھی محمد حسب دستور سابق عبدالشکور کے ساتھ رہا کرتے تھے اور کام بھی کرتے تھے اور عبدالشکور کے مرنے کے پہلے ہی محمد الگ رہنے لگے اور سال بھر پہلے سے وہ عبدالشکور کا چکتہ بننے لگے تھے، اس کے پہلے کوئی علاحدہ حساب نہیں تھا۔ یک جائی سے وہ بنتے اور خرچ پاتے تھے۔ محمد کی علاحدگی کے بعد بھی عبدالشکور نے کچھ جائداد خریدی جو اپنے یا اپنے بیٹے محمد مصطفی کے نام خریدی ہے۔ اس صورت میں شرعی احکام کے ماتحت محمد کی کیا حیثیت ہے اور کاروبار اور جائداد میں ان کا کتنا حصہ ہے؟ بینوا توجروا.

الجواب

سوال میں حاجی عبدالقادر کی کوئی تصریح موجود نہیں ہے، لیکن ان سے جو پوچھا گیا اور اس کے جواب میں جو اشارہ انھوں نے کیا اس سے میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ ان کا مقصد اپنے متروکہ کو اپنے تینوں بیٹوں میں برابر برابر تقسیم کرنا تھا۔ میری سمجھ میں تینوں برابر سے ان کی یہی مراد تھی۔ اب ظاہر ہے جو بیٹا مر گیا ہے، اس کے نام کا حصہ سب وارثوں کا ہوگا، لہٰذا اس متروکہ میں یا اس سے جو جائداد خریدی گئی یا اس سے جو کاروبار کیا گیا ان سب میں محمد برابر کا شریک ہے۔ لیکن چوں کہ عبدالشکور مرحوم نے محمد کی پرورش کی ہے اور کام سکھایا ہے نیز زیادہ ذمہ داری انھیں کی تھی اس لیے وہ اپنے بھائی عبدالشکور کے لیے اپنی خوشی سے کچھ زیادہ حصہ دینے کو آمادہ ہو جائیں تو یہ ان کی بڑی سعادت مندی ہے۔ هذا ما عندي و العلم عند الله. کتبہ: حبیب الرحمن الاعظمی، مفتاح العلوم، مئو

الجواب

هو الموفق للصواب

صورتِ مسئولہ میں محمد نعیم و عبدالحمید و عبدالشکور ترکہ کے مستحق ہیں۔ محمد نعیم و عبدالحمید باستحقاق وراثت اور عبدالشکور باستحقاق وصیت۔ اس لیے ظاہر ہے کہ محمد نعیم و عبدالحمید لڑکے ہونے کی حیثیت سے ترکہ کے مستحق تھے اور عبدالشکور پوتے ہونے کی وجہ سے محجوب تھے اسی وجہ سے حاجی صاحب سے دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی اور یہ بھی وجہ ہے کہ سوال میں عبدالشکور کے نام کے ساتھ ساتھ محجوب ہونے کی تصریح کردی گئی ہے جس سے ذہن محجوبی سے محرومی کی طرف منتقل ہوتا ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ محجوبی کا سبب یہ ہی دونوں لڑکے ہیں۔ وقتِ اشارہ حاجی صاحب کے ذہن میں یہی تین موجود ہوں گے یعنی عبدالشکور و محمد نعیم و عبدالحمید لہٰذا ان تینوں کا مشار الیہ یہی تین

ہوں گے نہ غیر۔ نیز یہ کہ یہ سوال استحقاق ترکہ سے ہے اور یہ زندوں سے متعلق لہذا اشارہ زندوں کی جانب ہوگا نہ مردہ کی جانب۔ نیز دریافت کنندگان نے بھی یہی سمجھا ورنہ عبد الکریم کا لڑکا ہونے کی حیثیت سے مساوی ہونا معلوم پھر پوچھنے کی کیا ضرورت کہ یہ تینوں برابر۔ نیز یہ کہ اگر عبد الکریم کو داخل سمجھتے تو اس تہائی کو عبد الکریم کی بی بی لڑکیاں اور لڑکے کے درمیان تقسیم کرتے کیوں کہ یہ ایسے ورثہ ہیں جن کو قریب قریب سب لوگ جانتے ہیں۔

اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ممکن ہے کہ حاجی صاحب نے لڑکے بچے سمجھا ہو جیسا کہ سوال میں لڑکے بچے کا لفظ موجود ہے تو متعدد انگلیاں اٹھانی چاہئیں کیوں کہ مشار الیہ متعدد ہیں، لیکن اٹھائی ہیں تین جن میں دو تو متعین ایک میں احتمال، ظاہر ہے کہ وہ عبد الشکور ہے کیوں کہ یہ سوال استحقاق ترکہ سے ہے یہ زندوں سے متعلق جیسا کہ معلوم ہوا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ اولاد اناث توجہ کی کم مستحق ہوتی ہیں تمام تر توجہ اولادِ ذکور کی جانب مبذول ہوتی ہے اور عبد الکریم کی اولادِ ذکور میں اس وقت یہی عبد الشکور تھا۔ ظاہر ہے کہ یہی حاجی صاحب کا متوجہ الیہ ہوگا اور عبد الکریم کا احتمال اس کا بیان آگے ہے۔

نیز یہ کہ عبد الشکور مراد لینے پر کلام اپنے حقیقی معنی پر رہتا ہے کیوں کہ عبد الکریم خود مراد نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ میت نہ وارث ہو سکتا ہے نہ اس کے لیے وصیت یا ہبہ ہو سکتا ہے۔

درِ مختار میں ہے:

"والاصل ان المیت لا یستحق شیئاً."(۱) اصل یہ ہے کہ میت کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا۔

ہدایہ میں ہے:

"لان المیت لیس باھل للوصیة."(۲) وجہ یہ ہے کہ میت وصیت کا اہل نہیں ہوتا۔

اب عبد الکریم سے مراد اس کی اولاد ہوگی اور یہ مجاز ہے اور حقیقت مجاز پر راجح ہوتی ہے۔ یہ تمام قرائن دال ہیں اس بات پر کہ اس تین میں عبد الشکور داخل ہے اور یہ غیر وارث ہے اور غیر وارث کو وصیت جائز اور وصیت ثُلث تک صحیح ہوتی ہے۔ لہٰذا جو ترکہ سے عبد الشکور کو تہائی ملا ہے وہ بہ طور وصیت ملا اور اس تہائی کا وہ خود مالک ہے، اس میں دوسرا شریک نہیں۔ محمد کو جو کچھ دیا وہ بہ طور تبرع ہے اور تبرع میں رجوع نہیں لہٰذا محمد سے واپس نہیں لیا جائے گا۔

اور اگر ان تمام قرائن کو نظر انداز کر دیا جائے جو عبد الشکور کے مراد ہونے پر دال ہیں اور عبد الکریم مراد لیا جائے تو پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ میت کے لیے وصیت نہیں ہو سکتی، لہٰذا عبد الکریم سے مراد اس کی اولاد ہوگی، اس صورت میں اس تہائی کا مستحق محمد اور عبد الشکور اور لڑکیاں ہوں گی اور وہ تہائی ان تمام پر برابر برابر تقسیم ہوگی۔

---

(۱) در مختار، باب الوصیة بثلث المال، ج:۱۰، ص:۳۸۰

(۲) امام ابو الحسن علی فرغانی، ھدایہ، ج:۲، ص:۶۴۹

ہدایہ میں ہے: ”ومن اوصی لولد فلان فالوصیة بینهم والذکر والانثیٰ فیه سواء.“[1]
هذا ما ظهر لی والعلم عند الله.[2]

دو بھائیوں نے مل کر ایک قطعہ مکان خریدا، پھر ایک بھائی کا انتقال ہو گیا اس متوفیٰ کی بیوی نے دوسری شادی کر لی، جب کہ متوفیٰ کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں بھی ہیں تو تقسیم کی کیا صورت ہوگی؟

مستفتی: حفیظ اللہ، پورہ صوفی، مبارک پور

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

محمد شفیع و محمد شکر اللہ دو بھائیوں نے ایک قطعہ مکان خریدا، اس کے بعد محمد شفیع نے انتقال کیا، اپنی بیوی نسیمہ و دو لڑکے حفیظ اللہ و حبیب اللہ اور دو لڑکیاں قسیمہ اور مقیمہ کو چھوڑا۔ اس کے بعد محمد شفیع مرحوم کی بیوی نسیمہ نے شادی کر لی تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ فقط بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ٨×٦ = ٤٨

محمد شفیع میـــــ

	زوجہ	ابن	ابن	بنت	بنت
	نسیمہ	حفیظ اللہ	حبیب اللہ	قسیمہ	مقیمہ
	١/٦	٧			
	٦	١٤	١٤	٧	٧
بحساب آنہ پائی	۲/آنہ	۴/۸پائی	۴/۸پائی	۲/۴پائی	۲/۴پائی

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث محمد شفیع کا ترکہ اڑتالیس (٤٨) سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا

---

(۱) امام ابو الحسن علی فرغانی، هدایه، ج:٢، ص:٢٦٦

(۲) اس فتویٰ میں یہ صراحت ہے کہ دو انگلی سے مراد دو زندہ بیٹوں کا حصہ ہے۔ رہ گئی تیسری انگلی تو اس سے مراد یا تو عبد الشکور کے لیے ایک حصہ کی وصیت ہے یا عبد الکریم کے لیے ایک حصہ مان کر اس کی تمام اولاد کے لیے وصیت ہے۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ بہت سے عوام کا عرف یہ ہے کہ فوت شدہ بیٹے کو موجود کی طرح فرض کر کے اس کا حصہ متعین کرتے ہیں اور پھر وہ اس کی تمام اولاد کو بانٹ دیتے ہیں۔ اس عرف کے پیش نظر تیسری انگلی سے مراد فوت شدہ بیٹے کا حصہ ہے اور یہ حصہ یہاں اس کی اولاد کے لیے وصیت ہے، کیوں کہ ان کے مرضِ وفات میں عبد الکریم کے لڑکے بچوں کے بارے میں پوچھا گیا تھا، اس طور پر یہ عبد الکریم کی اولاد کے لیے اس کے مفروضہ حصہ کی وصیت ہے، لہٰذا قانونِ وصیت کے مطابق وہ حصہ عبد الکریم کی اولاد میں تقسیم ہوگا۔ (مرتب)

جتنا اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ: احقر علی احمد

خادم دار العلوم اہل سنت، مبارک پور

مناسخہ کا ایک مسئلہ

مستفتی: علی حسین، از: نور الدین پور

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

فتح امام علی نے انتقال کیا، چھوڑا دو لڑکے علی حسین و شریف اور دو لڑکی عصمت اور قسمت کو، پھر عصمت بی بی نے انتقال کیا، چھوڑا دو لڑکے ایک لڑکی، پس ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ فقط بینوا توجروا.

الجواب

فتح امام علی میـ مسئلہ ۶×۵ = ۳۰

ابن	ابن	بنت	بنت
علی حسین	شریف	عصمت	قسمت
۲/۱۰	۲/۱۰	(۱)	۱/۵

عصمت میـ مسئلہ ۵ تباین مفـ ۱

ابن	ابن	بنت
۲	۲	۱

۳۰

الاحیـــاء المبلـــغ

علی حسین	شریف	قسمت	ابن عصمت	ابن عصمت	بنت عصمت
۱۰	۱۰	۵	۲	۲	۱

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث امام علی کا ترکہ تیس (۳۰) سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

ہندہ نے اپنے انتقال کے بعد شوہر تین لڑکیاں، ماں، تین بھائی اور ایک بہن چھوڑا تو؟

مستفتی: محمد محبوب خان ادری، بقلم مجیب الاسلام نسیم اعظمی

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں کہ:

مسماۃ ہندہ نے انتقال کیا اور اس نے شوہر مصلی خان اور تین لڑکیاں شاہدہ، ساحرہ، کھونیا اور ماں بتولن اور تین بھائی محبوب خاں، مقبول خاں، عبدالرحمن خاں اور ایک بہن حسینہ کو چھوڑا۔ لہٰذا جائداد ہندہ بہ حسب شرع کس طرح تقسیم کی جائے گی۔

الجواب

مسئلہ ۱۲ عول ۱۳ × ۳ = ۳۹

ہندہ میت

زوج	بنت	بنت	بنت	ام	اخ	اخ	اخ	اخت
مصلی خاں	شاہدہ	ساحرہ	کھونیا	بتولن	مقبول	محبوب	عبدالرحمن	حسینہ
۳	۸			۲	م	م	م	م
۹	۸	۸	۸	۶				

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث ہندہ کا ترکہ انتالیس (۳۹) سہام پر تقسیم ہو کر ۹ ر زوج کو، اور آٹھ آٹھ لڑکیوں کو اور چھ ماں کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

پوتے، ناتی اور چچازاد بھائی کا ترکہ میں حصہ ہے یا نہیں؟

از: شبراتی میاں، گیوال بیگہ، گیا

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

ایک عورت دو اپنے پوتے اور ایک ناتی کو چھوڑ کر انتقال کرتی ہے۔ اس عورت کے صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی، جو دونوں عورت کی موجودگی ہی میں فوت ہو چکے۔ اس عورت کے لڑکے کے دو لڑکے یعنی دو پوتے اور لڑکی کا ایک لڑکا یعنی ناتی ابھی موجود ہے اور اس عورت کا ایک چچازاد بھائی بھی موجود ہے تو از روئے شرع اس عورت کے مال کا وارث اور حصہ پانے والا کون کون ہوگا، مع مہر جواب صاف صاف بیان فرمایا جائے، احسان مند ہوں گا۔

الجواب

مسئلہ ۲

ہندہ میت

ابن الابن	ابن الابن	ابن البنت	ابن العم
۱	۱	م	م

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث ہندہ کا ترکہ دو (۲) سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

متوفی کی اولادِ نرینہ کے ہوتے ہوئے بھائی ترکہ سے محروم ہوں گے

از: غلام نبی اشرفی۔ ۵؍ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

مسمی محمد محمود نے انتقال کیا، چھوڑا تین لڑکے عبد الخالق، نعیم الدین، بکر اور دو لڑکیاں خاتون و نفیسہ اور اپنی بیوی الفت اور بھائی سمیع اللہ و غلام مصطفیٰ کو پس ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ۸×۸=۶۴

محمد محمود میت

ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	زوجہ	اخ	اخ
عبد الخالق	نعیم الدین	بکر	خاتون	نفیسہ	الفت	سمیع اللہ	غلام مصطفیٰ
		۷			۱	م	م
۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۸		
۳؍ آنہ ۶؍ پائی	۳؍ آنہ ۶؍ پائی	۳؍ آنہ ۶؍ پائی	۱؍ آنہ ۹؍ پائی	۱؍ آنہ ۹؍ پائی	۲؍ آنہ		

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث محمد محمود کا ترکہ ۶۴؍ سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

تین بطنوں کا مناسخہ

از: عبد الرحیم، کریم الدین، بکھی، قصبہ گھوسی، ضلع اعظم گڑھ۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ:

محمد نصیر نے انتقال کیا چھوڑا دو لڑکے محمد عمر و امانت اللہ اور زوجہ دکھن اور لڑکی سائرہ کو۔ اس کے بعد امانت اللہ نے انتقال کیا چھوڑا دو لڑکے محمد یحییٰ و عبدالحی اور ایک لڑکی زاہدہ اور بیوہ قمر النسا اور ماں دکھن کو۔ اس کے بعد محمد عمر نے انتقال کیا چھوڑا ایک لڑکی مجید النساء اور بیوی سلمہ اور دو بھتیجے عبدالحی و محمد یحییٰ اور ماں دکھن اور بہن سائرہ کو۔ پس محمد نصیر مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ۸×۵=۴۰×۶۰=۲۴۰۰

محمد نصیر میت

زوجہ دکھن	بنت سائرہ	ابن امانت اللہ	ابن محمد عمر
۱	۷	۱۴	۱۴
۵	۴۲۰		۸۴۰
۳۰۰			

مسئلہ ۲۴×۵=۱۲۰/۶۰ توافق بالنصف مف ۷/۱۴۰

امانت اللہ میت

ام دکھن	زوجہ قمر النسا	بنت زاہدہ	ابن عبدالحی	ابن محمد یحییٰ
۴	۳	۱۷	۳۴	۳۴
۲۰	۱۵	۱۱۹	۲۳۸	۲۳۸
۱۴۰	۱۰۵			

مسئلہ ۲۴/۱ استقامت مف ۳۵/۸۴۰

محمد عمر میت

اخت	ام	ابن الاخ	ابن الاخ	زوجہ	بنت
سائرہ	دکھن	عبدالحی	محمد یحییٰ	سلمہ	مجید النسا
۵	۴	م	م	۳	۱۲
۱۷۵	۱۴۰			۱۰۵	۴۲۰

۲۴۰۰

المبلغ

الاحیاء

عبدالحی	محمد یحییٰ	سائرہ	دکھن
۲۳۸	۲۳۸	۵۹۵	۵۸۰

۳/۱۰ $\frac{2}{5}$ پائی	۳/۱۱ $\frac{3}{5}$ پائی	۱/۷ $\frac{1}{15}$ پائی	۱/۷ $\frac{1}{25}$ پائی
زاہدہ	قمرالنسا	مجید النسا	سلمہ
۱۱۹	۱۰۵	۴۲۰	۱۰۵
۹ $\frac{1}{50}$ پائی	۸ $\frac{2}{5}$ پائی	۲/۹ $\frac{2}{5}$ پائی	۸ $\frac{2}{5}$ پائی

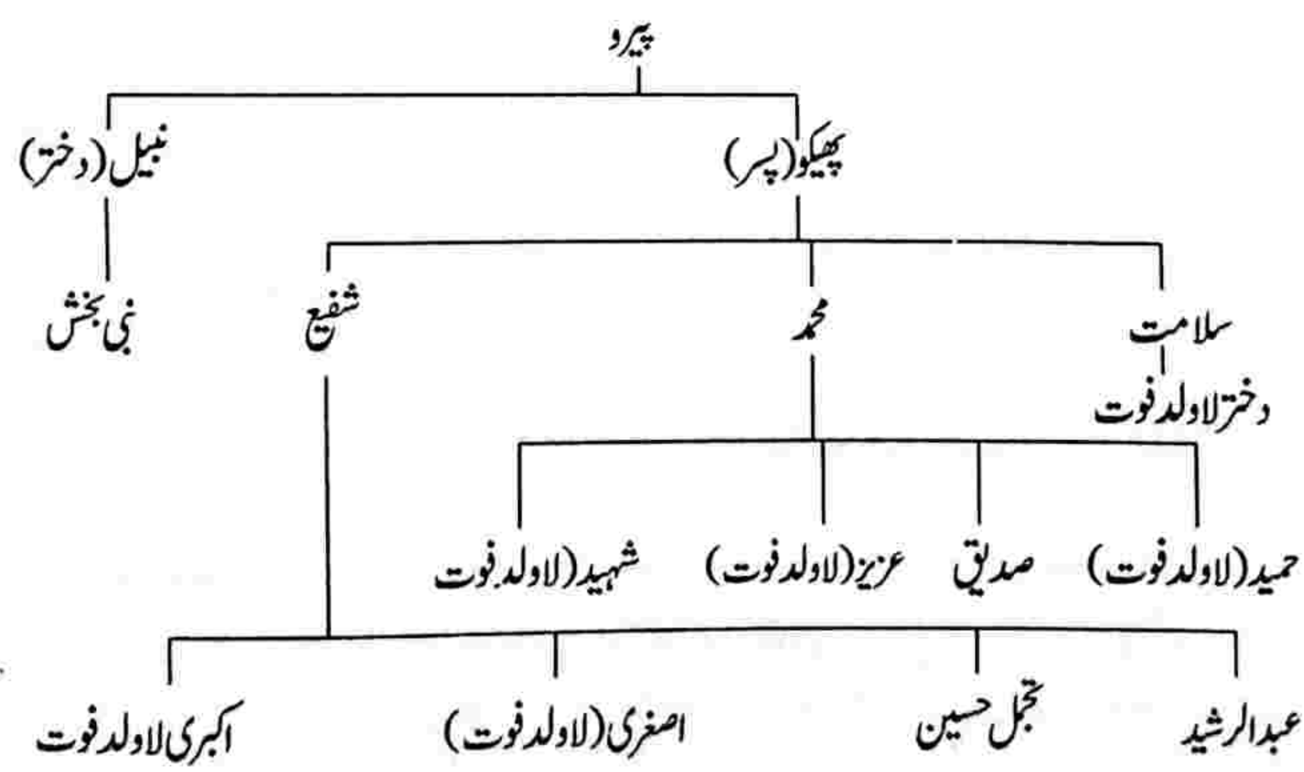
بعد تقدیم ماتقدم علی الارث محمد نصیر کا ترکہ دو ہزار چار سو (۲۴۰۰) سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ الاحیا کے نیچے درج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پانچ بطنوں کا مناسخہ

از: نبی بخش، ساکن ترکمان پور، گورکھ پور

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

پھیکو اور نبیل پیرو کی اولاد ہیں۔ نبیل کا ایک لڑکا نبی بخش ہے اور پھیکو سے تین لڑکے سلامت، محمد اور شفیع تھے۔ پھیکو نے مرتے وقت ان تینوں کو وارث چھوڑا۔ پھیکو کا انتقال اپنی بہن نبیل کی زندگی میں ہوا۔ سلامت نے ایک لڑکی کو اپنا وارث چھوڑا اور وہ لاولد فوت ہوگئی۔ محمد نے مرتے وقت حمید و صدیق و عزیز و شہید کو وارث چھوڑا۔ حمید و عزیز اور شہید لاولد فوت کر گئے۔ شفیع نے مرتے وقت عبد الرشید، تجمل حسین اور اصغری و اکبری کو وارث چھوڑا۔ اصغری و اکبری لاولد فوت ہوگئیں۔ ایسی صورت میں ہر ایک کا ترکہ کس صورت سے تقسیم ہوگا، جب کہ جائداد پھیکو کی زر خرید ہے، آیا نبی بخش جو کہ پھیکو کا حقیقی بھانجا ہے اور نبی بخش کی ماں نبیل کی زندگی میں پھیکو نے انتقال کیا۔ فقط



الجواب

مسئلہ ۳×۲=۶×۲=۱۲

پھکومیت

ابن-سلامت	ابن-محمد	ابن-شفیع
۱	۱/۲	۱/۲

مسئلہ ۲ تداخل مف۱

سلامت میت

بنت-ہندہ	اخ-محمد	اخ-شفیع
کأن لم تکن	۱	۱

مسئلہ۱ تداخل مف۳

محمد میت

ابن	ابن	ابن	ابن
حمید	صدیق	عزیز	شہید
کان لم یکن	۱/۳/۲	کان لم یکن	کان لم یکن

مسئلہ ۲ تباین مف۳

شفیع میت

ابن	ابن	بنت	بنت
عبدالرشید	تجمل حسین	اصغری	اکبری
۱/۳	۱/۳	کأن لم تکن	کأن لم تکن

۱۲

المبلغ

الاحیاء

صدیق	عبدالرشید	تجمل حسین
۶	۳	۳
۸/آنہ	۴/آنہ	۴/آنہ

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث پھیکو کا ترکہ بارہ (۱۲) سہام پر تقسیم ہوکر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کوئی اولاد نہ ہو تو بہن اور بھتیجا جائداد کے وارث ہوں گے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

محمد قاسم کا انتقال ہوا چھوڑا اپنی بہن سلیمہ کو اور اپنے بھتیجے عبدالمجید کو اس کے بعد سلیمہ کا انتقال ہوا چھوڑا اپنے شوہر محمد یعقوب کو اور دو لڑکے محمد یوسف اور محمد امین کو اور ایک لڑکی خدیجہ کو اور بھتیجے عبدالمجید کو پس ترکہ محمد قاسم کا کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب

مسئلہ ۲ × ۲۰ = ۴۰

محمد قاسم میـ

اخت-سلیمہ	ابن الاخ-عبدالمجید
۱	۱ / ۲۰

مسئلہ ۴ × ۵ = ۲۰ مف ا

سلیمہ میـ

زوج محمد یعقوب	ابن محمد یوسف	ابن محمد امین	بنت خدیجہ	ابن الاخ عبدالمجید
۱ / ۵	۶	۶	۳	م

المبلغ ۴۰

الاحیـ

عبدالمجید	محمد یعقوب	محمد یوسف	محمد امین	خدیجہ
۲۰	۵	۶	۶	۳

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث محمد قاسم کا ترکہ چالیس سہام پر تقسیم ہوکر ہر وارث کو اسی قدر سہام ملیں گے جتنے ان کے نام کے نیچے درج ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالعزیز عفی عنہ۔

قبل تقسیمِ ترکہ بعض ورثہ کی موت اور کسی ایک وارث کو پوری جائداد ہبہ کر دینا

از: محمد عمر۔ پرانا گولہ، مبارک پور، اعظم گڑھ ۲۴/ اگست ۱۹۳۷ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ:

مورث اعلیٰ مسمیٰ بدھو کی دو بیویاں تھیں پہلی بیوی کا نام جھنی تھا اس کے بطن سے ایک لڑکا مسمیٰ خان محمد اور دو لڑکیاں مریم، زینب ہوئیں اور دوسری بیوی کا نام قدمی تھا اس کے بطن سے محض ایک لڑکی مسماۃ سلمہ ہوئیں مورث اعلیٰ بدھو کی موجودگی میں پہلی بیوی مسماۃ جھنی کا انتقال ہو گیا اور دوسری بیوی مسماۃ قدمی موجود تھی اس کے بعد بدھو نے تین لڑکیاں مسماۃ مریم، زینب، سلمہ اور ایک لڑکا مسمیٰ خان محمد اور زوجہ قدمی کی موجودگی میں انتقال کیا اس کے بعد خان محمد کی موجودگی میں زینب اور مریم نے انتقال کیا یعنی پہلے زینب کا انتقال ہوا چھوڑا ایک لڑکا مولوی محمد عمر اور ایک لڑکی نبوت اور اس کے بعد مریم کا انتقال ہوا چھوڑا ایک لڑکا سلیم حاجی اور ایک لڑکی ملّو پھر اس کے بعد خان محمد نے اپنی بہن مسماۃ سلمہ اور ایک لڑکا عبد الحلیم اور ایک لڑکی مسماۃ خدیجہ کو چھوڑ کر انتقال کیا بعد ازاں خدیجہ نے انتقال کیا چھوڑا ایک لڑکی خیر النساء اور بھائی عبد الحلیم کو عبد الحلیم کی موجودگی میں ان کی پانچ لڑکیاں صاحب اولاد مریں چونکہ عبد الحلیم کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لیے انہوں نے ایک لڑکی مسماۃ صابرہ کو اپنی زوجہ مسماۃ عظیمہ کو چھوڑ کر انتقال کیا عظیمہ نے بحالت مرض الموت بدھو کی ساری جائداد کو اپنی لڑکی مسماۃ صابرہ کو وصیتاً ہبہ کر دیا پھر کچھ دنوں بعد مسماۃ صابرہ نے اپنے تین لڑکوں محبوب، اقبال، مقبول اور شوہر عبد الغنی کو چھوڑ کر انتقال کیا صورت موجودہ میں سلمہ مورث اعلیٰ کی لڑکی اور مریم و زینب کی اولاد اور خدیجہ بنت خان محمد کی ایک لڑکی مسماۃ خیر النساء اور صابرہ کے تین لڑکے اور شوہر عبد الغنی بقید حیات ہیں اب دریافت طلب دو باتیں ہیں اول یہ ہے کہ ساری جائداد کو عظیمہ و صابرہ کے نام ہبہ کرنا جائز ہوا یا نہیں دوم یہ کہ موجودہ افراد میں سے کون کون حقدار ہوگا اور ہر فرد کو کتنا حصہ شرعی ملنا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بدھو مورث اعلیٰ کی کل جائداد کے ہبہ کا حق عظیمہ کو ہرگز نہیں اور یہ ہبہ ناجائز ہے البتہ صابرہ کو عبد الحلیم اور عظیمہ دونوں کا ترکہ ملا جو صابرہ کے شوہر اور لڑکوں پر تقسیم ہوا جس کی تفصیل حل سوال میں موجود ہے بعد تقدیم ما تقدم علی الارث بدھو کی کل جائداد چار سو اسی سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اس قدر سہام ملیں گے۔ جتنا الاحیا میں اس کے نام کے نیچے درج ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم قصبہ مبارک پور

مسئلہ ۸ × ۵ = ۴۰ × ۳ = ۱۲۰ × ۴ = ۴۸۰

بدھو میـــــــ

بنت مریم	بنت زینب	بنت سلمہ	۷/۳۵	ابن خان محمد	زوجہ قدمی
۷/(۲۱)	(۷)	۷/۲۱/۸۴		۱۴/(۴۲)	۱/۵/۱۵/۶۰

مسئلہ ۳ تبائن مف ۷

زینب میت

ابن - محمد عمر	بنت - نبوت
۲/۱۴/۵۶	۱/۷/۲۸

مسئلہ ۳ استقامت مف ۷/۲۱

مریم میت

ابن - سلیم حاجی	بنت - ملّو
۲/۱۴/۵۶	۱/۷/۲۸

مسئلہ ۳ استقامت مف ۱۴/۴۲

خان محمد میت

اخت - سلمہ	ابن - عبدالحلیم	بنت - خدیجہ
م	۲/(۲۸)	۱/(۱۴)

مسئلہ ۲ استقامت مف ۷/۱۴

خدیجہ میت

بنت - خیر النساء	اخ - عبدالحلیم
۱/۷/۲۸	۱/(۷)

مسئلہ ا استقامت مف ۳۵

عبدالحلیم میـ

بنت صابرہ	زوجہ۔عظیمہ
۱/۳۵	کأن لم تکن

مسئلہ ۴ تبائن مف ۳۵

صابرہ میـ

ابن۔محبوب	ابن۔اقبال	ابن۔مقبول	زوج۔عبدالغنی
۱/۳۵	۱/۳۵	۱/۳۵	۱/۳۵

المبلغ ۴۸۰

الاحیـ

سلمہ	محمد عمر	قدمی	نبوت	سلیم حاجی	ملو	خیرالنسا	محبوب	اقبال	مقبول	عبدالغنی
۸۴	۵۶	۶۰	۲۸	۵۶	۲۸	۲۸	۳۵	۳۵	۳۵	۳۵

لڑکیوں کی موجودگی میں نواسی محروم ہوگی

مسئلہ چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ:

عبداللہ نامی شخص نے انتقال کیا دولڑکی مسمات بہن و حلیمہ اور دونواسی جن کا نام حشمتیا و نجب النساء ہے اور جائداد میں محض دو قطعہ مکان ہے اس مکان میں کون کون سی مسماۃ حق دار ہوسکتی ہیں اور کتنا کتنا حصہ ہر ایک کو ملنا چاہیے۔بینوا و توجروا.

الجواب

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث عبداللہ کا ترکہ دو سہام پر تقسیم ہوکر ایک سہام بہن کو اور ایک حلیمہ کو ملے گا مگر سائل کی زبانی معلوم ہوا کہ حلیمہ کا انتقال ہوگیا ہے اور اس کے دو لڑکے رحمت اللہ اور محمد یٰس ہیں۔لہذا حلیمہ کا حصہ اس کے دونوں لڑکیوں پر تقسیم ہوا اور عبداللہ کی پوری جائداد چار حصوں پر تقسیم ہوکر دو حصہ بہن کو اور ایک رحمت اللہ کو اور ایک محمد یٰس کو ملیں گے۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

قبلِ تقسیم ترکہ بعض ورثہ کا انتقال

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:
مریم کا انتقال ہوا چھوڑا ایک لڑکا محمد سلیم کو اور دو لڑکی ملو اور الفت کو اس کے بعد الفت کا انتقال ہوا چھوڑا ایک لڑکا عبدالغنی کو اور ایک بہن ملو کو اور بھائی محمد سلیم کو اس کے بعد ملو کا انتقال ہوا چھوڑا اپنے شوہر رکن الدین کو اور چار لڑکیاں بتول، ستول، رسولن، نبوت کو اور بھائی محمد سلیم کو پس ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث مریم کا ترکہ ۴۸ سہام پر تقسیم ہوکر ہر وارث کو اسی قدر سہام ملیں گے جتنے الاحیاء میں ان کے نام کے نیچے درج ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالعزیز عفی عنہ

مسئلہ ۴ × ۱۲ = ۴۸

مریم میت

بنت۔ الفت	بنت۔ ملو	ابن۔ محمد سلیم
۱	۱	۲ / ۲۴
مف ۱	استقامت	مسئلہ ۱

الفت میت

اخ۔ محمد سلیم	اخت۔ ملو	ابن۔ عبدالغنی
م	م	۱ / ۱۲
مف ۱	تباین	مسئلہ ۱۲

ملو میت

اخ۔ محمد سلیم	بنت۔ نبوت	بنت۔ رسولن	بنت۔ ستول	بنت۔ بتول	زوج۔ رکن الدین
۱	۲	۲	۲	۲	۳

المبلغ ۴۸

الاحیاء

نبوت	رسولن	ستول	بتول	رکن الدین	عبدالغنی	محمد سلیم
۲	۲	۲	۲	۳	۱۲	۲۵

قبلِ تقسیم ترکہ کسی وارث کا تمام جائداد وقف کرنا

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

بوا مورث نے انتقال کیا چھوڑا دو لڑکے عالم اور حسیب اللہ کو پھر عالم فوت ہوا چھوڑا اپنے بھائی حسیب اللہ کو و تین لڑکی بتول مقیمہ، کلثوم کو مقیمہ نے انتقال کیا چھوڑا چچا حسیب اللہ اور دو بہن بتول و کلثوم کو۔ کلثوم نے انتقال کیا چھوڑا چچا اور ایک بہن بتول و تین لڑکی خیر النساء، سلیمہ، زیب النساء کو بتول نے انتقال کیا چھوڑا چچا حسیب اللہ و شوہر سلیم اللہ و لڑکا قدوس اور دو لڑکی نبوت، رحمت کو اور تین بھانجیاں خیر النساء، سلیمہ، زیب النساء کو اب حسیب اللہ نے مکان مذکور کو کل مسجد پر وقف کر دیا اس میں علیم اللہ متوفی کے شرکا کا حق و حصہ کس قدر ہوگا اور بلا ان کی رضامندی سے وہ رقم مسجد پر لگانا جائز ہوگا یا نہیں؟ فقط

الجواب

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث بوا کا ترکہ چار سو چھیاسی سہام پر تقسیم ہو کر تین سو بیاسی حسیب اللہ کو اور ایک سو چوالیس سہام عالم کے دیگر ورثہ کو ملیں گے جس کی تفصیل الاحیاء میں درج ہے حسیب اللہ کو صرف اپنے حصہ کو وقف کا اختیار ہے دوسرے ورثہ کی اجازت کے بغیر پورا ترکہ وقف کرنا صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲ × ۹ = ۱۸ × ۳ = ۵۴ × ۹ = ۴۸۶

بوا میت

ابن۔ عالم	ابن۔ حسیب اللہ
①	۱ / ۹ / ۲۷ / ۲۴۳

مف ۱

مسئلہ ۳ تصح ۹ — تباین

عالم میت

اخ۔ حسیب اللہ	بنت۔ بتول	بنت۔ مقیمہ	بنت۔ کلثوم
۱ / ۳ / ۹ / ۸۱	۲ / ۶ / (۵۴)	۲ / (۲)	۲ / (۶)

مف ۲

مسئلہ ۳ — تبائن

مقیمہ میت

عم۔ حسیب اللہ	اخت۔ بتول	اخت۔ کلثوم

۱/۲ ۱۸	۱/۲ (۱۸)	(۲) ۱/

مسئلہ ۲ الصحح ۹ تباین مف ۸

کلثوم میـــ

عم۔ حسیب اللہ	اخت۔ بتول	بنت۔ خیر النساء	بنت۔ سلیمہ	بنت۔ زیب النساء
م	۱/۳ (۲۴)	۲/۱۶	۲/۱۶	۲/۱۶

مسئلہ ۴ الصحح ۱۶/۱ استقامت مف ۶/۹۶

بتول میـــ

عم۔ حسیب اللہ	زوج۔ سلیم اللہ	ابن۔ عبد القدوس	بنت۔ نبوت	بنت۔ رحمت
م	۱/۴ ۲۴	۶/۳۶	۳/۱۸	۳/۱۸

بنات الاخت:	خیر النساء	سلیمہ	زیب النساء
	م	م	م

۴۸۶
المبلـــــــغ

الاحیـــ

حسیب اللہ	خیر النساء	سلیمہ	زیب النسا	سلیم اللہ	عبد القدوس	نبوت	رحمت
۳۴۲	۱۶	۱۶	۱۶	۲۴	۳۶	۱۸	۱۸

بیٹے، بھائی اور بہن کی موجودگی میں چچازاد بھائی اور چچی محروم ہوں گے

از: محمد ابراہیم۔ محلہ پرانی بستی، مبارک پور، اعظم گڑھ۔ ۱۹/ رجب ۱۳۵۶ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ:

امان اللہ کا انتقال ہوا چھوڑا اپنی بی بی مسماۃ کتواری کو اور تین لڑکی رحمت، مسیمہ، حمیدہ اور دو بھتیجے عبد المجید و محمد سعید کو اس کے بعد رحمت کا انتقال ہوا چھوڑا شوہر عبد العزیز کو اور والدہ کتواری کو اور دو بہن مسیمہ اور حمیدہ کو اور دو چچازاد بھائی محمد سعید اور عبد المجید کو اور اس کے بعد مسیمہ کا انتقال ہوا چھوڑا والدہ کتواری کو اور شوہر محمد قاسم کو اور ایک لڑکا محمد مقبول کو اور دو چچازاد بھائی محمد سعید اور عبد المجید کو اس کے بعد عبد المجید کا انتقال ہوا چھوڑا ایک لڑکا محمد ابراہیم کو

اور ایک بھائی محمد سعید کو اور چچی کتواری کو پس ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ فقط۔

الجواب

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث امان اللہ کا ترکہ ۴۳۲ سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اس قدر سہام ملیں گے جتنے الاحیاء میں ان کے نام کے نیچے درج ہیں۔

مسئلہ ۲۴ ۶×۲۴= لصحــ ۱۴۴ ×۳= لصحــ ۴۳۲

امان اللہ میـــ

زوجہ	بنت	بنت	بنت	ابن الاخ		ابن الاخ
کتواری	رحمت	مسیمہ	حمیدہ	عبدالمجید	۵	محمد سعید
۳		۱۶		۱۵		۱۵
۱۸	۳۲	۳۲	۳۲	۴۵		۴۵
۵۴			۹۶			

مسئلہ ۶ ع ۸ استقامت مف $\frac{۴}{۳۲}$

رحمت میـــ

زوج	ام	اخت	اخت	ابن العم	ابن العم
عبدالعزیز	کتواری	مسیمہ	حمیدہ	محمد سعید	عبدالمجید
۳	۱	۲	۲	م	م
۱۲	۴	۸	۸		
۳۶	۱۲		۲۴		

مسئلہ ۱۲/۳ توافق بالربع مف $\frac{۱۰}{۴۰}$

مسیمہ میـــ

ام	زوج	ابن	ابن العم	ابن العم
کتواری	محمد قاسم	محمد مقبول	محمد سعید	عبدالمجید
۲	۳	۷	م	م
۲۰	۳۰	۷۰		

مسئلہ ۱ استقامت مف ۴۵

عبدالمجید میـــ

ابن	اخ	زوجہ عم
محمد ابراہیم	محمد سعید	کتواری
۱	م	م
۴۵		

المبلغ ۴۳۲

الاحیــــاء						
کنواری	حمیدہ	محمد سعید	عبدالعزیز	محمد قاسم	محمد مقبول	محمد ابراہیم
۸۶	۱۲۰	۴۵	۳۶	۳۰	۷۰	۴۵

قبلِ تقسیمِ ترکہ کئی وارثوں کا انتقال

از: مولوی فقیر اللہ۔ محلہ پورہ دیوان، مبارک پور، اعظم گڑھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

محمد حسن نے انتقال کیا چھوڑا زوجہ معصومہ کو اور دو لڑکے مقیم اللہ اور محمد کو اور تین لڑکی آمنہ اور صالحہ اور رسولن کو اور دو حقیقی چچا ولی اللہ اور رحمت اللہ کو اس کے بعد مقیم اللہ نے انتقال کیا چھوڑا ایک حقیقی بھائی اور تین بہن آمنہ اور صالحہ اور رسولن کو اور زوجہ الفت کو اور اپنے باپ کے حقیقی چچا ولی اللہ اور رحمت اللہ کو اور والدہ معصومہ کو اس کے بعد محمد نے انتقال کیا چھوڑا والدہ معصومہ اور تین بہن آمنہ اور صالحہ اور رسولن کو اور اپنے باپ کے حقیقی چچا ولی اللہ اور رحمت اللہ کو اور اس کے بعد رحمت اللہ نے انتقال کیا چھوڑا تین لڑکے نصر اللہ، خیر اللہ اور اسحٰق کو اور زوجہ بودھا کو اور حقیقی بھائی ولی اللہ کو اس کے بعد معصومہ نے انتقال کیا چھوڑا حقیقی بھائی سلیم اللہ کو اور والدہ سلیمہ کو بہن مقیمہ کو اور تین لڑکی آمنہ اور صالحہ اور رسولن کو اور شوہر کے حقیقی چچا ولی اللہ کو اس کے بعد صالحہ نے انتقال کیا چھوڑا شوہر محمد شفیع کو اور بہن آمنہ اور بہن رسولن اور باپ کے حقیقی چچا ولی اللہ کو اور باپ کے حقیقی چچا کے لڑکے نصر اللہ، خیر اللہ، اور اسحٰق کو اس کے بعد رسولن نے انتقال کیا چھوڑا اپنے باپ کے حقیقی چچا ولی اللہ کو اور باپ کے حقیقی چچا کے لڑکے نصر اللہ، خیر اللہ اور اسحٰق کو اور بہن آمنہ کو پس ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث محمد حسن کا ترکہ ایک لاکھ تین ہزار چھ سواسی سہام پر تقسیم ہوکر ہر وارث کو اس قدر سہام ملیں گے جتنے الاحیاء میں ان کے نام کے نیچے درج ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۸ × ۳۰ = ۲۴۰ × ۱۸ = ۴۳۲۰ × ۸ = ۳۴۵۶۰ × ۳ = ۱۰۳۶۸۰

محمد حسن میــــــــ

زوجہ	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت	عم	عم

معصومہ	مقیم اللہ	محمد	آمنہ	صالحہ	رسولن	ولی اللہ	رحمت اللہ
۱ ۳۰ ۵۴۰ (۴۳۲۰)	(۲)	۲ (۶۰)	۱ ۳۰ ۵۴۰ ۴۳۲۰ ۱۲۹۶۰	۱ ۳۰ ۵۴۰ ۴۳۲۰ (۱۲۹۶۰)	۱ ۳۰ ۵۴۰ ۴۳۲۰ (۱۲۹۶۰)	م	م

مسئلہ ۱۲ × ۵ = ۳۰/۶۰ — مف ۱/۲

مقیم اللہ میت

اخ	اخت	اخت	اخت	عم الاب	عم الاب	ام	زوجہ
محمد	آمنہ	صالحہ	رسولن	ولی اللہ	رحمت اللہ	معصومہ	الفت
(۱۴)	۷			م	م	۲	۳
	۷ ۱۲۶ ۱۰۰۸ ۳۰۲۴	۷ ۱۲۶ ۱۰۰۸ (۳۰۲۴)	۷ ۱۲۶ ۱۰۰۸ (۳۰۲۴)			۱۰ ۱۸۰ (۱۴۴۰)	۱۵ ۲۷۰ ۲۱۶۰ ۶۴۸۰

مسئلہ ۶ × ۶ = ۱۸/۳۶ — توافق بالنصف — مف ۳۷/۷۲

محمد میت

ام	اخت	اخت	اخت	عم الاب	عم الاب
معصومہ	آمنہ	صالحہ	رسولن	ولی اللہ	رحمت اللہ
۱	۴			۱	
۶ ۲۲۲ (۱۷۷۶)	۸ ۲۹۶ ۲۳۶۸ ۷۱۰۴	۸ ۲۹۶ ۲۳۶۸ (۷۱۰۴)	۸ ۲۹۶ ۲۳۶۸ (۷۱۰۴)	۳ ۱۱۱ ۸۸۸ ۲۶۶۴	۳ (۱۱۱)

مسئلہ ۸ × ۳ = ۸/۲۴ — توافق بالثلث — مف ۳۷/۱۱۱

رحمت اللہ میت

ابن	ابن	ابن	زوجہ	اخ
نصر اللہ	خیر اللہ	اسحاق	بودھا	ولی اللہ
۷ ۲۵۹ ۷۷۷	۷ ۲۵۹ ۷۷۷	۷ ۲۵۹ ۷۷۷	۳ ۱۱۱ ۳۳۳	م

مسئلہ ٦ × ٣ = ٣/١٨ توافق بالسدس مف ١٢٥٦/٧٥٣٦

معصومہ میت

ام	اخ	اخت	بنت	بنت	بنت	عم الزوج
سلیمہ	سلیم اللہ	مقیمہ	آمنہ	صالحہ	رسولن	م
١	١		٤			
٣	٢	١	٤	٤	٤	
٣٧٦٨	٢٥١٢	١٢٥٦	٥٠٢٤	(٥٠٢٤)	(٥٠٢٤)	

مسئلہ ٦ ع ١/٧ استقامت مف ٤٠١٦/٢٨١١٢

صالحہ میت

زوج	اخت	اخت	عم الاب	ابن عم	ابن عم الاب	ابن عم الاب
شفیع	آمنہ	رسولن	ولی اللہ	نصر اللہ	خیر اللہ	اسحاق
٣	٢	٢	م	م	م	م
١٢٠٤٨	٨٠٣٢	(٨٠٣٢)				

مسئلہ ١/٢ استقامت مف ١٨٠٧٢/٣٦١٤٤

رسولن میت

عم الاب	ابن عم الاب	ابن عم الاب	ابن عم الاب	اخت
ولی اللہ	نصر اللہ	خیر اللہ	اسحاق	آمنہ
١	م	م	م	١
١٨٠٧٢				١٨٠٧٢

١٠٣٦٨٠
المبلغ

الاحیاء

آمنہ	الفت	ولی اللہ	نصر اللہ	خیر اللہ	اسحاق	بودھا	سلیم اللہ	سلیمہ	مقیمہ	شفیع
٥٤٢١٦	٦٤٨٠	٢٠٧٣٦	٧٧٧	٧٧٧	٧٧٧	٣٣٣	٢٥١٢	٣٧٦٨	١٢٥٦	١٢٠٤٨

قبلِ تقسیمِ ترکہ بیٹے کا انتقال ہوجائے تو کیا اس کی بیوی کو مورثِ اعلیٰ کے ترکے سے کچھ ملے گا ؟

از: محمد حنیف، عبد الصمد، مکان /108A، دوکان نمبر ٢، مدن پورہ، مین روڈ، بمبئی، نمبر ٨

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید کا انتقال ہو گیا اور اس نے چھوڑے تین لڑکے۔ ابھی زید کا مال وارثوں پر تقسیم نہیں ہوا تھا کہ تین لڑکوں میں ایک لڑکا انتقال کر گیا۔ اس لڑکے نے چھوڑے دو بھائی اور ایک زوجہ۔ از روئے شرع ان کو زید کے مال میں سے پھر زید کے متوفی لڑکے کے مال میں سے زوجہ کو کیا ملے گا؟ بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث زید کا کل ترکہ چوبیس سہام (۲۴) پر تقسیم ہو کر دو سہام زید کے لڑکے مرحوم کی زوجہ کو ملیں گے اور گیارہ گیارہ سہام زید کے دونوں لڑکوں کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

صورۃ التخریج ھکذا...

مسئلہ ۳×۸=۲۴ مف ۱

زید میـــــــــــت

ابن	ابن	ابن
۱	۱	۱
	۸	۸

مسئلہ ۴×۲=۸

ابن میـــــــــــت

زوجہ	اخ	اخ
۱	۳	
۲	۳	۳

۲۴

المبـــــــلغ

الاحیـــــــــاء

زوجہ ابن زید	ابن زید	ابن زید
۲	۱۱	۱۱

دیور کی جائداد میں بھابھی کا کوئی حصہ نہیں

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علما اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

احمد مورث اعلیٰ دو بھائی احمد و عبدالقادر۔ عبدالقادر نے احمد کی موجودگی میں انتقال کیا چھوڑا اپنے بھائی احمد و اپنی

بیوی جگر اور اپنی بھاوج فاطمہ کو پھر اس کے بعد احمد کی بیوی فاطمہ نے انتقال کیا چھوڑا اپنے شوہر احمد اور اپنی دیورانی جگر کو پھر بعد اس کے احمد نے انتقال کیا چھوڑا دو لڑکی سلمہ اور مریم اور لڑکا کریم بخش، پھر بعد اس کے کریم بخش نے انتقال کیا چھوڑا دو بہن سلمہ و مریم اور دو لڑکی رحیمہ و کلثوم اور لڑکا یعقوب، پھر اس کے بعد مریم نے انتقال کیا چھوڑا اپنے شوہر اسمٰعیل اور لڑکا علی حسن اور بہن سلمہ کو پھر اس کے بعد سلمہ نے انتقال کیا چھوڑا اپنے شوہر عبد الرحمن اور پانچ لڑکے عبد الغفور، عبد الشکور، محمد ابراہیم، نعمت اللہ، عبد المجید، اور لڑکی مقیمہ کو ان سب میں ترکہ کس طرح سے تقسیم ہوگا؟

الجواب

مسئلہ ۴

عبد القادر میـــــــــــ

زوجہ۔ جگر	احمد۔ اخ	زوجۂ اخ۔ فاطمہ
۱	۳	محروم

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث عبد القادر کا ترکہ چار سہام پر تقسیم ہو کر ایک جگر کو اور تین سہام احمد کو ملیں گے، اور فاطمہ کا پورا ترکہ احمد کو ملے گا بشرطے کہ احمد کے سوا فاطمہ کا اور کوئی وارث نہ ہو۔ اور احمد کا ترکہ جسے سائل نے مورث اعلیٰ قرار دیا ہے، اس طرح تقسیم ہوگا۔

مسئلہ ۴×۲=۸×۲=۱۶×۱۱=۱۷۶

احمد میـــــــــــ

ابن	بنت	بنت
کریم بخش	سلمہ	مریم
(۲)	۱ / ۲ / (۴)	۱ / (۲)

مسئلہ $\frac{۲}{۴}$ مف $\frac{۱}{۲}$

کریم بخش میـــــــــــ

ابن	بنت	بنت	اخت	اخت
یعقوب	رحیمہ	کلثوم	سلمہ	مریم
۲ / ۴ / ۴۴	۱ / ۲ / ۲۲	۱ / ۲ / ۲۲	م	م

مسئلہ ۲/۴

مریم میـــــــــــــــــــــــــــــــ مف ۱/۲

زوج	ابن	اخت
اسماعیل	علی حسن	سلمہ
۱/۱۱	۳/۳۳	م

مسئلہ ۴×۱۱=۴۴/۱۱

سلمہ میـــــــــــــــــــــــــــــــ مف ۱/۴

زوج	ابناء					بنت
عبدالرحمن	عبدالغفور	عبدالشکور	محمدابراہیم	نعمت اللہ	عبدالمجید	مقیمہ
۱/۱۱	۶	۶	۶	۶	۶	۳

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث احمد کا ترکہ ۱۷۶ سہام پر تقسیم ہو کر یعقوب۔ رحیمہ، کلثوم، اسمعیل، علی حسن، عبد الرحمن، عبدالغفور، عبدالشکور، محمد ابراہیم، نعمت اللہ، عبدالمجید، مقیمہ کو ان کے نام کے نیچے لکھے ہوئے سہام کے مطابق ان کو ترکہ ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم و الیہ المرجع والمآب۔ محمد عثمان

الجواب صحیح: عبد العزیز عفی عنہ

چھ بطنوں کا مناسخہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

انتقال کیا خدا بخش مورث اعلیٰ نے اور چھوڑا تین لڑکے امان اللہ، عبدالرحمن، محمد حسن، اور دو لڑکیاں رحیمہ اور صندل کو پھر انتقال کیا امان اللہ نے اور چھوڑا دو لڑکے امانت اللہ، عبداللہ کو اور بہن رحیمہ اور صندل کو پھر انتقال کیا عبد الرحمن نے اور چھوڑا دو لڑکیاں پھسکین اور نصیبن کو اور بھائی محمد حسن کو اور دو بہن رحیمہ اور صندل کو پھر انتقال کیا لاولد صندل مسمات نے چھوڑا بھائی محمد حسن اور بہن رحیمہ کو پھر انتقال کیا مسمات رحیمہ نے چھوڑا ایک لڑکا ہدایت اللہ اور ایک لڑکی عائشہ اور اپنے بھائی محمد حسن کو پھر انتقال کیا پھسکین نے اور چھوڑا اپنے چچا محمد حسن اور بہن نصیبن کو پھر انتقال کیا نصیبن نے اور چھوڑا اپنے چچا محمد حسن کو پھر محمد حسن نے انتقال کیا اور چھوڑا دو لڑکے صفر اور علی احمد کو اور تین لڑکیاں بتول، زیتون اور خاتون کو اس وقت امان اللہ مرحوم کے دو لڑکے امانت اللہ اور عبداللہ، محمد حسن مرحوم کے دو لڑکے صفر اور علی احمد، اور تین لڑکیاں بتول، زیتون، خاتون اور رحیمہ مرحومہ کے ایک لڑکا ہدایت اور لڑکی عائشہ کل نو اشخاص

امانت اللہ، عبداللہ، صفر علی احمد، بتول، زیتون، خاتون، ہدایت اللہ، عائشہ موجود ہیں، ان موجودہ افراد کے درمیان میں خدا بخش کی جائداد کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب

مسئلہ ۸×۶=۴۸×۳=۱۴۴×۳=۴۳۲×۷=۳۰۲۴

خدا بخش میـــ

ابن	ابن	ابن	بنت	بنت
امان اللہ	عبدالرحمن	محمد حسن	رحیمہ	صندل
(۲)	(۲)	۲	۱	۱
		۱۲	۶	۶
		۳۶	(۱۸)	
		(۱۰۸)		

مسئلہ ۲ تساوی مف ۲

امان اللہ میـــ

ابن	ابن	اخت	اخت
امانت اللہ	عبداللہ	رحیمہ	صندل
۱	۱	م	م
۶	۶		
۱۸	۱۸		
۵۴	۵۴		
۳۷۸	۳۷۸		

مسئلہ ۳×۴ = $\frac{۶}{۱۲}$ مف $\frac{۱}{۲}$

عبدالرحمن میـــ

بنت	بنت	اخ		اخت	اخت
پھیکن	نصیبن	محمد حسن		صندل	رحیمہ
۱	۱	۲	$\frac{۱}{۲}$	(۱)	۱
۴	۴	۶			(۳)
۱۲	۱۲	(۱۸)			
(۳۶)	(۳۶)				

مسئلہ ۳ تباین مف ۷

صندل میـــ

اخ	اخت

رحیمہ	محمد حسن
۱	۲
۷	۱۴
	۴۲

مسئلہ ۳ تباین مف ۲۸

رحیمہ میـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اخ	بنت	ابن
محمد حسن	عائشہ	ہدایت اللہ
م	۱	۲
	۲۸	۵۶
	۱۹۶	۳۹۲

نصیبن و پھینکن کان لم تکن

۲۴۰=۱۶۸+۳۶+۳۶

مسئلہ ۷ تباین مف

محمد حسن میـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

خاتون	زیتون	بتول	علی احمد	صفر
۱	۱	۱	۲	۲
۲۴۰	۲۴۰	۲۴۰	۴۸۰	۴۸۰

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث خدا بخش کا ترکہ ۲۴۳۰ سہام پر تقسیم ہوکر امانت اللہ (۳۷۸) عبداللہ (۳۷۸) ہدایت اللہ (۳۹۲) عائشہ (۱۹۶) صفر (۴۸۰) علی احمد (۴۸۰) بتول (۲۴۰) زیتون (۲۴۰) خاتون (۲۴۰) ان کے نام کے ساتھ لکھے ہوئے سہام کے مطابق ہر ایک کو حصہ ملے گا۔ واللہ اعلم بالصواب .

محمد عثمان عفی عنہ مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم

الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ

ترکہ میں بیٹیوں کا بھی حصہ ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

احمد نے انتقال کیا چھوڑا ایک لڑکا کریم بخش اور دو لڑکیاں، پس ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث احمد کا ترکہ چار (۴) سہام پر تقسیم ہوکر دو (۲) سہام کریم بخش کو اور ایک ایک دونوں لڑکیوں کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم .

بیوی کی جائداد میں شوہر کا حصہ

مسئلہ کیافرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ:
سلمہ نے انتقال کیا چھوڑا شوہر اور پانچ لڑکوں کو اور ایک لڑکی کو، پس ترکہ مورث اعلیٰ کا کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب

مسئلہ ۴×۱۱= لصحــ ۴۴

سلمہ میـــــ

زوج	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
۱۱	۶	۶	۶	۶	۶	۳

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث سلمہ کا ترکہ چوالیس (۴۴) سہام پر تقسیم ہوکر ہر وارث کو اسی قدر سہام ملیں گے جتنے اس کے نام کے نیچے درج ہیں، یعنی شوہر کو ۱۱ر اور لڑکوں کو ۶/۶ر اور لڑکی کو ۳ر ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
۲۱ر شوال ۱۳۵۵ھ

وراثت میں چچا اور بہن کا حصہ

مسئلہ کیافرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ:
شیخ سخاوت نے انتقال کیا چھوڑا ایک لڑکا یعقوب اور ایک لڑکی ہورہ کو۔ پھر یعقوب نے انتقال کیا، چھوڑا اصغر چچا اور بہن ہورہ کو اور بیوی نبوت کو، پھر ہورہ نے انتقال کیا چھوڑا زوج شریف اور چچا اصغر کو تو ترکہ مورثِ اعلیٰ کا کس طرح تقسیم ہوگا، اور ہورہ کے مہر سے اس کے چچا کو کیا ملے گا؟

الجواب

مسئلہ ۳×۲=۶

شیخ سخاوت میـــــ

ابن، یعقوب	بنت، ہورہ
(۲)	۱ / (۲)

مسئلہ ۲/۴ تداخل مف ۱/۲

یعقوب میـــــ

زوجہ، نبوت	اخت، ہورہ	عم، اصغر
۱	(۲)	۱

مسئلہ $\frac{۱}{۲}$ تداخل مف $\frac{۲}{۴}$

ہورہ میـــــــــــ

زوج، شریف	عم، اصغر
$\frac{۱}{۲}$	$\frac{۱}{۲}$

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث شیخ سخاوت کا کل ترکہ چھ (٦) سہام پر تقسیم ہوکر اصغر کو ۳ر زوج شریف کو ۲ر نبوت کو ایک ملے گا اور ہورہ کا نصف مہر اس کے شوہر شریف کو اور نصف مہر اس کے چچا اصغر کو دیا جائے گا۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم.

وراثت میں بھائی کا حصہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

انتقال کیا فصیح اللہ نے چھوڑا بیوی اول اور ایک لڑکی اور ماں کو اور تین بھائی، ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجوابـــــــــــ

مسئلہ ۲۴×۳= لصحـــــ ۷۲

فصیح اللہ میـــــــــــ

زوجہ اول	بنت	ام	اخ		اخ	اخ
$\frac{۳}{۹}$	$\frac{۱۲}{۳٦}$	$\frac{۴}{۱۲}$	۵	(۵)	۵	۵

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث فصیح اللہ کا ترکہ ۷۲ر سہام پر تقسیم ہوکر ہر وارث کو اسی قدر سہام ملیں گے جتنے کہ ان کے نام کے نیچے درج ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

دادا کے بھائی کے پوتے کا ترکہ میں حصہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

عنایت اللہ نے انتقال کیا، چھوڑا ایک بہن زینت بی بی کو اور ایک دادا کے بھائی کا پوتا علی حسین کو۔ اس کے بعد زینت بی بی کا انتقال ہوا، چھوڑا شوہر عاشق علی کو اور دادا کے بھائی کے پوتے علی حسین کو پس ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ۲×۲=۴

عنایت اللہ میـ

ابن ابن اخ الجد۔ علی حسین	اخت۔ زینت
۱/۲	۱

مسئلہ ۲ — تباین — مف ۱

زینت میـ

ابن ابن اخ الجد۔ علی حسین	زوج۔ عاشق علی
۱	۱

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث عنایت اللہ کا ترکہ چار (۴) سہام پر تقسیم ہو کر ایک عاشق علی اور تین علی حسین کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

پوتے کی موجودگی میں بھائی محروم ہوں گے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید کا انتقال ہوا، اس نے ایک چھوٹا بھائی چھوڑا اور دو حقیقی پوتے چھوڑے، تو زید کے ترکہ میں سے بھائی کو کس قدر حصہ پہنچتا ہے اور کتنے سہام پہنچتا ہے؟

الجواب

زید نے اگر صرف پوتے اور بھائی ہی چھوڑے، اس کے سوا اور کوئی وارث نہیں تو پوتے اور بھائی عصبہ بنفسہ ہوئے، لیکن اس کے چار درجہ ہیں، پوتا بیٹا نہ ہونے کی صورت میں اول درجہ میں ہے۔ (اگر زید نے کوئی لڑکا چھوڑا ہوتا تو پوتے محروم ہوتے) اور بھائی تیسرے درجہ میں ہے اس لیے بھائی محروم ہے۔

سراجی میں ہے:

اولیٰهم بالمیراث جزء المیت ای البنون ثم بنوهم و ان سفلوا ثم أصله أی الأب ثم الجد أی أب الأب و إن علا ثم جزء أبيه أی الإخوة ثم بنوهم و إن سفلوا ثم جزء جده أی الأعمام ثم

میراث میں سے مقدم جزء میت یعنی بیٹے ہیں، پھر ان کے بیٹے، نیچے تک، پھر میت کی اصل یعنی باپ، پھر دادا یعنی باپ کا باپ اوپر تک، پھر میت کے باپ کا جز یعنی بھائی پھر ان کے بیٹے نیچے تک، پھر میت کے دادا کا جز یعنی چچا، پھر ان کے بیٹے

بنوھم وإن سفلوا۔[1] نیچے تک۔ (از: محمد جابر مصباحی)

لہٰذا بعد تقدیم ماتقدم علی الارث زید کا ترکہ دو سہام پر تقسیم ہو کر دونوں پوتوں کو ایک ایک سہام ملے گا۔

مسئلہ ۲

زید میـــ

ابن الابن	ابن الابن	اخ
۱	۱	م

تین بطنوں کا مناسخہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

میاں جی مدارا نے انتقال کیا، چھوڑا انھوں نے تین لڑکے مسمی نصر اللہ، ہدایت اللہ، عبد اللہ اور ایک لڑکی مسماۃ رحیمہ بی بی کو اور اپنی زوجہ ہندہ کو، پھر ہندہ نے انتقال کیا، چھوڑا اپنے تینوں لڑکوں کو یعنی نصر اللہ، ہدایت اللہ، عبد اللہ اور لڑکی رحیمہ بی بی کو اس کے بعد عبد اللہ نے انتقال کیا چھوڑا انھوں نے ایک لڑکی مسماۃ خدیجہ بی بی کو اور دو بھائی نصر اللہ، ہدایت اللہ اور ایک بہن رحیمہ بی بی اور پھر نصر اللہ نے انتقال کیا چھوڑا انھوں نے ایک بھائی ہدایت اللہ اور ایک لڑکی حقیقی مسماۃ حکیمہ کو پس ترکہ آپس میں کس طرح تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا.

الجوابـــ

مسئلہ ۷×۵ = ۳۵

مدارا میـــ

زوجہ	ابن	ابن	ابن	بنت
ہندہ	نصر اللہ	ہدایت اللہ	عبد اللہ	رحیمہ
کأن لم تکن	۲/۱۰	۲/۱۰	(۲)	۱/۵

مسئلہ ۲×۵ = لصحـــــ ۵/۱۰ توافق بالنصف مف ۱/۲

عبد اللہ میـــ

بنت	اخ	اخ	اخت
خدیجہ	نصر اللہ	ہدایت اللہ	رحیمہ

(۱) سراجی، ص:۲۲

مسئلہ ۲×۳ = ۱/۶	۱/۵	(۲)	۲	۱
		استقامت		مف ۲/۱۲

نصر اللہ میـــــــــــــــــــــت

بنت	اخ	اخت	بنت الاخ
حکیمہ	ہدایت اللہ	رحیمہ	خدیجہ
۳/۶	۲/۴	۱/۲	م

المبـــــلغ ۳۵

الاحیـــــــــــــــــــــاء

ہدایت اللہ	رحیمہ	خدیجہ	حکیمہ
۱۶	۸	۵	۶

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث مدارا کا ترکہ پینتیس (۳۵) سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ ان کے ناموں کے نیچے الاحیاء میں درج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جائداد میں چچا کا حصہ

از: سراج الدین، مبارک پور، ۲۵؍ اپریل ۱۹۳۸ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

مورث اعلیٰ حاجی نعمت اللہ فوت ہوئے، چھوڑے پانچ لڑکے مسمیان حاجی محمد ابراہیم، نجیب اللہ، محمد بشیر، محمد منیر، محمد نذیر و تین لڑکیاں نعیمہ بی بی، مقیمہ بی بی و آسمہ بی بی و زوجہ نورہ کو بعد ازاں محمد نذیر فوت ہوئے، چھوڑا چار برادرِ حقیقی مذکورہ بالا و تین ہم شیرہ حقیقی مذکورہ بالا و مادر نورہ کو۔ بعد ازاں حاجی محمد ابراہیم مذکور نے اپنے حق و حصہ کو بنام ولی اللہ بیع کر دیا، جس کو صرف نجیب اللہ محمد بشیر و محمد منیر نے خریدا۔ بعد ازاں آسمہ بی بی فوت ہوئی، چھوڑا برادران محمد ابراہیم، نجیب اللہ، محمد بشیر و محمد منیر و خواہران نعیمہ، مقیمہ، و مادر نورہ، دختر فاطمہ و پسر محمد ایوب و غلام رسول۔ پس ترکہ حاجی نعمت اللہ مذکور کا از روے شرع شریف کیوں کر تقسیم ہوگا اور کس کس کو کتنا کتنا ملے گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث حاجی نعمت اللہ کا ترکہ دس ہزار دو سو چھیانوے (۱۰۲۹۶) سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا مد الاحیاء میں اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ اور محمد ابراہیم کا حصہ ۱۵۹۶؍ سہام ہے۔ بحصہ شرا مشتریان نجیب اللہ محمد بشیر و محمد منیر پر تقسیم کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۸×۱۳ = ۱۰۴×۳۳ = ۳۴۳۲×۳ = ۱۰۲۹۶

نعمت اللہ میت

ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت	زوجہ
ابراہیم	نجیب اللہ	بشیر	منیر	نذیر	نعیمہ	مقیمہ	آسمہ	نورہ
۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	(۱۴)	۷	۷	۷	۱۳
۴۶۲	۴۶۲	۴۶۲	۴۶۲		۲۳۱	۲۳۱	(۲۳۱)	۴۲۹
۱۳۸۶	۱۳۸۶	۱۳۸۶	۱۳۸۶		۶۹۳	۶۹۳		۱۲۸۷

مسئلہ ۶×۱۱ تصح ۳۳/۶۶ توافق بالنصف مف ۷/۱۴

محمد نذیر میت

اخ	اخ	اخ	اخ	اخت	اخت	اخت	ام
ابراہیم	نجیب اللہ	محمد بشیر	محمد منیر	نعیمہ	مقیمہ	آسمہ	نورہ
							۱
۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۵	۵	۵	۱۱
۷۰	۷۰	۷۰	۷۰	۳۵	۳۵	(۳۵)	۷۷
۲۱۰	۲۱۰	۲۱۰	۲۱۰	۱۰۵	۱۰۵		۲۳۱

مسئلہ ۳/۶ توافق بالنصف مف ۱۳۳/۲۶۶

آسمہ میت

اخ	اخ	اخ	اخ	اخت	اخت	ام	بنت	ابن	ابن
ابراہیم	نجیب اللہ	محمد بشیر	محمد منیر	نعیمہ	مقیمہ	نورہ	فاطمہ	محمد ایوب	غلام رسول
م	م	م	م	م	م	۱	۱	۲	۲
						۱۳۳	۱۳۳	۲۶۶	۲۶۶

۱۰۲۹۶

المبلغ (۱)

(۱) اگر اس مسئلے میں پہلے بطن سے محمد نذیر کو کان لم یکن کر دیا جائے تو یہ مسئلہ تین بطن کے بجائے دو بطن کا ہو جائے گا اور حساب بھی مختصر ہو جائے گا۔ اس تقدیر پر مسئلے کی تخریج حسب ذیل ہوگی۔

مسئلہ ۸×۱۱=۸۸×۶=۵۲۸

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت
۱	کان لم یکن							
۱۱					۷			

الاحیاء

ابراہیم	نجیب اللہ	محمد بشیر	محمد منیر	نعیمہ	مقیمہ	نورہ	فاطمہ	محمد ایوب	غلام رسول
۱۵۹۶	۱۵۹۶	۱۵۹۶	۱۵۹۶	۷۹۸	۷۹۸	۱۶۵۱	۱۳۳	۲۶۶	۲۶۶

تقسیم وراثت کا مسئلہ

از: حبیب اللہ۔ محلہ ملاح ٹولی، رسٹرا، ضلع بلیا

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین صورت ذیل میں کہ:
مورث اعلیٰ شیخ روز الدین نے اپنی جائداد اپنے پوتے شریف الحق وعبدالجلیل کو اپنی حیات میں ھبہ کردیا اور ان کو قابض کردیا شریف الحق کا انتقال ہوا چھوڑا انہوں نے اپنے بھائی عبدالجلیل اور اپنی والدہ حلیمہ بی بی اور اپنی دادی رحیمہ کو اور پھوپھی زاد بھائی حبیب اللہ کو اور اپنے چچا عثمان، سلیمان، امیر علی اور محمد صدیق اور نبی بخش کو اس کے بعد عبدالجلیل کا انتقال ہوا انہوں نے اپنی والدہ حلیمہ اور دادی رحیمہ اور پھوپھی زاد بھائی حبیب اللہ اور اپنے چچا عثمان، سلیمان، امیر علی، نبی بخش، محمد صدیق کو چھوڑا اور اس کے بعد حلیمہ نے انتقال کیا چھوڑا اپنے بھائی اور ساس رحیمہ اور اپنے بھانجہ حبیب اللہ اور اپنے شوہر کے بھائی عثمان، سلیمان، امیر علی محمد صدیق اور نبی بخش کو اور اس کے بعد رحیمہ نے انتقال کیا چھوڑا اپنے نواسے حبیب اللہ اور اپنے شوہر کے بھتیجے عثمان، امیر علی کو دریافت طلب امر یہ ہے کہ شیخ روز الدین کی جائداد کس طرح تقسیم ہوگی۔ بینوا توجروا۔

۱۱/۶	۱۴/۸	۱۴/۸	۱۴/۸	۱۴/۸	۱۴/۸	۷	۷/۴۲	۷/۴۲	

مسئلہ ۶ مف ۷

آسمہ

زوجہ	ابن	ابن	بنت	اخ	اخ	اخ	اخ	اخت	اخت
نورہ	ایوب	غلام رسول	فاطمہ	م	م	م	م	م	م
۱/۷	۲/۴	۲/۴	۱/۷						

المبلغ ۵۲۸

الاحیاء

ابراہیم	نجیب اللہ	محمد بشیر	محمد منیر	نعیمہ	مقیمہ	نورہ	فاطمہ	ایوب	غلام رسول
۸۴	۸۴	۸۴	۸۴	۴۲	۴۲	۷۳	۷	۱۴	۱۴

اس جائداد کے علاوہ ایک مکان زنانہ شیخ روز الدین نے اپنی بیوی رحیمہ کو ہبہ کر دیا تھا۔

الجواب

مسئلہ ۳ × ۱۵ = لصح ۴۵

شریف الحق میت

اخ	ام	جدہ	ابن عمہ	عم	عم	عم	عم	عم
عبدالجلیل	حلیمہ	رحیمہ	حبیب اللہ	عثمان	سلیمان	امیرعلی	محمد صدیق	نبی بخش
۲	۱	م	م	م	م	م	م	م
	۱۵							

مسئلہ ۳ × ۵ = لصح ۱۵ تباین مف ۲

عبدالجلیل میت

ام	جدہ	ابن عمہ	عم	عم	عم	عم	عم
حلیمہ	رحیمہ	حبیب اللہ	عثمان	سلیمان	امیرعلی	محمد صدیق	نبی بخش
۱	م	م			۲		
~~۵~~			۲	۲	۲	۲	۲
۱۰			~~۴~~	~~۴~~	~~۴~~	~~۴~~	~~۴~~

مسئلہ ۱ استقامت مف ۲۵

حلیمہ میت

اخ	ام الزوج	ابن الاخت	اخ الزوج	اخ الزوج	اخ الزوج	اخ الزوج	اخ الزوج
بکر فرضی	رحیمہ	حبیب اللہ	عثمان	سلیمان	امیرعلی	نبی بخش	محمد صدیق
۲۵	م	م	م	م	م	م	م

المبلغ ۴۵

الاحیاء

عثمان	سلیمان	امیرعلی	محمد صدیق	نبی بخش	اخ حلیمہ
۴	۴	۴	۴	۴	۲۵

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث مورث اعلیٰ کا ترکہ ۴۵ سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ ان کے ناموں کے نیچے درج ہے اور روز الدین نے جو مکان ہبہ کیا تھا رحیمہ کو وہ مکان بعد انتقال رحیمہ کے ان کے نواسے حبیب اللہ کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مورخہ ۲۹ر جون ۱۹۳۸ء

قبل تقسیمِ ترکہ وارث نے کوئی چیز خریدی تو دوسرے وارثین بھی حصہ دار ہوں گے

از: علی حسین، پور چیت پور روڈ، کلکتہ

مسئلہ کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:
شیخ روزامیاں نے اپنے ورثہ میں ۲ لڑکے ایک لڑکی چھوڑے۔ جائداد میں ایک گاڑی چھوڑی، اس کے بعد ایک گاڑی ایک لڑکے نے خریدا اس وقت دونوں بھائی مشترک تھے اب کیا اس گاڑی کا حصہ دوسرے بھائی کو ملیگا یا نہیں شرعی فیصلہ سے آگاہ فرمائیں۔ بھائی بہن میں کتنا بٹے گا آگاہ فرمائیں گے۔

الجواب
بعد تقدیم ما تقدم علی الارث شیخ مذکور کا کل ترکہ پانچ حصوں پر تقسیم ہوکر دو دو حصہ دونوں لڑکوں کو، ایک حصہ لڑکی کو ملے گا جب کہ مشترکہ رہتے تھے اور شرکت میں ہی گاڑی خریدی گئی تو ظاہر یہی ہے کہ دوسری گاڑی بھی دونوں بھائیوں میں مشترک ہے۔ و ھو تعالیٰ اعلم کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ۔ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

صرف بیٹی ہو تو کُل جائداد کی وہی وارث ہوگی

مسئلہ کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ فریضہ میں کہ:
انتقال کیا عمرو نے چھوڑا ایک لڑکی رحمت کو۔ ابھی رحمت زندہ ہے اور اس میں کچھ نفاق پیدا ہونا چاہتا ہے۔ فی الحال رحمت کے دو اولاد ہیں۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی محمد عمر و بتولن اب اس مسئلہ میں ترکہ عمرو کا کس طرح تقسیم ہو گا۔
بینوا توجروا۔

الجواب

المسئلہ من ۲، ترد إلی ۱

عمرو میت

بنت	بنت البنت	ابن البنت
رحمت	بتولن	محمد عمر
۱	ساقطہ	ساقط

مسئلۂ تقدیم ما تقدم علی الارث کے بعد عمرو کا کل ترکہ اس کی لڑکی رحمت کو ملے گا، نصف بطریق فرضیت اور نصف بطریق رد، محمد عمرو بتولن کا کوئی حصہ نہیں۔ فقیر غلام محی الدین غفرلہ

بیٹے کی موجودگی میں بہن وارث نہ ہوگی

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ فریضہ میں کہ:
انتقال کیا زید نے نے چھوڑا دو لڑکی ایک قسیمہ ایک عصمت اور لڑکا عبد الغفور اور انتقال کیا عبد الغفور نے، چھوڑا دو بہن قسیمہ اور عصمت کو اور ایک لڑکا محمد عمر اور ایک لڑکی بتولن کو اور بیوی رحمت کو۔ زید کا مسئلۂ فریضہ کس طرح پر تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ۴×۱۲=۴۸

زیدمیـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

ابن۔ عبد الغفور	بنت۔ قسیمہ	بنت۔ عصمت
۲	۱/۱۲	۱/۱۲

مسئلہ ۸×۳= ۱۲/۲۴ مف ۱/۲

عبد الغفور میـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اختان ساقطتان	ابن، محمد عمر	بنت بتولن	زوجہ، رحمت
	۷		۱
	۱۴	۷	۳

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث زید کا ترکہ ۴۸ر سہام پر تقسیم ہو کر ۱۲ر قسیمہ کو اور ۱۲ر عصمت کو اور ۱۴ر محمد عمر کو، ۷ر بتولن کو اور ۳ر رحمت کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

ربیبہ وارث نہ ہوگی

از جین پور، ۱۴ر ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:
بدھو مرے، چھوڑا ایک لڑکا دین علی اور ایک لڑکی کریمہ۔ دین علی مرے، چھوڑا بہن کریمہ اور ایک لڑکا محمد سلیم کو۔ محمد

سلیم مرے، چھوڑا اپنی بیوی مسماۃ صاحب زادی اور ایک لڑکی جو صاحب زادی لے کر آئی تھی محمد سلیم کی حقیقی لڑکی نہ تھی اور پھوپھی کریمہ۔ اب ان میں ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ یہ بھی واضح رہے کہ مکان دین علی کا بنایا ہوا ہے، بدھو کا نہیں۔

الجواب

مسئلہ ٣ × ٢ = تصحیح ٦

بدھو میـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

بنت، کریمہ	ابنہ، محمد سلیم	دین علی
$\frac{١}{٢}$	٢	کأن لم یکن

مسئلہ $\frac{٢}{٤}$ توافق بالنصف مف $\frac{١}{٢}$

محمد سلیم میـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

کریمہ، اخت الاب	بنتِ صاحب زادی	زوجہ، صاحبزادی
٣	م	١

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث اگر بدھو کا ترکہ ہو تو اس کے ترکہ کو چھ سہام پر تقسیم کر کے ایک صاحب زادی کو اور پانچ کریمہ کو دیں گے اور دین علی کے مکان میں چوتھائی حصہ صاحب زادی کو اور باقی تین حصے کریمہ کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

شوہر کے انتقال کے بعد دوسرے سے عورت نے شادی کرلی پھر بھی شوہرِ اول اور اس کے بیٹوں کے ترکے سے حصہ پائے گی

از: موضع سہریا حافظ، ٢٧ ر ربیع الآخر ١٣٥٦ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

محمد سلیم کا انتقال ہوا چھوڑا اپنے دو لڑکے مختار اور وحید کو اور ایک لڑکی زیتون کو اور اپنی زوجہ عجیبن کو عجیبن نے کچھ عرصہ بعد دوسرے سے شادی کرلی، اس کے بعد وحید کا انتقال ہوا۔ چھوڑا اپنے بھائی مختار اور بہن زیتون اور ماں عجیبن کو۔ اس کے بعد مختار کا انتقال ہوا، چھوڑا اپنے چچازاد بھائی عبد الرشید کو اور بہن زیتون کو اور اپنی والدہ عجیبن کو۔ پس ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ٨ × ٥ = ٤٠ × ٩ = ٣٦٠ × ٣ = ١٠٨٠

محمد سلیم میـــ

ابن، مختار	ابن، عبدالوحید	بنت، زیتون	زوجہ نجمین
۷			۱
۱۴	(۱۴)	۷	۵
(۱۲۶)		۶۳	۴۵
		۱۸۹	۱۳۵

مسئلہ ۶×۳=۱۸/۹ توافق بالنصف مف ۱۴/۷

عبدالوحید میـــ

اخ، مختار	اخت، زیتون	ام، نجمین
۵		۱
۱۰	۵	۳
(۷۰)	۳۵	۲۱
	۱۰۵	۶۳

مسئلہ ۶/۳ توافق بالنصف مف ۱۹۶/۹۸

مختار میـــ

ابن العم، عبدالرشید	اخت، زیتون	ام نجمین
۱	۳	۲
۹۸	۲۹۴	۱۹۶

۱۰۸۰
المبلـــــغ

الاحیـــــاء

عبدالرشید	زیتون	نجمین
۹۸	۵۸۸	۳۹۴

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث محمد سلیم کا ترکہ ایک ہزار اسی (۱۰۸۰) سہام پر تقسیم ہو گا۔ عبد الرشید کو ۹۸/ اٹھانوے۔ زیتون کو ۵۸۸/ پانچ سو اٹھاسی، نجمین کو ۳۹۴/ تین سو چورانوے سہام ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

چار بطنوں کا مناسخہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

عبد السبحان نے وفات پائی، چھوڑا ایک لڑکا عبد الرحیم و مسماۃ سکینہ و عظیمہ و عقیلہ دختران۔ اس کے بعد انتقال کیا عقیلہ نے، چھوڑا حاجی عبد الرحیم برادر، سکینہ و عظیمہ بہن اور مسماۃ بتول دختر کو۔ پھر عظیمہ نے انتقال کیا، حاجی عبد الرحیم برادر، سکینہ بہن، چار لڑکیاں اور مسماۃ بتول بہن کی لڑکی کو چھوڑا۔ پھر انتقال کیا حاجی عبد الرحیم نے چھوڑا زوجہ کلثوم و عبد الحمید و محمد یوسف پسران مسماۃ خاتون و خیر النساء دختران و سکینہ خواہر، چار لڑکیاں عظیمہ کی اور مسماۃ بتول عقیلہ کی لڑکی۔ ان ورثہ میں متروکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب

مسئلہ ۵×۸=۴۰×۲=۸۰×۶=۴۸۰

عبد السبحان میت

ابن عبد الرحیم	بنت سکینہ	بنت، عظیمہ	بنت، عقیلہ
۲	۱	۱	(۱)
۱۶	۸	(۸)	
(۳۲)	۱۶		
	۹۶		

مسئلہ ۲×۴=۸ — تباین — مف ۱

عقیلہ میت

اخ، عبد الرحیم	اخت، سکینہ	اخت، عظیمہ	بنت، بتول
۲	۱	(۱)	۱
(۴)	۲		۴
	۱۲		۸
			۴۸

مسئلہ ۳×۶=$\frac{۲}{۱۸}$ — تداخل — مف $\frac{۱}{۹}$

عظیمہ میت

اخ، عبد الرحیم		اخت، سکینہ	بنت	بنت		بنت	بنت	بنت الاخت
(۴)	$\frac{۱}{۶}$	۲	۳	۳	$\frac{۲}{۱۲}$	۳	۳	م
		۱۲	۱۸	۱۸		۱۸	۱۸	

مسئلہ ۸×۶=$\frac{۶}{۴۸}$ — توافق بالثمن — مف $\frac{۵}{۴۰}$

عبد الرحیم میت

زوجہ، کلثوم	ابن، عبدالحمید	ابن، محمد یوسف		بنت، خاتون	بنت، خیرالنسا	اخت سکینہ	بنات الاخت
۱/۶	۱۴/۷۰	۱۴/۷۰	۷/۴۲	۷/۳۵	۷/۳۵	م	م
۳۰							

۴۸۰
المبلغ

الاحیاء

سکینہ	بتول	بنت عظیمہ	بنت عظیمہ	بنت عظیمہ	کلثوم	عبدالحمید	محمد یوسف	خاتون	خیرالنسا
۱۲۰	۴۸	۱۸	۱۸	۱۸	۱۸	۳۰	۷۰	۷۰	۳۵	۳۵

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث عبدالسبحان کا ترکہ چار سو اسی (۴۸۰) سہام پر تقسیم ہوگا۔ اور ہر وارث کو اسی قدر سہام ملیں گے جتنا کہ ان کے نام کے نیچے درج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نو بطنوں کا مناسخہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

مورث اعلیٰ عبداللہ نے قضا کیا چھوڑا چار لڑکے مسمیان تراب، علی، رمضان، امان اللہ زیان اللہ اور تین لڑکیاں مسمیات دولت، بتاشی، ملیمہ اور زوجہ مسماۃ جاہن کو۔ پھر جاہن نے قضا کیا اور چھوڑا چار لڑکے تین لڑکیاں مذکورین بالا کو پھر ملیمہ نے انتقال کیا چھوڑا چار بھائی دو بہن تراب علی، رمضان، امان اللہ، زیان اللہ دولت بتاشی اور شوہر ابراہیم کو۔ پھر تراب علی نے انتقال کیا اور چھوڑا مسماۃ حلیمہ اور دو لڑکی کلثوم، جسیمہ اور تین بھائی مذکورین اور دو بہن دولت اور بتاشی کو پھر جسیمہ نے انتقال کیا چھوڑا ایک بہن کلثوم اور والدہ حلیمہ اور تین چچا رمضان، امان اللہ، زیان اللہ اور دو پھوپھی دولت اور بتاشی۔ پھر انتقال کیا مسماۃ دولت نے چھوڑا تین بھائی رمضان، امان اللہ زیان اللہ اور ایک بہن بتاشی اور ایک لڑکی نصیبہ کو۔ پھر مسماۃ نصیبہ نے انتقال کیا چھوڑا دو لڑکے جنید عالم اور منیر اور دو لڑکی سکھیا، شمس النساء اور شوہر نور محمد تین ماموں ایک خالہ کو پھر انتقال کیا رمضان نے چھوڑ ایک لڑکا محمد سلیم اور ایک لڑکی مقیمہ اور دو بھائی اور ایک بہن کو۔ پھر انتقال کیا زیان اللہ نے چھوڑا زوجہ مسماۃ نعیمہ اور ایک لڑکا نظام الدین اور پانچ لڑکیاں سلیمہ، الفت، شافعہ، رابعہ، تسلیمہ اور ایک بھائی اور ایک بہن، بھتیجا اور دو بھتیجی۔ پس متروکہ مورث اعلیٰ کا ہر وارث کو کس قدر ملے گا۔

بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ٨×١١=٨٨×٥=٤٤٠×١٦=٧٠٤٠×٩=٦٣٣٦٠×٢=١٢٦٧٢٠×٨=١٠١٣٧٦٠×٣= ٣٠٤١٢٨٠

عبداللہ میت

ابن	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت	زوجہ
تراب علی	رمضان	امان اللہ	زیان اللہ	دولت	بتاشی	ملیمہ	جاہن
١٤	١٤	١٤	١٤	٧	٧	(٧)	١
(٧٠)	٧٠	٧٠	٧٠	٣٥	٣٥		(١١)
	١١٢٠	١١٢٠	١١٢٠	٥٦٠	٥٦٠		
	١٠٠٨٠	١٠٠٨٠	١٠٠٨٠	(٥٠٤٠)	٥٠٤٠		
	٢٠١٦٠	٢٠١٦٠	٢٠١٦٠		١٠٠٨٠		
	(١٦١٢٨٠)	١٦١٢٨٠	١٦١٢٨٠		٨٠٦٤٠		
		٤٨٣٨٤٠	(٤٨٣٨٤٠)		٢٤١٩٢٠		

مسئلہ ١١ استقامت مف ١١

جاہن میت

ابن	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت
تراب علی	رمضان علی	امان اللہ	زیان اللہ	دولت	بتاشی	ملیمہ
٢	٢	٢	٢	١	١	(١)
(١٠)	١٠	١٠	١٠	٥	٥	
	١٦٠	١٦٠	١٦٠	٨٠	٨٠	
	١٤٤٠	١٤٤٠	١٤٤٠	(٧٢٠)	٧٢٠	
	٢٨٨٠	٢٨٨٠	٢٨٨٠		١٤٤٠	
	(٢٣٠٤٠)	٢٣٠٤٠	٢٣٠٤٠		١١٥٢٠	
		٦٩١٢٠	(٦٩١٢٠)		٣٤٥٦٠	

مسئلہ ٢×١٠= $\frac{٥}{٢٠}$ توافق بالربع مف $\frac{٢}{٨}$

ملیمہ میت

اخ	اخ	اخ	اخ		اخت	اخت	زوج
تراب علی	رمضان	امان اللہ	زیان اللہ	$\frac{١}{١٠}$	دولت	بتاشی	ابراہیم
٢	٢	٢	٢		١	١	١
(٤)	٤	٤	٤		٢	٢	١٠

٦٤	٦٤	٦٤	٣٢	٣٢	٢٠
٥٧٦	٥٧٦	٥٧٦	(٢٨٨)	٢٨٨	٣٢٠
١١٥٢	١١٥٢	١١٥٢		٥٧٦	٢٨٨٠
٩٢١٦	٩٢١٦	٩٢١٦		٤٦٠٨	٥٧٦٠
	٢٧٦٤٨	(٢٧٦٤٨)		١٣٨٢٤	٤٦٠٨٠
					١٣٨٢٤٠

مسئلہ ٢٤ × ٨ = ١٦/١٩٢ توافق بجزء من ١٢ مف ٧/٨٤

تراب علی میں

زوجہ حلیمہ بنت، کلثوم بنت، جسیمہ اخ، رمضان اخ، امان اللہ اخ، زیان اللہ اخت، دولت اخت، بتاشی

زوجہ حلیمہ	بنت کلثوم	بنت جسیمہ	اخ رمضان	اخ امان اللہ	اخ زیان اللہ	اخت دولت	اخت بتاشی
٣	٨	٨	١٠	١٠	١٠	٥	٥
٢٤	٦٤	٦٤	٧٠	٧٠	٧٠	٣٥	٣٥
١٦٨	٤٤٨	(٤٤٨)	٦٣٠	٦٣٠	٦٣٠	(٣١٥)	٣١٥
١٥١٢	٤٠٣٢		١٢٦٠	١٢٦٠	١٢٦٠		٦٣٠
٣٠٢٤	٨٠٦٤		(١٠٠٨٠)	١٠٠٨٠	١٠٠٨٠		٥٠٤٠
٢٤١٩٢	٦٤٥١٢			٣٠٢٤٠	(٣٠٢٤٠)		١٥١٢٠
٧٢٥٧٦	١٩٣٥٣٦						

مسئلہ ٦ × ٣ = ٩/١٨ توافق بالنصف مف ٢٢٤/٤٤٨

جسیمہ میں

اخت کلثوم	ام حلیمہ	عم رمضان	عم امان اللہ	عم زیان اللہ	عمہ دولت	عمہ بتاشی
٣	٢		١		م	م
٩	٦	١	١	١		
٢٠١٦	١٣٤٤	٢٢٤	٢٢٤	٢٢٤		
٤٠٣٢	٢٦٨٨	٤٤٨	٤٤٨	٤٤٨		
٣٢٢٥٦	٢١٥٠٤	(٣٥٨٤)	٣٥٨٤	٣٥٨٤		
٩٦٧٦٨	٦٤٥١٢		١٠٧٥٢	(١٠٧٥٢)		

مسئلہ ٢ × ٧ = ٢/١٤ توافق بالسبع مف ٩٠٩/٦٣٦٣

دولت میں

اخ	اخ	اخ	اخت	بنت
رمضان	امان اللہ	زیان اللہ	بتاشی	نصیبہ
۲	۲	۲	۱	۱
۱۸۱۸	۱۸۱۸	۱۸۱۸	۹۰۹	۷
(۱۴۵۴۴)	۱۴۵۴۴	۱۴۵۴۴	۷۲۷۲	(۶۳۶۳)
	۴۳۶۳۲	(۴۳۶۳۲)	۲۱۸۱۶	

مسئلہ ۴×۲=۸ تباین مف ۶۳۶۳

نصیبہ میں

ابن	ابن	بنت	بنت	زوج	خال	خال	خال	خالہ
جنید	منیر	سکھیا	شمس النسا	نور محمد	رمضان	امان	زیان	بتاشی
۳				۱	م	م	م	م
۲	۲	۱	۱	۲				
۱۲۷۲۶	۱۲۷۲۶	۶۳۶۳	۶۳۶۳	۱۲۷۲۶				
۳۸۱۷۸	۳۸۱۷۸	۱۹۰۸۹	۱۹۰۸۹	۳۸۱۷۸				

مسئلہ ۳ تباین مف ۲۲۱۷۴۴

رمضان میں

ابن	بنت	اخ	اخ	اخت
سلیم	مقیمہ	امان اللہ	زیان اللہ	بتاشی
۲	۱	م	م	م
۴۴۳۴۸۸	۲۲۱۷۴۴			

مسئلہ ۸ استقامت مف ۸۳۱۵۴/۶۶۵۲۳۲

زیان اللہ میں

زوجہ	ابن	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	اخ	اخت	ابن الاخ	بنت الاخ	بنت الاخ
نعیمہ	نظام الدین	سلیمہ	الفت	شافعہ	رابعہ	تسلیمہ	امان اللہ	بتاشی			
۱	۲	۱	۱	۱	۱	۱	م	م	م	م	م
۸۳۱۵۴	۱۶۶۳۰۸	۸۳۱۵۴	۸۳۱۵۴	۸۳۱۵۴	۸۳۱۵۴	۸۳۱۵۴					

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث عبد اللہ کا ترکہ تیس لاکھ اکتالیس ہزار دو سو اسی سہام پر تقسیم ہوکر ہر وارث کو اسی قدر

حصہ میں ملیں گے جتنے الاحیاء میں اس کے نام کے نیچے درج ہیں۔ واللہ تعالی اعلم۔

۳۰۴۱۲۸۰
المبلغ

الاحیاء

امان اللہ	بتاشی	ابراہیم	حلیمہ	جنید	منیر	سکھیا	شمس النسا
۶۶۵۲۳۲	۳۲۷۲۴۰	۱۳۸۲۴۰	۱۳۷۰۸۸	۳۸۱۷۸	۳۸۱۷۸	۱۹۰۸۹	۱۹۰۸۹
کلثوم	نور محمد	محمد سلیم	مقیمہ	نعیمہ	نظام الدین	سلیمہ	الفت
۲۹۰۳۰۴	۳۸۱۷۸	۴۴۳۴۸۸	۲۲۱۷۴۲	۸۳۱۴۵	۱۶۶۳۰۸	۸۳۱۵۴	۸۳۱۵۴
شافعہ	رابعہ	تسلیمہ					
۸۳۱۵۴	۸۳۱۵۴	۸۳۱۵۴					

بیٹے کی موجودگی میں بھائی بہن وارث نہ ہوں گے

از: محمد صابر، پورہ صوفی، مبارک پور، اعظم گڑھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

ولی اللہ نے انتقال کیا، چھوڑا اپنے لڑکے عبدالرحیم و دختر زینب و عطیہ و قسیمہ و پوتا عبدالحق اور زوجہ سلمہ کو۔ پھر انتقال کیا زینب نے چھوڑا اپنی ماں سلمہ اور اپنی بہن عطیہ و قسیمہ اور اپنے خاوند محمد قاسم اور ایک لڑکے عبدالستار اور بھائی عبدالرحیم کو، اس کے بعد انتقال کیا سلمہ نے چھوڑا اپنے لڑکے عبدالرحیم، لڑکی عطیہ و قسیمہ اور پوتے عبدالحق کو، اس کے بعد انتقال کیا قسیمہ نے چھوڑا اپنی بہن عطیہ، بھائی عبدالرحیم و شوہر علیم اللہ اور لڑکے محمد یوسف کو۔ اس کے بعد انتقال کیا عبد الرحیم نے چھوڑا اپنی بیوی کریمہ، بہن عطیہ اور بھتیجا عبدالحق کو۔ پس ترکہ مورث اعلیٰ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب

مسئلہ ۸×۵=۴۰×۱۲=۴۸۰×۲=۹۶۰×۴=۳۸۴۰

ولی اللہ میت

ابن	بنت	بنت	بنت	ابن الابن	زوجہ
عبدالرحیم	زینب	عطیہ	قسیمہ	عبدالحق	سلمہ
۷				م	۱
۱۴	(۷)	۷	۷		~~۵~~

۱۶۸	۸۴	۸۴	(۶۰)
۳۳۶	۱۶۸	(۱۶۸)	
(۱۳۴۴)	۶۷۲		

مسئلہ ۱۲ تباین مف ۷

زینب میت

ام	اخت	اخت	زوج	ابن	اخ
سلمہ	عطیہ	قسیمہ	محمد قاسم	عبدالستار	عبدالرحیم
۲	م	م	۳	۷	م
(۱۴)			۲۱	۴۹	
			۴۲	۹۸	
			۱۶۸	۳۹۲	

مسئلہ ۲/۴ توافق بالنصف مف ۳۷/۷۴

سلمہ میت

ابن	بنت	بنت	ابن الابن
عبدالرحیم	عطیہ	قسیمہ	عبدالحق
۲	۱	۱	م
۷۴	۳۷	(۳۷)	
(۲۹۶)	۱۴۸		

مسئلہ ۴ تباین مف ۲۰۵

قسیمہ میت

اخت	اخ	زوج	ابن
عطیہ	عبدالرحیم	علیم اللہ	محمد یوسف
م	م	۱	۳
		۲۰۵	۶۱۵

مسئلہ ۱/۴ استقامت مف ۴۱۰/۱۶۴۰

عبدالرحیم میت

زوجہ	اخت	ابن الاخ
کریمہ	عطیہ	عبدالحق

۱	۲	۱
۴۱۰	۸۲۰	۴۱۰

(۳۸۴۰)

المبلغ

الاحیاء

عطیہ	محمد قاسم	عبدالستار	علیم اللہ	محمد یوسف	کریمہ	عبدالحق
۱۶۴۰	۱۶۸	۳۹۲	۲۰۵	۶۱۵	۴۱۰	۴۱۰

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث ولی اللہ مورث اعلیٰ کا ترکہ تین ہزار آٹھ سو چالیس سہام پر تقسیم ہوکر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ ان کے نام کے نیچے درج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

بیٹے کے انتقال کے بعد دادا کا پوتے کو ہبہ کرنا

از: پھیکو، محلہ پرانی بستی مبارک پور، اعظم گڑھ۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

حاجی الٰہی بخش نے انتقال کیا، چھوڑے دو لڑکے بیچو اور بدھو کو، پھر انتقال کیا بدھو نے چھوڑا بھائی بیچو اور لڑکی حلیمہ کو۔ پھر انتقال کیا بیچو نے چھوڑا لڑکا پھیکو، اور بھتیجی حلیمہ اور بھتیجا محمد شفیع کو پس ترکہ مورثِ اعلیٰ کس طرح تقسیم ہوگا؟

بینوا توجروا

نوٹ: حاجی الٰہی بخش کی موجودگی میں ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہوگیا تھا تو حاجی الٰہی بخش نے اپنی موجودگی میں مدوپلّہ کا مکان مخصوص کرکے اپنے پوتے کو ہبہ زبانی کردیا تھا، جس کی کوئی تحریر نہیں ہے، مگر گواہ حضرات معتبر ہیں تو ان کا یہ ہبہ صحیح ہوگا یا نہیں۔

الجواب

ہبہ زبانی صحیح ہوتا ہے، تحریر ثبوت کے لیے ہوتی ہے اور ثبوت کے لیے شہادت کافی ہوتی ہے، لہذا صورتِ موجودہ میں حاجی الٰہی بخش کا زبانی ہبہ کرنا صحیح ہے اور جب کہ معتبر گواہ موجود ہیں تو ہبہ ثابت بھی ہے۔ اگر ہبہ کے بعد حاجی الٰہی بخش کے اس پوتے نے اس مکان پر قبضہ کرلیا تھا تو ہبہ تام ہے، لہذا یہ مکان حاجی الٰہی بخش کے پوتے موہوب لہ کا ہوا۔ اس مکان کے علاوہ حاجی الٰہی بخش کا جو ترکہ ہے وہ بعد تقدیم ماتقدم علی الارث اور بہ شرط ارتفاع موانع حسب ذیل تقسیم ہوگا، فی روپیہ بارہ آنہ پھیکو کو، اور فی روپیہ چار آنہ حلیمہ کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

صورة التخريج هكذا.

مسئلہ ۲×۲=۴

حاجی الٰہی بخش میت

ابن	ابن
بیچو	بدھو
۱	۱
۲	

مسئلہ ۲ مف ۱

بدھو میت

اخ	بنت
بیچو	حلیمہ
۱	۱

مسئلہ ۱ مف ۳

بیچو میت

ابن	بنت الاخ	ابن الاخ
پھیکو	حلیمہ	محمد شفیع
۱	م	م
۳		

المبلغ ۴

الاحیاء

پھیکو	حلیمہ
۳	۱

بھتیجے کی موجودگی میں خود ان کے بیٹے وارث نہ ہوں گے

از: مختار احمد، ساکن خداداد پور

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

حبیب نے انتقال کیا چھوڑا ایک چچازاد بھائی محب علی اور ایک چچازاد بھائی کا لڑکا قسمت علی اور ایک چچازاد بھائی کا

پوتا قمر الدین اور حقیقی بھائی کے ناتی حلیم اور مجید کو، پس ترکہ مورث اعلی کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا و توجروا.

الجواب

مسئلہ ا

حبیب میـ

ابن العم	ابن ابن العم	ابن ابن ابن العم	ابن بنت الاخ	ابن بنت الاخ
محب علی	قسمت علی	قمر الدین	حلیم	مجید
ا	م	م	م	م

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث حبیب کا کل ترکہ محب علی کو ملے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

صرف بیٹی کی موجودگی میں بھائی بہن بھی وارث ہوں گے

از: عبدالقادر بقلم خود، عبدالخالق بقلم خود، پورہ باغ، مبارک پور، یکم ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

حاجی محمد یعقوب نے اپنی کل جائداد اپنے پوتے مسمیان عبدالقادر، عبدالخالق، عبدالباری و عبدالمجید کو ہبہ کردیا اور انتقال ہوگیا حاجی صاحب کے بعد عبدالمجید نے انتقال کیا، انھوں نے چھوڑا تین بھائی عبدالقادر، عبدالخالق، عبدالباری اور تین بہن صابرہ، رسولن، صالحہ اور ایک لڑکی خیر النسا کو اور اپنی ماں رابعہ کو اور اپنی بیوی کو لیکن اس نے اپنا نکاح کرلیا دو برس بعد پھر ماں کا بھی انتقال ہوگیا۔ پس ترکہ ان ورثہ میں کیوں کر تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسئلہ ۴ × ۲۴ = ۹۶

حاجی محمد یعقوب میـ

ابن الابن	ابن الابن	ابن الابن	ابن الابن
عبدالقادر	عبدالخالق	عبدالباری	عبدالمجید
۱/۲۴	۱/۲۴	۱/۲۴	(۱)

مسئلہ ۸ × ۳ = ۲۴ مف ا

عبدالمجید میـ

اخ	اخ	اخ	اخت	اخت	اخت	بنت	زوجہ	ام
عبدالقادر	عبدالخالق	عبدالباری	صابرہ	رسولن	صالحہ	خیرالنسا	ہندہ	رابعہ
		۳				۴/۱۲	۱/۳	کأن لم تکن
۲	۲	۲	۱	۱	۱			

(۹۶)

المبلغ

الاحیاء

عبدالقادر	عبدالخالق	عبدالباری	صابرہ	رسولن	صالحہ	خیرالنسا	ہندہ
(۲۶)	(۲۶)	(۲۶)	(۱)	(۱)	(۱)	(۱۲)	(۳)
۴؍۳ پائی	۴؍۳ پائی	۴؍۳ پائی	۲ پائی	۲ پائی	۲ پائی	۲ آنہ	۶ پائی

(بہ حساب آنہ پائی)

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث حاجی محمد یعقوب کی کل جائداد ۹۶؍ سہام پر تقسیم ہوکر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ الاحیاء کے نیچے درج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احقر علی احمد، دار العلوم اہل سنت اشرفیہ مبارک پور

عورت نے یکے بعد دیگرے دو بھائیوں سے شادی کی تو دونوں کے ترکہ سے حصہ پائے گی

از پورہ صوفی۔ مورخہ ۵؍ شعبان المعظم ۵۸ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

جھبو نے انتقال کیا چھوڑا دو لڑکے لعل محمد و محمد حسین کو اس کے بعد لعل محمد نے انتقال کیا چھوڑا زوجہ مسیمہ بی بی اور ایک لڑکا ابراہیم اور ایک لڑکی دیسن بی بی اور حقیقی بھائی محمد حسین کو۔ اور مسماۃ مسیمہ بی بی نے اپنا عقد ثانی برادر حقیقی لعل محمد سے اس کے انتقال کے بعد کر لیا تھا۔ پھر محمد حسین نے انتقال کیا۔ ایک لڑکی صالحہ بی بی اور ایک لڑکا محمد یوسف اور زوجہ مسیمہ بی بی اور ایک اپنے حقیقی بھائی کے لڑکے ابراہیم کو چھوڑا

پھر صالحہ بی بی نے انتقال کیا۔ چھوڑا اپنے زوج محمد عمر اور والدہ مسیمہ بی بی اور ایک علاتی بھائی محمد یوسف کو۔ پھر مسیمہ بی بی نے انتقال کیا چھوڑا اپنے حقیقی بھائی کے دو لڑکے محمد ہارون اور محمد بشیر اور ایک لڑکی میمونہ کو اور ایک لڑکی اپنی حقیقی مسماۃ دیسن بی بی کو اور اپنے شوہر ثانی کے لڑکے محمد یوسف کو جو دوسرے بطن سے تھے۔ ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسئلہ ۲ x ۲۴=۴۸x۶=۲۸۸x۲=۵۷۶

جھجومیہ

ابن، محمد حسین	ابن، لعل محمد
۱	(۱)
(۲۴)	

مسئلہ ۸ x ۳=۲۴ تباین مف ۱

لعل محمد میہ

اخ، محمد حسین	بنت، دیسن	ابن، ابراہیم	زوجہ، مسیمہ
م	۷		۱
	۷	۱۴	۳
	۴۲	۸۴	(۱۸)
	۸۴	۱۶۸	

مسئلہ ۸x۳=۲۴ تماثل مف ۲۴

محمد حسین میہ

ابن الاخ، ابراہیم	زوجہ، مسیمہ	ابن، محمد یوسف	بنت، صالحہ
م	۱	۱۴	(۷)
	۳	۸۴	
	(۱۸)	۱۶۸	

مسئلہ ۶ تباین مف ۷

صالحہ میہ

اخ علاتی، محمد یوسف	ام، مسیمہ	زوج، محمد عمر
۱	۲	۳
۷	(۱۴)	۲۱
۱۴		۴۲

مسئلہ ۲x۲=$\frac{۲}{۴}$ توافق بالنصف مف $\frac{۲۵}{۵۰}$

مسیمہ میہ

ابن الزوج	بنت	بنت الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ

محمد ہارون	محمد بشیر	میمونہ	دیسن	محمد یوسف
١/٢٥	١/٢٥	م	١/٢ — ٢/٥٠	م

٥٧٦
المبلغ

الاحیاء

ابراہیم	دیسن	محمد یوسف	محمد عمر	محمد ہارون	محمد بشیر
١٦٨	١٣٤	١٨٢	٤٢	٢٥	٢٥

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث جھجو کا ترکہ ٥٧٦ سہام پر منقسم ہوکر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا اس کے نام کے نیچے درج ہے. واللہ اعلم. کتبہ ابوالفضل علی احمد غفرلہ الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ

پوتوں کی موجودگی میں نواسی محروم ہوگی

از: نواپورہ، حاجی نصر اللہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

عمرو نے چھوڑا دو لڑکی عصمت اور نسیمہ اور تین پوتے ابراہیم، خیر اللہ، حسن ایک پوتی نجم النساء اور ایک نتنی کو تو ان کے درمیان ترکہ کیسے تقسیم ہوگا۔

مصرح مدلل ہوبینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ٣×٧=٢١

عمرو میت

بنت	بنت	ابن الابن	ابن الابن	ابن الابن	بنت الابن	بنت البنت
عصمت	نسیمہ	ابراہیم	خیر اللہ	حسن	نجم النسا	
١/٧	١/٧	٢	٢	٢	١	م

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث عمرو کا ترکہ ٢١ سہام پر تقسیم ہوکر ٧ عصمت کو ٧ نسیمہ کو ٢/٢/ پوتوں کو ایک پوتی کو ملے گا۔ واللہ اعلم کتبہ عبدالعزیز عفی عنہ

بیٹے کی موجودگی میں بھائی بہن وارث نہ ہوں گے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے انتقال کیا چھوڑا تین لڑکے وکیل، مختار، اشتیاق کو اور تین لڑکی صابرہ، تشریف النساء، ماجدہ اور ایک زوجہ رحیمہ کو اور ایک ہمشیرہ سلمہ کو اور تین بھتیجے محمد امین، محمد رفیع، محمد عمر کو۔ تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ۸ × ۹ = ۷۲

زید میـــــــــــــــــــــ

ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت	زوجہ	اخت	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ
وکیل	مختار	اشتیاق	صابرہ	تشریف النسا	ماجدہ	رحیمہ	سلمہ	محمد امین	محمد عمر	محمد رفیع
۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۱/۹	م	م	م	م

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث زید کا ترکہ ۷۲ سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ ان کے ناموں کے نیچے درج ہے۔ واللہ اعلم بالصواب. کتبہ ابوالفضل علی احمد عفرلہ الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ

ایک بیٹا اور تین بیٹیوں کے درمیان ترکہ کی تقسیم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

نعیم نے انتقال کیا چھوڑا ایک لڑکا علی حسن اور تین لڑکی مسماۃ عظیمہ، رضیہ، مسیمہ، پس متروکہ مال و جائداد میں کس قدر حق ہوتا ہے؟

الجواب

مسئلہ ۵

نعیم میـــــــــــــــــــــ

ابن، علی حسن	بنت، عظیمہ	بنت، رضیہ	بنت، مسیمہ
۲	۱	۱	۱

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث نعیم کا مال پانچ سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ ان کے ناموں کے نیچے درج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

چھ بطنوں کا مناسخہ

از: عبد الرؤف۔ سکٹھی۔ شاہ محمد پور۔ اعظم گڑھ۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

دلیر کا انتقال ہوا چھوڑے دو لڑکے، نیور اور فتح علی اور دو لڑکیاں جانو و سلمٰی۔ پھر انتقال ہوا نیور کا چھوڑا ایک بیوی صیفی ایک لڑکا محمد شریف بھائی فتح علی دو بہنیں جانو و سلمٰی کو۔ پھر فتح علی کا انتقال ہوا، چھوڑا ایک لڑکی ناظمہ، دو بہنیں جانو و سلمٰی اور ایک بھتیجا محمد شریف کو۔ پھر انتقال ہوا جانو کا چھوڑا ایک لڑکی بھولانی اور شوہر بکر کو، ایک بہن سلمٰی کو، ایک بھتیجی فاطمہ بنت فتح علی، ایک بھتیجا محمد شریف کو، پھر سلمٰی کا انتقال ہوا چھوڑے دو لڑکے محمد زمان، دین محمد۔ پھر شریف کا انتقال ہوا چھوڑا ماں صیفی اور چچا زاد بہن ناظمہ بنت فتح علی اور پھوپھی زاد بہن، بھولانی اور دو پھوپھی زاد بھائی محمد زمان، دین محمد کو پس ترکہ مورثِ اعلیٰ کس طرح تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسئلہ ۶ × ۴ = ۲۴ × ۲ = ۴۸ × ۲ = ۹۶

دلیر میـــــــ

ابن	ابن	بنت	بنت
نیور	فتح علی	جانو	سلمٰی
(۲)	۲	۱	۱
	(۸)	(۴)	۴
			(۸)

مسئلہ $\frac{۴}{۸}$ تداخل   مف $\frac{۱}{۲}$

نیور میـــــــ

زوجہ	ابن	اخ	اخت	اخت
صیفی	محمد شریف	فتح علی	جانو	سلمٰی
۱	۷	م	م	م
۲	۱۴			
۴	(۲۸)			

مسئلہ ۲ × ۲ = $\frac{۱}{۴}$ استقامت   مف $\frac{۲}{۸}$

فتح علی میـــ

بنت	اخت	اخت	ابن الاخ
ناظمہ	جانو	سلمیٰ	محمد شریف
۱ / ۲ / ۴ / ۸ / ۱۶	۱ / (۲)	۱ / ۲ / (۴)	م

مسئلہ ۲/۴ توافق بالنصف مف ۳/۶

جانو میـــ

بنت	زوج	اخت	بنت الاخ	ابن الاخ
بھولانی	بکر	سلمیٰ	ناظمہ	محمد شریف
۲ / ۶ / ۱۲	۱ / ۳ / ۶	۱ / (۳)	م	م

مسئلہ ۲ تباین مف۱۵

سلمیٰ میـــ

ابن	ابن
محمد زمان	دین محمد
۱	۱
~~۱۵~~	~~۱۵~~

مسئلہ ۱ ردّیہ مف۲۸

محمد شریف میـــ

ام	بنت العم	بنت اخت الاب	ابنا اخت الاب	
صیفی	ناظمہ	بھولانی	محمد زمان	دین محمد
۱	م	م	م	
~~۲۸~~				

الاحیــــــــــــــــــــــــــــــــــاء

صیفی	ناظمہ	بھولانی	بکر	محمد زمان	دین محمد
(۳۲)	۱۶	۱۲	۶	۱۵	۱۵
۵آنہ ۴پائی	۲آنہ ۸پائی	۲آنہ	۱آنہ	۲آنہ ۶پائی	۲آنہ ۶پائی = ۱۶آنہ

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث مورث کا ترکہ چھانوے سہام پر تقسیم ہوکر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ الاحیا کے نیچے درج ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

ترکہ میں بیوی کا حصہ

از: نوادہ، مبارک پور

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

حاجی علی احمد کے دو لڑکے غلام رسول وعابد اور دو لڑکیاں زینب وجسیمہ ہیں۔ دونوں لڑکیاں اپنی سسرال میں رہتی ہیں اور غلام رسول وعابد اپنے والدین کے ساتھ رہتے اور کاروبار کرتے تھے اور مالک ومختار غلام رسول ہی تھے۔ اور بارہ روز کے درمیان دونوں لڑکوں کا انتقال ہوگیا۔ غلام رسول کے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہیں اور پہلی بیوی سے دو لڑکے اور ہیں، گویا غلام رسول کی پانچ اولادیں ہیں اور عابد کے ایک لڑکا ہے۔ آیا غلام رسول کی بیوی کو اس ترکہ میں حق ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر ہوتا ہے تو کتنا؟ بینوا توجروا.

الجواب

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث غلام رسول کے کل ترکہ کا آٹھواں حصہ یعنی فی روپیہ ۲؍ آنہ غلام رسول کی زوجہ کو ملے گا۔ قال اللہ تعالیٰ:

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ۔[(۱)] پھر اگر تمھارے اولاد ہو تو ان کا تمھارے ترکہ میں سے آٹھواں۔ (کنز الایمان)

(۱) قرآن مجید، سورۃ النساء (٤)، آیت:۱۲

کان لم تکن کا ایک مسئلہ

از: محمد نظام الدین۔ محلہ پورہ دیوان

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ:

عباد اللہ نے انتقال کیا چھوڑا ایک لڑکا مہدی حسن اور پانچ لڑکی سکینہ، عظیمہ، اقلیمہ ضعیفن، کلثوم بعد اس کے سکینہ نے انتقال کیا چھوڑا ایک بھائی مہدی حسن اور چار بہنیں عظیمہ، اقلیمہ، ضعیفن، کلثوم بعد اس کے مہدی حسن نے انتقال کیا چھوڑا انہیں مذکور اور ایک بیوی رحیمہ اور ایک لڑکی صابرہ کو پس مورث اعلیٰ کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب

مسئلہ ۶ × ۱۶ = ۹۶

عباد اللہ میـــــــــــت

ابن	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت
مہدی حسن	سکینہ	عظیمہ	اقلیمہ	ضعیفن	کلثوم
۲	کان لم تکن	۱/۱۶	۱/۱۶	۱/۱۶	۱/۱۶

مسئلہ ۸ × ۴ = ۱۶/۳۲ تدخل مف ۱/۲

مہدی حسن میـــــــــــت

اخت، عظیمہ	اخت، اقلیمہ	اخت، ضعیفن	اخت، کلثوم	زوجہ، رحیمہ	بنت، صابرہ
۳				۱/۴	۴/۱۶
۳	۳	۳	۳	۴	۱۶

۹۶

المبـــــــلغ

الاحیـــــــــــــاء

عظیمہ	اقلیمہ	ضعیفن	کلثوم	رحیمہ	صابرہ
۱۹	۱۹	۱۹	۱۹	۴	۱۶

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث عباد اللہ کا ترکہ ۹۶ سہام پر تقسیم کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ ورثہ کے ناموں کے نیچے درج ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قبلِ تقسیمِ ترکہ بعض ورثاء کا انتقال

از: محمد ادریس، مدارپور

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:
شیخ ہنسی نے قضا کیا چھوڑا تین لڑکے مسمی بھگل ومحمد یوسف وبخت علی اور ایک لڑکی مسیحن بی پھر قضا کیا بخت علی نے چھوڑا دو بھائی بھگل ومحمد یوسف اور ہمشیرہ مسیحن بی اور ایک لڑکا محمد ادریس اور تین لڑکی رقیہ، کلثوم وجبسن اور زوجہ بیلابی پھر قضا کیا بھگل نے چھوڑا ایک بھائی محمد یوسف اور ہمشیر مسیحن بی اور ایک لڑکی امت اور بھتیجا محمد ادریس پھر قضا کیا امت بی نے چھوڑا ایک چچا محمد یوسف اور ایک پھوپھی مسیحن بی اور چچازاد بھائی محمد ادریس پھر قضا کیا محمد یوسف نے چھوڑا ایک بہن مسیحن بی اور بھتیجا محمد ادریس اور دو لڑکی مسمی فاطمہ اور ایک نامعلوم اور زوجہ ربوہن بی کو۔ بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ۷×۲۰=۱۴۰×۳=۴۲۰×۶=۲۵۲۰

ہنسئی میں

ابن، بھگل	ابن، بخت علی	ابن، محمد یوسف	بنت، مسیحن
۲	(۲)	۲	۱
(۴۰)		۴۰	۲۰
		(۱۲۰)	۶۰
			۳۶۰

مسئلہ ۸×۵=۲۰/۴۰ تداخل مف ۱/۲

بخت علی میں

اخ	اخ	اخت	ابن	بنت	بنت	بنت	زوجہ
بھگل	یوسف	مسیحن	ادریس	رقیہ	کلثوم	جبسن	بیلابی
م	م	م	۱۴	۷	۷	۷	۱
			۴۲	۲۱	۲۱	۲۱	۵
			۲۵۲	۱۲۶	۱۲۶	۱۲۶	۱۵
							۹۰

مسئلہ ۲×۳=۳/۶ توافق بالنصف مف ۲۰/۴۰

بھگل میـــــ

اخ، محمد یوسف	اخت، مسیحن	بنت، امت	ابن الاخ، محمد ادریس
۱		۱	م
۲	۱	۳	
(۴۰)	۲۰	(۶۰)	
	۱۲۰		

مسئلہ ۱ استقامت مف ۶۰

امت بی میـــــ

عم۔ محمد یوسف	عمہ۔ مسیحن	ابن العم۔ محمد ادریس
۱	م	م
(۶۰)		

مسئلہ $\frac{۶}{۲۴}$ توافق بالربع مف $\frac{۵۵}{۲۲۰}$

محمد یوسف میـــــ

اخت	ابن الاخ	بنت	بنت	زوجہ
مسیحن	محمد ادریس	فاطمہ	نامعلوم	ربوہن
۵	م	۸	۸	۳
۲۷۵		۴۴۰	۴۴۰	۱۶۵
		۲۵۲۰		

المبلـــغ

الاحیـــاء

مسیحن	محمد ادریس	رقیہ	کلثوم	حبسن	بیلابی	فاطمہ	نامعلوم	ربوہن
۷۵۵	۲۵۲	۱۲۶	۱۲۶	۱۲۶	۹۰	۴۴۰	۴۴۰	۱۶۵

ترکہ میں علاتی بھائی بہن کا حصہ

از: احسان الحق، از الٰہلو۔ ۲۱/ اکتوبر ۱۹۴۶ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

مسماۃ عائشہ نے قضا کیا، چھوڑا ایک بھائی سوتیلا یعنی باپ ایک اور ماں دو احسان الحق اور دو بہن سوتیلی مسماۃ گلشن بی بی و مسماۃ ہاجرہ بی بی کو اور حقیقی بھائی کے چار پوتوں کو، پس جس جس کا جس قدر حق ہوتا ہو تحریر مطابق شرع شریف کے تحریر فرمائیں۔ بینوا و توجروا . فقط

پوتہ گان شوکت علی ولد محمد فاروق، مسعود احمد، محمود احمد، داؤد احمد پسران محمد مسروق

الجواب

مسئلہ ۴

عائشہ میـ

اخ علاتی	اخت علاتی	اخت علاتی	ابن ابن الاخ	ابن ابن الاخ	ابن ابن الاخ	ابن ابن الاخ
احسان الحق	گلشن	ہاجرہ	شوکت علی	مسعود احمد	محمود احمد	داؤد احمد
۲	۱	۱	م	م	م	م

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث عائشہ کا ترکہ چار سہام پر تقسیم ہو کر دو احسان الحق کو اور ایک ایک گلشن اور ہاجرہ کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم. کتبہ: احقر علی احمد

چھ بطنوں کا مناسخہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

انتقال کیا مورثِ اعلیٰ حیاتو نے چھوڑا دو لڑکے شبراتی اور حبیب اللہ اور ایک لڑکی آسیہ۔ پھر انتقال کیا شبراتی نے چھوڑا، دو لڑکے عبداللہ اور نجیب اللہ کو پھر انتقال کیا آسیہ نے، چھوڑا ایک لڑکے نصر اللہ کو۔ پھر انتقال کیا حبیب اللہ نے چھوڑا لڑکی مسیمہ، پھر انتقال کیا عبداللہ نے چھوڑا عورت مسیمہ لڑکے اکرام اور لڑکی آمنہ کو اور پھر انتقال کیا نجیب اللہ نے چھوڑا دو لڑکے رفیق اور شفیق اور ایک لڑکی خیر النسا اور عورت شکیلہ کو۔ لہٰذا ورثین مورثِ اعلیٰ کی جائداد کیسے تقسیم ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب

مسئلہ ۵ ۲×۵=۱۰×۸=۸۰×۵=۴۰۰

حیاتو میـ

ابن حبیب اللہ	ابن شبراتی	بنت آسیہ
۲	۲	۱

مسئلہ /۲ تماثل مف ۲

شبراتی میـ

ابن عبداللہ	ابن نجیب اللہ
۱	۱
(۲)	۲
	(۱۶)

مسئلہ ۱ — مف ۱

آسیہ میت

ابن نصر اللہ
۱
۲
۱۶
۸۰

مسئلہ ۲×۲=۴/۲ — مف ۱/۲

حبیب اللہ میت

بنت۔ مسیمہ	ابن الاخ۔ عبداللہ	ابن الاخ۔ نجیب اللہ
۱	۱	
۲	(۱)	۱
۱۶		(۸)
۸۰		

مسئلہ ۸×۳=۲۴/۸ — توافق بالثلث — مف ۱/۳

عبداللہ میت

زوجہ۔ مسیمہ	ابن۔ اکرام	بنت۔ آمنہ
۱	۷	
۳	۱۴	۷
۱۵	۷۰	۳۵

مسئلہ ۸×۵=۴۰/۵ — توافق بالثمن — مف ۳/۲۴

نجیب اللہ میت

ابن۔ رفیق	ابن۔ شفیق	بنت۔ خیر النساء	زوجہ۔ شکیلہ
۷			۱

۱۴/۴۲	۱۴/۴۲	۷/۲۱	۵/۱۵

مبلغ ۴۰۰

الاحیــــــــــــــــاء

نصر اللہ	مسیمہ	آمنہ	اکرام	رفیق	شفیق	خیر النسا	شکیلہ
۸۰	۹۵	۳۵	۷۰	۴۲	۴۲	۲۱	۱۵

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث مورث اعلیٰ حیا تو کا ترکہ چار سو سہام پر منقسم ہو کر ہر وارث کو اتنا ملے گا جتنا اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ: مطیع الرسول

بیٹی کی موجودگی میں بھائی بہن کا حصہ

از: محمد حنیف، مبارک پور، ۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے انتقال کیا چھوڑا دو لڑکیاں اور ایک بی بی اور ایک بھائی اور ایک بہن اور بہن کی اولاد اور بھائی کی اولاد، زید کا ترکہ کس طور پر تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ۲۴ × ۳ = ۷۲

زید میـــــــــــــــــــت

بنت	بنت	زوجہ	اخ	اخت	بہن کی اولاد	بھائی کی اولاد
۸/۲۴	۸/۲۴	۳/۹	۵/۱۵		م	م
			۱۰	۵		
۵/۴ پائی	۵/۴ پائی	۵/۴ پائی	۲/۲ ۲/۳ پائی	۱/۱ ۱/۳ پائی		

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث زید کا ترکہ بہتر سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب.

بیوی، دو لڑکے اور تین لڑکیوں کے درمیان ترکہ کی تقسیم

از: محمد ابراہیم، محلہ پورہ دیوان، مبارک پور

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسئلۂ ذیل میں کہ:

قاسم نے انتقال کیا چھوڑا زوجہ سلیمہ کو اور دو لڑکے مسمیان عبد الصمد و نور محمد کو اور تین لڑکیاں نعیمہ، حلیمہ اور سائرہ کو پس ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا تو جروا.

الجواب

مسئلہ ۸

قاسم میت

زوجہ	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت
سلیمہ	عبد الصمد	نور محمد	نعیمہ	حلیمہ	سائرہ
۱	۲	۲	۱	۱	۱

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث قاسم کا ترکہ آٹھ سہام پر تقسیم ہو کر ایک سلیمہ کو اور دو دو دونوں لڑکوں عبد الصمد و نور محمد کو اور ایک ایک تینوں لڑکیوں نعیمہ، حلیمہ اور سائرہ کو ملے گا۔ واللہ تعالی اعلم.

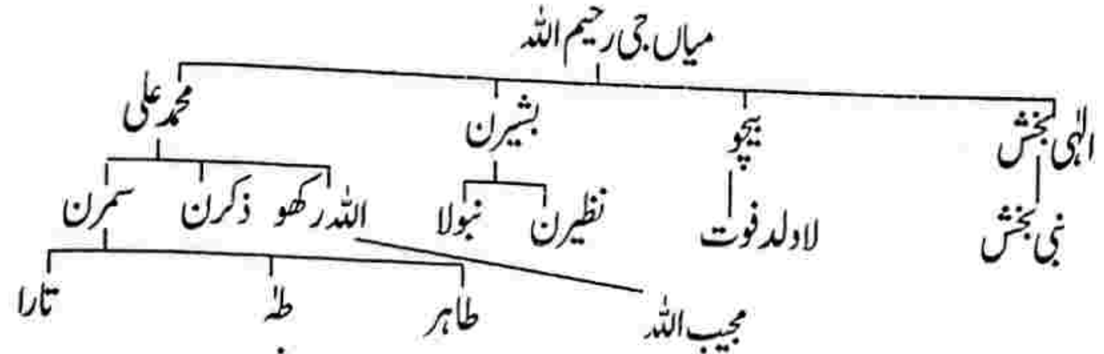
قبل تقسیم ترکہ کئی ورثہ کا انتقال

از گورکھ پور۔ امام الدین مہتمم مدرسہ عربیہ شمس العلوم، کان پور

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

میاں جی رحیم اللہ نے مرتے وقت تین لڑکے، الٰہی بخش، بیچو، محمد علی اور ایک لڑکی مسماۃ بشیرن کو وارث چھوڑا۔ لڑکوں میں سے محمد علی نے پہلے انتقال کیا اور ایک لڑکا اللہ رکھو اور دو لڑکیاں ذکرؔ و سمرؔ کو اپنا وارث چھوڑا، اس کے بعد بیچو کا انتقال ہو گیا جو کہ لاولد مرے اور الٰہی بخش کا انتقال دونوں بھائیوں کے بعد ہوا۔ الٰہی بخش نے صرف نبی بخش کو اپنا وارث چھوڑا۔ ایک لڑکا کریم بخش اور ایک لڑکی عمرؔ الٰہی بخش کی حیات ہی میں مر گئے تھے۔ مسماۃ بشیرؔ کا انتقال سب کے بعد میں ہوا، انھوں نے مسماۃ نظیرؔ اور مسماۃ نبولا کو وارث چھوڑا جو کہ حیات ہیں اور ایک لڑکا جس کا نام کتوارو تھا وہ مسماۃ بشیرؔ کی زندگی میں ہی مر گیا تھا۔ الٰہی بخش، بیچو، بشیرؔ اور محمد علی آپس میں حقیقی بھائی بہن ہیں۔ بشیرؔ نبی بخش اور اللہ

رکھو کی پھوپھی ہیں۔ محمد علی کی اولاد میں سے اللہ رکھو حیات میں ہیں اور مسماۃ ذکرؔ و سمرؔ انتقال کر گئے ہیں۔ ذکرؔ نے مجیب اللہ اور سمرؔ نے ایک لڑکا طاہر اور دو لڑکی طٰہٰ اور تارا کو وارث چھوڑا۔ ایسی صورت میں مطابق شرع متین ہر ایک کا کیا ترکہ مطابق شجرۂ ذیل کس صورت میں تقسیم ہوگا:



ہم کہ نبی بخش اور اللہ رکھو اپنے ذاتی علم اور یقین کی بنا پر یہ تصدیق کرتے ہیں کہ شجرۂ مندرجہ بالا مع صراحت کے بالکل صحیح و سچ ہے۔

نشانی انگوٹھا۔ نبی بخش — نشانی انگوٹھا۔ اللہ رکھو

الجواب

مسئلہ ۷×۲=۱۴×۳=۴۲×۳=۱۲۶

میاں جی رحیم اللہ میت

ابن الٰہی بخش	ابن بیچو	ابن محمد علی	بنت بشیرؔ
۲	۲	(۲)	۱
۴	(۴)		۲
(۱۴)			(۷)

مسئلہ $\frac{۲}{۴}$ — تداخل — مف ۲ / ۱

محمد علی میت

ابن اللہ رکھو	بنت ذکرؔ	بنت سمرؔ
۲	۱	۱
۶	۳	۳
۱۸	(۹)	۹
۷۲		

مسئلہ ۳ — تبائن — مف ۴

بیٹو میـــ

اخ	اخت	ابن الاخ	بنت الاخ	بنت الاخ
الٰہی بخش	بشیرؒ	اللہ رکھو	ذکرؒ	سمرؒ
۲	۱	م	م	م
(۸)	(۴)			

مسئلہ ۱ — تداخل — مف ۲۰

الٰہی بخش میـــ

ابن نبی بخش
۱
۲۰
۶۰
۲۴۰

مسئلہ ۳/۶=۲×۳ — توافق بالنصف — مف $\frac{۵}{۱۰}$

بشیرؒ میـــ

بنت	بنت	ابن الاخ	ابن الاخ
نظیراً	نبولا	اللہ رکھو	نبی بخش
۱	۱	۱	
۲	۲	۱	۱
۱۰	۱۰	۵	۵
۴۰	۴۰	۲۰	۲۰

مسئلہ ۱ — تداخل — مف ۹

ذکرؒ میـــ

ابن، مجیب اللہ
۱
۹
۳۶

مسئلہ ۴ — تبائن — مف ۹

سمرؒ میـــ

ابن	بنت	بنت

طاہر	ظہ	تارا
$\frac{۲}{۱۸}$	$\frac{۱}{۹}$	$\frac{۱}{۹}$

۵۰۴

المبلغ

الاحیاء

اللہ رکھو	نبی بخش	نظیرا	نبولا
(۹۲)	(۲۶۰)	(۴۰)	(۴۰)
۲/۱۱ $\frac{۱}{۲۱}$ پائی	۸/۳ $\frac{۱}{۲۱}$ پائی	۱/۳ $\frac{۵}{۲۱}$ پائی	۱/۳ $\frac{۵}{۲۱}$ پائی
مجیب اللہ	طاہر	ظہ	تارا
(۳۶)	(۱۸)	(۹)	(۹)
۱/۱ $\frac{۵}{۷}$ پائی	۶ $\frac{۶}{۷}$ پائی	۳ $\frac{۳}{۷}$ پائی	۳ $\frac{۳}{۷}$ پائی

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث میاں جی رحیم اللہ کا ترکہ پانچ سو چار سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا الاحیا کے تحت درج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

نوٹ:- سوال میں بچوں کے ورثہ کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ ان کے ورثہ اس کے بھائی الٰہی بخش اور بہن بشیرؒ موجود ہیں۔ جواب میں درج کر دیا گیا ہے۔ یوں ہی بشیرؒ کے بعض ورثہ یعنی دو بھتیجے اللہ رکھو اور الٰہی بخش چھوڑ دیے گئے تھے، جواب میں درج ہیں۔

صرف بیٹیاں ہوں تو بھتیجے بھی وارث ہوں گے

از: سلطان احمد، محمد آباد۔ ۷/ ذی الحجہ ۱۹۶۶ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

نصیب اللہ خاں۔ نے انتقال کیا چھوڑا انھوں نے اپنی زوجہ مسماۃ طبقل بی بی اور چار لڑکیاں مسماۃ بلقیس، شاکرہ، قسمتوں اور تارا کو اور اپنے دو بھتیجے سلطان احمد اور ملتان احمد کو پس ترکہ نصیب اللہ خاں کا کس طرح تقسیم ہوگا۔

نوٹ: نصیب اللہ خاں کی دو لڑکیاں مسماۃ صابرہ اور بسملا ہی نصیب اللہ خاں کی موجودگی میں مر گئی تھیں۔

بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ۲۴ ۲×۲۴=۴۸
نصیب اللہ خاں میت

زوجہ	بنت	بنت	بنت	بنت	ابن الاخ	ابن الاخ
طبقل	بلقیس	شاکرہ	قسمتوں	تارا	سلطان احمد	ملتان احمد
۳	۴	۴	۴	۴	۵	
۶	۸	۸	۸	۸	۵	۵

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث نصیب اللہ خاں کا ترکہ اڑتالیس (۴۸) سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ ان کے ناموں کے نیچے درج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

جوائنٹ فیملی کی صورت میں باپ کی زندگی ہی میں بیٹے کا انتقال ہو جائے تو اس کے نام کی چیزیں بطور میراث تقسیم ہوں گی

از: نوادہ ۱۳/ اگست ۱۹۴۹ء

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

حاجی علی احمد کے دو لڑکے غلام رسول اور عابد حسین اور دو لڑکیاں زینب و جسیمہ و بیوی ہیں۔ یہ سب لوگ مشترکہ رہتے سہتے تھے۔ لڑکیاں بعد نکاح کے سسرال رہتی ہیں۔ لڑکوں کے بالغ ہونے سے پہلے حاجی علی احمد کی کل جائداد تھی۔ لڑکے بالغ ہونے کے بعد ان کے ساتھ مشترکہ کاروبار کرتے تھے حاجی علی احمد کی جائداد سے تینوں مشترکہ کام کرتے تھے اور ترقی کی اور بنائی کا کام کرتے تھے اور تجارت۔ انتقال کیا غلام رسول نے چھوڑا اپنے باپ حقیقی حاجی علی احمد اور ماں حقیقی کلثوم اور حقیقی بھائی عابد حسین اور دو بہن حقیقی زینب و جسیمہ اور چھوڑا اپنی بیوی اور چار لڑکے نابالغان زائر حسن، کلب حسن، مہدی حسن، ابن حسن اور ایک لڑکی نابالغہ صغریٰ۔ دو لڑکے مذکور زائر حسن، کلب حسن اول بیوی رابعہ مرحومہ سے ہیں اور بقیہ لڑکے و لڑکی قسیمہ سے ہیں اور چھوڑا اپنے بھتیجے فیاض حسین، نبی حسین اور عابد حسین کی عورت کو بعدہٗ انتقال کیا عابد حسین نے اور چھوڑا اپنے باپ حقیقی حاجی علی احمد اور حقیقی ماں کلثوم اور حقیقی دو بہن زینب و جسیمہ اور بیوی مسماۃ صابرہ اور دو لڑکے نابالغ فیاض حسین، سجاد حسین اور چار بھتیجے نابالغ زائر حسن، کلب حسن، مہدی حسن، ابن حسن اور ایک بھتیجی نابالغہ صغریٰ اور بھاوج قسیمہ کو بعدہ انتقال کیا عابد حسین کا لڑکا سجاد حسین۔ اب ایسی صورت میں غلام رسول کی زوجہ ثانیہ مسماۃ قسیمہ کو اس ترکہ میں حق ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر ہوتا ہے تو کتنا؟ بینوا و توجروا.

الجواب

سوال میں پورا واقعہ ذکر نہیں کیا گیا، مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ غلام رسول جو تجارت کرتے تھے وہ اس روپیہ کے مالک بھی تھے کیوں کہ بہی میں اندراج رقم غلام رسول کے نام سے ہے لہذا جو رقم بہی میں غلام رسول کے نام سے درج ہے وہ رقم غلام رسول کی ہے اس لیے کہ اگر وہ رقم حاجی علی احمد ہی کی ہوتی اور غلام رسول اس رقم کے مالک نہ ہوتے تو اندراج حاجی علی احمد کے نام سے ہو سکتا تھا۔ تجارت غلام رسول کرتے مگر جب کہ اندراجِ رقم بھی غلام رسول کے نام سے ہے تو ظاہر یہی ہے کہ اس رقم کے مالک غلام رسول تھے۔ لہذا اس رقم سے اور اس کے علاوہ جو بھی شے غلام رسول کی ملک میں تھی اس کا آٹھواں حصہ غلام رسول کی زوجہ قسیمہ کا ہوگا باقی اور ورثہ پر تقسیم ہوگا۔ وھو تعالیٰ اعلم.

تقسیمِ وراثت کا مسئلہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

حاجی علی احمد کے دو لڑکے غلام رسول اور عابد حسین اور دو لڑکیاں زینب و جسیمہ و بیوی ہیں۔ لڑکیاں بعد بالغ ہونے کے سسرال رہتی ہیں۔ لڑکوں کے بالغ ہونے سے پہلے حاجی علی احمد کی کل جائداد تھی۔ لڑکوں کے بالغ ہونے کے بعد یہ سب لوگ مشترک رہتے سہتے تھے اور بنائی کا کاروبار کرتے تھے اور ترقی کرتے گئے اور اسی روپئے سے مشترک ایک دوکان کھولی اور فرم پر غلام حسین و عابد حسین رکھا اور اسی دوکان پر غلام رسول و عابد حسین کے علاوہ تین آدمی اور شریک تھے۔ انتقال کیا غلام رسول نے چھوڑا اپنے باپ حقیقی حاجی علی احمد اور ماں حقیقی کلثوم اور حقیقی بھائی عابد حسین اور دو بہن حقیقی زینب و جسیمہ اور چھوڑا اپنی بیوی اور چار لڑکے نابالغان زائر حسن، کلب حسن، مہدی حسن، ابن حسن اور ایک لڑکی نابالغہ صغریٰ۔ دو لڑکے مذکور زائر حسن، کلب حسن پہلی بیوی مسماۃ رابعہ مرحومہ سے ہیں اور بقیہ لڑکے و لڑکی قسیمہ سے ہیں اور چھوڑا اپنے بھتیجے فیاض حسین، سجاد حسین اور عابد حسین کی بیوی کو۔ بعدہ انتقال کیا عابد حسین نے اور چھوڑا اپنے باپ حقیقی حاجی علی احمد اور حقیقی ماں کلثوم اور حقیقی دو بہن زینب و جسیمہ اور بیوی مسماۃ صابرہ اور دو لڑکے نابالغ فیاض حسین، سجاد حسین اور چار بھتیجے نابالغ زائر حسن، کلب حسن، مہدی حسن، ابن حسن اور ایک بھتیجی نابالغہ صغریٰ اور بھاوج قسیمہ کو۔ اس ترکہ میں قسیمہ کا حق ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر ہوتا ہے تو کتنا؟ اسی طرح عابد حسین کی بیوی مسماۃ صابرہ کا حق ہوتا ہے یا نہیں، اگر ہوتا ہے تو کتنا؟ بینوا و توجروا.

الجواب

چوں کہ فرم کا طریقہ یہ ہے کہ روپیہ مالک ہی کے نام سے جمع ہوتا ہے اور جس کے نام سے جمع ہوتا ہے وہی اس روپیہ کا مالک ہوتا ہے۔ لہذا حاجی علی احمد نے فرم جب کہ غلام رسول اور عابد حسین کے نام سے رکھا اور فرم میں روپیہ بھی غلام رسول اور عابد حسین کے نام سے جمع ہوا تو ظاہر یہی ہے کہ حاجی علی احمد نے اس روپیہ کا مالک غلام رسول

اور عابد حسین کو بنادیا، کیوں کہ اگر روپیہ کا مالک ان کو نہ بناتے اور روپیہ اپنی ہی ملک میں رکھتے تو روپیہ اپنے ہی نام سے جمع کراتے اور تجارت غلام رسول و عابد حسین سے کراتے۔ مگر جب کہ روپیہ اپنے نام سے نہیں جمع کیا بلکہ غلام رسول و عابد حسین کے نام سے جمع کیا تو ظاہر ہے کہ اس روپیہ کے مالک غلام رسول و عابد حسین ہیں، لہذا اس روپیہ کے نصف میں غلام رسول کی وراثت ہوگی اور نصف میں عابد حسین کی۔ غلام رسول کے ترکہ سے اس کی بی بی مسماۃ قسیمہ کو آٹھواں حصہ یعنی فی روپیہ دو آنہ ملے گا۔ اسی طرح عابد حسین کے ترکہ سے اس کی بی بی مسماۃ صابرہ کو آٹھواں حصہ ملے گا باقی مال اور ورثہ پر حسب ذیل تقسیم ہوگا۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

صورۃ التخریج ھکذا

مسئلہ ٢٤ × ٩ = ٢١٦

غلام رسول میت

اب	ام	اخ	اخت	اخت	زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
علی احمد	کلثوم	عابد حسین	زینب	جسیمہ	قسیمہ	زائر حسن	کلب حسن	مہدی حسن	ابن حسن	صغرا
٤	٤	م	م	م	٣	١٣				
٣٦	٣٦				٢٧	١١٧				
						٢٦	٢٦	٢٦	٢٦	١٣

مسئلہ ٢٤ × ٢ = ٤٨

عابد حسین میت

اب	ام	زوجہ	ابن	ابن
علی احمد	کلثوم	صابرہ	فیاض حسین	سجاد حسین
٤	٤	٣	١٣	١٣
٨	٨	٦		

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث غلام رسول کا ترکہ دو سو سولہ (٢١٦) سہام پر منقسم ہو کر چھتیس (٣٦) سہام علی احمد کو اور چھتیس (٣٦) سہام کلثوم کو، ستائیس (٢٧) سہام قسیمہ کو اور چھبیس (٢٦-٢٦) سہام زائر حسن، کلب حسن، مہدی حسن اور ابن حسن کو اور تیرہ (١٣) سہام صغریٰ کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور عابد حسین کا ترکہ ٤٨ سہام پر تقسیم ہو کر آٹھ (٨) سہام علی احمد کو اور آٹھ (٨) سہام کلثوم کو، چھ (٦) سہام صابرہ کو اور تیرہ تیرہ سہام فیاض حسین اور سجاد حسین کو ملیں گے۔ اور سجاد حسین کا حصہ ان کے ورثہ پر تقسیم ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احقر علی احمد خادم دار العلوم اہل سنت اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ، یکم ذی قعدہ ١٣٦٨ھ

قرض اور دین مہر کی ادائیگی کے بعد ترکہ کی تقسیم ہوگی

از: محمد حبیب الرحمن، موضع انٹھری، پوسٹ آفس- سلکھوا بازار، ضلع مونگیر (بہار)

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:
شیخ الطاف حسین فوت ہوئے، چھوڑا ایک لڑکا محمد حنیف اور ایک لڑکی اور بیوی اور دو بھائی شیخ محبوب علی، شیخ واجد علی اور اپنی جائداد کے ساتھ قرض مہاجنان واجب الادا اور دین مہر بیوی۔ اب محمد حنیف نے انتقال کیا۔ چھوڑا اپنی والدہ اور ایک ہم شیرہ اور دو چچا مذکور الصدر۔ اب مکمل ظاہر فرمائیں کہ ان کی جائداد کس طرح تقسیم ہوگی۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسئلہ ۸×۳=۲۴×۶=۱۴۴

شیخ الطاف حسین می

ابن	بنت	زوجہ	اخ	اخ
محمد حنیف	خالدہ	ہندہ	شیخ محبوب علی	شیخ واجد علی
۷		۱	م	م
(۱۴)	۷	۳		
	۴۲	۱۸		

مسئلہ ۶×۲=۱۲/۶ توافق بالنصف مف ۷/۱۴

محمد حنیف می

ام۔ہندہ	اخت۔خالدہ	عم۔شیخ محبوب علی	عم۔شیخ واجد علی
۲	۳	۱	
۴	۶	۱	۱
۲۸	۴۲	۷	۷

(۱۴۴)
المبلغ

الاحیاء

خالدہ بنت شیخ الطاف حسین	ہندہ زوجہ شیخ الطاف حسین	شیخ محبوب علی	شیخ واجد علی
(۸۴)	(۴۶)	(۷)	(۷)

بہ حساب آنہ پائی

۹ر آنہ، ۴ر پائی	۵ر آنہ، ۱ ۱/۷ پائی	۹ ۱/۷ پائی	۹ ۱/۷ پائی

ورثہ کے درمیان ترکہ کی تقسیم سے قبل مہاجنان و مہر دین کا قرض ادا کر دیا جائے، پھر باقی ماندہ ایک سو چوالیس حصہ پر تقسیم ہو کر ۸۴ر حصہ شیخ الطاف حسین کی لڑکی کو اور چھیالیس حصہ اس کی بیوی کو اور سات سات حصہ ان کے بھائیوں کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

احقر علی احمد، خادم دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ ۱۴ر ربیع الاول ۱۳۶۹ھ

بیوی اور بیٹے کے درمیان ترکہ کی تقسیم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

حاجی چمرو نے قضا کیا، چھوڑا اپنی دختر آمنہ کو اور اپنی زوجہ کو جو آمنہ کی ماں سوتیلی ہیں لہذا اس کا ترکہ شرع کی رو سے جس قدر ہو تقسیم کر دیا جائے۔

مورخہ ۴ر ربیع الآخر ۷۰ ۱۳ھ --- کاتب الحروف شکر اللہ بقلم خود

نشانی انگوٹھا آمنہ   نشانی انگوٹھا زوجہ

الجواب

مسئلہ ۸

حاجی چمرو میت

	بنت	زوجہ
	آمنہ	ہندہ
	۷	۱
بہ حساب آنہ پائی	۱۴ر آنہ	۲ر آنہ

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث حاجی چمرو کا ترکہ آٹھ سہام پر تقسیم ہو کر ایک حصہ حاجی چمرو کی بی بی کو اور سات حصہ حاجی چمرو کی لڑکی آمنہ کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.   ۵ر ربیع الآخر ۷۰ ۱۳ھ مطابق ۱۴ر جنوری ۱۹۵۱ء

قبلِ تقسیم ترکہ کسی وارث کا اپنے حصے میں سے کچھ ہبہ کر دینا

از: مختار احمد خان، اوسط پور، ضلع اعظم گڑھ، ۲۱ر صفر ۷۰ ۱۳ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

شیخ جہاں نے انتقال کیا چھوڑا دو لڑکی نصیبہ اور عظیمہ، بعدہ عظیمہ نے انتقال کیا، چھوڑا ایک لڑکا رحمت علی اور بہن نصیبہ۔ پھر نصیبہ نے انتقال کیا چھوڑا دو لڑکے عظمت علی اور رحمت علی اور ایک لڑکی سکینہ۔ نصیبہ نے اپنی حالت حیات میں جائداد سے ایک گنڈہ ہبہ کر دیا تھا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسئلہ ۲×۵=۱۰

شیخ جہاں

لڑکی نصیبہ	لڑکی عظیمہ
۱	۱

مف ۱

مسئلہ ۱

عظیمہ میت

لڑکا رحمت علی	بہن نصیبہ
۱/۵	م

مسئلہ ۵ — تباین — مف ۱

نصیبہ میت

لڑکا۔ عظمت علی	لڑکا۔ رحمت علی	لڑکی۔ سکینہ
۲	۲	۱

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث مورث اعلیٰ شیخ جہاں مرحوم کی کل جائداد دس سہام پر تقسیم ہو کر ان کے نواسے رحمت علی کو پانچ سہام اور عظمت علی کو دو سہام، رحمت علی کو دو سہام اور سکینہ کو ایک سہام ملے گا۔

واللہ اعلم بالصواب.

نوٹ: شیخ جہاں کی جائداد کا نصف حصہ نصیبہ کے ورثہ کو ملے گا اور جب کہ نصیبہ نے کچھ حصہ ہبہ کر دیا ہے تو اس کو منہا کر کے باقی پانچ حصوں پر تقسیم ہو کر دو حصہ عظمت علی دو حصہ رحمت علی اور ایک حصہ سکینہ کو ملے گا۔

کتبہ، سخاوت علی خاں۔

متعلم دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

پوتی کے ساتھ بہن بھی وارث ہوگی

مسئلہ کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

مصاحب علی نے انتقال کیا، چھوڑا دو لڑکے قاسم علی اور غلام محمد کو، پھر انتقال کیا غلام محمد نے چھوڑا تین لڑکے محمد علی، ولی اللہ، ہدایت اللہ اور تین لڑکی الفت، کلثوم، فاطمہ زوجہ سکینہ اور ایک بھائی قاسم علی کو، پھر انتقال کیا قاسم علی نے چھوڑا دو لڑکی حمیدہ اور آسمہ کو اور تین بھتیجے محمد علی، ولی اللہ، ہدایت اللہ اور تین بھتیجی الفت، کلثوم، فاطمہ۔ پھر انتقال کیا حمیدہ نے چھوڑا ایک بہن آسمہ اور دو پوتی ہیں بہن اور زیب النسا کو لیکن حمیدہ کی موجودگی میں حمیدہ کے شوہر شفیع اللہ کا انتقال ہو گیا تھا، پس ترکہ مورث اعلیٰ کا کس طرح تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسئلہ ۲×۷۲=۱۴۴
مصاحب علی میت

ابن، قاسم علی	ابن، غلام محمد
۱	۱
۷۲	

مسئلہ ۸×۹=۷۲ تباین مف ۱
غلام محمد میت

ابن محمد علی	ابن ولی اللہ	ابن ہدایت اللہ	بنت الفت	بنت کلثوم	بنت فاطمہ	زوجہ سکینہ	اخ قاسم علی
۷						۱	م
۶۳						۹	
۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷		

مسئلہ ۳×۳=۱/۹ استقامت مف ۸/۷۲
قاسم علی میت

بنت حمیدہ	بنت آسمہ	ابن الاخ محمد علی	ابن الاخ ولی اللہ	ابن الاخ ہدایت اللہ	بنت الاخ الفت	بنت الاخ کلثوم	بنت الاخ فاطمہ
۱	۱		۱		م	م	م
۳	۳	۱	۱	۱			
۲۴	۲۴	۸	۸	۸			

مسئلہ ۳ — استقامت — مف ۸/۲۲

حمیدہ میـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اخت، آسمہ	بنت الابن، بہن	بنت الابن، زیب النسا
۱/۸	۱/۸	۱
		☆

۱۴۴
المبـــــلغ

الاحیـــــــــــــــــــــــــــــــــــاء

محمد علی	ولی اللہ	ہدایت اللہ	الفت	کلثوم	فاطمہ	سکینہ	آسمہ	بہن	زیب النسا
۲۲	۲۲	۲۲	۷	۷	۷	۹	۳۲	۸	۸

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث مصاحب علی کا ترکہ ۱۴۴ر سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ ان کے ناموں کے نیچے درج ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حقیقی بھائی کے ہوتے ہوئے علاتی بھائی بہن وارث نہ ہوں گے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں:

عبد المجید مورث اعلیٰ نے انتقال کیا، چھوڑا دو لڑکے محمد عمر، محمد مشتاق، اور چار لڑکیاں طاہرہ، خیر النسا، صابرہ بعدہ طاہرہ نے انتقال کیا، اس کے ورثہ حقیقی بھائی، بہن، محمد مشتاق، ناظمہ اور سوتیلے بھائی بہن محمد عمر، خیر النسا، صابرہ اور حقیقی ماں سکینہ ہیں۔ پھر خیر النسا نے انتقال کیا، چھوڑا شوہر محمد امین اور ایک لڑکا شاہد حسن، ایک لڑکی ریحانہ، حقیقی بھائی بہن محمد عمر، صابرہ، سوتیلے بھائی بہن محمد مشتاق، ناظمہ، سوتیلی ماں سکینہ کو۔ اس کے بعد ناظمہ نے انتقال کیا چھوڑا حقیقی ماں سکینہ، حقیقی بھائی محمد مشتاق، سوتیلے بھائی بہن محمد عمر اور صابرہ کو۔ بعدہ محمد مشتاق نے انتقال کیا، چھوڑا بیوی اختر النسا، حقیقی بہن سکینہ اور سوتیلے بھائی بہن، محمد عمر، صابرہ کو۔ ترکہ مورث اعلیٰ کا موجودہ ورثہ پر کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا.

نوٹ: عبد المجید کی دو بیوی ایک بیوی سے لڑکا محمد عمر، لڑکیاں خیر النسا، صابرہ اور دوسری بیوی سے (جسے عبد المجید بحالت تندرستی طلاق دے چکا تھا) لڑکا مشتاق،، لڑکیاں طاہرہ، فاطمہ۔

الجوابـــــــــــــــــــــــــــــــ

مسئلہ ۳۱۱۰۴=۳۶x۸۶۴=۳x۲۸۸=۲x۱۴۴=۱۸x۸

عبد المجید میـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

ابن	ابن	بنت	بنت	بنت	بنت

محمد عمر	محمد مشتاق	طاہرہ	خیر النسا	ناظمہ	صابرہ
۲	۲	(۱)	۱	۱	۱
۳۶	۳۶		(۱۸)	۱۸	۱۸
۷۲	۷۲			(۳۶)	۳۶
۲۱۶	(۲۱۶)				۱۰۸
۷۷۷۶					۳۸۸۸

مسئلہ ۶×۳=۱۸ مف ۱

طاہرہ میت

اخ حقیقی	اخت حقیقی	اختان علاتی	اخ علاتی	ام حقیقی
محمد مشتاق	ناظمہ	صابرہ و خیر النسا	محمد عمر	سکینہ
۵		م	(۱)	۱
۱۰	۵			۳
۲۰	(۱۰)			۶
(۶۰)				۱۸
				۶۴۸

مسئلہ ۲/۴ توافق بالنصف مف ۹/۱۸

خیر النسا میت

زوج	ابن	بنت	اخ حقیقی	اخت حقیقی	اخ علاتی	اخت علاتی	سوتیلی ماں
محمد امین	شاہد حسن	ریحانہ	محمد عمر	صابرہ	محمد مشتاق	ناظمہ	سکینہ
۱	۲	۱	م	م	م	م	م
۹	۱۸	۹					
۲۷	۵۴	۲۷					
۹۷۲	۱۹۴۴	۹۷۲					

مسئلہ ۳/۶ توافق بالنصف مف ۲۳/۴۶

ناظمہ میت

ام حقیقی، سکینہ	اخ حقیقی، محمد مشتاق	اخ علاتی، محمد عمر	اخت علاتی، صابرہ
۱	۵	م	م
۲۳	(۱۱۵)		

مسئلہ ۱۲×۳=۳۶ تباین مف ۳۹۱

محمد مشتاق مي

زوجہ، اختر النسا	ام حقیقی، سکینہ	اخ علاتی، محمد عمر	اخت علاتی، صابرہ
۳	۲	۷	
۹	۶	۱۴	۷
~~۳۵۱۹~~	~~۲۳۴۶~~	~~۵۴۷۴~~	۲۷۳۷

المبلغ ۳۱۱۰۴

الاحیاء

محمد عمر	صابرہ	محمد امین	شاہد حسن	ریحانہ	اختر النسا	سکینہ
۱۳۲۵۰	۶۶۲۵	۹۷۲	۱۹۴۴	۹۷۲	۳۵۱۹	۳۸۲۲

چھ بطنوں کا مناسخہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

شفیع اللہ نے انتقال کیا، چھوڑا زوجہ سلیمہ اور تین لڑکے رحیم اللہ، سلیم اللہ و ثناء اللہ کو اور تین لڑکی معصومہ، مقیمہ، حکیمہ کو پھر انتقال کیا حکیمہ نے چھوڑا ماں سلیمہ اور دو لڑکی رقیہ حبیبن اور زوج عبد المجید اور دو حقیقی بھائی سلیم اللہ، ثناء اللہ اور دو بہن معصومہ، مقیمہ اور ایک علاتی بھائی رحیم اللہ کو، پھر انتقال کیا ثناء اللہ نے چھوڑا ماں سلیمہ، بھائی سلیم اللہ، دو بہن معصومہ، مقیمہ اور بھانجی رقیہ، حبیبن اور علاتی بھائی رحیم اللہ کو۔ پھر انتقال کیا معصومہ نے چھوڑا ماں سلیمہ اور تین لڑکی، آمنہ، صالحہ رسولن کو اور بہن مقیمہ بھائی سلیم اللہ اور علاتی بھائی رحیم اللہ کو، پھر انتقال کیا صالحہ نے چھوڑا زوج محمد شفیع اور اپنے باپ کے چچا ولی اللہ اور نانی سلیمہ اور دو بہن آمنہ و رسولن اور ماموں سلیم اللہ اور خالہ مقیمہ اور علاتی ماموں رحیم اللہ کو پھر انتقال کیا رسولن نے چھوڑا باپ کے چچا ولی اللہ اور نانی سلیمہ، ماموں سلیم اللہ خالہ مقیمہ، بہن آمنہ اور علاتی ماموں رحیم اللہ کو۔ اب ترکہ شفیع اللہ مورث اعلیٰ کا کس طرح پر تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا.

مستفتی: ولی اللہ، پورہ دیوان، مبارک پور، اعظم گڑھ

الجواب

صورۃ التخریج ھکذا

مسئلہ ۸×۹=۷۲×۱۳=۹۳۶×۱۲=۱۱۲۳۲×۱۸=۲۰۲۱۷۶×۲=۴۰۴۳۵۲×۳=۱۲۱۳۰۵۶

شفیع اللہ میت

زوجہ	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت
سلیمہ	رحیم اللہ	سلیم اللہ	ثناء اللہ	معصومہ	مقیمہ	حکیمہ
۱			۷			
۹	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	(۷)
۱۱۷	۱۸۲	۱۸۲	(۱۸۲)	۹۱	۹۱	
۱۴۰۴	۲۱۸۴	۲۱۸۴		(۱۰۹۲)	۱۰۹۲	
۲۵۲۷۲	۳۹۳۱۲	۳۹۳۱۲			۱۹۶۵۶	
۵۰۵۴۴	۷۸۶۲۴	۷۸۶۲۴			۳۹۳۱۲	
۱۵۱۶۳۲	۲۳۵۸۷۲	۲۳۵۸۷۲			۱۱۷۹۳۶	

مسئلہ ۱۲ عول ۱۳ تباین مف ۷

حکیمہ میت

ام	بنت	بنت	زوج	اخ حقیقی	اخ حقیقی	اخت	اخت	اخ علاتی
سلیمہ	رقیہ	صبیحن	عبدالمجید	سلیم اللہ	ثناء اللہ	معصومہ	مقیمہ	رحیم اللہ
۲	۴	۴	۳	م	م	م	م	م
۱۴	۲۸	۲۸	۲۱					
۱۶۸	۳۳۶	۳۳۶	۲۵۲					
۳۰۲۴	۶۰۴۸	۶۰۴۸	۴۵۳۶					
۶۰۴۸	۱۲۰۹۶	۱۲۰۹۶	۹۰۷۲					
۱۸۱۴۴	۳۶۲۸۸	۳۶۲۸۸	۲۷۲۱۶					

مسئلہ ۶×۴ = ۱۲/۲۴ توافق بالنصف مف ۹۱/۱۸۲

ثناء اللہ

ام	اخ	اخت	اخت	بنت الاخت	بنت الاخت	اخ علاتی
سلیمہ	سلیم اللہ	معصومہ	مقیمہ	رقیہ	صبیحن	رحیم اللہ
۱	۱۰	۵	۵	م	م	م
۴	۹۱۰	(۴۵۵)	۴۵۵			
۳۶۴	۱۶۳۸۰		۸۱۹۰			

۶۵۵۲	۳۲۷۶۰	۱۶۳۸۰
۱۳۱۰۴	۹۸۲۸۰	۴۹۱۴۰
۳۹۳۱۲		

مسئلہ ۶×۳=۱۸ تباین مف ۱۵۴۷

معصومہ میـــ

ام	بنت	بنت	بنت	اخت	اخ	اخ علاتی
سلیمہ	آمنہ	صالحہ	رسولن	مقیمہ	سلیم اللہ	رحیم اللہ
۱		۴			۱	م
۳	۴	۴	۴	۱	۲	
۴۶۴۱	۶۱۸۸	۶۱۸۸	۶۱۸۸	۱۵۴۷	۳۰۹۴	
۹۲۸۲	۱۲۳۷۶		۱۲۳۷۶	۳۰۹۴	۶۱۸۸	
۲۷۸۴۶	۳۷۱۲۸			۹۲۸۲	۱۸۵۶۴	

مسئلہ ۶ عول ۲/۸ توافق بالربع مف ۱۵۴۷/۶۱۸۸

صالحہ میـــ

زوج	عم الاب	ام الام	اخت	اخت	اخ الام	اخت الام	اخ الام علاتی
محمد شفیع	ولی اللہ	سلیمہ	آمنہ	رسولن	سلیم اللہ	مقیمہ	رحیم اللہ
۳	م	۱	۲	۲	م	م	م
۴۶۴۱		۱۵۴۷	۳۰۹۴	۳۰۹۴			
۱۳۹۲۳		۴۶۴۱	۹۲۸۲				

مسئلہ ۳/۶ توافق بالنصف مف ۷۷۳۵/۶۱۸۸

رسولن میـــ

عم الاب	ام الام	اخ الام	اخت الام	اخت	اخ الام علاتی
ولی اللہ	سلیمہ	سلیم اللہ	مقیمہ	آمنہ	رحیم اللہ
۲	۱	م	م	۳	م
۱۵۴۷۰	۷۷۳۵			۲۳۲۰۵	

۱۲۱۳۰۵۶
المبلغ

الاحیـــــاء

سلیمہ	رحیم اللہ	سلیم اللہ	مقیمہ	رقیہ	حبیبن
۲۴۹۳۱۰	۲۳۵۸۷۲	۳۵۲۷۱۶	۱۷۶۳۵۸	۳۶۲۸۸	۳۶۲۸۸

عبدالمجید	آمنہ	محمد شفیع	ولی اللہ
۲۷۲۱۶	۶۹۶۱۵	۱۳۹۲۳	۱۵۴۷۰

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث شفیع اللہ کا ترکہ ۱۲۱۳۰۵۶ سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ واللہ اعلم بالصواب. کتبہ: علی احمد

باپ کی زندگی میں بیٹوں کا انتقال ہو جائے تو باپ ہی وارث ہو گا

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

مسماۃ زاہدہ نے انتقال کیا، چھوڑا شوہر رحیم اللہ نامی اور باپ عبدالشکور اور چار بچے اسرائیل و اسماعیل و مشتاق و جلال جن میں سے پہلے جلال نے انتقال کیا، چھوڑا باپ رحیم اللہ اور تین بھائی اسرائیل و اسماعیل و مشتاق اور نانا عبدالشکور پھر مشتاق نے انتقال کیا، چھوڑا باپ رحیم اللہ اور دو بھائی اسرائیل و اسماعیل اور نانا عبدالشکور کو۔ متوفیہ کا ترکہ کس طرح تقسیم ہو گا؟ بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ۱۲×۴=۴۸

زاہدہ میت

زوج	اب	ابن	ابن	ابن	ابن
رحیم اللہ	عبدالشکور	اسرائیل	اسماعیل	مشتاق	جلال
۳/۱۲	۲/۸	۷	۷	۷	(۷)

مسئلہ ۱ مف ۷

جلال میت

اب۔ رحیم اللہ	اخ۔ اسرائیل	اخ۔ اسماعیل	اخ۔ مشتاق	جد۔ عبدالشکور
۱/۷	م	م	م	م

مسئلہ ۱ مف ۷

مشتاق میت

اب، رحیم اللہ	اخ، اسرائیل	اخ، اسماعیل	جد، عبدالشکور
۱/۷	م	م	م

۴۸
المبلغ

الاحیــــــــــــاء

رحیم اللہ	عبدالشکور	اسرائیل	اسمٰعیل
۲۶	۸	۷	۷

صورت مسئولہ میں متوفیہ مسماۃ زاہدہ خاتون کا ترکہ بعد تقدیم ما تقدم اڑتالیس سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اتنا ہی ملے گا جتنا کہ اس کے نام کے نیچے درج ہے۔واللہ اعلم بالصواب.

بیٹیوں کی موجودگی میں بہنوں کو بقیہ حصہ ملے گا

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے انتقال کیا، چھوڑا اپنی زوجہ اور دو لڑکیاں اور ایک بہن اور ایک حقیقی چچا کے لڑکے کو پس زید کے ترکہ میں سے کس کس کو کتنا ملے گا۔بینوا توجروا.

الجوابـــــــــــــــ

مسئلہ ۲۴

زیدمیـــــــــــــــ

زوجہ	بنت	بنت	اخت	ابن العم
۳	۸	۸	۵	م

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث زید کا ترکہ ۲۴ر سہام پر تقسیم ہو کر ۳ر زید کی زوجہ کو اور آٹھ آٹھ زید کی دونوں لڑکیوں کو اور پانچ زید کی بہن کو ملے گا۔واللہ اعلم بالصواب.

عقد ثانی سے عورت ترکہ سے محروم نہ ہوگی

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

زید کا انتقال ہوا چھوڑا ایک لڑکا اور ایک لڑکی اور ایک بیوی۔زید کا ترکہ کس طور پر تقسیم ہوگا؟

نوٹ: زید کے انتقال کے بعد اس کی بیوی نے دوسری شادی کر لی تھی، پھر شوہر ثانی کے انتقال کے بعد شوہر اول کے مکان پر آگئی۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ ترکہ پر اس کی دوسری شادی کا تو اثر نہیں پڑے گا؟

الجوابـــــــــــــــ

مسئلہ ۸×۳=۲۴

زیدمیـــــــــــــــ

زوجہ	بنت	۷	ابن
		۲۱	
۱/۳	۷	۲۱	۱۴

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث زید کا ترکہ ۲۴ر سہام پر تقسیم ہو کر ۱۴ر لڑکے کو اور ۷ر لڑکی کو اور ۳ر زوجہ کو ملیں گے۔ عقد ثانی سے میراث کا استحقاق نہیں جاتا، شوہری حق باقی رہے گا اور زید کی زوجہ زید کی میراث کی مستحق ہے۔
واللہ اعلم بالصواب.

بیوی اور بیٹی کی موجودگی میں بھائی بہن کا حصہ

از: گھوسی، اعظم گڑھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے احناف صورت ذیل میں کہ:

ہدایت اللہ نے انتقال کیا چھوڑا دو لڑکے محمد صدیق و محمد حنیف اور ایک لڑکی ہاجرہ کو، پھر انتقال کیا محمد صدیق نے چھوڑا ایک بھائی محمد حنیف اور ایک بہن ہاجرہ اور ایک لڑکی آمنہ اور ایک بیوی رسولن کو۔ مورث اعلیٰ کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ۵×۴=۲۰
ہدایت اللہ میـــــ

ابن، محمد صدیق	ابن، محمد حنیف	بنت، ہاجرہ
(۲	۲/۸	۱/۴

مسئلہ ۴/۸ مف ۱/۲
محمد صدیق میـــــ

زوجہ، رسولن	اخ، محمد حنیف	اخت، ہاجرہ	بنت، آمنہ
۱	۲	۱	۴

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث ہدایت اللہ کا ترکہ ۲۰ر سہام پر تقسیم ہو کر ۱۰ر محمد حنیف کو اور ۵ر ہاجرہ کو اور ۴ر آمنہ کو اور ایک رسولن کو ملے گا۔ واللہ اعلم بالصواب.

بھابھی کا ترکہ میں حصہ نہیں

از: امان اللہ، پورہ رانی، مبارک پور اعظم گڑھ

مسئلہ کیافرماتے ہیں علماے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:
حاجی فصیح اللہ نے انتقال کیا، چھوڑا اپنی عورت جمن کو اور ایک بھائی حاجی فتح محمد کو اور ایک بھتیجا امان اللہ کو اور اپنے بھائی کے پوتے رحیم اللہ کو۔ اس کے بعد حاجی فتح محمد نے انتقال کیا، چھوڑا اپنی عورت سکینہ کو اور اپنی بھابھی جمن کو اور اپنے بھتیجا امان اللہ کو اور اپنے بھائی کے پوتا رحیم اللہ کو، پس ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ۴×۴=۱۶

حاجی فصیح اللہ میـــــــــــــــــــــــــ

زوجہ، جمن	اخ، حاجی فتح محمد	ابن الاخ، امان اللہ	ابن ابن الاخ، رحیم اللہ
۱/۴	(۳)	م	م

مسئلہ ۴ ــــــــــــــــ . مف ۳

حاجی فتح محمد میـــــــــــــــــــــــــ

زوجہ، سکینہ	زوجۂ اخ، جمن	ابن الاخ، امان اللہ	ابن ابن الاخ، رحیم اللہ
۱/۳	م	۳/۹	م

المبلغ ۱۶

الاحیـــــــــــــــــــــــاء

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث فصیح اللہ مورث اعلیٰ کا ترکہ ۱۶/ سہام پر تقسیم ہو کر ۴/ جمن کو اور ۳/ سکینہ کو اور ۹/ امان اللہ کو ملے گا۔ واللہ اعلم بالصواب.

کتبہ ابوالفضل علی احمد غفرلہ الصمد

کائن لم تکن کا ایک مسئلہ

از: چھنونا، موضع دھرہرا، تحصیل سگڑی

مسئلہ کیافرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ:
حسنو کا انتقال ہوا چھوڑا زوجہ مسماۃ جونہ کو اور دو لڑکے اکبر خان اور جنتی خان کو اور تین لڑکیاں نوکھا بی بی، ولیہ بی

بی، مظلومہ بی بی۔ اس کے بعد انتقال ہوا مسماۃ جونہ کا چھوڑا ورثہ مذکور کو، اس کے بعد نوکھابی بی کا انتقال ہوا، چھوڑا ورثہ مذکور کو پس ترکہ حسنو کا کس طرح تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا.

الجواب

مسماۃ جونہ اور مسماۃ نوکھابی بی نے جب کہ ورثہ مذکور کے علاوہ اور ورثہ نہیں چھوڑا تو وہ کان لم تکن ہوئیں۔ لہذا بعد تقدیم ماتقدم علی الارث حسنو کا ترکہ ۶/ سہام پر تقسیم ہوکر دو دو سہام اکبر خان و جنتی کو، ایک ولیہ کو اور ایک مظلومہ کو ملیں گے۔ واللہ اعلم. کتبہ عبدالعزیز عفی عنہ

چھ بطنوں کا مناسخہ

عبدالعزیز، شمیم و محمد بشیر، لبلا ہوتالاب، خوجہ کی مسجد، چھتن پورہ، بنارس

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

مکان مالکہ مسماۃ حرمت بی بی نے اپنی زندگی میں کسی کو حصہ تقسیم نہیں کیا۔ حرمت بی بی کے انتقال کے بعد اس کے شوہر حبیب اللہ اور تین لڑکے مطیع اللہ، سمیع اللہ اور حمید اللہ اور ایک لڑکی مسماۃ منی بی بی باقی بچے رہے۔ یہ تینوں لڑکے اور ایک لڑکی مسماۃ حرمت بی بی سے ہیں۔ اس کے بعد مطیع اللہ نے انتقال کیا۔ مطیع اللہ کے انتقال کے بعد اس کے ولد حبیب اللہ اور اس کے بھائی سمیع اللہ و حمید اللہ اور ایک بہن مسماۃ منی بی بی اور مسماۃ حرمت بی بی زوجہ مطیع اللہ باقی بچے۔ اس کے بعد حبیب اللہ نے انتقال کیا۔ حبیب اللہ کے انتقال کے بعد زوجۂ ثانیہ بصیرت بی بی اور ان کی پہلی بیوی سے ان کے دو لڑکے سمیع اللہ و حمید اللہ اور ایک لڑکی مسماۃ منی بی بی اور مسماۃ حرمت بی بی زوجہ مطیع اللہ اور حبیب اللہ کے تین لڑکے ولی اللہ، حشمت اللہ اور سلامت اللہ جو ان کی زوجۂ ثانیہ مسماۃ بصیرت بی بی کے بطن سے ہیں باقی بچے۔ اس کے بعد سمیع اللہ کا انتقال ہوا۔ سمیع اللہ کے انتقال کے بعد اس کے بھائی حمید اللہ اور اس کی بہن مسماۃ منی بی بی و حرمت بی بی زوجہ مطیع اللہ و مسماۃ حفیظن بی بی زوجہ سمیع اللہ اور مسماۃ ہاجرہ بی بی دختر سمیع اللہ اور سمیع اللہ کی والدۂ ثانیہ مسماۃ بصیرت بی بی اور بصیرت بی بی کے تین لڑکے، ولی اللہ، حشمت اللہ اور سلامت اللہ باقی بچے، پھر حمید اللہ کا انتقال ہوا۔ حمید اللہ کے انتقال کے بعد ان کی بہن مسماۃ منی بی بی و مسماۃ حرمت بی بی زوجہ مطیع اللہ و مسماۃ حفیظن بی بی زوجہ سمیع اللہ و مسماۃ ہاجرہ بی بی دختر سمیع اللہ و مسماۃ خاتون بی بی زوجہ حمید اللہ اور حمید اللہ کی دو لڑکیاں مسماۃ زینب النسا، عجب النسا اور حمید اللہ کی والدۂ ثانیہ مسماۃ بصیرت بی بی اور حمید اللہ کے سوتیلے برادران ولی اللہ، حشمت اللہ، سلامت اللہ باقی بچے۔ پھر مسماۃ ہاجرہ بی بی دختر سمیع اللہ کا انتقال ہوا۔ ہاجرہ بی بی کے انتقال کے بعد مسماۃ منی بی بی و مسماۃ حفیظن زوجہ سمیع اللہ و مسماۃ حرمت بی بی زوجہ مطیع اللہ و مسماۃ خاتون بی بی زوجہ حمید اللہ و مسماۃ زینب النسا و مسماۃ عجب النسا دختران حمید اللہ و مسماۃ بصیرت بی بی زوجۂ ثانیہ حبیب اللہ اور ولی اللہ، حشمت اللہ و سلامت اللہ پسران حبیب اللہ باقی بچے۔ فقط

الجواب

مسئلہ ۴×۷=۲۸×۲=۵۶×۸۸=۴۹۲۸×۴=۱۹۷۱۲×۱۲=۲۳۶۵۴۴×۳=۷۰۹۶۳۲

حرمت بی بی میت

زوج، حبیب اللہ	ابن، مطیع اللہ	ابن، حمید اللہ	ابن سمیع اللہ	بنت، منی بی بی
۱		۳		
۷	(۶)	۶	۶	۳
(۱۴)		۱۲	۱۲	۶
		۱۰۵۶	(۱۰۵۶)	۵۲۸
		(۴۲۲۴)		۲۱۱۲
				۲۵۳۴۴
				۷۶۰۳۲

مسئلہ ۲/۴ — توافق بالنصف — مف ۳/۶

مطیع اللہ میت

اب حبیب اللہ	اخ حمید اللہ	اخ سمیع اللہ	اخت منی بی بی	زوجہ حرمت بی بی
۳	م	م	م	۱
(۹)				۳
				۲۶۴
				۱۰۵۶
				۱۲۶۷۲
				۳۸۰۱۶

مسئلہ ۸×۱۱=۸۸ — تباین — مف ۲۳،

حبیب اللہ میت

زوجہ ثانیہ بصیرت	ابن، حمید اللہ	ابن سمیع اللہ	بنت منی بی بی	زوجہ ابن حرمت بی بی	ابن ولی اللہ	ابن حشمت اللہ	ابن سلامت اللہ
۱		۷					
۱۱	۱۴	۱۴	۷	م	۱۴	۱۴	۱۴
۲۵۳	۳۲۲	(۳۲۲)	۱۶۱		۳۲۲	۳۲۲	۳۲۲
۱۰۱۲	(۱۲۸۸)		۶۴۴		۱۲۸۸	۱۲۸۸	۱۲۸۸
۱۲۱۴۴			۷۷۲۸		۱۵۴۵۶	۱۵۴۵۶	۱۵۴۵۶

۳۶۴۳۲	۲۳۱۸۴	۴۶۳۶۸	۴۶۳۶۸	۴۶۳۶۸

مسئلہ ۴/۸ توافق بالنصف مف ۶۸۹/۱۳۷۸

سمیع اللہ

اخ حقیقی	اخت حقیقی	زوجہ اخ	زوجہ	بنت	ام سوتیلی	اخ علاتی	اخ علاتی	اخ علاتی
حمید اللہ	منی بی بی	حرمت بی بی	حفیظن	ہاجرہ	بصیرت	ولی اللہ	حشمت	سلامت اللہ
۲	۱	م	۱	۴	م	م	م	م
(۱۳۷۸)	۶۸۹		۶۸۹	۲۷۵۶				
	۸۲۶۸		۸۲۶۸	(۳۳۰۷۲)				
	۲۴۸۰۴		۲۴۸۰۴					

مسئلہ ۱۲/۲۴ توافق بالنصف مف ۳۴۴۵/۶۸۹۰

حمید اللہ میت

اخت حقیقی	زوجہ اخ	زوجہ اخ	بنت الاخ	زوجہ	بنت	بنت	ام سوتیلی	اخ علاتی	اخ علاتی	اخ علاتی
منی بی بی	حرمت	حفیظن	ہاجرہ	خاتون	زیب النساء	عجب النساء	بصیرت	ولی اللہ	حشمت اللہ	سلامت اللہ
۵	م	م	م	۳	۸	۸	م	م	م	م
۱۷۲۲۵				۱۰۳۳۵	۲۷۵۶۰	۲۷۵۶۰				
۵۱۶۷۵				۳۱۰۰۵	۸۲۶۸۰	۸۲۶۸۰				

مسئلہ ۳×۳=۹/۳ توافق بالثلث مف

۱۱۰۲۴/۳۳۰۷۲

ہاجرہ

اخت الاب	ام	زوجہ عم	زوجہ عم	بنت العم	بنت العم	ام الاب سوتیلی	عم علاتی	عم علاتی	عم علاتی
منی بی بی	حفیظن	حرمت	خاتون	عجب النساء	زیب النساء	بصیرت	ولی اللہ	حشمت اللہ	سلامت اللہ

۴	۱/۳	۴	۴	۴	۴	۴	۲	
	۳۳۰۷۲						۲/۲۲۰۴۸	۲/۲۲۰۴۸ ۲/۲۲۰۴۸

۷۰۹۶۳۲
المبلغ

الاحیاء

منی بی بی	حرمت بی بی	بصیرت بی بی	ولی اللہ	حشمت اللہ
۱۷۵۶۹۵	۳۸۰۱۶	۳۶۴۳۲	۶۸۴۱۶	۶۸۴۱۶
۱۱/۳ ۶۶۱/۱۲۳۲ پائی	۱۰ ۲/۷ پائی	۹ ۶/۷ پائی	۱/۶ ۱۱۸/۲۳۱ پائی	۱/۶ ۱۱۸/۲۳۱ پائی
سلامت اللہ	حفیظن	خاتون بی بی	زیب النسا	عجب النسا
۶۸۴۱۶	۵۷۸۷۶	۳۱۰۰۵	۸۲۶۸۰	۸۲۶۸۰
۱/۶ ۱۱۸/۲۳۱ پائی	۱/۳ ۲۰۳/۳۰۸ پائی	۸ ۴۷۹/۱۲۳۲ پائی	۱/۱۰ ۲۷۱/۴۶۲ پائی	۱/۱۰ ۲۷۱/۴۶۲ پائی

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث حرمت بی بی کا کل ترکہ سات لاکھ نوہزار چھ سو بتیس (۷۰۹۶۳۲) سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ الاحیا کے نیچے درج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

چار بطنوں کا مناسخہ

از: ولی محمد، مبارک پور، اعظم گڑھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

کھنئی کا انتقال ہوا، چھوڑا دو لڑکے جمن اور بان، ایک لڑکی خوشبالی کو پھر انتقال ہوا بان کا چھوڑا اپنی بی بی مسماۃ بابونہ کو اور دو لڑکی سکونہ اور مسلمہ کو، بھائی جمن اور بہن خوشبالی کو۔ پھر خوشبالی کا انتقال ہوا، چھوڑا ایک لڑکی مونگا اور بھائی جمن کو، پھر جمن نے انتقال کیا چھوڑا ایک پوتا محمد یٰسین کو، پس ترکہ مورث اعلیٰ کس طرح تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ۵×۳۶=۱۸۰×۲=۳۶۰

کھنئی میت

ابن، جمن	ابن، بان	بنت، خوشبالی
۲	(۲)	۱
۷۲		(۳۶)
(۱۴۴)		

مسئلہ ۲۴×۳=۷۲/۳۶ تداخل مف ۱/۲

بان میـــــت

زوجہ	بنت	بنت	اخ	اخت
بابونہ	سکونہ	مسلمہ	جمن	خوشبالی
۳	۸	۸	۵	
۹	۲۴	۲۴	۱۰	۵
۱۸	۴۸	۴۸	۲۰	

مسئلہ ۲ تباین مف ۴۱

خوشبالی میـــــت

بنت، موزگا	اخ، جمن
۱	۱
۴۱	۴۱

مسئلہ ۱ استقامت مف ۲۰۵

جمن میـــــت

ابن الابن، محمد یٰسین
۱
۲۰۵

۳۶۰
المبلغ

الاحیـــــاء

بابونہ	سکونہ	مسلمہ	موزگا	محمد یٰسین
۱۸	۴۸	۴۸	۴۱	۲۰۵

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث کھنئی مورث اعلیٰ کا ترکہ تین سو ساٹھ سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا جتنا کہ اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: علی احمد اعظمی، ۱۷؍رجب المرجب ۱۳۶۲ھ

باپ کی موجودگی میں بھائی بہن ترکہ سے محروم ہوں گے

مستفتی: قمر الدین ڈرائیور، شہر گیا، بتاریخ ۹؍محرم الحرام ۱۳۶۳ھ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ:

1/45

زید نے ایک لڑکا اور باپ اور ایک بیوی اور سات لڑکیاں اور ایک بہن اور تین بھائی چھوڑ کر انتقال کیا۔ متوفی زید کی ذاتی حاصل کردہ حیثیت نقد و جنس میں دو مکان اور ایک دوکان اور کچھ روپے ہیں اور چار قطعہ مکان پانچ بھائیوں کی معیت میں پہلے سے تھا، جس کو خام سے پختہ متوفی زید نے کیا تھا۔ پانچ بھائیوں میں ایک کا انتقال زید سے پہلے ہو چکا تھا، اب ان کی اولاد موجود ہے، نیز زید متوفی نے اپنی ذاتی پونجی سے دو بھائیوں کو اپنی حیات میں علاحدہ دو کانیں کرادیں اور مکان بھی خرید دیا تھا تو زید متوفی کی ذاتی حیثیت اور اجتماعی مکان کی از روے شرع کس طرح تقسیم ہوگی۔ بینوا توجروا.

الجواب

مسئلہ ۲۴×۹=۲۱۶

زید میـــــ

ابن	اب	زوجہ	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	اخت	اخ	اخ	اخ
۳۴	۴	۳	۱۷	۱۷	۱۷	۱۷	۱۷	۱۷	۱۷	م	م	م	م
	۳۶	۲۷											

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث زید کا ترکہ ۲۱۶ حصہ پر تقسیم ہو کر لڑکے کو ۳۴، باپ کو ۳۶، بیوی کو ۲۷ اور ہر لڑکی کو سترہ سترہ ملیں گے۔ چوں کہ زید کا باپ زندہ ہے اس لیے بھائی اور بہن زید کے ترکہ سے محروم رہیں گے، مشترکہ مکان خام پختہ کراتے وقت زید نے اپنے بھائیوں سے کوئی شرط طے کر لی تھی تو اس کا اعتبار کیا جائے گا ورنہ خام مکان کو پختہ کرانا زید کا تبرع اور احسان سمجھا جائے گا اور ہر شریک مساوی حصہ پائے گا۔ بھائیوں کو دوکانیں کرادینا اور مکان خرید کر دینا اگر یہ مشترکہ مکان کا عوض بھائیوں کو دیا ہے اور دیتے وقت یہی شرط قرار پائی ہے تو اسی کو مانا جائے گا ورنہ یہ زید کا ہبہ ہوگا اور زید کے بھائی مشترکہ مکان میں اس کے شریک رہیں گے اور ان کا حصہ ان کے ورثہ پر تقسیم ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

علی احمد خادم مدرسہ ۱۱ر محرم الحرام ۱۳۶۳ھ

بیٹوں کی موجودگی میں بھائیوں کو کچھ نہ ملے گا

از: حافظ علی حسن

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

حاجی محمد یوسف نے انتقال کیا چھوڑے دو لڑکے رحمت اللہ اور محمد سلیمان کو اور ایک لڑکی میمونہ کو، پھر میمونہ نے انتقال کیا، چھوڑا دو بھائی رحمت اللہ اور محمد سلیمان، دو لڑکے محمد متین، محمد مبین اب ان لوگوں میں ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب

مسئلہ ۵×۲=۱۰

حاجی محمد یوسف میـــــ

ابن، رحمت اللہ	ابن، محمد سلیمان	بنت، میمونہ
۲/۴	۲/۴	(۱)

مسئلہ ۲
میمونہ میـــ مفا

ابن، محمد متین	بن، محمد مبین
۱	۱

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث حاجی محمد یوسف کا ترکہ ۱۰/ سہام پر تقسیم ہو کر ۲/ رحمت اللہ کو، ۲/ محمد سلیمان کو اور ا/ محمد مبین اور ا/ محمد متین کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

بیوی، دو بیٹی، ایک بہن، چچازاد بھائی اور بھتیجے کے درمیان ترکہ کی تقسیم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:
شیخ کریم اللہ نے مندرجہ ذیل ورثہ کو چھوڑ کر انتقال کیا تو ترکہ کیسے تقسیم ہوگا، وارثان طاہرا لنسا، اختر النسا لڑکی حقیقی، آمنہ حقیقی بہن، خیر النسا بیوی، عنایت اللہ چچازاد بھائی، اطہر حقیقی بھتیجا۔ فقط

الجوابـــ

مسئلہ ۲۴
شیخ کریم اللہ میـــ

بنت	بنت	اخت	زوجہ	ابن عم	ابن اخ
طاہر النسا	اختر النسا	آمنہ	خیر النسا	عنایت اللہ	اطہر
۸	۸	۵	۳	م	م

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث شیخ کریم اللہ کا ترکہ ۲۴/ سہام پر تقسیم ہو کر ۸/۸ لڑکیوں کو، پانچ آمنہ اور ۳/ خیر النسا کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ أعلم.

باپ کی زندگی میں کسی بیٹے کا انتقال ہو جائے تو اس کی بیوی اور بچے باپ کی جائداد سے وارث نہ ہوں گے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:
مورث اعلیٰ عبدالحکیم متوفی۔ اپنے موجودگی میں ۴/ لڑکیاں اور ۴/ لڑکے تھے۔ ان کے دو لڑکے ۲/ لڑکیاں قضا کر گئے۔ اس کے بعد ایک لڑکی قضا کر گئی ان کی موجودگی میں۔ اس کے بعد محمد قاسم قضا کیا مورثِ اعلیٰ کی موجودگی میں، چھوڑا

ایک لڑکا عبدالغفار کو اور چار لڑکیاں، خاتون، مینا، الفت، خیر النسا۔ اس کے بعد مورثِ اعلیٰ قضا کیا۔ چھوڑا اپنی بیوی مسیمہ کو اور سلیمہ اور محمد شفیع اور اپنے پوتے پوتیوں کو، پھر قضا کیا مسماۃ مسیمہ زوجہ مورثِ اعلیٰ کے چھوڑا سلیم اور محمد شفیع وہ پوتے پوتیوں کو۔ محمد قاسم مرحوم کا لڑکا عبدالغفار اپنی بلوغت پر حصہ اپنے چچا سے طلب کر رہا ہے۔ لہٰذا بحقِ شریعت ان کا جو کچھ حصہ ہمارے ذمہ ہو اس کو جواب سے تحریر فرمائیں. بینوا تو جروا.

العبد: عبدالعزیز

الجواب

مسئلہ ۸×۳=۲۴

عبدالحکیم میـــــــ

زوجہ	بنت	ابن	ابن الابن	بنت الابن	بنت الابن	بنت الابن	بنت الابن
مسیمہ	سلیمہ	محمد شفیع	عبدالغفار	خاتون	مینا	الفت	خیر النسا
۱	۷	۱	م	م	م	م	م
۳		۱۴					

مف ۱/۳

مسئلہ ۳

مسیمہ میـــــــ

بنت	ابن	ابن الابن	بنت الابن	بنت الابن	بنت الابن	بنت الابن
سلیمہ	محمد شفیع	عبدالغفار	خاتون	مینا	الفت	خیر النسا
۱	۲	م	م	م	م	م

۲۴

المبـــــلغ

الاحیـــــــاء

سلیمہ	محمد شفیع	عبدالغفار	خاتون	مینا	الفت	خیر النسا
۸	۱۶	م	م	م	م	م

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث مورثِ اعلیٰ عبدالحکیم کا کل ترکہ ۲۴ر سہام پر تقسیم ہو کر سولہ سہام محمد شفیع کو اور آٹھ سہام سلیمہ کو ملیں گے۔ عبدالغفار و مینا و الفت و خاتون و خیر النسا محجوب ہو جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمد شفیع اعظمی، دار العلوم اشرفیہ۔ ۸ ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ

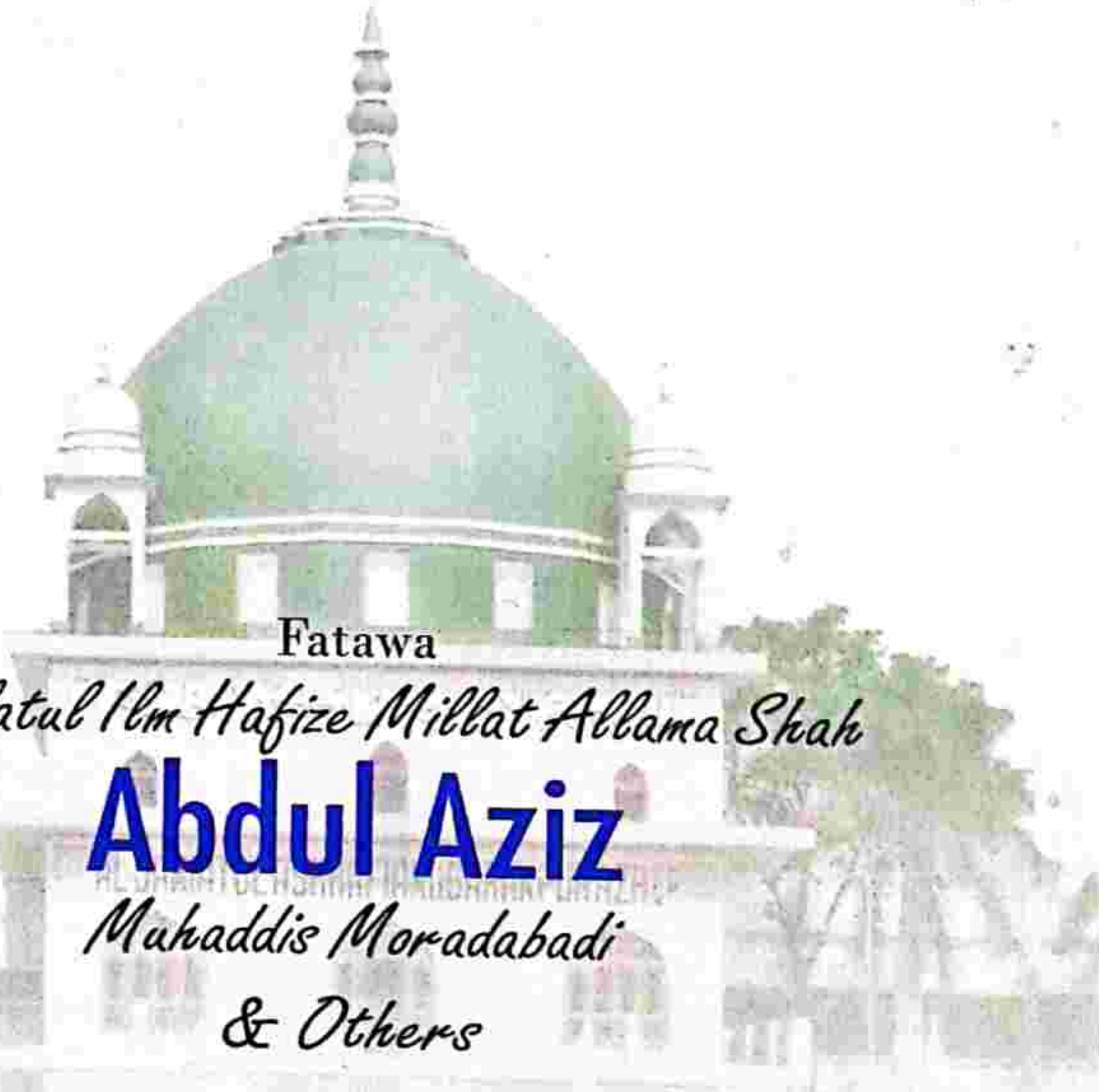
الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ، مدرس دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور

تفصیلی فہرست

Fatawa

Jamia Ashrafia

Mubarakpur



Fatawa

Jalalatul Ilm Hafize Millat Allama Shah

Abdul Aziz

Muhaddis Moradabadi

& Others

Publisher:

Majlis-e-Fiqahi, Jamia Ashrafia

Mubarakpur, Azamgarh (U.P.)